مکمل اور طویل ترین حیرت انگیز داستان

رولوکا

1

تحریر: اے وحید

ڈر ڈائجسٹ کا مشہور و معروف مکمل سلسلہ اور طویل ترین داستانِ حیرت

قسط نمبر 1 سے قسط نمبر 11 تک

رولوکا
نمبر 1

پراسرار قوتوں کا مالک

تحریر: اے وحید



کتاب مارکیٹ نیو اردو بازار کراچی
Ph:32744391

نام کتاب	رولو کا نمبر ①
تحریر	اے وحید
ناشر	ڈر پبلی کیشنز
پرنٹر	خالد پرنٹرز
قیمت	150/-

اسٹاکسٹ

رشید نیوز ایجنسی اخبار مارکیٹ فرئیر روڈ کراچی	زرباغ نیوز ایجنسی چوک یادگار پشاور (سرحد)
گلزار نیوز ایجنسی اخبار مارکیٹ لاہور	اشرف بک ایجنسی کمیٹی چوک راولپنڈی
مہران نیوز ایجنسی اخبار مارکیٹ حیدر آباد	الفتح نیوز ایجنسی مہران مرکز سکھر
ویلکم بک پورٹ اردو بازار کراچی	کامیاب بک ڈپو اردو بازار کراچی
روبی پبلی کیشنز الحمد مارکیٹ لاہور	انصاری بک اسٹال ریگل روڈ فیصل آباد
ریلوے بک اسٹال فیصل آباد	ریلوے بک اسٹال روہڑی

رولوکا

میرا نام وقار احمد ہے۔ ہمارا خاندان حکیموں کا خاندان ہے۔ میرے دادا بہت مشہور حکیم تھے۔ ان کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ جڑی بوٹیوں کے ماہر تھے۔ خود بڑے بڑے جنگلات میں جاتے اور ایک سے بڑھ کر ایک نایاب جڑی بوٹی تلاش کر کے لایا کرتے تھے اور ان کے ذریعہ مریضوں کا علاج کیا کرتے تھے۔

وہ ہر پودے کو دیکھ کر بتا دیا کرتے تھے کہ وہ انسانی صحت کے لیے فائدہ مند ہے کہ نقصان دہ ہے۔ یہ علم انہوں نے اپنے آباؤ اجداد سے اور اپنی خداداد صلاحیت سے حاصل کیا تھا۔ وہ ایک سے ایک نئی دوا بناتے تھے اور اس کو مریضوں پر استعمال کرتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ نباض بھی بہت اچھے تھے۔ ان کے پاس دور دور سے لوگ علاج کی غرض سے آتے تھے اور شفایاب ہو جاتے تھے۔ اس کے باوجود کہ وہ بہت مشہور حکیم تھے کبھی خوشحال نہیں ہوئے۔ جو کماتے تھے اس سے زیادہ وہ خرچ کر دیا کرتے تھے۔ پرکھوں کے زمانے کی کچھ زمین ان کے پاس تھی۔ گھر کا خرچ اس سے چلتا تھا۔

ان کے بعد یہی وطیرہ میرے باپ کا رہا۔ وہ بھی جڑی بوٹیوں پر تجربات کرتے رہے اور لوگوں کو فیض پہنچاتے رہے۔ دولت سے ان کو بھی رغبت نہیں تھی۔ صرف باپ دادا کی نیک نامی اور عزت کو قائم رکھے ہوئے تھے۔ میرے ہوش سنبھالتے ہی میری تربیت شروع ہو گئی۔ تربیت کا انداز وہی تھا جس سے وہ خود گزرے تھے۔ سب سے پہلے جڑی بوٹیوں کی خاصیت ان کے فائدے اور نقصان کے بارے میں بتایا گیا۔ ان کی پہچان بتائی گئی۔ کہاں پر کون سی بوٹی ملتی ہے، کس آب و ہوا میں کون سی بوٹی پیدا ہوتی ہے، پہاڑوں پر پتھروں میں کیا پیدا ہوتا ہے۔ نرم زمین کی بوٹی کی کیا خاصیت ہے۔ یہ ایک بہت وسیع میدان ہے۔ اس علم کو حاصل کرنے والا اس علم کے آخری سرے تک نہیں جا پاتا اور زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ میرے دادا اور باپ کے ساتھ ہوا۔ مگر مجھے ان کے تجربات کا نچوڑ اور انہوں نے جو علم حاصل کیا تھا وہ ضرور مل گیا۔ گویا مجھے سو سال کا تجربہ ورثے میں مل گیا تھا۔

میرے والد کہا کرتے تھے۔ جڑی بوٹیاں قدرت کی انوکھی پیداوار ہیں۔ یہ پیداوار ایک دن پیدا ہوتی ہے، بڑھتی ہے، پھلتی پھولتی ہے اور پھر مرجھا کر بہت جلد فنا ہو جاتی ہے۔ کسی کو پتہ نہیں چلتا۔ قدرت کے ان رازوں کا پتہ ان کو چلتا ہے جو اپنی زندگی اس کام پر لگا دیتے ہیں۔ بے علم آدمی قدرت کی اس پیداوار کو پاؤں سے مسل ڈالتا ہے۔ اس کو ذرا پتہ نہیں چلتا کہ وہ جس کو پاؤں سے مسل رہا ہے اس سے کسی مریض کا علاج ہو سکتا تھا۔ کسی کی جان بچائی جا سکتی تھی۔ اس کی تاثیر سے ایک گھر اجڑنے سے بچایا جا سکتا تھا۔ کسی مرتے ہوئے انسان کے لیے اس کی ایک بوند کافی تھی۔ اس کی زندگی کی ضامن بوند۔ بہت سی جڑی بوٹیاں ایسی بھی ہیں جو انسان کو کچھ وقت کے لیے مردہ کر دیتی ہیں اور وہ پھر دوبارہ زندہ ہو جاتا ہے۔ کوئی عقل مند آدمی پاگل ہو سکتا ہے، اور پاگل ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ بہادر بزدل ہو جاتے ہیں اور بزدل بہادر، نامرد، مرد بن جاتے ہیں اور مرد

تالیاں بجاتے نظر آتے ہیں۔ زندگی اور موت کے راز ان جڑی بوٹیوں میں پوشیدہ ہیں۔

مگر اس علم کو حاصل کرنا بہت مشکل ہے۔ پوری زندگی اس کام کے لیے ناکافی ہے۔ نباتات کی تاثیر پر عبور حاصل کرنا بہت مشکل ہے۔ مجھے یہ آسانی ہوئی کہ میرے باپ دادا کے تجربات میرے حصے میں آ گئے۔ اور ان کے لکھے نسخے مجھے مل گئے۔ دادا کے تحریر کردہ نایاب طریقہ علاج مرض اور مریض کے بارے میں تمام تفصیلات، سندر بن کے جنگلات میں پائی جانے والی جڑی بوٹیوں کے بارے میں تمام تفصیل اور ان کے حاصل کرنے کے طریقے، اور ان کی پہچان، ان کا ذائقہ اور خواص سب کچھ دادا نے لکھ دیا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ جو کچھ وہ لکھ رہے ہیں اس کا فائدہ ان کی آنے والی نسلیں اٹھائیں گی۔ کہیں کہیں تو ان کا انداز تحریر ایسا بھی تھا جیسے وہ مجھے مخاطب کر کے لکھ رہے ہوں۔ وہ کئی کئی دن جنگلات میں پڑے رہتے تھے۔ اس لیے انہوں نے جنگلی پھلوں کے بارے میں بھی لکھ دیا تھا، جو کھائے جا سکتے تھے۔ ان کی پہچان اور تاثیر بھی بیان کر دی تھی۔ وہ اردو میں لکھا کرتے تھے۔ مگر ان کی تحریر کو پڑھنا بہت مشکل تھا۔ ان کی تحریر پکی خط شکست ہوتی تھی۔ میرے والد بھی خط شکست میں لکھا کرتے تھے اور میری تعلیم بھی ان کی زیر نگرانی ہوئی تھی۔ اس لیے میں بھی خط شکست لکھ اور پڑھ سکتا ہوں۔ والد مرحوم اپنے سامنے دادا مرحوم کے نسخے پڑھوایا کرتے تھے اور ان کی تحریر کی باریکیاں بتایا کرتے تھے تاکہ میں آئندہ زندگی میں ان کی تحریر سے استفادہ کر سکوں۔

ایک جگہ دادا جان نے ایک بوٹی کا ذکر بڑی تفصیل سے کیا تھا۔ اس کے بارے میں وہ تحریر کرتے ہیں کہ یہ ہمالیہ کی ترائی کے جنگلات میں پائی جاتی ہے۔ بہت چھوٹا سا پودا ہوتا ہے۔ اس کے پتوں کا رنگ ٹمیالا سا ہرا ہوتا ہے۔ پتے بہت باریک اور چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں۔ اس پودے میں ایک پھول پیلے رنگ کا کھلتا ہے۔ پورے پودے میں صرف ایک ہی پھول ہوتا ہے اور یہ پھول چاند کی چودہ پندرہ تاریخ کو کھلتا ہے اور صرف ایک رات کھلا رہتا ہے۔ اس کے بعد مرجھا کر ڈالی سے ٹوٹ کر گر جاتا ہے۔

کسی کو پتہ نہیں ہے کہ یہ پھول کس کام آتا ہے۔ میں نے بڑی کاوش کے بعد پتہ چلا لیا ہے کہ یہ پھول سونا بنانے میں بنیادی چیز ہے۔ اگر کسی کیمیا گر کو پتہ چل جائے تو وہ سونا بنا سکتا ہے۔ سونا بنانا آسان نہیں ہے۔ ہزاروں لوگ اس کے چکر میں تباہ و برباد ہو چکے ہیں۔ مگر ہر دفعہ ایک آنچ کی کسر رہ جاتی ہے اور یہ پھول وہی ایک آنچ ہے۔ مگر میرے لیے یہ بے کار شے ہے۔ اس لیے کہ مجھے سونے سے دلچسپی نہیں ہے۔ میں تو انسانی زندگی بچانے والی دوا سے دلچسپی رکھتا ہوں۔

دادا جان کی شخصیت کا یہ پہلو بہت حیرت انگیز تھا۔ وہ سونا بنانے کا نسخہ جانتے تھے مگر انہوں نے سونا بنانے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ اس کے بعد والد صاحب نے بھی کبھی ایسا خیال ظاہر نہیں کیا۔ اور نہ ہی اس پھول کو حاصل کرنے کے بارے میں کچھ بیان کیا۔ دادا کی طرح والد صاحب بھی اس طرف سے لاپرواہ تھے۔ ساری تفصیل بیاض میں موجود تھی۔ کا جنگل سندر بن نہایت ہی خطرناک جگہ ہے۔ انسانی جان کے ہزاروں دشمن یہاں پر موجود ہیں۔ شکاری بھی ایک حد تک اور پارٹی کے ساتھ جاتے ہیں۔ اس کے باوجود اکثر کوئی نہ کوئی حادثہ ہو ہی جاتا ہے۔ درندے دن رات آزادی سے اپنی خوراک تلاش کرتے رہتے ہیں۔ سانپ، بچھو اور نہ جانے کتنے حشرات الارض درختوں پر اور زمین پر موت کا جال بچھائے بکھرے پڑے ہیں۔ میرے دل میں ذرا دیر کو سونے کا لالچ آیا تھا۔ آخر میں بھی انسان ہوں۔ انسانی صفات میں لالچ بھی ہے مگر دوسرے ہی لمحے میرے دل سے یہ لالچ نکل گیا۔ ایک تو اس پھول کو حاصل کرنا آسان نہ تھا۔ دوسرے مجھے یہ خیال آ گیا کہ دادا نے اس کو حاصل نہیں کیا۔ باپ نے کوشش نہیں کی۔ اس کی وجہ تو کچھ ضرور ہو گی۔ میں کس چکر میں پڑ رہا ہوں۔ میری تو یہ لائن ہی

نہیں ہے۔

میں اور میرا ایک ملازم جنگلات میں جایا کرتے تھے۔ کیونکہ دواؤں کی ضرورت تو مجھے بھی پڑتی تھی۔ باپ دادا کے زمانے کی کچھ نایاب دوائیں تو میرے پاس تھیں مگر روز مرہ کے علاج کے لیے تو جڑی بوٹیاں لانا پڑتی ہیں۔ ایک دفعہ میں اور میرا ملازم کچھ زیادہ ہی دور چلے گئے۔ مجھے خاص مریضوں کے لیے مجرب قسم کی جڑی بوٹیوں کی ضرورت تھی۔ ہم دونوں خچروں پر سوار تھے۔ جڑی بوٹیوں کی تلاش میں اتنی دور چلے گئے کہ واپسی کے لیے وقت نہ بچا اور شام ہو گئی۔ جو لوگ جانتے ہیں ان کو پتہ ہے کہ جنگل کی رات کس قدر بھیانک ہوتی ہے۔ درندے اکثر رات کو شکار کی تلاش کرتے ہیں۔ اپنے اپنے بھٹوں سے نکل آتے ہیں۔ حشرات الارض بھی اپنی خوراک کی تلاش میں ہوتے ہیں۔

''آج تو بہت برے پھنس گئے وقار صاحب۔'' میرے ملازم نے گھبرا کر کہا۔

''ہاں میاں ٹھیک کہتے ہو۔'' میں نے جواب دیا۔

''رات ہونے سے پہلے کوئی محفوظ جگہ تلاش کرنا ضروری ہے۔'' وہ پھر بولا اور ہم لوگ ایک طرف چل دیئے۔ اس طرف ایک چھوٹی سی ٹیکری نظر آ رہی تھی۔ بہت تیزی سے جاتے جاتے بھی اندھیرا ہو گیا۔ میں نے تھیلے سے ٹارچ نکالی اور اس کو روشن کر لیا۔ ٹیکری کے اطراف میں گھنا جنگل تھا۔ مگر یہ ٹیکری پیلے پتھر کی تھی اس لیے اس پر کوئی بڑا درخت اور جھاڑ جھنکار بھی نہیں تھا۔

ہم اس کے اطراف میں چلتے گئے۔ ایک جگہ ایسی نظر آئی جہاں پر اوپر چٹان تھی۔ دو طرف پتھروں کی دیوار۔ صرف سامنے کا حصہ کھلا ہوا تھا۔ میں نے ٹارچ کی روشنی میں اس دوکان نما جگہ پر نظر ڈالی تو ملازم خیر الدین جلدی سے بولا۔ ''یہ جگہ ٹھیک ہے۔ تینوں طرف سے محفوظ رہیں گے اور سامنے نظر رکھیں گے۔''

میری سمجھ میں بھی یہ جگہ بہترین پناہ گاہ تھی۔ میں خچر سے اتر پڑا۔ میرے ساتھ خیر الدین بھی اتر گیا...... دونوں خچروں کو ایک پیڑ کی جڑ سے باندھ دیا گیا۔ اور ہم دونوں اس پناہ گاہ کے اندر چلے گئے۔ ایک دفعہ پھر ٹارچ کی روشنی سے میں نے اس جگہ کا معائینہ کیا۔ وہ جگہ بالکل صاف ستھری تھی۔

خیر الدین اب ایسا کرتے ہیں سامنے کی طرف آگ جلا لیتے ہیں۔ اس سے درندے اور سانپ بچھو بھی نہیں آئیں گے۔'' میں نے مشورہ دیا۔ جنگل میں لکڑی بہت ہوتی ہے۔ خیر الدین نے بڑی جلدی سے بہت سی لکڑیاں جمع کر لیں اور گھاس درمیان میں رکھ کر آگ لگا دی۔ اس سے دو فائدے ہوئے۔ ایک تو دور تک اس کی روشنی پھیل گئی اور سردی کی جو لہر جسم کے اندر جاتی محسوس ہو رہی تھی وہ بھی دور ہو گئی۔ جب روشنی ہوئی تو میں نے اور لکڑیاں جمع کر لیں۔ تاکہ رات بھر آگ جلتی رہے۔ جنگلی درندوں کی آوازیں قریب محسوس ہو رہی تھیں مگر ہماری طرف کوئی درندہ نہیں آ رہا تھا۔ آگ ایسی چیز ہے جس سے سب ڈرتے ہیں۔ صرف حضرت انسان ہی اس کا استعمال جانتا ہے اور ڈرتا نہیں ہے۔

جب اس طرف سے بے فکری ہوئی تو میں نے تھیلے سے سفری کھانا نکال لیا اور دونوں کھانے لگے۔ ابھی ہم نے کھانا شروع ہی کیا تھا کہ ایک عجیب و غریب چیز سامنے آ گئی۔ میں نے اس کو عجیب و غریب اس لیے کہا کہ وہ جانور نہیں تھا۔ آگ سے اس کو خوف نہیں تھا۔ وہ آگ کے سامنے کھڑا تھا۔ دوسرے اس کا قد زیادہ سے زیادہ ساڑھے چار فٹ تھا۔ جسم نہایت لاغر مگر جسم کے مقابلے میں سر بہت بڑا تھا۔ میں نے غور سے دیکھا وہ انسان ہی تھا۔ اس کے جسم کے نچلے دھڑ پر صرف ایک لنگوٹی نما دھجی لٹک رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا اس کو آگ کی گرمی بہت بھلی لگ رہی ہو۔ وہ ہاتھ پھیلا کر آگ کی گرمی کو اپنے اندر جذب کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مجھے اس کی حالت پر بہت رحم آیا اور میں نے اس کو اپنے پاس آنے کا اشارہ کیا۔ وہ کچھ دیر کھڑا سوچتا رہا اور پھر میرے قریب آ گیا۔ میں نے اس کی طرف ایک لڈو، جو میں کھا رہا تھا، بڑھایا۔ اس

نے جلدی سے وہ لے لیا اور کھانے لگا۔ میں نے تھیلے سے دوسرا نکالا اور کھانے لگا۔ سفری خوراک تھی اور ایک لڈو ہی ایک آدمی کے پیٹ کو بھرنے کے لیے کافی تھا۔ کھانے کے بعد میں نے چھاگل سے پانی پیا اور اس کو بھی پلایا اور چھاگل خیرالدین کی طرف بڑھا دی۔ وہ کھانا کھا کر وہیں بیٹھ گیا۔ اب تک وہ ایک لفظ بھی نہیں بولا تھا۔ میں نے بھی اس سے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔

میں سوچ رہا تھا کہ پتہ نہیں یہ کون سی زبان جانتا ہے۔ میرے سوال کرنے سے پہلے ہی خیرالدین نے کہا۔

''تم کون ہو اور یہاں جنگل میں کیا کر رہے ہو؟''

وہ خاموش رہا۔ سوال شاید اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ میں نے چند منٹ اس کے بولنے کا انتظار کیا۔ جب وہ نہ بولا تو میں نے کہا۔ ''تمہارا نام کیا ہے؟'' وہ کچھ نہ بولا مگر ممنونیت بھری نظروں سے میری طرف دیکھنے لگا تو میں نے بہت ہی نرم لہجہ میں کہا۔ ''بولو ہم تمہاری کیا مدد کر سکتے ہیں؟''

وہ لڑکھڑاتی آواز میں بولا۔ ''رولوکا...... ہم رولوکا۔''

''تمہارا نام رولوکا ہے؟'' میں نے پوچھا تو اس نے ہاں میں گردن ہلا دی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا وہ کافی عرصہ کے بعد بولا ہے۔ اس کی آواز میں لرزش تھی۔

''کس قبیلے کے ہو اور کہاں رہتے ہو؟'' میں نے پوچھا۔ یہ تو اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ میری بات سمجھ جاتا ہے۔

''بوڑ وے، بہت دور، بہت دور......'' وہ پھر لڑکھڑاتی آواز میں بولا۔

''تم یہاں پر کس طرح آئے ہو۔'' میں نے پوچھا۔

''لڑائی، بہت بڑا لڑائی......'' وہ بولا۔

''تمہارے ساتھ لڑائی ہوئی تھی؟'' میں نے کہا تو اس نے ہاں میں گردن ہلا دی۔ ''کس کے ساتھ لڑائی ہوئی؟'' میں نے پھر پوچھا۔

''بودا کے ساتھ۔'' وہ جلدی سے بولا۔ ''بولتا ہے بودا ہمارا بڑا ہے۔''

''بودا سردار ہے......؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں بڑا ہے۔ سب کو بولتا ہے، سب سنتا ہے۔''

''تم کون ہو! تم سے لڑائی کیوں ہوا۔'' میں نے پوچھا۔

''وچ ہوں......'' وہ بولا۔

''وچ، کیا حکیم ڈاکٹر ہو؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں میں سب کو ٹھیک کرتا ہوں۔ بودا کا بیوی مر گیا۔ بس لڑائی ہو گیا۔ بھاگ گیا ہم، بھاگ گیا۔''

''تم کب سے بھاگا ہوا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''بارہ چاند ہو گیا۔'' وہ بولا۔

''اس کا مطلب ہے کہ ایک سال سے تم جنگل میں پھر رہا ہے۔'' میں نے کہا۔

''بہت خطرہ تھا۔ سب ہم کو کھوجتا تھا۔ کدھر جاتا۔ تم اچھا ہے۔''

''تم میرے ساتھ چلو گے؟'' میں نے پوچھا تو اس نے ہاں میں گردن ہلا دی۔ میں نے خیرالدین سے کہا۔ ''تم کچھ سو لو میں جاگ رہا ہوں۔ جب مجھے نیند آئے گی تو میں تم کو اٹھا دوں گا۔'' خیرالدین نے تھیلا سرہانے رکھا اور لیٹ گیا۔

''تم بالکل ننگا ہے۔ تم کو سردی نہیں لگتی؟'' میں نے رولوکا سے پوچھا۔ وہ مسکرا دیا جیسے میں نے کوئی بچکانہ سوال کر دیا ہو اور بولا۔

''دوا اچھی دوا۔''

''تم نے دوا کھائی ہے۔'' میں نے کہا۔

وہ مسکرا کر بولا۔ ''دوا......''

''کون سی دوا کھائی ہے۔'' میں نے پھر پوچھا۔ تو اس نے لنگوٹ میں سے ایک بیر کی شکل کا پھل نکال کر میرے ہاتھ پر رکھ دیا۔ وہ بیر نہیں تھا کیونکہ اس کی شکل ذرا لمبوتری تھی۔ دور سے دیکھنے پر وہ بیر ہی لگتا تھا۔

''اس سے سردی نہیں لگتی؟'' میں نے پوچھا۔

''نہیں لگتا۔'' وہ بولا۔

''یہ کدھر ملتا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''ادھر ملتا ہے۔'' وہ بولا۔

''اچھا تم اب آرام کرو میں جاگتا ہوں۔ صبح باتیں کریں گے تم میرے ساتھ چلنا۔ دور بہت دور، ادھر تمہارا دشمن نہیں آئے گا۔'' وہ خاموشی سے ایک طرف لیٹ گیا اور لیٹتے ہی سو بھی گیا۔

جنگل کا سناٹا چیخ رہا تھا۔ بھانت بھانت کی آوازیں آرہی تھیں۔ مگر آگ نے سب کو دور کر دیا تھا اور دھواں مچھروں کو بھگا رہا تھا۔ وہ دونوں مزے سے سو رہے تھے۔ میں نے گھڑی میں وقت دیکھا رات کے دس بجے تھے۔ سورج کب کا غروب ہو چکا تھا مگر ابھی صرف دس ہی بجے تھے۔ میں مسلسل آگ پر لکڑیاں ڈال رہا تھا۔ جب آگ جل جاتی ہے تو گیلی سوکھی نہیں دیکھتی سب کو جلا ڈالتی ہے۔ لکڑی جلنے کی بھی ایک آواز ہوتی ہے اور لکڑی کے چٹخنے کی بھی ایک آواز ہوتی ہے۔

رات کے اس پر ہول سناٹے میں یہ آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ رات بہت آہستہ آہستہ اپنا سفر کر رہی تھی۔ جو ریل گاڑی اور موٹر میں سفر کرتے ہیں ان کو بیل گاڑی بہت سست رفتار معلوم ہوتی ہے۔ میرا واسطہ پہلی بار جنگل میں رات گزارنے کا پڑا تھا۔ اس لیے مجھے وقت تھما ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ کافی دیر کے بعد میں نے پھر گھڑی دیکھی۔ مگر وقت دس بج کر پچاس منٹ ہوئے تھے۔ کتنا لمبا گھنٹہ ہو گیا ہے میں نے سوچا۔ میں نے اور لکڑیاں آگ میں جھونک دیں۔ مدھم ہوتی آگ پھر تیز ہو گئی۔

پل پل گنتے بارہ بج گئے۔ اب مجھے بھی نیند کے جھونکے آرہے تھے۔ میں نے سوچا خیر الدین کو اٹھا دوں۔ میں نے خیر الدین کو آواز دی مگر خیر الدین اتنا بے خبر سو رہا تھا کہ اس نے میری آواز نہ سنی۔ مگر رولو کا فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا اور میری طرف دیکھنے لگا۔ میں نے اس کو دوبارہ لیٹ جانے کا اشارہ کیا اور وہ لیٹ گیا۔ میں اٹھ کر خیر الدین کے پاس آ گیا اور اس کو اٹھا دیا۔

''کیا بجا ہے؟'' اٹھتے ہی اس نے پوچھا۔

''بارہ بج گئے ہیں۔ اب تم سونا نہیں اور آگ پر خوب لکڑیاں ڈالتے رہنا۔'' میں نے کہا۔

''آپ فکر نہ کرو صاحب۔'' وہ بولا اور میں اس کی جگہ لیٹ گیا اور چند منٹ میں ہی سو گیا۔

میری جس وقت آنکھ کھلی اس وقت درختوں پر زندگی جاگ گئی تھی۔ پرندوں کے جاگ جانے کی آوازیں آرہی تھیں۔ مگر اس کے ساتھ ہی درندوں کی آوازیں بھی صاف سنائی دی رہی تھیں۔ میں نے جاگ کر اطراف کا جائزہ لیا مگر رولو کا اپنی جگہ نہیں تھا۔ ''یہ رولو کا کہاں چلا گیا۔'' میں نے خیر الدین سے پوچھا۔

وہ حیرت سے بولا۔ ''ابھی تو یہیں تھا۔''

''میرا خیال ہے تم بھی سو گئے تھے۔'' میں نے کہا۔

''ارے نہیں صاحب میں ذرا نہیں سویا۔'' وہ بولا۔

''پھر یہ رولو کا چلا گیا اور تم کو پتہ نہیں چلا۔'' میں نے کہا۔

''ہاں یہ بات تو ہے۔'' وہ شرمندگی سے بولا۔

''اچھا خیر! اب چلنے کی تیاری کرو۔ دوپہر کو رکنا نہیں ہے۔ کھانا اور ناشتہ سب کر لو۔''

''چائے کا بندوبست کروں۔'' اس نے پوچھا۔

''دودھ کہاں سے لاؤ گے؟'' میں نے کہا۔

''کالی ہی پئیں گے.....'' اس نے کہا تو میں نے اثبات میں سر ہلا دیا اور تھیلے سے کھانا نکالنے لگا۔

رات کا سفر ختم ہو گیا تھا اور خوب روشنی ہو گئی تھی۔ مجھے ایک طرف سے رولو کا آتا نظر آیا۔ اس کے کاندھے پر ایک زندہ ہرن لدا ہوا تھا۔ ہم دونوں نے حیرت سے اس کو دیکھا تو وہ بولا۔ ''کھانا.....''

ہرن کے دونوں سینگ اس نے مضبوطی سے پکڑ کر اس کو کھڑا کر دیا۔ میں نے دیکھا ہرن مادہ تھی اس کے تھنوں میں دودھ بھرا ہوا تھا۔ میں نے رولو کا کو اشارہ کیا کہ وہ ہرن کو پکڑے رکھے۔ اور میں نے چینی کے تام مگ میں ہرنی کا دودھ نکالنا شروع کر دیا۔ ذرا سی دیر میں مگ بھر گیا۔ ہرنی کے بچوں کے حصے کا کچھ دودھ میں نے نکال لیا

تھا۔ خیرالدین کو دودھ دے کر میں نے رولوکا کو بتایا کہ کھانا بہت ہے یہ بچوں والی ہے، اس کے بچے بھوک کے مر جائیں گے اس لیے اس کو چھوڑ دو۔ رولوکا نے تعجب سے میری طرف دیکھا اور کھا جانے کا اشارہ کیا۔ مگر میں نے پھر اپنی بات دہرائی اور رولوکا نے ہرنی کو چھوڑ دیا۔

ہرنی آزاد ہوتے ہی ہوا ہو گئی۔ رولوکا میرے پاس ہی بیٹھ گیا۔ کچھ ہی دیر میں خیرالدین نے چائے پیش کر دی۔ اور تینوں چائے کے ساتھ سفری کھانا کھانے لگے۔ کھانے کے بعد ایک ایک کپ اور چائے پی اور تازہ دم ہو گئے۔ رولوکا نے زندگی میں پہلی دفعہ شاید چائے پی تھی وہ بہت اچھا، بہت اچھا کہتا رہا۔

میں بنیادی طور پر حکیم تھا اور جڑی بوٹیوں کی ہی تلاش میں آیا تھا۔ پھر بھلا میں اس بیرنما بوٹی کو کس طرح بھول سکتا تھا جس کے کھانے سے سردی نہیں لگتی۔ میں نے رولوکا سے پوچھا۔ ”وہ بوٹی یا پھل کہاں ہے، اور اس کو کتنا کھایا جائے کہ سردی نہ لگے۔“

رولوکا نے گردن ہلائی اور بولا۔ ”ہمارا ساتھ آؤ۔“

میں نے خیرالدین کو کھڑا رہنے کی ہدایت کی اور خچر کی لگام اس کے ہاتھ میں دے کر رولوکا کے ساتھ چل پڑا۔ رولوکا نشیب کی طرف جا رہا تھا جہاں پر گھنی جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ ہم جتنا نشیب میں اتر رہے تھے اندھیرا بڑھتا جا رہا تھا۔ درخت اور جھاڑیاں اس قدر زیادہ تھیں کہ سورج کی روشنی زمین پر نہیں پہنچ رہی تھی۔ اس ملگجی روشنی میں پانی کے گرنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ ہم جوں جوں آگے جا رہے تھے آواز بڑھتی جا رہی تھی۔ کچھ ہی دیر کے بعد ہم ایک آبشار کے پاس کھڑے تھے۔ وہ آبشار اس مقام پر گر رہا تھا مگر پانی کا پھیلاؤ زیادہ نہیں تھا۔ پانی جہاں گر رہا تھا وہاں سے بہت کم زمین پر بہہ رہا تھا۔ اس کا مطلب تھا وہ جہاں گر رہا تھا وہیں سے زمین کے اندر جا رہا تھا۔ مگر اس کی چھینٹوں نے میرے کپڑے تر بتر کر دیئے تھے۔ اندھیرے میں پانی صاف شفاف نظر آتا تھا۔ پانی کے کنارے کنارے جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں اور سردی اس قدر زیادہ تھی کہ کچھ ہی دیر میں میرا جسم شل ہوتا معلوم ہونے لگا۔

رولوکا ان جھاڑیوں کے قریب گیا اور چند پھل توڑ کر لے آیا اور مجھے کھانے کا اشارہ کیا۔ وہ پھل وہی تھا۔ بیرنما، مگر ذرا لبوترا۔ آدھا سفید تھا اور آدھا گہرا ہرا۔ میں نے اس کو منہ میں ڈال لیا۔ کچھ مزا عجیب سا تھا۔ نہ اس کو ترش کہہ سکتے ہیں نا کڑوا۔ رولوکا نے اپنا منہ چلا کر بتایا کہ اس کو چباؤں اور میں چبانے لگا۔ اتنی دیر میں رولوکا دونوں ہاتھوں میں اور پھل لے آیا۔ وہ سب پھل لے کر میں نے اپنی جیب میں ڈال لیے۔ چند ہی منٹ کے بعد مجھے ایسا لگا جیسے سردی کم ہو رہی ہے اور پھر آہستہ آہستہ سردی کا احساس بالکل ختم ہو گیا۔

یہ اس حیرت انگیز پھل کی خوبی تھی۔ اب مجھے اندازہ ہوا کہ رولوکا جس کو میں صرف ایک جنگلی آدمی ہی سمجھ رہا تھا وہ بہت آگے کی چیز ہے۔ ایک حیرت انگیز پھل سے اس نے مجھے متعارف کرایا تھا۔ جس قدر پھل میں لا سکتا تھا وہ میں نے توڑ لیے اور واپسی کا ارداہ کیا تھا کہ رولوکا بولا۔ ”گرمی والا بوٹی کا ضرورت نہیں۔“

”کیا کوئی ایسا بوٹی بھی ہے جو گرمی سے بچاتا ہے۔“ میں نے حیرت سے پوچھا۔

”بہت ہے آؤ......“ اور وہ واپس چل پڑا۔

اب وہ دوسرے راستے سے چڑھائی چڑھ رہا تھا۔ روشنی بڑھتی جا رہی تھی۔ کیونکہ ہم گھنی جھاڑیوں سے نکل آئے تھے۔ رولوکا بڑی تیزی سے اوپر چڑھ رہا تھا۔ مجھے اس کا ساتھ دینے میں پریشانی ہو رہی تھی اور تھکن کا احساس ہو رہا تھا مگر رولوکا تازہ دم تھا۔ اس پر ذرا بھی تھکن کا احساس نہیں تھا۔ وہ جتنا کمزور نظر آتا تھا وہ اتنا کمزور تھا نہیں۔ وہ بندر کی طرح کودتا چلتا تھا۔ مجھے اس کا ساتھ دینا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ ہر دس بیس قدم کے بعد کھڑا ہو جاتا تھا تا کہ میں بہت زیادہ پیچھے نہ رہ جاؤں۔

پہاڑ پر زیادہ جھاڑیاں نہیں تھیں۔ پیلے پتھر کی چٹانیں ننگی نظر آتی تھیں۔ مگر کسی کسی پر سبزا بھی نظر آتا تھا۔

رولوکا ایک لمبا چکر کاٹ کر ایک ایسی ہی ٹیکری پر جا رہا تھا جس میں اس کو ہریالی نظر آ رہی تھی۔ وہ اس ہریالی والی جگہ پہنچ کر کھڑا ہو گیا۔ میں جب اس کے قریب پہنچ گیا تو وہ بولا۔ ”ادھر ہے۔“ اس نے زمین کی طرف اشارہ کیا۔

زمین پر گھاس کی طرح کی ایک بوٹی اگی ہوئی تھی۔ اس میں بہت چھوٹے چھوٹے سرخ رنگ کے پھل لگے ہوئے تھے۔ وہ مٹر کے دانوں سے بڑے نہیں تھے۔ مگر ان کی جلد کا رنگ نہایت چمکدار اور تیز سرخ تھا۔ دیکھنے میں وہ سرخ موتی معلوم ہوتے تھے۔

میں نے رولوکا سے پوچھا۔ ”یہی وہ پھل ہے جس سے گرمی نہیں لگتی؟“

رولوکا نے ہاں میں گردن ہلائی۔ میں اسے توڑنے کو آگے بڑھا ہی تھا کہ رولوکا نے مجھے کاندھے سے پکڑ کر روک دیا اور بولا۔ ”ایسا نہیں۔ ہم کرتا ہے۔“

رولوکا نے قریب کے درخت سے ایک پتا توڑا۔ نہ معلوم وہ کون سا درخت تھا اس کا پتہ پان نما تھا مگر سائز میں وہ پان سے بہت بڑا تھا اور موٹائی میں بھی زیادہ تھا۔ رولوکا نے اس پتے کو دونوں ہاتھوں میں لے کر مسل ڈالا۔ اس پتے میں سے ہرا ہرا پانی نکلنے لگا۔ رولوکا نے وہ پانی اپنے ہاتھوں پر مل لیا اور کچھ دیر کھڑا رہا۔ اب رولوکا کے ہاتھ خشک ہو گئے تھے۔ پھر وہ زمین پر بیٹھ گیا اور ایک ایک کر کے وہ چھوٹے چھوٹے پھل توڑنے لگا۔ میں نے دیکھا وہ جو پھل توڑتا اس ٹہنی سے ایک سفید رنگ کا پانی نکلتا تھا۔ رولوکا نے دس بارہ پھل توڑ لیے اور پھر اسی درخت کے ایک پتے پر ان کو رکھ دیا اور پھر اور پھل توڑنے لگا۔ اس طرح اس نے تقریباً ایک کلو سے زیادہ پھل جمع کر لیے۔ وہ اتنے احتیاط سے پھل توڑ رہا تھا کہ اس پودے سے نکلنے والے پانی کو اپنے ہاتھ پر نہیں لگنے دیتا تھا۔ میں بہت غور سے اس کے سب کام کا معائنہ کر رہا تھا۔ میں سمجھ چکا تھا کہ یہ پانی جو پھل توڑنے سے پودے سے نکلتا ہے خطرناک قسم کا زہر ہے۔ رولوکا احتیاطی تدبیر کر چکا ہے۔ اس کے باوجود اس پانی کو ہاتھ پر نہیں لگنے دے رہا۔

دونوں پتوں کو اس نے بھر دیا۔ کچھ ہی دیر میں ایک حیرت انگیز چیز اور میرے سامنے آ گئی۔ وہ چھوٹے چھوٹے پھل جن کا رنگ تیز سرخ تھا ان کا رنگ مدھم ہوتے ہوتے مٹیالا ہو گیا اور جن پتوں پر وہ رکھے تھے وہ گہرے ہرے رنگ کے پتے پیلے ہو گئے۔ یہ اتنی جلدی ہوا کہ میں حیرت سے رولوکا کی طرف دیکھنے لگا۔ کیسی عجیب بات لگتی ہے۔ میں خاندانی حکیم جڑی بوٹیوں کا ماہر جس کے پاس باپ دادا کا تجربہ تھا، جو ہزاروں مریضوں کو ٹھیک کر چکا تھا۔ اس جنگلی بونے کے سامنے خود کو بالکل اناڑی سمجھ رہا تھا۔ جو کچھ اب تک ہوا تھا وہ میری عقل، تجربے اور سمجھ سے بالاتر تھا۔

رولوکا نے مسکرا کر میری طرف دیکھا اور بولا۔ ”اس بوٹی کا خطرناک پانی پتے نے پی لیا۔ اب یہ اچھا ہے۔“ اور اس نے وہ پھل ہاتھ میں لے کر دکھائے۔ پھر ایک دوسرا پتہ اس نے توڑا اور وہ پھل اس پر رکھنے لگا۔ کافی دیر تک وہ پھل اس پتے پر رکھے رہے۔ مگر وہ پتہ ویسا ہی ہرا رہا تو وہ بولا۔ ”اب یہ ٹھیک ہیں۔ اس کو کھا سکتے ہیں۔“

میں نے وہ سب پھل اپنی ایک جیب میں ڈال لیے اور واپسی کے لیے مڑ گیا۔ میرے مڑتے ہی رولوکا مجھ سے آگے آ گیا اور بہت کم وقت میں ہم خیرالدین کے پاس پہنچ گئے۔ میں اگر اکیلا واپس آتا تو شاید نہ پہنچ پاتا۔ حیرت انگیز صلاحیتوں کا مالک تھا یہ جنگلی بونا۔

میں رولوکا کو بار بار بونا کہہ رہا ہوں۔ شاید اس سے میں اپنے آپ کو بڑا سمجھ کر کہہ رہا ہوں مگر ایسا نہیں تھا۔ اس نے مجھے دو چیزیں بتائیں۔ دونوں حیرت انگیز تھیں۔ ان کو تلاش کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی مجھے جو جگہیں دکھا دیں اور ان کو توڑنے کا طریقہ بتا دیا۔ ایک طرح سے وہ میرا استاد ہوا۔ بزرگوں کا کہنا ہے کہ اگر کوئی ایک لفظ بھی سکھائے تو وہ استاد ہوتا ہے۔ میں نے ان کے استعمال کا طریقہ بھی رولوکا سے پتہ کر لیا۔ جس

درخت کے پتے رولوکا نے استعمال کیے تھے اس کی خاصیت یہ تھی کہ وہ ہر قسم کا زہر چوس لیتے تھے۔ رولوکا نے بتایا کہ اگر سانپ کاٹ لے تو اس جگہ زخم کر کے اس پر ایک پتہ باندھنا چاہیے۔ مریض نہیں مرے گا۔ دوسرا پتہ باندھنے کے بعد وہ ٹھیک ہو جائے گا۔ اس نے مزید بتایا کہ جہاں پر یہ درخت ہوتا ہے وہاں پر زہریلے کیڑے مکوڑے نہیں آتے۔

ہمارے آتے ہی خیرالدین نے چلنے کی تیاری کر لی اور میں رولوکا کی وجہ سے خچر کی لگام پکڑ کر پیدل ہی روانہ ہوا۔ رولوکا میرے ساتھ تھا۔ خیرالدین اپنے خچر پر ہمارے پیچھے آ رہا تھا۔ شام تک ہم نے بہت سفر کر لیا۔ رولوکا بہت کم بات کرتا تھا۔ وہ خاموشی سے میرے ساتھ چل رہا تھا۔ صرف اشارے سے راستہ بتا رہا تھا۔ میں سمجھ چکا تھا کہ وہ جنگل کا ماہر ہے ہمیں بھٹکائے گا نہیں۔ اور وہی ہوا مغرب سے پہلے اس نے ہم کو جنگل سے باہر نکال دیا۔ اگر ہم خود آتے تو شاید ایسا نہ ہوتا۔ جنگل ختم ہوتے ہی وہ بولا۔ ''ہم پھر آئے گا۔'' اور کوئی بات سنے بغیر جنگل میں بھاگتا چلا گیا۔

میں نے اور خیرالدین نے بہت آوازیں دیں مگر وہ چلا گیا۔ میں نے سوچا تھا ایک کام کا آدمی ملا ہے اس سے کچھ اور سیکھوں گا۔ یہ تو اندازہ مجھے ہو گیا تھا کہ رولوکا وہ نہیں ہے جو نظر آتا ہے اور اس کو اتنی جلدی سمجھ لینا کہ وہ کیا ہے بہت مشکل ہے۔ اس کا یہ کہنا کہ وہ وچ ہے شاید اس کا مطلب ڈاکٹر یا حکیم ٹائپ کی چیز ہو۔ ان کے طریقہ علاج اور جڑی بوٹیاں دوسری ہوں۔ اگر یہ درست ہے تو وہ میرے لیے بہت اہمیت کا آدمی ہے۔ مگر کیا کہا جا سکتا ہے۔ وہ جس طرح ملا تھا اسی طرح چلا گیا۔ مگر پھر آنے کا کہہ گیا ہے۔ مگر کب آئے گا، کہاں آئے گا، اس کو میرا کیا پتہ، میں تو روز روز جنگل نہیں آتا۔ پہلی دفعہ باپ دادا کی روایت کو زندہ کرنے آ گیا تھا۔ مگر شاید اب آنا پڑے۔ مجھے رولوکا کی ضرورت ہے۔ وہ میرا استاد ہے۔ اس سے بہت کچھ سیکھا جا سکتا ہے۔ میں ان خیالات میں غرق پیدل ہی چلا جا رہا تھا کہ خیرالدین کی آواز آئی۔

''ابھی ٹھکانا دور ہے صاحب۔ خچر پر بیٹھ جائیں۔ رولوکا کے ساتھ آپ بھی سارا دن پیدل ہی چلے ہیں۔''

''پیدل چلنا مجبوری تھی خیرالدین۔'' میں نے جواب دیا۔

''کیا مجبوری تھی۔'' خیرالدین بولا۔

''رولوکا میرا استاد تھا۔ میں خچر پر سواری کرتا اور وہ پیدل، یہ استاد کی توہین تھی۔ اس لیے میں بھی پیدل چلتا رہا۔'' میں نے جواب دیا۔

''رولوکا، آپ کا استاد!'' خیرالدین حیرت سے بولا۔

''ہاں! اس نے مجھے بہت کچھ سکھایا ہے اس لیے وہ میرا استاد ہی ہوا۔ میں اس کی استاد کی طرح ہی عزت کرتا ہوں اور تم بھی یہ بات یاد رکھنا۔'' میں نے کہا۔

خیرالدین نے تعجب سے گردن ہلائی مگر کچھ بولا نہیں۔ تین دن کے بعد میں اپنے شہر یعنی سہارن پور پہنچ گیا۔ میرے بہت سے مریض میرا انتظار کر رہے تھے۔ میرا مطب وہی تھا جو باپ دادا کے زمانے سے چلا آ رہا تھا۔ یعنی اوپری منزل پر پورا گھرانا رہتا تھا اور نیچے مطب تھا۔ بہت بڑا مکان تھا ہماری ضروریات سے زیادہ۔ اس میں گنجائش تھی چونکہ ایک زمانے سے یہ مطب یہیں پر قائم تھا اس لیے پورا شہر جانتا تھا۔ سہارنپور زیادہ بڑا شہر تو نہیں مگر پھر بھی اچھی خاصی آبادی ہے۔ حکیم جواد کا بورڈ مطب کی پیشانی پر ایک زمانے سے لگا ہوا ہے۔ حکیم جواد میرے دادا تھے۔ والد صاحب نے اس بورڈ کو نہیں بدلوایا۔ وہ بھی اسی نام سے مطب چلاتے رہے اور میں بھی دادا کے نام کو ہی استعمال کر رہا تھا۔

میں نے سب جڑی بوٹیوں کے تھیلے اپنے آدمیوں کے حوالے کر دیئے تاکہ وہ ان کو ان کی جگہوں پر رکھ دیں۔ مگر وہ دونوں یعنی گرمی اور سردی سے بچنے والی دوائیں اپنے پاس رکھ لیں۔ میرے پاس دواؤں کا اتنا اسٹاک موجود تھا کہ تین چار مہینے مجھے دواؤں کی ضرورت

نہیں تھی۔ خیرالدین کے علاوہ میرے پاس تین آدمی اور کام کرتے تھے۔ یہ لوگ میرے والد کے زمانے کے تھے اور حکمت کے بارے میں معلومات رکھتے تھے۔ دواؤں کو بنانا، کوٹنا، چھاننا اور ان کو رکھنا خوب جانتے تھے۔ ان کو بتانے کی ضرورت مجھے نہیں پڑتی تھی۔ میرا مطب خوب چلتا تھا۔ آمدن کے لحاظ سے اتنی آمدنی ہو جاتی تھی کہ ہم سب کا گزارہ بخوبی ہو جایا کرتا تھا۔

تین مہینے گزر گئے تو ایک روز سندر لال نے کہا۔ سندر لال دوائیں تیار کرتا تھا اور وہی اسٹاک کرتا تھا۔ نام تو اس کا سندر لال تھا مگر وہ تھا، بندر لال۔ ویسی ہی گول گول آنکھیں اور ناٹا قد۔ بدن میں بندروں والی پھرتی۔ میں مذاق میں اس کو کبھی کبھی بندر لال کہہ دیا کرتا تھا تو وہ برا نہیں مانتا تھا۔ ''حکیم جی! دواؤں کا کچھ کرو۔ ختم ہونے والی ہیں۔''

''اچھا! کتنے دن اور چلیں گی؟'' میں نے پوچھا تو وہ بولا۔

''بس زیادہ سے زیادہ ایک ہفتہ اور چلیں گی۔''

''خود جانا پڑے گا۔'' میں نے کہا۔

''ہاں جی ایسا ہی لگتا ہے۔ بھولا رام تو اب اس قابل رہا نہیں۔'' وہ بولا۔

''ہاں مجھے پتہ ہے۔ اسی لیے تو کہہ رہا ہوں خود جانا پڑے گا۔'' میں نے جواباً کہا۔

بھولا رام میرے باپ کے زمانے میں جڑی بوٹیاں جنگل سے لایا کرتا تھا۔ ہر بوٹی کو پہچانتا تھا۔ اس کو میرے والد نے جڑی بوٹیوں کی خوب پہچان کرا دی تھی۔ مگر اب وہ بہت زیادہ بوڑھا ہو گیا تھا۔ نظر بھی کمزور ہو گئی تھی اور زیادہ پیدل بھی نہیں چل سکتا تھا۔ اس جیسا دوسرا آدمی کوئی تھا نہیں۔ ''تو پھر ایسا کر سندر لال، چلنے کی تیاری کر لے۔'' میں نے سندر لال سے کہا۔

''حکیم جی! خیرالدین نہیں جائے گا کیا۔'' وہ بولا۔

''خیرالدین کی گھر والی بیمار ہے۔ وہ شاید نہ جا سکے۔ تو ایسا کر اس سے پوچھ لے کہ سفر میں کس کس چیز کی ضرورت ہوتی ہے۔ سوکھا راشن وغیرہ سب اس کو پتہ ہے۔ تھیلے وغیرہ سب وہ تیار کر دے گا۔''

سب تیاری دو روز میں ہو گئی اور میں اور سندر لال تنک پور کی گاڑی میں سوار ہو گئے۔ تنک پور منڈی ریلوے کا آخری اسٹیشن ہے۔ اس کے بعد جنگلات کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ تنک پور سے آگے ایک دو گاؤں ہیں اس کے بعد جنگل ہے۔ جو گاؤں جنگل کے قریب ہیں یہاں پر رہنے والے دیہاتی بڑے بہادر ہیں۔ وہ جنگلی درندوں سے نہیں ڈرتے۔ آدمی تو آدمی عورتیں تک بڑے سے بڑے درندے کا مقابلہ کرتی ہیں۔ یہاں پر انڈے، گوشت، دودھ کوئی نہیں خریدتا۔ بلکہ وہ لوگ جانتے ہی نہیں کہ یہ چیزیں بکتی بھی ہیں۔ انڈے وہ لوگ جنگلی مرغیوں کے حاصل کرتے ہیں اور ان کو جال میں پھانس کر پکڑتے ہیں۔ اسی طرح یہ لوگ جس جانور کو کھانا چاہتے ہیں اپنی دیسی ترکیبوں سے شکار کرتے ہیں۔ سب لوگ گوشت خور ہیں۔ آبادی کس قوم کی ہے پتہ نہیں چلتا۔ کیونکہ یہاں پر نہ کوئی مندر ہے نہ مسجد۔ سب مل جل کر رہتے ہیں اور مل کر ہر مصیبت کا مقابلہ کرتے ہیں۔ مردوں کے جسم پر ایک سلوکا نما صدری اور ایک لنگوٹی نما دھوتی ہوتی ہے۔ عورتیں ایک ساڑھی نما کپڑا استعمال کرتی ہیں۔ اوپر جسم پر بھی وہی کپڑا پڑا ہوتا ہے۔ چولی یا اس قسم کی کوئی چیز ان کے جسم پر نہیں ہوتی۔

اس گاؤں کے مکھیا سے میرے بہت پرانے تعلقات ہیں۔ میرے والد کو بھی یہ مکھیا جانتا تھا۔ باپ کی طرح میں بھی جب جاتا ہوں اس کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور لے کر جاتا ہوں۔ اس کے بدلے میں وہ ہماری سواری کے لیے خچر دیتا ہے اور جو ہم کو ضرورت ہو پوری کرتا ہے۔ میں دو چار روپے کی چیز اس کو دیتا ہوں تو وہ بھی اس سے زیادہ میرا خیال کرتا ہے۔ اور پھر ہمارا آخری ٹھکانا بھی یہی گاؤں ہوتا ہے۔ میرے والد سفر کے لیے ایک قسم کے لڈو بناتے تھے۔ ان کی خاصیت یہ تھی کہ ایک لڈو کھانے کے بعد پیٹ بھر جاتا تھا اور ایسا لگتا تھا کہ

مکمل کھانا کھایا ہے۔ کسی قسم کی کمزوری محسوس نہیں ہوتی تھی۔ میں بھی وہی لڈو بنا کر ساتھ رکھتا تھا۔ کچھ خشک غذا بھی رکھتا تھا۔ مگر اس کی ضرورت کم ہی پڑتی تھی۔ چائے کی پتی نمک چینی بھی تھیلے میں موجود ہوتی تھی۔ ہم لوگ جڑی بوٹیاں تلاش کرنے جاتے تھے۔ اس لیے کوئی آتشی ہتھیار اپنے پاس نہیں رکھتے تھے۔ ایک تیز چاقو میرے پاس ضرور ہوتا تھا۔ اور جو میرے ساتھ جاتا تھا ایک ایسا ہی چاقو اس کے پاس بھی ہوا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ دس بارہ فٹ لمبی رسی پتلی مگر مضبوط بھی ضرور ساتھ ہوتی تھی۔ ہم یہ سب چیزیں سہارنپور سے لے کر چلتے تھے۔ آخری سرے کے گاؤں سے ہم صرف خچر لیا کرتے تھے اور اس کی نقد ادائیگی کیا کرتے تھے۔

گاؤں کے مکھیا سے اگرچہ میرے بہت پرانے تعلقات تھے مگر میں اس کو بلا وجہ تکلیف نہیں دیتا تھا۔ میرے والد بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ خچر میں خریدتا تھا۔ مگر واپسی میں وہ خچر مکھیا کو ہی دے آتا تھا اور بھی جو سامان ہمارے کام کا نہیں ہوتا تھا اس کے حوالے کر دیتا تھا۔ اس دوردراز گاؤں میں چھوٹی چھوٹی چیزوں کی بڑی اہمیت تھی۔ اس لیے مکھیا میری بڑی آؤ بھگت کرتا تھا۔ سادہ لوگ تھے وہ لوگ شہروں والی چال بازیوں کو جانتے نہیں تھے۔

اس دفعہ میرے ساتھ سندر لال تھا۔ یہ خیرالدین سے زیادہ چاک و چوبند اور ہوشیار آدمی تھا۔ دیکھنے میں تو وہ چھوٹا سا اور کمزور نظر آتا تھا مگر وہ ایسا نہیں تھا۔ ایک رات ہم نے گاؤں میں آرام کیا۔ مکھیا نے رات کو ہی دو تگڑے خچروں کا بندوبست کر دیا تھا۔ صبح ایک ایک باجرے کی روٹی اور ایک ایک بالٹی سائز گلاس دودھ کا ناشتہ ہم نے کیا۔ یہ بندوبست مکھیا کی طرف سے تھا اور خچروں پر سب سامان لادا اور جنگل کی طرف روانہ ہو گئے۔ ہم لوگ زیادہ سے زیادہ ایک میل جنگل کے اندر جاتے ہیں۔ جہاں راستہ بھولنے یا خطرے کا احساس ہوتا ہے واپس چلے آتے ہیں۔

یہاں پر جڑی بوٹیوں کی تو کمی ہے نہیں۔ ہر طرف ہریالی ہی ہریالی ہے۔ بھانت بھانت کے درخت پودے موجود ہیں۔ ضرورت صرف ان پودوں اور درختوں کو جاننے کی ہے۔ میرا تو یہ خاندانی کام ہے میں دیکھ اور چکھ کر پہچان کرتا ہوں اور خود کو اس کام کا ماہر خیال کرتا ہوں۔ مگر اس دنیا میں ایک سے بڑھ کر ایک پڑا ہے۔ مجھے رولو کا نے بہت متاثر کیا۔ وہ میری زندگی کا عجیب وغریب کردار ہے۔ پتہ نہیں اب اس سے ملاقات ہوگی کہ نہیں۔ وہ جس انداز میں ملا تھا اسی طرح ہی چلا بھی گیا تھا۔

ہم لوگ رات ہونے سے پہلے واپس گاؤں آ گئے۔ سندر لال نے خچروں سے سامان اتار لیا۔ دوسری صبح پھر ہماری خاطر اسی طرح ہوئی۔ ایک گلاس جہازی سائز دودھ کا اور باجرے کی روٹی، پھر ہم لوگ اپنا سامان لے کر روانہ ہو گئے۔ پہلے روز ہم جہاں تک گئے تھے آج ہمیں اس سے آگے جانا تھا۔ جنگل کو جو لوگ جانتے ہیں وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ جنگل کا قانون ہماری دنیا کے قانون سے بالکل الگ ہے۔ یہاں پر ہر طاقتور کمزور کو کھا جاتا ہے۔ یہاں پر طاقت پر زندگی ہوتی ہے۔ جو زیادہ پھرتیلے اور تیز نظر والے ہیں وہ اپنی اسی خوبی کے باعث زندہ رہتے ہیں۔ میں جنگل میں رہنے والے جانوروں کی بات کر رہا ہوں۔ وہ بھی درندوں سے اپنی جان بچاتے ہیں۔ وہ ان کا مقابلہ تو نہیں کر سکتے مگر قدرتی حس اور پھرتیلے پن سے خود کو بچا لیتے ہیں۔

مجھے جب واپسی کا خیال آیا اس وقت شام کے پانچ بجے تھے۔ جنگل میں رات جلد ہو جاتی ہے۔ گھنے درختوں سے چھپی زمین پر اندھیرا جلد پھیل جاتا ہے۔ ”سندر لال! واپس جانا تو مشکل ہو گا۔ رات گزارنے کا بندوبست کرنا پڑے گا۔“ میں نے کہا۔

”ایسا ہی لگتا ہے۔“ سندر لال بولا۔

”تو اب نظریں دوڑاؤ۔“ میں نے کہا۔

”دور دور تک تو کوئی پہاڑی یا ٹیلا نظر نہیں آتا۔ ہر طرف پیڑ ہی پیڑ ہیں۔“ وہ بولا۔

”جنگل میں نظر کچھ آتا ہے اور ہوتا کچھ اور ہے۔

آگے چلو۔'' اور ہم نے خچروں کو آگے بڑھا دیا۔ کچھ دور چلے تھے کہ ایک ذرا اونچا ٹیلا نظر آ گیا۔ وہاں پر درخت بھی کم تھے میں اس طرف بڑھ گیا۔ میرے ساتھ سندر لال بھی آ گیا۔ یہ کوئی بہت اونچا ٹیلا نہیں تھا۔ مگر اس پر زیادہ گھنا جنگل بھی نہیں تھا۔ میں نے ایک نظر میں ہی اندازہ کر لیا کہ اس سے بہتر جگہ کوئی اور نہیں ہو سکتی۔ سندر لال نے اشارہ پاتے ہی خچروں سے سامان اتار لیا اور خچروں کو اس بغیر چھت کی سرنگ کے اندر کر دیا۔

اب اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ میں نے لکڑیاں اور کچھ سوکھے پتے جمع کر کے ان کو آگ لگا دی۔ لکڑیوں نے جلد ہی آگ پکڑ لی۔ میں نے اور سندر لال نے دوڑ دوڑ کر اور لکڑیاں جمع کرنا شروع کر دیں۔ کیونکہ رات بھر کے لیے لکڑیاں ناکافی تھیں۔ جنگل میں لکڑیوں کی کیا کمی۔ کچھ ہی دیر میں ہم نے ایک ڈھیر جمع کر دیا اور پھر سرنگ کے کنارے بیٹھ گئے۔ وہ جگہ ایک چولہے نما تھی۔ اس چولہے کے اندر خچر موجود تھے اور سامنے ہی الاؤ جل رہا تھا۔ اگر کوئی درندہ پیچھے سے بھی آنا چاہے گا تو آگ کو دیکھ کر نہیں آئے گا۔ سامنے سے تو آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ دونوں خچر بھی محفوظ جگہ پر تھے۔ اگر وہ کسی درندے کی آواز سے ڈر کر بھاگنا چاہیں تو بھی نہیں بھاگ سکتے تھے۔

سردی بڑھ گئی تھی اور جنگل کا سناٹا ڈراؤنی کیفیت پیدا کر رہا تھا۔ اس کیفیت کو کسی درندے کی آواز اور بڑھا دیتی تھی۔ مگر میں پرسکون تھا۔ کیونکہ آگ ایک ایسی چیز ہے جس کے قریب نہ کوئی درندہ آتا ہے اور نہ ہی کوئی حشرات الارض۔ ''کھانے کا بندوبست کرو سندر لال۔'' میں نے کہا۔

سندر لال نے لڈوؤں کا تھیلا نکالا۔ پانی کی چھاگل نکالی اور میرے سامنے رکھ دی۔ میں نے تھیلے سے ایک لڈو نکال کر سندر لال کو دیا اور دوسرا خود کھانے لگا۔ یہ لڈو ایک اسپیشل چیز تھا۔ ایک ڈیڑھ پاؤ کا یہ لڈو ایک تندرست آدمی کی مکمل غذا تھا۔ ہم دونوں نے اطمینان سے کھانے کے بعد پانی پی لیا۔ اس وقت رات کے آٹھ بجے تھے۔ مگر جنگل کی رات بہت بڑی ہوتی ہے۔ ایسی بھیانک خاموشی ہر طرف چھائی ہوتی ہے کہ بڑے بڑے بہادروں کا بھی پتا پانی ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس خاموشی میں ہزار قسم کے خطرے پوشیدہ ہوتے ہیں۔

''سندر لال...... چائے بناؤ۔ رات کو جاگنا بھی ہے دونوں تو نہیں سو سکتے۔'' میں نے کہا۔

سندر لال نے سفری کیتلی نکال لی جس میں تین چار کپ چائے بن جاتی تھی۔ اس نے کیتلی میں چھاگل سے پانی بھرا اور ایک لمبی سی لکڑی لے کر کیتلی آگ کے الاؤ کے اوپر لٹکا دی۔ آگ اتنی تیز تھی کہ چند منٹ میں ہی پانی ابلنے لگا اور چائے تیار ہو گئی اور ہم دونوں چائے پینے لگے۔

ہم دونوں کھوہ کے سامنے بیٹھے تھے اور ہمارے سامنے آگ جل رہی تھی کہ اچانک رات کی تاریکی کی چادر سے نکلتا ہوا ایک شخص نظر آ گیا۔ وہ کوئی اور نہیں رولوکا تھا۔ وہ بہت تیزی سے آگ کی طرف آیا۔ میں اس کو دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔ میرے ساتھ سندر لال بھی کھڑا ہو گیا۔ میں نے آگے بڑھ کر رولوکا کو گلے لگا لیا۔ محبت اور نفرت کے جذبات کو زبان کی ضرورت نہیں ہوتی۔ انسان کسی ملک کا بھی ہو کسی بھی زبان کا بولنے والا ہو وہ اس زبان کو خوب جانتا ہے اور اس کو ان جذبات کے اظہار کے لیے کسی زبان کی ضرورت نہیں ہوتی۔ میں نے رولوکا کو اپنے قریب بٹھا لیا اور پوچھا۔

''تم کہاں چلے گئے تھے؟''

''جنگل میں۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''میں تم کو اپنے گھر لے جانا چاہتا تھا۔'' میں نے کہا۔

''یہ ہمارا گھر ہے۔'' اس نے جنگل کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''تمہارے جھگڑے کا کیا ہوا؟'' میں نے پوچھا۔

''چلتا ہے۔'' اس نے جواب دیا۔ میں نے سندر لال کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے کیتلی سے چائے نکال کر رولوکا کو دی۔ رولوکا نے بڑی خوشی سے مگ پکڑ لیا اور

چائے پینے لگا۔

"تم جنگل میں اکیلا رہتا ہے۔ ادھر تو بہت بڑا بڑا جانور ہے۔ تم کو ڈر نہیں لگتا۔" سندر لال نے بھی ایک سوال کر دیا۔

"ڈر......وہ کیا ہوتا ہے؟ گھر میں کون ڈرتا ہے۔" وہ بولا۔

"بہت خطرناک جگہ ہے۔" میں نے کہا۔

"ہم ادھر پیدا ہوا۔ ادھر سب ٹھیک ہے۔ ہم کو ادھر کوئی کچھ نہیں بولتا۔ سب ہمارا دوست ہے۔ ادھر دو ٹانگ والا سب سے خراب ہے۔ ہم اس سے چھپتا ہے۔" رولو کا نے جواب دیا۔

"تم اپنے دشمن کی بات کرتے ہو۔" میں نے پوچھا۔

"وہ بہت خراب ہے۔ ہم اس کا کام کیا۔ ہمارا باپ اس کا کام کیا۔ وہ ہم کو مارنا چاہتا ہے۔ ہم نہیں مرے گا۔ اس کا یہ کام نہیں ہوگا۔"

"وہ تمہارا دشمن کیوں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"عورت کے واسطے۔ اس کا بہت عورت ہے۔"

"تم کو کیوں مارنا چاہتا ہے۔" میں نے پھر پوچھا۔

"ہمارا قبیلہ بہت بڑا۔ سردار بہت بڑا۔ ادھر بہت دور ہمارا باپ سردار کا وچ ڈاکٹر بہت بڑا۔ سب اس کو بڑا بولتا سردار بھی بڑا بولتا۔ سب کا بیماری کا وہ دارو کرتا۔ سب کو ٹھیک کرتا۔ اس کا بیماری کون ٹھیک کرتا، وہ مر گیا۔ ہم کو وہ سب بتا کر گیا۔ سردار نے ہم کو اس کا جگہ دیا۔ سردار کو اس کا بیٹا مارا اور سردار بن گیا۔ سردار کا سب عورت اس کا عورت بنا۔ سردار کا سب لڑکی اس کا عورت بنا۔ ہم جانتا، تم کو اچھا نہیں لگا۔ ادھر ایسا ہوتا ہے۔ عورت بس عورت ہوتا ہے۔" رولو کا نے کہا۔

"ماں بہن نہیں ہوتا؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں! عورت مرد کے واسطے بچہ دیتا۔ جو نہیں دیتا وہ بیکار ہے۔ اس کو مارتا، یہ قانون ہے۔ ہمارا دس عورت ہے، ہم ادھر ہے وہ پھر بھی بچہ دے گا۔" رولو کا نے کہا۔

"تم کو اس پر اعتراض نہیں ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں! عورت بچہ دیتا ہے وہ اچھا عورت ہے، نہیں دیتا بے کار ہے۔"

"حرام حلال کا کچھ چکر نہیں ہے۔" میں نے پوچھا۔

"ہم کو نہیں پتہ تم کیا بولتا ہے۔" رولو کا نے حیرت سے کہا۔

"یہ ہماری دنیا کی بات ہے۔ تم نہیں سمجھو گے۔" میں نے کہا۔

"یہ بات ٹھیک ہے۔" وہ بولا۔

"تم ہماری بات سمجھتا ہے۔ بولتا ہے۔ کیا سب کو ہماری زبان آتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"بس ہم کو آتا ہے۔ ہمارے باپ کو آتا تھا۔ باہر کا لوگ ہم سے بولتا تھا ہم سردار کو بتا دیتا تھا۔"

"تمہارا قبیلہ آدم خور تو نہیں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں آدمی نہیں کھاتا۔ ادھر بہت شکار ہے۔ بہت کھانا ہے۔" اس نے کہا۔

"تم لوگ گوشت کھاتے ہو؟" میں نے پھر پوچھا۔

"ہم لوگ صرف گوشت نہیں کھاتا اور بھی خوراک ہے۔ دریا کا خوراک بھی ہے۔ کبھی کبھی انسان کا خوراک بھی ملتا ہے۔" رولو کا نے کہا۔

"تم نے تو کہا کہ آدمی نہیں کھاتے۔" میں نے حیرت سے کہا۔

"زندہ نہیں کھاتے، مرتا ہے تو اس کا گوشت خراب نہیں کرتے۔ تھوڑا تھوڑا سب کو ملتا ہے۔" رولو کا نے کہا۔

"تم نے انسانی گوشت کھایا ہے۔" میں نے پوچھا۔

"ایک دفعہ کھایا ہے۔" رولو کا بولا۔

"کس کا کھایا ہے؟" میں نے پوچھا۔

''اپنے باپ کا کھایا تھا۔''اس نے جواب دیا۔

''خوشی سے کھایا تھا۔''میں نے پھر پوچھا۔

''نہیں ہم کو پتہ تھا یہ اچھا بات نہیں ہے۔سردار کا حکم تھا تو کھایا۔سردار بولا تم اس سے بڑا وچ ڈاکٹر بنے گا۔تم کو ضرور کھانا ہے اور ہم نے تھوڑا کھایا تھا۔''رولوکا نے شرمندگی سے کہا۔

''اس سے کیا ہوا؟''میں نے پوچھا۔

''میرا باپ میرے بہت قریب ہے۔وہ ہر وقت میرے ساتھ رہتا ہے۔اس نے میری بہت مدد کیا ہے۔اس کا سارا جادو میرے اندر آ گیا ہے۔میں تم کو جیسا نظر آتا ہوں ایسا نہیں ہوں۔میری جو حالت تم کو نظر آتی ہے میں اس سے الگ ہوں۔''رولوکا نے کہا۔

''تم میرے استاد ہو،رولوکا۔''میں نے کہا۔

''استاد کیا ہوتا ہے؟''اس نے پوچھا۔

''گرو بولو،استاد بولو ایک ہی بات ہے۔''

''انگریزی میں بولو۔''رولوکا نے کہا۔

''تم کو انگریزی آتی ہے؟''میں نے حیرت سے کہا۔

''تمہارا زبان سے زیادہ آتا ہے۔''رولوکا نے کہا۔

''تم میرے ٹیچر ہو،تم نے مجھے بہت کچھ بتایا ہے سکھلایا ہے۔اس لیے میں تم کو گرو مانتا ہوں۔''میں نے گردن جھکا کر عقیدت سے کہا تو رولوکا خوش ہوا۔

''تم اچھا آدمی ہے۔''وہ بولا۔

''تم میرے ساتھ چلو میں تمہاری خدمت کروں گا۔''میں نے انگریزی میں کہا۔

''یہ بہت مشکل ہے۔میں انسانی جنگل میں نہیں رہ سکتا۔''رولوکا نے بھی انگریزی میں جواب دیا۔

''میں تم سے کچھ سیکھنا چاہتا ہوں۔''میں نے کہا۔

''میں بتاؤں گا اور جب تم کو ہمارا ضرورت ہوگا آؤں گا۔''رولوکا نے کہا۔

''تم کو کس طرح پتہ چلے گا کہ مجھے تمہاری ضرورت ہے؟''میں نے کہا۔

''اس کی تم فکر مت کرو۔یہ میرا کام ہے۔''رولوکا نے کہا۔

''ٹھیک ہے مگر میں تم کو کس طرح تلاش کروں گا؟''میں نے پوچھا۔

''جب تم پریشان ہوگا ہم کو پتہ چل جائے گا۔یا تم ہم کو یاد کرے گا ہم کو پتہ چل جائے گا۔تم کو تلاش کرنے کا ضرورت نہیں پڑے گا۔''رولوکا نے کہا۔

''تم نے کہا تھا کہ تم جو نظر آتے ہو ویسے نہیں ہو،تم اپنی حالت میں آئے تو میں کس طرح تم کو پہچانوں گا؟''میں نے پوچھا۔

''میری شکل تو یہی ہوگی۔''رولوکا نے جواب دیا۔

''ہاں پھر ٹھیک ہے۔''میں نے جواباً کہا۔اب ہم انگریزی میں بات کر رہے تھے اور سندر لال الاؤ کے نزدیک خراٹے لے رہا تھا۔رات بہت آہستہ آہستہ گزر رہی تھی۔میں نے گھڑی پر نظر ڈالی۔اس وقت رات کے بارہ بجے تھے گویا آدھی رات گزر گئی تھی۔

''تم کو تمہارے کام کا چیز ملا۔''رولوکا نے پوچھا۔

''ہاں بہت ملا ہے مگر ابھی بھی کم ہے۔''میں نے کہا۔

''دن میں میرے ساتھ چلنا بہت ملے گا۔''وہ بولا۔

''ضرور چلوں گا۔''میں نے جواب دیا۔

''اب تم آرام کرلو میں اس کو جگا دیتا ہوں۔کچھ دیر تم بھی سو جاؤ۔''میں نے کہا۔

''نہیں تم سو جاؤ میں ادھر ہوں۔''وہ بولا۔

بھروسہ ہی انسانی زندگی کا سرمایہ ہے اور بھروسہ ہی تباہی۔میں نے رولوکا پر بھروسہ کیا اور لیٹ گیا۔دن بھر کا تھکا ماندہ تھا اس لیے فوراً ہی سو گیا۔میں نے ذرا نہیں سوچا کہ یہ جنگلی آدمی مجھے نقصان بھی پہنچا سکتا ہے۔انسان کے اندر بھی ایک میزان ہے۔پیمانہ ہے۔وہ ہر انسان کی پرکھ کرتا ہے اور بتاتا ہے۔میں نے اسی پر اعتماد کیا تھا۔میں اور سندر لال رات بھر الاؤ کے کنارے بڑے آرام سے سوتے رہے۔رولوکا آگ پر لکڑیاں ڈالتا رہا اور پوری

طرح جاگتا رہا۔

سات بجے صبح میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا آگ اسی طرح جل رہی تھی اور رولوکا اس کے کنارے بیٹھا تھا۔ میں نے سندر لال کو آواز دی۔ وہ بھی اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ''سندر لال جلدی کرو چائے بناؤ۔ رولوکا کو پلاؤ رات بھر ہماری چوکسی کرتا رہا ہے۔'' سندر لال نے کیتلی میں پانی ڈالا پتی ڈالی تھی کہ رولوکا نے کہا۔

''کیا کرتا ہے یہ.....؟''

''چائے بنائے گا۔'' میں نے کہا۔

''وہی گرم مشروب......'' وہ بولا۔

''ہاں۔'' میں نے کہا۔

''تم نے پہلے ایک دفعہ پلایا تھا اس میں دودھ ڈالا تھا۔'' وہ بولا۔

''مگر دودھ یہاں کہاں۔ اس دفعہ تو تم ہرن لے آئے تھے۔''

''تو ابھی ٹھہرو۔'' وہ بولا اور جنگل کے اندر چلا گیا۔

سندر لال حیرت سے ہماری گفتگو سن رہا تھا بولا۔

''یہ جنگلی انگریزی بول رہا تھا۔''

''ہاں.....تم اس کو صرف جنگلی مت سمجھنا۔ یہ بہت اونچی چیز ہے۔ تمہارے سر سے بہت اونچی.....'' میں نے کہا۔ ''تم جو کچھ یہاں دیکھو سنو اس کو اپنے تک رکھنا کسی سے کہو گے تو وہ تم کو پاگل خانے پہنچا دے گا۔'' میں نے کہا۔

''نہیں جی میں کاہے کو کسی سے کہنے لگا۔'' وہ بولا۔

دس پندرہ منٹ کے بعد رولو ایک ہرنی اٹھائے آ گیا۔ ہرنی کے تھن دودھ سے بھرے ہوئے تھے۔ سندر لال نے جلدی سے مگ میں اس کا دودھ نکالنا شروع کر دیا اور دو مگ دودھ نکال لیا۔ میں نے رولوکا سے کہا۔ ''اب اس ہرنی کو آزاد کر دو۔''

رولوکا مسکرا کر بولا۔ ''تم بہت رحم ہے گوشت نہیں کھائے گا۔''

''گوشت میں کھاتا ضرور ہوں مگر اس طرح نہیں، یہ ہرنی ہے اس کا کوئی دودھ پیتا بچہ بھی ہے۔ اگر یہ واپس نہ گئی تو وہ بچہ مر جائے گا۔ ابھی اس کی ضرورت اس کے بچے کو ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''پہلے بھی تم نے ایسا ہی کیا تھا۔ تمہاری یہی بات ہم کو تمہارے قریب لانے والی بنی ہے۔ تم اندر سے بہت نرم ہے۔'' رولوکا نے کہا۔

''میں خود کو اچھا نہیں سمجھتا مگر میں ایک معالج ہوں۔ لوگوں کے دکھ تکلیف دور کرتا ہوں۔ ان کو دوا دیتا ہوں۔ ان کو زندگی اچھی طرح گزارنے کا موقعہ دیتا ہوں۔ خود ان کے لیے دوائیں جمع کرتا ہوں۔ جنگل میں پھرتا ہوں۔ مگر پھر بھی میں خود کو اونچا آدمی نہیں کہتا۔ کیونکہ میں ایک انسان ہوں مجھ میں خرابیاں ضرور ہیں۔'' میں نے کہا۔

''اگر تم یہ نہ کرو تو پھر.....'' رولوکا نے پوچھا۔

''کام رکے گا نہیں کوئی اور کرے گا۔ مجھ سے اچھا کرے گا۔'' میں نے جواب دیا۔

''پھر بھی تم کرتا ہے۔'' وہ بولا۔

''ہاں پھر بھی مجھے کرنا ہے۔ کیونکہ میری روزی ہے ایمانداری اور بے ایمانی دونوں چیزیں انسان کے اندر ہیں۔ انسان جو راستہ پسند کرے اس پر چل سکتا ہے۔''

''تم نے کون سا راستہ اختیار کیا ہے۔'' رولوکا نے پوچھا۔

''میں اپنی محنت کا صلہ وصول کرتا ہوں۔ نہ کم نہ زیادہ جو اس کی ادائیگی کے قابل نہیں ہیں ان کی خدمت میں یہ سمجھ کر کر دیتا ہوں کہ اس کا صلہ مجھے مرنے کے بعد مل جائے گا۔'' میں نے جواب دیا۔

''مرنے کے بعد کس طرح ملے گا۔'' اس نے پوچھا۔

''یہ صرف یقین کی بات ہے۔'' میں نے کہا۔

''جواب پورا نہیں دیا۔'' رولوکا نے کہا۔

''اس کا جواب ذرا لمبا ہوگا اس لیے مختصر جواب دیا تھا۔'' میں نے کہا۔

''کچھ تو بتاؤ؟'' وہ بولا۔ اتنی دیر میں سندر لال نے گرم گرم چائے کے کپ ہمیں پکڑا دیئے تو میں نے لڈو کا تھیلا اٹھا لیا اور تینوں لڈو کے ساتھ چائے پینے لگے۔ لڈو اور چائے نے بڑا مزہ دیا اور ہمارے پیٹ بھر گئے۔

ضروریات سے فراغت کے بعد سندر لال نے سب سامان خچروں پر لاد لیا اور رولوکا کے ساتھ ہم آگے بڑھ گئے۔ اب راستہ بھولنے یا کسی درندے کا ڈر نہیں تھا۔ رولوکا ساتھ تھا اور میرا ڈر و خوف جو جنگل سے تھا ختم ہو چکا تھا۔ میں نے اپنی نکیل رولوکا کے ہاتھ میں دے دی تھی۔ اور ہمارا سفر جنگل کے اندرونی سمت کی طرف تھا۔ رولوکا آگے آگے چل رہا تھا۔ اس کا قد مجھ سے کم تھا مگر اس کی چال مجھ سے بہت تیز تھی۔ دونوں خچروں پر صرف سامان تھا اور سندر لال بھی پیدل ہی چل رہا تھا۔ میں رولوکا کی وجہ سے خچر پر سوار نہیں ہوا تھا اور سندر لال میری وجہ سے پیدل چل رہا تھا۔

بڑے درختوں کے بعد جھاڑیوں کا علاقہ شروع ہو گیا۔ یہ علاقہ زیادہ دشوار تھا۔ ایک تو جھاڑیاں اس قدر زیادہ تھیں کہ گزرنا مشکل ہو رہا تھا اور یہاں پر سانپ بچھو کا زیادہ ڈر تھا۔ دوسرے طرح طرح کی چیونٹیاں اور رینگنے والے زہریلے حشرات الارض کی کثرت ان جھاڑیوں میں موجود تھی۔ میں اور سندر لال لانگ بوٹ پہنے تھے۔ اس کے باوجود ہم ڈر رہے تھے۔ مگر رولوکا ننگے پیر ہونے کے باوجود بے دھڑک ہم سے آگے چلا جا رہا تھا۔ ایک جگہ وہ کھڑا ہو گیا اور اس نے جھک کر ایک پودے کو جڑ سے اکھاڑ لیا۔ وہ ایک بہت باریک باریک تین کونے والی پتیوں کا پودا تھا۔ اس کا رنگ ہرا تھا مگر اس ہریالی میں پیلا پن بہت کم تھا۔ رولوکا نے مجھے دکھا کر کہا۔

''اس پودے کو جانتے ہو! یہ کیا ہے۔''

میرے لیے یہ ایک نیا پودا تھا۔ میں نے کہا۔'' نہیں مجھے نہیں پتہ۔''

''یہ ایک نایاب پودا ہے۔ کہیں کہیں اور کبھی کبھی نظر آتا ہے اور مزے کی بات یہ ہے کہ یہ سردی گرمی ہر موسم میں ہوتا ہے اور تلاش کرو تو کسی موسم میں نہیں ملتا۔ اور ملتا ہے تو اس طرح ملتا ہے جیسے اب ملا ہے۔'' رولوکا نے کہا۔

''اس کا نام کیا ہے اور کیا خوبی اس میں ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''ہم اپنی زبان میں اس کو ''شوٹی'' کہتے ہیں۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''شوٹی، ہماری زبان میں اس کو کیا کہیں گے؟''

''شوٹی، کا مطلب ہے'' جنگ۔'' رولوکا نے کہا۔

''بہت عجیب نام ہے اس کا۔'' میں نے کہا۔

''اس سے زیادہ عجیب اس کا کام ہے۔'' رولوکا کہنے لگا۔'' اس کو دھو کر گرم پانی میں ابالا جاتا ہے۔ یہ پورا پودا پانی میں تحلیل ہو جاتا ہے اور اس پانی کا رنگ ہلکا پیلا ہو جاتا ہے۔ وہ پانی جب ٹھنڈا ہو جاتا ہے تو جم جاتا ہے اور دو چار روز میں بالکل خشک پتھر کی طرح ہو جاتا ہے۔ اس کو سالہا سال تک استعمال کیا جا سکتا ہے۔'' رولوکا نے کہا۔

''کس مرض میں اس کو استعمال کرتے ہیں۔'' میں نے پوچھا۔

''اس کا سفوف بنا کر بہت تھوڑی مقدار میں ان مریضوں کو دیا جاتا ہے جو قوت مردی سے محروم ہوتے ہیں یا ان بوڑھوں کو دیا جاتا ہے جو کمزور ہو چکے ہوتے ہیں۔ ہمارے پاس اس کی ضرورت بہت ہوتی ہے کیونکہ یہاں پر ہر مرد کی عورتیں دس پندرہ سے کم نہیں ہوتیں۔ یہ ایک پودا ہزاروں کے لیے کافی ہے۔ اس کی مقدار کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ ذرا زیادہ مقدار ہو گئی تو مریض پاگل ہو جائے گا یا مر جائے گا۔'' رولوکا نے زمین سے چٹکی میں مٹی اٹھائی اور میری ہتھیلی پر رکھ دی۔'' اتنی خوراک بالکل ختم مریض کے لیے ہے۔ اس کے ساتھ اس کو پیٹ بھر کر دودھ چربی استعمال کرنا ہے اور ایک چاند تک۔ کچھ اور نہیں دینا ہے۔ اسی طرح کم درجے کے مریض کی خوراک کم ہو گی اور اس سے کم درجے کے مریض کو صرف ایک سلائی ڈبو کر دودھ میں پلانا ہے۔''

''اس پودے کو حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''یہ پودا تلاش کرنے سے نہیں ملتا۔ اسی طرح اچانک مل جاتا ہے۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

میں نے ایک تھیلی میں اس کو الگ سے رکھ لیا اور جو رولوکا نے بتایا تھا نوٹ کر کے اس تھیلے میں ڈال دیا۔ میں ہر نئی دوا حاصل کرنے کے بعد یہی کرتا تھا۔ اس سے مجھے آگے چل کر آسانی ہوتی تھی۔ رولوکا آگے بڑھ گیا۔ یہاں پر بے شمار پودے اور گھاس اگی ہوئی تھی۔ اس ہرے بھرے میدان میں ہر قسم کی بوٹیاں اور پھل موجود تھے۔ گویا یہ علاقہ میرے نقطہ نگاہ سے بہترین تھا۔ رولوکا نے اور بھی کئی نئی دواؤں سے روشناس کرایا اور اپنے طریقہ علاج پر روشنی ڈالی۔ وہ دواؤں کو براہ راست استعمال کرا دیا کرتا تھا۔ جبکہ ہم لوگ دواؤں کو کوٹتے چھانتے تھے۔ اس کی وجہ اس نے بتائی کہ ہم لوگوں کو جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے وہ آسانی سے مل جاتی ہے اور شہروں میں تم ایسا نہیں کر سکتے۔ رولوکا کہتا ہے ہماری دوائیں زیادہ تیزی سے اثر کرتی ہیں کیونکہ یہ تازہ ہوتی ہیں۔ رولوکا کی یہ بات اپنی جگہ بالکل درست تھی۔ میں نے رولوکا کو استاد بنایا تھا اور رولوکا نے اس سفر میں واقعی اس کا حق ادا کر دیا تھا۔

اونٹ جب پہاڑ کے برابر آتا ہے تو اس کو پتہ چلتا ہے کہ وہ کتنا اونچا ہے۔ یہی حال میرا تھا۔ رولوکا کی معلومات اور بتانے کے انداز کے سامنے میں خود کو بونا سمجھ رہا تھا۔ میرا خاندانی تجربہ، باپ دادا کے بتائے طور طریقوں کا استعمال مجھے بچکانہ سا لگ رہا تھا۔ صرف چند گھنٹوں میں ہمارے سارے تھیلے دواؤں سے بھر گئے۔ اس میں ایسی ایسی نایاب اور مجرب دوائیں شامل تھیں جو میں اکیلا کبھی تلاش نہیں کر سکتا تھا۔

دوپہر کے بعد ہماری واپسی شروع ہو گئی اب ہم کسی اور ہی راستے سے واپس آ رہے تھے۔ میں نے رولوکا کو کئی دفعہ خچر پر بٹھانا چاہا مگر وہ پیدل چلتا رہا۔ وہ اب بھی چاک و چوبند تھا۔ رات بھر کا جاگا ہوا تھا۔ مگر اس پر ذرا بھی نیند کا غلبہ نہیں تھا۔ شام ہونے والی تھی مگر اندھیرا پھیلنے سے پہلے ہم گاؤں کے پاس پہنچ گئے۔ رولوکا نے کہا۔ ''اب تم جاؤ میں پھر ملوں گا۔''

''میں تو واپس شہر چلا جاؤں گا تم کہاں ملو گے؟'' میں نے پوچھا۔

''جب تم کو ضرورت ہو گی تب ملوں گا۔'' رولوکا نے کہا۔

''اچھا گرو، میں کیا کہوں تم مرضی کے مالک ہو۔'' میں نے کہا۔

''میں جانتا ہوں تم کیا چاہتے ہو مگر وہ نہیں ہو سکتا جو تم چاہتے ہو۔ میری ذمہ داریاں جنگل میں بہت زیادہ ہیں۔ تم ان باتوں کو ابھی نہیں سمجھ سکتے۔ جب سمجھ جاؤ گے تو اصرار نہیں کرو گے۔'' اور رولوکا ایک چھلاوے کی طرح جنگل میں دوڑ گیا۔ میں اور سندر لال حیرت سے اس کو دیکھتے ہی رہ گئے۔ اس کے جانے کے بعد سندر لال بولا۔

''کیا کہہ رہا تھا حکیم صاحب۔ ہماری تو سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔''

''اچھا ہے کہ تمہاری سمجھ میں نہیں آیا۔ اگر سمجھ میں آ جاتا تو اور زیادہ مشکل ہوتی۔ تم صرف ایک بات یاد رکھنا۔ وہ یہ کہ تم کو کوئی نہیں ملا۔ ہم دونوں نے دوائیں جمع کی ہیں۔ کسی کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔''

اس دفعہ جو دوائیں میں لایا تھا وہ ایک سال کے لیے کافی تھیں۔ اس کے علاوہ کچھ نئی اور نایاب دوائیں رولوکا نے بتائی تھیں۔ وہ بھی میرے پاس تھیں۔ میرے طریقہ علاج میں بھی فرق آ گیا تھا۔ میں پرانے باپ دادا کے طریقے کے علاوہ رولوکا کا بتایا ہوا طریقہ بھی استعمال کر رہا تھا۔ اور اس سے مجھے بہت فائدہ ہو رہا تھا۔ میری اہلیت بڑھتی جا رہی تھی اور شہرت میں اضافہ ہو رہا تھا۔ پرانے سے پرانے مرض کا علاج میں کر دیا کرتا تھا۔ جراحی کے ذریعہ جو علاج ہوتا ہے میں اس کو بھی صرف دواؤں سے کر دیا کرتا تھا۔ ہندوستان کے دور دراز سے لوگ

میرے پاس آتے اور ٹھیک ہو کر جاتے۔ میں نے دولت کمانے کی طرف کبھی دھیان نہیں دیا۔ رولو کا کی دوائیں حیرت انگیز تھیں اور ان دواؤں نے مجھے شہرت دلائی۔

ہندوستان کی ایک ریاست کے نواب صاحب نے مجھے اپنے پاس بلایا۔ مگر میں نہیں گیا۔ دوسرا بلاوا پھر آیا مگر میں نہ گیا۔ وجہ یہ تھی کہ میرے روزانہ بہت مریض آیا کرتے تھے۔ میرے جانے سے ان کا حرج ہوتا۔ نواب صاحب ضرورت مند تھے۔ میں ان کا نام اور ریاست نہیں لکھ رہا ہوں۔ ہر مریض کا پردہ رکھنا میرے پیشے میں ضروری ہے۔ میں نے نہ آنے کی وجہ ان کو بتا دی اور ان کے آنے کی وجہ پوچھی۔

تنہائی میں انہوں نے بتایا کہ ان کے محل میں چالیس عورتیں ان کے پاس ہیں۔ مگر اب وہ ایک دو کے قابل بھی خود کو نہیں پاتے۔ مجھے فوراً رولو کا یاد آ گیا۔ اس کے ساتھ وہ حیرت انگیز بوٹی بھی یاد آ گئی۔ میں نے مسکرا کر نواب صاحب سے کہا۔ ''آپ کے بچے کتنے ہیں۔''

نواب صاحب نے نفی میں گردن ہلا کر کہا۔ ''ایک بھی نہیں......''

''مجھے شروع سے ہی حکیموں نے بتا دیا تھا کہ تمہاری اولاد نہیں ہوگی اور باقی ہر طرح سے تم فٹ ہو۔ مگر اب تو اس سے بھی جا رہا ہوں۔'' نواب صاحب مایوسی سے بولے۔

''آپ کی عمر کیا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''چالیس، بیالیس کے قریب ہے۔'' وہ بولے۔

''میں صرف ایک خوراک میں آپ کو فٹ کر دوں گا مگر میں ایسا نہیں کروں گا۔ پہلے تو آپ یہ کریں کہ جو آپ کے نکاح میں ہیں ان کو ضرور رکھیں اور باقی سب کو محل بدر کر دیں اور جو حقوق ہیں ادا کر دیں۔ پھر میرے پاس آئیں۔ میں آپ کو فٹ کر دوں گا اور ایسا علاج کروں گا کہ آپ صاحب اولاد ہو جائیں گے۔ کوشش میں کروں گا۔ دعا آپ بھی کرنا۔ انشاء اللہ آپ کا مسئلہ ضرور حل ہو جائے گا۔''

نواب صاحب کے چہرے پر رونق آ گئی بولے۔

''کیا ایسا ہو سکتا ہے حکیم صاحب......''

''اللہ کی ذات سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ میں نے کہا نا کہ کوشش میں کروں گا۔ مگر میری شرط وہی ہے۔'' میں نے کہا۔

''میں آپ کی ہر شرط پوری کروں گا۔'' وہ جھوم کر بولا۔

''تو پھر جائیے اور میری شرط پوری کرنے کی کوشش کریں اور جب آپ اس میں کامیاب ہو جائیں تو تشریف لے آئیے اور اگر کامیاب نہ ہوں تو نہ آئیے۔'' میں نے کہا۔

اور نواب صاحب واپس چلے گئے۔ ایک ڈیڑھ ماہ کے بعد وہ واپس آ گئے۔ اس دفعہ ان کے ساتھ صرف ایک آدمی تھا۔ میں نے بڑے احترام سے ان کا حال پوچھا۔ ساری تفصیلات پتہ کرنے کے بعد میں نے رولو کا کی بوٹی کی ایک خوراک ان کو دے دی اور بتا دیا کہ اس خوراک کے استعمال کے بعد جو بہترین غذا وہ کھا سکتے ہیں کھائیں۔ کچھ دوائیں ان کو روزانہ کھانے کو دے دیں تا کہ وہ خوراک ہضم کر سکیں۔ اس کے ساتھ ساتھ میں نے اپنے خاندانی نسخوں میں سے ایک ان کو دے دیا۔

میں نے اپنے تجربے اور بزرگوں کے تجربے سب کا نچوڑ ان کے علاج پر لگا دیا اور ان کے جانے کے بعد دعائیں بھی کرتا رہا۔ کیونکہ اس قسم کا علاج میں نے پہلی دفعہ کیا تھا۔ نواب صاحب کو ایک ماہ کے بعد آ کر مجھے رپورٹ دینا تھی۔

مگر ان کے جانے کے بعد ایک ہفتہ بھی نہیں گزرا تھا کہ ایک صاحب آ گئے۔ ان کے ساتھ چار آدمی اور بھی تھے اور چاروں ہی لٹھ بند تھے۔ انہوں نے آتے ہی سوال کیا۔ ''نواب احمد یار (احمد یار ان کا نام نہیں ہے میں نے پڑھنے والوں کی آسانی کے لیے یہ نام رکھ دیا ہے) کا علاج کر رہے ہیں؟''

''آپ کون ہیں۔ پہلے اپنا تعارف تو کروا دیں۔''

میں نے کہا۔

''ہمارا نام نواب صالح یار ہے۔'' (یہ نام بھی فرضی ہے)

''اب فرمایئے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔'' میں نے پوچھا۔

''نواب کو کیا بیماری ہے اور آپ کیا علاج کر رہے ہیں۔ مجھے یہ پتہ کرنا ہے؟''

''دیکھئے آپ میرے مطب میں آئے ہیں قابل احترام ہیں۔ میرے اور میرے پیشے کے کچھ اصول ہیں۔ میرے پاس جب کوئی مریض آتا ہے تو معالج اور مریض کے درمیان ایک خاموش معاہدہ ہو جاتا ہے اور وہ معاہدہ ہوتا ہے راز داری کا۔ معالج مریض کے رازوں کا امین ہوتا ہے۔ وہ ان رازوں کو بغیر مریض کی مرضی کے کسی پر آشکار نہیں کر سکتا۔ اس لیے میں معذرت چاہتا ہوں۔'' میں نے بہت تحمل اور انسانیت سے ان سے کہا۔ مگر نواب صالح کا چہرہ یہ سن کر غصہ سے بگڑ گیا۔

''میں نواب کا چھوٹا بھائی ہوں۔ آپ کو ان کا مرض بتانا ہوگا۔''

''میں کس طرح اعتبار کروں۔ اگر آپ ان کے ساتھ آئے ہوتے تو شاید میں بتا دیتا۔ مگر آپ تو الگ سے آئے ہیں۔''

''آپ کو پتہ ہے نواب نے کیا کیا آپ کے پاس سے جانے کے بعد......'' وہ غصہ سے بولے۔

''بتایئے گا تو پتہ چلے گا نا۔'' میں نے کہا۔

''سارے محل کو اجاڑ دیا۔ ساری لونڈیوں، باندیوں کو نکال باہر کیا۔ کسی عورت کو محل میں نہیں رہنے دیا۔ آپ کو پتہ ہے۔'' وہ تیزی سے بولے۔

''ان کو ضرورت نہ رہی ہوگی۔ بیویوں کو تو نہیں نکالا۔'' میں نے کریدا۔

''جو آدمی چالیس عورتوں کے ساتھ رہتا ہو اس کے لیے تو انوکھی بات ہے۔'' وہ بولے۔

''دیکھئے آدمی ہمیشہ ایک جیسا تو نہیں رہتا۔ اب ان کو ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔

''نہیں یہ بات نہیں ہے۔ مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ ان کا علاج کر رہے ہیں تا کہ ان کو اولاد ہو جائے۔'' صالح نے کہا۔

''اگر اولاد ہو جاتی ہے تو یہ خوشی کی بات ہے۔'' میں نے کہا۔

''اس کو اولاد ہوگئی تو ہماری اولاد کا کیا بنے گا۔'' وہ غصہ سے بولا۔

میرے دماغ میں چھناکا سا ہوا۔ میں نے کہا۔'' میں آپ کی بات سمجھ نہیں سکا۔ دوبارہ فرمایئے۔''

اب نواب صالح کو احساس ہوا کہ وہ جلدی میں کیا کہہ گیا ہے۔ وہ سنبھل کر بولا۔ ''میرا مطلب تھا کہ اولاد تو میری موجود ہے۔ میری اولاد بھی تو ان کی ہی ہے۔ پھر ان کو اولاد کی ضرورت کیوں پیش آ گئی۔''

''اگر ان کو اولاد کی خواہش ہے تو آپ کو کیوں اعتراض ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''اعتراض کیسا! بات یہ ہے کہ اب خاندانی میراث اتنی زیادہ نہیں رہی کہ اس سے زیادہ لوگ نوابی کر سکیں۔'' نواب صالح نے بات بنانی چاہی۔ مگر میں اس کی نیت کو بھانپ چکا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ نواب احمد یار کو اولاد ہو۔ اگر اس کو اولاد ہوگئی تو اس کی وارث وہی ہوگی اور صالح کے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔ دوسری صورت میں وہی احمد یار کے بعد ریاست کا مالک و مختار ہوگا۔ اس کے بعد اس کی اولاد۔ دولت اور اقتدار کی خواہش انسان کو کتنا نیچے گرا دیتی ہے۔ ایک بھائی دوسرے کے لیے صرف دولت کی خاطر کیا سوچ رہا ہے۔ میری نظر میں نواب صالح کی عزت مٹی ہوگئی اور میں نے طے کر لیا کہ میں نواب احمد یار کی ہر طرح مدد کروں گا۔ مگر زبان سے کچھ نہ کہا۔

میری خاموشی کا اس نے اپنی ذہنیت کے مطابق مطلب نکالا اور بولا۔ ''حکیم صاحب! آپ یہ علاج بند کر دیں میں آپ کی خدمت کرنے کو تیار ہوں۔ احمد یار نے جو کچھ آپ کو دیا ہے اس سے کئی گنا زیادہ میں آپ کی نذر

کروں گا۔ اس کو اولاد تو ہونا ہی نہیں چاہیے۔" صالح نے سنجیدگی سے کہا۔

"مگر اس سے آپ کو کیا فائدہ ہوگا؟" میں نے معصومیت سے پوچھا۔

"اوہو حکیم صاحب! آپ بھی بہت بھولے ہیں۔" وہ میرے قریب کھسک آیا اور بات آگے بڑھائی۔ "میرے چار لڑکے ہیں۔ ان کو ریاست کی باگ ڈور آگے چل کے سنبھالنا ہے۔ اس وقت سارے اختیارات کے مالک مختار احمد یار بھائی ہیں۔ اگر ان کی اولاد ہوگئی تو پھر وارث تو وہ ہوگی۔ نوابی تو گئی ہمارے ہاتھ سے۔ میرے لڑکوں کا مستقبل تو ختم ہو جائے گا۔ ہم تو پھر وہی لگی بندھی آمدنی پر رہیں گے۔" صالح کھل کر میدان میں آ گیا۔

"اچھا ایک بات اور بتائیں؟" میں نے کہا۔

"دس باتیں پوچھیں مگر ہمارا کام بھی کریں۔"

"احمد یار اولاد پیدا کرنے کے لائق پیدائشی نہیں ہے کیا......؟" میں نے پوچھا۔

"پتہ نہیں......" وہ بولا۔ "مگر میرے ذہن میں یہ ترکیب شروع سے تھی۔ اس لیے میں نے ایک جوگی سے ایک دوا بنوائی تھی۔ اس دوا کی وجہ سے وہ اب تک اولاد پیدا نہ کر سکے۔ شروع شروع میں تو بھاگ دوڑ انہوں نے کی۔ مگر اس دوا کی یہ خاصیت تھی کہ آدمی کی قوت مردی بہت بڑھ جاتی ہے اور وہ بہت عورتیں رکھتا ہے۔ لیکن اولاد ایک بھی پیدا نہیں کر سکتا۔ مگر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہ خود کو کمزور پاتا ہے۔ آپ نے اس کا علاج ایسے ہی وقت شروع کیا ہے۔ آپ اس کو وہیں پر روک دیں اور یہ فرمائیں میں آپ کی کیا خدمت کروں؟" نواب صالح نے کہا۔

"آپ خود سمجھدار ہیں۔ میں کیا عرض کروں؟" میں نے جواب دیا۔ انہوں نے مسکرا کر میری طرف دیکھا۔ وہ اپنی کامیابی پر بہت خوش نظر آتا تھا۔

"میں خاندانی آدمی ہوں۔ میرا وعدہ ہے کہ مالا مال کر دوں گا۔" وہ تکبر سے بولا۔

"آپ خاندانی ہیں تو غور سے سن لیں۔ میں بھی راستے پر پڑا ہوا پتھر نہیں ہوں۔ اپنی جگہ بہت بھاری چٹان ہوں۔ آپ اتنی دیر سے اس چٹان سے سر پھوڑتے رہے ہیں۔ میں صرف آپ کے ذہن کو پرکھنے کی خاطر آپ کی باتیں برداشت کر رہا تھا۔ اب مجھے اندازہ ہو گیا ہے کہ آپ صرف دولت کی خاطر اپنے بھائی کی خواہشات اور جائز خواہشات کو پامال کرنا چاہتے ہیں۔ اگر میں آپ سے کہوں کہ آپ اپنی ساری اولادوں کو مار ڈالیں اور خود بے اولاد ہو جائیں تو کیا آپ ایسا کریں گے......؟" میں نے پوچھا۔

"تیرا دماغ تو ٹھکانے ہے۔ کیا بکواس کر رہا ہے؟" وہ غصے سے بولا۔

"ساری نوابی ایک ہی لمحے میں اتر گئی اور آ گئے تو تڑاک پر، خاندانی لوگ ایسے ہوتے ہیں؟"

"تم مجھے نہیں جانتے اگر ریاست میں ہوتے تو یہ سر تمہارے کاندھے پر نہ ہوتا۔" صالح نے کہا۔

"اپنی صورت دیکھ کر آپے سے باہر ہو گئے۔ میں نے تو صرف آئینہ ہی دکھایا ہے۔"

"اب میں تیرا بندوبست سہارنپور میں ہی کروں گا۔ دیکھتا ہوں تو کس طرح یہاں پر مطب چلاتا ہے۔ اگر توبہ کرتا دوڑا نہ آئے تو کہنا۔" وہ غصے میں اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے چاروں لٹھ بند مجھ پر دانت پیستے رہے۔ مگر آگے نہیں آئے۔ یہ میرا مکان تھا اور ان کی ریاست کے اندر نہ تھا۔ نواب صالح غصے میں اٹھ کھڑا ہوا اور چلا گیا۔

نواب احمد یار بہت برا پھنسا ہوا تھا۔ دولت اور اقتدار کی خاطر اس کو ہر طرف سے جکڑا گیا تھا اور یہ کسی اور نے نہیں اس کے بھائی نے اس کے خلاف سازش کی تھی۔ مگر مجھے امید تھی کہ میری دوائیں اس کو نارمل کر دیں گی اور وہ اولاد پیدا کرنے کے لائق ہو جائے گا۔ انسان دنیاوی عیش حاصل کرنے کو کیا کیا کرتا ہے۔

ٹھیک ایک مہینے کے بعد نواب احمد یار میرے

پاس آیا اور اس نے بتایا کہ وہ حیرت انگیز تبدیلیاں خود میں پاتا ہے میں نے اور بھی دوائیں اس کو دے دیں اور تاکید کر دی کہ یہ دوائیں وہ اپنی تحویل میں رکھے۔ میں نے نواب صالح کے بارے میں اس کو نہیں بتایا اور وہ چلا گیا۔

اس کے جانے کے چار روز کے بعد ایک شخص میرے پاس آیا اور بولا۔ ''آپ ہی حکیم وقار ہیں؟''

''خادم کو ہی وقار کہتے ہیں۔'' میں نے جواب دیا۔

''آپ کی شہرت سن کر حاضر ہوا ہوں۔ میرا نام نواز احمد ہے اور میں گاؤں سری رام سے آیا ہوں۔ زیادہ دور یہ گاؤں نہیں ہے پانچ چھ کوس ہوگا۔'' وہ بولا۔

''آپ اپنی تکلیف بیان کریں۔'' میں نے کہا تو وہ کہنے لگا۔

''میں مریض نہیں ہوں۔ مریض تو گاؤں میں ہی ہے میں آپ کو لینے آیا ہوں۔'' وہ بولا۔

''یہ تو بہت مشکل ہے میں کہیں نہیں جاتا...... آپ مریض کو ساتھ لے آئیں۔'' میں نے جواب دیا۔

''حکیم صاحب! اگر مریض آنے کے قابل ہوتا تو میں لے کر ہی آتا۔ مجبوری ہے۔ آپ خدا ترس آدمی ہیں چل کر دیکھ لیں۔ جو حرج آپ کا ہوگا میں ادا کر دوں گا اور آپ کو واپس پہنچانا بھی میرا کام ہوگا۔'' وہ خوشامدانہ انداز میں بولا۔

''مریض کو کیا تکلیف ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''آج تک پتہ ہی نہیں چلا۔ مریض میری گھر والی ہے۔ اس کو دورے پڑتے ہیں۔ دورے کے دوران اس کا چہرہ مردوں سے بدتر ہو جاتا ہے اور جسم اکڑ جاتا ہے اور دانت ایک دوسرے پر چڑھ جاتے ہیں۔ کئی دفعہ تو زبان بھی کٹ چکی ہے۔ کچھ پتہ نہیں چلتا کہ کب دورہ پڑ جائے۔ آپ فکر نہ کریں میں آپ کو بڑے آرام سے واپس پہنچا دوں گا۔ موٹر لے کر آیا ہوں۔ زیادہ سے زیادہ ایک ڈیڑھ گھنٹے کی بات ہے۔'' وہ بولا۔

میں سری رام گاؤں نواز احمد کے ساتھ، ضروری دوائیں لے کر روانہ ہو گیا۔ سری رام گاؤں میں کبھی نہیں گیا تھا۔ مگر نام تو سنا ہوا تھا۔ گاڑی چلتی رہی۔ ایک گھنٹہ گزر گیا تو میں نے پوچھا۔ ''اور کتنی دور ہے گاؤں۔'' گاڑی نواز احمد ہی چلا رہا تھا۔ اس کے برابر ایک تگڑا سا آدمی بیٹھا تھا۔ نواز نے جواب دیا۔

''بس تھوڑی دور اور ہے۔'' میں نے گھڑی پر نظر ڈالی۔ ساڑھے گیارہ کا وقت تھا۔ دن کا وقت تھا مگر نہ معلوم گاڑی کس روڈ پر تھی کہ دور دور تک کوئی دوسری گاڑی نظر نہیں آتی تھی۔ سڑک کے دونوں طرف کھیت تھے۔ کہیں کہیں کھیتوں میں کسان کام کرتے نظر آ جاتے تھے۔ موٹر کار ایک ہی رفتار سے چلی جا رہی تھی۔ دو گھنٹے کے بعد وہ بائیں طرف ایک کچی سڑک پر مڑ گئی۔ دس پندرہ منٹ کے بعد ایک حویلی نما مکان نظر آ گیا اور موٹر اس کے مین دروازے پر رک گئی۔ تعجب کی بات یہ تھی کہ اس مکان کے اطراف میں کوئی مکان نہ تھا۔ یہ مکان کھیتوں کے درمیان اکیلا کھڑا تھا۔ اس کے چاروں طرف گھنے درخت لگے تھے اور یہ مکان ان کے درمیان چھپا ہوا تھا۔ دور سے دیکھنے پر صرف درختوں کا جھنڈ نظر آتا تھا۔ دوسرے یہ مین سڑک سے ہٹ کر تھا۔

گاڑی کا دروازہ کھول کر نواز اور اس کا ساتھی نیچے اتر آئے۔ نواز نے کہا۔ ''اب تم بھی اتر آؤ۔'' اس نے میری طرف اشارہ کیا۔ اس کا لہجہ اور انداز مجھے اچھا نہ لگا۔ مگر میں گاڑی سے اتر آیا۔ ''اندر چلے جاؤ۔'' وہ اسی انداز میں بولا۔ اس کا انداز مجھے سخت برا لگا تو میں نے کہا۔

''نواز احمد گھر لا کر بے عزت کر رہے ہو۔ میں مریض کو دیکھنے آیا ہوں۔ تم لائے ہو اور تم اس طرح بات کر رہے ہو جیسے میں زبردستی آیا ہوں۔'' میں نے ناگواری سے کہا۔

''میری ڈیوٹی ختم ہو گئی۔ تم اندر جاؤ۔ اگر خود سے نہیں گئے تو یہ جوان تم کو اندر پہنچا دے گا۔'' وہ بولا۔

''مریض کہاں ہے......؟'' میں نے پوچھا۔

''مریض اور مرض دونوں اندر ہیں۔ اندر تو جاؤ پہلے۔'' وہ جھنجلا کر بولا۔ اور میں اندر کے دروازے کی

طرف بڑھ گیا۔ مجھے احساس ہو گیا تھا کہ میں غلط جگہ پھنس گیا ہوں۔ میرے دروازے کے قریب جاتے ہی دروازہ کھل گیا اور میرے سامنے جو کھڑا تھا اس سے تو مجھے پورا اندازہ ہو گیا کہ میں غلط جگہ پھنس چکا ہوں۔

میرے سامنے نواب صالح کھڑا اپنی مونچھوں کو تاؤ دے رہا تھا اور اس کے چہرے پر بڑی کمینی مسکراہٹ تھی۔ ''آ جاؤ...... اندر آ جاؤ۔'' وہ بولا۔

''تم نے مجھے بلانے کا یہ طریقہ کیوں اختیار کیا۔ آئندہ کسی ضرورت مند کے پاس بھی میں نہیں جاؤں گا۔ دھوکہ صرف ایک دفعہ ہوتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''آئندہ تم کسی کے پاس جاؤ نہ جاؤ مجھے اس سے کیا ہے۔ مجھے بلانا تھا تو بلا لیا۔'' وہ بولا۔

''وجہ بتاؤ کہ کیوں بلایا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''تم نے اپنے مطب میں میری بڑی بے عزتی کی تھی یاد ہے۔'' صالح نے کہا۔

''میں نے بے عزتی نہیں کی تھی.......... تمہاری غلط خواہشات کو ماننے سے انکار کیا تھا۔ تم نے اس کو اپنی بے عزتی تصور کر لیا۔'' میں نے کہا۔

''ہماری بات نہ ماننا ہی ہماری بے عزتی ہے۔'' وہ غرور سے بولا۔

''معالج کے کچھ اپنے اصول ہوتے ہیں۔ ہمارا کام اپنے مریض کو تندرست کرنا ہوتا ہے۔ وہ مریض غریب ہو یا امیر ہو ہمارے لیے سب برابر ہیں۔ اگر تم بھی میرے زیر علاج ہوتے تو میں تمہارے لیے بھی یہی سوچوں گا کہ تم تندرست ہو جاؤ۔ تمہارے رازوں کا بھی میں امین ہوں گا۔ اب تم خود فیصلہ کرو کہ میں نے کیا غلط کیا۔'' میں نے کہا۔

''تم اپنے اصول اور قاعدے اپنے پاس رکھو۔ میں تمہارے اصولوں کا غلام نہیں ہوں۔ تم نے میری بات ٹھکرا دی۔ نہیں مانی، اگر مجھے جانتے تو نہ ٹھکراتے۔ مگر اب جان جاؤ گے۔ سارے اصول اور قاعدے ناک کے راستے باہر نکال دوں گا اور وہ نواب میرا بھائی بھی تمہاری کوئی مدد نہیں کرے گا۔ میں ریاست سے باہر بھی اثر رسوخ رکھتا ہوں۔ اس مکان سے باہر جانے کی کوشش مت کرنا۔ اگر کوشش کرو گے تو کسی کھیت میں آخری آرام گاہ بن جائے گی اور اوپر سے ہل چلا کر مرچ کاشت کرا دوں گا۔'' یہ کہہ کر صالح چلا گیا۔ میں کمرے میں اکیلا رہ گیا۔ اس کے جانے کے چند منٹ کے بعد نواز کمرے میں آ گیا اور بولا۔

''اس کمرے کے باہر مت آنا۔ کھانا پانی سب یہیں پر ملے گا۔'' میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کچھ دیر مجھے گھورتا رہا اور پھر چلا گیا۔ پورا دن گزر گیا میرے پاس کوئی نہیں آیا۔ رات کو نواز احمد ایک سینی (بڑا تھال) لے کر آ گیا اور بولا۔ ''لے کھانا کھا لے۔''

میں نے حیرت سے نواز کی طرف دیکھا اور بولا۔

''نواز احمد تم بات کس طرح کرتے ہو۔ نوابوں کے تو ملازم بھی ادب آداب کو جانتے ہیں۔''

''میں بھی جانتا ہوں مگر کیا کروں۔ مجھے اسی طرح بات کرنے کو کہا گیا ہے۔'' وہ بولا۔

''اس کا کیا مطلب ہوا؟'' میں نے پوچھا۔

''نواب صاحب اپنی بے عزتی کا بدلہ جو لینا چاہتے ہیں۔'' نواز نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے نواز...... تم نمک حلالی کرو میں صبر کرتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''اب اس کے سوا تیرے پاس کوئی چارہ نہیں ہے۔ یہ جو کچھ میں لایا ہوں کھا لے۔ کیا پتہ پھر ملے نہ ملے۔'' نواز نے کہا۔

''تم جو کچھ لائے ہو واپس لے جاؤ۔ میں نواب کا نمک نہیں کھاؤں گا۔'' میں نے جواب دیا۔

''بھوکے مر جاؤ گے۔ یہاں پر کوئی سننے والا بھی نہیں ہے۔ دور دور تک نواب کے ہی کھیت ہیں اور نواب کے ہی آدمی ہیں۔ نواب کی دشمنی بہت مہنگی پڑے گی تم کو۔'' نواز نے کہا۔

''تمہاری ہمدردی کا شکریہ۔ اب تم جاؤ اور یہ سب

لے جاؤ۔''میں نے کہا۔نواز نے سیٹی اٹھائی اور باہر چلا گیا۔دروازہ بند کر کے تالا لگانے کی آواز مجھے سنائی دی۔ دولت و طاقت اور اقتدار کی خواہش انسان کو کس قدر گرا دیتی ہے۔شیطان انسان کو ایسے ایسے فریب دیتا ہے کہ انسان کی بصارت اور بصیرت دونوں اس سے دور ہو جاتی ہیں۔اور پھر یہ فریب خوردہ انسان کسی پر ظلم کر کے بہت خوش ہوتا ہے اور سمجھتا یہ ہے کہ اس نے بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔اس کو ذرا خیال نہیں آتا کہ وہ کس کا آلہ کار بنا ہوا ہے۔وہ کس کو خوش کر رہا ہے۔میں اکیلا ہی سوچتا رہا۔میری سوچیں اور بھی دراز ہو جاتیں کہ اچانک مجھے احساس ہوا کہ کمرے میں کوئی اور بھی ہے۔کمرے میں لالٹین جل رہی تھی مگر اس کی روشنی اتنے بڑے کمرے کے لیے ناکافی تھی۔دروازے کے پاس ہی کوئی کھڑا ہوا تھا۔

میں نے پوچھا۔''کون......؟'' جس پر وہ اور قریب آ گیا۔کم روشنی میں بھی میں نے آسانی سے پہچان لیا۔وہ رولوکا تھا۔''رولوکا تم......میرے دوست کس طرح آ گئے؟''میں نے جلدی سے پوچھا۔

''تم پریشان ہو......میں اس لیے آ گیا ہوں۔'' وہ انگریزی میں بولا۔

''مجھے تمہاری اس وقت ضرورت تھی۔''میں نے کہا۔

''میری ضرورت تم کو ہو اور میں نہ آؤں یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔''رولوکا نے جواب دیا۔

''تم کو پتہ ہے مجھے دھوکا دے کر لایا گیا ہے۔'' میں نے کہا۔

''سب پتہ ہے۔یہ بھی پتہ ہے کہ تم نے اب تک کچھ نہیں کھایا۔اس لیے یہ لایا ہوں۔'' رولوکا نے ایک ہرے رنگ کا پھل مجھے پکڑا دیا۔وہ پھل دیکھنے میں ناشپاتی جیسا تھا مگر نرم تھا۔میں نے کھانا شروع کر دیا۔اس کا ذائقہ ترش تھا مگر ترشی میں بھی مزا لگتا تھا۔اس کے کھاتے ہی مجھے ایسا لگا جیسے میں نے پیٹ بھر کر کھانا کھا لیا ہے۔

رولوکا نے کہا۔''یہ پھل تم کو کھانے اور پانی سے بے نیاز کر دے گا۔اور جسم کی طاقت کو بحال رکھے گا۔بہت دور سے تمہارے لیے لایا ہوں۔''

''تمہاری محبت ہے رولوکا۔تم نے میرا اتنا خیال رکھا۔''

''دوستی اسی کا نام ہے۔تم نے میرا اس وقت خیال کیا تھا جب تم کو میرے بارے میں کچھ پتہ نہیں تھا۔تم نے اس وقت مجھے کھلایا تھا حالانکہ مجھے اس کی ضرورت نہیں۔مگر تمہارا خلوص اور ہمدردی ہی میں نے دیکھی تھی۔تم ایک ہمدرد آدمی ہو۔جنگل میں تم سا شہری آدمی میں نے پہلی بار دیکھا ہے۔''رولوکا نے کہا۔

''رولوکا۔تم خود چونکہ ایک اچھی روح رکھتے ہو۔اچھا ذہن رکھتے ہو اس لیے اچھا سوچتے ہو۔میں تو بہت گناہ گار آدمی ہوں۔''میں نے کہا۔

''اب تم بتاؤ کیا چاہتے ہو۔گھر جانا چاہو تو بولو۔'' رولوکا نے کہا۔

''باہر پہرہ لگا ہوا ہے اور دروازے پر تالا ہے۔مجھے حیرت ہے تم کس طرح اندر آ گئے؟''میں نے پوچھا۔

''میں جنگل کے اس حصے کا رہنے والا ہوں جہاں پر بہت کم انسانوں کے قدم گئے ہیں۔جہاں پر ہر مرض کا علاج سحر اور بوٹیوں سے کیا جاتا ہے۔سردار کے علاوہ جو شخص بااختیار ہوتا ہے وہ یہاں کا حکیم یا ڈاکٹر جو کچھ کہو وہ ہوتا ہے۔اس کے پاس نہ صرف جڑی بوٹیوں کا علم ہوتا ہے بلکہ جادو اور ارواح کا علم بھی ہوتا ہے۔یہ خاندانی ہوتا ہے۔وہاں پر کوئی درس گاہ نہیں ہوتی کہ وہاں پر پڑھ کر ڈاکٹر بن جائے۔وہ تو باپ دادا کے علم کو اپنے سینے میں بچپن سے اتارتا ہے اور آدھی عمر کے بعد اپنی ذمہ داری سنبھالتا ہے۔اس وقت تک وہ ہزاروں مرحلوں سے گزر چکا ہوتا ہے۔اس کے بڑے اس کو ہر مشکل مرحلے سے گزرنے اور اس کو حل کرنے کا طریقہ بتا دیتے ہیں۔مشق کرا دیتے ہیں۔تحریری کوئی چیز نہیں ہوتی۔اس کا سینہ ایک کتاب کی مانند ہوتا ہے۔ہر بات اس کو ازبر ہوتی

ہے۔ ہر سوال کا جواب اس کے دماغ میں محفوظ ہوتا ہے۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم اپنے کسی علم کا سوال مجھ سے کرلو۔ میرا علم اور تجربہ جو ہے اس کی حدود تم سمجھ گئے ہو گے۔" رولوکا نے بات ختم کی۔

آج رولوکا کا انداز گفتگو مجھے حیران کر رہا تھا۔ "تم حیران مت ہو۔ میرے لیے بند دروازے اور فاصلے کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ تم حکم کرو گھر جانا چاہتے ہو؟"

میں نے کہا۔ "ظاہر ہے، یہاں کون رہنا چاہتا ہے۔"

"تو پھر آؤ میرے ساتھ......" اور رولوکا میرا ہاتھ پکڑ کر بند دروازے کی طرف بڑھا۔ اس کے قریب پہنچتے ہی دروازہ خود بخود کھل گیا۔ دروازے پر دربان ہاتھ میں موٹا سا لٹھ لیے کھڑا تھا مگر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اندھا ہو چکا ہے۔ اس کو ہم دونوں نظر نہیں آ رہے تھے۔ ہمارے باہر آتے ہی دروازہ پھر بند ہو گیا۔ پورا مکان سناٹے میں ڈوبا ہوا تھا۔ مگر دروازے کے باہر بھی ایک دو آدمی لٹھ لیے پھر رہے تھے۔ وہ لوگ بھی ہم کو نہ دیکھ سکے۔

میرے لیے یہ بہت عجیب سی بات تھی۔ میں ان کے سامنے تھا اور وہ مجھے نہیں دیکھ رہے تھے۔ میرے اور رولوکا کے وجود عالم عدم میں چلے گئے اور اگر عالم وجود میں تھے تو پھر نظر کیوں نہیں آ رہے تھے۔ رولوکا کی شخصیت میرے لیے حیرت انگیز ہوتی جا رہی تھی۔ وہ واقعی پراسرار قوتوں کا مالک تھا۔ بظاہر اس میں کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی تھی۔ میں خود بھی اس سے زیادہ متاثر نہیں تھا مگر رولوکا نے پہلے تو اپنی حکمت اور دواؤں کی پہچان سے مجھے متاثر کیا اور اب اپنی جادوئی کرشمہ سازی سے مجھے حیرت زدہ کر رہا تھا۔ موٹر وہیں کھڑی تھی۔ رولوکا نے مجھے اشارہ کیا کہ میں اس میں بیٹھ جاؤں۔ میں نے دروازہ کھولا اور موٹر میں بیٹھ گیا۔ رولوکا نے اشارے سے کہا کہ میں دومنٹ میں آتا ہوں۔ اور وہ واقعی دومنٹ میں آ گیا۔ اس کے ساتھ وہی تنگڑا ڈرائیور تھا۔ ڈرائیور نے فوراً گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ رولوکا میرے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ اور گاڑی گھر کی طرف روانہ ہو گئی۔

گاڑی میرے دروازے پر جا کر رک گئی...... اور ہم دونوں اتر کر اندر چلے گئے اور گاڑی واپس چلی گئی۔ گھر میں سب لوگ سو رہے تھے۔ میں رولوکا کو لے کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ "آج تم پہلی دفعہ میرے گھر آئے ہو۔ تم نے مجھ پر احسان بھی کیا ہے۔ بولو میں تمہاری کیا خدمت کروں؟" میں نے خوش دلی سے کہا۔

"دوست کہتے ہو اور یہ بات کرتے ہو۔ نہ میں نے احسان کیا نہ میں پہلی دفعہ یہاں آیا ہوں......" رولوکا نے جواب دیا۔

"چلو پہلی بات تو میں مان لیتا ہوں۔ مگر دوسری بات کو تم مان لو......" میں نے کہا۔

"میں اکثر تمہارے گھر آیا ہوں صرف یہ دیکھنے کہ میری ضرورت تم کو ہے یا نہیں۔ جس خاموشی سے آتا تھا اسی خاموشی سے واپس چلا جاتا تھا۔" رولوکا نے کہا۔

"یہ تم مجھ پر ظلم کرتے تھے۔" میں نے کہا۔

"نہیں ایسا نہیں تھا۔" رولوکا نے کہا۔

"ایک بات پوچھوں......؟" میں نے کہا۔

"پوچھو! میں تم سے کچھ چھپاؤں گا نہیں۔" رولوکا نے جواب دیا۔

"تمہاری شخصیت ہر دفعہ میرے لیے بہت سے سوال چھوڑ جاتی ہے۔ کچھ اس پر روشنی ڈالو گے۔" میں نے پوچھا۔

"بہت کچھ تم نے دیکھ لیا ہے اور بہت کچھ ابھی باقی ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ وہ بھی تم دیکھ لو گے۔ جس چیز کا جو وقت ہے اس پر ہی اچھی لگتی ہے۔ تم صرف ایک بات یاد رکھنا وہ ہے دوستی...... میں بھی صرف ایک چیز جانتا ہوں۔ میں جس روپ میں ہوں گا تم مجھے پہچان جاؤ گے۔ ابھی نہ جانے آگے کا وقت کیا کہتا ہے۔ اس کے بارے میں کچھ کہنا بے کار ہے۔ اب مجھے اجازت دو تم جس طرح روزمرہ کے کام کرتے ہو کرتے رہو۔"



بہت سی باتیں ہزاروں سال سے سینہ بہ سینہ چلی آرہی ہیں۔ ان کو آپ بے اصل نہیں کہہ سکتے۔ سب نہ ہوں مگر ان کی اصلیت سے پھر بھی انکار مشکل ہے۔ وقت کے ساتھ زمین کی حالت بدلتی رہتی ہے جہاں پر آج پہاڑ نظر آتے ہیں۔ ہوسکتا ہے ہزاروں سال پہلے وہاں پر سمندر موجیں مار رہا ہو۔ اس قسم کے نشانات ان پہاڑوں پر آج بھی نظر آتے ہیں۔ دنیا کے مختلف علاقوں میں جو ریگستان ہیں جہاں آج ریت ہی ریت نظر آتی ہے وہاں پر سرسبز میدان ہوں، پانی کے دریا ہوں۔ مگر دریاؤں کے اس علاقے سے منہ موڑتے ہی وہاں پر ریت اڑنے لگی۔

کہتے ہیں مصر کے کاہنوں کے پاس علم نباتات تھا۔ وہ اس سے ہی جادوئی کام لیا کرتے تھے۔ ہندوستان کے جوگیوں کے بارے میں بھی مشہور ہے کہ جڑی بوٹیوں اور معمولی پھول پتیوں سے بہت بڑے بڑے کام لیا کرتے تھے۔ آج بھی ہندوستان میں سنیاسی موجود ہیں اور حیرت انگیز کام کر لیتے ہیں۔ وہ لوگ عمل نباتات کو جانتے ہیں۔ مگر ان کی کم ظرفی یہ ہے کہ وہ اس علم کو عام نہیں کرتے۔ سرجری کے اس دور میں بھی ایسے باکمال حکیم اور وید موجود ہیں جو بغیر کسی مشینی ٹیسٹ کے مرض کو پہچان جاتے ہیں اور سرجری کے بغیر اس کا علاج بھی کر دیتے ہیں۔ ہمارے بزرگوں سے بھی یہ غلطی ہوئی کہ انہوں نے اس علم کو عام نہیں کیا۔ جڑی بوٹیوں کے راز کو اپنے سینے میں پوشیدہ رکھا۔ اگر عام آدمی تک ان رازوں کو جاننے کی صلاحیت ہوتی تو یہ علم اور بھی زیادہ پھیلتا اور تیزی سے اس کے اثرات لوگوں کو متاثر کرتے۔ مغربی دنیا نے اس پر غور کیا اور ایک نئے علم کی تخلیق کر دی اور معالج کے لئے بہت بڑی آسانی پیدا کر دی۔ اب معالج کو غلط تشخیص کا خطرہ ہی نہیں رہا۔ پوشیدہ سے پوشیدہ مرض پوشیدہ نہیں رہا۔

رولوکا کو میں کس خانے میں رکھوں۔ اس کی جو بات بھی میرے سامنے آئی ہے مجھے حیرت زدہ کر گئی ہے۔ میں اس حکیم کو وید کہوں، جادوگر کہوں آخر کیا کہوں۔ میں خود کو بہت اچھا اور خاندانی تجربہ کار حکیم سمجھتا تھا۔ رولوکا کے سامنے خود کو رکھتا ہوں تو بہت ہلکا اور کم علم محسوس کرتا ہوں۔ رولوکا کا مقابلہ میں نہیں کر سکتا۔ مگر میں یہ ضرور کوشش کروں گا کہ رولوکا سے کچھ سیکھ جاؤں۔ وہ میرا دوست ہے۔ جہاں دوستی ہوتی ہے وہاں شرم و لحاظ اور دنیاوی مصلحتیں نہیں ہوتیں۔ کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ جو بات باپ سے نہیں پوچھی جاتی وہ دوست سے پوچھی جاتی ہے۔

نواب کے پاس سے واپس آتے ہی میں نے اپنا کام شروع کر دیا تھا۔ میرے مریضوں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی تھی۔ پہلے میرے پاس صرف دو ملازم تھے مگر اب چار بھی کم معلوم ہوتے تھے۔ دو دن بعد نواب صالح خود میرے پاس آ گیا۔ اس نے حیرت سے مجھے دیکھا۔ اس کے چہرے پر کچھ خجالت کے آثار پیدا ہوئے مگر ایک بے حیا آدمی تھا ہنس کر بولا۔ ”کس مٹی کے بنے ہو حکیم جی......؟“

”بے حیا مٹی کا نہیں ہوں۔“ میں نے جواب دیا۔

”سب کو اندھا کر دیا۔ ہو تم ایک نمبر کے کرد آدمی۔“ وہ اسی لہجے میں بولا۔

”دیکھو نواب صالح، تم میری چوکھٹ پر ہو، اپنی زبان کو کنٹرول میں رکھ کر بات کرو۔“ میں نے ناگواری سے کہا۔

”میں تو صرف یہ پتہ کرنے آیا ہوں کہ کون سی بوٹی سب کو دی کہ سب اندھے ہو گئے اور تم واپس میری موٹر میں آ گئے......؟“ وہ بولا۔

”تم بہت نادان ہو۔ ابھی تم کو تجربے کی ضرورت ہے، سب پر ایک ہی فارمولا نہیں چلتا۔ ہر مرض کا علاج ایک ہی دوا سے نہیں ہوتا۔ تم صرف ایک ہی علاج جانتے ہو۔ وہ ہے طاقت۔ مگر ہر مرض کا یہ علاج نہیں ہے۔ میرے ساتھ آئندہ ایسا نہ کرنا۔ اس دفعہ تو وہ اندھے ہوئے ہیں صرف کچھ دیر کے لئے مگر ہمیشہ کے لئے بھی وہ اندھے ہو سکتے ہیں۔ تم اپنی بے وقوفی سے سب کو نقصان پہنچا دو گے۔“ میں نے پرسکون لہجے میں کہا۔

”میرے پاس آدمیوں کی کمی نہیں ہے۔ تم یہ بتاؤ

بڑے نواب اولاد پیدا کرنے کے لائق ہیں؟'' وہ بولا۔

''اولاد دینا نہ دینا اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ صرف علاج کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔

''میں بھی اسی نقطہ نظر سے پوچھ رہا ہوں۔ دوائیں کیا رنگ دکھا رہی ہیں۔ فائدے کی امید ہے۔ اگر امید ہے تو یہ میرے لئے نقصان ہے۔ یہ بہت بڑا نقصان ہے۔ میں اس کو برداشت نہیں کرسکتا۔ یہ سن لو اچھی طرح.....'' نواب صالح سخت لہجے میں بولا۔

میں نے اطمینان سے اس کی طرف دیکھا اور پھر کہا۔ ''تم جس کو نقصان کہتے ہو، ہوسکتا ہے وہی فائدہ ہو۔ ذرا سوچو تم کیا کر رہے ہو اور کیا کرتے رہے ہو؟ صرف اقتدار اور دولت کے لئے اپنے بھائی کی جائز خواہشات کو پورا نہیں ہونے دے رہے۔ کیا جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ تمہاری ضروریات سے کم ہے۔ کیا تم اس کی اولاد ہونے کے بعد فقیر ہو جاؤ گے۔ بھائی کی حیثیت سے نہیں تو صرف انسان ہونے کے ناطے ہی غور کرو۔ ہر شخص کو اولاد کی خواہش ہوتی ہے۔ جس پر قدرت مہربان ہوتی ہے اس کو یہ دولت مل جاتی ہے۔ اللہ نے تم کو یہ دولت دے دی اب کسی اور کا حق نہ مارو۔ جس کے نصیب میں جتنا لکھا ہے اس کو اتنا ہی ملتا ہے۔''

''ہوگئی تقریر ختم۔ تم نے نواب کی وکالت خوب کی، مگر میرا نام نواب صالح ہے۔ نواب تو ریاست میں بیٹھا ہے مگر میری جڑیں پورے ہندوستان میں پھیلی ہوئی ہیں۔ میں ریاست سے باہر بھی طاقت رکھتا ہوں۔ تم میری گرفت سے نکل تو آئے ہو مگر یہ نہ سمجھنا کہ میں ہار گیا ہوں۔ میں پھر تم کو لے جاسکتا ہوں۔'' وہ پھر لن ترانی پر اتر آیا۔

''تم بہت کمزور ہو نواب صالح.....'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''تم نے میری طاقت ابھی دیکھی کہاں ہے حکیم؟'' وہ غصے سے بولا۔

''دھوکے اور فریب کے سہارے تم مجھے لے گئے تھے مگر روک نہ سکے۔'' میں نے کہا۔

''اپنا اپنا طریقہ کار ہے، تم اس کو جو بھی نام دو، میں تم کو مجبور کروں گا کہ تم نواب کا علاج بند کردو۔'' نواب صالح اب بھی غصہ میں تھا۔

''فریب، جھوٹ کو تم طریقہ کار کہتے ہو، یہ شریفانہ انداز ہے.....؟ مجھے تو تم کسی طرح نواب نظر نہیں آتے۔ نہ انداز گفتگو سے اور نہ ہی رشتوں کے تقدس کے احساسات سے.....'' میں نے کہا۔

''معلوم ہوتا ہے نواب نے تمہارا منہ اچھی طرح بھر دیا ہے۔ مجھے بتاؤ کیا چاہیے۔ میں اس سے بڑھ کر دوں گا۔'' نواب صالح نے کہا۔

''تم کسی کو کیا دو گے؟ ہے کیا تمہارے پاس؟ نہ ادب ہے، نہ شرافت ہے اور تو اور خوش اخلاقی تک تمہارے پاس نہیں ہے۔ ہر چیز کو سونے اور چاندی کے سکوں سے نہیں خریدا جاسکتا۔ جاؤ نواب صالح کوئی اور دکان دیکھو۔ تمہارے مطلب کا سودا میرے پاس نہیں ہے۔''

وہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا اور غصہ سے بولا۔ ''زیادہ دن تم ان ٹانگوں پر کھڑے نہیں رہ سکو گے یہ یاد رکھنا۔''

''میری بجائے اپنی فکر کرو۔'' میں نے کہا اور نواب صالح غصہ میں تن تنا تا چلا گیا۔

نواب احمد یار کا علاج میں کرتا رہا۔ تین مہینے کے بعد اس نے بتایا کہ اس کی بیوی امید سے ہے۔ مگر اس نے سب سے ابھی پوشیدہ رکھا ہے۔ میں نے اس کو کہا کہ وہ اس بات کو پوشیدہ نہ رکھے سب کو بتا دے مگر بیوی کو حفاظت سے رکھے۔ میں نے اس کو صاف صاف بتا دیا کہ اس کا سب سے بڑا دشمن اس کا بھائی ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ تم کو اولاد ہو۔ کیونکہ تمہاری اولاد ہونے کے بعد اس کی اولاد ریاست کی حقدار نہ ہوگی اور وہ اپنی اولاد کو ریاست کا حق دار سمجھتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ تم ہوشیار رہو، وہ کچھ بھی کرسکتا ہے۔ تم کو ہر طرح ہوشیار رہنا ہے۔

نواب احمد یار نے کہا۔ ''مجھے بہت پہلے سے یہ شبہ تھا مگر میں یہ نہیں سمجھتا تھا کہ وہ اس قدر کمینی خصلت رکھتا ہے۔ وہ آپ سے کب ملا تھا؟''

''وہ مجھے کئی دفعہ مل چکا ہے۔ اس کا اصرار تھا کہ میں تمہارا علاج نہ کروں۔ اس نے ایک دفعہ مجھے اغوا بھی کرلیا تھا مگر میں واپس آ گیا۔ وہ اس قدر گھٹیا حرکتیں اور باتیں کرتا ہے کہ مجھے یقین نہیں آتا کہ وہ تمہارا بھائی ہے۔'' میں نے کہا۔

''درست بات یہ ہے کہ وہ میرا بھائی ہے ہی نہیں۔ والد صاحب قبلہ نے ایک بیوہ کو سہارا دیا تھا۔ اس کو حویلی میں عزت سے رکھا تھا اور اس کے بیٹے کو بیٹا بنایا تھا۔ وہ عورت کون تھی کسی کو پتہ نہیں۔ وہ حویلی میں ہی مرگئی اور صالح کو والد صاحب نے باپ بن کر اپنے زیر سایہ رکھا۔ ان کے بعد میں نے اس کو بھائی کا درجہ دیا مگر یہ تو آستین کا سانپ بن گیا مگر اب میں اس سانپ کو اپنی آستین میں نہیں رکھ سکتا۔''

اس کے بعد نواب احمد یار نے صالح کو ریاست بدر کر دیا۔ جو کچھ اس کے پاس ریاست میں تھا سب واپس لے لیا۔ اس کے خاندان کو صرف دو جوڑے کپڑوں میں ریاست سے نکلنا پڑا۔ ساری نوابی ناک کے راستے نکل گئی۔ مجھے افسوس تو بہت ہوا مگر برے کام کا انجام بھی برا ہی ہوتا ہے۔ جس دھن دولت پر وہ اکڑتا تھا وہی نہ رہی۔ سہارنپور کے گاؤں میں کچھ زمین اور مکان نواب احمد یار کی لاعلمی میں بنا رکھا تھا۔ سب کو لے کر وہیں پر آ گیا۔ چور چوری سے جاتا ہے ہیرا پھیری سے نہیں...... میرے لیے تو اس کے دل میں نفرت بھری ہوئی تھی۔ اس نے اپنے کرتوت پر نظر نہیں ڈالی اور میرا دشمن بن گیا۔ ریاست بدر کروانے میں وہ میرا ہاتھ سمجھتا تھا۔ مگر میرے پاس وہ پلٹ کر نہیں آیا تھا۔ میں جانتا تھا وہ چوٹ کھایا ہوا سانپ ہے۔ ایک نہ ایک دن پلٹ کر وار ضرور کرے گا۔ میں جہاں تک اس کی گندی ذہنیت کو سمجھتا تھا اس سے پتہ چلتا تھا کہ وہ دھوکا مکر فریب کچھ بھی کر سکتا ہے۔ اور اس نے وہی کیا۔

ایک رات ایک مریض میرے پاس آیا۔ اس کی حالت بہت خراب تھی۔ اس کے سر اور جسم پر زخم تھے۔ جو آدمی اس کو لایا تھا وہ اس کو چھوڑ کر چلا گیا۔ وہ جس تانگے میں آیا تھا اسی میں واپس چلا گیا۔ میں جب مطب میں گیا اس وقت وہ مریض اکیلا پڑا تھا۔ میں نے اس کو دیکھا، جو کر سکتا وہ میں نے ایک حکیم ہونے کے ناطے کیا۔ مگر اس کی حالت بہت خراب تھی۔ رات کا وقت تھا۔ میں ساری رات اس مریض کے ساتھ رہا مگر وہ صبح ہونے تک زندہ نہ رہا۔

صبح ہوتے ہی کچھ لوگ دندناتے میرے مطب میں گھس آئے اور اس زخمی شخص کے مرنے کا اور زخمی کرنے کا الزام مجھ پر لگانے لگے۔ شور شرابا اس قدر بڑھا کہ محلے کے لوگ جمع ہو گئے۔ میں نے ان کو بتایا کہ رات کو کچھ لوگ اس کو لائے تھے اور فوراً ہی چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ میں نے تو اس کا علاج کرنا چاہا مگر یہ اس قدر نازک حالت میں آیا تھا کہ مر گیا۔ محلے کے لوگ مجھے ایک زمانے سے جانتے تھے۔ وہ میری بات مان گئے۔ مگر جو لوگ وہاں کے نہیں تھے یا یوں سمجھ لیں کہ وہ لوگ اسی ارادے سے آئے تھے۔ وہ سب شور کرنے لگے۔ مرنے والا شخص کون تھا؟ کہاں سے آیا تھا؟ کسی کو پتہ نہیں اور اگر کسی کو پتہ تھا تو کوئی بتا نہیں رہا تھا۔ اس صورت حال میں پولیس کو اطلاع کرنا ضروری تھا۔ میں نے ایک شخص کو تھانے روانہ کر دیا۔ پولیس آ گئی اور میں نے جو کچھ ہوا تھا حرف بہ حرف بیان کر دیا۔

میرے بیان کے بعد جو لوگ میرے خلاف تھے ان کے بیان ہوئے۔ ایک شخص جو ان کا سردار معلوم ہوتا تھا اس سے تھانے دار نے پوچھا۔ ''تمہارا نام کیا ہے؟''

''میرا نام بنسی دھر ہے سرکار......'' وہ بولا۔

''کہاں رہتے ہو؟'' تھانیدار نے پوچھا۔

''بھولا گاؤں کا رہنے والا ہے۔''

''شہر میں کیا کرنے آئے ہو؟''

''کچھ خریداری کرنا تھی؟''

''پھر یہاں پر کیوں آ گئے......؟''

''میں جا رہا تھا بھیڑ کو دیکھ کر رک گیا تھا۔''

''تم کو پتہ ہے کہ یہ شخص رات کو کس حالت میں آیا تھا......؟''

"نہیں پتہ۔"

"پھر تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ اس شخص کو حکیم صاحب نے مار دیا؟"

"میں کب کہہ رہا ہوں۔"

"تو پھر شور کیوں مچا رہے تھے۔ مرنے والا تمہارا کوئی رشتہ دار ہے......؟"

"میں تو اس کو جانتا بھی نہیں۔" اسی قسم کے سوالات تھانیدار نے اور بہتوں سے بھی کیے مگر ایک بھی شخص ان میں ایسا نہیں تھا جس نے مرنے والے کو زخمی کرتے یا مارتے دیکھا ہو۔ سب ہی اندازے سے بات کر رہے تھے۔ تھانے دار نے بنسی دھر کے علاوہ سب کو چلے جانے دیا۔ بنسی دھر گڑگڑانے لگا۔ "حضور میرا کیا قصور ہے؟ مجھے کیوں روکے رکھا ہے؟"

"مجھے لگتا ہے تو ہی وہ شخص ہے جس نے اسکو مارا ہے اور حکیم صاحب پر الزام ڈالنے کو یہاں لا کر ڈالا ہے۔ تو سب بتائے گا۔" تھانیدار نے رعب سے کہا۔ وہ بہت سمجھدار آدمی تھا اور کچھ میری شہرت اور نیک نامی سے بھی متاثر تھا۔ وہ لاش اٹھا کر لے گیا اور اس شخص بنسی دھر کو بھی ساتھ ہی لے گیا۔

شام کو پتہ چلا کہ مرنے والا ایک کسان تھا اور بھولا گاؤں کا ہی رہنے والا تھا۔ نواب صالح کے کھیتوں میں کام کرتا تھا۔ مگر کچھ روز سے اس کے پاس کام نہیں کر رہا تھا۔ بنسی دھر نواب صالح کا ملازم ہے اور وہی مرنے والے کو میرے مطب میں لایا تھا۔ پولیس کی مار نے اس کو سب کچھ بتانے پر مجبور کر دیا تھا۔ نواب صالح بھول گیا تھا کہ وہ ریاست نہیں ہے۔ بنسی دھر نے اپنی جان بچانے کو سارا الزام نواب پر ڈال دیا اور پولیس نے نواب کو گرفتار بھی کر لیا۔

یہ تھا وقت کا فیصلہ۔ میرے لیے اس نے کھائی کھودی تھی مگر ایسی کمزور زمین پر بنیاد رکھی تھی کہ محل بننے سے پہلے ہی زمین میں دھنس گیا۔ ایسی احمقانہ پلاننگ اور کمزور اس نے میرے آگے بڑھائے جو ذرا سی سختی برداشت نہ کر سکے اور جھوٹ کا پول کھل گیا۔

وقت گزرتا رہتا ہے۔ میں سہارنپور سے دہلی آ گیا۔ یہ ایک بہت بڑا شہر ہے۔ میں نے لال کنواں محلہ میں ایک بہت بڑا مکان خرید لیا اور اپنا مطب قائم کر دیا۔ میری نیت کبھی دولت کمانے کی نہیں رہی۔ خلوص اور ہمدردی سے اپنے ہر مریض کا علاج کرتا ہوں اور میرا رب مجھے کبھی شرمندہ نہیں کرتا۔ کچھ ہی عرصہ کے بعد یہاں پر بھی میرا مطب چل نکلا۔ میرا یہ شروع سے طریقہ کار رہا ہے کہ سال میں ایک ماہ مطب بند کرتا ہوں۔ اس ایک ماہ میں میں جنگلات میں سفر کرتا ہوں اور دوائیں جمع کرتا ہوں۔ میں صرف اپنی لائی دواؤں پر بھروسہ کرتا ہوں۔ میرے والد اور دادا نے جو طریقہ اختیار کیا تھا میں بھی اسی پر چل رہا ہوں۔ میرے طریقہ کار میں اگر ذرا سی بھی تبدیلی آئی تھی تو وہ رولوکا کی وجہ سے تھی۔ رولوکا نے میری بہت جگہ پر رہنمائی کی تھی اور نئی دواؤں کو استعمال کروایا تھا اور میں اس میں بہت کامیاب ہوا تھا۔

میں خیرالدین کے ساتھ جنگلات کے سفر میں تھا۔ ابھی ہم جنگلات کے اندر داخل ہی ہوئے تھے لیکن ابھی تک رولوکا نہیں آیا تھا۔ میں اب رولوکا کا عادی سا ہو گیا تھا۔ اور وہ ڈر و خوف جو جنگل میں مجھے پہلے محسوس ہوتا تھا اب نہیں ہوتا تھا۔ رولوکا نے بہت سے گر مجھے بتا دیئے تھے۔ خونخوار جانوروں سے سامنا ہو جائے تو کس طرح بچا جا سکتا ہے۔ جنگل میں رات ہو جائے تو کیا کیا جائے، وغیرہ وغیرہ۔ رولوکا ایک بہترین رہبر تھا۔ ہم دن بھر بوٹیاں جمع کرتے رہے۔ اب شام ہو رہی تھی۔ میں رولوکا کو یاد کر رہا تھا۔ اندھیرا ہونے سے پہلے وہ آ گیا۔

"میں تم کو یاد کر رہا تھا؟" میں نے کہا۔

"پتہ ہے......" وہ بولا۔

"تم نے کبھی نہیں بتایا کہ میں یاد کرتا ہوں تو تم کو خبر کس طرح ہو جاتی ہے؟" میں نے کہا۔

"میں جنگل کا بادشاہ ہوں۔ میری حس تم سے زیادہ ہے۔ دوسرے تم یہ کیوں بھول جاتے ہو کہ میں ساحر

ہوں۔ یہاں پر میرا جادو خوب کام کرتا ہے۔'' وہ بولا۔
''تو کیا شہر میں تمہارا جادو نہیں کام کرتا؟'' میں نے پوچھا۔
''کام تو کرے گا۔ مگر میں نہیں کہہ سکتا کہ سو فیصد کامیاب ہوگا یا نہیں۔'' رولوکا نے کہا۔
''اس کی وجہ......؟'' میں نے پوچھا۔
''جادو یا سحر ایک ایسا علم ہے جو ارادے کی قوت کو استعمال کرتا ہے اور اپنی خواہش کے مطابق نتائج حاصل کرتا ہے۔ اس پر اسرار طاقت کو مناسب طریقہ پر بروئے کار لاتا ہے۔ اپنی پسند کی کوئی بھی تبدیلی لانے کے لئے ضروری ہے کہ ساحر بہت زیادہ قابلیت اور صلاحیت رکھتا ہو۔ ضروری قوتوں کو آگے بڑھا سکے اور ان کو مناسب وقت اور مناسب مقدار میں حرکت میں لا سکے...... سب سے زیادہ ضروری وہ ماحول ہے جس میں ساحر کام کر رہا ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے اطراف کے ماحول اور انسانی ذہنیت کو سمجھتا ہو۔ اگر وہ نئی جگہ نئے لوگوں میں اپنا اثر قائم کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ وہاں کے ماحول اور تبدیل شدہ ذہنیت کو سمجھے۔
جنگل کے باشندے اور ایک مہذب دنیا کے باشندے میں بڑا فرق ہے۔ جس طرح ایک جاہل گاؤں کے باشندے اور ایک پڑھے لکھے باشندے میں فرق ہوتا ہے۔ ساحر سب کے ساتھ ایک سا سلوک کرے گا تو اس کو وہ نتائج نہیں ملیں گے جو وہ چاہتا ہے۔ ارادے کی قوت سے متاثر تو کیا جا سکتا ہے مگر مکمل طریقہ پر دماغ کو اپنی گرفت میں رکھنا بہت مشکل ہوگا جبکہ میں جنگل کے جانور تک کا دماغ پھیر دینے کی صلاحیت رکھتا ہوں۔ مگر شہری لوگوں کے بارے میں دعویٰ نہیں کرتا۔''
''تم جب اپنا سحر پھیلانے یا اپنے معمول پر اثر قائم کرنے کی کوشش کرتے ہو تو اس کو اس کا اندازہ نہیں ہوتا کہ اس پر کچھ کیا جا رہا ہے؟''
''میں نے بتایا نا کہ جنگل کا ماحول میں بالکل پتہ نہیں چلتا۔ مگر نئے ماحول میں مہذب آدمی کو کچھ اندازہ ہو جاتا ہے اور وہ اس سے بچنے یا فرار ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ اس سے عامل کا ذہن بھی متاثر ہوتا ہے۔ کتے اور گھوڑے بہت حساس ہوتے ہیں۔ وہ فوراً اس ارتعاش کو محسوس کر لیتے ہیں اور وہاں سے دور چلے جاتے ہیں۔''
''اگر تم پر کوئی دشمن مسلط ہو، وہ بھی ساحر ہو تو تم اس سے کس طرح بچاؤ کرتے ہو؟'' میں نے پوچھا۔
''تم کو پتہ ہے جنگل کا قانون یہ ہے کہ ہر طاقت ور کمزور کو کھا جاتا ہے۔ ہر جانور شکار کرتا ہے۔ ہر کوئی اپنی بھوک کسی کی جان لے کر مٹاتا ہے۔ مگر پھر بھی جنگل میں جانور موجود ہے۔ کمزور بھی اور طاقت ور بھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر جانور کو قدرت نے ایک ہتھیار دیا ہے۔ کسی کی نظر تیز ہے تو کسی کی حس تیز ہے، کوئی بے حد پھرتیلا ہے تو کوئی حد درجے عیار ہے۔ یہاں پر تمہارا واسطہ انسانوں سے نہیں پڑا۔ تمہارا جو گردش کرنے کا دائرہ ہے یہاں پر شہر کے باشندے نہیں آتے، میں سب مقامات پر سفر کرتا ہوں۔'' رولوکا نے کہا۔
''کبھی مجھے ایسا سفر کراؤ۔'' میں نے کہا۔
''وہ سفر بہت طویل اور صبر آزما ہوتے ہیں...... تمہارے یہ خچر اور یہ نوکر برداشت نہیں کر سکتے۔ دوسرے تم مطب چلاتے ہو، تمہاری مدت پوری ہو جائے گی اور واپسی نہیں ہوگی۔'' رولوکا نے جواب دیا۔
''تمہاری دونوں باتیں درست ہیں۔ اگر میں تیاری کر کے آؤں تو پھر تو چلو گے؟'' میں نے پوچھا۔
''میں ہر وقت تمہارے ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔'' رولوکا نے جواب دیا۔
''اچھا اب رات سر پر ہے۔ ٹھکانا کرو۔'' میں نے کہا۔
''یہ مقام جہاں پر موجود ہو بہت اچھا ہے۔ تم صرف یہ کرد کہ آگ جلالو۔ بڑے جانور ادھر نہیں آتے۔ خطرناک کیڑے مکوڑوں سے یہ جگہ صاف ہے۔ صرف ایک چیز کا ڈر ہے اور وہ ہے چیونٹی...... اگر اس کا حملہ ہوا تو سخت پریشانی ہوگی۔ اس کو دور رکھنے کا صرف ایک طریقہ

ہے کہ آگ جلالی جائے۔ ہمارے چاروں طرف آگ ہو۔اس سے رات کی سردی اور چیونٹی دونوں سے نجات مل جائے گی۔''

پھر رولوکا نے لکڑیاں جمع کرنا شروع کردیں۔اس کا ساتھ ہم لوگوں نے بھی دیا اور آگ کا ایک دائرہ روشن کردیا۔درمیان میں اتنی جگہ تھی کہ ہم تینوں لیٹ سکتے تھے۔ یہ سب کرنے کے بعد ہم نے کھانا کھایا، چائے پی اور لیٹ گئے۔مگر رولوکا بیٹھا رہا۔مجھ پر اور خیرالدین پر تھکاوٹ تھی اس لیے ہم لوگ سو گئے اور رولوکا آگ جلاتا رہا۔

اگلے دن میری آنکھ صبح ہی کھل گئی۔رولوکا حسب معمول آگ کے پاس موجود تھا اور آگ جل رہی تھی۔ رولوکا کی موجودگی میرے لیے بے حد اطمینان بخش تھی۔ خدا نے مجھے ایک ایسا سہارا عطا کردیا تھا جو شاید بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔میں نے خیرالدین کو اٹھادیا اور اس نے ناشتے کا بندوبست شروع کردیا۔رولوکا کو پتہ تھا کہ چائے بنے گی اور دودھ کی ضرورت پیش آئے گی اور وہ مگ لے کر جنگل میں چلا گیا اور کچھ ہی دیر کے بعد دودھ لے آیا۔یہ دودھ ہرنی کا نہیں تھا۔نیل گائے کا تھا۔رولوکا کے لیے یہ بہت آسان تھا۔

میرے ہر سفر میں رولوکا کا ساتھ ہی ہوا کرتا تھا۔ وہ میرا ایسا رہبر تھا جو مجھے کچھ نہ کچھ دیتا تھا۔لیتا کچھ نہیں تھا۔ہر سفر میں وہ مجھے ایک نئی بوٹی یا نیا درخت اور اس کے فائدے اور طریقہ استعمال اور ضروری باتیں بتادیا کرتا تھا۔اس طرح مجھے نئی نئی دوائیں بنانے میں آسانی ہورہی تھی۔رولوکا کی بتائی ہوئی دوائیں نہ صرف مجرب ہوتی تھیں بلکہ جلد اثر بھی کرتی تھیں۔میری حکمت دلی میں خوب چل رہی تھی۔اس میں جہاں میری اصول پرستی کو دخل تھا وہیں پر رولوکا کا طریقہ کار اور جڑی بوٹیوں کی بھی کرشمہ سازیاں تھیں۔

ہر پیشے میں رقابت ہوتی ہے۔ہر مقام پر رقیب پیدا ہوجاتے ہیں۔دلی بڑا شہر تھا۔یہاں پر ایک سے ایک کاریگر پڑا تھا۔میرا مطب صبح سے شام تک مریضوں سے بھرا رہتا تھا۔میرے ساتھ بہت لوگ کام کرتے تھے۔جن میں دو تو باقاعدہ حکیم تھے اور میری غیر موجودگی میں مریضوں کو دیکھا کرتے تھے۔میں نے اپنے وقت مقرر کردیئے تھے۔اس کے بعد میں مریض نہیں دیکھتا تھا۔ میرے وہ دونوں معاون یہ کام کرتے تھے۔

وقت گزر چکا تھا۔میں ظہر کی اذان ہوتے ہی اٹھ جایا کرتا تھا اور دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد نماز پڑھتا تھا۔ اور ایک گھنٹہ آرام کرنے کے بعد چار بجے پھر مطب میں آجاتا تھا۔میں اٹھنے ہی والا تھا کہ میرے ایک ملازم نے بتایا کہ گنگا دھر وید آئے ہیں۔میں نے بڑھ کر ان کا استقبال کیا۔ بہت مشہور آدمی تھے۔دلی کے پرانے باشندے تھے اور ان کے مریضوں کی تعداد بھی بہت تھی۔ وہ بھی خاندانی وید تھے۔وید بھی قدرتی جڑی بوٹیوں سے علاج کرتے تھے۔

''کیسے تکلیف کی......؟''میں نے پوچھا۔

''ارے میاں ایک شہر میں رہتے ہیں۔میل ملاقات تو ہونا ہی چاہئے۔''وہ بولے۔

''ضرور ہونا چاہئے، بڑی کرم نوازی ہے آپ کی کہ آپ خود آئے۔''میں نے جواب دیا۔

''ایک تو آپ کے درشن کرنا تھے دوسرے کچھ باتیں بھی کرنا تھیں۔''گنگا دھر بولے۔

''فرمایئے میں حاضر ہوں۔''میں نے جواب دیا۔

''تمہاری کچھ دواؤں پر بات کرنا تھی۔''وہ بولے۔

''ضرور کیجئے۔''میں نے کہا۔

''میرا ایک مریض گرمی کا شکار تھا۔اکثر میرے پاس آتا تھا۔میرے علاج سے ٹھیک بھی ہوجاتا تھا مگر کچھ عرصہ کے بعد پھر وہی شکایت ہوجاتی تھی اور اس کے جسم پر آبلے نمودار ہوجاتے تھے۔میں ہر دفعہ اس کا علاج کردیا کرتا تھا۔مگر اس دفعہ اس کو وہ شکایت نہیں ہوئی تو میں نے بلا کر اس سے بات کی تو اس نے بتایا کہ آپ نے اس کو ایک پڑیا دوا کھلائی تھی۔میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ تم نے کون سی دوا اس کو کھلادی ہے۔میں اپنی کم علمی کا اعتراف

کرتا ہوں۔" وید گنگا دھر نے شرمندگی سے کہا۔
"میں نے اطمینان سے ان کی پوری بات سنی اور پھر کہا۔" آپ کو پتہ ہے، میں خود جنگلات کی خاک چھانتا ہوں اور دوائیں لاتا ہوں۔ کچھ نئی دوائیں بھی ہاتھ لگ جاتی ہیں۔ جو عام طور پر حکیم استعمال نہیں کرتے میں ان کو بھی استعمال کرتا ہوں اور اللہ مجھے اس میں کامیاب کر دیتا ہے۔"
"میں تو صرف اس دوا کا نام و پتہ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ حیرت انگیز چیز ہے۔"
میں نے ایک فرضی نام ان کو بتا دیا اور جنگلات کا رستہ بھی بتا دیا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ یا ان کے لوگ اس مقام تک نہیں جا سکیں گے۔ گنگا دھر تھوڑی دیر سوچتے رہے پھر بولے۔" آپ بڑے فراغ دل ہیں آپ نے بتا دیا مگر اس کو حاصل کرنا اور لانا بہت مشکل کام ہے۔ آپ ایک کرپا مجھ پر اور کریں کہ جب جائیں تو میرے لئے بھی لے آئیں۔
"گنگا دھر جی یہ کام بہت مشکل ہے کیونکہ جب میں واپس آتا ہوں تو مجھ پر بہت تھکن اور وزن ہوتا۔ ایک چھٹانک وزن بھی بہت لگتا ہے۔ آپ خود اندازہ کریں رات دن جنگل میں پھرنا، جنگلی جانوروں سے خود کو بچانا، بھوک پیاس برداشت کرنا۔ بہت ہی مشکل ہوتا ہے۔ میں اپنی وہی دوائیں اٹھاتا ہوں جن کی ضرورت ہوتی ہے۔ میں یہ کام نہیں کر سکوں گا۔" میں نے کہا۔
"میں مفت میں آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتا۔ آپ جو طلب کریں گے حاضر کر دوں گا۔" گنگا دھر نے کہا۔
میں جانتا تھا وہ دوا کو اس کی اصلی شکل میں دیکھنا چاہتا تھا۔" بات یہ نہیں ہے گنگا دھر جی۔" میں نے کہا۔
"دیکھو وقار احمد۔ مجھے پتہ ہے کہ تم سہارنپور کے خاندانی حکیم ہو۔ مگر میں بھی گرا پڑا نہیں ہوں۔ میرے پرکھوں نے بھی مجھے بہت کچھ دیا ہے۔ ہم دونوں ایک منزل کے مسافر ہیں۔ تم ذرا اس بات کا تو خیال کرو۔" گنگا دھر نے کہا۔
"ایک طریقہ ہے جو ہو سکتا ہے۔" میں نے کہا۔
"ہاں بتاؤ کیا طریقہ ہوگا......؟" وہ بولے۔
"میں بہت سی دوائیں جنگل ہی میں کوٹ چھان کر تیار کرتا ہوں۔ اس سے مجھے یہ آسانی ہو جاتی ہے کہ وزن کم ہو جاتا ہے اور کم جگہ گھیرتی ہیں۔ میں زیادہ مقدار میں تیار کر لوں گا اور لے آؤں گا۔ آپ کو دوا مل جائے گی۔"
گنگا دھر کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔ وہ بولے۔" مجھے تو اصل شکل میں درکار ہے۔" بلی تھیلے سے باہر آ گئی تھی۔ میرا خیال بالکل درست تھا۔ میں نے کہا۔
"آپ کو دوا چاہئے، میں آپ کو مفت میں دے دوں گا مگر اصل شکل میں لانا بہت مشکل ہے۔" میں نے کہا۔
"راز رکھنا چاہتے ہو......؟" وہ بولے۔
"یہی سمجھ لیں۔" میں نے جواب دیا۔
"پھر انسانوں کی خدمت کا ڈھونگ کیوں رچاتے ہو؟" وہ بولے۔
"میں نے یہ ڈھونگ کب رچایا ہے؟" میں نے کہا۔
"لوگ کہتے ہیں بڑا خدا ترس ہے، کم دام لیتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ......" وہ بولے۔
"میری زبان سے آپ نے سنا؟" میں نے کہا۔
"میں سب جانتا ہوں وقار احمد، یہ پینترے بازی دلی میں نہیں چلے گی۔ یہ سہارنپور نہیں ہے۔" گنگا دھر غصہ میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور بڑبڑاتے ہوئے تیزی سے باہر چلے گئے اور اس طرح دلی شہر میں میرا ایک رقیب یا دشمن پیدا ہو گیا۔
میری زندگی کا معمول یہ تھا کہ میں دوستی تو سب سے رکھتا تھا مگر بلا وجہ دشمنی پسند نہیں کرتا تھا۔ اس سے انسانی ذہن بھٹک جاتا تھا اور وہ یکسوئی سے اپنے پیشے کے ساتھ انصاف نہیں کرتا۔ مگر ہر کام اگر انسان کی مرضی سے ہونے لگے تو پھر پریشانی کس بات کی۔ حالات انسان کو وہ کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں جو وہ نہیں کرنا چاہتا۔ مجھے گنگا دھر پر غصہ بھی آ رہا تھا مگر میں صبر کرنے کا عادی تھا۔ گنگا دھر کا انداز گفتگو بہت ناگوار تھا۔ میں تذبذب میں گرفتار تھا۔ کھانے کا وقت تھا مگر میری بھوک اڑ چکی تھی۔

میں جانتا تھا گنگا دھر دلی میں بہت اثر رسوخ کا مالک ہے۔ میں تو پردیسی ہوں زیادہ لوگ جانتے بھی نہیں ہیں۔ عجیب آدمی تھا بلاوجہ ذہنی خلفشار میں مبتلا کر گیا۔ میں نے کھانا نہیں کھایا اور وضو کر کے نماز پڑھنے لگا۔ نماز کے بعد دعا کرتا رہا۔ میرے دل نے کہا نیکی کا عمل جاری رہنا چاہیئے اگر گنگا دھر خود سے کوئی انتقامی کارروائی کرتا ہے تو بھی نیکی کو پائیدار بنانا چاہیئے۔ اپنی طرف سے ہر طرح کوشش کرنی چاہیئے کہ یہ بات آسانی سے ختم ہو جائے۔ میرا ذہنی خلفشار ختم ہو گیا اور میں آرام سے کمرہ بند کر کے لیٹ گیا۔ میرے لیٹتے ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ کمرے میں کوئی اور بھی ہے۔

رولوکا ایک کونے میں کھڑا تھا۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''تم کب آئے؟'' میں نے پوچھا۔

''میں گنگا دھر کے ساتھ ہی آیا تھا۔'' وہ بولا۔

''تو پھر تم کو سب پتہ ہوگا کہ وہ کیا کہہ رہا تھا؟''

''سب پتہ ہے۔'' وہ بولا۔

''اب کیا کریں......؟'' میں نے پوچھا۔

''تم کو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ بولا۔

''تم کیا کرو گے۔ یہ بھی بتاؤ۔'' میں نے پھر پوچھا۔

''یہ شخص جس کا نام گنگا دھر ہے بہت کمینہ آدمی ہے اس کی دکان ٹھپ ہو چکی ہے۔ وہ علاج کم کرتا ہے اور لوٹتا زیادہ ہے۔ اس کے سارے مریض ٹوٹ چکے ہیں۔ وہ اپنی غلطیوں کو نہیں دیکھتا اور تم کو اس کا ذمہ دار سمجھتا ہے۔ اس کے غنڈے رات کو آئیں گے اور تمہارے مکان کو آگ لگانے کی کوشش کریں گے اور تمہاری دواؤں کو لوٹنے اور جلانے کی کوشش کریں گے۔ یہ سب کرائے کے لوگ ہیں۔ دلی میں ایسے لوگ آسانی سے مل جاتے ہیں۔ میں اس کے ساتھ ہی تھا۔ وہ تمہارے پاس سے چتلی قبر گیا تھا اور کالو نامی آدمی سے ملا تھا۔ کالو نامی آدمی سے ملا تھا۔ کالو ان کاموں کا ماہر آدمی ہے۔ اس کے پاس غنڈوں کی ایک فوج موجود ہے۔ مگر تم فکر نہ کرو۔ میں موجود ہوں۔'' رولوکا نے اطمینان سے کہا۔

''یہ تو تم نے بڑی بری سنائی۔ تم اکیلے اتنی فوج کا کیا کرو گے؟'' میں نے پوچھا۔

''میں اس سے بڑی فوج کھڑی کر دوں گا...... تم سکون سے بچوں کے ساتھ آرام کرو۔'' اس مکان کی نچلی منزل پر مطب تھا اور ہم لوگ اوپر رہتے تھے۔

''ان حالات میں میں کس طرح بے فکر سو سکتا ہوں......؟'' میں نے کہا۔

''مجھ پر بھروسہ کرتے ہو؟'' رولوکا نے پوچھا۔

''ضرور کرتا ہوں۔ خدا کے بعد ایک تم ہی تو میرے دوست ہو۔'' میں نے کہا۔

''تو پھر بھول جاؤ سب باتیں اور آرام کرو۔ کالو اور گنگا دھر دونوں کو میں دیکھ لوں گا۔'' اور رولوکا جس طرح آیا تھا اسی طرح چلا گیا۔ میں جانتا تھا رولوکا پراسرار قوتوں کا مالک ہے وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔ اس کا اطمینان بتاتا تھا کہ اس کے لئے یہ کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ شام کو حسب معمول میں مطب میں مریضوں کو دیکھتا رہا اور پھر مطب بند کر کے اوپر چلا گیا۔ مگر کوشش کے باوجود میں سو نہ سکا۔

رات کے ایک بجے مجھے کچھ آوازیں آئیں۔ میں نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔ دس پندرہ آدمی کالے کپڑوں میں ملبوس دروازے پر موجود تھے اور چاروں طرف کسی چیز کا چھڑکاؤ کر رہے تھے۔ شاید وہ پیٹرول یا مٹی کا تیل تھا۔ ایک لمبا سا آدمی ان کو اشارے سے ہدایتیں دے رہا تھا۔ وہی شاید کالو بدمعاش تھا۔ ابھی ان کی کارروائی پوری نہیں ہوئی تھی کہ ایک بھنبھناہٹ کی آواز آئی اور لاکھوں شہد کی مکھیاں ان پر ٹوٹ پڑیں اور ہر آدمی کو انہوں نے گھیر لیا۔ کالو پر سب سے زیادہ بڑا حملہ ہوا اور وہ سب کچھ چھوڑ کر سڑک پر بھاگنے لگا۔ اس کے بعد سب بھاگنے لگے۔ مگر چند قدم کے بعد سب سڑک پر گر گئے اور لوٹ پوٹ ہونے لگے۔ مگر مکھیاں اس قدر بپھری ہوئی تھیں کہ ان کے چہرے بگاڑ دیئے۔ وہ بری طرح چیخ رہے تھے مگر رات ایک بجے کون ان کی مدد کو آتا۔ اور جو آیا وہ مکھیوں سے کیونکر بچتا۔ یہ تماشہ پندرہ بیس

منٹ ہوتا رہا اور وہ سب بے ہوش سڑک پر پڑے رہے۔ مکھیوں کا کام ختم ہوگیا اور وہ ایک طرف ایک بادل کی صورت میں پرواز کرگئیں۔ تیل کے کنستر اور کالو کے سب اوزار دروازے پر پڑے تھے۔ میں نے کھڑکی بند کی اور جا کر سوگیا۔

☆......☆......☆

صبح لوگ حیرت سے دیکھ رہے تھے کہ گھر کے چاروں طرف مٹی کے تیل کا چھڑکاؤ ہوا ہے۔ تیل کے کنستر اور آگ لگانے کا پورا انتظام موجود ہے اور پندرہ آدمی جن کے چہرے سوج کر کپا ہو رہے ہیں سڑک پر پڑے ہیں۔ ان کے جسم میں ہزاروں شہد کی مکھیوں کے ڈنک موجود ہیں اور سب کی حالت بہت خراب ہے۔ سب کو پولیس اٹھا کر اسپتال لے گئی اور ایک علاقے کا تھانیدار میرے پاس آ گیا۔

''آپ کو پتہ ہے حکیم صاحب کہ آپ کے دروازے پر رات کو کیا ہوا؟''

''کیا ہوا......؟ مجھ کو تو پتہ نہیں ہے۔ مگر میں نے رات میں کچھ عجیب و غریب آوازیں ضرور سنی تھیں۔'' میں نے کہا۔

''کس قسم کی آوازیں......؟'' تھانیدار نے پوچھا۔

''سڑک پر کچھ لوگوں کی بھاگ دوڑ اور شور شرابے کی چیخیں...... میں سمجھا شاید آپس میں کچھ لوگ لڑ پڑے ہیں۔ میں نے کھڑکی بند کی اور سو گیا۔'' میں نے جواب دیا۔

''اور یہ آپ کے مکان کو جلانے کی کوشش...... یہ کیا ہے؟'' وہ بولا۔

''مجھے اس کے بارے میں کچھ پتہ نہیں ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''ہوشیار رہا کریں......'' آپ کے حاسد بھی ہو سکتے ہیں۔'' تھانیدار نے کہا۔

''میرا کون حاسد ہوگا میں اتنا اہم آدمی نہیں ہوں؟'' میں نے جواب دیا۔

''ہم کوشش کریں گے۔ ان میں سے کسی کو ہوش آ جائے تو وہ سب بتائے گا۔''

''مگران کو کیا ہوا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''یہی تو حیرت انگیز بات ہے۔ یہاں پر دور دور تک شہید کی مکھیاں نہیں ہیں اور اتنی بڑی مکھی جس کا ڈنک صاف نظر آ رہا ہے، کہاں سے آ گئی۔ اور ان سب کو اتنی بری طرح بھنبھوڑ ڈالا کہ حیرت ہوتی ہے۔ مگر ایک بات میں کہتا ہوں کہ اگر یہ مکھیاں وقت پر نہ آ جاتیں تو آپ کا مکان جل کر کوئلہ بن جاتا۔ آپ کو بھگوان نے بچانا تھا، سو آپ بچ گئے۔'' یہ کہہ کر تھانیدار اٹھ کھڑا ہوا اور بولا۔ ''اگر ضرورت پڑی تو پھر حاضر ہو جاؤں گا۔''

میں رولوکا کی حیرت انگیز صلاحیت کا قائل ہو گیا۔ اس نے کہا تھا میں کالو سے بڑی فوج کھڑی کر دوں گا اور اس نے ایسا ہی کیا تھا۔ کالو کی فوج کے دس آدمی ہوش میں آنے سے پہلے ہی زہر کی وجہ سے مر گئے۔ ان میں کالو بھی شامل تھا البتہ دو آدمی چند منٹ کے لیے ہوش میں آئے ضرور مگر وہ کچھ بتا نہ سکے اور مر گئے۔ اس واقعے کو اخبارات نے خوب اچھالا۔ اس کے پس پردہ گنگا دھر کا نام کہیں نہیں آیا اور نہ ہی میں نے اس کا نام لیا۔

پندرہ دن گزر گئے۔ لوگ اس واقعہ کو بھول گئے کہ اچانک گنگا دھر پھر آ موجود ہوا۔ آتے ہی بولا۔ ''میں تم کو جس قدر سادہ اور بھولا سمجھتا تھا تم ایسے نہیں ہو۔''

''آؤ بیٹھو کچھ جل پانی کرو، تم تو کچھ زیادہ ناراض معلوم ہوتے ہو۔'' میں نے کہا۔

''چالاک مت بنو۔ یہ بتاؤ یہ مکھیاں تم نے کہاں پالی ہیں؟'' وہ بولا۔

''یہ میں نے سندر بن کے جنگلات میں پالی ہیں۔'' میں نے ہنس کر کہا۔

''میں مذاق نہیں کر رہا سنجیدہ ہوں۔ بتاؤ تو۔'' وہ پھر بولا۔

''میں نے بتایا ہے نا ..... سندر بن کے جنگلات افریقہ کے جنگلات تک جاتے ہیں۔ میں نے ان کو وہیں

پر پالا ہے۔‘‘ میں نے جواب دیا۔

’’آپ حکم کرو، شہر چھوڑ دوں۔ چلا جاؤں دلی سے۔‘‘ میں نے خوش دلی سے کہا۔

’’اگر تم نہ گئے تو میں چھڑوادوں گا۔‘‘ وہ غرور سے بولا۔

’’تم کتنے ہی اثر رسوخ کے مالک ہو مگر دھونس سے میں بھی دبنے والا نہیں ہوں۔‘‘ میں نے ناگواری سے کہا۔

’’تپہ چل جائے گا۔ اب دلی میں، میں رہوں گا یا تم۔‘‘ وہ غصہ سے کھڑا ہو گیا اور پاؤں پٹختا ہوا چلا گیا۔

میں لڑائی جھڑائی سے دور رہنے والا آدمی ہوں۔ یہ عجیب صورت حال میرے سامنے آ گئی۔ اس معاملے میں میرا کتنا قصور تھا۔ اس کا اندازہ تو آپ کر سکتے ہیں۔ یہ درست ہے کہ بلاوجہ میں کوئی ذہنی الجھن خود کے لیے پیدا نہیں کرتا۔ مگر حالات کی نوعیت کے اعتبار سے میرے اندر اتنی قوت ضرور ہے کہ میں سینہ سپر ہو جاتا ہوں۔ اس وقت بھی میں کچھ دیر الجھن میں مبتلا رہا۔ مگر کچھ ہی دیر میں نارمل ہو گیا اور خود کو آنے والے حالات کے لیے تیار کر لیا۔ انسان میں خوداعتمادی ہو اور اس کا ضمیر مطمئن ہو تو وہ بہت طاقتور ہوتا ہے۔

رولوکا کے کردار کے بارے میں، میں البتہ حیرت کا شکار تھا۔ ایک انسان کیا یہ سب کر سکتا ہے۔ میری عقل تو اسے تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھی۔ مگر میں پھر بھی تسلیم کر رہا تھا کیونکہ یہ سب میرے سامنے ہوا تھا۔ وہ لاکھوں زہریلی مکھیاں کہاں سے آ گئی تھیں اور اپنا کام کرنے کے بعد چشم زدن میں کہاں چلی گئیں۔ رولوکا بند دروازے سے بھی میرے پاس آ جاتا تھا۔ اس کو میرے حالات کا کس طرح ادراک ہو جاتا تھا۔ یہ سب باتیں عام آدمی کے دماغ میں آنے والی نہیں تھیں۔

رات کو رولوکا میرے پاس آ گیا اور بولا۔ ’’گنگا دھر تم کو دلی سے بھگا رہا ہے؟‘‘

’’ارے یار وہ تو کوئی بہت گھٹیا آدمی ہے۔ اس کی باتوں پر نہ جاؤ‘‘ میں نے کہا۔

’’تم نہیں جانتے، وہ بہت اثر ورسوخ رکھتا ہے۔ اس کے کئی عزیز گورنمنٹ کے ٹھیکیدار ہیں۔ ان کی بات انگلش سرکار میں بہت چلتی ہے۔ اس کا بندوبست تو کرنا پڑے گا۔‘‘ رولوکا نے کہا۔

’’میں تو شہر میں نیا نیا ہوں بتاؤ میں کیا کروں؟‘‘ میں نے کہا۔

’’تم کچھ نہ کرو، میں کروں گا......‘‘ رولوکا نے کہا۔

’’مگر ایسا نہ کرنا کہ پھر کوئی مر جائے!‘‘ میں نے کہا۔

’’گنگا دھر نے کالو کو پانچ ہزار روپے دیئے تھے۔ اس کا ارادہ تم کو اور تمہارے پورے خاندان کو ختم کر دینے کا تھا۔ تم خود اندازہ لگاؤ کیا بات اتنی بڑی تھی کہ تمہارے خلاف اتنا سنگین انتقام لیا جاتا۔ مگر گنگا دھر نے ایسا ہی کیا۔ وہ بہت ظالم اور سفاک آدمی ہے۔ اب تو وہ تمہارا پوری طرح دشمن بن چکا ہے اور کھل کر دھمکی دے رہا ہے اور تم کہہ رہے ہو کہ کوئی مر نہ جائے۔ پہلے پندرہ مر گئے۔ اس لیے کہ وہ تم کو مارنے آئے تھے۔ وہ نہ مرتے تو تم مرتے۔ جس کی موت آتی ہے وہی مرتا ہے۔ تم صرف اپنے بارے میں سوچو۔ انسان سب سے پہلے اپنے بارے میں سوچتا ہے...... رحم بہت اچھی چیز ہے، مگر کسی بے رحم کے ساتھ رحم کرو گے تو ایک دن خود قابل رحم ہو جاؤ گے۔‘‘ رولوکا نے بڑے سکون سے کہا۔

’’تمہاری بہت سی باتیں میری سمجھ میں نہیں آتی ہیں......؟‘‘ میں نے کہا۔

’’کون سی بات سمجھ میں نہیں آئی۔ یہ بتاؤ؟‘‘ رولوکا نے پوچھا۔

’’ایک طرف تم کہتے ہو رحم اچھی چیز ہے۔ دوسری طرف بے رحم کے ساتھ رحم نہ کرنے کا کہتے ہو۔‘‘ میں نے کہا۔

’’بچھو کی خاصیت ہے کہ وہ ڈنک مارتا ہے۔ سانپ کاٹ لیتا ہے اور شیر پھاڑ ڈالتا ہے۔ یہ سب موذی جانور ہیں۔ تم ان کے ساتھ رحم کرو گے تو جواب میں تم کو رحم نہیں ملے گا۔ انسانوں میں بھی اس خصلت کے لوگ

ہوتے ہیں۔ وہ بھی گھات لگا کر شکار کرتے ہیں۔ ان کی جبلت ان کو ایسا کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ یہ لوگ کمزور پڑنے پر لومڑی کی طرح عیاری کر کے اپنی جان بچاتے ہیں اور جان بچتے ہی پھر خم ٹھونک کر آ جاتے ہیں۔" رولوکا خاموش ہوا تو میں بولا۔

"تمہاری دلیلیں بہت مضبوط ہیں۔"

"اب بتاؤ کیا ارادہ ہے۔ دلی میں رہنا ہے؟" رولوکا نے پوچھا۔

"اور کہاں جاؤں گا......؟" میں نے جواب دیا۔

"تو پھر گنگا دھر کو میرے حوالے کر دو۔ میں اس کو دیکھ لوں گا۔ رولوکا نے کہا۔

"ٹھیک ہے، مگر کوشش کرنا کوئی سنگین صورت حال پیدا نہ ہو۔" میں نے کہا۔

"یہ تو حالات پر ہے مجھے تو اس کا توڑ ہی کرنا ہے۔ میں خود سے اس کو نہیں چھیڑوں گا۔ مگر اس کے ارادوں اور پلاننگ سے خبردار رہنا پڑے گا۔" رولوکا نے کہا۔

"تم جو مناسب خیال کرو، وہ کرو۔" میں نے کہا۔

"ایک مشورہ دوں، مانو گے۔" رولوکا نے پوچھا۔

"تمہارا ہر مشورہ میرے فائدے کے لئے ہوگا، اس لیے نہ ماننے کا سوال ہی نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"تمہارے بچے علی گڑھ میں پڑھتے ہیں، اپنی بیوی کو بھی وہیں پر پہنچا دو، کیونکہ آنے والا وقت سخت بھی ہو سکتا ہے۔ میں شہری حالات زیادہ نہیں جانتا۔ ذرا سی بھول نقصان پہنچا سکتی ہے۔" رولوکا نے کہا۔

"کیا حالات کے اس قدر خراب ہونے کا اندیشہ ہے؟" میں نے پوچھا۔

"میں نے کہا نا کہ مجھے شہری حالات اور لوگوں کے ذہنوں کو سمجھنے میں ذرا وقت لگے گا۔ مجھے صرف تمہارا ہی خیال رکھنا ہوگا۔ دشمن کمزوری تلاش کرتا ہے اور وہیں پر وار کرتا ہے۔ تم اپنی کمزوریاں دور کر دو۔" رولوکا نے کہا۔

اور میں نے دوسرے روز ہی اپنی زوجہ کو علی گڑھ روانہ کر دیا۔ بہانہ یہ کیا کہ بچے تمہارے پاس رہیں گے۔ ذرا دیکھ بھال اچھی ہوگی...... وہ غریب سیدھی سادی عورت میری بات مان گئی اور علی گڑھ چلی گئی۔ چھ ماہ گزر گئے۔ میں خود دو بار علی گڑھ ہو آیا۔ رولوکا کبھی کبھی میرے پاس آتا رہا۔ مطب حسب معمول چلتا رہا۔ میں گنگا دھر کو شاید بھول ہی گیا تھا کہ ایک رات رولوکا آ گیا۔ وہ جس طرح آتا تھا اسی طرح آیا۔ "کل ایک مریض تمہارے پاس آئے گا۔" وہ آتے ہی بولا۔

"تم کو کس طرح پتہ چلا! مریض تو روز ہی آتے ہیں۔" میں نے کہا۔

"وہ خاص مریض ہے اس کو گنگا دھر تمہارے پاس بھیجے گا۔ وہ بیمار نہیں ہے مگر مریض بن کر آئے گا اور تم سے علاج کروائے گا اور تمہاری دوائیں گنگا دھر کو دے گا۔ دکھائے گا نہیں اور چند روز وہ یہ ڈرامہ کرے گا کہ تم نے اس کو ٹھگ لیا ہے۔ تمہاری دوا سے اس کی تکلیف اور بڑھ گئی ہے۔ گنگا دھر اور اس کے لوگ سارے شہر میں یہ باتیں پھیلائیں گے اور تم کو بدنام کریں گے۔" رولوکا نے کہا۔

"تم کو یہ سب پروگرام کس نے بتایا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"میں گنگا دھر کے مطب میں روز جاتا ہوں۔ یہ کام وہ بہت پہلے کرتا مگر اس کو مطلب کا آدمی نہیں مل رہا تھا۔ اس کے علاوہ بھی اس کا ایک پروگرام ہے۔ بس تم یہ سمجھ لو کہ وہ آدمی بہت خطرناک ہے۔ ہر حربہ استعمال کرنا چاہتا ہے۔ اور اس کا دوسرا پروگرام بہت ہی خطرناک ہے......" رولوکا نے کہا۔

میں نے چونک کر پوچھا۔ "اس کا دوسرا حربہ کیا ہے؟"

وہ ایک ساحر سے ملا ہے وہ شخص جادو اور سفلی کا ماہر ہے مگر اس وقت فارغ نہیں اس لئے یہ علاج والا نسخہ آزمانا چاہتا ہے اگر اس میں وہ کامیاب ہو گیا اور تم دلی سے بھاگ گئے تو اس کا مقصد پورا ہو جائے گا اور اگر ناکام ہوا تو وہ جادوگر اپنا کام دکھائے گا۔" رولوکا نے کہا۔

"میرا تو خیال ہے کہ اس جھگڑے کو ختم کر دینا

چاہیے میں سہارنپور واپس چلا جاتا ہوں۔" میں نے کہا۔
"ان حالات میں واپس جانے کا مطلب جانتے ہو۔" رولو کا نے پوچھا۔
"ہاں جانتا ہوں بزدل کہلاؤں گا، کمزور کہلاؤں گا مگر اس جھگڑے میں مجھے دونوں طرف کا نقصان نظر آرہا ہے۔ بھینسوں کی لڑائی میں دیوار گر جاتی ہے اور میں کسی دیوار کو گرانا نہیں چاہتا۔" میں نے جواب دیا۔
"میں تمہارے خیالات کی قدر کرتا ہوں مگر یہ جھگڑا تمہارے جانے پر بھی ختم نہیں ہوگا۔ اس بے وقوف نے اپنی انا کا مسئلہ بنایا ہوا ہے۔ وہ مکمل تباہی کرنا چاہتا ہے اور حد تو یہ ہے کہ وہ مذہب کو بھی درمیان میں لے آیا ہے۔ اس نے ایک گروہ بنالیا ہے جو تمہارے مذہب کے سخت خلاف ہے۔" رولوکا نے کہا۔
"تم کو یہ سب تفصیل کس طرح مل گئی؟" میں نے پوچھا۔
"میں نے بتایا نا کہ میں گنگا دھر کے ساتھ لگا ہوا ہوں وہ کس سے ملتا ہے کہاں جاتا ہے مجھے اس کے ایک ایک پروگرام کا پتا ہے۔" رولوکا نے جواب دیا۔
"یہ بتاؤ اس نقلی مریض کے ساتھ کیا کیا جائے؟" میں نے پوچھا۔
"تم اس کو بظاہر غور سے دیکھنا اور اس کو بتادینا کہ تمہاری بیماری نفسیاتی ہے تم کو دوا کی ضرورت نہیں ہے اگر نہ مانے تو کوئی معمولی غیر اہم دوا اس کو دے دینا۔ اور روزانہ اس کو بلانا اور پندرہ دن گزار دینا اس دوران میں اس جادوگر کی خبر لوں گا کہ وہ کیا ہے اور کیا کر سکتا ہے اور میں اس کا توڑ کس طرح کر سکتا ہوں۔ پندرہ دن کے بعد جب میں کہوں اس مریض کو سردی والا نسخہ خود کھلا دینا۔ زندگی بھر سردی سے پریشان رہے۔" رولوکا نے ہنس کر کہا۔
دوسرے روز وہ شخص بھی آ گیا۔ میں نے اس کا معائنہ کیا اور کہا۔ "میاں تم کو بیمار کس نے کہا ہے۔ تم تو ٹھیک ہو صرف تھکاوٹ کے شکار ہو اور کچھ نفسیاتی طور پر تم خود کو بیمار سمجھ رہے ہو۔" وہ جلدی سے میری بات کاٹ کر بولا۔
"رات کو نیند نہیں آتی پورے جسم میں درد ہے کھانا ہضم نہیں ہوتا اور آپ کہہ رہے ہیں میں ٹھیک ہوں۔"
"میں تم کو کچھ دوا دیتا ہوں اس کو استعمال کرنا ٹھیک ہو جاؤ گے۔ مگر روزانہ میرے پاس ضرور آنا اپنی کیفیت آکر ضرور بتا دینا۔" میں نے تسلی سے کہا۔ وہ دوا لے کر چلا گیا۔
رات کو رولوکا نے بتایا وہ سیدھا گنگا دھر کے پاس گیا تھا اور میری دوا گنگا دھر کو دے دی تھی اور گنگا دھر تمہاری دی ہوئی دوا کو دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ اس نے جو مرض بتائے تھے وہ دوا کسی مرض کی نہیں تھی۔ رات کو اس کے ساتھیوں کی محفل لگی تو گنگا دھر نے ان کو بتایا۔ "یہ مسلہ تو بہت خطرناک ہے مترو۔"
ایک نے پوچھا۔ "کیا ہوا وید جی؟"
"ارے اس نے جھٹ کہہ دیا تم ٹھیک ہو اور معمولی چورن دے دیا۔ وہ آدمی لاکھ کہتا رہا مگر اس نے وہی چورن دیا۔ اب اتنا تو ہم بھی جانتے ہیں کہ اس نے کیا دیا ہے۔"
"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ وہ بہت بڑا نباض ہے۔" دوسرا بولا۔
"ارے ہوگا نباض۔" گنگا دھر جل کر بولا۔
"وہ آدمی پھر جائے گا اس کے پاس؟" پہلے نے سوال کیا۔
"جائے گا تو، مگر وہ لگتا ہے وہی چورن دیتا رہے گا۔ اس لئے ہمارے ہاتھ آئے گا؟" گنگا دھر نے کہا۔
"ارے وید جی آپ ہی لمبے چکر میں پڑ گئے ارے سسرے کا قصہ ہی ختم کر دیتے۔ نہ رہتا بانس نہ بجتی بانسری۔" دوسرے نے کہا۔
"ارے مورکھ میں نے تو یہی کوشش کی تھی۔ مگر پندرہ آدمی مارے گئے اس نے شہد کی مکھیاں چھوڑ دیں ان پر، پندرہ کے پندرہ مر گئے اور اس پر کوئی الزام بھی نہ آیا۔ اب میں کوئی کچا کام نہیں کرنا چاہتا۔" گنگا دھر نے کہا۔
"تو پھر ایسا کریں وہ اپنے ایس پی مہرا صاحب

ہیں نا ان سے کہہ کر کوئی مقدمہ بنوائے دیتے ہیں کچہری کے چکر کاٹنا رہے گا۔" ایک اور بولا۔

"اس سے اس کا کیا بگڑے گا کسی بھی الزام کو ثابت کرنے کے لئے ثبوت، گواہ سب ضروری ہیں یہ سب لمبا چکر ہے۔" گنگا دھر نے کہا۔

"تو پھر گردھاری کی خدمت حاصل کرلو...... راتوں رات بڑے سے بڑے پھنے خاں کو گھاٹ کنارے لگا دیتا ہے۔ مگر ذرا ہے اکڑو دام بہت لیتا ہے۔" ایک لمبی چوٹی والے نے رائے دی۔

"کالو بھی کم نہیں تھا مگر چوہے کی طرح مارا گیا۔ تم کو پتہ ہے۔" گنگا دھر نے جواب دیا۔

"ارے تو اس کے پاس کتنی مکھیاں ہیں۔" پہلا بولا۔

"ارے یہ مجھے کچھ اور ہی دکھتا ہے یہ حکیم بنا ہوا ہے۔" دوسرا بولا۔

"تمہیں کیا نظر آتا ہے؟" گنگا دھر نے پوچھا۔

"ذرا غور کرو وید جی ایسی زہریلی مکھیاں کون پال سکتا ہے اور اگر مان لو اس نے گھر میں چھتہ لگا بھی لیا ہے تو اس کے حکم پر یہ حملہ کرتی ہیں اور صرف ان لوگوں پر حملہ کرتی ہیں جو حکیم کے دشمن ہیں۔ جتنا غور کرو اتنا ہی دماغ چکر کھاتا ہے۔ اترج کی بات ہے۔" دوسرے نے بات ختم کی۔

گنگا دھر اور سب نے گردن ہلا کر اس کی بات کی تائید کی۔ "تو یہ کوئی جادو وغیرہ کا چکر ہے؟" گنگا دھر بولے۔

"صاف نظر آ رہا ہے۔" لمبی چوٹی والا بولا۔

"تو اس کا توڑ کرنا پڑے گا۔" گنگا دھر نے کہا۔

"وید جی آپ میرے ساتھ چلیں میری نظر میں ایک آدمی ہے۔ اس کو سب حالات بتائے دیتے ہیں۔ وہ خود کچھ اپائے بنائے گا۔" چوٹی والے نے کہا۔

"تو ٹھیک ہے کل چلیں گے......"

وہ اور گنگا دھر دوسرے روز کاسکا جی بستی میں گئے اور وہ لوگ ایک گندے سے مکان میں ایک شخص سے ملے۔

اس شخص کا نام سورج مل ہے وہ مجھے تو معمولی سا آدمی نظر آ رہا تھا۔ مگر باتوں باتوں میں اس نے پوچھ لیا۔

"تم دو ہی نظر آ رہے ہو وہ تیسرا کہاں گیا جو تمہارے ساتھ آیا تھا؟"

گنگا دھر نے حیرت سے کہا۔ "ہم تو دو ہی آئے تھے۔ سورج مل جی!"

"ارے تم پاگل ہو، مجھے دھوکا دے رہے ہو۔"

"میں کمرے میں تھا مگر اس طرح کہ وہ محسوس نہیں کر رہا تھا مجھ سے یہ بھول ہوگئی تھی کہ میں نے اس کو اہمیت نہیں دی تھی اور اس نے دیکھ لیا تھا مگر اب میں ہوشیار تھا۔" رولوکا بولا۔ اس نے گنگا دھر سے پورے حالات سنے اور کہا۔

"کام تو میں کردوں گا پر تو کچھ وقت ضرور لگے گا۔ ابھی تو میں ایک کام میں لگا ہوں۔ ایک مہینہ کے بعد میرے پاس آنا میں ایک وقت میں ایک کام کرتا ہوں اور ہاں دام پورے لیتا ہوں، پانچ ہزار دے سکتے ہو تو مہینے کے بعد آ جانا اگر نہ آئے تو دوسرا کام پکڑ لوں گا۔"

"کام سورج مل جی! ایسا ہو کہ وہ مسلطا اور اس کی قوم ہندو جاتی کا لوہا مان جائے۔ رہی روپے پیسے کی بات تو اس کی فکر نہ کریں آپ کو خوش کر دیں گے۔" گنگا دھر نے کہا۔

"تو اس کا مطلب ہے ایک مہینہ ہمارے پاس ہے۔" میں نے رولوکا سے مخاطب ہو کر کہا۔

"اس ایک ماہ میں گنگا دھر کچھ نہیں کرے گا تم اس بھول میں مت رہنا وقار احمد، وہ جتنا کمینہ ہے اس کا اندازہ تم کو نہیں ہے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔" رولوکا نے کہا۔

"یہ کام تو، تم ہی کرو گے۔" میں نے کہا۔

"تم صرف آنے والے مریضوں پر نظر رکھنا ان میں گنگا دھر کے جاسوس بھی ہو سکتے ہیں۔ وہ تمہارے گھر اور مطب کے حالات کا ضرور جائزہ لے گا اور ایک مہینے کے بعد سورج مل کو پوری رپورٹ کرے گا۔ سفلی اور جادو کرنے والے پہلے سب واقفیت کرتے ہیں اپنے سب

آدمیوں کو ہوشیار کر دینا کہ وہ کسی سے بلا ضرورت اور فالتو گفتگو نہ کریں۔'' رولو کا نے مجھے ہدایت دی۔

ایک مہینہ گزر گیا اور کچھ نہ ہوا۔ میں نے رولو کا سے کہا۔ ''اب بتاؤ کیا حال ہے۔ ایک مہینہ تو گزر گیا؟''

''گنگا دھر اور اس کا ساتھی سورج مل کو پانچ ہزار روپے دے آئے ہیں اور وہ تیاری کر رہا ہے۔ پہلے وہ یہ پتہ کر رہا ہے کہ وہ زہریلی مکھیاں تم نے کہاں پالی ہیں۔'' رولو کا نے بتایا تو میں نے ہنس کر کہا۔ ''تم نے پالی ہیں تم ہی بتاؤ کہاں پالی ہیں؟''

''وہ زندگی بھر پتہ نہیں کر سکتا۔'' رولو کا نے کہا۔

''تو کیا واقعی تمہاری پالی ہوئی مکھیاں ہیں؟''

''جنگل میں جتنے حشرات الارض اور درندے موجود ہیں وہ میرے پالے ہوئے ہیں۔ افریقہ کے تاریک جنگلات کے جادوگروں کے پاس جو علم ہے اس کے بارے میں یہاں شہروں میں رہنے والے کچھ نہیں جانتے۔ گھنے جنگلوں میں انسان کا سب سے بڑا دشمن درندہ یا خوفناک قسم کے کیڑے مکوڑے سانپ، بچھو ہیں اور ہماری زندگی ان کے درمیان ہی گزرتی ہے۔ وہ ہم کو مار ڈالیں یا ہم ان پر کنٹرول حاصل کر لیں۔ ہر جنگل کے رہنے والے کو اتنا پتہ ہوتا ہے کہ اس کو اپنا بچاؤ کس طرح کرنا ہے۔ وہ دن میں اور رات میں ننگے پیر اندھیرے جنگل میں پھرتا ہے بعض دفعہ اس کے ساتھ اس کے اہل و عیال بھی ہوتے ہیں اور وہ صاف نکل جاتا ہے اپنی غذا بھی حاصل کرتا ہے۔ جسمانی طاقت اور حس کے علاوہ بھی اس کو ایک چیز بچاتی ہے۔ وہ اس کا ساحرانہ علم ہے جو اس کے والدین اس کو پڑھاتے ہیں.....'' رولو کا تھوڑے توقف کے بعد پھر کہنے لگا۔

''اب میں اپنی طرف آتا ہوں۔ میرا باپ تو تھا ہی قبیلے کا ڈاکٹر، سردار کے بعد اگر کوئی زیادہ اہمیت کا مالک ہوتا ہے تو وہ ''وچ ڈاکٹر'' ہی ہوتا ہے۔ میرے باپ نے اپنا سب علم مجھے سونپ دیا تھا۔ اس میں جادو اور جڑی بوٹیوں کا علم بھی شامل ہے۔ جنگل میں ہر قدم پر موت کھڑی رہتی ہے جو مشکلات وہاں پر ہیں اس کا تصور بھی تم نہیں کر سکتے۔ اس لئے ''وچ ڈاکٹر'' حیوانات پر بھی کنٹرول رکھنے کا علم جانتا ہے۔ میرے بڑوں میں کچھ ایسے لوگ بھی گزرے ہیں جو جانوروں کی زبان تک سمجھ جاتے تھے اور ان سے بات کر لیا کرتے تھے۔ میں صرف اشاروں سے ان کو حکم دے سکتا ہوں۔'' رولو کا خاموش ہوا تو میں نے کہا۔

''یار تم ہو کیا، ہر روز مجھے حیرت کے سمندر میں غرق کر دیتے ہو۔ ہر روز ایک نئی بات بتاتے ہو؟''

''یہ باتیں میں تم کو ہی بتاتا ہوں۔ کیونکہ تم میرے بہترین دوست ہو۔ میں نے زندگی میں تم سے پہلے کسی کو دوست نہیں بنایا تھا۔'' رولو کا نے جواب دیا۔

''اور میری خوش نصیبی یہ ہے کہ مفت میں تم جیسا دوست مل گیا۔'' میں نے جواب دیا۔

''وہ مکھیاں تلاش کرے گا اور بچھو اس کا جینا مشکل کر دیں گے۔'' رولو کا نے کہا۔

''وہ بھی تو آخر جادوگر ہے!'' میں نے کہا۔

''مجھے یہی تو دیکھنا ہے کہ وہ کس انداز سے کام کرتا ہے؟ اس کے پاس کس قسم کا جادو ہے؟ اور اس کا طریقہ کار کیا ہے؟''

''میری سمجھ میں تو یہ نہیں آ رہا کہ میں تم کو کیا سمجھوں، تم حقیقت ہو یا کوئی دیو مالائی کردار میں خواب میں ہوں یا تم واقعی میرے سامنے ہو؟'' میں نے کہا۔

''تم کو اتنا زیادہ غور و فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' رولو کا نے کہا۔

''تم نے افریقہ کے جنگلات کا ذکر کیا ہے! تو کیا تمہارے تعلق وہیں سے ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں میرا تعلق افریقہ سے ہے۔ جنگلات کے قریب جو ملک ہمیں ملتا ہے وہ ہے تنزانیہ، مگر وہ بھی ہم سے بہت دور ہے ہم لوگ بہت اندرونی طرف رہتے ہیں۔ یہاں پر بہت کم لوگ بیرونی دنیا سے آتے ہیں اور جو آتے ہیں پھر واپس نہیں جاتے۔ کوئی درندوں کی

خوراک بن جاتا ہے اور کوئی انسانوں کی ضیافت بن جاتا ہے۔ ہمارے قبیلے سے آگے سب ہی آدم خور ہیں۔ ہمارا قبیلہ آدم خور نہیں ہے مگر وہ بھی اپنے بزرگوں اور دانش وروں کی لاش کو تبرک کے طور پر دکھاتے ہیں اور ان کی ہڈیوں کو زیور کی طرح پہنتے ہیں۔'' رولوکا نے کہا۔

''تمہاری تو ہر بات میرے لئے حیرت انگیز ہے۔'' میں نے کہا۔

''تم یہ سن کر اور حیران ہو نا کہ میں اپنے لوگوں سے دور نہیں ہوں۔ میں ہر دوسرے تیسرے روز ان کے پاس جاتا ہوں فاصلہ بہت زیادہ ہے ہزاروں میل سمجھ لو مگر یہ فاصلے میرے لیے کوئی معنی نہیں رکھتے۔'' رولوکا نے مسکرا کر کہا۔

''کون سی سواری سے جاتے ہو؟'' میں بھی ہنس کر بولا۔

''ہماری سواری یہ ہوائیں ہیں۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''تم نے اب تک یہ نہیں بتایا کہ تم نے شادی کی کہ نہیں۔'' میں نے پوچھا۔

''تم کو کیا لگتا ہے؟'' رولوکا نے پوچھا۔

''عمر کا اندازہ نہیں ہوتا۔'' میں نے پوچھا۔

''میری عمر ایک کم سو سال ہے۔'' رولوکا نے اطمینان سے کہا۔

میں نے حیرت سے رولوکا کی طرف دیکھا۔ ''یار مذاق نہ کرو ٹھیک بتاؤ؟'' میں نے پھر کہا۔

''میرا لڑکا میرے قبیلے کا وچ ڈاکٹر ہے اور اس کی عمر ساٹھ سال سے زیادہ ہے۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''تمہارے چہرے اور جسم سے بالکل اندازہ نہیں ہوتا۔'' میں نے رولوکا کو اوپر سے نیچے تک دیکھتے ہوئے کہا۔

''اگر اندازہ ہو جائے تو پھر میں وچ ڈاکٹر نہیں ہوں۔'' رولوکا نے خوش دلی سے جواب دیا۔

''اس کا مطلب ہوا کہ یہاں پر اور افریقہ کی عمروں میں بہت فرق ہے۔'' میں نے کہا۔

''ایسا نہیں ہے۔ عام آدمی وہاں پر چودہ پندرہ سال میں بھرپور مرد بن جاتا ہے اور عورت بارہ سے تیرہ سال میں پوری عورت بن جاتی ہے اور ان کی شادی کر دی جاتی ہے۔ مگر ان کی اوسط عمر ساٹھ سے ستر سال ہے وہ بوڑھے بھی ہوتے ہیں کمزور بھی ہوتے ہیں اور وقت پر طبعی موت بھی مرتے ہیں۔ مگر سردار اور وچ ڈاکٹر لمبی عمر پاتے ہیں۔ یہ بھی کوئی کلیہ نہیں ہے کبھی کبھی وچ ڈاکٹر اور سردار بھی جلدی مر جاتے ہیں مگر اپنا جانشین وہ ضرور تیار کر لیتے ہیں اور یہ سلسلہ خاندان در خاندان چلتا ہے۔ مگر بعض قبیلوں میں طاقت کا قانون چلتا ہے اور سردار وہ شخص ہوتا ہے جو سب سے زیادہ طاقتور اور بہادر ہوتا ہے۔ مگر وہاں پر بھی وچ ڈاکٹر خاندانی ہی ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وچ ڈاکٹر اپنا علم صرف اپنی اولاد کو ہی دیتا ہے اس سے بڑھ کر علم والا کوئی نہیں ہوتا اس لئے اس کو کوئی نہیں ہٹاتا۔'' رولوکا نے کہا۔

''اس کا مطلب ہوا کہ وچ ڈاکٹر سردار سے زیادہ اہم ہوتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''تم کہہ سکتے ہو مگر سارے فیصلے سردار ہی کرتا ہے۔ وہ وچ ڈاکٹر سے مشورہ تو کرتا ہے مگر حکم اپنا ہی چلاتا ہے۔ ایک مرتبہ میرا ایک سردار سے اسی بات پر اختلاف ہو گیا تھا۔'' رولوکا نے کہا۔

''کیا اختلاف تھا؟'' میں نے پوچھا۔

''اس کی تفصیل میں پھر کبھی تم کو بتاؤں گا...... تم یہ بتاؤ وہ سفری لڈو کب کھلاؤ گے...... بہت مزے دار ہوتے ہیں۔'' رولوکا نے کہا۔

''ارے یار یہ کون سی بڑی بات ہے کل بنوا لوں گا۔'' میں نے کہا۔ اور رولوکا چلا گیا۔ مگر مجھے حیرت کے دریا میں غرق کر گیا۔

☆......☆......☆

یہ دنیا بہت بڑی ہے اس کے ہر مقام پر انسان نہیں جا پاتا۔ مگر دنیا دیکھنے کا شوق ہر شخص کے دل میں ضرور ہوتا ہے۔ مگر یہ شوق پورا نہیں ہوتا اور انسان مر جاتا

ہے۔ انسان جتنی بھی زندگی اس دنیا میں گزارتا ہے حسرتوں کے درمیان ہی گزارتا ہے۔ کسی کی تمنا ہوتی ہے وہ دولت مند بن جائے محل کھڑے کردے۔ کوئی شہرت کے آسمان پر چمکنا چاہتا ہے۔ کوئی اقتدار حاصل کرنے میں زندگی گزار دیتا ہے۔

آخر کار اسے احساس ہوتا ہے کہ زندگی کے ساتھ اس نے انصاف نہیں کیا۔ جو کرنا تھا وہ نہیں کیا۔ مگر اب مدت پوری ہو چکی ہوتی ہے اور وہ زندگی بھر حسرتوں کے حصول میں سرگرداں رہا اور موت تک اسی دائرے میں قید رہا اور مر گیا۔ بعض لوگ زندگی کو ایک خطرناک کھیل کہتے ہیں۔ مگر اس خطرناک کھیل کو کھیلنا پڑتا ہے۔

مگر کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو زندگی کو اب کائنات کی امانت کہتے ہیں اور ان اصولوں پر زندگی گزارتے ہیں جو اس کے مذہب نے بتائے ہیں۔ میرے خیال میں زندگی گزارنے کے جو اصول میرے مذہب نے بتائے ہیں میرے لئے وہ بہترین ہیں۔ میں کوشش کرتا ہوں کہ ان اصولوں سے انحراف نہ کروں۔

میرے لئے رولوکا کا کردار ایک حیرت سے کم نہیں ہے مگر اس سے انکار بھی ممکن نہیں ہے۔ جادو یا سحر سے انکار کوئی نہیں کر سکتا جادو کب سے ہے اور دنیا کا پہلا جادوگر کون تھا، کوئی تاریخ نہیں ہے لیکن اس کی حقیقت کو سب تسلیم کرتے ہیں اور ہر مذہب نے تسلیم کیا ہے۔ مگر کسی مذہب نے اس کو روا رکھنے کی حمایت نہیں کی۔ یہاں تک ہندو دھرم میں بھی اس کو اچھا نہیں مانا گیا ہے۔ پھر اسلام اور دوسرے مذاہب میں کس طرح اس کو مانا جاتا۔

اسلام میں بتایا گیا ہے کہ جادو ہے مگر اس کو کرنے والا کافر ہے۔ دنیا کے ہر مقام پر جادو کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے۔ ترقی یافتہ ملکوں میں بھی جادو ہے۔ مگر اس کا گڑھ افریقہ کہا جاتا ہے۔ ہندوستان میں بھی یہ بہت ہے اور اس کے لئے وہ علاقے زیادہ مشہور ہیں جن میں تعلیم کا ریشو بہت کم ہے۔

میں بھی جادو کی حقیقت کو تسلیم کرتا ہوں کیونکہ ہر مذہب نے اس کو تسلیم کیا ہے۔ میرے خیال میں سب سے پہلا جادوگر شیطان تھا اس نے اپنے چیلے پوری دنیا میں پھیلا دیئے اور شیطانی قوت پوری دنیا میں پھیل گئی۔ جدید روحانیت بھی میرے خیال میں اسی قدیم جادوگری کی ایک شکل ہے۔ اصل روحانیت تو صرف ایک مذہب سکھاتا ہے اور وہ ہے اسلام! یہی وہ مذہب ہے جو انسان کو سیدھی زندگی گزارنے کا آسان راستہ بتاتا ہے، میری سوچ کی لہریں مجھے بہا کر کہاں لے گئیں۔ حالانکہ میں بات صرف اور صرف رولوکا کی کرنا چاہتا تھا۔ وہ جب بھی میرے پاس آتا تھا ایک نیا رنگ اختیار کر جاتا تھا۔

میں نے اس کو کچھ نہیں دیا تھا وہ ہر ملاقات میں مجھے کچھ نہ کچھ دیتا تھا۔ اس کے بتانے کا انداز اتنا سادہ اور آسان ہوتا تھا کہ فوراً سمجھ میں آجاتا تھا۔ اس کی دوائیں جادو اثر تھیں پہلے مجھے حیرت ہوتی تھی کہ ایک پس ماندہ علاقے میں زندگی گزارنے والا حبشی، بونا اور اتنا ذہین جو ہمارے ترقی یافتہ شہر کی باتیں خوب جانتا ہے۔

دوسرا دن گزرا اور رات کو رولوکا میرے پاس آ گیا۔ میں نے اس کی فرمائش پر سفری لڈو بنوائے تھے۔

''وہ مکھیاں تلاش کر رہا ہے۔'' رولوکا نے آتے ہی کہا۔

''ملیں اس کو مکھیاں؟'' میں نے مسکرا کر پوچھا۔

''اس کے گھر میں اس کو بچھو مل رہے ہیں۔'' رولوکا نے کہا۔

''مگر وہ تو مکھیاں تلاش کر رہا ہے۔'' میں نے پھر کہا۔

''میں نے تم کو بتایا تھا کہ اس کو ایک مکھی بھی نہیں ملے گی۔ مگر اب وہ ان بچھوؤں سے پریشان ہے۔ اس کی رسوائی (باورچی خانہ) میں ہر روز بڑے بڑے بچھو نکل رہے ہیں اور سورج مل ان کو مار رہا ہے سب جادوگری بھول گیا ہے۔''

''تو کیا اتنی تعداد میں بچھو نکل رہے ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''وہ ایک کو مارتا ہے تو اس کی جگہ دس آ جاتے

ہیں۔" رولوکا نے کہا۔
"تم نے اتنے بچھو کہاں سے جمع کر لئے؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔
"وہ ایک ہی بچھو ہے مگر سورج مل بے وقوف ہے اس کو مارنے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر وہ اس کو قابو کرنے کا گر کرے تو شاید کچھ کامیابی اس کو ہو جائے۔" رولوکا نے کہا۔
"وہ تو خود جادوگر ہے کیا سمجھ نہیں پا رہا۔" میں نے پوچھا۔
"اس نے اپنے سارے پیروں کو مطلب کر لیا ہے۔ مگر یہ بچھو تو افریقہ کا ہے مرتا ہی نہیں سورج مل اتنا بڑا جادوگر نہیں ہے۔ اس نے مجھے میری غفلت کی وجہ سے دیکھ لیا تھا۔ میں خود اس کو زیادہ تنگ کرنا نہیں چاہتا۔" رولوکا نے کہا۔
"ہاں اس سے ہماری کیا دشمنی، وہ تو پانچ ہزار روپے لے کر پھنس گیا ہے۔" میں نے کہا۔
"کچھ روز وہ کوشش کرے گا پھر ٹھنڈا ہو جائے گا اگر نہ ٹھنڈا پڑا تو اس کو سبق پڑھانا پڑے گا۔" رولوکا نے کہا۔
"کیا سبق پڑھاؤ گے؟" میں نے پوچھا۔
"اس کے سارے پیروں کو پکڑ کر افریقہ لے جاؤں گا اور وہاں پر بچوں کو بانٹ دوں گا۔" رولوکا نے ہنس کر کہا۔
"بچے کیا کریں گے؟"
"یہاں کے بچے گیند بلا، فٹ بال کھیلتے ہیں۔ افریقہ کے اندرونی علاقے کے بچے ان سے کھیلتے ہیں۔" رولوکا نے جواب دیا۔
"تمہاری ہر بات نرالی ہوتی ہے۔" میں نے کہا۔
"مجھے یہاں کے جادوگروں کی حدود اور طاقت کا اندازہ ہو رہا ہے۔ سورج مل جو خود کو بہت بڑا جادوگر کہتا ہے اس کے پاس جو طاقت کے ذرائع ہیں وہ بہت کمزور ہیں۔ اب تم اندازہ کرو کہ جو ایک بچھو جو اس کے گھر میں ہے اس کو نہ مار سکتا ہے نہ نکال سکتا ہے۔ ہر روز وہ ہزاروں بچھو پیدا کر کے اس کے سامنے چھوڑ رہا ہے اور یہ اس میں الجھا ہوا ہے۔ وہ کھیاں کیا تلاش کرے گا گنگا دھر کے پانچ ہزار تو ڈوب گئے۔"
"تم نے بندوبست ہی ایسا کر دیا ہے۔" میں نے جواب دیا۔
گنگا دھر کو جب سورج مل کی طرف سے کچھ جواب نہ آیا تو وہ اس کے گھر پہنچ گیا۔ سورج مل کا پورا سامان بکھرا پڑا تھا۔ کوئی چیز اپنی جگہ پر نہیں تھی۔ سورج مل کی چوٹی جو ہمیشہ سیدھی کھڑی رہتی تھی گری پڑی تھی۔ چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور وہ سخت پریشان تھا۔ گنگا دھر اور اس کے ساتھی نے یہ حالت دیکھی تو وہ حیران رہ گئے۔
"ارے کیا ہوا سورج مل مہاراج خیریت تو ہے؟" گنگا دھر نے حیرت سے پوچھا۔
"تم میری حالت دیکھ رہے ہو اور پوچھتے ہو خیریت ہے۔"
"پر ہوا کیا؟" انوپ رائے جو گنگا دھر کے ساتھ تھے بولے۔
"ارے میرے ساتھ بہت برا ہوا ہے گنگا دھر، میں کیا بتاؤں۔" سورج مل نے جواب دیا۔
"کچھ بتاؤ بھی۔" گنگا دھر نے پوچھا۔
"ارے میں تمہارے کام میں لگا ہوا تھا وہ زہریلی مکھیاں تلاش کر رہا تھا کہ مجھ پر بچھوؤں کی بلا سوار ہو گئی ایک مارتا ہوں دس اور موجود ہوتے ہیں اور اتنے خطرناک بچھو کہ دیکھ کے ڈر لگتا ہے...... میں نے زندگی میں ایسے بچھو نہیں دیکھے۔" سورج نے کہا۔
"تو تم کوئی منتر پڑھ کر پھونک دیتے سب بھسم ہو جاتے۔" گنگا دھر نے کہا۔
"میں بہت پریشان ہوں میرے سارے بیر زور آزمائی کر چکے ہیں۔ یہ بچھو اصل میں کچھ اور ہی چیز ہیں۔ میں اب تمہارا کام نہیں کر سکتا، میں تو خود اپنی گتھائی میں پڑا ہوں۔ تم کسی اور سے اپنا کام کروا لو مجھے معاف کر دو۔"
"سورج مل یہ بات تو غلط ہے۔ روپے تم نے ڈکار لئے اور کام کسی اور سے کرواؤں یہ اچھی رہی۔" گنگا دھر

نے غصہ سے کہا۔
''میں تم کو روپے واپس کردوں گا مگر اس سمے میرے پاس نہیں ہیں۔'' سورج مل نے کہا۔
''ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔'' انوپ رائے نے کہا۔
''بعد میں دے ضرور دینا۔''
''دوں گا۔ گلے گلے دوں گا تم میری مدد کرنے کی بجائے روپے کی رٹ لگائے ہوئے ہو۔'' وہ بولا۔
''ہم کیا مدد کریں تم تو خود شکتی والے ہو تم گھبرا رہے ہو تو ہماری کیا بساط ہے۔'' گنگا دھر نے کہا۔
''میں نے آج تک ایسی شکتی نہیں دیکھی؟'' سورج مل نے کہا۔
''ارے تو کیا پورے ہندو جاتی کے پاس ایسی شکتی نہیں ہے۔'' گنگا دھر نے کہا۔
''ہوگی ضرور ہوگی مگر میری جان اس بچھو سے چھوٹے تو آگے بڑھوں۔'' سورج مل نے کہا۔
''یہ تو ہندو جاتی کی بے عزتی کی بات ہو رہی ہے۔'' گنگا دھر نے کہا۔
''گنگا دھر جی جذبات میں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' انوپ رائے نے کہا۔
''جذبات کی بات نہیں ہے۔ ذرا غور کرو کیا ہم ایک کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے؟'' وہ غصہ سے بولا۔
''تم جس کو دوشی خیال کر رہے ہو۔ ہو سکتا ہے اس کو کچھ پتہ ہی نہ ہو...... یہ کھیل اور ہی کوئی کھیل رہا ہو؟'' انوپ رائے نے خیال ظاہر کیا۔
''کسی کو کیا غرض پڑی ہے۔ یہ کام حکیم کا یا اس کے کسی آدمی کا ہے۔'' گنگا دھر نے کہا۔
''ہاں یہ تو ہو سکتا ہے مگر اس کا پتہ چلانا پڑے گا۔''
''اور اس کا پتہ کس طرح چلے گا یہ بھی آسان کام نہیں ہے۔'' گنگا دھر بولے۔
''یہ حکیم کوئی بہت ہی گہرا آدمی لگتا ہے۔'' انوپ رائے بولے۔
''ارے کوئی ایسا ویسا گہرا، بہت زیادہ گہرا ہے سسرا۔'' سورج مل نے جل کر کہا۔
''اچھا یہ بتاؤ اس بچھو نے کسی کو ڈنک مارا ہے۔'' گنگا دھر نے پوچھا۔
''مارا تو کسی کو نہیں پورے گھر میں دندناتا پھرا ہے۔ میں اس کو مارنے کے لئے اس کے پیچھے پھرتا رہتا ہوں اور میری ساری شکتی میرے ساتھ ہوتی ہے۔ مگر یہ سب کو جل دے دیتا ہے اور اگر ہاتھ آ بھی جائے تو پھر دس اور موجود ہوتے ہیں۔ تو بتاؤ کیا کروں، تم بھیا لے لینا اپنے روپے مگر میری جان چھوڑ دو میں اب تمہارا کام نہیں کروں گا۔''
''تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ گنگا دھر کوئی اور دروازہ تلاش کرے گا۔'' میں نے کہا۔
''کرنے دو تم فکر نہ کرو میں نے سورج مل کو صرف ڈرایا ہے اس کو نقصان نہیں پہنچایا۔'' رولوکا نے کہا۔
''یہ تم نے بہت اچھا کیا۔'' میں نے جواب دیا۔
اس کے بعد جیسی امید تھی۔ گنگا دھر خاموش بیٹھنے والا نہیں تھا۔ ایک تو وہ حاسد تھا دوسرے سخت متعصب ہندو تھا۔
ایک مہینہ گزرا تھا کہ رولوکا نے بتایا۔ ''اس نے ایک اور جادوگر تلاش کر لیا ہے۔ وہ برلا مندر میں رہتا ہے اس کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ کالی کا پجاری ہے اور کالی مائی کا اس پر ہاتھ ہے۔ گنگا دھر نے اب تک کے سارے حالات اس کو بتا دیئے ہیں۔ پہلے وہ مکھیوں کا راز اور بعد میں بچھو کا پتہ چلائے گا جب یہ پتہ چل جائے گا تو اس کو یہ بھی پتہ چل جائے گا کہ پس پردہ کون ہے اور وہ پھر کارروائی کرے گا۔'' رولوکا نے تفصیل بتائی۔
''تمہارا کیا خیال ہے وہ پتہ چلا لے گا؟'' میں نے کہا۔
''تم فکر نہ کرو مجھے یہاں کے جادوگروں کے کام کرنے کے انداز کا اب کچھ تجربہ ہو گیا ہے۔ یہ اندھیرے میں ہیں اور میں روشنی میں۔ یہ مجھے تلاش کرتے رہیں گے میرے سامنے یہ خود موجود ہیں۔ میں ایسے حالات پیدا

کر دوں گا کہ یہ تلاش بھول کر اپنی فکر کریں گے۔"
"وہ برلا مندر کے جادوگر کا کیا نام ہے؟" میں نے پوچھا۔
"اس نے اپنا نام کالی چرن بتایا تھا۔ یہ نام بھی شاید اس نے کالی مائی سے متاثر ہو کر رکھا ہے۔" رولوکا نے جواب دیا۔
"سنا یہ گیا ہے کہ یہ کالی مائی بہت ظالم اور خطرناک جادوگر تھی اور اس کا جادو آج تک کارگر ہے۔" میں نے پوچھا۔
"مجھے اس کی قوت کا اندازہ نہیں ہے۔" رولوکا نے جواب دیا۔
"اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟" میں نے پھر پوچھا۔
"میں جس قدر ان سے دور اور پوشیدہ رہوں گا یہ اسی قدر میری تلاش میں پاگل ہوں گے۔ آج رات برلا مندر میں ایک تماشہ ہوگا وہ تم کو پتہ چل جائے گا......"
"کچھ تو بتاؤ کیا ہوگا؟" میں نے پوچھا۔
"اب میں جا رہا ہوں۔ بتانے سے مزا خراب ہو جائے گا۔" اور پھر رولوکا چلا گیا۔
صبح واقعی ایک نئی اور انوکھی خبر موجود تھی۔ لوگ بتاتے ہیں کہ ایک سانڈ برلا مندر میں پورے سال پالا جاتا ہے اور پھر اس کی قربانی ایک مخصوص دن کالی مائی کے بت کے سامنے کی جاتی ہے اس سانڈ کو پجاری اور دوسرے لوگ میرہ جات اور دودھ پلاتے ہیں وہ اس قدر طاقتور ہو جاتا ہے کہ ہاتھی معلوم ہوتا ہے وہ سانڈ رات ایک بجے بپھر گیا اس قدر غصہ میں آ گیا کہ مندر میں بھگدڑ ہو گئی۔ جو اس کے سامنے آیا مارا گیا۔ سارے مندر کو اس نے توڑ پھوڑ ڈالا۔ کئی آدمی مارے گئے اور بہت زخمی ہو گئے۔ بڑے پجاری شدید زخمی ہو گئے اور کالی چرن کی ایک ٹانگ بری طرح کچلی گئی۔ صبح تک یہ دھینگا مشتی سانڈ نے مچائی..... اور مندر کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور سورج نکلتے ہی وہ پھر ویسا ہی ہو گیا جیسا کہ تھا۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ رات کو سانڈ خونخوار اور خطرناک کیسے ہو گیا تھا۔
بڑے بڑے تو سب زخمی تھے یا مر گئے تھے مندر کو نئے سرے سے بنانا تھا اور انتظامیہ کمیٹی کے لوگ سر جوڑ کر بیٹھے تھے۔ کالی کے مندر میں کالی کے سیوکوں کے ساتھ یہ سلوک ہوا۔ مندر برباد ہو گیا اور کالی کھڑی دیکھتی رہی۔ سانڈ میں ایسی کون سی شکتی سما گئی کہ وہ بے قابو ہو گیا اور اس شکتی کو کالی بھی نہ روک سکی۔ کچھ اس قسم کے سوالات کمیٹی ممبران کے دل میں پیدا ہو رہے تھے مگر وہ ان سوالات کو زبان پر صرف کالی کے ڈر سے نہیں لا رہے تھے۔
دوسرے دن پتہ چلا کالی چرن کی پوری ٹانگ کاٹ دی گئی ہے اور بڑے پجاری جی مر چکے ہیں۔ یہ بہت بڑی خبر تھی۔ ہندو سخت پریشان تھے سانڈ کے خلاف وہ کیا کر سکتے تھے سانڈ تو ہر سال ہی پالا جاتا تھا یہ کوئی نئی بات تو تھی نہیں۔ وہ جو کہتے ہیں بعض اوقات گھر کے چراغ سے ہی گھر کو آگ لگ جاتی ہے۔ ہر سال خاموشی سے بلی چڑھ جانے والے سانڈوں کا بدلہ اس سانڈ نے لیا تو شاید یہ بھی غلط ہے۔ دلی کے رہنے والے ہندو ہر طرف کی سوچ رہے تھے۔ کوئی برلا مندر کے پجاریوں کے ظلم و ستم کو اس کا ذمہ دار قرار دے رہا تھا۔ کوئی کالی مائی کی ناراضگی کی بات کر رہا تھا۔ مگر اصل بات صرف مجھے پتہ تھی اور میں برلا مندر سے کوسوں دور تھا اور رولوکا کو یاد کر رہا تھا میں یاد کروں اور رولوکا نہ آئے ایسا کبھی نہیں ہوا اور رولوکا میرے سامنے موجود تھا۔
"کیا تماشہ کر دیا؟" میں نے پوچھا۔
"مزا آیا کہ نہیں؟" رولوکا نے کہا۔
"مگر یہ بے گناہ جو مارے گئے......! اس سے افسوس ہوا۔" میں نے کہا۔
"یہ جو مارے گئے ہیں ایک نمبر کے بدمعاش تھے۔ تم کو پتہ ہے مندروں میں یہ کیا کرتے ہیں۔ جو حسین عورت ان کی نظر میں آ جائے اس کی زندگی برباد کر ڈالتے ہیں۔ کوئی ان کے خلاف آواز نہیں اٹھاتا۔ ایک تو کالی دیوی کا خوف اس قدر دلوں میں پیدا کر دیا گیا ہے کہ کوئی بولتا ہی نہیں۔ دوسرے پنڈت برہمن ہوتا ہے اس کا مقام

ہندوؤں میں سب سے اوپر ہے وہ جو کرے اچھا کرے برا کرے سب ٹھیک ہے اس کو سزا نہیں دی جاسکتی۔ان کے کرتوت بہت کالے ہیں۔مرنے والوں میں کوئی نیک نہیں تھا۔کالی چرن کو صرف ایک سبق دیا ہے اگر اب بھی اس کی کھوپڑی میں بات نہ آئی تو آگے دیکھیں گے۔'' رولوکا نے کہا۔

''ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی؟'' میں نے کہا۔''تم نے یہ سب کر ڈالا اور تمہارا راستہ کسی نے نہیں روکا۔'' میں نے کہا۔

''میں نے یہ سب نہیں کیا ہے۔ میں نے صرف اس سانڈ کو حکم دیا تھا کہ وہ ایسا کرے۔'' رولوکا نے کہا۔

''کسی قسم کا سحر استعمال نہیں کیا تھا؟'' میں نے پوچھا۔

''صرف اس حد تک کہ میں خود کو پوشیدہ رکھتے ہوئے وہاں پر گیا تھا۔میرا رابطہ دنیا کے ہر جانور سے ہوجاتا ہے۔ میں نے سانڈ کو اس کا انجام بتادیا اور اس سے پہلے والوں کا کیا انجام ہوا وہ بتادیا اور چلا آیا۔میرے آتے ہی سانڈ نے اپنے طور پر پوری کارروائی کرڈالی کیونکہ اس کارروائی میں کسی جادو کا دخل نہیں تھا اس لئے کالی چرن اور پنڈت حیران تھے وہ اس شے کو تلاش کررہے تھے جو سانڈ پر سوار تھی مگر کوئی ہوتا تو ان کو ملتا، اور اسی دوران سانڈ نے پورا کام کردیا۔''

''تو اس کا مطلب ہوا کہ تم کسی بھی جانور سے کام لے سکتے ہو۔'' میں نے کہا۔

''ہاں میں ہر جانور سے ذہنی رابطہ کرسکتا ہوں۔'' رولوکا نے کہا۔

''یہ کس طرح ممکن ہے؟'' میں نے کہا۔

''جانور ایک دوسرے سے رابطہ کرتے ہیں۔ ہاتھی جب پانی کی کمیابی کا شکار ہوتے ہیں تو آوازیں نکالتے ہیں ان کی آواز دوسرے ہاتھیوں تک فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے نہیں پہنچتی مگر رابطہ ہوجاتا ہے اور وہ سب نقل مکانی ایک غول کی شکل میں کرتے ہیں۔پانی کتنی بھی دور ہو یہ سفر کرتے ہیں بعض اوقات ایک ڈیڑھ ماہ تک یہ سفر جاری رہتا ہے۔ بچوں کو درمیان میں رکھتے ہیں۔ دوران سفر اگر کسی ہتھنی کو بچہ پیدا ہونے لگے تو غول کے نر ہاتھی ایک دائرے میں کھڑے ہوجاتے ہیں اور منہ دائرے کے باہر رکھتے ہیں۔اس کے بعد پھر سفر جاری ہوجاتا ہے ہر جانور اپنی برادری کے جانور سے رابطہ کرتا ہے اور بات کرتا ہے میں اتنا ماہر نہیں ہوں ان سے ان کی زبان میں بات کرسکوں مگر اتنا کرسکتا ہوں کہ اپنی بات ان کے ذہن میں بٹھادوں۔ان کی زبان اشاروں کی زبان ہوتی ہے۔افریقہ میں ایسے لوگ ہیں جو اس پر پورا عبور رکھتے ہیں۔وہ لوگ جنگلات کے بہت زیادہ اندرونی حصے کی طرف ہیں۔ ان کو تلاش کرنا بہت مشکل اور جان جوکھوں کا کام ہے اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ان لوگوں کو اندازہ ہی نہیں کہ وہ کس قدر قابل قدر لوگ ہیں۔'' رولوکا نے کہا۔

''یار تم مجسم حیرت ہو۔'' میں نے کہا۔

ادھر گنگا دھر اور اس کے ساتھیوں کی ساری پلاننگ دھری کی دھری رہ گئی۔تھا سمجھدار آدمی، اس کی سوچ اب اس طرف ہوگئی کہ ضرور ایسا آدمی اس کے ساتھ ہے جو اس کے پروگرام دشمن تک پہنچادیتا ہے اور دشمن وار پہلے کرجاتا ہے۔ مگر کالی کے مندر کا واقعہ اس کے حلق سے نہیں اتر رہا تھا کیا دشمن کالی سے زیادہ شکتی رکھتا ہے کہ وہ کالی کے مندر کے اندر آکر وار کرگیا اور کالی چرن سوچتا ہی رہا اور کچھ نہ کرسکا۔ برلا مندر کوئی چھوٹا موٹا مندر نہیں تھا اور پھر کالی مائی کی ہیبت الگ، مگر کام کرنے والے نے پورا کام کردیا۔ ہندو حیران آپس میں باتیں کرتے تھے۔ اخبارات نے الگ الگ کہانیاں بتائیں تھیں۔

سرمایہ دار ہندو سیٹھوں نے دل کھول کر چندہ دینا شروع کردیا اور برلا مندر از سر نو بننا شروع ہوگیا تھا۔گنگا دھر نے اپنے طور پر بہت کوشش کی کہ جاسوس کو پکڑ سکے مگر کوئی ہوتا تو اس کو ملتا اس طرح پورا سال گزر گیا اور میں نے دواؤں کے لئے جنگل جانے کی تیاری شروع کردی۔

اس دفعہ میرا سفر طویل تھا۔ میں اور رولو کا دو ہی آدمی تھے۔ میں نے کسی نوکر کو اپنے ساتھ نہیں رکھا تھا۔ سفر میں سامان بہت کم تھا۔ صرف دوائیں رکھنے والے تھیلے ایک بیگ میں بھر لئے تھے۔ کھانے پینے کا سامان بھی نہیں تھا صرف چائے کی پتی اور چینی رکھی تھی ایک درجن ماچس بھی رکھ لیں تھیں۔ رولو کا کا کہنا تھا کہ تم میرے مہمان ہو میں میزبان ہوں۔''

نمک مرچ اور کچھ دوسرے مصالحے بھی میں نے بیگ میں ڈال لئے تھے۔ کم کرتے کرتے بھی بیگ میں کافی وزن ہو گیا تھا۔ راستہ ہمارا وہی تھا۔ پہلے تنک پور منڈی اور اس کے بعد جنگل کے کنارے خچر لینا اور پھر جنگل کے اندر کا سفر۔ مطب کا سارا انتظام میرے دو ساتھی حکیم صاحبان کو کرنا تھا وہ میرے ساتھ کافی دنوں سے تھے سب جانتے تھے ان کو میں نے اچھی طرح سمجھا دیا تھا۔

مئی کی پہلی تاریخ کو ہم دلی سے روانہ ہو گئے۔ موسم بہت اچھا تھا نہ گرمی زیادہ تھی نہ سردی تھی۔ دو روز کے بعد ہم گاؤں کے مکھیا کے سامنے تھے۔ اس نے فوراً ہی دو خچر حاضر کر دیئے اور ہم لوگ روانہ ہو گئے۔

رولو کا نے کہا۔''واپسی میں دوائیں جمع کریں گے۔''

''کہاں تک سفر کا ارادہ ہے؟''میں نے پوچھا۔

''تم نے ایک بار سفر کی خواہش کی تھی۔ تم کو یاد ہے.....؟''

''خوب یاد ہے مگر کہاں جانا ہے؟ اس کے بارے میں مجھے کیا پتہ؟''میں نے کہا۔

''میں تم کو ایک ایسی دنیا کی سیر کراؤں گا جہاں تم سے پہلے شاید ہی کوئی گیا ہو۔''رولو کا نے کہا۔

''ان جنگلات میں بھی کوئی دنیا آباد ہے؟''میں نے پوچھا۔

''جہاں جان دار ہیں خواہ وہ جانور ہوں، حشرات الارض ہوں، وہ آبادی تو ہوئی نا۔'' رولو کا نے جواب دیا۔

''تمہارا قبیلہ یہاں سے کتنی دور ہے؟''میں نے پوچھا۔

''اس تک جانا بہت مشکل ہے۔ میرے لئے نہیں تمہارے لئے۔''رولو کا نے کہا۔

''تم مجھے اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتے۔''میں نے پوچھا۔

''یہ کام بہت مشکل ہے۔''رولو کا نے جواب دیا۔

''تمہارے لئے بھی مشکل ہے؟''

''ہر جگہ کے کچھ اصول کچھ قاعدے ہوتے ہیں۔ بے شک یہ جنگل ہے اور یہاں پر صرف طاقت کا اصول چلتا ہے مگر یہاں کے ساحرانہ اصول بھی ہیں۔ میں کسی جادوئی طاقت کے ذریعہ تم کو سفر نہیں کرا سکتا ہم جتنا بھی سفر کریں گے اپنے پیروں پر کریں گے اگر میں اکیلا ہوں تو جس طرح چاہوں سفر کر سکتا ہوں۔ ہاں میں تمہاری مدد جس طرح کرنا چاہوں کروں گا مجھ پر پابندی نہیں ہے۔'' رولو کا نے کہا۔

''چلو یہ ٹھیک ہے یہ خچر ہمارا ساتھ دے سکیں گے۔''میں نے پوچھا۔

''اس کی فکر نہ کر دوسرے مل جائیں گے۔'' رولو کا نے جواب دیا۔

ہم ایک پگڈنڈی پر سفر کر رہے تھے۔ پگڈنڈی کے دونوں طرف جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں اور دور دور تک سبزہ ہی سبزہ نظر آتا تھا۔ ان جھاڑیوں میں چھوٹے بڑے پھول بھی نظر آرہے تھے۔ خوب دھوپ نکلی ہوئی تھی اور موسم خوشگوار تھا۔ دس بارہ میل ہم نے سفر کیا ہوگا کہ اچانک دھوپ غائب ہوگئی اور آسمان پر گھرے بادل آگئے۔

رولو کا نے آسمان کی طرف دیکھا اور بولا۔''تیز چلو بہت جلد بارش شروع ہو جائے گی۔'' اور اس نے اپنا خچر ایک طرف موڑ دیا۔ زیادہ نہیں آدھ گھنٹے کے بعد بارش شروع ہوگئی۔ مگر ہم ایک چٹان کی آڑ میں پہنچ چکے تھے یہاں پر اتنی جگہ تھی کہ پوری بارات ٹھہر جاتی۔ چونکہ یہ راستے سے ہٹ کر جگہ تھی، راستہ سے مراد یہ کہ میں اس طرف کبھی نہیں آیا تھا۔ مگر رولو کا کو پتہ تھا۔

ساری رات تیز بارش ہوتی رہی۔ میں تو سو گیا تھا۔ کیونکہ رولوکا جاگ رہا تھا۔ صبح آسمان کھل گیا تھا اور دھوپ نکل آئی تھی۔ رولوکا نے کہا۔ ''تم آگ جلاؤ میں ناشتہ لاتا ہوں۔'' اور میں آگ جلانے کی کوشش کرنے لگا۔

کچھ ہی دیر میں رولوکا آ گیا اس نے دو مرغیاں پکڑی ہوئی تھیں۔ یہ جنگلی مرغیاں تھیں جو ایک درخت سے دوسرے درخت پر خوب پرواز کرتی ہیں ان کو پکڑنا بہت مشکل ہوتا ہے مگر رولوکا اتنی جلدی ان کو پکڑ کر لے آیا تھا کہ میں حیران رہ گیا تھا۔ میں آگ جلانے میں کامیاب نہیں ہوا تھا۔ ہر پتہ گیلا تھا ہر لکڑی گیلی تھی چاروں طرف پانی ہی پانی تھا۔

''تم سے آگ نہیں جلے گی۔'' رولوکا نے کہا۔

''بہت کوشش کر چکا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''تم یہ مرغیاں پکڑو اور انہیں ذبح کرلو۔ میں آگ جلاتا ہوں۔ میں مرغیاں پکڑ کر ایک طرف لے گیا اور چاقو سے ان کو ذبح کر دیا اور پر وغیرہ صاف کر کے جب واپس آیا تو آگ جل چکی تھی۔

میں نے پوچھا۔ ''تم سوکھی لکڑیاں کہاں سے لائے؟''

''وہی گیلی جل رہی ہیں۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''مجھ سے تو نہیں جلی تھیں!'' میں نے کہا۔

''کچھ لکڑیاں اس قسم کی ہوتی ہیں جن میں تیل ہوتا ہے بس ذرا پہچان کرنے کی ضرورت ہے۔ کچھ پتے بھی اس قسم کے ہیں ان کو پہچان کر کے جمع کرنے کی ضرورت ہے ایک دفعہ جل جائیں تو پھر جلتے ہی رہتے ہیں اور الاؤ میں تو سب جلتے ہیں۔ کیا سوکھا کیا گیلا۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''ناشتے کے بعد ہم آگے روانہ ہو گئے۔ اب ہم ایک نالے کے کنارے سفر کر رہے تھے۔ نالے کے دونوں طرف تناور درخت کھڑے تھے ایسے ایسے عجیب و غریب درخت کہ میں نے اس سے پہلے نہیں دیکھے تھے۔ ہر طرف بھینی بھینی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ ابھی ہم گھنے اور خوفناک جنگل سے دور تھے۔ رولوکا نے ایسا راستہ اختیار کیا تھا۔

وہ نالا ایک دریا میں گر رہا تھا ہم اونچائی پر تھے دریا میں گرتے پانی کی آواز بہت زور سے آ رہی تھی۔ رولوکا نے کہا۔ ''اب ہم دریا کے ساتھ چلیں گے۔''

''تمہارا گاؤں یہاں سے کتنی دور ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''بہت دور ہے مگر میں نے شارٹ کٹ راستہ اختیار کیا ہے دریا تک یہ خچر ہمارے ساتھ رہیں گے اس کے بعد ہم دریا میں سفر کریں گے۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''دریا میں کشتی کے بغیر کس طرح سفر ہوگا؟'' میں نے پوچھا۔

''کشتی ہم خود بنائیں گے۔'' رولوکا نے جواب دیا۔ اور اس نے خچر ڈھلوان کی طرف موڑ دیا۔

ہر طرف زندگی تھی مگر یہ انسانی زندگی نہیں تھی ہر قسم کے جانور آتے جاتے نظر آ رہے تھے۔ ہماری طرف وہ ایک نظر ڈالتے اور بھاگ کھڑے ہوتے۔ گیدڑ اور اسی قسم کے کئی جانور تو رولوکا کے بہت قریب بھی آ جاتے۔ رولوکا نے مجھے بتا دیا تھا کہ میں کسی جانور سے خوف نہ کھاؤں یہ سب اپنے دوست ہیں۔ یہ تم پر حملہ نہیں کریں گے۔

ہم دریا کے کنارے پہنچ چکے تھے۔ دریا کے پانی کی روانی بہت تیز تھی۔ وہ بہت زیادہ چوڑا پاٹ دار دریا نہیں تھا زیادہ سے زیادہ اس کی چوڑائی سو ڈیڑھ سو فٹ ہوگی مگر رولوکا نے بتایا کہ اس کی گہرائی بہت زیادہ ہے اور پانی کا بہاؤ بہت تیز ہے۔ آگے چل کے کچھ علاقہ ایسا بھی ہے جہاں پر مگرمچھ بہت ہیں۔ مگر مچھ تو ویسے پورے کنارے میں ہیں مگر اس مقام پر اس قدر زیادہ ہیں کہ کنارے سے گزرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ رولوکا نے ایک بلند مقام تلاش کر لیا اور اس پر قیام کا فیصلہ بھی کر لیا۔

دریا اس مقام سے زیادہ دور نہیں تھا۔ تناور درخت اس ٹیلے کے چاروں طرف کھڑے ہوئے تھے۔ رولوکا اور میں نے درمیان میں کچھ جگہ صاف کر لی اور خچروں کو باندھ دیا یہاں پر ان کی غذا کا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ چند منٹ آرام

کرنے کے بعد رولوکا اٹھ کھڑا اور بولا تم آگ جلاؤ میں کھانے کا بندوبست کرتا ہوں۔ یہاں پر آگ جلانے میں زیادہ پریشانی مجھے نہیں ہوئی۔ رولوکا کچھ ہی دیر میں واپس آ گیا۔ اس نے چھ خرگوش ٹانگوں سے پکڑ کر لٹکائے ہوئے تھے۔ میں نے خرگوشوں کو ذبح کیا اور کھال اتار دی اور رولوکا نے ایک لکڑی ہر خرگوش کے بدن سے آر پار گزار کر ان کو آگ پر لٹکا دیا۔ کچھ ہی دیر میں ہمارا کھانا تیار تھا۔

کھانے کے بعد رولوکا نے کہا۔ ''تم اب سو جاؤ یہاں کوئی درندہ نہیں آئے گا۔ اگر تھوڑا بہت ڈر ہے تو وہ مگر مچھ سے ہے اس کا میں انتظام کر دوں گا۔ صبح سے کام شروع کریں گے۔''

میں نے پوچھا۔ ''کون سا کام؟''

''دریا میں سفر کرنا ہے...... کیونکہ آگے دریا ایسے مقامات سے گزرے گا کہ کنارے سے سفر کرنا ناممکن ہو جائے گا۔ دونوں طرف پہاڑوں کی دیواریں حائل ہو جائیں گی دوسرے کنارے پر جانا اور دریا عبور کرنا بہت مشکل ہوگا۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''اس کے لئے تو کشتی بنانا پڑے گی۔'' میں نے کہا۔

''تم کشتی کا جو تصور کر رہے ہو ہم لوگ ایسی کشتی نہیں بناتے۔ ہماری کشتی میں صرف چند لکڑی کے ڈنڈے استعمال ہوتے ہیں اور یہ کشتی بھی ڈوبتی نہیں۔ تم دیکھنا میں بناؤں گا۔'' رولوکا نے کہا۔

''ٹھیک ہے مگر تم آج سوؤ گے اور میں جاگوں گا۔'' میں نے کہا۔

''تم میری فکر نہ کرو میرا جاگنا اور سونا برابر ہے میں زندگی بھر اسی طرح رہا ہوں۔ میں جاگتے میں سوتا ہوں اور سوتے میں جاگتا ہوں۔'' رولوکا نے کہا۔

''بہت وقت تمہارے ساتھ گزرا ہے مگر میں تم کو اب تک پہچان نہیں سکا ہر روز ایک نئی خوبی تم میں نظر آتی ہے اور مجھے حیران کر جاتی ہے۔'' میں نے کہا۔

''ساتھ رہو گے تو سب کچھ تم کو پتہ چل جائے گا۔'' رولوکا نے ہنس کر کہا اور میں آگ کے پاس جا کر لیٹ گیا اور جلد ہی نیند کی آغوش میں چلا گیا۔

صبح رولوکا مجھ سے پہلے ہی خوراک کا بندوبست کر چکا تھا۔ اس کے چاروں طرف سرخ رنگ کے پھلوں کا ایک ڈھیر پڑا تھا۔ یہ پھل خربوزے کے سائز کے تھے۔ مگر سب کا رنگ تیز سرخ تھا اور دیکھنے میں بہت بھلے معلوم ہوتے تھے۔ ''یہ کون سا پھل ہے رولوکا؟'' میں نے پوچھا۔

''یہ اس علاقے کا خاص پھل ہے۔ میں نے سوچا تم روز گوشت کھاتے کھاتے تنگ آ گئے ہو گے اس لئے کچھ تبدیلی کی جائے۔ کھاؤ پسند آئیں گے۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

میں نے ایک اٹھایا اور چاقو سے کاٹا۔ یہ پھل تربوز جیسا نظر آتا تھا۔ مگر یہ ٹھوس تھا چھلکے کے بعد پورا سرخ رنگ کا گودا تھا اور درمیان میں ایک گول بیج تھا۔ گودا نہایت ذائقہ دار تھا۔ مٹھاس کے ساتھ ساتھ بھینی بھینی خوشبو بھی تھی۔ میں پھل کاٹتا رہا اور دونوں کھاتے رہے دونوں کا پیٹ بھر گیا تو رولوکا نے کہا۔

''یہ پھل بھوک اور پیاس دونوں سے بچاتا ہے اور اس کے کھانے کے بعد توانائی کا احساس ہوتا ہے کمزوری نہیں ہوتی۔ جو پھل بچ گئے ہیں ان کو خچروں کو کھلا دو یہ بھی تو ہمارے ساتھ ہیں۔ اب میں کام شروع کرتا ہوں۔ تم وہ کلہاڑی جو تم لائے ہو میرے حوالے کر دو۔'' رولوکا نے کہا۔

میں نے بیگ سے کلہاڑی نکالی اور رولوکا کے حوالے کر دی۔ رولوکا کے ذہن میں پورا پروگرام تھا اسی لئے میں نے یہ کلہاڑی خریدی تھی۔ میں نے سوچا۔ ''میں جنگل کے اندر جاؤں گا تم اگر اپنے مطلب کی چیز تلاش کرنا چاہو تو کرتے رہنا۔ زیادہ دور نہ جانا یہاں پر بڑے درندوں کا گزر تو نہیں ہے مگر پھر بھی اگر کسی سے سامنا ہو جائے تو بھاگنا نہیں خاموش کھڑے ہو جانا اگر وہ قریب آنے کی کوشش کرے تو رولوکا...... رولوکا...... رولوکا تین دفعہ زور سے کہہ دینا وہ چلا جائے گا۔'' رولوکا نے کہا۔

''اگر وہ تمہارا دوست نہ ہوا کوئی نیا ہوا جو تم کو نہیں

جانتا ہو پھر میں کیا کروں؟'' میں نے مذاق میں ہنس کر کہا۔
''کس درندے کی یہ مجال ہے کہ رولوکا کو نہ جانے۔ تم ان کے بھی مہمان ہو اور میرے دوست۔'' شاید دنیا کا انوکھا مہمان میں تھا اور میرا دسترخوان یہ جنگل تھا اور میرا میزبان دنیا کا انوکھا انسان رولوکا تھا اور اس جنگل کے جانور تھے۔

آپ حیران ہوں گے دوران سفر سانپ بچھو یا اسی قسم کے زہریلے کیڑے مکوڑے اور خاص طور سے وہ مکڑیاں جن کو دیکھ کر ہی بدن میں جھرجھری آ جاتی ہے ہاتھی جتنی جسامت والے اژدھے اور نہ جانے کون کون سے عجیب وغریب درندے کیا ان سے سامنا نہیں ہوا۔ سب سے سامنا ہوا۔ سب سے نظریں چار ہوئیں، مگر کسی نے ہم پر حملہ کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ اکثر تو یہ ہوا کہ وہ راستہ چھوڑ کر چل دیئے۔ رولوکا نے کسی کو نہیں چھیڑا۔

رولوکا جنگل کا باشندہ ہی نہیں بلکہ وہ جنگل کا بادشاہ ہے۔ اس کے اشارے پر وہاں کا ہر باشندہ چلتا ہے۔ اس کی طاقت کا اندازہ میں نے اس کے ساتھ رہ کر خوب کیا۔ اس لئے میرے دل سے یہاں کے ہر جانور کا ڈر وخوف نکل گیا اور اب تو رولوکا نے ایک نسخہ اور بتا دیا کہ اس کا نام تین دفعہ کہہ دینے سے درندے حملہ نہیں کرتے۔ یہ کتنی عجیب بات ہے اس پر کون اعتبار کرے گا کہ جنگل کا چھوٹا سا بونا جو دیکھنے میں نہایت ہی غیر اہم لگتا ہے۔ دنیا کا کس قدر طاقتور انسان ہے رولوکا جنگل چلا گیا اور میں بھی جڑی بوٹیوں کی تلاش میں لگ گیا۔ ایک درخت پر مجھے وہی پھل نظر آ گئے ہرے بھرے درخت پر سرخ سرخ پھل بہت اچھے لگ رہے تھے۔ درخت زیادہ اونچا نہیں تھا میں اس کے سائے میں چلا گیا۔ درخت پر بہت سے بندر پھل کھا رہے تھے۔ مگر میں نے زندگی میں جتنے بندر دیکھے تھے۔ یہ بندر وہ بندر نہیں تھے ان بندروں کے قد اگر وہ دو ٹانگوں پر کھڑے ہوں تو انسان جتنے تھے۔ چہرے سرخ اور دانت بہت بڑے، دہانہ بہت بڑا اور خوفناک۔ اگر ایک بھی حملہ کر دے تو بچنا مشکل، میرے دل میں ذرا سی دیر کو خوف تو ضرور آیا کیونکہ آخر میں بھی انسان ہوں اکیلا تھا اور کوئی ہتھیار میرے پاس نہیں تھا۔ مجھے دیکھ کر ایک دو کی نگاہوں میں وحشت اور جبلت کے سائے لہرائے بھی مگر میں رولوکا کی ہدایت کے مطابق خاموش کھڑا رہا اور تین دفعہ رولوکا کا نام لیا۔ جن بندروں کے چہرے وحشت ناک ہو رہے تھے یکا یک وہ درخت سے کودے اور جو پھل ان کے ہاتھ میں تھے میرے سامنے ڈال کر جنگل میں بھاگ گئے۔ باقی سب نے بھی یہی کیا اور میرے سامنے دس پندرہ پھل جمع ہو گئے اور مجھے رولوکا کی حیرت انگیز طاقت کا اندازہ ہو گیا۔

انسان کس قدر طاقتور ہے۔ شرط یہ ہے کہ وہ اپنی طاقت کو استعمال کرنا جانتا ہو اور اپنی طاقت کو ٹھیک وقت پر اور ٹھیک جگہ استعمال کرے میں نے اتنے عرصے میں یہ دیکھا کہ رولوکا نے کبھی بے جا اپنی طاقت کا استعمال نہیں کیا کسی کو اس نے اپنی طاقت سے نقصان نہیں پہنچایا۔ کبھی کسی کو اپنی بات ماننے پر مجبور نہیں کیا اور نہ ہی غرور کیا۔ رولوکا کی یہ خوبیاں اس کو عظیم بناتی ہیں۔ میں اگر اس کے ساتھ نہ رہتا تو میں بھی یہ سب نہیں جان سکتا تھا۔ اس نے کبھی مجھے خود سے کمتر نہیں سمجھا۔ برابر کا رتبہ دیا۔ اب مجھے احساس ہوتا ہے کہ وہ مجھ سے کتنا بلند رتبہ رکھتا ہے۔

انسان کی بلندی اور اس کی پستی کا اندازہ کرنا بہت مشکل ہے بظاہر نیک اور خدا ترس و ہمدرد نظر آنے والا ظالم اور سفاک بھی ہو سکتا ہے۔ مگر یہ نقاب سب عارضی ہوتے ہیں۔ اصل حقیقت کھل ہی جاتی ہے۔ مگر اصلیت کو جاننے کے لئے ضروری ہے کہ قرب حاصل ہو۔ میں نے رولوکا نے بہت عرصہ ساتھ گزارا ہے مجھے اس کے کردار میں کبھی جھول نظر نہیں آیا اور کبھی اس کے چہرے پر غصہ نظر نہیں آیا۔ وہ درگزر کرنے کی صلاحیت سے مالا مال تھا۔ وہ اس دنیا میں تھا، مگر لگتا نہیں تھا۔

رولوکا نے موٹے موٹے ڈنڈے جمع کرنا شروع کر دیئے۔ ہر روز وہ لکڑیوں کے ڈھیر اٹھا لاتا اور ترتیب سے ان کے سائز اور موٹائی کے حساب سے رکھتا جاتا۔

میں حیران تھا نہ اوزار ہیں نہ تختے بنانے کو آدمی ہے۔ پھر رولوکا کشتی کس طرح بنائے گا مگر میں نے کچھ پوچھا نہیں کیونکہ میں جانتا تھا کہ رولوکا کے پاس کوئی طریقہ ضرور ہوگا۔ جب رولوکا نے اپنی ضرورت بھر لکڑیاں جمع کر لیں تو پھر وہ درختوں کی چھال جمع کرنے لگا۔ اس کو پتہ تھا کہ کس درخت کی چھال کتنی مضبوط ہے اور اس نے لکڑی کے ڈنڈوں کو اس چھال سے باندھنا شروع کر دیا اور ان ڈنڈوں کو ایک تخت کی شکل دے دی اس میں باقاعدہ چار پائے بھی لگا دیئے اور پھر ان پایوں کے اوپر بھی ڈنڈے لگانا شروع کر دیئے پہلے والے ڈنڈے پانی کے اوپر تیرنے لگے اور اس کے اوپر جو ڈنڈے تھے وہ پانی کی سطح سے دو فٹ اوپر ہی رہے بیلنس کرنے کو اطراف میں اور ڈنڈے باندھ دیئے اس سے بہاؤ میں زیادہ ہچکولے کھانے سے سفر کرنے والا محفوظ ہو گیا چھال کی رسی بنا کر رولوکا نے اس طرح ڈنڈوں کو ایک دوسرے سے باندھا تھا کہ وہ سب ایک ہو گئے۔ کشتی تیار کرنے کے بعد اس نے بندشوں پر ایک خاص درخت کا گوند ڈالا تھا۔ میں اس کو کشتی کہہ رہا ہوں مگر یہ پانی پر تیرتا ہوا ایک تخت تھا۔ کشتی ٹوٹ سکتی ہے ڈوب سکتی ہے مگر یہ اس نوعیت کا تھا کہ ڈوبنے کا خطرہ تھا ہی نہیں رولوکا نے اس کو اس طرح بنایا تھا کہ آرام کرنے اور سونے میں کوئی دقت نہ ہو اور سامان بھی حفاظت سے رکھا جا سکے۔ رولوکا کی ذہانت کی یہ زندہ مثال تھی اور مزے کی بات یہ تھی کہ یہ صرف لکڑی اور اس کی چھال سے بنایا گیا تھا اور صرف ایک اوزار کلہاڑی کا استعمال ہوا تھا۔ لکڑی کے لٹھوں کو اس طرح ملا کر جوڑا گیا تھا کہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔

میں نے حیرت سے کہا۔ ''یار تم تو بہت بڑے کاریگر ہو تم نے بغیر کسی اوزار کے یہ کشتی تیار کر دی۔''

''یہ بہت معمولی چیز ہے۔ جنگل کے ہر باشندے کو اس قسم کی چیز بنانا آتی ہے۔ میں نے کوئی کمال نہیں کیا۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''یہ لکڑی کتنے عرصہ پانی میں خراب نہیں ہوگی؟'' میں نے پوچھا۔

''جس لکڑی کے لٹھے پانی میں ڈوبے رہیں گے وہ ایک خاص قسم کی لکڑی ہے۔ اس میں تیل کی مقدار زیادہ ہے وہ پندرہ بیس سال تو چل جائیں گے۔ جو لکڑی اوپر ہے اور پانی میں نہیں ڈوبی وہ بھی خراب نہیں ہوگی اور اس کی سمت تبدیل کرنے کے لئے جو لکڑی استعمال کی ہے وہ اتنی لچکدار ہے کہ کتنی بھی مڑ جائے ٹوٹے گی نہیں۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ دیکھنے میں پانی پر تیرتا معمولی تخت نظر آتا ہے مگر یہ معمولی نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔

''تم حیران ہو گئے اس تخت پر لوگ سالوں سفر کرتے ہیں، بلکہ بعض تو مستقل گھر بنا کر رہتے ہیں کیونکہ افریقہ کے بعض قبائل دریا کے کنارے آباد ہیں اور یہاں کے دریاؤں کا مزاج ایسا ہے کہ وہ کسی وقت بھی کنارے سے باہر آ جاتے ہیں۔ اس وقت یہ بہت کام کی چیز ہے۔'' رولوکا نے بتایا۔

''ہندوستان میں بھی بنگال کی طرف لوگ سنا ہے دریاؤں پر کشتی میں رہتے ہیں۔ ان کی گزر بسر بھی مچھلیوں سے ہوتی ہے؟'' میں نے کہا۔

''افریقہ کے جنگلات میں زندگی بہت مشکل ہے۔ قبائل کی آپس کی لڑائیوں میں بہت لوگ مارے جاتے ہیں۔ ہارنے والے قبیلے کی عورتیں اور بچے جیتنے والے قبیلے کے غلام ہو جاتے ہیں اس کے علاوہ وہاں سے سینکڑوں سال تک انسانوں کی خرید و فروخت ہوتی رہتی ہے۔ اب افریقہ میں بہت اندرونی علاقے میں آبادیاں ہیں۔ اس علاقے تک دوسری دنیا کے لوگ نہیں جا پاتے کیونکہ وہ بہت زیادہ دشوار گزار علاقہ ہے۔ غلاموں کی تجارت تو تم نے بھی کی ہوگی یہ سب غلام افریقہ کے ہی تو ہیں۔'' رولوکا نے بتایا۔

امریکہ، یورپ اور دنیا بھر میں افریقہ کے کالے باشندے اب بھی نظر آتے ہیں۔ ان کا رہن سہن اور بود و

باش، لباس سب بدل گیا ہے۔ مگر چہروں کے نقوش اور رنگ اب بھی وہی ہے۔'' میں نے کہا۔

''اب صرف وہ پہچان رہ گئی ہے ان کی۔'' رولوکا نے کہا۔

''مہذب دنیا کے بارے میں وہ باشندے جواب بھی وہیں پر ہیں کچھ جانتے ہیں کہ نہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''سب نہیں جانتے۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جو جانتے ہیں عام آدمی تو لباس تک کے بارے میں نہیں جانتا۔ وہ اب تک درختوں کے پتے جسم پر لپیٹ لیتے ہیں اور زیادہ تر ہر موسم میں مادر ذات ننگے رہتے ہیں۔ عورتیں اور بچے بھی برہنہ ہوتے ہیں ان پر موسم کوئی اثر نہیں کرتا۔'' رولوکا نے بتایا۔

''کیوں موسم اثر کیوں نہیں کرتا۔'' میں نے پوچھا۔

''ایک تو ان کی خوراک، دوسرے ماحول اور جڑی بوٹیوں کا استعمال، گرمی میں ان کو کیا کھانا ہے اور سردی میں کس چیز سے ان کو فائدہ ہوگا۔ وہ وہی کھاتے ہیں۔ گوشت ان کی غذا کا ایک بہت بڑا حصہ ہے۔ وہ ہر جانور کو کھاتے ہیں، یہاں تک کہ سانپ اور اژدھے بھی ان کی غذا میں شامل ہوتے ہیں۔ دریائی مگرمچھ اور دریائی گھوڑے بھی وہ شکار کرتے ہیں اور ان کا گوشت کھاتے ہیں۔ یہ باتیں تو میں تم کو بتا رہا ہوں مگر جب ان کی زندگی کا خود مشاہدہ کرو گے تو حیران رہ جاؤ گے۔'' رولوکا نے کہا۔

''تمہارے اپنے قبیلے والے کس قدر ترقی یافتہ ہیں؟'' میں نے پوچھا تو رولوکا زور سے ہنس پڑا۔ مگر بولا کچھ نہیں۔

''تم نے ہنس کر بات گول کر دی۔'' میں نے کہا۔

''نہیں تمہارے ترقی یافتہ کہنے پر مجھے ہنسی آ گئی تھی۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''میں نے کوئی غلط سوال کر لیا؟'' میں نے پوچھا۔

''تم ترقی یافتہ کہہ رہے ہو۔ وہاں کے لوگ کسی لباس کو نہیں جانتے صرف جوان عورتیں اپنے جسم کے کچھ حصوں کو پتوں سے ڈھانپ لیتی ہیں اور وہ بہت موڈرن ہوتی ہیں۔ ورنہ تو عام عورتیں قدرتی لباس میں ہی رہتی ہیں۔ اب تم خود اندازہ کر لو کہ جب عورتوں کا یہ حال ہے تو مردوں کا کیا ہوگا۔'' رولوکا نے کہا۔

''تم تو لباس میں رہتے ہو۔'' میں نے کہا۔

''اس کی وجہ یہ ہے کہ میں تمہاری دنیا میں ہمیشہ آتا رہا ہوں اور یہاں کے طور طریقے خوب جانتا ہوں۔ مگر میں نے بھی پچاس سال کی عمر تک کوئی لباس نہیں پہنا تھا۔ میری عمر جب ساٹھ سال ہوئی تو میرا باپ ایک سو چالیس سال کی عمر میں مر گیا اور میں اپنے باپ کا وارث بن گیا۔ سردار کے بعد میرا ہی حکم چلتا تھا اس سے پہلے میرے باپ اور دادا کا حکم چلتا تھا۔ میرے باپ کا قد ساڑھے چھ فٹ اور دادا کا اس سے بھی کچھ زیادہ تھا اور میرا قد چھ فٹ نو انچ ہے۔ رولوکا نے بتایا۔

''چھ فٹ نو انچ۔'' میں نے حیرت سے کہا۔

''ہاں یہی۔'' رولوکا نے پھر کہا۔

''تمہارے اپنے فٹ ہوں گے۔'' میں نے کہا۔

''نہیں وہاں پر ایسی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ میں تمہاری دنیا کے حساب سے بتا رہا تھا۔'' رولوکا نے کہا۔

''مگر میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔''

''تم میرا قد اور جسم دیکھ رہے ہو یہ میرا اصلی قد نہیں ہے اور نہ جسم ہے۔ میں نے یہ بہروپ بنایا ہوا ہے۔'' رولوکا نے کہا۔

''قد اور جسم کو سکوڑ کر چھوٹا کرنا میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔'' میں نے کہا۔

''افریقہ کے جنگلات کی زہریلی مکھیاں اور بچھو سمجھ میں آ رہے ہیں۔ تم فاصلہ بھی ذہن میں رکھنا۔'' رولوکا نے کہا۔

''سمجھ میں تو وہ بھی نہیں آ رہے۔'' میں نے کہا۔

''ایک علاقہ افریقہ میں ایسا ہے جہاں عورتیں جادوگر ہیں۔ وہ مردوں کا شکار کرتی ہیں اور ان کو اتنا چھوٹا بنا دیتی ہیں کہ کسی بھی بوتل وغیرہ میں رکھ سکیں بوقت ضرور

وہ ان کو ان کی اصل شکل میں واپس لے آتی ہیں۔ یہ قصہ کہانی کی بات نہیں ہے میں نے وہ علاقہ دیکھا ہے۔ افریقہ ایک عجوبہ ہے۔'' رولو کا نے کہا۔

''تمہاری باتیں حیرت انگیز ہیں۔ اعتبار اس لئے کر رہا ہوں کہ تم بتا رہے ہو اگر کوئی اور بتاتا تو میں اس کو سچ ہرگز نہ مانتا۔'' میں نے کہا۔

''اس لئے میں چاہتا ہوں کہ تم خود کچھ نہ کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔'' رولو کا نے کہا۔

''ہمارا سفر کتنے روز تک رہے گا اس کا اندازہ ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''یہ ایک سال سے پہلے ختم نہیں ہوگا۔'' رولو کا نے جواب دیا۔

کیونکہ دواؤں کی رسد نہیں ہوگی تو وہ لوگ کیا کریں گے۔'' میں نے کہا۔

''تم اس کی فکر نہ کرو۔ دس سال بھی ان کو دوائیں ملتی رہیں گی۔'' رولو کا نے کہا۔

''وہ کس طرح؟'' میں نے حیرت سے کہا۔

''دو چار دن ہم کو اور رکنا پڑے گا۔ میں ایک آدمی مقرر کروں گا۔ وہ ہمارے ساتھ رہے گا اور ہم دوائیں جمع کریں گے۔ ہر دوا کے بارے میں اس کو میں بتاؤں گا کہ کتنی چاہئے اور کہاں ملتی ہے۔ وہ آدمی تمہاری غیر موجودگی میں بھی وہی دوائیں تلاش کرے گا اور وقت پر دلی پہنچائے گا۔ مگر ہم کو سب دواؤں کے بارے میں اس کو بتانا پڑے گا۔

کیونکہ وہ کسی اور کی زبان نہیں سمجھے گا۔ وہ میرا ایک خاموش کارندہ ہے میرا ہی کام کرتا ہے ایسے کارندے افریقہ کے جنگلات میں پائے جاتے ہیں۔ وہ کسی نہ کسی کے لئے کام کرتے ہیں کچھ قبیلے کے سرداروں کے لئے کرتے ہیں اور کچھ ''وچ ڈاکٹروں'' کے لئے کام کرتے ہیں اور تم ضرور حیران ہوگے کہ وہ اپنی روزی یعنی خوراک خود اپنی محنت سے حاصل کرتے ہیں معاوضہ ان کو کچھ نہیں ملتا۔ مگر نہایت ایمانداری سے اپنا فرض ادا کرتے ہیں اور جنگلات میں ہی درندوں کے درمیان رہتے ہیں۔'' رولو کا نے بات ختم کی۔

''ایسا حیرت انگیز مفت کا ملازم یقین نہیں آتا۔'' میں نے کہا۔

''بہت ساری حیرت انگیز باتوں میں سے یہ بھی ایک حیرت انگیز ہے نہ صرف تمہارے لئے بلکہ تمہاری مہذب دنیا کے لئے بھی۔'' رولو کا نے کہا۔

''ٹھیک ہے دو چار دن رک کر اس کو بتا دیں گے۔'' میں نے کہا۔

''کل وہ یہاں آجائے گا۔'' رولو کا نے کہا۔

☆......☆......☆

دوسرے روز ہمارے اٹھنے سے پہلے ہی وہ شخص آ گیا۔ رولو کا نے بتایا۔ ''اس کا نام شومو ہے۔ اس کا تعلق گوبل قبائل سے ہے۔''

اس شخص کا قد چھ فٹ سے زیادہ تھا چہرے پر جسم پر اور سر پر بالوں کا ایک جنگل تھا۔ ہاتھ پیر کسی گوریلے کی طرح لمبے اور مضبوط تھے اور رنگ ایسا تھا کہ رات کے اندھیرے میں نظر نہیں آسکتا تھا۔

رولو کا نے بتایا۔ ''اس کا قبیلہ آدم خور ہے مگر شومو آدم خوری پسند نہیں کرتا بلکہ اس نے اپنے قبیلے سے بغاوت کی ہے اور بغاوت کی وجہ بھی ان کا آدم خور ہونا ہے وہ ان سے بغاوت کر کے میرے پاس آگیا اور میں بھی باغی تھا دونوں ایک ہو گئے۔ میں نے اس کو محفوظ کر دیا اور وہ میرا کارندہ بن گیا۔ اب وہ کرتا ہے جو میں کہتا ہوں۔ تم ایک پرچہ لکھ دینا۔ وہ دوا کے ساتھ تمہارے مطب تک پہنچا دے گا اور وہ لوگ سمجھ جائیں گے کہ تم نے وہ دوائیں بھجوائی ہیں۔ اس طرح یہ اس وقت تک یہ کام کرتا رہے گا جب تک میں اس کو منع نہ کر دوں۔'' رولو کا نے کہا۔

''اور یہ دلی میں کس طرح جائے گا جبکہ یہ زبان بھی نہیں جانتا۔'' میں نے کہا۔

''اس کی تم فکر نہ کرو یہ اس طرح جائے گا جس طرح ہم تم جاتے ہیں۔'' رولو کا نے کہا اور ہم تینوں جڑی

بوٹیاں تلاش کرنے لگے۔ افریقہ کے جنگلات میں ہزاروں قسم کی جڑی بوٹیاں ملتی ہیں۔ یہاں پر صرف جاننے والے کی ضرورت ہے۔ ہر مقام پر ایک حیرت اس کے لئے موجود ہوتی ہے۔ ایسی ایسی نایاب دوائیں یہاں زمین پر بکھری پڑی ہیں کہ انسان دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے میں نے ہر دوا کے ساتھ اس کے بنانے کا طریقہ اور استعمال کرنے کا طریقہ کس مرض کے لئے لکھ دیا اور ہر پیکٹ میں رکھ دیا۔ کچھ نئی دوائیں بھی تھیں ان کو بھی اسی طرح رکھ دیا۔ اس کام میں ہمارا پورا ایک ہفتہ لگ گیا۔ میرے اندازے کے مطابق یہ دوائیں تین ماہ کے لئے کافی تھیں۔

شوموبڑے غور سے میری اور رولوکا کی ہر بات کو نوٹ کر رہا تھا۔ پیکٹ بنانے اور بوٹیوں کو زمین سے اٹھانے ان بوٹیوں کو پہچاننے ان کی بو اور رنگت، سب پر وہ نظر رکھے ہوئے تھا۔ کیونکہ اس کو پتہ تھا کہ اس کو خود اکیلے ہی یہ کام کرنا ہے۔ رولوکا نے اس کو سب بتا دیا تھا۔ ہر دوا کی اپنی جگہ بڑی اہمیت تھی اور وہ اس کو محسوس کر رہا تھا۔ کیا اتنا مشکل کام وہ اکیلے کر سکے گا؟ مگر رولوکا کا اعتماد بتاتا تھا کہ شوموہماری غیر موجودگی میں یہ کام کرے گا۔

ایک ہفتہ کے بعد میں نے شوموکو دلی روانہ کر دیا اور وہ جنگل کی بھول بھلیوں میں روپوش ہو گیا اور ہم آگے سفر کی تیاری کرنے لگے۔ رولوکا نے بتایا کہ پھل وغیرہ تو نہیں ملیں گے۔ حالانکہ ہم دریا کے کنارے کنارے ہی سفر کریں گے اگر قریب کچھ ملا تو میں لے آؤں گا۔ دریا میں مچھلی بہت ہے ہماری خوراک زیادہ تر وہی رہے گی۔ اس کے پکانے کا اس نے یہ انتظام کیا کہ تخت تو پورا لکڑی کے لٹھوں کا تھا اور اونچا نیچا تھا۔ رولوکا نے کنارے کی مٹی اس پر ڈالنا شروع کر دی اور ایک موٹی تہہ اس پر مٹی کی چڑھادی۔ اب اس پر اگر آگ بھی جلائی جائے تو بھی لکڑی تک نہیں پہنچ سکتی تھی اس کے باوجود وہ ایک خاص قسم کی مٹی ڈھونڈ لایا اس مٹی کا رنگ بالکل سرخ تھا۔ اس نے مٹی کو ایک جگہ دو تین انچ موٹائی میں پھیلا دیا۔ اس پر ابرق کی ایک تہہ رکھ دی اور اس پر بھی مٹی چڑھادی اور بولا۔

''اب یہاں چوبیس گھنٹے آگ جلاؤ لکڑی تک تپش نہیں جائے گی۔'' میں رولوکا کی ساری کارروائی دیکھ رہا تھا۔ میں نے پوچھا۔

''یہ ابرق تم کو کہاں مل گیا؟''

''یہاں سب کچھ ہے میرے دوست۔'' وہ ہنس کر بولا۔

''اور اس کا استعمال، تم نے کیسے جانا؟'' میں نے پوچھا۔

''یہ مٹی اور ابرق ہمارے یہاں عام استعمال ہوتا ہے۔ میں نے تم کو بتایا ہے کہ لوگ دریا پر ہی رہتے ہیں وہ لوگ ہر روز آگ جلاتے ہیں مگر لکڑی نہیں جلتی۔ یہ عام فارمولا ہے۔''

''میں بھول گیا تھا۔'' میں نے کہا۔

''تمہارا علاقہ یہاں سے کتنی دور ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''میں نے تم کو بتایا ہے کہ جس طرح ہم سفر کر رہے ہیں اس طرح ایک سال اور اس سے زیادہ بھی لگ سکتا ہے۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''اور ابھی ہم کہاں پر ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''میرا خیال ہے ہم انڈیا یا سری لنکا کے علاقے میں ہیں مگر چونکہ ہم جنگل کے بہت اندرونی طرف ہیں۔ اس لئے ٹھیک اندازہ نہیں ہو رہا۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''اس کا مطلب ہے ابھی ہمارا افریقہ کا سفر شروع ہی نہیں ہوا۔'' میں نے کہا۔

''تم کہہ سکتے ہو۔ یہ دریا ہم کو جنگل سے باہر نکال دے گا اور ہم سمندر میں پہنچ جائیں گے۔ اس کے بعد ہم کسی کشتی یا بڑے بوٹ کے ذریعہ آگے سفر کریں گے اور تنزانیہ جائیں گے۔ وہاں سے پھر ہمارا سفر جنگلات میں ہوگا۔'' رولوکا نے بتایا۔

''تم اور شامو اور تمہارے دوسرے کارندے یہ

افریقہ کے جنگلات سے اسی طرح آئے ہیں۔'' میں نے سوال کیا۔

''میں اور میرے ساتھی اس طرح سفر نہیں کرتے جس طرح میں تمہارے ساتھ سفر کر رہا ہوں۔ میں جب افریقہ کے علاقے میں داخل ہو جاؤں گا تو میرے سفر کرنے کا طریقہ بدل جائے گا اور تم بھی میرے ساتھ میرے طریقہ پر سفر کر سکو گے۔ یہ علاقہ میرا نہیں ہے میں بہت سے عمل یہاں پر نہیں کر سکتا کیونکہ ہو سکتا ہے یہاں پر کسی اور کی عملداری ہو اور وہ میرے عمل کو مداخلت خیال کرے۔ یہ ہماری اخلاقی پابندیاں ہیں اس پر ساری دنیا کے ساحر عمل کرتے ہیں۔ دوسرے تم میرے ساتھ ہو میں کسی قسم کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔''

''آگے تنزانیہ حکومت ہم کو کس طرح قبول کرے گی۔'' میں نے پوچھا۔

''ہمارے سفر کے راستے ایسے ہیں کہ کسی گورنمنٹ سے واسطہ نہیں پڑتا۔'' رولوکا نے کہا۔

''تنزانیہ کے علاوہ بھی ہم کسی دوسرے ملک کے ذریعہ افریقہ کے جنگلات میں داخل ہو سکتے ہیں۔'' میں نے سوال کیا۔

''افریقہ بہت بڑا ہے۔ آبادی کم اور جنگل زیادہ ہے اس کے ہزاروں راستے ہیں۔ جس کو آسان لگتا ہے استعمال کرتا ہے۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''یہ تو بہت آسان ہو گیا۔'' میں نے کہا۔

''کیا آسان ہو گیا؟'' رولوکا نے پوچھا۔

''ہم واپس چلتے ہیں اور پاسپورٹ کے ذریعہ بمبئی کی بندرگاہ سے کسی شپ پر افریقہ کے کسی ملک تک سفر کرتے ہیں اور آسانی سے تمہارے علاقے تک پہنچ جاتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''تمہارے لئے یہ بہت آرام دہ سفر ہوگا لیکن جو کچھ تم دیکھنا چاہتے ہو وہ نہیں دیکھ سکو گے۔'' رولوکا نے کہا۔

''میں صرف تمہارا قبیلہ دیکھنا چاہتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''تو پھر ہم کو واپس جانا ہوگا اور تم وہی طریقہ اختیار کرو گے جیسا کہ تم نے بتایا ہے۔ میں تم کو بتا دوں گا کہ تم کہاں تک شپ کے ذریعہ سفر کرو گے۔ میں بھی تمہارے ساتھ ہوں گا مگر میرا نام مسافروں میں نہیں ہوگا۔''

اتنی محنت سے بنائی گئی کشتی یا تخت کسی استعمال میں نہیں آیا اور ہمارا واپسی کا سفر شروع ہو گیا۔ ہمارا واپسی کا سفر بالکل نئے راستے سے ہوا۔ نئے سے مراد یہ ہے کہ ہم واپس اس راستہ سے نہیں آ رہے تھے۔ جس سے گئے تھے۔ میں نے رولوکا سے پوچھا تو وہ بولا۔

''اب ہم اس راستہ پر ہیں جہاں انسانی آبادیاں ہم کو ملیں گی۔ یہ ذرا لمبا سفر ضرور ہے مگر تم یہاں کے جنگلی لوگوں سے ملاقات کر سکو گے اور کچھ نئی چیزیں دیکھ سکو گے۔''

''اس کا مطلب ہے مجھے تفریح کرانے کی غرض سے تم نے یہ راستہ اختیار کیا ہے۔'' میں نے ہنس کر کہا۔

''یہ بھی ہے! مگر دوسری وجہ یہ ہے کہ میں بھی ان سے ملنا چاہتا تھا۔'' رولوکا نے کہا۔

رات ہونے سے پہلے ہی ہم ایک ایسے علاقے میں پہنچ گئے۔ جو چاروں طرف سے پہاڑوں کے درمیان تھا صرف ایک طرف ایک دروازہ تھا اور وہی اندر آنے کا راستہ تھا۔

پھر ہم اسی راستے سے اس وادی میں داخل ہوئے۔ مگر ہمارے داخل ہوتے ہی درختوں سے اور زمین سے کالے کالے آدمی ہی آدمی ابل پڑے۔ ان کے ہاتھوں میں موٹی موٹی لکڑیاں تھیں اور تقریباً پورے ننگے تھے۔ ان کے قد درمیانہ تھے اور نقوش کچھ کچھ جاپانی طرز کے تھے۔ مگر کسی نے ہم پر حملہ نہیں کیا۔ وہ ہمارے چاروں طرف پھیل گئے اور عجیب سی زبان میں بولنے لگے۔ دس پندرہ منٹ وہ ہم کو گھیرے کھڑے رہے۔ اس کے بعد وہ ایک طرف ہٹ گئے اور کسی آنے والے کے لئے راستہ چھوڑ دیا۔

چند منٹ کے بعد ایک شخص آتا نظر آیا اس کا جسم بھی ننگا تھا صرف ایک لنگوٹی اس کے جسم پر تھی اور ایک پروں کی رنگین ٹوپی اس کے سر پر تھی وہ پوری ٹوپی پروں کی

بنی ہوئی تھی اور اس کے بنانے میں مختلف پرندوں کے پر استعمال ہوئے تھے اسی لئے وہ رنگ برنگی تھی۔

اس کو دیکھ کر رولو کا خچر سے اتر گیا اس کو اترتے دیکھ کر میں اتر پڑا۔ رولو کا نے آگے بڑھ کر اس کو گلے سے لگایا اور پھر میرے بارے میں میری طرف اشارہ کر کے اس کو بتایا اس شخص نے مجھے گلے لگایا اور زور سے کہا۔ ''ہوما......'' اور پھر اس کے سب لوگوں نے زور کا نعرہ مارا ''ہوما......''

رولو کا نے بتایا۔ ''اس کا مطلب ''مہمان'' ہے۔''

گویا ہم دونوں اس قبیلے کے مہمان تھے اور وہ پروں کی ٹوپی والا ان کا سردار تھا۔ اب ہم لوگ جلوس کی شکل میں وادی کے اندر پہنچ چکے تھے درمیان میں ان کے گھر بنے ہوئے تھے مگر وہ گھر ہمارے گھروں جیسے نہیں تھے ان کے گھروں کی شکل بالکل ایسی تھی جیسے گول کٹورا اوندھا رکھ دیا جائے۔ دروازے اتنے بڑے تھے کہ جھک کر اندر جانا پڑتا تھا۔ ان میں کوئی کھڑکی وغیرہ نہیں تھی صرف چند سوراخ ہوا کے لئے بنائے گئے تھے۔

رولو کا نے بتایا۔ ''اس علاقے میں سردی بہت ہوتی ہے۔'' اس لئے موسم کے لحاظ سے یہ مکان بہترین تھے۔ مکانات کے دروازوں پر ان کی عورتیں کھڑی تھیں وہ بھی اپنی ستر پوشی صرف کمر تک کئے ہوئے تھیں اور کچھ بچے بھی ان کے قریب ہی کھڑے تھے۔ یہ لوگ ہاتھ ہلا کر خوش آمدید کہہ رہے تھے۔ مگر میری سمجھ میں صرف ''ہوما......'' آ رہا تھا۔

سردار کا مکان بھی اسی طرز کا تھا مگر یہ مکان زیادہ بڑا تھا اور اس کے چاروں طرف ایک جھاڑیوں کی باؤنڈری بھی تھی یہ جھاڑیاں عجیب طرح کی تھیں ان کے پتے گول تھے اور تین رنگ ان میں صاف نظر آ رہے تھے کچھ ہرے کچھ پیلے اور کچھ سرخ رنگ کے تھے۔ ان رنگوں کی وجہ سے یہ جھاڑیاں بہت دلفریب منظر پیش کر رہی تھیں۔ کچھ حصہ پر جھاڑیاں نہیں تھیں اور یہ مکان میں اندر جانے کا گویا مین گیٹ تھا۔

سارا جلوس اس دروازے کے باہر رک گیا۔ اندر صرف میں، رولو کا، سردار اور اس کے دو محافظ گئے۔ باقی لوگ واپس چلے گئے۔ ایک بڑے کشادہ گول کمرے میں سردار نے فرشی نشست پر ہم کو بٹھا دیا۔ زمین پر کسی جانور کی کھال بچھی ہوئی تھی مگر اس کے نیچے ضرور گھاس وغیرہ بچھائی گئی تھی اس لئے یہ کھال نہایت نرم نرم قالین کی طرح تھی۔ سردار بھی ہمارے ساتھ ہی بیٹھ گیا اور رولو کا سے باتیں کرنے لگا میں چونکہ ان کی زبان نہیں سمجھتا تھا اس لئے خاموش تھا۔ میں زبان منہ میں رکھتے ہوئے یہاں پر گونگا تھا۔ کچھ دیر کے بعد سردار اٹھ کر چلا تو میں نے رولو کا سے پوچھا۔

''تم لوگ کیا باتیں کر رہے تھے؟''

''سردار سخت پریشانی میں مبتلا ہے۔ قریب ہی ایک اور قبیلہ آباد ہے وہ لوگ زیادہ طاقتور ہیں اور تعداد میں بھی زیادہ ہیں۔ ان کے حملے ہوتے رہتے ہیں وہ لوگ ان کی عورتوں کو لے جاتے ہیں یہاں پر عورت بہت بڑا سرمایہ ہے کیونکہ وہ بچے پیدا کرتی ہے نفری بڑھاتی ہے جس قبیلے میں عورتیں زیادہ ہوں گی وہاں پر بچوں کی پیدا وار زیادہ ہوگی اور نفری زیادہ ہوگی اس طرح وہ قبیلہ زیادہ طاقتور ہوگا۔''

''تو اب یہ لوگ کیا کریں گے؟'' میں نے پوچھا۔

''کریں گے کیا جنگ کریں گے۔ اس کے علاوہ ان کے پاس کوئی اور راستہ نہیں ہے۔'' رولو کا نے بتایا۔

''تم سے وہ کیا چاہتے ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''وہ مجھ سے مدد چاہتے ہیں۔'' رولو کا نے بتایا۔

''تو تم ان کی مدد کرو گے۔'' میں نے پوچھا۔

''میں پہلے اصل حالات معلوم کروں گا۔ دیکھنا یہ پڑے کہ ظلم کون کر رہا ہے۔ جو مظلوم ہوگا اس کے لئے کچھ کریں گے۔'' رولو کا نے جواب دیا۔

''تم یہ کس طرح پتہ کرو گے؟'' میں نے پھر سوال کیا۔

''اس کا ایک ہی طریقہ ہے۔ میں اس قبیلے میں جاؤں جو، ان پر حملہ کرنے والا ہے اور حالات پتہ کروں۔'' رولو کا نے بتایا۔

"وہ لوگ تم کو آنے دیں گے؟" میں نے پوچھا۔

"میں یہاں کے سب سرداروں سے واقف ہوں۔" رولوکا نے جواب دیا۔

"تو تم کب جاؤ گے؟" میں نے پوچھا۔

"مجھے یہ کام آج رات ہی کرنا ہے۔ ذرا سی دیر بھی بہت سی جانیں لے لے گی۔" رولوکا نے کہا۔

"اور تمہاری واپسی کب ہوگی؟" میں نے کہا۔

"ہوسکتا ہے کل شام تک واپس آ جاؤں اور دیر بھی ہوسکتی ہے۔ حالات تو جا کر ہی پتہ چلیں گے۔" رولوکا نے جواب دیا۔

ابھی میں بول نہیں پایا تھا کہ سردار تین عورتوں کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ عورتیں عجیب سے برتنوں میں کھانے کا سامان اٹھائے ہوئے تھیں اور ان پر بھاپ اڑ رہی تھی۔ میں نے ان کو دیکھ کر رولوکا سے پوچھا۔ "یہ لوگ گوشت خور ہیں؟"

"ہاں۔ یہاں پر سب لوگ گوشت خور ہیں۔ مگر آدم خور نہیں ہیں۔" رولوکا نے جواب دیا۔

"مگر میں صرف سبزی ہی استعمال کرسکتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"گوشت تو تم کھاتے ہو۔" رولوکا نے کہا۔

"تم نے دیکھا تھا کہ میں اپنے مذہب کے طریقہ پر جانور کو ذبح کرتا ہوں پھر کھاتا ہوں دوسرے کچھ جانور ہمارے لئے حلال ہیں اور کچھ حرام ہیں کاٹنے کے بعد مجھے کس طرح اندازہ ہوگا یہ حرام ہے یا حلال۔" میں نے وضاحت کی۔

"اس کے بارے میں پھر کبھی بات کریں گے ابھی تم صرف پھل وغیرہ استعمال کرنا۔" رولوکا نے کہا۔

اور ہم لوگ کھانا کھانے لگے سردار نے بھی ہمارے ساتھ ہی کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد رولوکا نے کہا۔

"تم یہاں پر آرام کرو یہ سردار کی بیویاں ہیں کسی بھی ضرورت کے لئے یہ حاضر رہیں گی۔ رات میں باہر نہ جانا اب میں جا رہا ہوں۔" اور وہ سردار کے ساتھ باہر چلا گیا۔

اس کے جاتے ہی سردار کی بیویاں بھی چلی گئیں اور میں وہیں زمین پر پڑے قالین پر لیٹ گیا۔ ابھی سونے نہیں پایا تھا کہ مجھے محسوس ہوا جیسے کوئی میرے پیروں کے پاس بیٹھا ہے۔ اندھیرا تھا۔ مگر میں نے پہچان لیا وہ سردار کی ایک بیوی تھی۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور غور سے اس کو دیکھا۔ وہ رات میں بھی حسین نظر آ رہی تھی۔ اس کے جسمانی خطوط اس قدر ہیجان انگیز تھے کہ مجھے خود پر قابو پانا مشکل ہورہا تھا۔ میں بہت زیادہ مذہبی آدمی نہیں ہوں۔ مگر اب تک زندگی میں بیوی کے سوا کسی عورت سے نہیں ملا، میرا رجحان کبھی عورت کی طرف نہیں رہا۔ میں نے اس سے اشاروں میں پوچھا وہ کیوں آئی ہے اس نے ہاتھوں اور سر کی جنبش سے بتایا وہ خدمت کرنے آئی ہے۔

میں نے اس کو واپس جانے کا اشارہ کیا۔ کئی دفعہ کے اشارے کے بعد وہ بڑی اداسی سے اٹھی اور چلی گئی۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور پھر لیٹ گیا اور بے خبر سو گیا۔

صبح تک پھر کوئی نہیں آیا۔ رولوکا اب تک نہیں آیا تھا۔ صبح میں نے صرف پھل کھائے۔ پھر دوپہر ہوگئی۔ رولوکا نہیں آیا رات کو دس بجے رولوکا آ گیا اور سردار کو ساتھ لیکر میرے پاس پہنچا۔ وہ دونوں ایک گھنٹہ تک باتیں کرتے رہے اور پھر سردار چلا گیا۔ تو میں نے پوچھا۔

"کیا معاملہ ہے؟"

"معاملہ بڑا عجیب ہے۔" رولوکا نے کہا۔

"گونو قبیلے کے سردار کا کہنا ہے کہ اس قبیلے والوں نے اس کی کچھ عورتیں اغوا کی ہوئی ہیں اور یہ ان سے خوب بچے پیدا کروا رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں وہ عورتیں اور سب جو انہوں نے پیدا کئے ہیں ان کو واپس دلائی جائیں۔ دوسری صورت میں وہ حملہ ضرور کریں گے۔"

"کتنی عورتیں بتاتے ہیں۔" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"دس عورتیں اور ان کے پندرہ لڑکے اور چھ لڑکیاں بتاتے ہیں۔" رولوکا نے کہا۔

"اور یہ سردار کیا کہتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"یہ کہتا ہے صرف تین عورتیں اور چھ بچے ہیں۔" رولوکا نے کہا۔

"گونو قبیلہ یہاں سے کتنی دور ہے۔" میں نے پوچھا۔

"زیادہ دور نہیں ہے۔ دو تین گھنٹے کی مسافت پر ہے۔ مگر راستہ بہت خطرناک ہے سارا راستہ دلدلی ہے اور زہریلی جھاڑیوں سے اٹا پڑا ہے۔" رولوکا نے بتایا۔

"تم کو درست کون سا لگتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"میں نے اندازہ لگایا ہے گونو والے حملہ کرنے کا بہانہ تلاش کر رہے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ قبیلہ کمزور ہے یہاں کی سب عورتیں ان کو مل جائیں گی۔" رولوکا نے کہا۔

"تو پھر ہم کو ان کی مدد کرنا چاہئے۔" میں نے کہا۔

"ہاں! میں نے فیصلہ کر لیا ہے میں ان کی مدد کروں گا۔" رولوکا نے کہا۔

"مدد کرنے کا کیا پلان تم نے بتایا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"سردار کو میں نے بتا دیا ہے کہ اپنے سارے آدمی لگا کر اندر آنے والے راستہ پر ایک گہری خندق کھود لیں اور اس پر ایک لکڑیوں کی عارضی گزرگاہ بنا لیں ضرورت کے بعد اس خندق سے اس گزرگاہ یعنی پل کو اٹھا دیا کریں اس طرح باہر سے آنے والا اندر نہیں آئے۔ تین طرف اونچے پہاڑ ہیں وہاں سے گزر کر آنا بہت مشکل ہو گیا پہلے راستہ بند کیا جائے۔" رولوکا نے بتایا۔

"طریقہ تو اچھا ہے۔" میں نے کہا۔

دوسرے دن سردار نے بہت تیزی کے ساتھ ایک خندق تیار کر دی اور موٹے موٹے لکڑی کے لٹھوں کا ایک پل بھی تیار کر لیا وہ بھی رولوکا نے ڈیزائن کیا وقت ضرورت اس کو اٹھانے کے لئے چھالوں کے موٹے رسے باندھ دیئے تھے اور ان کو ایک درخت سے باندھ دیا گیا۔ شام تک یہ کام ختم ہو گیا۔ میں نے اندازہ کیا کہ یہ لوگ کتنے جفاکش اور طاقتور ہیں اور پھر رولوکا ان کے ساتھ تھا ان کے حوصلے بہت بلند ہو گئے تھے۔

میں انسانی فطرت پر غور کرنے لگا۔ انسان شہر کا ہو، خود کو مہذب کہتا ہو، دنیاوی علوم کا ماہر ہو، مگر ہوس پرست ملک گیری اور دولت کا بھوکا ہوتا ہے۔ یہاں کی دولت عورت ہے زمین ہے وہ اس کو ہی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ شہر کا انسان سونا چاندی اور اقتدار کرسی حاصل کرنا چاہتا ہے دونوں جگہوں پر جذبہ ایک ہی ہے۔ پھر اس وحشی جنگلی اور شہر کے مہذب انسان میں کیا فرق رہ گیا ہے۔ یہاں بھی عورت کے لئے جنگ ہے وہاں بھی عورت ہی لڑائی کی وجہ ہوتی ہے، میرے خیالات کا سلسلہ اور نہ جانے کہاں تک جاتا کہ مجھے رات والی بات یاد آ گئی اور میں نے رولوکا کو بتائی تو وہ بولا۔

"وہ عورت خود کو کبھی معاف نہیں کرے گی کہ وہ مہمان کی خدمت نہ کر سکی اور اگر یہ بات سردار کو پتہ چل گئی تو وہ اس کو سخت سزا دے گا یہ اچھا نہیں ہوا۔" رولوکا نے کہا۔

"مگر میں کیا کرتا۔" میں نے پوچھا۔

"تم نے اپنے ماحول اور مذہب کے حساب سے جو کچھ کیا، میں اس کو برا نہیں کہتا مگر ہر جگہ کے کچھ اپنے قاعدے ہوتے ہیں تم جن کو بہت معیوب اور برا کہتے ہو وہ دوسری جگہ بہت اچھے ہوتے ہیں۔" رولوکا نے جواب دیا۔

"سردار کو کس طرح پتہ چلے گا کہ میں نے اس کو واپس بھیج دیا تھا۔" میں نے پوچھا۔

"سردار خود پتہ کر سکتا ہے اگر وہ چاہے تو۔" رولوکا نے جواب دیا۔

"تم سردارر کو میرے بارے میں پہلے ہی بتا دو تو زیادہ بہتر ہے۔" میں نے کہا۔ رولوکا چند منٹ خاموشی سے بیٹھا رہا۔ پھر بولا۔

"اچھا خیر جو ہوا سو ہوا میں ٹھیک کر لوں گا سب کچھ، حالانکہ سردار کی اس سے بڑی بے عزتی کوئی اور ہو ہی نہیں سکتی کہ تم نے اس کی سب سے حسین بیوی کو ٹھکرا دیا۔ میں موقع محل دیکھ کر بات کر لوں گا۔"

''دیکھو دوست میں دوسری دنیا کا آدمی ہوں۔ ہمارے پاس جو برائی ہے۔ میں اس کو برا ہی کہوں گا چاہے وہ زمین کے کسی حصے میں ہو میں اس کو ختم کرنے کی بھی اپنی سی کوشش کروں اس کے لئے مجھے سچائی کو سامنے لانا ہوگا۔ جب ہی دونوں میں فرق پتہ چلے گا۔'' میں نے کہا۔

''میں تمہارے رویے اور عمل کو غلط تو نہیں کہہ رہا۔ میں نے تم سے پہلے کہا تھا۔ ہر جگہ کے اپنے طور طریقے ہیں۔ مگر تم فکر نہ کرو میں ٹھیک کرلوں گا۔'' رولوکا نے کہا۔

''میں نے تمہارا کام بڑھا دیا ہے۔'' میں نے کہا۔

''کام کتنا بھی بڑھ جائے میں رولوکا ہوں۔ میرا کام ہی کام کرنا ہے۔ تم آرام کرو...... اور ہاں میں نے کہہ دیا ہے وہ زندہ مرغیاں تمہارے پاس لائیں گے تم خود جس طرح چاہو ان کا گوشت بنانا۔''

تین روز تک سکون رہا۔ حملہ نہیں ہوا۔ تین روز کے بعد رات کو وادی کے دروازے پر حملہ ہوگیا۔ مگر خندق اتنی گہری درمیان میں تھی کہ وہ لوگ اندر نہ آسکے اور اپنا کچھ نقصان کرنے کے بعد واپس چلے گئے۔ اس طرح مسلسل ہر رات وہ حملے کرتے رہے مگر کامیاب نہیں ہوئے۔

سردار اور یہاں کے باشندے بہت خوش تھے۔ وہ کسی سے نہیں لڑ رہے تھے۔ مگر پھر بھی کامیاب تھے۔ گونو قبیلے کا بہت نقصان ہوا۔ دلدلی علاقہ سے آنے میں نقصان ہوا۔ خندق میں گر کر جو مرے وہ نقصان ہوا اور اس نقصان کے بدلے ان کو سوائے پریشانی کے کچھ نہ ملا۔ ان کی طاقت کا غرور ان کو لے ڈوبا۔ رولوکا نے گونو سردار سے ملاقات کی اور اس نے مجھے بتایا۔

''گونو سردار کو اپنی بے عزتی کا احساس تھا اس کے چہرے کے نقوش بگڑے ہوئے تھے۔ مگر بہت مضبوط اعصاب کا آدمی تھا۔ میرے سامنے اس نے اپنی کیفیت پر قابو رکھا تھا۔ اس نے چہرے سے اپنی اندرونی حالت کا انداز نہیں ہونے دیا تھا۔ مگر میں جانتا ہوں وہ میرے بارے میں کیا سوچتا رہا اگر وہ مجھے نہ جانتا ہوتا تو شاید میرے خلاف کوئی قدم اٹھا لیتا۔ میں نے اس کو بتا دیا کہ طاقت تو گینڈے اور ہاتھی میں بھی بہت ہے مگر وہ میرا کہنا مانتے ہیں۔ میرے حکم پر چلتے ہیں۔ تم کتنا بھی بڑا کام کرلو تمہاری ذاتی طاقت ہاتھی جتنی نہیں ہوگی۔ میں تم کو کسی اور ذریعہ سے بھی اس لڑائی سے روک سکتا تھا۔ مگر میں نے تم کو تمہاری طاقت استعمال کرنے کی آزادی دی اور ان کو اپنے بچاؤ کا طریقہ بتایا۔ تم طاقت کے غرور میں بھول گئے کہ انسان کے اندر جسمانی طاقت کے ساتھ ساتھ ایک طاقت اور ہوتی ہے وہ ہوتی ہے عقل کی طاقت! انسان کمزور ہے ہاتھی اور گینڈے کے مقابلے میں شیر کی بھی بہت طاقت ہے مگر یہی کمزور انسان ان سب کو اپنے اشارے پر نچاتا ہے گونو سردار شرمندہ ہوگیا اور اس نے کمزور قبائل پر حملہ نہ کرنے کا وعدہ کرلیا۔ میرا مقصد بھی یہی تھا جو پورا ہوا۔''

''تمہاری نیت اور کام بہت اچھا ہے مجھے خوش ہونا چاہئے کہ میرا دوست رولوکا ہے۔'' میں نے کہا۔

''خوب خوش ہو میرے دوست، میں نے سردار کی بیوی والا معاملہ بھی صاف کردیا ہے اب سردار تم سے ناخوش نہیں ہوگا۔'' رولوکا نے کہا۔

''تو اب کب تک چلنے کا ارادہ ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''بس دو چار روز رکیں گے ذرا یہاں کے انتظامی معاملات درست کرنا ہیں پھر چلتے ہیں۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''انتظامی معاملات سے کیا مراد ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''یہاں کی زمین بڑی زرخیز ہے۔ مگر یہ لوگ اس کا استعمال نہیں جانتے۔'' رولوکا نے بتایا۔

''تم کیا کرو گے اس میں؟'' میں نے کہا۔

''میں نے سردار کو یہ باور کرانا ہے کہ سب لوگ انفرادی طور پر کام کریں سب کو برابر زمین کا ٹکڑا دے دیا جائے اور ان میں پیداواری سلسلے میں مقابلے کی فضا پیدا کی جائے اور سب پیداوار کو ایک جگہ جمع کر کے سردار سب

کو ضرورت کے مطابق تقسیم کرے اور جو بچ رہے تو برے وقت کے لئے رکھ لی جائے۔ اس طرح ایک تو ہر شخص کو کام مل جائے گا۔ دوسرے پیداوار میں اضافہ ہوگا۔“ رولوکا نے جواب دیا۔

”تم یہ بتاؤ۔ تم کس کام کے ماہر ہو کام تم کرتے ہو اور خوب کرتے ہو۔“ میں نے کہا۔

”دیکھو دوست! میرے باپ اور دادا نے مجھے بہت ہنر دیا ہے اس میں ایک ہنر یہ بھی ہے کہ میں نسل انسانی کو نقصان نہ پہنچاؤ ان کے لئے جو کر سکتا ہوں کروں۔ خواہ وہ نسل انسانی دنیا کے کسی خطہ سے تعلق رکھتی ہو تم نے اب تک دیکھا ہوگا کہ میں نے کبھی حملہ کرنے میں پہل نہیں کی۔ حملہ ہوا تو اس کا دفاع ضرور کیا ہے۔ میں اپنی عادت یا خاندانی روایت کے مطابق کام کرتا ہوں۔ تمہاری بعض باتیں مجھے پسند آئیں اور میں تمہارے ساتھ ہوں۔ افریقہ اور ہندوستان کے جنگلات کے بڑے بڑے سردار یہ خواہش رکھتے ہیں کہ میں ان کے ساتھ رہوں گا۔ مگر میں اب کسی ایک کا نہیں ہوں اور نہ ہی میں کوئی کسی جادوئی جاپ کا موکل ہوں کہ کوئی مجھ پر زبردستی قبضہ کرے گا اور میری مرضی کے خلاف کام کروائے گا۔“ رولوکا نے کہا۔

”مگر تم کام تو موکل کی طرح کے کرتے ہو۔“ میں نے کہا۔

”یہ تم میری عزت بڑھانے کو کہہ رہے ہو۔“ رولوکا نے کہا۔

”نہیں یہ حقیقت ہے۔ جادوئی موکل جو کام کرتے ہیں وہ سب کام شیطانی ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کے آقا ان سے غلط کام ہی لیتے ہیں۔ مگر تمہارے کام نیک ہوتے ہیں اور خدا کی مخلوق کو فائدہ پہنچانے والے ہوتے ہیں۔ تم میرے موکل ہو مجھے تم پر فخر ہے۔“ میں نے جذباتی لہجے میں کہا۔

”ہاں میں تمہارا موکل ہوں۔ تم جب یاد کرو گے مجھے حاضر پاؤ گے۔“ رولوکا نے کہا۔

”دن بدن رولوکا کی شخصیت میرے سامنے عیاں ہو رہی تھی۔ افریقہ کے پس ماندہ وحشی قبائل میں رولوکا جیسا شخص پیدا ہونا حیرت کی بات ضرور تھی مگر خدا کی قدرت اور فیاضی تو سب کے لئے ہے۔ اس کا بندہ افریقہ میں ہو، کالا ہو، گورا ہو، یورپ میں ہو یا ہندوستان میں سب اس ہی کے بندے ہیں۔ جو اس کو مانتا ہے۔ اس کو بھی وہ پالتا ہے نوازتا ہے اور جو اس سے منکر ہے اس کا بھی وہ خیال رکھتا ہے مجھے اب تک یہ اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ رولوکا کیا مذہب ہے اور ہے بھی کہ نہیں۔ مگر اس کے خیالات اور عملی کام دیکھ کر یہ اندازہ ضرور ہو گیا تھا کہ وہ انسان دوست ہے میں نے کئی دفعہ یہ سوال رولوکا سے کرنے کی کوشش کی مگر ہمت نہ ہو سکی جس کی وجہ یہ تھی کہ کہیں اس کی دل شکنی نہ ہو جائے۔ وہ مجھے متعصب نہ سمجھنے لگے مگر میرے دل میں یہ سوال ضرور تھا۔“

رولوکا نے چند روز کا کہا تھا مگر ایک مہینہ رکنا پڑا۔ رولوکا نے سب کو کام پر لگا دیا۔ اور ہم آگے روانہ ہوئے۔ پورا قبیلہ ہم کو رخصت کرنے آیا۔

”تم نے دیکھا وقار احمد، دنیا کے ہر انسان کے جذبات ایک ہی ہیں۔ محبت کی کوئی زبان نہیں ہوتی اس کا اظہار گونگے بھی کرتے ہیں اور سب اس کی بات سمجھ جاتے ہیں۔ کسی لفظ کے بغیر پوری بات کسی سمجھ میں آجاتی ہے۔“ رولوکا نے کہا۔

رولوکا جب بہت موڈ میں ہوتا تھا تو مجھے میرے نام سے مخاطب کرتا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ رولوکا بہت خوش ہے۔ اس کا مشن کامیاب ہو چکا ہے۔ ”محبت تو لافانی جذبہ ہے جو انسان اور حیوان دونوں میں پایا جاتا ہے۔“ میں نے کہا۔

”تم نے درست کہا۔ اگر انسان میں سے اس جذبے کو نکال دیا جائے تو باقی کیا رہ جاتا ہے۔ انسان درخت کی مانند ہو جائے پہاڑ کے پتھر جیسا ہو جائے گا وہ جانوروں کے درجے سے بھی نیچے چلا جائے گا کیونکہ جانوروں میں بھی محبت کا جذبہ تو ہے۔ وہی جذبہ ان کی نسل کو آگے بڑھاتا ہے۔ وہی جذبہ انسانوں کے حکم

مانے پر مجبور کرتا ہے۔ کوئی درندہ اس جذبے سے عاری نہیں ہے۔"

"مگر یہ لڑائیاں جھگڑے، یہ تیرا ہے یہ میرا ہے۔ میں بڑا ہوں مجھے خدا کہو۔ یہ سب کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"انسانوں کے درمیان ایک اور شخصیت بھی ہر وقت رہتی ہے۔ اس کو تم جانتے ہو۔" رولوکا نے پوچھا۔

"ہاں خوب جانتا ہوں اور وہ شخصیت شیطان کی ہے۔" میں نے کہا۔

"دنیا کا سب سے خطرناک ہتھیار طاقت ہوتی ہے۔ اس ہتھیار کو حاصل کرنے والا اس کو استعمال کرنے کی کوشش کرتا ہے اور راہ سے بھٹکانے والا اس کو مجبور کرتا ہے کہ وہ اپنی طاقت کا اظہار کرے۔ جو لوگ اس ہتھیار کو استعمال کر لیتے ہیں وہ بھٹک جاتے ہیں اور جو استعمال نہیں کرتے وہی بہادر ہوتے ہیں۔" رولوکا نے کہا۔

"بہت اچھی بات تم نے بتائی۔" میں نے کہا۔

"میں کیا کر رہا ہوں، ٹھیک کر رہا ہوں، غلط کر رہا ہوں، مجھے پتہ چل جاتا ہے۔ میرے اندر ایک ترازو ہے جو میرے کردار کو قول و فعل کو ہر وقت تولتا رہتا ہے اور مجھے فوراً جواب مل جاتا ہے۔" رولوکا نے کہا۔

"ہر انسان میں یہ ترازو ہے۔ اس کو ہم ضمیر کہتے ہیں۔" میں نے کہا۔

"نام تو کچھ بھی رکھ لیں اس سے کیا فرق پڑے گا۔ اصل بات یہ ہے کہ اس راہ نما سے راہ نمائی کون حاصل کرتا ہے اور جو لوگ اپنے ضمیر کی آواز پر کان رکھتے ہیں وہ گمراہ نہیں ہوتے۔" رولوکا نے کہا۔

"ایک بات میں تم سے پوچھنا چاہتا تھا مگر پوچھ نہیں سکا ہوں۔" میں نے کہا۔

"مجھے کچھ کچھ اندازہ ہے کہ تم کیا پوچھنا چاہتے ہو۔" رولوکا نے مسکرا کر کہا۔

"تو پھر میرے نہ پوچھنے کی وجہ بھی ضرور جانتے ہو گے۔" میں نے پھر کہا۔

"ہاں وہ بھی کچھ کچھ جانتا ہوں۔" رولوکا خوشگوار موڈ میں بولا۔

"میں اب تک یہ اندازہ نہیں کر سکا کہ تم کس مذہب کے پیروکار ہو۔" میں نے کہا۔

"یہ سوال تمہارے لئے جتنا ضروری ہے میرے لئے اتنا ہی غیر ضروری ہے۔ اس کائنات کو پیدا کرنے والے نے دنیا کی ہر چیز پیدا کی ہے۔ انسان کو اس نے سب پر افضل بنا کر پیدا کیا ہے اس کو عقل دی ہے شعور دیا ہے۔ جس نے یہ دنیا کو بنایا ہے۔ یہ پہاڑ، سمندر، دریا، درخت مگر ہم کو اس کے وسائل نظر نہیں آتے وہ وسائل کے بغیر حاکم ہے۔ انسان پیدا ہوتا ہے تو وہ لامذہب ہوتا ہے۔ وہ ایک مٹی ہوتا ہے دنیا والے اس کو اپنے حساب سے ڈھال لیتے ہیں۔ تو ثابت ہوا کہ پہلے انسان ہے اس کے بعد مذہب کا نمبر آتا ہے۔ انسان کی فطرت میں برائی نہیں ہے وہ اپنی برتری عقل کی وجہ سے سب مخلوق پر قائم کرتا ہے۔ اگر وہ اپنے فطری میلان کو پورا کرنے کو اپنی عقل استعمال کرتا ہے تو کبھی گمراہ نہیں ہوتا۔ گمراہ اس کو شیطان کرتا ہے وہ اس کو اپنی عقل استعمال نہیں کرنے دیتا۔ وہ اس کو ایسے ایسے خواب دکھاتا ہے کہ انسان اس کے فریب میں آ جاتا ہے۔ اب رہا میرا کس مذہب سے تعلق ہے۔ تو میں تم کو بتا دوں کہ میں صرف ایک انسان ہوں۔ اگر بحیثیت انسان میں اپنی ڈیوٹی پوری کر لوں یہ بہت بڑی بات ہے۔ میرے بزرگوں نے بڑی لمبی لمبی عمریں پائی ہیں۔ مگر میں نے کسی کو کسی بھی دنیا کی ہر چیز کو سجدہ کرتے نہیں دیکھا میرے دادا نے کہا تھا۔ عقل انسان کو سیدھی راہ بھی دکھاتی ہے اور الٹی بھی دکھاتی ہے۔ انسان نے جب سے اس حسین کائنات میں قدم رکھا ہے عقل اس کی دوست بھی ہے اور دشمن بھی۔ اگر اس نے عقل سے اس دنیا کے بنانے والے کو جانا ہے تو عقل کے بل بوتے پر اس سے انکار بھی کیا ہے۔ انسان مادہ کی ہیئت جاننے کی کوشش میں لگا ہوا ہے اور خود بھی مادہ پرست بن گیا ہے اور آج کا انسان تو پورا مادہ پرست ہے۔

میں کسی بت کو نہیں مانتا سورج، چاند، سمندر خود سے نہیں ہیں۔ ان کو کوئی چلا رہا ہے۔ آسمان سے بارش اور یہ جنگلات کا کوئی رکھوالا ہے۔ میں صرف اس کو مانتا ہوں۔ میرے بزرگ بھی اسی کو مانتے تھے اس کو تم خدا کہہ لو، یا کچھ اور، اس کی حیثیت میں فرق نہیں پڑتا۔'' رولوکا نے تفصیل بتائی۔

رولوکا کی بات نہایت جامع اور مدلل تھی۔ اس نے مادیت اور روحانیت دونوں کو اجاگر کیا تھا خود کو اس نے مسلمان تو نہیں کہا تھا۔ مگر اس کا اقرار ضرور کیا تھا کہ وہ خدائے واحد کو مانتا ہے اور کسی بت وغیرہ کو نہیں پوجتا۔ میرے لئے بس اتنا ہی کافی تھا۔ اب مجھے مزید کریدنے کی ضرورت نہیں تھی۔

''اور کوئی سوال ہے میرے متعلق؟'' رولوکا نے پوچھا۔

''میرا ذہن بہت حد تک صاف ہو چکا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''انسانی عقل، انسان کو چین سے نہیں رہنے دیتی۔ آئندہ بھی بہت سے سوالات تمہارے ذہن میں پیدا ہوں گے اور میں ان کے جوابات تم کو دیتا رہوں گا۔ اس میں تم قصوروار نہیں ہو گے۔ یہ انسانی فطرت ہے عادت بدلی جا سکتی ہے۔ فطرت کو نہیں بدلا جا سکتا۔ انسان اپنی عقل استعمال کرتا اور مادہ کی حقیقت پر غور کرتا۔ اس کا موجد جو بھی ہے وہی اس کائنات کا مالک و مختار ہے۔ تم اس کو اللہ کہو یا کوئی اور نام دو اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا مگر اس کو تسلیم تو کرو۔'' رولوکا نے کہا۔

''میں تمہاری کسی بات کو جھٹلا نہیں سکتا۔ تمہارا تجربہ اور مشاہدہ مجھ سے بہت زیادہ ہے۔ میں یہ مانتا ہوں۔ تمہارے ساتھ رہ کر میں نے وہ تجربہ اور معلومات حاصل کی ہیں کہ شاید شہر میں حاصل نہ کر سکتا۔'' میں نے کہا۔

''یہ دنیا بہت بڑی ہے اور یہ کائنات اس کی وسعت کا تو ہم اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ ہماری حیثیت اس میں ایک ذرے کے برابر نہیں ہے میں خود کو ایک ذرے کے برابر حیثیت نہیں دیتا میں صرف اپنی ڈیوٹی پوری کرتا ہوں۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''یہی تمہاری بڑائی ہے۔ میں یہ اس لئے نہیں کہہ رہا کہ تم میرے دوست ہو، یہ میرے اندر کی آواز ہے۔'' میں نے کہا۔

''اچھا یہ بتاؤ جسم کے اندر ایک پیٹ بھی ہے۔ وہ کچھ مانگ رہا ہے۔'' رولوکا نے ہنس کر کہا۔

''وقت کا اندازہ نہیں ہوا دوپہر ہو گئی۔'' میں نے کہا۔

''تم یہیں پر میرا انتظار کرو۔ میں بندوبست کرتا ہوں۔'' اور رولوکا جنگل کے اندر دوڑ گیا۔ میں جس جگہ رکا تھا اس کے بائیں طرف ایک گہرا نالا تھا اس کے اندر درخت اور جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں دائیں طرف میدانی علاقہ تھا۔ مگر بہت گھنا جنگل یہاں بھی تھا۔ درختوں پر پرندوں کی آوازیں آ رہی تھیں اور زمین پر بڑی بڑی گھاس موجود تھی۔ اس گھاس میں رینگتے حشرات الارض بھی محسوس ہو رہے تھے جنگل ایک نظر میں بہت خوش نما معلوم ہوتے ہیں مگر انسانی جان کے دشمن بھی قدم قدم پر موجود ہوتے ہیں۔ خوف انسانی فطرت کا حصہ ہے۔ مجھ پر بھی ذرا سا خوف طاری ہوا مگر رولوکا کا نام ذہن میں آتے ہی میں مطمئن ہو گیا جیسے میں انارکلی بازار کی کسی دکان کے سامنے رولوکا کا انتظار کر رہا ہوں۔ رولوکا نے زیادہ دیر نہیں لگائی اور دو تگڑی تگڑی مرغیاں لٹکائے واپس آ گیا۔ میں نے دوڑ کر اس سے یہ لیں اور ذبح کر دیا رولوکا نے آگ جلالی اور گوشت روسٹ ہونے لگا۔ کھانے کے بعد رولوکا نے کہا۔

''شام تک ہم ایک ایسی بستی پہنچ جائیں گے کہ تم دیکھ کر خوش ہو گے اور واقعی شام کو ہم اسی نالے کے کنارے کنارے سفر کرتے ایک بستی میں پہنچ گئے۔ اس بستی کے گھروں کا طریقہ تعمیر وہی تھا اور طرز رہائش بھی وہی نظر آتا تھا۔ مگر یہ لوگ کچھ قد آور تھے اور اکھڑ نظر آتے تھے۔ ان کے جسم مضبوط تھے اور رنگ کالے تھے۔ رولوکا نے بتایا۔ ہربانی قبیلہ ہے۔ رولوکا کو یہاں پر فوراً پہچان لیا گیا تھا اور ہم

لو بڑے احترام سے سردار کے پاس پہنچا دیا گیا۔

سردار ایک بہت قد آور اور موٹا آدمی تھا اس کا چہرہ پورا رنگین تھا اور پورا جسم ننگا تھا اور اس پر بھی رنگین نقش نگار بنائے ہوئے تھے۔ اس کے گلے میں ہڈیوں کی مالا پڑی ہوئی تھی۔ اس مالا میں ہر سائز کی ہڈیاں تھیں۔

رولوکا نے بتایا۔ "یہ ہڈیاں اس کے دشمنوں کی ہیں اس نے اپنے جتنے دشمن ہلاک کئے ہیں ان سب کی کسی نہ کسی جگہ کی ہڈی اس کی مالا میں موجود ہے۔ یہ مالا ایک طرح سے اس کا یہ سرٹیفکیٹ ہے کہ وہ کتنا بہادر ہے سردار کا نام "گولو" تھا وہ نہایت ظالم اور سفاک نظر آتا تھا۔ مگر رولوکا کے سامنے وہ بکری کی طرح بیٹھا تھا۔

رولوکا اس سے باتیں کر رہا تھا۔ سردار گردن ہلا رہا تھا میں نے محسوس کیا کہ بعض دفعہ رولوکا تیز آواز میں گولو سردار کو ڈانٹ بھی رہا تھا مگر گولو شرمندہ سا بیٹھا تھا۔ یہ سلسلہ دو گھنٹہ چلتا رہا اور پھر گولو سردار اٹھ کر چلا گیا۔

میں نے پوچھا۔ "کیا معاملہ تھا؟"

"یہ بہت آرام پسند ہو گیا ہے۔ صرف جنگل کی خوراک پر سب کو رکھا ہوا ہے۔ خود سے خوراک پیدا ہی نہیں کرتا۔ جبکہ زمین ہے پانی ہے اور افرادی قوت بھی اس کے پاس ہے۔ پندرہ عورتیں رکھی ہوئی ہیں۔ دن بھر گوشت کھاتا ہے اور بچے پیدا کرتا ہے۔ نہ خود کچھ کرتا ہے نہ اپنے قبیلے والوں کو کچھ کرنے دیتا ہے۔ شکار پر کب تک گاڑی چلے گی ہزاروں جانور یہ لوگ کھا چکے ہیں۔ میں نے اس سے کہہ دیا ہے کہ تو سرداری کے قابل نہیں ہے۔ رسم کے مطابق وہ اعلان کر دے کہ جو امیدوار سرداری کے ہیں وہ میرے پاس آئیں اور پھر مقابلہ کریں جو کامیاب ہو گا وہ سردار بن جائے گا۔"

میں نے حیرانی سے پوچھا۔ "مگر یہ سب تم کو کس حیثیت سے تسلیم کرتے ہیں۔"

"میرا نام رولوکا ہے۔ یہ جانتے ہیں کہ رولوکا کیا کر سکتا ہے رولوکا کا فیصلہ ان کے لئے ہمیشہ فائدہ مند ہوتا ہے سرداری تو معمولی بات ہے اگر میں گولو کو کہتا کہ وہ پہاڑ سے کود جائے تو منع نہیں کرتا کیونکہ اس کو یہ یقین ہے کہ میں اس کے فائدے ہی کی بات کروں گا۔ یہی وہ اعتماد ہے کہ یہ میرا کہا آنکھ بند کر کے مانتے ہیں اور جو نہیں مانتے ان سے میں منوا لیتا ہوں۔" رولوکا نے کہا۔

رات کو ہی وہ سارے امیدوار جمع ہو گئے۔ رولوکا نے بہت تھوڑے الفاظ میں اپنا مدعا ان کو بتا دیا اور سب کو صبح آنے کا کہہ دیا۔ دوسرے روز سردار کے گھر کے سامنے میدان میں سب لوگ آنے لگے اور دس بجے تک پورا قبیلہ آ گیا۔ عورتیں اور بچے بھی آ گئے۔ ایک اونچا سا چبوترا بنا ہوا تھا میں رولوکا اور گولو سردار اس کے اوپر تھے۔

رولوکا نے پھر ایک مختصر تقریر کی اور اپنی جگہ بیٹھ گیا۔

ایک جوان آگے بڑھا اور کھڑا ہو گیا۔ رولوکا نے اس سے کچھ پوچھا۔ چند منٹ باتیں کیں اور وہ جوان چلا گیا اس طرح تین جوان اور آگے آئے رولوکا ان سے سوالات کرتا رہا اور وہ واپس جاتے رہے۔ دوپہر کے بعد مقابلے کا اعلان کر دیا گیا۔

مجھے رولوکا بتا رہا تھا مگر مقابلہ کس طرح ہو گا اس کا مجھے اندازہ نہیں تھا۔ دوپہر دو بجے مقابلہ شروع ہوا۔ مگر ایسا حیرت انگیز مقابلہ میں نے زندگی میں نہیں دیکھا تھا۔



ایک جوان میدان کے درمیان آ گیا اور خاموش کھڑا ہو گیا۔ چند منٹ کے بعد ہی ایک طرف سے ایک بھورے رنگ کا بڑا ریچھ نمودار ہوا اور جوان پر حملہ کر دیا۔ مگر جوان بھی ہوشیار تھا۔ پھرتی سے ایک طرف ہو گیا۔ اس مقابلے میں جوان کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ صرف ایک رسی کا ٹکڑا اس کی کمر سے بندھا ہوا تھا۔ ریچھ آگے آگے بڑھ کر جوان پر حملہ کر رہا تھا اور وہ پھرتیلا جوان خود کو بچا کر ریچھ کے پیچھے جانے کی کوشش میں تھا۔ رولوکا نے بتایا کہ یہ اس کوشش میں ہے کہ ریچھ کی پیٹھ پر چڑھ جائے اور ریچھ کی گردن کو اپنی گرفت میں لے لے اور پھر اس کا پھندا اس کے گلے میں ڈال کر مروڑ دے۔ مگر بہت طاقتور ہے۔ جوان کے جسم پر ریچھ نے زخم ڈال

دیئے تھے اور خون اس کے بدن سے رس رہا تھا۔ ایک گھنٹہ تک جوان ریچھ سے مقابلہ کرتا رہا۔ مگر ریچھ نے اس کو موقعہ نہیں دیا۔ اب جوان پر کمزوری طاری ہورہی تھی اور ریچھ اس پر حاوی ہوتا جارہا تھا اور لڑائی کا انجام نظر آنے لگا تھا کہ رولوکا نے ہاتھ اٹھا کر ایک آواز نکالی اور ریچھ اپنی جگہ ساکت ہوگیا جیسے اس کے ہاتھ پیر نہ نظر آنے والی زنجیروں میں جکڑ دیئے گئے ہوں۔ جوان کو قریب کھڑے لوگوں نے میدان سے دور کردیا۔

مقابلہ ریچھ جیت گیا تھا۔ رولوکا نے ایک اشارہ کیا اور ریچھ ایک طرف چلا گیا۔

اب دوسرا جوان میدان کے اندر آ گیا۔ اس دفعہ اس کے مقابلے میں ایک لنگور آیا اور آتے ہی اس نے اپنی موٹی پونچھ جوان کو ماری۔ جوان پھرتی سے اس پونچھ سے دور ہوا اور بھرپور وار نہیں لگا۔ لنگور کی پھرتی اور جسم کے کرتب حیرت انگیز تھے۔ وہ کسی ایک مقام پر ٹھہرتا ہی نہیں تھا۔ مگر جوان بھی بہت پھرتیلا تھا۔ وہ برابر لنگور کا پیچھا کررہا تھا اور ساتھ ساتھ اس کی پونچھ کے وار سے بھی خود کو بچا رہا تھا۔ لنگور کا جبڑا بہت بڑا تھا اور اس کے اندر بڑے بڑے دانت جوان کو چیر پھاڑ سکتے تھے۔ جوان کو بھی اس کا خوب احساس تھا۔ اس لئے خود کو اب تک بچائے ہوئے تھا۔ بڑا عجیب مقابلہ تھا۔ لنگور اس سے دور رہ کر مقابلہ کررہا تھا اور جوان کو تھکا رہا تھا اور جوان اس کی گردن ناپنے کی فکر میں تھا۔ مقابلہ طور پکڑ رہا تھا۔ دونوں اپنے بچاؤ میں کامیاب تھے۔ مگر حملوں میں کامیاب نہیں تھے۔ کچھ ہی دیر میں لنگور کے حملوں میں تیزی آ گئی اور وہ اپنی پونچھ استعمال کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ ایک دو دفعہ جوان بھی اس کی گردن تک پہنچ گیا۔ مگر لنگور اپنی پھرتی اور جسمانی لچک کے ذریعہ خود کو بچا گیا اور جوان کی گرفت سے نکل گیا۔ اب دونوں پر کمزوری اور تھکاوت کے آثار نظر آرہے تھے۔ مگر لنگور پر کم اور جوان پر زیادہ تکاوٹ محسوس ہورہی تھی اور لنگور آہستہ آہستہ جوان پر چھاتا جارہا تھا اور کوئی وقت جاتا تھا کہ اس کی پونچھ پوری طاقت سے جوان پر پڑتی کہ رولوکا اٹھ کھڑا ہوا اور ہاتھ کے اشارے سے مقابلہ روک دیا۔ لنگور بھی ریچھ کی طرح اپنی جگہ کھڑا ہوگیا اور جوان کو میدان سے ہٹا لیا گیا اور پھر لنگور جس طرف سے آیا تھا واپس چلا گیا۔

ان مقابلوں کو سب قبیلے والے اور سردار بڑے غور سے دیکھ رہے تھے۔ ان کے لئے انوکھے اور نئے نہ ہوں، مگر میرے لئے تو عجیب تماشا تھا۔ میں نے زندگی میں انسان اور درندوں کی کشتی کب دیکھی تھی۔ میرے لئے حیرت انگیز بات یہ بھی تھی کہ درندے بھی بالکل پہلوانوں کی طرح اکھاڑے میں آئے تھے۔ کشتی لڑی اور واپس چلے گئے۔ رولوکا کے حکم کے غلام، ذرا بھی کسی اور طرف توجہ نہیں کی۔ بہت سے لوگ شاید ہی میری بات پر اعتبار کریں مگر میں وہ ہی بیان کررہا ہوں جو کچھ دیکھا ہے۔

شام ہونے والی تھی اور اندھیرا ہونے سے پہلے دو مقابلوں کا فیصلہ نہیں ہوسکتا تھا۔ اس لئے دو مقابلے دوسرے روز کے لئے ملتوی کردیئے اور سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔ سب سے آخر میں رولوکا اور میں روانہ ہوئے۔ سردار خاموشی سے ہمارے پیچھے آرہا تھا۔ اب اس کی حیثیت سردار کی نہیں تھی۔ نئے سردار کا چناؤ ہورہا تھا۔ اس کے چناؤ کا انوکھا طریقہ رولوکا کا تھا۔

میں نے رولوکا سے پوچھا ”یہ طریقہ تم نے بنایا ہے یا پہلے سے یہی طریقہ ہے؟“

رولوکا نے جواب دیا۔ ”طریقہ تو پرانا ہی ہے میں نے اس میں صرف اتنی تبدیلی کی ہے کہ ہارنے والے امیدوار کو پہلے قتل کردیا جاتا تھا اب ایسا نہیں ہوتا۔ ہارنے والے امیدوار کو کچھ نہیں کہا جاتا اور اس طرح ایک انسانی جان بچ جاتی ہے۔ دوسرے وہ پھر سے تیاری کرکے مقابلوں میں شریک ہوسکتا ہے۔ دوسرے مقابلے آپس میں ہوتے تھے۔ اس طرح آپس میں دشمنیاں بڑھ جاتی تھیں اور یہ لوگ آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ میرے طریقہ کار میں یہ خرابیاں نہیں ہیں۔“

”مگر یہ درندے جو لڑنے آتے ہیں ان کے

بارے میں کچھ بتاؤ؟'' میں نے پھر پوچھا۔
''تم صرف یہ سمجھ لو کہ یہ میرے پہلوان ہیں۔ میرے اشارے پر آتے ہیں، ان کو بھی اجازت نہیں کہ وہ ہارنے والے آدمی کو ہلاک کریں۔ وہ صرف زیر کرتے ہیں۔ میں خود بھی خیال رکھتا ہوں کہ کمزور حریف زخمی یا ہلاک نہ ہونے پائے۔'' رولوکا نے جواب دیا۔
''اب کل تمہارے دو پہلوان کون سے آئیں گے؟'' میں نے پوچھا۔
''کل جو آئیں گے وہ تمہارے سامنے ہی آئیں گے۔ کون آئیں گے یہ ابھی طے نہیں ہوا۔''
رولوکا نے سردار کو پاس بلاتے ہوئے کہا۔ اور سردار سے اسی زبان میں کچھ باتیں کرتا رہا۔ سردار ایک طرف چلا گیا تو میں نے پوچھا۔
''کس کام میں لگا دیا غریب کو؟''
''میں نے اس کو کہا ہے کہ اگر وہ مقابلے میں شریک ہونا چاہتا ہے تو بتائے۔ وہ صبح بتائے گا۔ میں نے اس کو ایک موقعہ اور دینے کا فیصلہ کیا ہے کیونکہ سرداری کے امیدواروں میں مجھے کوئی ایسا نظر نہیں آ رہا جو مقابلہ جیت کر سردار بن سکے۔'' رولوکا نے جواب دیا۔
''پھر اس کو اس کے منصب پر بحال رہنے دو۔ مقابلے کرانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟'' میں نے کہا۔
''اس طرح ایک تو روایت کی خلاف ورزی ہوگی اور دوسرے لوگوں کے دلوں میں شک شبہ پیدا ہوگا۔ اس لئے مقابلے ہوں گے۔'' رولوکا نے کہا۔
''بات تمہاری درست لگتی ہے۔'' میں نے کہا۔
''تمہاری دنیا کی سیاست اور یہاں جنگلی سیاست میں فرق تو بہت ہے، مگر بنیادی طور پر غور کیا جائے تو ایک ہی ہے۔ وہ جوان جو مقابلے ہار چکے ہیں وہ کسی نہ کسی گروہ کے نمائندے ہیں۔ ہارنے کے بعد وہ پھر تیاریکریں گے۔ وہ گروہ اسی کو یا کسی اور کو پھر مقابلوں میں شریک کرے گا۔ اس طرح وہ اقتدار کی کرسی پر آنے کی کوشش کرتا رہا گا۔ تمہاری سیاست میں الیکشن ہوتے ہیں، سیاسی پارٹیاں امیدوار کھڑی کرتی ہیں اور اقتدار حاصل کرتی ہیں۔ اقتدار کی کرسی حاصل کرنے کے طریقہ کار میں فرق ضرور ہے، مگر ذرا اقتدار حاصل کرنے والے امیدوار کی ذہنیت کو ذہن میں رکھو کہ وہ کیوں کرسی حاصل کر رہا ہے تو تم کو یہاں اور شہروں کے رہنے والے اور الیکشن لڑنے والے کروڑوں روپیہ الیکشن مہم پر خرچ کرتے والے میں ذرا فرق نظر نہیں آئے گا۔'' رولوکا نے کہا۔
''بات تمہاری کسی حد تک ٹھیک ہے۔ مگر یہ کلید نہیں۔ سب کو ایک ہی لاٹھی سے نہیں ہانکا جا سکتا۔ کچھ ایسے بھی ضرور ہوں گے جو خدمت کا جذبہ لے کر آئے ہوں گے۔'' میں نے کہا۔
''خدمت کرنے کے لئے اقتدار کی کرسی ضروری نہیں ہوتی۔ خدمت تو خالی ہاتھ بھی ہوتی ہے۔ خدمت تو صرف زبان سے بھی ہوتی ہے۔ خدمت کرنے کے ہزار طریقے ہیں۔ پھر اقتدار کی کرسی پر بیٹھ کر خدمت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ کسی راہ میں ایک کنواں بنا کر پیاسے آدمیوں اور جانوروں کو پانی بیٹھ کر خود پلاؤ اس سے بھی خدمت ہوگی۔'' رولوکا نے کہا۔
''تمہاری دلیلوں کے سامنے میں کہاں ٹھہر سکتا ہوں۔'' میں نے کہا۔
''میں سردار پر ایک احسان کرنا چاہتا ہوں۔ اس کو دوبارہ سردار بنا کر، مگر اس کو مقابلہ کرنا پڑے گا۔ اور اس کے بعد وہ وہی کرے گا جو ایک تین رکنی کمیٹی فیصلہ کرے گی۔ اس کے اختیارات کم کر دیئے جائیں گے، تا کہ وہ من مانی نہ کرے۔''
''گویا تم پورا پلان بنا چکے ہو؟'' میں نے کہا۔
''نہیں، میں نے پہلے سے یہ پلان نہیں بنایا تھا، بلکہ آج کے مقابلوں کے بعد میرے ذہن میں یہ پلان آیا ہے۔'' رولوکا نے جواب دیا۔
''تو پھر کل کے مقابلے بے کار ہیں۔'' میں نے کہا۔
''کل کی میرے پہلوان بہت تگڑے ہیں۔ مجھے امید نہیں کہ دونوں میں سے ایک بھی مقابلہ جیت سکے۔''

رولوکا نے کہا۔
"سردار کا مقابلہ بھی کل ہی کراؤ گے؟" میں نے کہا۔
"ہاں، کل ہی فیصلہ کرادیا جائے گا۔" رولوکا نے جواب دیا۔
دوسرے روز پھر سب لوگ میدان کے گردن جمع ہو گئے اور مقابلوں کا انتظار کرے لگے۔ میں اور رولوکا جب چبوترے پر پہنچے اس وقت پورا قبیلہ اطراف میں موجود تھا اور عجیب عجیب آوازیں نکال رہا تھا۔ یہاں کا بچہ بچہ رولوکا کو جانتا تھا۔ بہت سے لوگ صرف ایک آواز نکال رہے تھے اور وہ آواز صرف ایک لفظ کی تھی۔ "رولوکا۔"
رولوکا نے چبوترے پر کھڑے ہو کر ہاتھ ہلائے اور تمام لوگ خاموش ہو گئے۔
چند ہی منٹ گزرے تھے، ایک مست سانڈ میدان میں داخل ہوا۔ بہت بڑے اس کے سینگ تھے۔ سامنے کی سمت سے اس طرح خم کھائے ہوئے تھے کہ دل کی شکل بن گئی تھی۔ اس کی ناک سے بڑی زور کی آواز "شوں شوں" کی نکل رہی تھی۔ وہ اس قدر بھاری اور طاقتور تھا کہ اس کے چلنے سے زمین دھمک کی آواز پیدا کر رہی تھی۔ رنگ کا وہ کالا تھا اور کان کھڑے تھے اور بڑی خوفناک آنکھوں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ اسکے مقابلے پر جو جوان تھا اس کا کام صرف یہ تھا کہ وہ اچک کر سانڈ کی پیٹھ پر جم کر بیٹھ جائے اور صرف ایک منٹ بیٹھا رہے۔ اگر وہ اس میں کامیاب ہو گیا تو اس کو جیتا ہوا قرار دے دیا جائے گا۔
مگر سانڈ کے سامنے آنا ہی بڑی جی داری کا کام تھا۔ اس پر سواری کرنا تو دور کی بات تھی۔
جوان میدان میں آیا ضرور، مگر سانڈ کے تیوز او رغصہ دیکھ کر اس کے قریب نہیں آیا اور مقابلہ ختم ہوا۔ سانڈ واپس چلا گیا۔
آخری نوجوان کے مقابلے پر ایک نہایت ہی کمزور جانور آیا، وہ تھی لومڑی۔ جوانکو اس کو پکڑ کر رولوکا کے پاس لانا تھا۔ مقابلہ شروع ہوا۔
لومڑی نہایت پھرتیلی اور لچکدار جسم کی مالک ہوتی ہے۔ جوان اس کے پیچھے دوڑتا رہا اور وہ اس کو تھکاتی رہی۔ جوان نے ہر طرح اس کو گھیرنے کی کوشش کی مگر وہ لومڑی کو نہ پکڑ سکا۔ ایک گھنٹہ گزر گیا، جوان پر تھکن کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ مگر لومڑی کی پھرتی اور چالاکی میں ذرا فرق نہیں آیا۔ وہ جوان کے قریب آجاتی اور پھر چکمہ دے کر دور ہو جاتی۔ جوان کی امید پھر ناامیدی میں بدل جاتی۔ دو گھنٹے کے بعد جوان بہت نڈھال ہو گیا اور مقابلہ روک دیا گیا اور لومڑی چلی گئی۔ اب آخری مقابلہ سردار کا تھا۔
سردار کا مقابلہ ایک گھوڑے سے تھا، اسے اس پر سواری کرنا تھی۔ وہ ایک کالے رنگ کا گھوڑا تھا۔ اس کی جلد چمک رہی تھی۔ گردن پر بڑے بڑے بال تھے اور کان کھڑے ہوئے تھے اور ان کا زاویہ بدل رہا تھا۔ وہ کسی جگہ چین سے نہیں کھڑا تھا۔ اس کے قدم ہر وقت حرکت میں تھے۔ سردار کو دیکھ کر وہ بھڑک اٹھا تھا اور میدان میں دوڑنے لگا۔ سردار اس کی راہ میں کھڑا ہو گیا۔ جب گھوڑا اس کے قریب آیا تو اس نے اس کے بال پکڑ کر اس پر بیٹھنا چاہا۔ مگر گھوڑے نے اس کو یہ موقعہ نہیں دیا اور آگے نکل گیا۔ سردار کھڑا رہ گیا۔
دوسرے چکر میں سردار نے پھر کوشش کی، مگر کامیاب نہیں ہوا۔ سردار نے اس کے ساتھ دوڑ کر بھی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہوا۔ سردار کے انداز سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ ایک ماہر گھڑ سوار ہے، مگر جنگلی گھوڑے پر سواری نہیں ہوتی، وہ اپنے جسم پر ہاتھ نہیں رکھنے دیتا۔ سواری کرنا تو دور کی بات ہے۔
مگر سردار بھی جان کی بازی لگانے پر تلا ہوا تھا۔ وہ گھوڑے کے بال پکڑ کر لٹک گیا اور دور تک اس کے ساتھ گھسٹتا چلا گیا۔ مگر بال اس نے نہیں چھوڑے۔ گھوڑے نے چاروں پیروں سے اچھلنا شروع کر دیا اور سردار زمین پر گر پڑا۔ گھوڑا چاہتا تو اس کو پیروں سے کچل ڈالتا، مگر وہ آگے بڑھ گیا اور سردار کھڑا ہو گیا اور پھر مقابلہ شروع

ہو گیا۔

اسی کشمکش میں ایک گھنٹہ گزر گیا۔ سردار اور گھوڑا دونوں پسینے میں نہا گئے۔ سردار بدن کا موٹا نظر آتا تھا مگر اس کی پھرتی دیکھنے کے لائق تھی۔ وزن کے اعتبار سے وہ بہت زیادہ پھرتیلا تھا اور پھر شاید اس نے آخری حملہ کرنے کا پلان بنالیا۔ گھوڑے نے دو تین چکر لگائے۔ سردار اس کے قریب نہیں آیا اور جب آیا تو اتنی تیزی سے آیا کہ گھوڑا بھی اس کے داؤ کو نہ سمجھ سکا۔ سردار نے ایک اونچی چھلانگ لگائی اور سیدھا گھوڑا کی پیٹھ پر گیا اور دونوں ہاتھوں سے اس کے بالوں کو پکڑ لیا۔ گھوڑا اب اس کی ہوشیار کو سمجھا اور اس نے اس کو گرانے کے لئے اپنے بدن کو زور زور سے ہلانا شروع کر دیا۔ مگر سردار تو گوند لگا کر اس سے چپک گیا تھا۔ گھوڑے کا پورا جسم پسینے سے گیلا تھا۔ اوپر سے وہ بری طرح سردار کو گرانے کے لئے ہل رہا تھا۔

اس طرح ایک منٹ گزر گیا اور گھوڑا اچانک ساکت کھڑا ہو گیا۔ سردار سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

رولوکا نے کھڑے ہو کر سردار کو اشارہ کیا اور سردار گھوڑا سے کود گیا۔

گھوڑا گردن جھکائے جنگل کی طرف چلا گیا اور مقابلہ سردار نے جیت لیا۔ رولوکا نے سردار کی جیت کا علان کیا۔ ساتھ ہی اس نے تین رکنی کمیٹی کا بھی اعلان کر دیا جو سردار پر نظر رکھے گی۔ اس تین رکنی کمیٹی میں قبیلے کے بزرگ لوگوں کو شامل کیا گیا۔ یہ وہ لوگ تھے جو تجربے اور عمر میں سردار سے زیادہ تھے اور سب لوگ اس کو خوب جانتے تھے۔ ان کے اختیارات بھی ان کو بتا دیئے۔ سردار کو ان کی احترام اور فیصلوں کا پابند بھی کر دیا۔ یہ رولوکا کا ہی کام تھا۔ اس کام میں کسی کی جان نہیں گئی۔ کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔ سردار پر ایک احسان رولوکا کا یہ ہوا کہ اس کو مقابلوں میں شریک کیا اور موقعہ دیا۔

میں نے رولوکا سے پوچھا ''اگر تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا جو نیت کے اعتبار سے تم جیسا ہوتا مگر طاقت کے اعتبار سے کم ہوتا، کیا وہ یہ کام کر سکتا تھا......''

''نہیں کر سکتا تھا، کیونکہ یہاں پر طاقت کا قانون چلتا ہے۔ نیت پر کوئی نہیں جاتا۔ اگر طاقت ہے اور نیت بھی نیک ہے تو وہ کامیاب ہے۔ سردار یہ بات جانتا تھا۔ اگر وہ یہ جانتا کہ رولوکا طاقت نہیں رکھتا تو وہ ان چکروں میں کیوں پڑتا۔ مجھے ہی راستہ سے ہٹا دیتا۔ یہاں پر اس کو پوچھنے والا کون تھا۔ مگر تم نے دیکھا اس نے کسی مقام پر مجھ سے الجھنے کی کوشش نہیں کی۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''تمہاری کس طاقت سے ڈرتے ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''بہت ساری باتیں ہیں تم یہی دیکھ لو کہ ہر جانور آیا مقابلہ کیا اور چلا گیا۔ یہ سب جانتے ہیں کہ جنگل کے جانور ایسے نہیں ہوتے، بپھرا ہوا سانڈ کتنا خطرناک ہوتا ہے۔ ریچھ بھی کم خطرناک نہیں ہوتا۔ لومڑی ڈرپوک جانور ہے، مگر اتنے لوگوں میں وہ آ گئی۔ یہ سب کیسے ہو رہا تھا۔ رولوکا کو وہ خوب جانتے ہیں۔ اگر شکل سے نہیں جانتے تو نام سے جانتے ہیں۔'' رولوکا نے بات ختم کی۔

''یہ تو میرے لئے بھی حیرت انگیز ہے۔'' میں نے کہا۔

''تم جنگل میں پہلی بار آئے ہو...... پہلی بار اس لئے کہہ رہا ہوں، اتنے اندر پہلی بار آئے ہو۔ کنارے کھڑے ہوئے آدمی کو سمندر کی گہرائی اور لہروں کا اندازہ نہیں ہوتا۔ یہ جنگل بھی ایک گہرا سمندر ہے۔ اس کے اندر جس قدر جاؤ گے نئے نئے عجوبے نظر آئیں گے۔'' رولوکا نے کہا۔

''مجھے تو یہ سمندر سے بھی زیادہ گہرا نظر آ رہا ہے۔'' میں نے کہا۔

''کائنات کے بنانے والے نے نہ جانے ایسے کتنے عجوبے بنائے ہیں۔ ہم تو اس کا شمار بھی نہیں کر سکتے۔'' رولوکا نے بتایا۔

''یہ کام تو ختم ہوا، اب کیا پروگرام ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''چلیں...... اب آگے چلیں۔'' رولوکا نے کہا۔

''آ گئے یا گھر کی طرف؟'' میں نے پوچھا۔
''میرا وہی مطلب تھا..... کیا گھر کی یاد آ رہی ہے؟'' رولوکا نے پوچھا۔
''یاد تو ضرور آتی ہے۔'' میں نے کہا۔
''جلدی جانا چاہو تو اس کا بھی بندوبست ہے۔''
''کیا ہوائی سفر ہے؟'' میں نے پوچھا۔
''ہاں وہ بھی ہے۔'' رولوکا نے کہا۔
''میں نے حیرت سے پوچھا، وہ کس طرح؟''
''تین روز کے بعد تم دلی میں ہو گے۔'' رولوکا نے جواب دیا۔
''اور جس طرح سفر کر رہے ہیں، اس طرح جائیں تو؟'' میں نے پھر پوچھا۔
''تین مہینہ درکار ہوں گے۔'' رولوکا نے جواب دیا۔
''تم پہلے سفر کا بندوبست کس طرح کرو گے؟'' میں نے پھر پوچھا۔
''تم اس کی فکر نہ کرو، یہ میرا معاملہ ہے۔'' رولوکا نے کہا۔
''تم کو میرے ساتھ ہی چلنا ہے۔'' میں نے کہا۔
''میں تمہارے ساتھ ہی ہوں اور اگر نہ ہوں تو بھی ساتھ ہی ہوں۔'' رولوکا نے جواب دیا۔
''ٹھیک ہے کرو تیاری۔'' میں نے کہا۔
رولوکا چند منٹ خاموش رہا اور پھر بولا۔ ''وقت کم ہے، تین دن بھی سفر میں لمبا رہے گا۔ آؤ میرے ساتھ۔''
اور ہم دونوں کھلے میدان میں آ گئے۔
رولوکا نے سردار کو بلوایا اور کہا۔ کیا کہا یہ تو میں نہیں سن سکا، مگر اندازہ ہے کہ اس نے اپنی روانگی کے بارے میں سردار کو اطلاع دی تھی۔ اور پھر مجھ سے مخاطب ہوا۔
''بہت سے راز ہیں، ایماندار آدمی وہ ہوتا ہے جو ان رازوں کو امانت کے طور پر رکھتا ہے۔ سخت مجبوری میں میں خود کو تم پر کچھ عیاں کر رہا ہوں، خیال رکھنا۔''
''میری سمجھ میں رولوکا کی بات نہیں آئی اور میں خاموش ہی رہا۔
رولوکا نے کہا۔ ''اب تم آنکھیں بند کر لو اور میرا ہاتھ پکڑ و۔ جب میں تم کو کہوں تب آنکھیں کھول لینا۔''
میں نے رولوکا کی ہاتھ پر عمل کیا۔ اچانک مجھے ایسا لگا جیسے زمین میرے پیروں سے نکل گئی ہے اور میں ہوا میں معلق ہو گیا ہوں۔ تیز ہوائیں جسم سے ٹکرا رہی ہیں۔ مگر یہ کیفیت زیادہ دیر نہیں رہی اور میرے پیر زمین پر ٹک گئے اور رولوکا کی آواز آئی۔ آنکھیں کھول دو۔ میں نے آنکھیں کھول دیں اور حیرت سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ سارا منظر بدل چکا تھا۔ وہ جنگل اور وہاں کا گاؤں اب کچھ نہیں تھا اور میں علی گڑھ میں اس مکان کے سامنے کھڑا تھا جہاں پر میری بیوی بچے رہتے تھے۔ میں نے حیرت سے رولوکا کی طرف دیکھا، مگر زبان مارے حیرت کے خاموش تھی۔ رولوکا نے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور بولا۔
''یہ مجھے مجبوری میں کرنا پڑا۔ یہ بات صرف تم جانتے ہو، اپنے تک ہی محدود رکھنا۔ جاؤ اب گھر میں جاؤ تمہارا انتظار ہو رہا ہے۔''
''اور تم نہیں جاؤ گے؟'' میں نے پوچھا۔
''میں تمہارے ساتھ ہی ہوں، مگر ظاہر نہیں ہوں۔ میں نے نقاب پہن لی ہے۔ تم بھی صرف محسوس کرو گے۔'' رولوکا نے جواب دیا۔ اور میں مکان کے اندر داخل ہو گیا۔ مجھے اندر داخل ہوتے ہی ایک ملازمہ نے دیکھا اور حیرت سے چیخ کر بولی۔
''بیگم صاحب..... حکیم جی آ گئے۔''
میں کمرے کے دروازے پر ہی تھا کہ دوڑتی ہوئی میری زوجہ سامنے آ گئی اور رو کر میری گردن پر جھول گئی۔ گھر پر بھی سوگواری طاری تھی۔ میں نے پیٹھ کر تھپ تھپا کر زوجہ کو تسلی دی اور پوچھا۔
''کیا بات ہے، کیوں پریشان ہو؟''
اس نے جواب دینے کی بجائے میرا ہاتھ پکڑا اور کمرے کے اندر لے گئی۔
کمرے کے اندر دو پلنگ پڑے تھے اور ان پر میرے دونوں بیٹے لیٹے ہوئے تھے۔ بڑا کوئی بارہ برس کا

ہے اور چھوٹا دس برس کا۔ دونوں کے چہرے پیلے پڑے ہوئے تھے اور سانس بہت آہستہ چل رہی تھی۔

میں نے دوڑ کر ان کی نبض پر ہاتھ رکھا تو پتہ چلا وہ بھی نارمل نہیں تھی۔ بیوی نے بتایا کہ ان کی یہ حالت تین روز سے ہے۔ پڑھ کر آئے تھے کہ کھانے کے بعد اچانک پیٹ کے درد کی شکایت کرنے لگے اور پھر تکلیف سے بے ہوش ہو گئے جو علاج ہو سکتا تھا کرایا ہے مگر بے ہوشی قائم ہے۔ کسی حکیم کی سمجھ میں نہیں آ رہا کہ مرض کیا ہے۔ دلی سے بھی حکیم صاحب آ کر دیکھ چکے ہیں۔ وہ بھی حیران حیران چلے گئے۔ میں نے بھی اپنا تجربہ آزمایا مگر کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ میں نے بیگم کو کہا۔ آپ باہر جائیں اور جب تک نہ بلاؤں کوئی اندر نہ آئے۔ اس کے جانے کے بعد میں نے رولوکا کو یاد کیا اور رولوکا ظاہر ہو گیا اور آتے ہی بولا......

''ان بچوں پر حملہ تین روز پہلے ہوا تھا...... میرا کارندہ یہاں پر موجود تھا۔ میں نے اس کو پابند کر دیا تھا کیونکہ مجھے اندازہ تھا کہ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ اس کارندے نے بچاؤ کرنے کی کوشش ضرر کی اور جو دو بیر بچوں کے جسم کے اندر پہنچائے گئے ہیں وہ اس قدر خطرناک ہیں کہ کام ختم کرنے کے لئے صرف ایک گھنٹہ ہی کافی تھا۔ میرے کارندے نے یہ کام کیا کہ ان بیروں کے واپسی کے راستے بند کر دیئے۔ اب اگر وہ بچوں کو ختم کرتے ہیں تو خود بھی ختم ہو جاتے ہیں۔ جس کے یہ بیر ہیں وہ اب تک اسی کوشش میں لگا ہوا ہے کہ اس کے بیروں کو نقصان نہ ہو اور اسی وجہ سے وہ بچوں کو کوئی نقصان اب تک نہیں پہنچا سکا ہے۔'' رولوکا نے کاہ۔

''تمہیں یہ پتہ تھا واقعہ تو تین روز پہلے ہوا ہے'' میں نے پوچھا۔

''نہیں، مجھے آج ہی اس وت پتہ چلا جب ہم لوگ آنے کی تیاری کر رہے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میر اکارندہ اپنی جگہ نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ دوسرا ذریعہ مجھ تک خبر پہنچانی کا ایک اور ہے کہ راس کے لئے ضروری ہے کہ ہواؤں کا رخ معاونت کرے اور آج اسی ذریعہ سے مجھے صرف یہ پتہ چلا کہ میرا کارندہ پریشانی میں مبتلا ہے۔ کس قسم کی پریشانی ہے، یہ مجھے آ کر پتہ چلا ہے۔'' رولوکا نے تفصیل بتائی۔

''یہ بیماری کیا ہے...... میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا؟'' میں نے کہا۔

''یہ بیماری ہوتی تو تمہاری سمجھ میں آتی، یہ بیماری نہیں ہے...... تم فکر نہ کرو، بچے ٹھیک ہو جائیں گے۔ تم ایک سفید رومال یا کوئی سفید کپڑا لے آؤ۔'' رولوکا نے کہا۔

میں دوڑ کر بیوی کے پاس گیا اور ایک بڑا سفید رومال لے آیا۔

رولوکا نے وہ کپڑا لے کر زمین پر بچھا دیا اور ایک بچے کی ناک پکڑ کر کچھ دیر اس کے سرہانے کھڑا رہا۔ چند منٹ ہی میں اس کے ہاتھ میں ایک کیچوے سے ملتا جلتا کیڑا آ گیا۔ اس کا رنگ خون کی طرح سرخ تھا۔ رولوکا نے اس کیڑے کو رومال میں ڈال دیا۔ رومال پر سرخ داغ لگ گیا اور کیڑا ابھی حرکت کرتا رہا اور رینگتا ہوا رومال کے کنارے تک بھی گیا مگر پھر درمیان میں آ گیا۔

یہی عمل رولوکا نے دوسرے بچے کے ساتھ بھی کیا اور ایک کیڑا برآمد کر لیا۔ اس کو بھی رومال پر ڈال دیا۔ اس کے بعد اس اس نے ایک عجیب سی آواز نکالی تو ایک نہایت ہی کالے رنگ کا وہی کارندہ نمودار ہو گیا۔ رولوکا نے وہ رومال کو اس کو دیا اور کچھ کہا اور وہ اس رومال کو لے کر روانہ ہو گیا۔ دو تین منٹ کے بعد دونوں بچوں نے آنکھیں کھول دیں اور رولوکا غائب ہوا۔

بچے باپ کو دیکھ کر ابا جان کہہ کر لپٹ گئے۔

میں نے اپنی زوجہ کو آواز دی۔ وہ دوڑ کر آ گئی اور بچوں کو ٹھیک دیکھ کر خوشی کے مارے میں چیخ نکل گئی اور دونوں کو میری لعل کہہ کر گلے لگا لیا۔

''مجھے پتہ تھا تم آؤ گے تو یہ بچے ضرور ٹھیک ہو جائیں گے۔'' وہ خوشی سے جھوم کر بولی۔

''اب یہ ٹھیک ہیں۔'' میں نے کہا۔

''مگر ان کو ہوا کیا تھا؟'' وہ بولی۔

"یہ حکمت کی بات ہے، تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی۔" میں نے ٹالا۔

"میں بھی تو حکیم کی بیوی ہوں، کچھ تو بتاؤ۔"

"اچھا پھر کبھی بتادوں گا۔ ابھی ان کو مقوی خوراک دو تاکہ ان کی کمزوری دور ہو۔" میں نے کہا۔ میں بیوی کو کیا بتاتا، مجھے پتہ نہیں تھا۔ رولوکا نے وہ دو کیڑے ان کے بدن کے اندر سے ناک کے راستے کس طرح نکال لئے تھے، وہ کون سے کیڑے تھے اور کس طرح اندر داخل ہوئے۔

بچے ٹھیک ہوگئے۔ بیوی بھی خوش تھی، مگر میرے دماغ میں وہ کیڑے رینگ رہے تھے۔ میں رولوکا سے پوچھنا چاہتا تھا۔ مگر مجھے تنہائی میسر نہیں آرہی تھی۔ تین چار دن کے بعد میں نے زوجہ سے کہا۔

"اب مجھے دلی جانا ہے، وہاں کا حال بھی پتہ کروں، کاروبار کیسا ہے؟ مطب میں کوئی پریشانی تو نہیں ہے۔"

"اور دو چار روز رک جاتے؟" وہ بولی۔

"جلد ہی واپس آجاؤں گا۔" میں نے کہا۔

اور میں دلی کے لئے روانہ ہوا..... گاڑی میں، میں نے رولوکا کو یاد کیا اور رولوکا آگیا۔

آتے ہی بولا۔ "میرا خیال ہے تمہاری رگ حکمت میرے علاج کو قبول نہیں کر رہی۔" وہ بہت موڈ میں نظر آتا تھا۔

"تمہارا خیال ٹھیک ہے، مگر میں اس کو رگ حکمت نہیں کہوں گا۔" میں نے کہا۔

"پھر کیا کہو گے؟" رولوکا نے پوچھا۔

"یہ تو تم بھی جانتے ہو کہ انسان کے اندر ایک جذبہ ہوتا ہے، اس کو تجسس کہو، جستجو کہو...... وہ انسان کو بے چین رکھتا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"ہاں تم نے درست کہا۔ انسانی فطرت سے روگردانی کون کرسکتا ہے؟" رولوکا نے جواب دیا۔

"تو پھر بتاؤ۔ تم نے کونسا علاج کیا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"وقار احمد تم بہت بڑے حکیم ہو، تم ہی بتاؤ کوئی معالج اس طرح علاج کرتا ہے جس طرح میں نے کیا؟" رولوکا نے سوال کیا۔

"نہیں کوئی نہیں کرتا۔" میں نے جواب دیا۔

"اگر میں بیماری کا علاج کرتا تو کوئی دوا دیتا اور وہ دوا بھی اپنا اثر اتنی جلدی تو نہیں کرتی۔ بچے کسی بیماری میں مبتلا تھے ہی نہیں، ان پر جادو کیا گیا اور ان کے جسم مین دو بیر ڈال دیئے گئے تھے۔ یہ میں تم کو پہلے ہی بتا چکا ہوں۔ میں نے صرف یہ کا کہ ان دونوں کو پکڑ کر باہر نکال لیا اور ان کو اس مقام پر پہنچا دیا جہاں سے وہ واپس نہیں آسکیں گے۔ یہ کام جس نے بھی کیا ہے وہ بہت ہوشیار آدمی ہے۔ اس جادو کی کاٹ بہت مشکل تھی اور یہ اندھے بیر جو میں نے پکڑے ہیں، ان کو بھی اندھیرے میں رکھا گیا ہے۔ ایک تو وہ اندھے، دوسرے ان کو صر حکم ملا ہے اور وہ بھی کسی اور کے ذریعہ۔ یہ اس لئے کیا گیا ہے کہ اگر وہ پلٹ پڑیں تو بھی وہ اصل جادوگر تک نہیں جاسکیں۔ یہ بیر اس کے تابع نہیں ہیں۔" رولوکا نے کہا۔

"یہ کیا گورکھ دھندہ ہے۔ میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آیا؟"

"اصل میں جو بہت ہوشیار جادوگر ہوتے ہیں، وہ خود کو پردے میں رکھتے ہیں اور بہت زیادہ ہوشیار تو خود کو بعض بیروں سے بھی خود کو چھپاتے ہیں۔ جادو کا ہر بیر کی پلٹ بہت خطرناک ہوتی ہے اور جادوگر اسی پلٹ سے خود کو محفوظ کرتا ہے۔" رولوکا نے کہا۔

"میں نے تو سنا ہے ہر بیر یا موکل عامل کا غلام ہوتا ہے؟" میں نے کہا۔

"ہوتا ہے۔ مگر عامل اس کو اگر اس سے زیادہ طاقتور کے پاس بھیج دے تو کیا کرے، پلٹ کر عامل کے اوپر آجاتا ہے اور خود آقا پر حملہ کردیتا ہے۔" رولوکا نے جواب دیا۔

"تو تم نے ان دونوں کو کیوں قید کرلیا۔ جانے

دیتے ان کو آقا کے پاس۔'' میں نے کہا۔
''وہ دونوں نہیں پہنچ پاتے، کیونکہ وہ کسی اور کے ذریعہ آئے تھے اور ان کا انتخاب اسی لئے کیا گیا تھا کہ وہ اندھے تھے۔ یہ کمزوری بھی جادوگر کی نظر میں تھی۔ رولوکا نے جواب دیا۔
''اب تم کیا کرو گے ان کا؟'' میں نے پوچھا۔
''میں ان کو آنکھ والا بناؤں گا اور وہ میرا کام کریں گے۔'' رولوکا نے جواب دیا۔
''تم نے آنکھوں کا اسپتال کھولا ہوا ہے؟'' میں نے مذاق کیا۔
''بہت بڑا۔'' رولوکا نے جواب دیا۔
''وہ حضرت ہیں کون جن کی یہ کارستانی ہے؟'' میں نے پوچھا۔
''ابھی میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مگر جلدی پتہ چل جائے گا۔'' رولوکا نے کہا۔
''کہیں یہ کام دلی کے پرانے دشمن کا تو نہیں ہے؟'' میں نے پوچھا۔
''میں اندازوں پر کام نہیں کرتا۔ میں ٹھوس ثبوت کی بغیر کسی پر الزام نہیں لگاؤں گا۔'' رولوکا نے کہا۔
''یہ بات تمہاری درست ہے، بلا وجہ بدگمانی نہیں کرنا چاہیے۔'' مین نے کہا۔
''تم فکر نہ کرو، زیادہ دن وہ پردے میں نہیں رہے گا۔'' رولوکا نے کہا۔
''جب تم کو پتہ چل جائے تو بتانا۔'' میں نے کہا۔
''اچھا اب میں جاتا ہوں، مصروفیات زیادہ ہیں۔'' اور رولوکا چلا گیا۔
رولوکا کی طاقت کا اندازہ مجھے خوب ہو چکا تھا۔ وہ ایک ایسا پراسرار کردار تھا جو کچھ بھی کرسکتا ہے۔ خو کو روپوش کرنا، ہواؤں میں سفر کرنا اس کے لئے بہت معمولی بات تھی۔ مگر اس کے کردار کی بلندی یہ تھی کہ وہ کسی کو نقصان نہیں پہنچاتا تھا۔ کسی کو پریشان نہیں کرتا تھا۔ اس کی ذات سے فائدہ تو ہوتا تھا نقصان نہیں ہوتا تھا۔
وہ میرا دوست ہے، مجھ میں کوئی خوبی نہیں ہے، مگر وہ پھر بھی میرا دوست ہے۔ ہاں یہ ضرور میں کہوں گا کہ بہت حد تک میرے خیالات رولوکا سے ملتے ہیں۔ وہ بھی خدمت پر یقین رکھتا ہے اور میں بھی انسانیت کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔ اچھوں، نیکوکاروں کا میں دوست ہوں اور رولوکا بھی یہی پسند کرتا ہے۔ مجھے دولت سے رغبت نہیں، زندگی خدمت کرتے گزر جائے، مرنے کے بعد لوگ اچھے الفاظ میں یاد کریں۔ یہی خواہش ہے۔ شاید رولوکا کو میرے اندر کا حال پتہ ہے، اسی لئے اس نے مجھے اپنی دوستی کے لئے چنا ہے۔
دلی میں مطب حسب دستور چل رہا تھا اور میری ہدایات کے مطابق کام ہو رہا تھا۔ دوائیں ضرورت کے مطابق آ رہی تھیں۔ مگر ان سب کو حیرت یہ تھی کہ جو دوائیں لے کر آتا تھا وہ کسی قسم کا معاوضہ نہیں لیتا تھ اور کھانا تک نہیں کھاتا تھا اور بہت کم بلکہ بولتا ہی نہیں تھا۔ زیادہ تر اشاروں میں بات کرتا تھا۔ نہایت خوش شکل آدمی تھا، مگر آتا ہمیشہ مغرب کے بعد تھا۔ اس کی دوائیں، بوٹیاں اور پودے بہت تازہ ہوتے تھے۔ اس لئے جو دوائیں ان سے بنائی جاتی تھیں ان کا معیار بہت اچھا تھا۔ بہت سے حکیم بھی دوائیں منگوالیا کرتے تھے اور سب حیرت کرتے تھے کہ کونسے وسائل ہمارے پاس ہیں۔
ایک ہفتہ گزر گیا، مجھے رولوکا کی یاد آ گئی اور وہ آ گیا۔
''میں یاد کروں تو ہی آؤ گے؟'' میں نے کہا۔
''تمہارے کام میں ہی لگا ہوا ہوں۔'' رولوکا نے کہا۔
''کچھ پتہ چلا؟'' میں نے پوچھا۔
''کچھ کچھ اندازہ ہو رہا ہے۔'' رولوکا نے جوبادیا۔
''ہاں خوب یاد آیا، یہ بتاؤ تم نے اپنے جس کارندے کو جڑی بوٹیاں لانے پر لگایا تھا، میرا خیال ہے اس کا نام شوموتھا اور بہت ڈراؤنی شکل کا تھا اور آدم خور قبیلے سے اس کا تعلق تھا۔ مگر یہاں دلی میں جو دوائیں پہنچاتا ہے وہ تو کوئی خوبصورت آدمی ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''تمہارا کام ہو رہا ہے! بس ٹھیک ہے۔'' رولو کا نے کہا۔

''یہ کوئی دوسرا آدمی ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''شومو ہی ہے، اگر وہ اپنی اصل شکل میں آئے گا تو مطب والے بھاگ کھڑے ہوں گے۔ اس لئے میں نے اس کو کہہ دیا تھا کہ ذرا کپڑے صاف کر کے جایا کرے۔'' رولو کا نے کہا۔

''شومو بھی یہ قدرت رکھتا ہے کہ شکل تبدیل کر لے؟'' میں نے کہا۔

''میں کنجوس نہیں ہوں، سب کو تقسیم کرتا ہوں۔ اسی لئے یہ میرے غلام ہیں۔'' رولو کا نے کہا۔

''ہاں اب بتاؤ، تم کیا بتا رہے تھے...... کچھ کچھ اندازہ ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''میں گنگا دھر وید کے ساتھ لگا ہوا تھا۔ میں نے اندازہ لگایا ہے کہ وہ اب تک تمہارا دشمن ہے۔ جو کام بچوں کے ساتھ ہوا تھا وہ گنگا دھر تو نہیں کر سکتا۔ سورج مل سے گنگا دھر کے تعلقات خراب ہیں، کیونکہ اس نے گنگا دھر کے پانچ ہزار واپس نہیں کئے۔ میں اس کی تلاش میں ہوں جس نے گنگا دھر کے لئے یہ کام کیا ہے۔ مگر گنگا دھر کو ابھی تک کوئی ایسا آدمی نہیں ملا جو یہ کام کر سکتا ہو۔'' رولو کا نے کہا۔

''یہ بھی ہو سکتا ہے کہ گنگا دھر نے یہ کام کسی اور کے حوالے کر دیا ہو اور خود الگ ہو گیا ہو۔'' میں نے سوال اٹھایا۔

''تمہاری بات سمجھ میں آتی ہے، اب مجھے ہر اس شخص پر نظر رکھنی ہے جو بھی گنگا دھر سے ملاقات کرے۔'' رولو کا نے کہا۔

تین روز کے بعد رولو کا نے بتایا ''تمہاری بات درست ثابت ہوئی ہے۔ گنگا دھر کا ایک سالا ہے وہ رتلام میں رہتا ہے اور کبھی کبھی دلی آتا ہے۔ وہ آیا ہوا ہے۔ اس نے گنگا دھر کو رپورٹ دی ہے۔'' رولو کا نے بتایا۔

''کیا رپورٹ دی ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''اس نے بتایا کہ بچے ٹھیک ہیں اور پنڈت جی بہت پریشان ہیں، کیونکہ ان کے دونوں بیر لاپتہ ہیں۔ ان کو ڈر ہے کہ وہ بیر ان کے خلاف کارروائی نہ کر ڈالیں۔''

گنگا دھر اپنے سالے پر برس پڑا۔ ''حکیم کی غیر موجودگی میں بھی پنڈت کچھ نہ کر سکا۔ تم تو کہتے تھے بہت بڑا گرو ہے وہ۔''

''بات تو میری بھی غلط نہیں تھی جیجا جی۔ مگر سمجھ میں نہیں آ رہا یہ چکر کیا ہے؟''

''تمہاری سمجھ میں کیا آئے گا؟ اس پنڈت سے پتہ کرو جو ہزار روپیہ پہلے لے چکا ہے۔'' گنگا دھر غصہ سے بولا۔

''وہ پنڈت تو خود پریشان ہے، اپنے گرو کے پاس جانے والا ہے۔'' سالا بولا۔

''گرو کیا کرے گا؟'' گنگا دھر بولا۔

''سنا ہے وہ بہت بڑا گیانی ہے، وہ ضرور کچھ کرے گا۔'' سالے نے جواب دیا۔

''کہاں رہتا ہے وہ گرو؟'' گنگا دھر نے پوچھا۔

''وہ متھرا میں رہتا ہے۔'' سالے نے بتایا۔

''اس کا کیا نام ہے؟'' گنگا دھر نے پوچھا۔

''نام تو مجھے پتہ نہیں۔'' وہ بولا۔

''ارے تم ہو ہی بے وقوف۔ نام تک پتہ نہیں۔'' گنگا دھر غصے سے بولا۔

''اب میں کیا کروں؟'' سالے نے پوچھا۔

''تم یہ کرو کہ پنڈت سے کہہ دو کہ وہ میرا کام کرے، ہم گرو کو نہیں جانتے۔ میں کسی گرو کو نہیں جانتا جس کو رقم دی ہے میرا مطلب اس سے ہے۔'' گنگا دھر غصے سے بولا۔

اور اس کا سالا پنڈت کے پاس دوڑ گیا اور میں تمہارے پاس آ گیا۔'' رولو کا نے بات ختم کی۔

''اب کیا پروگرام ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''میں اس پنڈت سے ملاقات کرنے والا ہوں۔'' رولو کا نے کہا۔

''اس سے کیا بات کرو گے؟'' میں نے پوچھا۔

''اس کو سمجھانے کی کوشش کروں گا۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''اور ملو گے کس حیثیت سے؟'' میں نے پھر پوچھا۔

''میں تمہارے ایک دوست کی حیثیت سے ملاقات کروں گا۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''ہاں، یہ ٹھیک ہے۔ میرا ایک بچپن کا دوست ہے، سہارنپور میں رہتا ہے۔ چہرے پر داڑھی ہے، عمر میری برابر ہی ہے اور مولوی ٹائپ آدمی ہے، رنگ اس کا گورا ہے قد اور جسامت میرے جیسی ہے۔''

''تم نے تو پوری تفصیل بتادی۔'' رولوکا نے کہا۔

''اس لئے بتادی کہ تم اس کا نام استعمال کروگے۔ اس کا نام مولوی جمال الدین ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ میں مولوی جمال الدین بن کر ہی ملاقات کروں گا۔'' اور رولوکا چلا گیا۔

ادھر میں سوچتا ہی رہ گیا کہ رولوکا جمال الدین کس طرح بنے گا......

مگر وہ رولوکا تھا، کچھ بھی کرسکتا ہے۔ پھر اس نے جو کچھ کیا مجھے بتانے لگا۔

......☆......☆......☆......

''پنڈت گوری شنکر ایک ہنومان مندر میں رہتا تھا۔ یہ مندر دلی سے باہر ایک نئی آبادی میں واقع تھا۔ مندر کے چاروں طرف بہت بڑا میدان تھا۔ درمیان میں مندر بنا ہوا تھا۔ پجاریوں اور داسیوں کی رہائش بھی چار دیواری کے اندر ہی تھی۔ دو بڑے بڑے ہال کمرے بھی بنے ہوئے تھے اور کمروں کے سامنے گیندے کے پودے لگے تھے۔ جن میں سرخ اور پیلے پھول کھلے ہوئے تھے۔ میدان کی چاردیواری لال پتھر کی بنی ہوئی تھی اور ایک بڑا سا پھاٹک لگا ہوا تھا اور ایک دربان بھی موجود تھا۔ ہر مندر کے دروازے پر دربان نہیں ہوتا مگر یہ ایک بڑا مندر تھا۔ اس کی آمدنی زیادہ تھی۔ ہندوؤں کا یہ بہت ہی خالص استھان تھا اور اسی لئے اس کے انتظامات اور دوسرے مندروں سے بہت بہتر تھے۔

''میرا نام جمال الدین ہے۔ مجھے پنڈت گوری شنکر سے ملنا ہے۔'' رولوکا جو جمال الدین بنا ہوا تھا اور مندر کے دروازے پر دربان سے پوچھ رہا تھا۔

''پنڈت جی سے کیا کام ہے؟'' دربان نے پوچھا۔

''میرا ذاتی کام ہے، سہارنپور سے آیا ہوں۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''اس وقت ان کے آرام کا وقت ہے، وہ ملیں گے نہیں۔'' دربان بولا۔

''تم جاکر بتاؤ۔'' سہارنپور سے آیا ہوں۔'' اور دربان رولوکا کو دروازے پر کھڑا کر کے اندر چلا گیا اور واپس آکر ساتھ چلنے کا اشارہ کیا اور رولوکا کو رہائشی حصہ کی طرف لے گیا۔

ایک دروازے پر رک کر اس نے آواز دی۔

''اندر آجاؤں پنڈت جی؟''

اندر سے آواز آئی۔ ''اندر آجاؤ۔''

رولوکا دربان کے ساتھ کمرے کے اندر چلا گیا۔ کمرے میں ایک تخت پڑا تھا، اس پر ایک پیلے رنگ کی چادر پڑی تھی۔ تخت کے ساتھ ہی دیوار پر کچھ مورتیاں دیوی دیوتاؤں کی رکھی تھیں اور ان پر گیندے کے پھول پڑے ہوئے تھے۔ اس تخت کے علاوہ صرف ایک مونڈھا پڑا تھا اور کمرے میں لوبان کی خوشبو بسی ہوئی تھی۔ ایک طرف ایک کالی چادر دیوار سے لٹکی ہوئی تھی۔ شاید اس کے پار بھی کوئی دروازہ تھا۔

پنڈت گوری شنکر کا قد تو زیادہ نہیں تھا مگر جسم کا پھیلاؤ بہت تھا۔ سر بالوں سے بے نیاز تھا مگر ایک چوٹی ضرور موجود تھی۔ جسم پر صرف ایک دھوتی باندھے ہوئے تھا اور چہرہ داڑھی مونچھ سے پاک تھا۔ چہرے پر طاقت غرور کے آثار تھے۔

''میرا نام جمال الدین ہے! سہارنپو سے آیا ہوں۔'' رولوکا نے کہا۔

’’سن لیا، آگے بولو۔‘‘ وہ بولا...... اس کی آواز پتلی اور کھرکھراتی ہوئی تھی۔

’’ایک کام سے آپ کے پاس آیا ہوں۔‘‘ رولوکا نے کہا۔

’’کام بولے؟‘‘ وہ بولا۔

’’میرا ایک دوست دلی میں رہتا ہے۔ وہ کچھ پریشان ہے۔‘‘ رولوکا نے کہا۔

’’کیا نام ہے اس کا؟‘‘ پنڈت نے پوچھا۔

’’اس کا نام حکیم وقار احمد ہے۔‘‘ رولوکا نے جواب دیا۔

حکیم وقار کے نام سے پنڈت ذرا سا چونکا ضرور، مگر اس نے ظاہر نہیں ہونے دیا۔

’’اس کے ساتھ کیا کھٹنائی ہے؟‘‘ پنڈت نے پوچھا۔

’’کوئی اس کے پیچھے پڑا ہے۔ ابھی پچھلے دنوں اس کے بچوں پر اس نے حملہ کر دیا تھا۔ بچے حالانکہ علی گڑھ میں رہتے ہیں۔ میں تمہارے پاس اس لئے آیا ہوں کہ جو بھی یہ کام کر رہا ہے اس کا تعلق اس مندر سے ہے اور تم کو ضرور پتہ ہوگا کہ وہ کون ہے۔ وہ جو بھی ہے اس کو کہہ دیں کہ اس کے وہ دونوں اندھے بیر قید میں ہیں۔ اگر وہ باز نہ آیا تو وہ اندھے بیر اندھے نہیں رہیں گے، اور جب وہ اندھے نہیں رہیں گے تو وہ اس شخص کو ضرور تلاش کر لیں گے جس نے ان کو غلط جگہ بھیجا تھا۔‘‘ رولوکا نے کہا۔

’’پنڈت بڑے غور سے رولوکا کی بات سن رہا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات پل پل بدل رہے تھے۔ اس نے رولوکا کو گہری نظروں سے دیکھا اور بولا۔

’’تم بتاؤ! تم کون ہو؟ ذرا اپنا پریچے پورا تو کراؤ، پھر آگے بات کریں گے۔‘‘

’’میرے بارے میں جو میں نے بتایا ہے وہ تمہارے لئے بہت ہے۔ اس سے آگے کی بات مت کرو اور یہ بتاؤ وہ حرکت کس نے کی ہے؟‘‘ رولوکا نے کہا۔

’’اگر میں یہ کہوں کہ وہ بیر میرے تھے تو پھر؟‘‘ پنڈت نے کہا۔

’’اندھے بیر تمہارے نہیں تھے، تم نے جس سے لئے تھے وہ کون ہے؟ اگر جھوٹ بولو گے تو گھاٹے میں رہو گے اور گھاٹے میں اس طرح رہو گے کہ عنقریب وہ اندھے بیر اندھے نہیں رہیں گے، ان کو وہی نام بتایا جائے گا جو تم بتاؤ گے اور وہ سیدھے اسی طرف جائیں گے۔ اگر تم قبول کرتے ہو کہ وہ بیر تمہارے ہیں تو پھر ان سے بچاؤ کی ترکیب نکال لو۔ یہ تو تم بھی جانتے ہو گے کہ بیر کی پلٹ کتنی خطرناک ہوتی ہے۔‘‘ رولوکا خاموش ہو گیا۔

’’پنڈت کی حالت خراب ہو گئی۔ اب وہ دونوں طرف سے پھنس گیا تھا۔ پہلو بدل رہا تھا۔ چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا ایک جا رہا تھا۔ اس کا حلق خشک ہو رہا تھا اور وہ خاموش تھا۔ رولوکا نے پھر کہا۔

’’پنڈت گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ تم اندر کتنے ہو اور باہر کتنے ہو، سب پتہ ہے۔ تم اپنی جان بچاؤ اور اس کا نام بتاؤ جس کے یہ بیر ہیں۔ حالانکہ تم اس جرم میں برابر کے شریک ہو۔ مگر میں تم کو چھوڑ دوں گا، اس شرط پر کہ آئندہ تم کوئی ایسا کام نہیں کرو۔‘‘ رولوکا نے کہا۔

’’مجھے معاف کر دو، میرے من میں لالچ آ گیا تھا۔ میں تو معمولی سا پنڈت ہوں۔ بس بھجن کیرتن کرنے والا، زیادہ سے زیادہ جنم کنڈلی نکال دیتا ہوں۔ اس سے آگے میرے پاس کچھ نہیں ہے۔‘‘ پنڈت نے اپنی اوقات بتا دی۔

’’تو وہ کون ہے، جس کا یہ کام ہے؟‘‘ رولوکا نے پوچھا۔

’’بتا تو دوں میرے متر، مگر وہ میرا دشمن ہو جائے گا۔‘‘ پنڈت ڈرتے ڈرتے بولا۔

’’وہ زندہ رہے گا نا تو کچھ کرے گا، تم نام بتاؤ‘‘ رولوکا نے کہا۔

’’اس کا نام بھیم ناتھ تلوار ہے اور وہ ولبھ گڑھ میں رہتا ہے۔ میں نے بتا تو دیا ہے مگر میرا نام نہ آنے پائے۔ میں ہاتھ جوڑ کر بنتی کرتا ہوں۔‘‘ پنڈت نے ہاتھ جوڑ دیئے۔

’’میری زبان پر تیرا نام نہیں آئے گا۔‘‘ رولوکا نے جواب دیا اور واپسی کے لئے مڑ گیا۔

’’تو اب تم بھیم ناتھ کو تلاش کرو گے؟‘‘ میں نے

پوری روداد سننے کے بعد کہا۔

''اس کو کیا تلاش کرنا ہے وہ تو سامنے ہی ہے۔'' رولوکا نے کہا۔

''اچھا یہ بتاؤ تم نے اس سے کس زبان میں بات کی تھی؟'' میں نے پوچھا۔

''مولوی جمال الدین کی زبان میں۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''وہ تو اردو بولتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''ہاں، میں نے پنڈت سے بھی اردو ہی میں بات کی۔'' رولوکا مسکرا کر بولا۔

''یار یہ تمہارا روپ بہروپ میری سمجھ میں نہیں آتا۔'' میں نے کہا۔

''میرے ساتھ رہو گے تو سمجھ میں آنے لگے گا...... یکدم نہیں......رفتہ رفتہ......''

جب انسان ظلم کرتا ہے تو وہ انسانیت کے رتبے سے گر جاتا ہے۔ اسے مظلوم کی تکلیف کا احساس نہیں رہتا۔ ولبھ گڑھ کے بھیم ناتھ تلواڑ کی کیا دشمنی ان معصوم بچوں سے تھی۔ اگر کسی طرح دشمن کا رشتہ جوڑ بھی دیا جائے تو بھی وقار احمد سے کچھ رشتہ بنتا ہے۔ مگر اس نے وار کیا تو کمزور پر کیا۔ یہ طاقت نہیں بزدلی کی علامت ہے۔

رولوکا نے ذرا وقت خراب نہیں کیا اور ولبھ گڑھ پہنچ گیا۔ ولبھ گڑھ دلی سے زیادہ دور نہیں ہے۔ یہ دلی کا ہی ایک جڑواں چھوٹا سا قصبہ ہے۔ زیادہ آبادی ہندوؤں کی اور بہت ہی قلیل تعداد میں مسلمان رہتے ہیں۔ کسی زمانے میں یہ ایک ہندو راجہ کی ریاست تھی اور وہ راجہ مسلمانوں کو پسند نہیں کرتا تھا۔ اس لئے یہاں پر اب بھی مسلمانوں کو ترچھی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

بھیم ناتھ تلوار کو تلاش کرنا مشکل نہیں تھا۔ رولوکا اب بھی مولوی جمال الدین کے روپ میں تھا۔ بھیم ناتھ ایک دھرم شالہ میں رہتا تھا۔ یہ دھرم شالہ بھی اور دھرم شالوں کی طرح تھی۔ چاروں طرف کمرے اور درمیان میں میدان درمیدان کے درمیان ایک چھوٹا سا مندر، اندر آنے کا صرف ایک دروازہ اور دروازے پر ایک مضبوط پھاٹک۔

رولوکا نے دروازے پر بھیم ناتھ سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا تو دربان نے حیرت سے اس کو دیکھا۔ کیونکہ وہ شیروانی اور پاجامہ پہنے ہوئے تھے اور یہ علامت تھی کہ وہ مسلمان ہے۔

دربان نے حیرت سے کہا۔ ''ناتھ سے کیا کام ہے بھیا؟''

''کچھ ذاتی کام ہے تم ان کو اطلاع کرو۔'' رولوکا نے کہا۔

''ٹھیک کر دیتے ہیں پر وہ تم سے ملیں یہ امید کم ہے۔'' اور وہ اندر چلا گیا۔

چند منٹ کے بعد ہی وہ واپس آ گیا اور بولا۔ ''ہم نے کہا نا کہ امید کم ہے۔ پوجا میں لگے ہیں۔ کہہ رہے ہیں پھر کبھی آنا، فرصت نہیں ہے۔''

''تم ایک بار پھر تکلیف کرو ان کو بتاؤ کہ سہارنپور سے آیا ہوں اور روز تو نہیں آ سکتا۔ ضروری بات کرنا ہے۔'' رولوکا نے کہا۔

''ٹھیک ہیں جات ہیں۔'' اور دربان پھر اندر چلا گیا۔

''کچھ ہی دیر میں وہ واپس آ گیا اور بولا۔ ''بہت غصہ میں ہیں۔ بس یہاں ہی آ رہے ہیں۔ تم کو اندر جانے کی اجازت نہ ہی ہے۔ یہیں پر آ کر بات کریں گے۔ تم یہیں ٹھہرے رہو۔''

کچھ دیر گزری تھی کہ ایک گول مٹول سا آدمی آتا نظر آیا۔ بدن سے وہ ننگا تھا اور صرف ایک دھوتی باندھے لانگ لگائے ماتھے پر تین لکیریں ڈالے چہرے پر غصے کے آثار سامنے آ کھڑا ہوا۔ رولوکا نے غور سے اس کا جائزہ لیا۔ وہ بھی گہری نظروں سے رولوکا کو دیکھتا رہا اور پھر بولا۔

''میں بھیم ناتھ تلواڑ ہوں، بول کیا بات ہے؟''

''میں مولوی جمال الدین ہوں۔ سہارنپور سے آیا ہوں......'' رولوکا نے جواب دیا۔

"یہ تو پتہ چلا گیا ہے آگے بول......" وہ تکبر سے بولا۔

"تم وہی بھیم ناتھ ہو جو معصوم بچوں پر طاقت آزماتا ہے۔" رولوکا نے سیدھا سوال کر دیا۔

"میں کیا کرتا ہوں، اس سے تم کو مطلب؟" بھیم ناتھ نے غصے سے کہا۔

"آرام سے بات کرو بھیم ناتھ، ہر کوئی معصوم بچہ نہیں ہوتا۔ اپنی طاقت کے گھمنڈ میں تم یہ بات بھول رہے ہو۔" رولوکا نے کہا۔

"تو کون ہے یہ بتا، تیرا ہی کریا کرم کرنا پڑے گا، تو مجھے نہیں جانتا؟" بھیم ناتھ نے کہا۔

"میرا کریا کرم کرنے سے پہلے ذرا یہ تو بتا تیرے وہ اندھے بیر کہاں ہیں؟" رولوکا نے پوچھا۔

"وہ وہیں ہیں جہاں ان کو لگایا گیا ہے۔" بھیم ناتھ نے جواب دیا۔

"بس یہ ہے تیری شکتی، تجھے پتہ ہی نہیں کہ تیرے وہ اندھے بیر گرفتار ہو چکے ہیں۔" رولوکا نے بتایا۔

"کس کی مجال ہے کہ ان پر ہاتھ ڈالے۔" بھیم ناتھ بولا۔

"ارے تم ہاتھ ڈالنے کی بات کرتے ہو۔ وہ تو اب آنکھ والے ہونے والے ہیں اور ان کو پتہ چلنے والا ہے کہ تم نے ان کو غلط استعمال کیا ہے اور میں تم کو ان کی پلٹ سے ہوشیار کرنے آیا ہوں۔ اور تم مجھے ہی رعب دکھا رہے ہو۔ ارے کم عقل اپنے بچاؤ کا کچھ کر لے، ورنہ اندھیرے میں مارا جائے گا۔" رولوکا نے کہا۔

"ان کو گرفتار کرنے والا کون ہے؟" بھیم ناتھ کی آواز میں اب وہ رعب و دبدبہ نہیں تھا۔

"ان کو میں نے گرفتار کیا ہے۔" رولوکا نے کہا۔

"تجھے پتہ ہے وہ کتنی بڑی شکتی کے بیر ہیں؟" بھیم ناتھ نے پوچھا۔

"مجھے پتہ ہی، مگر میں نے ان کو اس طرح پکڑ لیا جس طرح کیچڑ میں سے کیچوا پکڑا جاتا ہے۔" رولوکا نے جواب دیا۔

"میں نہیں مانتا...... بھوانی کی شکتی اتنی کمزور نہیں ہو سکتی۔" بھیم ناتھ بولا۔

"میں تیری بھوانی کو نہیں جانتا۔ مگر تو یہ جان لے کہ اب تیری خیر نہیں ہے۔" رولوکا نے کہا۔

"تو میرے گھر میں مجھے دھمکا رہا ہے۔" بھیم ناتھ نے کہا۔

"تیری عقل پر اور غرور پر مجھے حیرت ہو رہی ہے۔ تو اپنا بچاؤ کرنے کے بجائے مجھ سے لڑ رہا ہے۔" رولوکا نے کہا۔

"میں پہلے تیرا بندوبست کرتا ہوں۔" بھیم ناتھ بولا۔ اور منہ ہی منہ میں کچھ پڑھنے لگا...... مگر اس کا منتر پورا ہونے سے پہلے ہی دروازے سے دو بندر نمودار ہوئے اور اس پر حملہ کر دیا۔ یہ اتنا تیزی سے اور اچانک ہوا کہ اس کو ذرا سنبھلنے کا موقعہ نہیں ملا۔ بندر اس قدر جسیم تھے کہ بھیم ناتھ پر چھا گئے اور چند لمحوں میں بھیم ناتھ کے جسم کے ٹکڑے زمین پر بکھرے پڑے تھے۔

دربان اور دو چار لوگوں نے یہ حیرت انگیز منظر دیکھا تھا۔ ایسے خوفناک بندر شاید ہی کسی نے اپنی زندگی میں دیکھے تھے۔

وہ بت بنے رہے اور بندر واپس چلے گئے۔ بھیم ناتھ کے جسم کے ٹکڑے میدان میں بکھرے ہوئے تھے اور چاروں طرف خون ہی خون نظر آ رہا تھا۔ سب خاموش تھے بھیم ناتھ جیسا شکتی والا گیانی اتنی آسانی سے بندروں کا شکار ہو گیا۔ ان کو یقین نہیں آ رہا تھا۔ رولوکا نے ایک نظر ماحول پر ڈالی اور دھرم شالہ سی باہر آ گیا۔

ولبھ گڑھ میں یہ واقعہ معمولی نہیں تھا۔ رولوکا کے آتے ہی لوگوں کو جیسے ہوش آ گای۔ وہ لوگ رولوکا کو پکڑنے دوڑے بھی مگر ان کو رولوکا نہیں ملا۔ پولیس میں رپورٹ کی گئی اور مولوی جمال الدین سہارنپور والے کی تلاش شروع ہو گئی۔ حالانکہ سب نے دیکھا تھا کہ رولوکا نے یا جمال الدین نے اپنی جگہ سے حرکت بھی نہیں کی تھی اور دو بندر دروازے سے آتے سب نے دیکھے تھے اور

بھیم ناتھ کا تیا پانچہ ان بندروں نے ہی کیا تھا۔ مگر پھر بھی سب رولوکا کو ہی قصوروار کہہ رہے تھے۔ سب سے اہم گواہ وہ دربان تھا۔ اس نے رولوکا اور بھیم ناتھ کی ساری بات چیت سنی تھی۔ اس کو پولیس نے گرفتار کر لیا تھا اور حفاظت میں رکھا تھا۔ کیونکہ ایسے کیسوں میں چشم دید گواہ کی بڑی اہمیت ہوتی تھی۔ دوسرے اس علاقے میں سب آبادی ہندوؤں کی ہی تھی اور رولوکا ایک مسلمان کے بہروپ میں تھا۔ وہ گناہگار نہیں بھی تھا، جب بھی سب اس کو ہی گناہگار کہہ رہے تھے۔

مولوی جمال الدین ان کو ولبھ گڑھ میں نہیں ملا تو ان کا رخ دلی کی طرف ہوا اور پھر پولیس سہارنپور پہنچ گئی۔

وہاں پر پولیس بھی حیران ہوگئی۔ کیونکہ ہزاروں آدمی اس بات کے گواہ تھے کہ مولوی صاحب سہارنپور سے گئے ہی نہیں۔ ہر نماز میں وہ مسجد کے اندر تھے اور نماز پڑھا رہے تھے۔ آٹھ بجے سے ظہر تک وہ مدرسہ میں پڑھاتے تھے۔

''ادھر ولبھ گڑھ میں گواہیاں مل رہی تھیں کہ دو تین روز سے نظر آ رہے تھے۔

دھرم شالہ کے دربان اور دیگر لوگوں کا بیان بھی اہمیت رکھتا تھا۔ کیونکہ یہ لوگ چشم دید گواہ تھے۔ معاملہ بڑا پیچیدہ ہوگیا اور بات ولبھ گڑھ سے نکل کر دلی تک آ گئی۔

دلی میں مسلمانوں کا دشمن گنگادھر اور اس کے حواری اس بات کو لے اڑے...... اور انہوں نے کسی نہ کسی طرح واردات کا رشتہ حکیم وقار احمد سے جوڑ دیا۔ کیونکہ یہ بھی سہارنپور کے ہی تھے۔ واقعہ کی تحقیقات اونچے پیمانے پر ہونے لگی۔ مسلمان ایک طرف ڈٹ گئے اور ہندوؤں نے ایک ٹولی بنالی۔ سہارنپور کے وہ لوگ مسجد میں مولوی جمال الدین کے ساتھ نماز ادا کرتے تھے وہ چشم دید گواہ تھے اور ان کی تعداد بہت تھی۔

دھرم شالہ میں جن لوگوں نے مولوی جمال الدین کو دیکھا وہ بھیت تھے۔ جن لوگوں نے نہیں دیکھا تھا، صرف سنا تھا وہ بھی چشم دید گواہوں میں شامل ہوگئے۔

کیونکہ یہ معاملہ اب دھرم کا معاملہ بن چکا تھا۔ انسان کسی بھی دھرم کا ہو، دھرم کے معاملے میں جذباتی ہوتا ہے اور علاقائی دھرم ٹھیکیدار اس بات کو خوب ہوا دے رہے تھے۔

کیس عدالت میں جا چکا تھا اور اس کی پیروی کے لئے بڑے بڑے وکیلوں کی خدمات حاصل کی جارہی تھیں اور دھرم کے ٹھیکیدار پنڈت اخراجات کے لئے خوب چندہ کر رہے تھے۔ اس طرح ان کے دونوں ہاتھوں میں لڈو آ گئے تھے۔ مال بھی مل رہا تھا اور شہرت بھی ہو رہی تھی۔

وکیلوں اور ہندو مجسٹریٹ کی ملی بھگت سے یہ مقدمہ دلی میں آ گیا تھا۔ مولوی جمال الدین کو گرفتار کر کے دلی لے آیا گیا تھا۔ ہندو اخبارات روز ایک نئی کہانی چھاپ رہے تھے۔ مسلمانوں میں بھی بڑا جوش تھا۔ پورے دلی شہر کے مسلمان ایک آواز تھے۔ بڑے بڑے وکیلوں نے مفت پیروی کرنے کی پیش کر دی تھی۔ یہی حال ہندؤں کا تھا۔

''یہ تو بہت بڑا کھڑا بن گیا ہے۔'' میں نے رولوکا کو کہا۔

''تم فکر نہ کرو، گواہیاں شروع ہونے دو پھر دیکھیں گے۔'' رولوکا نے کہا۔

''مجھے صرف افسوس یہ ہے کہ جمال الدین بے چارہ بلاوجہ پریشانی میں مبتلا ہوگیا ہے۔'' میں نے کہا۔

''ہاں، یہ تو ہوا۔ مگر اس کا کوئی قصور نہیں ہے۔ وہ ولبھ گڑھ میں ہی تھا، اس بات کے ہزروں گواہ موجود ہیں۔ اس بات کی اہمیت کیا کم ہے۔'' رولوکا نے کہا۔

''اگر گواہوں کی اہمیت کی بات کرتے ہو تو ولبھ گڑھ میں اس کی موجودگی کے گواہ بھی موجود ہیں اور مزے کی بات یہ ہے کہ دونوں طرف کے گواہ سچے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''تم اپنے ذہن کو پریشان نہ کرو، صرف یہ کرو کہ جیل میں جا کر جمال الدین کو کہہ دو کہ وہ اپنے بیان پر قائم رہے۔ وہی بیان اس کا سچا بھی ہے اور باقی سب میں ٹھیک کر لوں گا۔''

حالات کو کنٹرول کرنے کی خاطر انگلش گورنمنٹ نے فوراً کیس کی کارروائی شروع کر دی۔ پہلی پیشی پر دھرم شالہ کے چشم دید گواہوں کو پیش کیا گیا۔

ہندو وکیل نے ایک پراثر تقریر کی اور پہلا گواہ دربان پیش کیا گیا۔ یہی گواہ وکیل کے خیال میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتا تھا۔

سرکاری وکیل نے پوچھا۔ ”تمہارا نام؟“

”نند کشور میرا نام ہے جی۔“

”کب سے دھرم شالہ میں ہو؟“

”پانچ سال سے وہیں پر ہوں۔“ وہ بولا۔

”دھرم شالہ میں کیوں رہتے ہو؟ کیا تمہارا گھر بار نہیں ہے؟“

”نہیں جی، میرا گھر نہیں ہے۔ گاؤں سے محنت مزدوری کرنے آیا ہوں، کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ دھرم شالہ میں ٹھکانہ ملا تو پڑ رہا۔“

”جمال الدین کو تمہارے سامنے لایا جائے تو پہچان لوگے؟“

”خوب اچھی طرح پہچان جاؤں گا۔“

”اچھا یہ بتاؤ جمال الدین نے تم سے آتے ہی پہلی بات کیا کی تھی؟“

”اس نے بھیم ناتھ جی سے ملاقات کرنے کا کہا تھا۔“

”پھر تم نے کیا کہا تھا؟“

”میں گیانی جی کو بتانے اندر چلا گیا تھا جی۔“

”گیانی جی نے کیا جواب دیا تھا؟“

”انہوں نے ملنے سے انکار کر دیا تھا۔“

”تو پھر جمال الدین نے کیا کیا؟“

”اس نے دوبارہ اطلاع کرنے کو کہا اور کہا میں روز روز سہارنپور سے نہیں آ سکتا، کام ضروری ہے۔“

”تم پھر بھیم ناتھ کو بتانے گئے؟“

”ہاں گیا تھا۔ مگر گیانی جی بہت مجھ پر غصہ ہوئے اور بولے تو چل میں آتا ہوں اور میرے آتے ہی وہ گیٹ پر آ گئے۔“

”وہ آتے ہی کیا بولے تھے؟“

”وہ آتے ہی غصہ سے بولے تھے۔ ”بول میں بھیم ناتھ ہوں۔“

جمال الدین نے کہا تھا ”تو وہی بھیم ناتھ ہے جو معصوم بچوں پر ظلم کرتا ہے۔ مگر ہر شخص معصوم بچہ نہیں ہوتا۔“

اس پر گیانی جی نے کہا تھا۔ ”تو بول کون ہے؟ تیرا ہی کریا کرم کرنا پڑے گا۔“

”جمال الدین نے کیا جواب دیا تھا؟“

”میرا کریا کرم کرنے سے پہلے یہ بتا وہ تیرے اندھیر بیر کہاں ہیں؟“

گیانی جی نے جواب دیا تھا ”وہ وہیں پر ہیں جہاں پر ان کو لگایا گیا تھا۔“

جمال الدین نے کہا تھا۔ ”بس یہی ہے تیری شکتی، تیرے وہ اندھے بیر گرفتار ہو چکے ہیں اور جلدی آنکھ والے ہو جائیں گے اور پلٹ کر تیری طرف آئیں گے تو اپنا بچاؤ کر لے میں تجھے خبردار کرنے آیا ہوں اور تو مجھ سے ہی لڑ رہا ہے۔“

یہ سن کر بھیم ناتھ جی کا غصہ ٹھنڈا پڑ گیا تھا اور انہوں نے کہا تھا ”ان کو گرفتار کرنے والا کون ہے؟“

جمال الدین نے بتایا تھا ”ان کو میں نے گرفتار کیا ہے اور کیچوا کی طرح پکڑا ہے۔“

بھیم ناتھ نے اس پر حیرت سے کہا تھا۔ ”میں نہیں مانتا، بھوانی کی شکتی اتنی کمزور نہیں ہو سکتی۔“

جمال الدین نے کہا تھا ”میں کسی بھوانی کو نہیں مانتا۔ مگر تیری اب خیر نہیں ہے۔“

اس پر بھیم ناتھ بہت غصہ میں آ گئے تھے اور وہ کچھ پڑھنے لگے تھے مگر اس کے چند سیکنڈ بعد دو بہت بڑے بڑے بندر طوفان کی طرح دروازے سے اندر آئے اور ایک منٹ سے بھی کم وقت میں بھیم ناتھ جی کے بدن کے پرزے پرزے کر دیئے۔ میں سب سے قریب تھا مگر یہ

سب کام تو پلک جھپکتے میں ہوا۔"

"کسی نے ان کو بچانے کی کوشش نہیں کی؟"

"میں نے کہا نا کہ جتنی دیر میں بتا رہا ہوں شاید اس سے بھی کم وقت میں بھیم ناتھ جی کے شریر کے پرزے اڑ گئے تھے۔"

"ان بندروں کے پاس ایسا کیا ہتھیار تھا؟"

"وہ دونوں بندر خالی ہاتھ تھے۔"

"اس دوران جمال الدین کیا کرتا رہا؟"

"وہ اپنی جگہ کھڑا رہا۔"

"اس نے بندروں کو کوئی اشارہ کیا تھا؟"

"میں نے نہیں دیکھا۔"

"وہ پریشان نظر آتا تھا یا خوش تھا؟"

"پتہ نہیں جی، ہماری تو اپنی حالت خراب تھی۔ اور دھرم شالہ میں جن لوگوں نے یہ منظر دیکھا تھا سب کی حالت خراب تھی۔"

"تم سب لوگوں نے جمال الدین کو پکڑا نہیں۔"

"اس طرف کسی کا دھیان نہیں تھا۔ جب ہمارے ہوش ذرا ٹھکانے آئے تو جمال الدین نہیں تھا۔ اس کی تلاش میں لوگ دوڑے تھے مگر وہ نہیں ملا۔"

دربان نند کشور نے پوری سچائی سے اپنا بیان دیا۔

اس کے بیان کے دوران بعض مقامات پر ہندوؤں کے وکیلوں میں بے چینی نظر آئی مگر نند کشور نے وہی بیان دیا جو اس نے دیکھا تھا، سنا تھا۔ دوسرے گواہوں نے اس سے ملتے جلتے بیانات دیئے۔ کسی گواہ نے نہیں کہا کہ اس نے جمال الدین کو حملہ کرتے دیکھا ہو۔ سب نے بندروں کے حملے کی بات کی تھی۔

اس کے بعد سہارنپور کے گواہوں کا سلسلہ شروع ہوا اور ٹھوس ثبوت کے ساتھ انہوں نے ثابت کیا کہ مولوی جمال الدین سہارنپور سے باہر گئے ہی نہیں۔

عدالت نے پولیس کو ایک انوکھا آرڈر یہ دیا کہ وہ ان دو بندروں کو تلاش کر کے عدالت میں پیش کریں، کیونکہ انہوں نے بھی بھیم ناتھ کو ہلاک کیا ہے۔ انگریز جج صاحب کا خیال تھا کہ یہ بندر نہیں تھے۔ بندروں کے گیٹ اپ میں آئے تھے اور بہت تیز دھار ہتھیار ان کے پاس تھے۔

ہندو وکیل تو کچھ کچھ معاملے کی پراسراریت کو سمجھ رہے تھے۔ ایک ہی شخص کا دو جگہوں پر موجود ہونا کیا معنی رکھتا ہے۔ مگر جج صاحب کو کون سمجھاتا کہ وہ بندر نہیں تھے۔ وہ کسی منتر کی بیر تھے اور بہت سخت بپھرے ہوئے تھے۔ بھیم ناتھ نے ان کو غلط استعمال کیا تھا، ان سے بڑی طاقت کیو پاس بھیج دیا تھا۔ اب وہ اس کے غلام تھے تو اس کا مطلب تھا جمال الدین بہت بڑی طاقت تھا اور طاقت بھی جادو کی طاقت۔

وکیل رام مورتی دلی کا بہت نامی گرامی وکیل تھا۔ اسی لئے ہندوؤں نے اس کو یہ کیس دیا تھا۔ مگر اس کی کھوپڑی گھوم رہی تھی۔ اگر یہ کوئی جادوئی چکر ہے تو مولوی جادوگر نہیں ہوسکتا۔ نند کشور کے بیان پر کسی مسلمان وکیل نے اعتراض نہیں اٹھایا۔ دوسرے نند کشور کا بیان مسلمانوں کے حق میں ہی نظر آتا ہے۔ ہندوؤں کی گرفت اس کیس پر بہت کمزور ہے۔ وہ کس جرم میں جمال الدین کو سزا دلوا سکتے ہیں۔ پولیس قاتل بندروں کو تلاش کرتی رہی۔ مگر مسلمان وکیلوں نے مولوی جمال الدین کی ضمانت کروالی اور وہ میرے مکان پر آ گئے۔

میں نے مولوی جمال الدین سے معافی مانگی اور پریشانی کی وجہ ان کو بتائی کہ اصل میں دشمنی تو مجھ سے ہے اور تم بلاوجہ ہی لپیٹ میں آ گئے ہو۔ رولوکا نے منع کر دیا تھا کہ اس کا ذکر کسی مقام پر نہ آئے۔ اس لئے رولوکا کے کردار کو گول کر لیا۔

"ساری بات درست، مگر وہ کون تھا جو دھرم شالہ میں گیا تھا؟" وہ حیرت سے بولے۔

"تم کو پتہ ہے آج کل میک اپ کتنی ترقی کر گیا ہے، ہوگا کوئی۔" میں نے کہا۔

"اچھا اور وہ بندر؟" وہ پھر بولے۔

"اماں کس چکر میں پھنس رہے ہو، پولیس تلاش تو

کررہی ہے۔'' میں نے کہا۔

''میاں وقار احمد میں اتنا نادان بھی نہیں ہوں کہ تمہارے بہلاوے میں آجاؤں۔ ایک کڑی نہیں ہے۔ زنجیر کے درمیان سے ایک کڑی نکال دی جائے تو زنجیر نہیں بنتی۔ اسی طرح اس کیس میں بھی ایک کڑی غائب ہے اور اسی وجہ سے سارے وکیل، پولیس اور جج کسی فیصلے پر نہیں پہنچ پارہے ہیں اور میرا خیال ہے تم اس کڑی کو جانتے ہو، کیا خیال ہے؟'' جمال الدین ں ے کہا۔

''یار تمہاری بال کی کھال اتارنے کی عادت گئی نہیں۔ میں رہتا ہوں دلی میں، تم نے دیکھا ہے میر امطلب ہے مجھے کب فرصت ہوتی ہے کہ میں فالتو میں کچھ سوچ سکوں۔ میں نے آج تک ولبھ گڑھ نہیں دیکھا۔ میں نے کبھی گیانی بھیم ناتھ کو دیکھا نہیں، نام تک نہیں سنا اور تم مجھے زنجیر کی کڑی بنائے دے رہے ہو۔ اگر میرا نام کہیں پر آیا بھی ہے تو وہ میرا ایک ہم پیشہ وید گنگا دھر کی مہربانی ہے۔ وہ مجھے ہر اس جگہ گھسیٹ لیتا ہے جہاں میرا کچھ نقصان ہوتا ہو۔'' میں نے کہا۔

''چلو مان لیتا ہوں۔'' جمال الدین نے کہا۔

''پھر جمال الدین سہارنپور روانہ ہو گئے۔ ان کو دلی میں روکنے کا کسی کے پاس کوئی جواز نہیں تھا۔ پولیس تو خود بندروں کی تلاش کی وجہ سے پریشان تھا۔ ہندو وکیل نندکشور کے بیان سے ٹھنڈے پڑ گئے تھے۔ وکیل رام مورتی نے بھی سمجھ لیا تھا کہ یہ ماورائی کیس ہے اور پولیس بھی اس کیس کو داخل دفتر کرنے پر مجبور تھی۔ دو مولوی جمال الدین میں سے کونسا اصلی تھا، اس کا فیصلہ بھی آسان نہیں تھا۔ جو لوگ اس کیس کو اچھال رہے تھے ان کی سمجھ میں بھی اس کی پیچیدگی آ گئی تھی، گتھیاں اتنی تھیں کہ کسی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا اور آہستہ آہستہ لوگوں کے جذبات ٹھنڈے پڑ گئے۔

رولوکا نے کہا تھا کہ تم صرف تماشہ دیکھو۔ اس لئے میں خاموش تھا۔ رولوکا کی نظر بہت دور تک تھی۔ مگر وہ دو بندر کون تھے، میں رولوکا سے پوچھنا چاہتا تھا۔ حالانکہ مجھے اندازہ تھا کہ یہ وہی ہیں جو رولوکا نے بچوں کے جسم سے نکالے تھے۔

''ہاں تمہارا خیال درست ہے۔ یہ دونوں وہی ہیں۔'' رولوکا نے کہا۔

''پھر یہ اب تمہارے کنٹرول میں ہیں۔'' میں نے پوچھا۔

''تمہارے سمجھانے کو بتا رہا ہوں۔ میں نے اپنے علاقے میں ایک ایسی جگہ بنائی ہے جہاں پر بگڑوں کو سیدھا کیا جاتا ہے۔ تم یہ سمجھ لو کہ وہ ایک اسکول ہے مگر اس میں انسان نہیں پڑھتے بلکہ ارواح خبیثہ کے بگڑے ہوئے آتے ہیں اور چند روز میں سیدھے ہو جاتے ہیں اور جو سیدھے نہیں ہوتے وہ ختم ہو جاتے ہیں۔ میں نے ان دونوں کو وہاں پر ہی بھیجا تھا اور وہ سیدھے ہو کر آ گئے۔ وہ بھوانی دیوی کے بیر ہیں۔ مگر اب ان پر سے بھوانی کا کنٹرول ختم ہو چکا ہے۔''

''بھوانی ہندوؤں کی ایک بہت طاقت ور دیوی ہے۔ تم اس کو جانتے ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''میں کسی بھوانی کو نہیں جانتا۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''یہ بات تمہارے لئے نقصان کا باعث ہو سکتی ہے۔'' میں نے کہا۔

''میں صرف اس کو جانتا ہوں جس نے یہ ساری کائنات بنائی ہے۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''میں تم کو اپنی معمولی سی معلومات کے مطابق بتاتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''ہاں ضرور بتاؤ...... میں سن رہا ہوں۔''

''پاربتی دیوی پہاڑوں میں رہتی ہے۔ ان کی ہندی دیو مالا کے مطابق وہ پہاڑوں کی بیٹی ہے۔ اس کے شوہر کا نام شیو بھگوان ہے۔ ہمالیہ کی بلند ترین چوٹی پر ان کا قیام ہے۔ پاربتی کی شکل میں اس کے دو روپ ہیں۔ ایک میں وہ رحم دل، حسین اور خوبصورت نظر آتی ہے۔ اس روپ میں اس کے کئی نام اور بھی ہیں۔ مثلاً اوما، گوری اور

بھوانی۔ دوسرے روپ میں وہ درگاہ اور کالی مائی کہلاتی ہے۔ یہ سب روپ پاربتی کے ہی ہیں۔ اس کے کچھ نام اور بھی ہیں۔ مثلاً بھیروی، بھگوتی، ایشوری، گرجا اجیا اور ستی۔ مگر ہندو اس کی پوجا درگاہ مائی کی حیثیت سے زیادہ کرتے ہیں اور درگاہ کے ام پر ایک تہوار درگاہ پوجا کے نام سے ہے۔ اس کو جہاں رحم دل ظاہر کیا گیا ہے وہیں پر ظالم بھی بتایا گیا ہے۔ اس کو بے انتہاء طاقت کا مالک بتایا گیا ہے۔'' میں نے بات ختم کی۔

''مگر میرے دوست، میں ان باتوں پر اعتبار نہیں کرتا۔ میرا خیال اس ہندو قوم کے لئے کچھ اور ہے۔'' رولوکا نے کہا۔

''تمہارا کیا خیال ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''ہندوستان میں جو ہندو ہیں یہ لوگ یونان اور مصر سے گروہوں کی شکل میں ہندوستان میں آئے تھے۔ یہ لوگ سمندر کی طغیانیوں سے پریشان سے تھے اور خشک زمین کی تلاش میں تھے، انہوں نے اس سلسلے میں بہت طویل سفر کئے اور یہ لوگ آریوں کی حیثیت سے ہندوستان میں آئے۔ یہ لوگ قدرآور اور ہندوستان کے قدیم باشندوں سے زیادہ عقل وشعور اور لڑائی کے ہتھیار رکھتے تھے۔ اس لئے مقامی لوگوں پر چھا گئے۔ اپنی برتری اور اقتدار قائم کرنے کے لئے دیوی دیوتاؤں کے نام استعمال کئے اور دیوی دیوتاؤں کا مذہب پھیلا دیا اور انسانوں کو طبقوں میں تقسیم کر دیا۔ خود اپنے لئے انہوں نے برہمن پسند کیا، کیونکہ یہی اعلیٰ ترین تھا۔ یہ لوگ مندر بنا کر اور فرضی دیوی دیوتاؤں کی مورتیاں سجا کر بیٹھ گئے اور سب پر لازم کر دیا کہ وہ ان کو مانیں تو اس طرح برہمن اعلیٰ ترین ذات بن گیا۔ اس طرہ اس کو بہت سی مراعات اور آسانیاں بھی دی گئیں۔ مثلاً اس کو سزا نہیں دی جاسکتی، خود س کا گناہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، آریوں نے کتنی ہوشیاری سے خود کو محفوظ کر لیا۔ دوسرے نمبر پر کھتری بنائے گئے۔ ان کو بڑی ذمہ داری یعنی راج پاٹ دے دیا گیا اور ذمہ داری برہمن سے زیادہ دے دی گئی۔ تیسری قوم شودر بنادی گئی اور ان کو زراعت پر لگا دیا گیا کہ تم زمین آباد کرو، محنت کرو اور برہمن یعنی آریوں کو خوش حال کرو۔ اور ہندوستان کے قدیم باشندے جو بھیل کہلاتے تھے ان کو ان سب کا غلام بنا دیا گیا اور وہ شودر کہلائے۔ یہی حال افریقہ میں بھی پھیلایا گیا۔ سوتاریوں کو دبایا گیا، ظلم کیا گیا اور یہ ساری کارستانی آریوں کی ہے۔ اور ان کے دیوی دیوتا سب فرضی ہیں۔ ایسی ایسی کہانیاں بنائی گئیں ہیں کہ عقل تسلیم نہیں کرتی۔ تم نے جس پاربتی کا حال بتایا ہے وہ اپنے میل سے انسان پیدا کرتی تھی اور ان کے شوہر نے جب ان کے بنائے انسان کا سر کاٹ دیا تو پاربتی کے اسرار پر ہاتھی کے بچے کا سر جوڑ دیا گیا اور وہ گنیش دیوتا بن گئے۔ کیا دنیا کے کسی مذہب میں ایسی بے پر کی کہانیاں ملتی ہیں؟'' رولوکا نے کہا۔

''مگر یہ دیوی دیوتا اگر فرضی ہیں تو پھر وہ کبھی کبھی اثر انداز کس طرح ہوتے ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''یہ سوال تم نے بہت اچھا کیا ہے۔ ہزاروں سال پہلے جب یہ آریائی لوگ ہندوستان میں وارد ہوئے۔ اس وقت یہاں پر بہت زیادہ جہالت تھی۔ اس دور میں کچھ رسوم ان میں رائج تھیں۔ آریاؤں نے جب طبقے بنائے تو بھی ان رسوم کو ختم نہیں کی بلکہ ان کو اور بڑھاوا دیا تا کہ یہ لوگ جہالت سے باہر نہ آئیں۔ اس قوم کی سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ وہ اپنے دور جہالت کی اساسی باتوں کو فراموش نہیں کر سکی۔ پھر شاید ہوا یوں کہ جو بت بھی دیوتا یا دیوی کے نام کے بنائے تھے وہ ان کو ہی پوجتے رہے۔ یہ تو تم بھی جانتے ہو کہ دنیا میں رب کائنات کی طاقت کے علاوہ بھی ایک طاقت کام کرتی ہے۔ اس کے لئے یہ بہترین موقعہ تھا۔ اگر پتھر اور مٹی کے یہ بت بے اثر رہتے تو کتنے عرصہ قائم رہ سکتے تھے تو اس دوسری طاقت نے ان کو بے اثر نہیں رکھا اور ہر دیوی دیوتا کے روپ میں ایک شیطانی نمائندہ لگا دیا۔ اس طرح یہ شیطانی ٹولہ ہزاروں سال سے اس قوم کو غلط راستے پر چلا رہا ہے۔ دور جہالتؐ کو پیچھے چھوڑنے کے بعد بھی یہ لوگ انہیں رسوم اور عقائد

پر قائم ہیں۔علم حاصل کر لینے کے بعد اور دور جدید کو دیکھ کر ان کو اپنے لئے صحیح راستے کا تعین کرنا چاہئے تھا۔مگر ایسا نہیں ہوا اور جن لوگوں نے اپنی غلطی مان لی اور درست سمت چلنے لگے وہ لوگ ناستک کہلائے۔ اور ہندو معاشرے نے ان کو قبول نہیں کیا۔"

رولوکا خاموش ہوا تو میں نے کہا۔"تمہاری معلومات اور تجربہ بہت زیادہ ہے۔"

"اس کی وجہ یہ ہے کہ میری عمر کا زیادہ حصہ علم حاصل کرنے میں اور تجربے کرنے میں گزرا ہے۔تم دیکھنا یہ شیطانی ٹولہ جو مندروں میں پوجا جارہا ہے وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا کیونکہ میں ان کی اصلیت اور طاقت دونوں کو جانتا ہوں۔میرے سامنے وہ آئیں گے ہی نہیں اور اگر آ گئے تو توبہ کریں گے۔ میں بڑا بول تو نہیں بول رہا،صرف حقیقت بتارہا ہوں۔میرے پاس صرف ایک طاقت ہے اور وہ ہے اس دنیا اور کائنات کو بنانے والے کی اور میرا وعدہ ہے اس سے کہ اس طاقت کو انسانیت کی فلاح کے لئے استعمال کروں گا۔"

"اور میں خدا سے دعا کروں گا کہ تم اس میں کامیاب رہو۔"میں نے بات کاٹ کر کہا۔

"اس پوری دنیا میں تم میرے پہلے دوست ہو۔" رولوکا نے کہا۔

"اچھا اب ذرا کیس پر بھی روشنی ڈالو۔آگے چل کر دردسری تو نہیں ہوگی؟"میں نے پوچھا۔

"نہیں،دردسری نہیں ہوگی۔کیونکہ دربان نند کشور کے بیان اور دھرم شالہ کے دوسرے لوگوں کے بیانات نے اس کیس کو ختم ہی کر دیا ہے۔پولیس اور جج کے لئے البتہ کچھ سوالات حل طلب ہیں۔وہ ان کو حل نہیں کر سکیں گے اور کیس داخل دفتر کرنا پڑے گا۔"

"وہ کس طرح؟"میں نے پوچھا۔

"وہ اس طرح کہ دربان نند کشور ہندوؤں کا گواہ تھا۔اس کو وہ بیان نہیں دینا تھا جو اس نے عدالت میں دیا، اس کو ایک نیا بیان یاد کرایا گیا تھا۔اس بیان میں جمال الدین کو حملہ کرتے اور گیانی بھیم ناتھ کو قتل کرتے بتانا تھا۔ نند کشور خود یہ چاہتا تھا کہ جمال الدین پر فرد جرم لگائی جائے۔اس کے ساتھ وہاں پر سب لوگوں کو اس کے بیان کی تائید کرنا تھی۔مگر جب وہ بیان دینے عدالت میں آیا اور اس نے بیان دینا شروع کیا تو وہ وہی باتیں کرتا گیا جو حقیقت تھی۔اس کو جو پڑھایا گیا تھا وہ اس کی زبان سے ادا نہیں ہوا۔ حالانکہ اس نے کوشش کی۔اپنے دماغ کو استعمال کرنا چاہا تھا۔اس کے بعد سارے گواہوں نے اس بات کی تائید کردی۔اس طرح جمال الدین صاف بچ گئے۔اب رہی بندروں والی بات تو یہ بھی سن لو کہ جج کے دماغ میں یہ بات سا گئی کہ قاتل دو بندر ہیں،سزا ان کو ملنا چاہئے۔ان کو تلاش کرنا ضروری ہے اور اس نے پولیس کو لگا دیا اس کام پر۔" رولوکا نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے تم نے کام دکھا دیا۔"

"ضرورت جیسی تھی ویسا ہی کیا۔"رولوکا نے کہا۔

"اور یہ بھوانی والا معاملہ کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"مجھ سے بھوانی پوچھے گی تو میں جواب دوں گا، ورنہ میرا کوئی جھگڑا کسی سے نہیں ہے۔" رولوکا نے کاہ۔

"اس کے دو کارندے تو تمہارے پاس ہیں۔" میں نے کہا۔

"ہیں اور میں ان کو واپس بھی کردوں گا،مگر وہ ان کو واپس نہیں لے گی۔" رولوکا نے کہا۔

"کیوں اپنی چیز نہیں لے گی؟"

"گھوڑا لنگڑا ہوجائے تو مالک اس کے ساتھ کیا کرتا ہے؟" رولوکا نے کہا۔

"اگر شریف ہوا تو تھان پر کھڑا کر کے کھلاتا ہے۔ خودغرض ہوا تو چھوڑ دیتا ہے کہ کام کا تو رہا نہیں۔" میں نے کہا۔

"یہی حال ان دونوں کا ہے۔ اب وہ دونوں بھوانی کے مطلب کے نہیں ہیں۔وہ کام کریں گے مگر وہ کام نہیں کریں گے جو وہ کراتے رہے ہیں۔" رولوکا نے

کہا۔

"پھر کیا کریں گے؟" میں نے پوچھا۔

"وہ میری مرضی کے کام کریں گے۔" رولوکا نے کہا۔

"مگر میرا خیال ہے تمہارا ٹکراؤ ضرور ہوگا۔" میں نے کہا۔

"میں اپنا کام کرتا ہوں، خود کسی سے ٹکراتا نہیں۔" رولوکا نے کہا۔ اور چلا گیا......

......☆......☆......☆......

گنگا دھر نے دلی کے سارے متعصب ہندوؤں کو جمع کر رکھا تھا۔

"میں تو کہتا ہوں یہ تو کچھ نہیں ہوا۔ سارے وکیل بے کار ہو گئے۔ یہ نند کشور بک تو نہیں گیا؟" گنگا دھر غصہ سے سب سے مخاطب تھا۔

"وید جی یہ کوئی اور ہی چکر لگتا ہے۔" سری رام سیٹھ بولے۔

"کیا چکر، کچھ بتاؤ تو۔" گوبندھ ذلی نے پوچھا۔

"نند کشور کٹر ہندو ہے، وہ ہندو جاتی کے خلاف بیان دے ہی نہیں سکت اتھا۔ مگر جب وہ عدالت میں بیان دینے آیا تو اس کو صرف وہی باتیں یاد رہیں جو اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھی تھیں اور کانوں سے سنی تھیں۔ وکیلوں کے رٹائے بیان وہ بھول گیا اور فر فر وہی کہتا گیا۔"

"بات تمہاری سمجھ میں آتی ہے۔" گنگا دھر گردن ہلا کر بولے۔

"بات تو سب کی سمجھ میں آ گئی ہے۔ مگر اپائے کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا۔" سری رام نے کہا۔

"ارے بھیا، میری کھوپڑی تو اس وقت بھک سے اڑ گئی جب جج نے بندروں وعدالت میں پیش کرنے کا حکم پولیس کو دیا۔ یہ کوئی عقل کی بات ہے، ارے سارے بندر ایک جیسے ہیں۔ کیسے پتہ چلے گا کہ قاتل بندر کون ہے؟" جگن ناتھ پنڈت بھی بولے۔

"یہ سب تو ہوا، اب آگے کی سوچو۔" گنگا دھر بولے۔

"معاملہ ہندو جاتی کے وقار کا ہے۔ اگر کیس دب گیا تو کیا رہ جائے گا۔ ہم سب کو مل کر ہی کچھ کرنا ہے۔ اکیلے گنگا دھر کچھ نہیں کر سکیں گے۔" جگن ناتھ نے کہا۔

"پہلے میری جان کو ایک حکیم چاٹ رہا تھا، اب دوسرا مولوی آ گیا۔ بلکہ میں یوں کہوں کہ دو مولوی آ گئے تو کیا غلط ہے۔ مجھے تو یہ بہت بڑی سازش معلوم ہوتی ہے۔ ایک آدمی دو شہروں میں موجود کس طرح ہو سکتا ہے۔" گنگا دھر ماتھا ٹھونک کر بولے۔

"بات تمہاری فکر والی تو ہے۔ مگر میں نے سہارنپور میں اپنے طور پر کھوج کرائی ہے۔ مولوی سہارنپور سے باہر گیا ہی نہیں۔ یہ بات میں نے ہندوؤں سے پتہ کرائی تھی، کیونکہ مسلمان تو وہی کہیں گے جو مولوی کے فائدے کی بات ہوگی۔ مگر ہندو بھی گواہی دیتے ہیں کہ مولوی جھوٹ نہیں بول رہا۔" سری رام سیٹھ نے کہا۔

"سیٹھ جی تم مولوی سے کچھ متاثر معلوم ہوتے ہو؟" گنگا دھر نے پوچھا۔

"وید جی دشمنی اپنی جگہ مگر حقیقت یہی ہے، تم مانو نہ مانو۔" سری رام سیٹھ نے جواب دیا۔

"اگر سب یہ مان لیں گے تو بتاؤ مسلمان تو بے گناہ ہو جائیں گے اور پولیس بندر ڈھونڈتی رہے گی اور حکیم میری چھاتی پر مونگ دلتا رہے گا۔" گنگا دھر نے منہ بنا کر کہا۔

"میں آپ کے جذبات کو سمجھ رہا ہوں وید جی۔" جگن ناتھ پنڈت بولے۔

"تو پھر کوئی طریقہ سوچو، ایک سفعہ دلی میں ہندو دب گیا تو سمجھو لو پھر نہیں اٹھ سکے گا۔" گنگا دھر نے کہا۔

"اس کا اپائے یہی ہے کہ پھر کوئی ایسا آدمی ڈھونڈا جائے جو یہ پتہ کرے کہ مولوی دو جگہوں پر کیسے تھے اور وہ بندر کون تھے۔ جب یہ پتہ چل جائے تو آگے قدم بڑھانا چاہئے۔ اندھیرے میں رہ کر ہم کوئی کام نہیں کر سکیں گے۔" سری رام نے کہا۔

"تمہاری بات کھوپڑی میں آتی ہے۔ مگر میں چھ ہزار خرچ کر چکا ہوں، اور کچھ نہ ہوا۔" گنگا دھر نے جواب دیا۔

"تم خرچ کی فکر نہ کرو، ہم سب اتنے گئے گزرے نہیں ہیں۔ تم صرف ایسا آدمی تلاش کرو۔" سری رام نے کہا۔

"اس کام کے لئے میں دس ہزار روپے دیتا ہوں۔" جگن ناتھ پنڈت نے پہل کر دی۔

اور پھر سب نے اپنی اپنی رقمیں گنگا دھر کو لکھوا دیں اور گنگا دھر کا سینہ چوڑا ہو گیا۔

سب لوگوں کو جمع کرنے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ آئندہ عدالتی کام اور دیگر اخراجات کے لئے رقم کی ضرورت تھی، وہ خود بھی یہ سب اکیلے کر سکتا تھا، مگر آخر ذات کا بنیا تھا۔ اس کو اس کی لاج بھی تو رکھنا تھی۔ سب کے جانے کے بعد اس نے سوچا۔ "پہلے حکیم کو دیکھنا ہے، کیونکہ دراصل وہی اس کا رقیب ہے۔ اس کے بعد مولوی کو دیکھا جائے گا۔

......☆......☆......☆......

گنگوتی بھی ہندوؤں کی ایک یاترا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں سے دریائے گنگا نکلی ہے۔ پہاڑی علاقہ ہے اور جگہ جگہ مندر بنے ہوئے ہیں۔ یاتریوں کے علاوہ ہزروں سیاح بھی روز یہاں آتے ہیں۔ ہر طرف پہاڑ ہیں اور سبزہ ہی سبزہ ہے۔ بہت خوبصورت جگہ ہے۔ گرمی کے موسم میں یہاں کر پورے ہندوستان سے لوگ آتے ہیں۔ کچھ صرف عبادت و ریاضت کرنے آتے ہیں۔ یہ لوگ پہاڑوں کی چوٹیوں پر چلے جاتے ہیں۔ یہاں پر گھنے درختوں اور پہاڑوں کی گھپاؤں میں وہ چلے جاتے ہیں اور دنیا کی نظروں سے روپوش ہو جاتے ہیں۔ جو صرف یاترا کرنے اور تفریح کرنے آتے ہیں وہ لوگ واپس چلے جاتی ہیں۔ سرکاری بسیں اور گاڑیاں یہاں پر صرف دن میں چلتی ہیں، کیونکہ رات میں وہاں کی سڑکوں پر سفر کرنا بہت خطرناک ہے، کیونکہ سڑک پر رات میں پھسلن زیادہ ہوتی ہے، ذرا سی غلطی ہزروں فٹ گہرائی میں پہنچا دیتی ہے۔

رات گزارنے کو یہاں پر کوئی بڑا ہوٹل یا سرائے نہیں ہے۔ کچھ مقامی لوگ اپنے گھروں پر مسافروں کو رکھ لیتے ہیں۔ مگر وہ لوگ زیادہ عرصہ کسی کو نہیں رکھتے، کیونکہ وہاں کے لوگوں میں یہ بات پھیلی ہوئی ہے کہ شہری لوگ کردار کے خراب ہوتے ہیں۔ یہاں پر حسن بہت ہے۔ جھرنے حسین ہیں، وادیاں حسین ہیں۔ رنگ برنگے پرندے حسین ہیں، تو پھر یہاں کے باشندے کیوں نہ حسین ہوں گے۔ پردے کا رواج نہیں۔ مقامی عورتیں اور لڑکیاں مندروں میں جاتی ہیں اور شہری لوگ جو بناوٹی حسن دیکھ کر شہروں سے آتے ہیں وہ اس اصل اور قدرتی حسن کو دیکھ کر مبہوت ہو جاتے ہیں اور یہاں کی بھولی بھالی لڑکیوں کو سبز باغ دکھا کر خراب کر دیتے ہیں۔ اس لئے یہاں کے باشندے شہری لوگوں کو پسند نہیں کرتے اور بڑی مجبوری کی حالت میں کسی کو ایک رات سے زیادہ اپنے گھر میں نہیں ٹھہراتے۔

گنگا دھر کو گنگوتی آنا پڑ گیا تھا۔ اس کو پتہ چلا تھا کہ یہاں پر ایک مہان پرش کسی گھپا میں موجود ہے۔ اس کے بارے میں صرف یہ پتہ چلا کہ وہ کالی کا داس ہے اور بڑی شکتی والا ہے۔ اس کا نام کرن مہاراج ہے۔ گنگا دھر کے لئے یہ امید کی کرن تھا۔ مگر اس کو تلاش کرنا تھا۔ گنگا دھر کے ساتھ اس کا ایک ملازم سندر لال بھی آیا تھا۔ سندر لال جوان آدمی تھا اور دیکھنے میں 25-30 سال کا لگتا تھا۔ نہایت چاک و چوبند اور حکم کا غلام۔

"اب تم ایسا کرو رہنے کا ٹھکانا بناؤ، پتہ نہیں کتنے دن رہنا پڑ جائے۔" گنگا دھر نے سندر لال کو پہلا حکم دیا۔

اور سندر لال جو خود بھی پہلی دفعہ یہاں آیا تھا نکل کھڑا ہوا۔ مگر دو گھنٹے کے بعد منہ لٹکائے ناکام واپس آ گیا اور بولا۔

"بہت مشکل ہے وید جی۔ میری شکل دیکھتے ہی لوگ منع کر دیتے ہیں۔"

”کیوں تیری شکل ان کو اتنی بری کیوں لگتی ہے؟“
گنگا دھر نے پوچھا۔
”بات یہ ہے کہ وہ کسی جوان آدمی کو اپنے گھر میں نہیں ٹھہراتے۔“ سندر لال نے جواب دیا۔
”کیوں کیا خرابی ہے اس میں؟“ گنگا دھر بولا۔
”بس ان کو شہری لوگوں کے چال چلن پر بھروسہ نہیں ہے۔ یہ کام تم کو خود ہی کرنا پڑے گا۔“ سندر لال بولا۔
”اچھا ٹھیک ہے تو میرے ساتھ چلنا۔ ارے دو چار روز کی تو بات ہے۔“
اور گنگا دھر نے بڑی مشکل سے ایک مکان میں ٹھکانہ حاصل کر لیا۔ دو بڑھیا بڈھے اس مکان میں رہتے تھے۔ کوئی جوان عورت وہاں پر نہیں تھی۔ کھانا پینا خود کرنا تھا۔ گنگا دھر کیا کرتا، مجبوری تھی۔ دوسرے ہی روز سے اس نے کرن مہاراج کی تلاش شروع کر دی۔ پہاڑوں کے اوپر اس نے سندر لال کو بھیج دیا اور خود آبادی میں اور اردگرد کے علاقے میں تلاش کرنے لگا۔
دو روز کے بعد سندر لال نے بتایا کہ ایک گھپا میں پتہ چلا ہے کہ ایک بابا رہتا ہے۔ مگر وہ باہر نہیں نکلتا۔ گھپا کے اندر اندھیرا ہے۔ میں اندر تو جاؤں گا نہیں، بس یہ کر سکتا ہوں کہ گھپا کے دروازے پر کھڑا رہوں اور ان کے نکلنے کا انتظار کروں۔“ سندر لال نے کہا۔
”چل تو یہی کر لے۔ تو صرف ان کے باہر آنے جانے کا پتہ کر کہ وہ کب باہر آتے ہیں۔ پھر میں خود ان سے بات کر لوں گا۔“ اور سندر لال جم کر گھپا کے سامنے بیٹھ گیا۔
دوسرے روز اس نے بتایا کہ وہ دن کے بارہ بجے باہر آتے ہیں اور ضروریات پوری کر کے پھر اندر چلے جاتے ہیں۔ میں نے چھپ کر دیکھا ہے۔ ایک آدمی ان کو کھانا وغیرہ پہنچاتا ہے۔
اگلے دن گنگا دھر نے تیاری کی، کچھ پھل فروٹ اور کھانے کا سامان لے کر بارہ بجے سے پہلے ہی پہنچ گیا۔ بارہ بجے کے بعد ایک انسانی ڈھانچہ اندھیری گھپا سے نکل آیا۔ اس کے سارے جسم پر بال ہی بال تھے۔ چہرے کا بیشتر حصہ بالوں سے چھپا ہوا تھا۔
گنگا دھر اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ اس ڈھانچے نے سرخ سرخ آنکھوں سے گنگا دھر کو دیکھا اور اس سے کٹ کر دوسری جانب جانے لگا۔ گنگا دھر پھر اس کے سامنے آ گیا اور عاجزی سے بولا۔
”مہاراج بڑی آس لے کر آیا ہوں۔“ اور ہاتھ جوڑ کر کھڑا رہا۔
”ابھی جانے دے، آتا ہوں۔“ اور وہ آگے بڑھ کر ایک درخت کی اوٹ میں چلا گیا۔
گنگا دھر اپنی جگہ کھڑا رہا۔ ایک گھنٹہ کے بعد کرن مہاراج واپس آ گئے۔
گنگا دھر نے آگے بڑھ کر پھل فروٹ ان کی نظر کر دیئے۔
مہارج نے وہ سب سویکار کر لئے اور بولے۔
”کیا بات ہے؟“
”بڑی پریشانی میں آیا ہوں۔ گھور اندھیر ہمارے ساتھ ہوا ہے۔“ گنگا دھر بولا۔
”بتا تو، پھر پتہ چلے۔“ کرن مہاراج نے پوچھا۔
اور گنگا دھر نے تمام کہانی کرن مہاراج کو سنا دی۔
”اب تو کیا چاہتا ہے؟“ کرن مہاراج نے پوچھا۔
”یہ ہندو جاتی کی عزت کا معاملہ ہے۔ دوسرے یہ اتنا پیچیدہ ہے کہ ہماری عقل کام نہیں کر رہی۔ اس بھید پر سے بھی پردہ اٹھانا ضروری ہے۔ یہ کام صرف آپ جیسا شکتی مان ہی کر سکتا ہے۔“ گنگا دھر بولا۔
”دیکھو بچہ ہر کام کا سمے ہوتا ہے اور ابھی اس کو حل کرنے کا سمے نہیں ہے۔ دوسرے میں ایک جاپ کر رہا ہوں۔ اس میں اٹھنے کی صرف اتنی اجازت ہے کہ میں اپنے ضروری کام کر لوں، تم واپس چلے جاؤ۔ تم نے بتا دیا اور میں نے سن لیا۔ جب کام کا وقت آئے گا میں خود تمہارے پاس آ جاؤں گا۔ تین مہینے تم کو رکنا پڑے گا اور اگر نہ رکنا چاہو تو تم جانو۔“ اور کرن مہاراج گھپا میں چلے گئے اور گنگا دھر واپس دلی آ گیا اور اس نے اپنے سب

ساتھیوں کو بتادیا کہ مہاراج کرن تین مہینے کے بعد جو آجائیں تو سارے مسئلے حل کردیں گے۔

رولوکا کے کارندے نے ساری رپورٹ رولوکا کو پہنچا دی تھی۔ مہاراج کرن کا ٹھکانہ، گنگادھر کی ملاقات اور جو بات چیت ان کے درمیان ہوئی سب رولوکا کو پتہ چل گئی۔

مہاراج کرن بہت پہنچا ہوا گیانی تھا۔ کالی دیوی کا سیوک تھا۔ ہزاروں منترس کو یاد تھے۔ وہ جادو کی ابتدائی سیڑھیاں بہت پہلے چڑھ چکا تھا اور نویں درجے پر تھا۔ یہاں پر کالی دیوی کو خوش کرنا ہوتا ہے اور کب دیوی مہربان ہوتی ہے، انتظار کرنا پڑتا ہے۔ اس کے لئے بار بار منتر پڑھنے پڑتے ہیں اور دیوی کو خوش کرنے کو وہی کام کرنا پڑتے ہیں جن سے دیوی خوش ہوتی ہے۔ کالی دیوی ظلم اور جنس کو پسند کرتی ہے۔ یعنی دوسرے الفاظ میں وہ وہ کام پسند کرتی ہے جو کام شیطان پسند کرتا ہے۔ اس کے مندروں میں نشہ آور اشیاء کا استعمال عام ہوتا ہے اور مرد عورت کے ملاپ کا خاص انتظام ہوتا ہے۔

کالی کا بت کالے پتھر کا بنایا جاتا ہے۔ اگر پتھر کالا نہ ہو تو اس پر رنگ کردیا جاتا ہے۔ چہرہ نہایت ڈراؤنا بناتے ہیں۔ زبان باہر نکلی رہتی ہے اور اس پر سرخ رنگ کیا جاتا ہے۔ آنکھوں کو بھی بھیانک بنانے کے لئے رنگ کا استعمال ہوتا ہے۔ اس کی ٹانگیں پھیلی ہوئی دکھائی جاتی ہیں اور نازک حصوں کو بہت نمایاں کیا جاتا ہے اور بھڑکیلے رنگ سے ان کو اور نمایاں کیا جاتا ہے۔ ایک ہاتھ میں انسانی کھوپڑی اور دوسرے ہاتھ میں تلوار نظر آتی ہے اور تلوار سے خون ٹپکتا دکھایا جاتا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کتنی ظالم اور عیاش ہے۔

وہ انسانوں کی بھینٹ لیتی ہے اور کنواری لڑکیوں کی عزت اس کے مندر میں لوٹی جائے تو خوش ہوتی ہے۔ اس کے بچاری دیوی کو خوش کرنے کو یہ سب کرتے ہیں۔

دنیا کے کسی مذہب میں جو چیز نہیں پائے جائے وہ ہندو دھرم میں مل جائے گی۔ اس مذہب کا کوئی سر پیر نہیں ہے۔ یہ درختوں کو بھگوان بنالیتے ہیں۔ حشرات الارض کو پوجتے ہیں اور چرندوں کو ماں باپ کہتے ہیں اور ان کا پیشاب تک پی جاتے ہیں۔ ہر ذات کے ہندو کا اپنا الگ بھگوان ہے۔ شودر کا بھگوان اسی مندر میں ملے گا جہاں شودر اس کو پوجتے ہیں۔ وہ کسی اور ذات کے بھگوان کے پاس پوجنے نہیں جاسکتا۔ اگر غلطی سے بھی چلا گیا تو گیا اپنی جان سے۔ بڑی ذات کا بھگوان بہت جلد بھرشٹ یعنی گندہ ہوجاتا ہے اور پھر وہ مندر میں رہنے کے لائق نہیں رہتا۔ اسی لئے اس مذہب کی کوئی کل سیدھی نہیں ہے۔

رولوکا کو اس کے کارندے نے سب کچھ بتادیا تھا۔

”تمہارا یہ کارندہ شاید شہر میں ہی تمہارے ساتھ ہے، واپس نہیں گیا؟“ میں نے پوچھا۔

”میرے کارندے ہر جگہ ہیں۔ کیونکہ نیکی اور بدی ہر جگہ ہے۔ میں کسی کو کام پر نہ لگاؤں تو بھی یہ کام کرتے ہیں۔ بہت کچھ یہ اپنے طور پر بھی کرتے ہیں اور میرے اشارے پر بھی کرتے ہیں۔“

”مہاراج کرن کے بارے میں بتاؤ، وہ کیا چیز ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”وہ ایک شیطان کا چیلا ہے اور اس شیطان کا نام کالی دیوی ہے۔“ رولوکا نے جواب دیا۔

”کالی تو پاربتی دیوی کا ہی ایک روپ ہے۔ وہ کہیں پر مہربان اور حسین ہے اور کہیں پر اس کا یہ روپ، سمجھ میں نہیں آتا۔“ میں نے پوچھا۔

رولوکا زور سے ہنس پڑا اور بولا۔ ”تم اچھے سوالات کرنے لگے ہو۔“

”تم نے جواب نہیں دیا۔“ میں نے پھر کہا۔

”یہ انسانوں کو چکر میں ڈالنے کے لئے ہے۔ تم کسی ہندو سے اس کی وجہ پوچھو، وہ تم کو کوئی عقیدت بھرا جواب دے گا۔ تمہاری عقل اس جواب کو مانے نہ مانے، اس سے اس کو کوئی غرض نہیں ہوگی۔ مگر میرا جواب یہ ہے کہ یہ سب فرضی داستان ہے، پہاڑوں کی بیٹیاں نہیں ہوتیں۔ اگر پہاڑوں کی اولاد کو تسلیم کرلیا جائے تو وہ پہاڑی اولاد ہوگی۔ شیر کی اولاد شیرنی ہوتی ہے۔ کتنے کی اولاد کتا ہوتی

ہے۔ سانپ کی سانپ اور انسان کی اولاد انسان ہوتی ہے۔ یہ ماورائے عقل کی بات ہے۔ کوئی ذی شعور انسان تسلیم نہیں کرتا۔ تو پھر اگر میں یہ کہوں کہ یہ سب کہانیاں بنائی گئی ہیں تو کیا غلط ہوگا؟'' رولوکا نے کہا۔

''تمہاری بات میری سمجھ میں آ رہی ہے۔ تم درست انداز میں سوچتے ہو۔'' میں نے جواب دیا۔

''اس کے علاوہ میں تم کو ان کے مذہب کے بارے میں ایسی حیرت انگیز، عجیب و غریب داستانیں بتا سکتا ہوں جس کو دنیا کا کوئی انسان تسلیم نہیں کرے گا۔'' رولوکا نے کہا۔

''مگر سوال یہ ہے کہ یہ اتنے تعلیم یافتہ ہوگئے ہیں، اپنے اچھے اور برے کو سمجھ سکتے ہیں، مگر پھر بھی اب تک اسی پٹری پر چلے جا رہے ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''وہ شیطانی ٹولہ جو ہزروں سال سے ان کے ساتھ لگا ہوا ہے، وہ ان کو اپنی جگہ سے ہلنے نہیں دیتا۔ یہ جانتے بوجھتے بھی اپنی راہ نہیں بدل سکتے اور جو بہت دلیر ہیں، ہندو سماج اور ذات برادری کی پرواہ نہیں کرتے، وہ اپنا راستہ بدل لیتے ہیں۔ مذہب تبدیل کرنے والوں میں سب سے زیادہ ہندوؤں کی شودر برادری ہے۔ اس کی بہت ساری وجوہات ہے اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان کو دوسرے مذہب کے لوگ عزت دیتے ہیں۔ برابری کا درجہ دیتے ہیں۔ جبکہ ہندو سماج ان کو نفرت دیتا ہے، دکھ دیتا ہے اور ذلیل کرتا ہے۔ ہندو سماج یہ نہیں سوچتا کہ یہ لوگ کیوں اپنا مذہب بدل رہے ہیں۔ اپنی خرابیوں کو دور نہیں کرتا، بلکہ مورد الزام وہ ان کو کرتا ہے اور وہ جس مذہب میں گئے ہیں، ان کو الزام دیتا ہے۔ تم خود دیکھ لو، کسی بھی مذہب کا آدمی اپنا مذہب چھوڑ کر ہندو نہیں ہوتا، صرف ہندو دوسرا مذہب اختیار کرتا ہے۔'' رولوکا نے کہا۔

''تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ دیوی دیوتاؤں کے کردار سب فرضی بنائے گئے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''میں تو ان کو فرضی ہی کہوں گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس مذہب کی جڑ و بنیاد کا پتہ نہیں ہے۔ ہندوؤں کی ایک دھارمک کتاب مہابھارت ہے۔ اس کتاب میں کائنات کے ابتدائی حالات، انسان کے آغاز، کوروؤں اور پانڈو کے احوال اور دیگر عصر خانہ حکایات اور روایات درج ہیں۔ مہابھارت کے مصنف کا نام بیاس دیو ہے۔ لیکن کسی تاریخ میں اس کتاب کا سن تصنیف نہیں ہے۔ مہابھارت دس ابواب اور ایک لاکھ دس ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ ان میں چھیاسی ہزار اشلوک یعنی اشعار یعنی رب کائنات کی معرفت، دین کی حقیقت اور بھارت کے قاعدوں، اخلاق عالیہ، عدالت و سخاوت کی تعلیم، ابتدائی کائنات اور متعدد دلچسپ حکایات پر مشتمل ہے۔ باقی چوبیس ہزار مہابھارت، یعنی جنگ کے بارے میں ہیں۔ ان میں بہادروں کے کارنامے ہیں۔ اس کتاب کی وجہ تسمیہ بھی یہی ہے۔ سنسکرت میں مہا کا مطلب عظیم اور بھارت کا مطلب جنگ ہے۔ یہ کتاب اس جنگ عظیم کی تفصیلات کے بارے میں ہے۔ دوسری وجہ کوروؤں اور پانڈوں کا مورث اعلیٰ راجہ بھرت تھا۔ وہ شہنشاہ ہفت کشور کہلاتا تھا۔ اس لئے یہ کتاب اس کے نام سے موسوم کی گئی ہے۔ مگر میں اس ساری کتاب کو ایک من گھڑت اور لغو خیال کرتا ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا مصنف بیاس دیو ہے، خود اس کی پیدائش ماورائی عقل ہے۔'' رولوکا نے کہا۔

''وہ کس طرح؟'' میں نے پوچھا۔

''بیاس دیو اپنی ماں کی پیدائش کے بارے میں لکھتا ہے کہ وہ ایک مچھلی کے پیٹ سے پیدا ہوئی تھی۔ اس کے بدن سے مچھلی کی سخت بدبو آتی تھی۔ وہ کشتی میں لوگوں کو دریا پار کراتی تھی۔ وہاں کشتی پر ایک شخص اس کو ملا، اس نے اس سے ملاپ کی خواہش کی اور سب کو اندھا کر دیا اور اس کی ماں کے ساتھ ملاپ کیا اور اسی پہر کشتی کے کنارے پہنچنے سے پہلے بیاس دیو پیدا ہوا اور پیدا ہوتے ہی بارہ سال کا ہوگیا۔ بیاس دیو کا باپ کشتی سے اتر کر چلا گیا اور بیاس دیو بھی جنگلوں کی طرف چلا گیا۔ وہاں پر عبادت و ریاضت کرتا رہا۔ بیاس دیو کی ماں کے بدن سے مچھلی کی بو

ختم ہوگئی اور وہ بار کرہ ہی رہی۔ یہ سب صرف ایک پہر میں ہوا۔ میں نے بہت مختصر کر کے تم کو اس کی پیدائش کا حال بتایا ہے۔ اب تم خود سوچو، ایسا شخص اگر کچھ بیان کرتا ہے تو وہ کتنا سچا ہوگا۔ میری نظر میں یہ شخص ہی ہے جس نے ہندو ذہنیت کو تبدیل کیا ہے اور یہی شخص ہندوؤں کا ہیرو بنا ہوا ہے۔ مگر میری نظر میں یہ شخص دنیا کا سب سے بڑا جھوٹا ہے اور ہندو قوم اس کے ہر جھوٹ کو سچ مان رہی ہے۔ اس سے زیادہ بدقسمت قوم کونسی ہوگی؟'' رولوکا نے بات ختم کی۔

''تمہاری معلومات حیرت انگیز ہے۔ جبکہ تم اس خطے کے بھی نہیں ہو۔'' میں نے کہا۔

''معلومات کرنے کے لئے سرحدوں کی بندش معنی نہیں رکھتی۔ میں نے ہندوستان دیکھا نہیں تھا، مگر یہاں کے بارے میں جانتا تھا۔ میرا دادا کہا کرتا تھا، دنیا میں تم کو صرف دو مذہب کے لوگوں سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ ایک یہودی اور ایک ہندو۔ اس قوم کے لوگ کمزور کے سامنے سے آتے ہیں، مگر بہادر کے پیچھے سے آتے ہیں۔ اپنی غرض کے لئے پیروں میں گر پڑتے ہیں اور اس کے بعد تم کو پہچاننے سے بھی انکار کر دیتے ہیں۔'' رولوکا نے کہا۔

''اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ تمہارے دادا نے یہ علاقہ دیکھا تھا؟'' میں نے پوچھا۔

''نہیں دیکھا تھا۔ مگر اس کے باپ نے دیکھا تھا اور میرے دادا کو اپنا تجزیہ منتقل کیا تھا۔''

''تم نے ان کی اس بات کو کس قدر ٹھیک پایا؟'' میں نے پوچھا۔

''اب تک تو ان کا تجربہ سچ ثابت ہو رہا ہے۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''تو اب تمہارے مقابلے پر کالی دیوی کا شیطان آئے گا۔'' میں نے کہا۔

''مہاراج کرن کو آنے تو دو۔'' رولوکا نے کہا۔

''گنگادھر اور اس کے حواری تو بڑی بے چینی سے انتظار کر رہے ہوں گے۔'' میں نے پوچھا۔

''اس نے مہاراج کرن کی بڑی دھاک بٹھائی ہوئی ہے۔ بڑی لمبی لمبی کہانیاں گڑھ کر لوگوں کو متاثر کیا ہوا ہے۔ سارے بھید اس کے آتے ہی کھل جائیں گے اور سب اسی کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔'' رولوکا نے کہا۔

''اور تم نے کیا پروگرام بنا رکھا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''کالی کا جو ہوّا کھڑا کیا ہوا ہے، میں چاہتا ہوں وہ خوف لوگوں کے دلوں سے نکال دوں۔ مہراج کرن خود کالی کو چھوڑ کر میرے پاس آ جائے۔ پھر شاید یہ عقل کے اندھوں کو کچھ شعور آ جائے۔''

''تم ان چکروں میں کیوں پڑتے ہو، اپنا دفاع کرو، بس۔'' میں نے کہا۔

''میں خود سے کسی پر وار نہیں کرتا۔ ہمیشہ دفاع ہی کرتا ہوں۔ مگر اس بار میں ایسا دفاع کرنا چاہتا ہوں کہ دشمن کو یہ احساس ہو کہ وہ غلطی پر تھا۔ نہ صرف وہ بلکہ اس سے پہلے والے بھی غلطیاں کرتے آئے ہیں۔ شاید کچھ تبدیلی آ جائے۔'' رولوکا نے کہا۔

''اگر احساس ہو بھی گیا تو بھی پرنالہ وہیں پر گرے گا...... ان کے معاشرے میں تبدیلی لانا بہت مشکل ہے۔ یہ سمجھ بھی جائیں کہ وہ غلط ہیں، تب بھی خود میں تبدیلی نہیں لائیں گے۔ ہزاروں سال سے ایسا ہی ہو رہا ہے۔'' میں نے کہا۔

''بات تو تمہاری ٹھیک ہے، مگر مجھے بھی تجربہ کرنے دو۔'' رولوکا نے کہا۔

''میں تم کو منع نہیں کر رہا۔'' میں نے کہا۔

''تین ماہ گزر گئے اور مہاراج کرن پہاڑ سے اتر آئے اور دلی شہر میں آ گئے۔ مگر دلی شہر میں آتے ہی ان کو پتہ چلا وہ اپنی پونجی پہاڑ پر چھوڑ آئے ہیں۔ ساری تپسیا، ساری ریاضت اور لمبے لمبے عرصے کے جاپ اور ان کی شکتی سب وہیں رہ گئی ہے۔ ان کے ساتھ صرف ترشول اور چٹیا ہی ساتھ آئی ہے۔ یہ احساس ہوتے ہی وہ ہکا بکا ہوگئے۔ یہ ہوا کیا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ مقابلہ ہوا

نہیں اور سارا اسلحہ خرچ ہو گیا۔
وہ بھاگے بھاگے دلی کے سب سے بڑے کالی کے مندر میں چلے گئے۔ بڑے پجاری سے ملے اور اپنی حیرت انگیز حالت بیان کی۔
''میں تو کوری تختی کے مانند ہو گیا۔ پجاری جی میری ساری شکتی، سالوں کی محنت کہاں گئی۔ میں سارے منتر بھول گیا، سب کچھ یاد ہے، مگر منتر یاد کرتا ہوں تو ذہن میں آندھیاں چلنے لگتی ہیں اور اندھیرا چھا جاتا ہے۔ کالی کا بت مجھے نظر نہیں آتا۔ میں نے ساری زندگی کالی کی سیوا کی ہے، اب مجھ سے میری ساری کمائی کو چھین لیا۔ یہ کیا ہوا، میری عقل کام نہیں کر رہی، تم ہی کچھ بتاؤ۔''
بڑے پجاری نے بہت غور سے مہاراج کرن کی بات سنی اور بولے۔ ''میری سمجھ میں صرف ایک بات آتی ہے، وہ یہ کہ تم سے دیوی ناراض ہو گئی ہے اور اس نے تم کو جو دیا تھا واپس لے لیا ہے۔''
''مگر پہاڑ پر تو میرے جاپ سویکار کر گئی تھی اور مجھے وہ شکتی مل گئی تھی جس کی مجھے تلاش تھی۔ پھر دلی آتے ہی میں کورا کاغذ ہو گیا۔'' مہاراج کرن رو کر بولا۔
''تم کو پھر کوشش کرنا ہو گی۔'' پجاری نے کہا۔
''میں نے اپنی عمر کی پونجی کالی مائی کی سیوا میں خرچ کر ڈالی، اب پھر سے شروع کروں تو شاید یہاں تک نہ پہنچ پاؤں، پھر میرا کیا فائدہ ہے؟ مجھے کالی نے کہیں کا نہیں رکھا۔ اب میں پھر سے اس کے پاس نہیں جاؤں گا۔'' کرن مہاراج نے کہا۔
''تم کالی سے منہ موڑ کر اچھا نہیں کرو گے۔ کالی ناراض ہو گئی تو بہت برا ہو گا تمہارے ساتھ۔'' پجاری نے غصہ سے کہا۔
''میرے ساتھ جو ہو چکا ہے اس سے زیادہ اور کیا ہو گا'' مہاراج کرن نے کہا۔
''تم پھر سے دیوی کو منانے کی کوشش کرو۔'' پجاری نے کہا۔
''جو دیوی مجھے میرا قصور بتائے بنا مجھ سے میری زندگی بھر کی محنت چھین لے میں اس بے رحم دیوی کے پاس اب نہیں جاؤں گا۔'' کرن مہاراج نے کہا۔
''تم دیوی کے خلاف بول کر دیوی کا اپمان کر رہے ہو۔ یاد رکھو تم بہت بڑی غلطی کر رہے ہو۔ اس کی سزا بڑی بھیانک ہوتی ہے۔'' پجاری نے کہا۔
''میں ہر سزا کے لئے خود کو تیار کر چکا ہوں۔ مجھے تمہاری ہمدردی کی ضرورت نہیں ہے۔''
اور وہ مندر سے باہر نکل آیا۔ اب گنگا دھر کے پاس جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اور وہ اوکھلا کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں پر ایک بہت بڑی دھرم شالہ موجود تھی اور سب کو جانتے تھے۔
رولوکا اس کے ساتھ تھا۔ مہاراج کرن بڑا اداس اداس چلا جا رہا تھا۔ رولوکا اس کے سامنے ظاہر نہیں ہوا تھا۔ جب دونوں آبادی سے دور ہوئے اور راستہ سنسان ہو گیا تو رولوکا ظاہر ہو گیا۔ رولوکا ایک نوجوان کے روپ میں اس کے سامنے آیا۔ اس کا لباس بھی ایسا تھا کہ آسانی سے مذہب کے بارے میں اندازہ نہ ہو سکے۔ یعنی خالی فوجی پتلون اور کالی قمیص۔
''بہت پریشان نظر آتے ہوئے مہاشے۔'' رولوکا نے اس کے قریب آ کر کہا۔
کرن مہاراج نے اس کو دیکھا مگر جواب نہیں دیا۔ ''میری بات کا جواب نہیں دیا۔'' رولوکا دوبارہ بولا۔
''کیا جواب دوں۔ تم نہ میری پریشانی سمجھ سکتے ہو نہ دور کر سکتے ہو۔ پھر تم کو بتانے کا فائدہ؟'' مہاراج کرن نے جواب دیا۔
''تم صرف آنکھ کے دیکھے کو سچ مانتے ہو، بعض دفعہ آنکھیں وہ نہیں دیکھتیں جو ہوتا ہے۔'' رولوکا نے کہا۔
''میں اس منزل پر ہوں کہ صرف آنکھ ہی سے دیکھ سکتا ہوں۔'' مہاراج کرن نے کہا۔
''یہ اس لئے ہے کہ تم نے صرف کان سے سن کر سچ مان لیا تھا اور ایک طرف کے بیان کو سن کر سزا دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ دنیا کی کوئی عدالت ایک طرف کا بیان سننے

کے بعد سزا نہیں دیتی۔ مگر تم شکتی کے نشے میں یہ دنیاوی اصول بھی بھول گئے اور جس شکتی پر تمہارا مان تھا، وہ تم کو دریا کے بیچ میں چھوڑ گئی اور تم کو تیرنا آتا نہیں۔ اب بتاؤ کیا کروگے؟'' رولوکا نے کہا۔

''ہاں میں گھمنڈی ہوگیا تھا۔ مجھ سے بھول ہوئی ہے۔ مگر اس بات سے دیوی کیوں ناراض ہوگئی؟'' وہ تعجب سے بولا۔

''دیوی تو تجھ سے خوش ہے اور وہ تیری مدد کو آنا چاہتی ہے۔ مگر دنیا میں صرف کالی دیوی کی شکتی نہیں ہے۔ وہ تیری بربادی کا تماشا دیکھ سکتی ہے، مدد نہیں کرسکتی۔''

''مگر جو شکتی میں نے پوری زندگی میں حاصل کی وہ کیوں اس نے چھین لی۔'' کرن مہاراج نے کہا۔

''وہ شکتی تیرے پاس ہے اور کالی دیوی بھی تیری مدد کو تیارہ۔ پھر بھی تو لاچار ہے۔ بے بس ہے۔ اپنی کسی شکتی کو اپنی مدد کے لئے نہیں بلاسکتا۔ میری بات پر غور کر، تیری جیب روپوں سے بھری ہے اور تو ان سے ایک روٹی نہیں خرید سکتا تو بھوکا ہے اور سب دولت تیرے پاس ہے۔ ایسا کیوں ہے...... انسان کتنا ہی طاقتور ہو، کتنی ہی اونچی اڑان اس کو آتی ہو، اس کو یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ یہ طاقت کس کی ہے۔ کالی کے پاس کس کی طاقت ہے۔ اب تو دھرم شالہ میں جا اور غور کر، میں پھر تجھ سے ملوں گا۔''

کرن مہاراج نے کچھ کہنا چاہا، مگر رولوکا چلا گیا۔

کرن مہاراج حیرت سے رولوکا کو جاتا دیکھتا رہا۔

''سب شکتی میرے پاس ہے۔ میری جیب روپوں سے بھری ہے۔ کالی بھی ناخوش نہیں ہے۔ پھر یہ کیا چکر ہے۔ میں خالی ڈھول کیوں ہوگیا، کالی مجبور ہوگئی، کہاں گئی اس کی طاقت، جب اس کی شکتی مجبور ہے تو کس کام کی ایسی شکتی۔ یہ کون آدمی تھا؟ میری سوچ کو ایک نئی سمت کی طرف پھیر گیا۔ شکتی تو وہ اچھی جو مجبور نہ ہو، جو چھینی نہ جائے۔ سدا پاس ہے۔ یہ کالی کی شکتی بھیروں کی شکتی، یہ سب مانگے کا سوا ہے۔ اس کا سود ادا کرنا پڑتا ہے۔ ان کے حکم پر چلنا بے سود ثابت کیا ہے۔ میں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ برباد کردیا۔ میں بہت بدنصیب انسان ہوں۔'' اور کرن مہاراج کی آنکھوں میں ندامت کے آنسو آگئے۔

انسانی جسم کا نظام قدرت نے کچھ اس طرح بنایا ہے کہ جسم کا ہر عضو خود بخود کام کرتا ہے۔ آنسو بھی خود بخود آنکھ سے نکل پڑتے ہیں۔ اس کے لئے کسی ارادے کی ضرورت نہیں ہے، مگر ضروری ہے کہ انسانی دماغ پریشان ہو، مجبور اور اس کے بس سے باہر کچھ ہوا ہو۔ یہ صرف چند قطرے ہی نکلنا ہے۔ مگر اس سے یہ ضرور ہوتا ہے کہ طبیعت میں اعتدال آتا ہے اور صبر کرنے کی طاقت میں اضافہ ہوتا ہے اور اگر یہ آنسو ندامت کے ہوں تو اس کا بہت ساتھ دیتے ہیں اور آئندہ وہ اپنی غلطیوں کو نہیں دہراتا۔ میرا تو یہ تجربہ ہے۔ مہاراج کرن کے ندامت کے آنسو رولوکا دیکھ رہا تھا۔ سمجھ رہا تھا، اسی لئے دوسرے ہی روز وہ دھرم شالہ میں اس کے پاس پہنچ گیا۔

مہاراج کرن نے اس نوجوان کو غور سے دیکھا۔ مگر وہ نظر جو وہ استعمال کرنا چاہتا تھا، نہیں استعمال کرسکا۔ اس کی سطحی نظر سے رولوکا ایک عام جوان ہی نظر آیا۔ مگر عقل اور تجربے کی گہرائی سے اس نے یہ اندازہ ضرور کرلیا کہ یہ معمولی نظر آنے والا جوان معمولی نہیں ہے۔ میں اس کی گہرائی تک نہیں جاپارہا۔ مگر یہ ہے کوئی غیر معمولی شخصیت۔

''کیا غور کررہے ہو کرن؟'' رولوکا نے کہا۔

''میں تم کو پہچاننے کی کوشش کررہا ہوں؟'' کرن نے سچ جواب دیا۔

''تو پھر کس قدر کامیاب ہوئے؟'' رولوکا نے پوچھا۔

''کسی قدر بھی نہیں۔ میری بینائی ختم ہوگئی ہے۔ میں اندھا ہوں۔ میں کیا پہچانوں گا۔'' وہ اداسی سے بولا۔

''تم نے اس پر غور کیا کہ یہ کیوں ہوا؟'' رولوکا نے پوچھا۔

''مجھ سے کوئی بہت بڑی بھول ہوگئی ہے۔'' کرن

نے کہا۔
''وہ بھول میں تم کو بتاتا ہوں...... سنو گے؟''
رولوکا نے پوچھا۔
''میں سب کچھ سننے کو تیار ہوں۔'' کرن نے جواب دیا۔
''تمہاری کیا دشمنی حکیم سے تھی اور کیا دشمنی مولوی سے تھی۔ جواب دو۔'' رولوکا نے کہا۔
''میری دشمنی دونوں سے نہیں تھی۔'' کرن نے جواب دیا۔
''پھر گنگا دھر کے کہنے پر تم ان دونوں کو ختم کرنے کی نیت سے پہاڑ سے اتر آئے۔ کیوں؟'' رولوکا نے پوچھا۔
''اس نے ہندو جاتی کی عزت کا واسطہ دیا تھا۔'' کرن نے جواب دیا۔
''مگر تم تو کسی مذہب کے نہیں ہو۔ کیونکہ میں ہندوؤں کو کسی مذہب کا پیروکار نہیں مانتا۔ یہ تو ایک شیطانی گروہ کا پھیلایا ہوا جال ہے۔ جس میں انسانوں کو پھانس رکھا ہے اور ہزاروں سال سے شیطان مختلف ناموں سے خود کو بھگوان منوا رہا ہے اور ہندوستان کا نادان انسان بہت کچھ سمجھ جانے کے بعد بھی اس کے جال سے باہر نہیں آ رہا۔ دیوی نے تمہاری مدد کی ہوگی، تمہارے کام بھی کئے ہوں گے..... مگر تم نے اس کے بدلے کتنے وہ کام ضرور کئے ہوں گے جو انسان ہونے کی حیثیت سے تم نہیں کر سکتے تھے۔ وہ کام صرف شیطان کر سکتا ہے۔ تو بتاؤ تم کس کے لئے کام کرتے رہے ہو؟'' رولوکا نے پوچھا۔
''ہاں...... میں نے انسانوں کی بھینٹ دیوی کو دی ہے۔ کنواری کنیاؤں کو دان کیا ہے۔'' کرن نے جواب دیا۔
''اب تمہارے سر سے دیوی یا شیطان کا سایہ ہٹ چکا ہے۔ اب ایمانداری سے بتاؤ یہ کام غلط تھے، انسانیت کے خلاف تھے یا ٹھیک تھے؟''
''مجھے خود پر شرم آ رہی ہے اور کیا بتاؤں؟'' کرن نے کہا۔
''دیکھو دوست...... میں کسی مذہب کو برا نہیں کہتا اگر وہ مذہب ہو۔ دنیا کا کوئی مذہب برا نہیں ہے، کیونکہ وہ برائی کو روکتا ہے۔ وہ انسان کو انسان کا قتل کرنے سے روکتا ہے۔ وہ ظلم کو روکتا ہے۔ وہ کسی ایسے کام کی اجازت نہیں دیتا جو انسانیت کے لئے نقصان کا باعث بنے۔ پھر یہ کیسا مذہب ہے کہ مندروں کے اندر دیوی دیوتاؤں کے زیر سایہ ظلم کو روا رکھتا ہے اور دیوی دیوتا اس پر خوش ہوتے ہیں اور ظالم کو اور زیادہ طاقت دیتے ہیں۔ تمہارے خیال میں ایسا کون کر سکتا ہے؟'' رولوکا نے پوچھا۔
''ایسا صرف شیطان کر سکتا ہے۔'' کرن نے جواب دیا۔
''تم زندگی بھر شیطان کی خدمت کرتے رہے۔ اس کا نام کالی دیوی رکھ دو، بونا چماری رکھ دو، بھیروں کہہ دو جو چاہو نام رکھ دو۔ مگر یہ سب نام شیطان کے ہیں۔ وہی ہر نام سے آتا ہے۔ تم ان سے صرف کالے کام لے سکتے ہو۔ کوئی بھلائی کا کام لینے کی کوشش کرو گے تو خود تم ختم ہو جاؤ گے۔ تم ان سے کسی کو مروا تو سکتے ہو مگر دوا نہیں منگوا سکتے۔ کیونکہ وہ سب کسی نام سے ہوں، شیطان ہوتے ہیں۔ وہ تمہارے جسم اور روح کو اتنا گندہ کر دیتا ہے کہ تم پلٹ کر واپس جانے کے بارے میں سوچنا تک چھوڑ دیتے ہو۔ وہ تم کو اپنی شیطانی شکتی سے نوازتا ہے اور تم بھولے نہیں سماتے اور ہواؤں میں اڑتے پھرتے ہو۔ مگر اس کے پاس تمہاری ذرا سی چوک کی معافی نہیں ہے۔ مگر اب کائنات جس نے یہ ساری کائنات کو بنایا ہے، سجایا ہے او روہی اس کا نظام چلا رہا ہے۔ اس کے پاس کوئی بڑے سے بڑا گناہ گار جائے اور دل سے توبہ کرے، آئندہ گناہ نہ کرنے کا وعدے کرے تو وہ معاف کر دیتا ہے۔ تم کو اس بات سے اس کا اور جس کو تم خوش کرتے رہے ہو اس ذات کا جس نے سب کو پیدا کیا ہے کا فرق صاف نظر آنا چاہئے۔'' رولوکا نے کہا۔
''مجھے راستہ دکھاؤ، میں کیا کروں؟'' کرن نے

پوچھا۔

''تم سہارنپور مولوی جلال کے پاس جانے والے تھے۔'' رولوکا نے پوچھا۔

''مگر اب نہیں جانا چاہتا۔'' کرن نے جواب دیا۔

''اس لئے کہ تم اب اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے؟'' رولوکا نے کہا۔

''نہیں اس لئے کہ میری سمجھ میں یہ بات آ گئی ہے کہ میں غلطی پر تھا۔'' کرن نے جواب دیا۔

''مگر تم ان سے جا کر ملو ضرور اور ان کے سامنے اعتراف کرو کہ تم غلطی پر تھے۔ اب آگے راستہ وہ تم کو بتائیں گے...... اور جو راستہ وہ تم کو بتائیں گے وہی تمہارے لئے ٹھیک ہوگا۔''

میں نے پوری روداد سننے کے بعد رولوکا سے کہا۔ ''تم نے کرن کو مولوی جمال الدین کے پاس کیوں بھیج دیا؟''

''میرا کام اس کو احساس کرانا تھا، وہ میں نے کرا دیا۔ اب آگے کا سفر وہ مولوی جمال الدین کے ساتھ کرے گا اور تم دیکھو گے کہ وہ ایک مثالی انسان بن جائے گا، کیونکہ ندامت کے آنسو جب جاری ہو جائیں تو انسان کا بیڑہ پار ہو جاتا ہے۔''

''تم سادہ لفظوں میں بڑی گہری بات کرتے ہو۔'' میں نے کہا۔

''الفاظ اگر سادہ ہوں تو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔'' رولوکا نے کہا۔

''میں اب تک نہیں سمجھا کہ وہ مولوی جمال الدین کے پاس کیا کرے گا؟'' میں نے پھر پوچھا۔

''دیکھو دوست، میں مبلغ نہیں ہوں۔ میں نے اس کو جھوٹ اور سچ کا احساس کرانا تھا۔ اس کا ایک طریقہ طاقت ہے، جس کا استعمال میں بڑی مجبوری میں کرتا ہوں۔ دوسرا طریقہ یہ تھا جو میں نے کیا۔ میں اس طریقہ میں کامیاب ہو گیا۔ آگے وہ کس مذہب کے ساتھ زندگی گزارتا ہے، مجھے اس سے غرض نہیں ہے۔ مگر ہندوستان میں صرف ایک مذہب ہے اور وہ اسلام ہے۔ کیونکہ میں علاوہ اسلام کے کسی مذہب کو نہیں مانتا۔''

''تم اس کو اسلام کے دائرے میں لانا چاہتے ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''وہ جب غیر جانبدار بن کر اسلام اور دیگر مذاہب کا مقابلہ کرے گا تو خود فیصلہ کر لے گا۔ جمال الدین اس کو زبردستی تو دائرہ اسلام میں نہیں لائیں گے۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''پھر مولوی جمال الدین کے پاس ہی کیوں روانہ کیا؟'' میں نے پھر سوال کر دیا۔

''کپڑے کو پاک کرنے کے لئے اس کو دھویا جاتا ہے۔ اس کے اندر جمی ہوئی میل کو نکال دیا جاتا ہے، تب ہی وہ استعمال کے قابل ہوتا ہے۔ مولوی جمال الدین اس کے اندر کے میل کلو دور کر دیں گے اور پھر وہ خود فیصلہ کر لے گا۔'' رولوکا نے وضاحت کی۔

☆......☆......☆

گنگا دھر کرن مہاراج کا انتظار کرتا رہا اور کرن مہاراج سہارنپور مولوی جمال الدین کے پاس پہنچ گیا۔

کرن مہاراج کا حلیہ اب بھی وہی تھا۔ یعنی جسم پر ایک پیلی دھوتی، ماتھے پر تین لکیریں، ایک ہاتھ میں ترشول، دوسرے ہاتھ میں پیتل کی لٹیا اور پیر میں کھونٹی والی کھڑاؤں۔ وہ دور ہی سے سنیاسی یا جوگی نظر آتا تھا۔ بازار میں ہندو اس کو جھک جھک کر پرنام کر رہے تھے۔ مگر وہ کسی کو جواب نہیں دے رہا تھا۔ اسٹیشن سے وہ سیدھا پیدل مسجد کو جا رہا تھا۔ پہلی مسجد کے اطراف میں زیادہ آبادی مسلمانوں کی ہے۔ اب وہ مسجد کے قریب تھا۔ لوگ حیرت سے اس کو دیکھ رہے تھے۔ اس کا رخ مسجد کی طرف تھا اور وہ مسجد کے دروازے پر جا کر رک گیا۔ اندر جانے کی ہمت وہ نہیں کر سکا۔

''میں مولوی جمال الدین سے ملنا چاہتا ہوں۔'' اس نے ایک شخص سے کہا۔

''ابھی مولوی صاحب اندر نہیں ہیں، مگر جلد ہی

آ جائیں گے کیونکہ اذان ظہر ہونے والی ہے۔“

”میں دروازے پر ان کا انتظار کرسکتا ہوں؟“ وہ بولا۔

”یہاں آپ کو تکلیف ہوگی۔ میرے ساتھ آئیں، میری قریب ہی چھوٹی سی دکان ہے، آپ وہاں پر بیٹھ جائیں گے۔“ اور کرن ان کے ساتھ چل پڑا۔

آدھے گھنٹے کے بعد اذان ظہر ہوگئی اور نمازی مسجد کی طرف آنے لگے۔ دکاندار بھی مسجد کی طرف آنے سے پہلے بولا۔ ”آؤ گیانی جی، اب مولوی صاحب آ گئے ہوں گے۔ نماز کے بعد آپ ان سے ملاقات کرسکتے ہو۔ جب تک نماز ہو آپ دروازے پر ان کا انتظار کرنا۔“

نماز کے بعد دکاندار نے مولوی صاحب کو بتا دیا کہ آپ کا کوئی ہندو مہمان مسجد کے دروازے پر موجود ہے۔ مولوی جمال الدین دروازے پر آئے تو دکاندار بھی ان کے ساتھ ہی تھا۔ مولوی صاحب کو دیکھ کر کرن مہاراج کھڑا ہوگیا۔ دکاندار نے آگے بڑھ کر کہا۔ ”یہی ہیں مولوی صاحب۔“

کرن ہاتھ جوڑ کر کھڑا رہا اور پھر چند منٹ کے بعد بولا۔ ”میں دلی سے آیا ہوں، حکیم وقار کے پاس سے۔“

رولوکا نے حکیم وقار ہی کا حوالہ دیا تھا۔ ”اچھا اچھا، خوشی ہوئی مل کر، میں کیا خدمت کرسکتا ہوں؟“ مولوی صاحب بولے۔

”بات ذرا تفصیلی ہے۔“ کرن نے کہا۔

”میں سمجھ گیا، آئیں میرا غریب خانہ قریب ہی ہے۔“

اور مولوی جمال الدین اس کو لے کر اپنی بیٹھک میں آ گئے۔ یہ کمرہ گھر سے باہر تھا۔ اس میں صرف ایک فرشی دری پڑی تھی۔ اس پر سفید چاندنی بچھی ہوئی تھی اور دیوار کے ساتھ ساتھ گاؤ تکیئے رکھے تھے۔ ان پر بھی سفید غلاف چڑھے ہوئے تھے۔ کمرے کے اندر لوبان اور اگربتی کی خوشبو بسی ہوئی تھی۔ دیواروں پر کسی قسم کی کوئی آرائش نہیں تھی، مگر دو تین جگہ کیلوں پر تسبیحیں ضرور لٹک رہی تھی۔

مولوی صاحب نے چپل باہر ہی اتار دی اور بولے۔ ”آ جاؤ میاں، چپل اتار کر اندر آرام سے بیٹھو۔“

کرن نے وہی کیا جو اس سے کہا گیا تھا۔ دونوں آمنے سامنے بیٹھ گئے تو مولوی صاحب بولے۔

”ہاں بھائی، اب بتاؤ...... کیا بات ہے؟“

کرن کچھ دیر خاموش رہا، ایسا لگتا تھا جیسے وہ کہانی کا سرا پکڑ رہا ہے اور جب اس کے ہاتھ سرا آ گیا تو اس نے پوری روداد، رولوکا سے ملاقات، اس سے کیا بات ہوئی، وہ سب اور اس پر کیا بیتی وہ سب بیان کر دیا۔

ساری کہانی سننے کے بعد مولوی صاحب نے حیرت سے کہا۔ ”تمہاری پوری کہانی میں حکیم وقار احمد کا ذکر نہیں ہے اور تم اس کے حوالے سے میرے پاس آئے ہو۔ وہ صاحب جنھوں نے تم کو یہاں کا راستہ بتایا ہے وہ کون تھے۔ تمہارا سارا علم اور تپسیا کو بھسم کرنے والا کون تھا، مجھے یہ بھی بتاؤ؟“

”مولوی صاحب، اس کو میں بھی نہیں جانتا۔ میں کیا بتاؤں۔ مجھے جو راستہ بتایا گیا میں اس پر چل کر آپ کے پاس پہنچ گیا۔ آگے جو کریں گے آپ کریں گے۔ میں پرانے راستے پر تو اب جا نہیں سکتا۔ یہ میرے من کا فیصلہ ہے۔“

”میں کچھ کچھ سمجھ رہا ہوں۔ چلو اللہ کی جو مرضی، ہم اس کے فیصلوں پر عمل کرتے ہیں اور تمہارے لئے کیا فیصلہ ہو چکا ہے یہ تو وہی جانتا ہے۔ اگر مجھے وسیلہ بنایا گیا ہے تو میں حاضر ہوں۔ جو خدمت ہوگی کروں گا......“

اور پھر چند ہی روز میں کرن مہاراج سراج الدین ہو گئے۔

☆......☆......☆

وقت کی دھول نے گنگا دھر کے جذبہ انتقام کو ذرا سا دھندلا تو دیا تھا مگر ختم نہیں کیا تھا۔ کچھ لوگ وقت کے فیصلوں کو جلد تسلیم کر لیتے ہیں اور اپنی راہ بدل لیتے ہیں۔ مگر کچھ لوگوں کی طبیعت میں ضد اور انا اس قدر زیادہ ہوتی

ہے کہ وہ کسی بات کو نہیں مانتے وہ زندگی کی آخری سانس تک اپنی انا کی گرفت میں رہتے ہیں۔ اگر یہ سوچ تعمیری رخ اختیار کر جائے تو یہ لوگ بڑے بڑے کام کر جاتے ہیں اور اگر تخریبی سمت میں اس کا رخ ہو جائے تو انسانوں کے لئے سخت پریشانی کا باعث ہوتا ہے۔ گنگا دھر جیسا نظر آتا تھا ویسا نہیں تھا۔ بظاہر وہ رحم دل ویدھ تھا، مگر رحم دلی اس میں ذرا نہیں تھی۔ وہ لوگوں سے ان کے علاج سے زیادہ رقم وصول کرتا تھا۔

وہ ذات کا کٹر برہمن تھا اور ایسا کٹر برہمن کہ صرف اپنی ذات کے برہمن کو ہی انسان سمجھتا تھا۔ دنیا کے سارے انسان اس کی نظر میں کم ذات تھے۔ وہ خود کو بہت افضل و اعلیٰ خیال کرتا تھا۔ ہندوؤں میں بھی اس کا نظریہ یہی تھا۔ مسلمانوں کا تو وہ کٹر دشمن تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ کسی دنیاوی اور مطب برآوری کی خاطر مجبوراً مسلمانوں سے تعلق رکھتا ہو، مگر دل کے اندر کسی مسلمان کے لئے کوئی گنجائش نہیں تھی۔ حکیم وقار کی ترقی اور اچھی شہرت اس آنکھ کا کانٹا بن گئی تھی۔ وہ کسی نہ کسی طرح اس کی شہرت اور نیک نامی کو ختم کرنا چاہتا تھا۔ مالی جانی ہر قسم کے نقصان کرنے کو تیار تھا۔ کرن مہاجر بھی غائب ہو گیا۔ اب وہ پھر کسی ایسے ہی گیانی کی تلاش میں تھا جو اس کا کام کر سکے۔

اجین کے سری واشو سے اس کی ملاقات ہو گئی۔ اس نے بتایا کہ ایک بہت پہنچا ہوا گیانی آگرہ کے قریب فیروز آباد میں آیا ہوا ہے۔ تم اس سے ملاقات کرو، شاید وہ تمہارا کام کر دے۔ اور گنا دھر آگرہ کو روانہ ہو گیا۔ فیروز آباد آگرہ کے قریب ہی ایک شہر ہے، اس شہر کو آگرہ کا جڑواں شہر کہا جاتا ہے۔ یہاں پر گھر گھر چوڑیاں بنانے کی بھٹیاں لگی ہوئی ہیں۔ آبادی مسلمانوں کی زیادہ ہے اور ساری چوڑیوں کی انڈسٹری مسلمانوں کے پاس ہے۔ ہندو بنئے صرف قرض ادھار اور چوڑیوں کی خریداری کرتے ہیں اور پورے ہندوستان میں سپلائی کرتے ہیں۔ یہ کام بہت سخت اور گرم ہے کہ صرف مسلمان ہی کرتے ہیں۔ کوئی ہندو اس طرف نہیں آتا۔ شہر میں سخت گرمی ہوتی ہے، کیونکہ پتھر کے کوئلے کی بھٹیاں ہر گھر میں بنی ہوئی ہیں۔

گنگا دھر کو پتہ تھا۔ وہ شہر میں داخل نہیں ہوا۔ موسم بھی گرمیوں کا تھا۔ وہ اسٹیشن کے قریب ہی ایک ہندو ہوٹل میں رک گیا اور اس نے وہیں رہ کر گیانی جی کا کھوج لگانے کا فیصلہ کیا اور ایک ہوٹل کے ملازم سے پوچھا۔

”تم فیروز آباد کے رہنے والے ہو متر؟“

”ہاں جی، یہیں پر ہوش سنبھالا ہے۔ ویسے میں رہنے والا بلند شہر ہوں۔ وہ بولا۔

”اچھا شبھ نام کیا ہے؟“ گنگ ادھر بولا۔

”جیون لال نام ہے میرا۔“ وہ بولا۔

”میں ایک آدمی کی تلاش میں دلی سے آیا ہوں۔“ گنگا دھر نے کہا۔

”کون ہے جی وہ۔ مجھے پتہ ہوگا تو بتا دوں گا۔“ جیون لال نے جواب دیا۔

ان کا نام سوامی شردھانند ہے۔ بہت بڑے گیانی ہیں۔ ایک جگہ نہیں ملتے، پورے دیش میں پھرتے ہیں۔ اب سنا ہے یہاں آئے ہوئے ہیں۔“ گنگا دھر نے کہا۔

”ہاں جی سمجھ گیا، بڑے گیانی ہیں وہ تو مگر اب وہ فیروز آباد میں نہیں ہیں۔ دو تین دن بالا جی کی دھرم شالہ میں ٹھہرے تھے۔ میں بھی ان کے درشن کو گیا تھا۔ پن وہ باہر نہیں آئے۔ میں بن درشن کے واپس آ گیا۔“ جیون لال نے بتایا۔

”اب وہ کہاں ہیں، یہ تم کو پتہ ہے؟“ گنگا دھر نے پوچھا۔

”بالا جی دھرم شالہ سے پتہ چلا ہے کہ وہ خواجہ چلے گئے ہیں۔ وہاں پر بھی بالا جی کی دھرم شالہ ہے وہیں پر رکیں گے۔“ جیون لان نے بتایا۔

”تم کو خوب اچھی طرح پتہ ہے؟“ گنگا دھر نے پوچھا۔

”ہاں، خوب اچھی طرح پتہ ہے۔ میں نے خود بالا جی دھرم شالہ میں پتہ کیا ہے۔“ جیون لال بولا۔

اور گنگا دھر خواجہ روانہ ہو گئے۔ یہاں پر ہندوؤں کی آبادی زیادہ ہے، مسلمان ہیں تو مگر خوش حالی ان میں نظر نہیں آتی۔ زیادہ تر کاروبار ہندوؤں کے ہاتھ میں ہے۔

بالا جی دھرم شالہ شہر سے نکال پر تھی۔ بس خواجہ کا وہ آخری سرا تھا۔ ایک ہنومان کا بہت بڑا مندر بنایا گیا تھا۔ اس کے چاروں طرف چار دیواری کے اندر یہ دھرم شالہ بنی ہوئی ہے۔ اس کے اندر اور باہر آبادی صرف ہندوؤں کی تھی۔

گنگا دھر سیدھا دھرم شالہ میں چلا گیا اور اس نے جاتے ہی سوامی سردھانند کے بارے میں پتہ کیا۔

''ارے بھیا ہم کا بتائیں بڑے پجاری جی سے پوچھو۔'' اس کو جواب ملا۔

اور وہ ہنومنا مندر کے بڑے پجاری کے پاس چلا گیا۔ اور بولا ''مجھے سوامی سردھانند جی سے ملنا ہے۔ دلی سے آیا ہوں۔'' گنگا دھر بولا۔

''سوامی جی سے تم ابھی تو نہیں مل سکو گے۔ یہ بتاؤ تمہارا نام کیا ہے؟ اور کس ذات کے ہو۔'' پجاری نے پوچھا۔

''میرا نام گنگا دھر ہے۔ میں دلی میں رہتا ہوں اور وید ہوں۔ ذات کا برہمن ہوں۔'' گنگا دھر نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے، ملاقات ہو جائے گی، فکر نہ کرو۔ دو چار دن آرام کرو، تم برہمن ہو، ہمیں اپنی خدمت کا موقع دو۔'' پجاری نے کہا۔

''وہ تو ٹھیک ہے، پرنتو مجھے ذرا جلدی ہے۔ سوامی جی جلدی نہیں ملیں گے؟'' گنگا دھر نے کہا۔

''ہاں، تین دن تو ہرگز نہیں ملیں گے، کیونکہ وہ ہنومان جی کے مندر کے اندر ہیں اور ان کا جاپ تین روز کے بعد ختم ہوگا اور وہ خود باہر آئیں گے جب ہی تم ملاقات کر سکو گے۔''

''وہ اس سے پہلے باہر نہیں آئیں گے؟'' گنگا دھر نے پوچھا۔

''تم برہمن ہو، پھر بجرنگ بلی کو نہیں جانتے، ادھورا جاپ چھوڑ کر کیسے آئیں گے۔ تم کو پتہ ہے جو ادھورا جاپ چھوڑ دے اس کا کیا ہوتا ہے؟'' پجاری نے کہا۔

''ٹھیک کہا آپ نے پجاری جی، جاپ تو کوئی بھی ادھورا نہیں چھوڑا جاتا۔'' گنگا دھر نے جواب دیا۔

''تو پھر انتظار کرو، آرام سے رہو، کھانے پینے کی چنتا مت کرو، ہنومان جی کی یہ نگری ہے۔ چاہو تو باہر گھومو پھرو۔'' اور پجاری جی یہ کہہ کر چلے گئے۔

تین روز کے بعد پجاری جی نے بتایا کہ ''لو بالک تیار ہو جاؤ، سوامی جی مندر سے باہر آ گئے ہیں اور بہت خوش ہیں۔ ان کا جاپ بجرنگ بلی نے سویکار کر لیا ہے اور ان کی شکتی میں بجرنگ بلی کی شکتی کا بھاگ بھی شامل ہو گیا ہے۔'' پجاری جی نے بتایا۔

''یہ تو بڑی خوشی کی خبر سنائی آپ نے۔'' گنگا دھر نے جواب دیا۔

''شام کو میں پوجا کے بعد آ جاؤں گا اور تمہاری ملاقات کرا دوں گا۔''

شام کو گنگا دھر او پجاری دونوں سوامی جی کے سامنے موجود تھے۔ سوامی جی نے ایک نظر دونوں کو دیکھا اور بیٹھنے کا اشارہ کیا اور بولے۔ ''تو کس چکر میں پڑ گیا مورکھ۔ برہمن ہے، ارے بھجن کیرتن کرنا تیرا کام ہے۔ کتھا سنا دے اور شادی بیاہ کی مہورتیں نکال دے، اتنی وچھنا مل جائے گی کہ تجھے وید کی دکان نہیں کھولنا پڑے گی۔ تیرا کلیان ہو جائے گا.....'' سوامی کی آواز میں حکم تھا۔ ٹھہراؤ تھا۔

گنگا دھر نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا او ردل میں سوچا۔ یہ واقعی انتر یامی ہیں۔ میں جس کو تلاش کر رہا تھا یہ وہی ہیں۔ یہی میرا کام کر سکتے ہیں۔

''کس وچار میں پھنس گیا؟'' وہ بولے۔

''میں کیا جواب دوں آپ تو خود ہی جانتے ہیں۔'' وہ بڑی مشکل سے بولا۔

''نہیں تم کو خود بتانا پڑے گا۔'' وہ بولے۔

"بات بڑی لمبی ہے سوامی جی۔" وہ ڈرتے ڈرتے بولا۔

"کہنا شروع تو کر، ختم بھی ہو جائے گی۔"

اور اس نے ہندو جاتی کی بے عزتی سے بات شروع کر دی اور حکیم کی بربادی پر ختم کر دی۔

"وہ حکیم تجھ پر حاوی ہے، ایسا نہیں ہے۔ تو خود کمزور ہے۔ ایسا ہے۔ پرنتو کڑیاں جڑ نہیں رہی ہیں۔ تم نے کچھ چھپایا ضرور ہے۔" سوامی جی نے کہا۔

"میں نے کچھ نہیں چھپایا۔ کرن مہاراج کو بھی سب بتا دیا تھا مگر وہ تو دھرتی سے غائب ہو گئے۔ اس سے پہلے جو یہ کام کرنے پر راضی ہوئے وہ بھی اپنی جان سے گئے۔ مگر حکیم پر کوئی الزام نہیں آیا اور عدالت نے بندروں کو قاتل قرار دیا۔ یہ ہندوستان ہے سوامی جی، یہ ہمارا دیش ہے اور ہم ہی شرمندہ ہیں کہ ایک مسلمان ہمارے سینوں پر مونگ دل رہا ہے اور ہم اس کا کچھ نہیں کر سکتے۔ یہ میرے لئے اور ہندو جاتی کے لئے شرم کی بات تو ہے نا۔" گنگا دھر نے کہا۔

"شانتی سے بات کرو بالک۔ تمہاری ذاتی لڑائی اگر کسی سے ہے تو تم اس کو دھرمی یدھ مت بناؤ۔ تم یہ کیوں نہیں مانتے کہ تم حکیم کے مقابلے میں ہر طرح کمزور ہو۔ اس کا علاج اچھا ہے، سلوک اچھا ہے، دوائیں، جڑی بوٹیاں اچھی ہیں اور انسان کی حیثیت کے مطابق پیسے لیتا ہے۔ تم اس کے مقابلے کیا ہو، تم خود کو ویسا بنا لو، جیسا وہ ہے تو تم بھی کامیاب ہو جاؤ گے۔" سوامی جی نے صاف گوئی سے کہا۔

"سوامی جی آپ اس مسلمان کی طرفداری کر رہے ہیں۔" گنگا دھر نے مایوسی سے کہا۔

"نہیں، میں ایک انسان کی خوبیاں بتا رہا ہوں۔ تم درمیان میں دھرم کو لا کر جذباتی باتیں کر کے مجھے غلط سمت میں لے جانے کی کوشش کر رہے ہو۔" سوامی جی نے کہا۔

"دھرم تو سوامی جی خود بخود بیچ میں آ جاتا ہے۔" گنگا دھر بولا۔

"تم دھرم کو ضرور درمیان میں رکھو، مگر وہ درمیان کی کڑی تو بتاؤ جس کے کارن تم اب تک کسی کوشش میں کامیاب نہیں ہوئے۔" سوامی جی نے کہا۔

"میں جو جانتا ہوں بتا رہا ہوں۔ بہت سی باتیں ایسی ضرور ہیں جن پر میں خود حیران ہوں۔ مگر ان کی تہہ تک پہنچنا میرے بس سے باہر ہے۔ میں کیا بتاؤں۔"

"اور تم اس کے لئے حکیم کو الزام دے رہے ہو جو کچھ تم نے بتایا اور میری شکتی نے مجھے بتایا ہے اس سے اندازہ یہ ہوا کہ حکیم نردوش ہے۔ درمیان میں کہیں پر کوئی چیز ایسی ہے جس کو سب چھوڑ رہے ہیں۔"

"مگر میں اس کو نہیں چھوڑوں گا۔ وہ زہریلی مکھیا اور بندر دونوں میری نظر میں ہیں۔"

"تمہاری لڑائی حکیم سے ہے، مگر میں تم سے یہ کہوں گا کہ تم اس لڑائی کو بھول جاؤ۔ کیا تم میرا کہنا مانو گے۔" سوامی جی نے کہا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" گنگا دھر حیرت سے بولا۔

"دشمنی تو اس سے ہے جو درمیانی کڑی ہے۔ حکیم سے دشمنی بے معنی ہے۔ اگر تم اس سے دشمنی رکھتے ہو تو پھر جاؤ خوب کرو دشمنی، تم اس سے جیت نہیں پاؤ گے۔" سوامی جی نے کہا۔

"وہ درمیانی کڑی جو بھی ہے کیا وہ حکیم کے ساتھ ہے؟" گنگا دھر نے جواب دیا۔

"لگتا ایسا ہی ہے۔ مگر ابھی میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔" سوامی جی نے جواب دیا۔

'میں آپ کو ناراض نہیں کر سکتا، حکیم سے اپنی دشمنی ختم کر لیتا ہوں۔" گنگا دھر بولا۔

"اب میرا کام شروع ہوتا ہے۔ اب تم اپنے گھر جاؤ، ضرورت ہوئی تو میں خود تم کو بلاؤں گا۔"

اور گنگا دھر خوش خوش دلی واپس آ گیا۔ اس کو دوہری خوشی ہو رہی تھی۔ ایک تو کام ہونے کی امید اور

دوسرے سوامی جی نے اس سے کچھ نہیں لیا۔ ایک ذرا سا افسوس یہ ضرور تھا کہ حکیم سے وہ اب کچھ نہ کہہ سن سکے گا۔

☆......☆......☆......

سوامی شردھانند نے حکیم وقار احمد سے گنگا دھر کی دشمنی ختم کردینے کا وعدہ تو ضرور لے لیا تھا۔ مگر گنگا دھر کے دل میں جو کانٹا تھا وہ موجود تھا۔ سوامی شردھانند نہایت ٹھنڈے دماغ اور بہت ہوشیار اور سوچ سمجھ کے کام کرنے والا آدمی تھا۔ اس نے گنگا دھر سے روداد تو پوری سنی تھی، اس کی ذاتی خلش اور دھرمی لڑائی دونوں کو الگ الگ کردیا تھا۔ ذاتی لڑائی میں کاروباری خلش اور رقابت زیادہ تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ حکیم اپنا مطب کرے۔ مگر حکیم کو کس طرح روکا جا سکتا تھا یہ مجبوری ہی کلیم سے دشمنی بن گئی اور اس نے جو کچھ کیا اسی کاروباری دشمنی کی وجہ سے کیا۔ سوامی شردھانند گنگا دھر کے کردار اور حکیم کے کردار کا فرق سمجھ چکا تھا۔ اسی لئے اس نے دشمنی ختم کرنے کی بات کی تھی۔ مگر اس کی سوچ کی گہرائی اور نظر کی وسعت نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ کچھ نہ کچھ ہے ضرور۔ اور اسی کچھ نہ کچھ نے ہی اس کو سوچنے پر مجبور کیا۔ اگر گنگا دھر صرف اپنی دشمنی کو لے کر آتا تو شاید سوامی شردھانند اس کو بے عزت کر کے بھگا دیتا۔ کیونکہ وہ خود بھی بے وجہ کسی معاملے میں ٹانگ نہیں پھنساتا تھا۔

دو باتوں نے اس کو مجبور کیا کہ وہ اس معاملے کو دیکھے۔ ایک تو یہ کہ کوئی نہ کوئی شکتی ایسی ہے جو حکیم کو بچا رہی ہے۔ دوسرا وہ ہندو تھا اور یہاں پر ہندو ہار رہا تھا۔ اسی طرح بقول گنگا دھر کے دھرم یدھ تو یہ تھا۔ اس نے حکیم سے دشمنی ختم کرنے کو کہا تھا اور خوب سمجھ کے کہا۔ گنگا دھر پھر کوئی الٹی سیدھی حرکت کرکے کلیم کو اور اس کے رکھوالے کو ہوشیار کردیتا۔ اب جو کچھ کرنا تھا وہ اسے خود کرنا تھا اور اس کا کام کرنے کا طریقہ بڑی تسلی کا تھا۔ وہ جلد بازی کا قائل نہ تھا۔ پہلے اس کو دشمن کی طاقت کا اندازہ کرنا تھا اور طریقہ جنگ دیکھنا تھا اور اس کے طاقت کے ذرائع پر غور کرنا تھا۔ پہلے جو غلطیاں ہوئیں اب دوبارہ ان کو نہیں دہراتا تھا۔ سوامی شردھانند اپنے قلعہ میں بیٹھا پیادے آگے بڑھا رہا تھا اور رولو کا اس وقت سے اس کے قریب تھا جب وہ پہلی ملاقات گنگا دھر سے کر رہا تھا۔

وہ رولو کا کے بارے میں چھان پھٹک میں لگا ہوا تھا اور کوئی سرا نہیں پکڑ پایا تھا۔ کیونکہ حکیم وقار احمد کے پاس کوئی ماورائی طاقت تھی ہی نہیں اور شردھانند نے اپنے کھوجی حکیم کے ساتھ ہی لگائے ہوئے تھے۔ وہ یہیں سے سرا پکڑنا چاہتا تھا۔ رولو کا اگر چاہتا تو ان سب کھوجیوں کو پکڑ لیتا تو شردھانند کے ہاتھ سرا آجاتا اور اس کو کام کی ابتداء کرنے میں آسانی ہوجاتی۔ شردھانند نے اپنی پوری طاقت استعمال کرلی، بہت اچھے اور کارآمد بیروں کو اس کام پر لگادیا۔ مگر وہ کسی پراسرار طاقت کا پتہ نہیں لگا سکے۔ تو اس کا مطلب ہوا نہایت سادہ اور بے ضرر نظر آنے والا حکیم ہی کچھ نہ کچھ ہے۔ اب اس کے اندر باہر کی تلاشی ہوئی اور اس کے اندر بھی سوائے حکمت اور اللہ کے نام کے کچھ نہ ملا۔

شردھانند بہت ٹھنڈے دماغ کا مالک تھا۔ آسانی سے ہار نہیں مانتا تھا اور غصے میں نہیں آتا تھا۔ مگر اس کی ہر کوشش ہر طریقہ ناکام ہو رہا تھا اور ایک سال گزر گیا۔ گنگا دھر کے صبر کا پیمانہ چھلک گیا اور وہ سوامی شردھانند کے پاس پہنچ گیا۔

''ایک سال بیت گیا۔ سوامی جی میں اپنی زبان پر قائم ہوں۔ مگر میری گردن اب تک جھکی ہوئی ہے۔'' گنگا دھر نے بڑی مایوسی سے کہا۔

سوامی شردھانند نے اس کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر اور نظروں میں ہزاروں سوال موجود تھے۔ مگر وہ کس سے سوالات کرتا۔ اس کی اپنی طاقت، سالہا سال کی ریاضت، دیوی دیوتاؤں کی طاقت اس کے کام نہیں آرہی تھی۔ وہ ایک سال پہلے جہاں سے چلا تھا آج بھی وہیں کھڑا تھا۔ سوامی شردھانند گنگا دھر کو کیا جواب دیتا۔ اس کے پاس کیا جواب تھا۔

''سوامی جی، میرا خیال ہے کہ مجھے کوئی اور دروازہ دیکھنا پڑے گا۔'' گنگا دھر نے کہا۔

"تم بہت جلدی میں ہو تو جو دل کرے کرو، مگر تم کچھ نہیں کر سکو گے...... جو کام دیوی دیوتا نہیں کر پا رہے تم کس سے کراؤ گے، کیا تم کیا سمجھتے ہو، میں خاموش بیٹھا ہوں۔ کچھ نہیں کر رہا۔ میں نے حکیم کے شریر کے اندر باہر سب سیکھ لیا۔ اس کا گھر اس کے دوست اس کے مریض اور علی گڑھ میں اس کے بچے بیوی سب کو اندر باہر سے اچھی طرح دیکھ لیا۔ کوئی منتر کوئی جادو کوئی شکتی کا دور دور پتہ نہیں ہے۔ اب صرف ہنومان سے ہی کہنا رہ گیا۔ شاید وہی کچھ کر دیں۔"

"یہ کونسی ایسی شکتی ہے کہ جس کا پتہ آپ جیسی شکتی مان کو نہیں مل رہا۔ کیا وہ شکتی دیوی دیوتاؤں کی شکتی سے بھی زیادہ ہے۔ سوامی جی میری کھوپڑی میں یہ بات نہیں آ رہی۔" گنگا دھر حیرت سے بولا۔

"ہاں گنگا دھر ایسا ہی ہے۔ جس دنیا میں تم رہتے ہو اس دنیا کے اپنے قاعدے ہیں۔ اپنے قانون ہیں اور جس دنیا میں رہتا ہوں اس کے اپنے قانون ہیں۔ مجھے بھی ان قوانین کی پابندی کرنا پڑتی ہے اور جس دنیا میں دیوی دیوتا رہتے ہیں ان کو بھی اپنی دنیا کے قوانین پر چلنا پڑتا ہے۔ ان کے آگے بھی ایک ریکھا ہے وہ اس ریکھا کو پھلانگ نہیں سکتے۔ کوئی مرضی کا مالک نہیں ہے۔ کہنے کو وہ دیوی دیوتا ہیں اور ان کو شکتی بھی ملی ہوئی ہے۔ مگر سب کے آگے ایک ریکھا بھی ہے اور جس نے وہ ریکھا لگائی ہے وہی جانتا ہے کہ اس نے یہ ریکھا کیوں لگائی ہے۔ یہی سلسلہ اوپر سے نیچے آتا ہے۔ تم تو صرف سطحی باتوں پر دھیان دیتے ہو، اس لئے تمہاری نظر صرف اسی دنیا کو دیکھتی ہے۔ مگر میری نظر جہاں تک کام کرتی ہے، میں نے حکیم کے اردگرد کوئی شکتی نہیں پایا نہ شریر کی شکتی نہ آتما کی شکتی۔"

سوامی شردھانند نے بڑے ٹھہرے ہوئے انداز میں اپنی کمزوری کا اظہار کیا۔

"تو پھر میں مایوس ہو جاؤں۔" گنگا دھر نے مایوسی سے کہا۔

"نہیں، تم جو کر سکتے ہو وہ کرو۔ مگر میری یہ بات یاد رکھنا کہ کوئی پراسرار قوتیں رکھنا والا جادوگر، کالے علم والا ماہر اس حیرت انگیز پراسرار شکتی تک نہیں جا پائے گا اور اگر بہت زور کرے گا تو اس کا حشر وہی ہوگا جو اس سے پہلے ہوا ہے۔ یہ کوئی بہت انوکھی شکتی ہے۔ ہندوستان میں، میں پہلی بار اس کو محسوس کر رہا ہوں۔ ان زہریلی مکھیوں اور بندروں کا راز اب تک راز ہے تو بتاؤ وہ جس کے اثر ہے اس کا پتہ کس طرح چلے گا...... مگر میں ناامید نہیں ہوں۔ میں سارے دیوتاؤں کو مجبور کر دوں گا کہ وہ میرا کام کریں۔ میں نے پوری زندگی جنگلوں، پہاڑوں اور برف پوش وادیوں میں گزاری ہے اور ایسی تپسیا کی ہے کہ انسان سوچ بھی نہیں سکتا۔ یہ سب کیا بیکار کی چیز ہے۔ اب یہ تمہاری انا کا مسئلہ نہیں ہے، اب یہ میری عزت اور دیوی دیوتاؤں کی عزت کا مسئلہ ہے۔ تم جو کرنا چاہو میری طرف سے آزاد ہو۔ مگر کچھ کرنا نہیں، اس لئے کہ تمہارا کسی انسان سے نہیں ایک بڑی شکتی سے ہوگا اور وہ شکتی اب تک پوشیدہ ہے۔ اندھیرے کا تیر بہت خطرناک ہوتا ہے۔"



"**نہیں** سوامی جی میں کچھ نہیں کروں گا بات اتنی گہرائی کی ہے تو میری کیا مجال کہ کچھ کروں۔" گنگا دھر حیرت سے بولا۔

"گنگا دھر بہت اعترافات کرنے پڑتے ہیں۔ تسلیم کرنا پڑتا ہے تم حیرت میں پڑ گئے۔ یہ انسانی فطرت کے عین مطابق ہے۔ دوسرے تم اس ماورائی دنیا کو نہیں جانتے میں خود حیران ہوں۔ جبکہ میں خود اسی دنیا کا ہوں۔ مگر انسان ہوں انسان میں ضد اور تجسس دونوں موجود ہیں۔ میں بھی ان کا شکار ہوں اس لئے میں اس کھیل کو جاری رکھوں گا اس کھیل کا انت کب ہوگا کون ہارے گا کون جیتے گا مجھے اس کا پتہ نہیں ہے۔ تم کچھ نہ کرو اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔" سوامی جی نے جواب دیا۔

گنگا دھر بڑی مایوسی کے عالم میں واپس آ گیا اور سوامی شردھانند بجرنگ بلی کے بت کے بڑے ہال میں

چلا گیا اور جے بجرنگا کا نعرہ لگایا اور اس کے قدموں میں بیٹھ کر رونے لگا۔

''اب میں کیا کروں بتا! سب منتر بے کار ہو گئے اندھیرا دور نہیں ہوا۔ بتا میں کیا کروں...... میری ساری بھینٹ بیکار گئی۔ تو تو سویکار کر لے۔ مجھے بتا وہ کون سی شکتی ہے۔ جو ہے تو مگر نظر نہیں آتی کیا تجھے نظر آتی ہے میں اندھا ہو گیا ہوں۔ مجھے روشنی دکھا تیرے بھگت پر سے اعتبار اٹھتا جا رہا ہے۔ بڑے کٹھن دور سے میں گزر رہا ہوں۔ کالی خاموش ہے۔ بھوانی نے منہ پھیر لیا۔ سارے بیر نا کام ہیں۔ کچھ نظر نہیں آ رہا۔ میرے ایک سو اکہتر بیر بے کار ہیں۔ میں تیرے پاس آیا ہوں۔ تو نے میری بھینٹ سویکار کی ہے تو نے مجھے جو شکتی دی ہے میں اس کو آزمانا چاہتا ہوں۔ مجھے آ گیا دے بجرنگا مجھے آ گیا دے۔'' ہنومان کا بت بے حرکت رہا۔ سوامی شردھا نند اپنا ماتھا پھوڑتا رہا اور رات ہو گئی۔ سارے مندر میں سناٹا چھا گیا۔ پجاری اور مندر کے رکھوالے اپنی اپنی کٹھیاؤں میں داسیوں کے ساتھ بند ہو گئے ہیں۔

سوامی شردھا نند کا چہرہ لہولہان ہو گیا۔ نیند اور کمزوری اس پر غالب تھی کہ ایسا لگا جیسے وہ مندر میں نہیں ہے اس کے چاروں طرف درخت تھے آسمان پر چاند نظر آ رہا تھا اور اس کی روشنی درختوں سے چھن کر اس کے اوپر آ رہی تھی۔ وہ حیرت سے اٹھ کر بیٹھ گیا اور چاروں طرف نظریں دوڑانے لگا میں تو مندر میں تھا۔ مجھے کون یہاں لایا ہے۔ وہ ایک مضبوط دل و دماغ رکھتا تھا اور خود بھی پراسراریت کا مسافر تھا گھبرایا نہیں سکون سے بولا۔

''مجھے یہاں پر کیوں لایا گیا ہے؟''

مگر جواب نہیں ملا۔ وہ پھر بولا...... ''یہ تو بتانا ہی پڑے گا۔'' مگر جواب نہیں آیا۔

وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ''اگر کوئی جواب نہیں تو میں جاتا ہوں۔''

''اتنی جلدی نہ کرو آئے ہو تو آرام کرو جب وقت آئے گا تو تم سے بات کریں گے۔'' یہ آواز درخت سے آ رہی تھی۔

''تم سامنے آ کر بات تو کرو۔'' سوامی نے کہا۔

''میں نے کہا نا کہ وقت آنے پر بات کریں گے۔'' پھر آواز آئی۔

''تم کون ہو؟ اور یہ جگہ کون سی ہے؟'' سوامی نے پوچھا۔

''میں کون ہوں! اس کا کھوج تو تم لگا رہے ہو۔ ہاں یہ بتائے دیتا ہوں یہ جگہ افریقہ کے جنگلات کے بہت اندر ہے اس کے چاروں طرف جنگلات ہیں آدم خور قبائل اور درندوں سے یہ علاقہ بھرا ہوا ہے۔ اگر تم خود سے جانے کی کوشش کرنا چاہتے ہو تو ضرور کرو مگر یہ یاد رکھنا یہاں پر تمہارے دیوی دیوتا اور کوئی جادوئی بیر تمہاری مدد نہیں کریں گے۔ اس درخت کے نیچے تمہاری زندگی بالکل محفوظ ہے تم کو ہر چیز ملے گی اور جب وقت آئے گا تو تم کو واپس بھیج دیا جائے گا۔'' آواز بند ہو گئی۔

''ہنومان مندر سے تم مجھے اتنی دور کیونکر لے آئے؟'' سوامی نے پوچھا۔

''تم خود جان سکتے ہو تم بھی ماورائی شکتی کو مانتے ہو رہا ہنومان کا معاملہ تو میرے پاس بہت ہنومان ہیں۔ دو ہنومان تو تم نے بھی سنے ہیں جو دھرم شالہ میں ناتھ کا کریا کرم کر چکے ہیں تو پھر مجھے کسی ہنومان کا ڈر کیوں ہو گا۔ تمہارے لئے جو شکتی ہے وہ میرے لئے نہیں ہے۔ اس کائنات میں ایک کے اوپر ایک ہے۔ نہ تم حرف آخر ہو نہ میں۔''

''تم نے غلط جگہ ہاتھ ڈال دیا ہے۔'' سوامی نے کہا۔ وہ اب بھی خوفزدہ نہیں تھا۔

''تمہاری پوری شکتی تمہارے پاس ہے تم اس کو استعمال کرنا چاہتے ہو تو ضرور کرو۔'' آواز آئی۔

''مقابلہ دو کے درمیان ہوتا ہے میرے سامنے آؤ تو میں مقابلہ کرو۔'' سوامی نے کہا۔

''تم جیسا شکتی کا مالک یہ بات کرتے اچھا نہیں لگ رہا۔ تم اپنی شکتی سے مجھے سامنے کر لو یا کوئی اور طریقہ

اختیار کرو میں اب جارہا ہوں تم میرے مہمان ہو یہیں پر رہو جس طرح آئے ہو اسی طرح وقت آنے پر مندر میں پہنچادوں گا۔'' اور آواز بند ہوگئی۔

رات گزر گئی بڑے پجاری جی جب ہنومان مندر کے اندر آئے تو دیکھا سوامی جی بے ہوش پڑے ہیں اور خون ان کے چہرے پر جم چکا ہے وہ سمجھ گیا کہ رات بھر سوامی جی بجرنگ بلی کو راضی کرتے رہے ہیں۔ اس نے فوراً ان کو اٹھوایا اور دوا دارو کا انتظام کیا اور ان کو ان کے کمرے میں پہنچا دیا۔ شام تک سوامی جی کی حالت ٹھیک ہوگئی اور وہ بجرنگ بلی کی مورتی کے سامنے پہنچ گئے اور خاموش کھڑے رہے جب سب لوگ باہر چلے گئے تو وہ بولے۔ ''کیوں دنیا کو بے وقوف بنا رہا ہے دیکھ میں کون ہوں تو میرا کچھ بگاڑ سکتا ہے تو بگاڑ تیرا چاہنے والا افریقہ کے جنگلات میں پڑا ہے تو اس کو بچا سکتا ہے تو اس کو بچالے۔ ایک مہینہ صرف ایک مہینہ میں دے رہا ہوں۔ اس کے بعد میری گارنٹی نہیں کہ اس کا تیری قوم والے کیا حشر کریں گے مجھے معلوم ہے تو کون ہے اس پتھر کے اندر بیٹھا ہے۔ یہ نادان قوم کے لوگ تجھے پوجتے ہیں۔ ان کی عقلوں پر تیرے چھیتے پردہ ڈال دیتے ہیں۔ یہ کب تک تو کرے گا ایک وقت ضرور آئے گا کہ لوگ تجھے پتھر مان لیں گے۔'' اور سوامی کے روپ میں رولو کا مندر سے باہر آ گیا۔

ایک مہینہ تک رولو کا مندر میں جاتا رہا اور ہنومان کو اس کا آخر یاد دلاتا رہا۔ پورے مندر کے لوگ بڑا پجاری اس کے قریب رہے۔ ایک مہینہ گزر گیا اور رولو کا سوامی سے مخاطب ہوا۔ ''میں جانتا ہوں تو نے اپنی ہر شکتی کو آواز دے لی۔ مگر جواب نہیں ملا۔ میں جانتا ہوں کیوں جواب نہیں ملا تو بتا کیوں جواب نہیں ملا......؟''

سوامی خاموش رہا اس کے پاس کیا جواب تھا۔

''بات شرمندگی کی ہے تو اس لئے خاموش ہے۔ تو جس شکتی کے بل پر کودتا ہے وہ شکتی شیطان کی ہے تیری ہر شکتی میں اس کے کارندے ہی کام کرتے ہیں۔ اسی لئے ان سے کوئی نیک کام ہوتا ہی نہیں تو انسان کو نقصان پہنچا سکتا ہے دکھ دے سکتا ہے۔ بس تیری شکتی اتنی ہی ہے میری جگہ اگر تو ہوتا تو بتا تو میری خاطر کرتا میرے آرام کا خیال کرتا یا اس کے برعکس کرتا ایک مہینہ تک تو سوچتا رہا ہے۔ تو ایک عقل مند ذی ہوش انسان ہے ہر بات میں نقطے تلاش کرنا تیرا کام ہے ہر وقت میزان تیرے ہاتھ میں رہتا ہے۔ اپنا وزن اور مقابلے پر آنے والے کا وزن تو کرتا ہے اور خود کا وزن کم پاتا ہے تو پھر کسی پہاڑ پر کسی نئے جاپ کے لئے کسی نئی شکتی کی خاطر چلا جاتا ہے اور اپنا وزن مقابل سے زیادہ کرتا ہے اور پھر مقابلہ جیت لیتا ہے اسی لئے تیرا نام سوامی شردھانند جی عزت سے پکارتے ہیں اور سارے ہندوستان کے اندھے لوگ ایک کانے کو راجہ بنائے ہوئے ہیں۔ تجھے اندازہ ہوگیا ہوگا کہ تیری کیا اوقات ہے اس دنیا میں اسی کی حکومت ہے جس نے اس کو بنایا ہے۔ ہم سب اس کے کھلونے ہیں وہ ہم کو اٹھا کر سجادے یا کوڑے میں ڈال دے اس کی مرضی ہے۔ اس کو روکنے والا کون ہے؟ مگر وہ ہر کھلونے کی حفاظت بھی کرتا ہے اس کے آرام کا خیال کرتا ہے کوئی اگر یہ سمجھتا ہے کہ اس کو کوئی نہیں دیکھ رہا تو وہ غلطی کرتا ہے۔ مگر شیطان اس کو اسی غلط فہمی میں مبتلا کرتا رہتا ہے۔ اس کو اپنے راستے پر چلاتا ہے اور پھر بیچ منجدھار میں چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ میری بات تیری سمجھ میں آرہی ہے۔'' رولو کا نے پوچھا۔

''وکیل کا کام مقدمہ لڑنا ہے اور اپنے دلائل سے اپنی لچھے دار باتوں سے جج کو متاثر کرنا ہوتا ہے تم بہت اچھے وکیل ہو بہت اچھے دلائل دیتے ہو اور سب سے زیادہ کارآمد تمہارا حربہ یہ ہے کہ تم انسانی نفسیات سے خوب کھیلتے ہو۔ میں تمہاری گرفت میں ہوں تمہارا سحر چاروں طرف پھیلا ہوا ہے اس ماحول میں تم مجھ سے کیا کہلوانا چاہتے ہو؟ اگر میں چاہوں تو تمہاری من پسند زبان استعمال کرکے تم سے چھٹکارا پانے کی کوشش کرسکتا ہوں۔ مگر میں ایسا نہیں کروں گا۔ کیونکہ میرا نام سوامی شردھانند ہے۔ میں خود سے فیصلہ کروں گا وہی کروں گا کسی اور کا

فیصلہ میں نہیں مانتا۔'' سوامی نے جواب دیا۔
''تم انسانوں کو انسان مانتے ہو؟'' رولوکا نے پوچھا۔
''ہم کیا مانتے ہیں اور کیا نہیں مانتے تم اس طرف مت جاؤ۔'' سوامی نے کہا۔
''انسان کو پیدا کرنے والا ایک ہی ہے۔ اس نے سب کو برابر پیدا کیا ہے۔ ہم اس کو چھوٹا بڑا اونچا نیچا کرنے والے کون ہیں؟'' رولوکا نے پوچھا۔
''میں نے کہا نا کہ میں تم سے وکالت میں نہیں جیت سکتا تم مجھ سے اچھے وکیل ہو دوسرے میں تم سے اس مقام پر نفسیاتی طور پر دبا ہوا ہوں مجھے یہ اعتراف کرنے میں شرم نہیں آ رہی۔'' سوامی ڈھٹائی سے بولا......
''تم اپنے گرو کے مکمل چیلے ہو وہی حربہ استعمال کر رہے ہو جو وہ کرتا ہے۔'' رولوکا نے کہا۔
''تم حقیقت بھی بیان کرنے نہیں دیتے۔'' سوامی نے کہا۔
''شردھانند میری باتوں پر تعصب کی پٹی اتار کر غور کرنا پھر شاید تم کچھ سمجھ سکو۔ آؤ میں تم کو مندر پہنچا دیتا ہوں.....''

☆......☆......☆

''تم شردھانند کو کیوں لے کر گئے تھے اور اس سے کیا حاصل ہوا؟'' میں نے پوچھا۔
''اس کے فائدے ابھی تو کچھ نظر نہیں آ رہے۔ مگر امید ہے کچھ نہ کچھ فائدہ ہوگا۔'' رولوکا نے کہا۔
''تم کیا کرنا چاہتے ہو میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا؟'' میں نے پھر پوچھا۔
''میں وہی کر رہا ہوں جو گرونانک نے کرنا چاہا تھا۔ جو گوتم بدھ نے کرنا چاہا تھا۔ پتھر اور جانوروں کو پوجنے والے لوگ اتنی آسانی سے تو نہیں مانتے۔ کیا ان میں رہبر نہیں آئے ہوں گے کیا ان کو نہیں بتایا گیا ہوگا کہ اس کائنات کا مالک ایک ہے کیا شیطان کو یہ لوگ نہیں جانتے شیطان کا مشن یہ لوگ نہیں جانتے۔ بہت کچھ جانتے ہیں۔ مگر پھر بھی پتھر کے بت کے سامنے سجدہ کرتے ہیں۔ مورتیاں بناتے ہیں بازار میں فروخت کرتے ہیں اور لوگ ان کو گھروں میں پھولوں کے ہار ڈال کر رکھتے ہیں۔ دونوں وقت اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر پوجا کرتے ہیں۔ میری کوشش ہے کہ اس میں کچھ کمی کروں اگر میں گنتی کے چند لوگوں کو بھی اس کام سے باز کر سکا تو بھی بہت ہے۔''
''تو تم نے یہ چاہا کہ شردھانند از خود اپنی غلط روش کو چھوڑ دے۔'' میں نے پوچھا۔
''ہاں یہ کام میں طاقت کے ذریعہ نہیں کرنا چاہتا۔'' رولوکا نے کہا۔
''تم چاہتے ہو وہ خود چل کر تمہارے پاس آئے مگر مجھے ایسا ہوتا نظر نہیں آتا اس کی جڑیں اس معاشرے میں اور ہندو سماج میں بہت گہری ہیں۔'' میں نے کہا۔
''میں ایسے ہی لوگوں پر ہاتھ ڈال رہا ہوں۔'' رولوکا نے جواب دیا۔
شردھانند ہنومان مندر میں پہنچ گیا۔ کسی کو ذرا اندازہ نہیں ہوا کہ وہ ایک مہینہ مندر میں نہیں تھا مگر وہ خود بے کل تھا۔ کسی نے اس سے ایک مہینہ کی غیر حاضری کی وجہ نہیں پوچھی۔ کسی نے کوئی سوال نہیں کیا۔ کوئی اس کی خیر و عافیت کے بارے میں دریافت کرنے نہیں آیا۔ اس نے اسی حیرت کے انداز میں بڑے پجاری سے پوچھا۔
''یہ بتاؤ پجاری جی میں پورے مہینے مندر سے غائب رہا۔ مگر سب لوگ بے فکر رہے کسی نے میری آمد کے بارے میں نہیں پوچھا اور میرے غائب ہونے کا کارن پتہ نہیں کیا تھا۔ کسی کو میری پرواہ نہیں ہے لگتا ہے میرا وجود مندر پر بوجھ بن گیا ہے۔''
بڑے پجاری نے حیرت سے سوامی کی بات سنی اور ادب سے بولا۔'' کیسی بات کرو ہو سوامی جی۔ میں روز تم سے صبح ملاقات کرتا ہوں۔ ایک دن بھی تم مندر سے باہر نہیں رہے پھر یہ ایک مہینہ مندر سے غائب رہنے کی کیا بات ہے۔''
''پجاری جی تم کس سوامی کی بات کرتے ہو میں تو

ایک مہینہ باہر رہ کر آج ہی پہنچا ہوں۔'' سوامی شردھا نند نے کہا۔

''میں کیا کہوں میرے علاوہ بھی مندر میں اور بہت لوگ ہیں جو روز آپ کے درشن کرتے رہے ہیں آپ چاہیں تو ان سے پتہ کر سکتے ہیں۔'' پجاری کی حیرت بڑھتی جاری تھی۔

''نہیں کسی سے کچھ پتہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور یہ بات کسی کو پتہ بھی نہ چلے کہ میں یہاں سے کہیں گیا تھا یہ بات تم اپنے تک ہی رکھنا مجھے یہ بتاؤ جو میری جگہ یہاں تھا۔ کیا وہ بالکل میرے جیسا تھا تم نے کوئی فرق اس میں پایا؟'' سوامی نے پوچھا۔

''میں نے تو کوئی فرق محسوس نہیں کیا۔ جب شبہ ہی نہیں تھا تو فرق کیا محسوس کرتے۔'' پجاری نے جواب دیا۔

''نہیں ایسا نہیں ہو سکتا وہ شکل سے جسم سے آواز سے نقل کر سکتا ہے مگر میرے روزمرہ کے کام وہ نہیں کر سکتا تم نے اس ضمن میں کوئی انتر پایا؟''

''ہاں ذرا سا انتر میں نے پایا تھا مگر میں سمجھا شاید تم نے طریقہ کار تبدیل کیا ہے۔'' پجاری نے کہا۔

''بتاؤ کیا انتر تم نے محسوس کیا۔''

''رات کی پوجا میں وہ اس وقت مندر آتا تھا جس وقت سب چلے جاتے تھے اور دروازہ بند کر دیا کرتا تھا۔ ہم نے کچھ سننے کی کوشش نہیں کی کیونکہ ہم نہیں چاہتے تھے کہ بجرنگ بلی اور آپ کے درمیان جو بات چیت ہو وہ ہم سنیں یہ میرے نزدیک گھور پاپ تھا۔'' پجاری نے جواب دیا۔

''بہت بڑا فرق تھا یہ مگر تم کیا کر سکتے تھے اچھا کیا کہ تم نے اس کے کام میں رکاوٹ نہ ڈالی وہ بہت بڑی آفت ہے دھرم کے لئے اور میرے لئے۔'' سوامی جی نے فکرمندی سے کہا۔

''مگر وہ ہے، کون جو ہو بہو روپ دھار لیتا ہے؟'' پجاری نے پوچھا۔

''چنتا تو یہی ہے کہ وہ کون ہے..... پورے ہندوستان میں میرے سامنے آنے کی جرأت کس میں ہے۔ دوسرے ہندو جاتی کا کوئی ایسا بے وقوف ہو نہیں سکتا کہ دھرم کو کمزور کرے۔'' سوامی نے کہا۔

''سوامی جی آپ کے لئے کون سا مشکل ہے بس ایک جاپ کی مار ہے پکڑ کے بلائے لو مندر میں۔'' پجاری نے کہا۔

''یہ کام اتنا آسان نہیں ہے جتنا تم نے آسان سمجھ لیا ہے۔ تم اس کی طاقت کا اندازہ نہیں کر سکتے ذرا سوچو مجھے ہزاروں میل راتوں رات لے گیا اور کسی کو میری غیر موجودگی کا احساس تک نہیں ہوا۔ وہ یا کوئی اور میری جگہ مندر میں پوجا پاٹ کرتا رہا۔ تم اور کوئی ذرا سا شک اس پر نہیں کر سکے۔ میں خود اس کے سحر کو توڑنے کی ایک مہینہ تک کوشش کرتا رہا۔

مگر میرا ایک بھی بیر میری مدد کو نہیں آ سکا۔ میں نے سب دیوی دیوتاؤں کو آواز دی مگر کسی نے جواب نہیں دیا۔ میں محسوس کر رہا تھا میری سمجھ میں یہ بات آ رہی تھی کہ میری آواز سنی جا رہی ہے میرے سارے بیر میری مدد کے لئے تیار ہیں مگر وہ کون سی شکتی تھی جو ان کو مجھ تک نہیں آنے دے رہی تھی۔ ایک مہینہ تک میں ہر کوشش ہر جتن کر کے تھک گیا۔ تم اندازہ کر سکتے ہو میری حالت کا میں جو خود کو ہندوستان کا سب سے بڑا جادوگر سمجھتا تھا جس نے زندگی بھر پہاڑوں پر پانی کے اندر جنگلوں میں ایک سے ایک کٹھن جاپ کئے ہر دیوی دیوتا کو میں نے خوش کیا اور انہوں نے مجھے بے پناہ شکتی دی۔ میری ذہنی حالت کا اندازہ تم کر سکتے ہو۔ میری ساری تپیا ساری بھینٹ ساری محنت سب بے کار چلی گئی۔ مجھے اکیلا چھوڑ دیا گیا۔ میں کیا کروں میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔'' سوامی شردھا نند مایوسی سے بولا۔

''یہ سوال تو ہنومان جی سے کرنا چاہیئے وہی تمہارے بیاکل من کو شانت کر سکتے ہیں۔'' پجاری نے جواب دیا۔

''کروں گا اور ضرور کروں گا اس کے بعد فیصلہ ہوگا۔'' سوامی نے خود سے کہا۔

☆......☆......☆

سوامی شردھانند غور کرتا رہا پجاری اس کی ڈھارس بندھاتا رہا وہ جس قدر غور کرتا اسی قدر اس کی پریشانی بڑھتی جاتی۔ ''سوامی جی بات کہاں تک پہنچی؟'' ایک روز پجاری نے سوامی سے پوچھا۔

''جہاں سے چلا تھا وہیں پر ہوں۔ سفر میں ہوں پیر بھی تھک رہے ہیں سامان سفر بھی ختم ہو رہا ہے مگر وہیں پر کھڑا ہوں۔'' سوامی مایوسی سے بولا۔

''ہنومان جی کیا کہتے ہیں؟'' پجاری نے پوچھا۔

''پجاری جی بات یہ ہے کہ جو جتنا جانتا ہے وہ اتنا ہی پریشان ہے ہماری طلب کی کوئی انتہا نہیں ہے ہم کو جتنا ملتا ہے ہم کم ہی سمجھتے ہیں اور کی طلب کرتے ہیں۔ پیٹ بھرتا نہیں۔

یہی حال آگہی کا ہے کہیں انسان رکتا نہیں آگے آگے ہی چلتا رہتا ہے۔ جتنا ہم جانتے ہیں اتنا ہی یہ احساس ہوتا ہے کہ ہم تو کچھ نہیں جانتے اور اسی جاننے کے چکر میں بڑھتے جاتے ہیں۔ جب ذرا یہ احساس ہوتا ہے کہ ہم بہت کچھ جان گئے تو پھر کوئی مقام ایسا آتا ہے کہ خود کو بے علم محسوس کرتے ہیں۔ تم یہ سمجھ لو کہ میں اسی مقام پر کھڑا ہوں۔ میرے سامنے دھند ہے اور کچھ نظر نہیں آ رہا شاید یہی کیفیت آگے بھی ہے۔'' سوامی نے کہا۔

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ شکتی کا کوئی انت نہیں ہے۔'' پجاری حیرت سے بولا۔

''ہاں تم ٹھیک سمجھے اونٹ خود کو بہت اونچا سمجھتا ہے مگر ہے نہیں۔'' سوامی نے کہا۔

''آپ پریشان نہ ہوں بھگوان کوئی نہ کوئی راہ ضرور دکھائیں گے۔'' پجاری نے کہا۔

''میں پریشان نہیں ہوتا میں کوشش کرتا ہوں ہر دفعہ مجھے راستہ بتایا گیا ہے کچھ اگر لیا ہے تو دیا بھی گیا ہے کہیں بندش لگائی ہے تو کہیں اجازت بھی دی گئی ہے۔ اب پھر میں نئی زندگی نئے ارادوں سے شروع کروں گا اب میری زندگی صرف اس شکتی کا کھوج لگانے کو ہے۔ میں سب کچھ داؤ پر لگا دوں گا۔'' سوامی شردھانند ایک نئے ولولے اور جوش سے اٹھ کھڑا ہوا اور ہنومان مندر کے اندر چلا گیا پجاری حیرت سے سوامی جی کو دیکھتا ہی رہ گیا۔

☆......☆......☆

''یہ سوامی شردھانند تو بہت ضدی معلوم ہوتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''نہیں ضدی وہ نہیں ہے۔ دراصل اس نے اپنے کالے علم کو حاصل کرنے میں جو محنت کی ہے اور اس کے بدلے میں اس کو جو ملا ہے وہ بہت کم لوگوں کو ملا ہے۔ غرور تو اس میں پیدا ہونا تھا جب انسان کسی علم کی انتہا پر پہنچ جاتا ہے تو وہ دوسروں کو کمتر خیال کرنے لگتا ہے اور جب وہ کمتر خیال کرنے لگتا ہے تو اس کا واپسی کا سفر شروع ہو جاتا ہے اور ایک دن وہ پھر اسی مقام پر کھڑا ہوتا ہے جہاں سے چلا تھا۔ سوامی اسی کیفیت کا شکار ہے اور جھنجھلاہٹ اس پر سوار ہے اسی میں وہ غلطیاں بھی کرے گا۔'' رولو کا نے جواب دیا۔

''تمہارے خیال میں وہ اب کیا کرے گا؟'' میں نے پوچھا۔

''دیکھو دوست انسان میں ایک کائنات پوشیدہ ہے۔ انسان کا ذہن بہت اہمیت رکھتا ہے۔ مگر وہ اپنا ذہن صرف پانچ فیصد استعمال کرتا ہے۔ اس پر بھی وہ ہر علم کو آسانی سے سیکھ لیتا ہے۔ اگر کوئی اس سے زیادہ اپنے ذہن کو استعمال کرنا سیکھ لیتا ہے تو اس کے لئے کوئی کام مشکل نہیں رہتا۔ وہ زمین پر رہ کر آسمانوں کی سیر کرتا ہے۔ سمندروں کے اندر اور زمین کے اندر کے حالات اس کی نگاہوں کے سامنے آ جاتے ہیں۔ ہر راز اس کے سامنے آ جاتا ہے اور وہ اس کو کھلی آنکھوں سے پڑھ لیتا ہے۔ اس کی وسعت نظری اور وسعت قلبی بے انتہا بڑھ جاتی ہے۔'' رولو کا نے جواب دیا۔

''اور دماغ کے پوشیدہ خزانے کو حاصل کرنے کا کیا طریقہ ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''میرے خیال میں یہ دین ہے رب کائنات کی۔ وہ جب چاہے جس کو چاہے دے سکتا ہے۔'' رولو کا نے

جواب دیا۔ ''انسان خود سے حاصل کرنا چاہے تو؟'' میں نے پوچھا۔

''بہت مشکل سفر درکار ہو گا۔ بہت دور تک جانا پڑے گا۔ ذرا سی غلطی بھی ساری محنت برباد کر دیتی ہے۔ جس قدر انسان کو ملا ہے وہ بھی کم نہیں ہے۔ اس کا زندہ ثبوت یہ ہے کہ ہر روز نئی سے نئی ایجادات آ رہی ہیں زندگی آسان تر ہوتی جا رہی ہے۔

یہ صرف پانچ فیصد سے ہو رہا ہے۔ اگر اس سے زیادہ استعمال کا ہنر آ گیا تو ہر شخص اڑتا پھرے گا اور روز تصادم کا شکار ہو گا۔'' رولوکا نے کہا۔

''بات تمہاری درست لگتی ہے جو نظام قدرت نے دیا ہے وہی بہتر ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''مگر انسان کسی جگہ رکتا کب ہے وہ آگے اور آگے جانا چاہتا ہے اور یہی نہ ختم ہونے والی خواہشات اس کو ڈبو بھی دیتی ہیں۔ نامعلوم کتنی تہذیبیں نامعلوم کتنی قومیں اور بے حد ترقی یافتہ شہر دنیا کے نقشے سے حرف غلط کی طرح مٹ گئے آج ان کا نام بھی کوئی نہیں جانتا۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''اب تم نے سوامی شردھانند کے بارے میں کیا سوچا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''سوامی کو اپنی حالت ٹھیک کرنے میں وقت لگے گا میری اس کی دشمنی نہیں ہے۔ وہ گنگا دھر کے لئے تمہارے خلاف اگر کوئی قدم اٹھائے گا تو دیکھا جائے گا میں ذرا ہندوستان دیکھنا چاہتا ہوں۔ انسانوں کے جنگل بھی میرے لئے بڑی کشش رکھتے ہیں۔'' رولوکا نے کہا۔

''اگر تم اسی روپ میں گئے تو تمہاری مشکلات میں اضافہ ہو جائے گا۔'' میں نے کہا۔

''پھر تم بتاؤ کس روپ میں جاؤں؟'' رولوکا نے پوچھا۔

''ہر شہر میں موقعے کے لحاظ سے اور ضرورت کے مطابق اپنا روپ رکھنا میرا تو یہ مشورہ ہے۔'' میں نے کہا۔

''ہاں یہ ٹھیک ہے مگر میں یہ چاہتا ہوں۔ تم بھی میرے ساتھ سفر کرو۔'' رولوکا نے کہا۔

''میں تمہارے ساتھ ضرور ہوں گا۔'' میں نے کہا۔

''اصل مسافر تو تم ہی ہو گے میں کبھی کبھی نظر آؤں گا مگر رہوں گا ساتھ ساتھ۔'' رولوکا نے کہا۔

''اور کاروبار کا کیا ہو گا؟'' میں نے کہا۔

''وہ تم ہو نہ ہو چلتا رہے گا۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''تیاری کرنا پڑے گی؟'' میں نے کہا۔

''تیاری کیا کرنا ہے ہم جنگل جڑی بوٹیاں تلاش کرنے نہیں جا رہے ہیں۔ میرا خیال ہے میں تمہارے ساتھ تمہارے ملازم کی حیثیت سے سفر کروں گا اس سے یہ ہو گا کہ مجھے اپنا روپ تبدیل کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔'' رولوکا نے کہا۔

''مگر یہ مجھے اچھا نہیں لگے گا تم دوست کی طرح بھی سفر کر سکتے ہو۔'' میں نے کہا۔

''دوست میں اور ملازم میں فرق ہوتا ہے اور پھر یہ صرف دنیاوی دکھاوے کو ہو گا ہم تم جو ہیں رہیں گے تو وہی اس سے تم مجھ سے کام لے سکو گے اور میں حکم بجا لاتا رہوں گا۔''

''میں تو اس پر راضی نہیں ہوں مگر تم مجھ سے زیادہ گہرائی میں سوچ سکتے ہو اس لئے ٹھیک ہے۔'' میں نے مجبوراً کہا۔

''ہمارا پہلا سفر آگرہ کی طرف ہو گا وہاں سے جھانسی اور پھر آگے چلیں گے۔'' رولوکا نے سرسری پروگرام بتایا۔ پرانی دلی ریلوے اسٹیشن سے ٹھیک سات بجے طوفان میل آگرہ کو روانہ ہوئی۔

نام تو اس کا طوفان میل تھا مگر نہ یہ میل تھی نہ اس میں طوفان والی کوئی بات تھی۔ ہر اسٹیشن پر رکتی رکتی دوپہر بارہ بجے راجہ منڈی اسٹیشن پر پہنچی۔ راجہ منڈی اسٹیشن آگرہ شہر کے عین درمیان میں واقع ہے۔ چاروں طرف گھنی آبادی ہے۔

میرے پاس ایک اٹیچی تھا جس کو رولوکا نے اٹھایا

ہوا تھا۔ رولو کا خیر الدین عرف خیرو ملازم کے روپ میں تھا۔ اس کا حلیہ قد و قامت سب کچھ خیر الدین کا تھا۔ میں اس کو خیرو کے نام سے ہی مخاطب کر رہا تھا۔

اسٹیشن کے باہر تانگے والوں کی بھیڑ تھی میں ایک تانگے میں بیٹھ گیا اور اس سے کسی صاف ستھرے ہوٹل میں چلنے کو کہا اور تانگا چل پڑا۔ آدھے گھنٹے کے بعد اس نے ایک ہوٹل کے سامنے تانگا کھڑا کر دیا اور بولا۔

''لو سرکار بہت بڑھیا ہوٹل ہے بڑے بڑے افسر اور انگریز تفریح باز یہیں پر رکتے ہیں۔'' میں اور خیرو اتر پڑے کاؤنٹر پر نام پتہ لکھا اور ہم دونوں ایک ہی کمرے میں ٹھہر گئے۔ آگرہ شہر میں سیاح کثرت سے آتے ہیں کیونکہ یہاں پر بادشاہوں کے دور کی بڑی عظیم عمارتیں ہیں خاص طور سے تاج محل کا نام تو پوری دنیا میں مشہور ہے۔

تین روز کے بعد ہم نے ہوٹل چھوڑ دیا اور جھانسی کے ٹکٹ خرید لئے اور کینٹ اسٹیشن پہنچ گئے۔ گاڑی دن کے گیارہ بجے آ گئی اور ہم سوار ہو گئے۔ ہمارے پاس تو بکنگ تھی اس لئے ہمیں دو سیٹ مل گئیں۔ مگر جن کو سیٹ نہیں ملی تھی وہ زمین پر بیٹھ کر سفر کر رہے تھے۔ گاڑی کے چلتے ہی خیر الدین میرے پاس آیا اور بولا۔

''دروازے کے پاس دو میاں بیوی بیٹھے ہیں میاں کی حالت کچھ اچھی نہیں ہے۔ میں دیکھ آیا ہوں۔ اس کی زندگی سخت خطرے میں ہے۔''

''کیوں کیا بیماری ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''نہیں بیمار نہیں ہے اس پر سخت جادو کر دیا گیا ہے۔'' خیر الدین نے آہستہ سے کہا۔

''اچھا آؤ میرے ساتھ میں اٹھ کھڑا ہوا۔'' اور ہم دونوں دروازے کی طرف چلے گئے۔ وہاں پر ایک شخص لیٹا ہوا تھا اس کا چہرہ ہلدی کی طرح پیلا تھا اور سخت تکلیف میں تھا۔ میں نے عورت سے پوچھا۔

''بہن جی اس کو کیا ہوا ہے؟'' عورت نے ہمدردی کے الفاظ سنے تو رونے لگی۔

''رونے کی ضرورت نہیں ہے یہ ٹھیک ہو جائے گا۔'' اور میں نے خیرو کو کہا۔ ''خیرو ذرا اس کو پکڑنا۔'' میرا اشارہ تھا مطلب تھا کچھ کرو اس کے لئے۔

خیرو نے عورت کو ایک طرف کیا اور آدمی کے جسم پر ہاتھ پھیرنے لگا اور بازو کے پاس سے اس نے ایک سوئی برآمد کر لی اور مجھے دے دی۔ اس طرح اس نے چار سوئیاں اس کے جسم سے نکال کر میرے ہاتھ پر رکھ دیں اور مریض نے حیرت انگیز طریقہ پر فوراً آنکھیں کھول دیں۔ خیرو نے پوچھا۔ ''اب کوئی تکلیف بدن میں ہے؟''

اس نے نفی میں گردن ہلا دی۔

''تمہاری بیماری دور ہو گئی اب صرف کمزوری ہے فکر نہ کرو وہ بھی دور ہو جائے گی۔'' خیرو نے کہا۔

''تمہارا نام کیا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''ہیرا لال ہے یہ میری گھر والی ساوتری ہے۔'' وہ بولا۔

''تم لوگ اتنی تکلیف میں آخر کہاں جا رہے تھے؟'' میں نے پوچھا۔

''کا بتائیں بھیا آگرہ چھوڑ کے جا رہے تھے نہ جاتے تو مارے جاتے۔'' وہ بولا۔

''اتنی کمزوری ہے تم کو آگے سفر مت کرو۔'' میں نے کہا۔

''نہیں بھیا ہم مارے جاویں گے وہ ہم کو نہیں چھوڑے گا۔'' وہ ڈر کر بولا۔

''دیکھو ہیرا لال اس نے تمہارے مارنے کا تو پورا بندوبست کر دیا تھا۔ مگر تم ہم کو مل گئے اور تمہارا علاج ہو گیا۔ اب وہ تمہارا کچھ نہیں کر سکتا۔ اب جو اسٹیشن آئے اس پر اتر پڑو ہم بھی اتر جائیں گے اور تمہارا پورا علاج کر دیں گے۔ یہ دلی کے بہت بڑے حکیم ہیں۔ تم بے فکری سے اترو۔'' خیر الدین نے اس کو ڈھارس دی۔

''تم کو بھگوان خوش رکھے حکیم جی۔ آج کتنے دنوں بعد میں چین سے ہوں میں تمہاری بات نہیں ٹالوں گا جو تم کہو گے بھیا وہی کروں گا۔''

اچھنیرہ آگرہ کا آخری سرا ہے۔ گاڑی آہستہ

ہو رہی تھی اس کا مطلب تھا رک گی۔ اچھنیرہ کے اسٹیشن پر جیسے ہی گاڑی رکی ہم لوگ فوراً اتر پڑے ہیرا لال اور اس کی بیوی کو بھی اتار لیا گاڑی ہمارے اترتے ہی چل پڑی۔ زیادہ مسافر نہیں اترے تھے تھوڑی ہی دیر میں پلیٹ فارم پر سناٹا چھا گیا۔ ہیرا لال اور اس کی بیوی کو خیرو نے ایک بنچ پر بٹھا دیا اور بولا۔ ''آپ لوگ یہاں پر بیٹھو میں ابھی آتا ہوں۔'' اور ایک طرف چل دیا۔

دس پندرہ منٹ کے بعد وہ آ گیا اور بولا۔ ''آؤ میرے ساتھ۔'' اس کے ساتھ ایک آدمی اور تھا ہیرا لال کا بچا سامان خیرو نے اس کے سر پر رکھ دیا اور چل دیا میں بھی ساتھ چلا ہیرا لال ٹھیک تھا مگر کمزوری بہت تھی آہستہ آہستہ وہ اپنی بیوی کے سہارے سے ہمارے ساتھ ہو لیا۔

اچھنیرہ چھوٹا سا اسٹیشن ہے یہاں پر آبادی بھی زیادہ نہیں ہے اسٹیشن ماسٹر کے کمرے کے سامنے خیرو نے سب کو روک دیا اور آواز دی ماسٹر صاحب ایک ادھیڑ عمر کا آدمی تھا نیلی پتلون اور سفید قمیض میں باہر آیا اور بولا۔

''کتنے گھنٹے ٹھہرو گے؟''

''میں نے بتایا نا ماسٹر یہ مریض ہے سفر کرنے کے قابل نہیں ہے مگر مجبوری میں سفر پر نکل کھڑا ہوا ہے یہ حکیم صاحب ہیں اور میں ان کا ملازم۔ اتفاق سے حکیم صاحب کی نظر اس پر پڑ گئی ہم بھی آگرہ کینٹ سے سوار ہوئے ہیں۔ اس وقت بھی اس کی حالت بہت خراب تھی حکیم صاحب نے کچھ علاج کر دیا ہے مگر سفر کے دوران پورا علاج تو مشکل ہے مرض ایسا ہے کہ علاج فوراً ضروری ہے ہم لوگ صرف انسانیت کے ناتے یہ سب کر رہے ہیں۔ یہ ایک نیک کام ہے آپ بھی ہمارا تھوڑا سا ساتھ دیں اور دو چار روز رہنے کا بندوبست کر دیں تو مہربانی ہو گی اگر کچھ خرچ ہو گا تو وہ بھی ہم کر دیں گے۔'' خیرو نے کہا۔

''ارے میاں تم نے تو پوری تقریر کر دی۔'' اسٹیشن ماسٹر نے کہا۔

''خیرو کو تقریر کرنے کا بھی شوق ہے مگر اس وقت اس نے جو وضاحت آپ کی خدمت میں کی ہے وہ بھی بہت ضروری تھی۔'' میں نے کہا۔

''میں ریسٹ روم کھلوائے دیتا ہوں۔ یہاں پر کوئی رکتا تو نہیں ہے اس لئے ذرا گندہ پڑا ہے تم لوگ ذرا سا انتظار کرو میں صفائی کروائے دیتا ہوں۔ دو چار روز کیا ہفتہ بھر رہو۔''

صفائی وغیرہ کے بعد ہم لوگ ریسٹ روم میں آ گئے اچھا بڑا سا کمرہ تھا۔ ہیرا لال کا بستر ایک کونے میں لگا دیا گیا ہیرا لال کی حالت اب بہت بہتر تھی۔ میں نے خیرو کو کہا۔ ''تم ایک بوتل اصلی شہد کا بندوبست کرو اس میں کچھ دوائیں ملا کر ہیرا لال کو دینا ہیں۔'' خیرو فوراً روانہ ہو گیا اور آدھا گھنٹہ میں ہی ایک سیر شہد ایک بوتل میں لے آیا۔

''کیا بات ہے؟ اچھنیرہ تمہارا دیکھا بھالا ہے فوراً ہی لے آئے؟''

''میں خیرو کم اور رولو کا زیادہ ہوں اس لئے لے آیا۔'' وہ مسکرا کر بولا۔

''زیادہ کیا تم تو پورے ہی ہو یہ بتاؤ اس میں کیا ملا کر کھلائیں کہ یہ فوراً چلنے پھرنے کے قابل ہو جائے۔'' میں نے مشورہ کیا۔

''تم جو چاہو ملا دینا ایک دو چیزیں میں لے آتا ہوں۔'' اور رولو کا چلا گیا۔ شام تک دوا تیار ہو گئی اور ہیرا لال کو دے دی۔

خیرو نے ہیرا لال کی بیوی کے کھانے کا بندوبست بھی کر دیا۔ رات کو اسٹیشن ماسٹر نے ایک لالٹین لا کر ریسٹ ہاؤس میں جلا دی اور ہم لوگ سو گئے۔ دوسرے روز ہیرا لال کی حالت بہت بہتر تھی۔ وہ خود اٹھ کر باہر چلا گیا اور پھر میرے پاس آ گیا اور بولا۔

''حکیم جی میں تو مر گیا تھا آپ نے مجھے نئی زندگی دی ہے آپ بھگوان کا روپ ہیں۔''

''میں صرف انسان ہوں اور تم بھی انسان ہو اب تم یہ بتاؤ تمہاری یہ حالت کیسے بنی تھی اور کون لوگ تم کو مارنا چاہتے تھے؟'' میں نے پوچھا۔

''آگرہ کے قریب ایک گاؤں ہے اس کا نام

سوچی ہے میں وہاں کا رہنے والا ہوں۔ پرکھوں کے زمانے سے وہیں پر ہمارا خاندان آباد ہے۔ میرے باپ دادا کے زمانے میں تو زمین ہماری اتنی تھی کہ خوب گزارہ ہو جاتا تھا۔ مگر ہمارا زمین دار ایک اپیر قوم کا ہے اس کی نظر ہمیشہ ہماری زمین پر رہی ہے وہ کسی نہ کسی طرح ہماری زمین پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ اس کے باپ دادا نے کوشش کی کہ ہماری زمین ان کو مل جائے اور تھوڑی بہت ان لوگوں نے ہتھیا بھی لی مگر پھر بھی وہ پوری طرح کامیاب نہیں ہوئے۔ میرے باپ کے بعد میرے پاس صرف پندرہ ایکڑ زمین تھی تین سوا ایکڑ زمین کم ہوتے ہوتے میرے پاس پندرہ ایکڑ رہ گئی۔ اسی زمین پر میرا گزارہ تھا۔ میرا کنبہ زیادہ نہیں تھا اس لئے گزارہ ہو رہا تھا۔ میری یہ گھر والی اور ایک میری ماتا جی، مگر یہ پندرہ ایکڑ بھی موتی لال زمیندار کی آنکھ میں کھٹک رہے تھے۔ اس نے اندر ہی اندر سرکاری کاغذات میں ایسی کارروائی کروائی کہ وہ زمین اس کے نام ہوگئی اور مجھے خبر تک نہیں ہوئی۔ ایک روز اس کے آدمی میرے پاس آئے اور میری فصل پر قبضہ کرلیا ساری محنت میری، بیج میرا، دن رات رکھوالی میں نے اور میری جورو نے کی، میں نے بہت شور مچایا پنچایت بلائی گاؤں کے سرپنچ مکھیا اور سب بڑے بوڑھوں کو جمع کرلیا۔ مگر فیصلہ میرے خلاف ہوا کیونکہ سرکاری کاغذات زمین کا مالک موتی لال کو بتا رہے تھے۔ میں شور کرتا رہا روتا رہا اور بے کار پھرتا رہا۔" موتی لال نے کہا۔

"ارے تو کاہے بیکار خلاف باتیں کرے ہے۔ کام کر میری زمین پر، روٹی تو ملے گی نہیں تو سسرے بھوکا مارا جائے گا۔"

"مگر میں نے نوکری نہ کی کوشش کرتا رہا۔ مگر میری کسی نے نہیں سنی۔ سرکاری دفتر میں سب موتی لال کی طرف تھے میری تو کوئی بات ہی نہیں سنتا تھا۔ اسی غم میں ماہتاری بھگوان کے پاس چلی گئی گھر میں راشن ختم ہوگیا۔ مگر میری بھاگ دوڑ میں کمی نہیں آئی۔ آگرہ شہر میں ایک وکیل سے میں نے بات کی بہت اچھا وکیل ہے۔" وہ بولا۔

"میر تیرا مقدمہ لڑوں گا ہیرا لال اس شرط پر کہ مقدمہ جیتنے پر زمین تیری اور جو خرچ اور جو کچھ وصول ہو وہ میرا ہوگا میں تجھ سے کچھ نہیں لوں گا۔" میں راضی ہوگیا اور میں نے زمین دار پر کورٹ میں کیس کردیا۔ اس کے پاس جب سمن گئے تو وہ آگ بگولا ہوگیا اور اس کے آدمی میرے پاس آگئے۔

"چل ہیرا مالک نے بلایا ہے۔" میں ان کے ساتھ موتی لال کی حویلی میں چلا گیا۔ مجھے دیکھتے ہی موتی لال کی آنکھوں میں غصے کی چنگاریاں نکلنے لگیں۔

"تو دو کوڑی کا آدمی ہے اور میرے خلاف کورٹ میں مقدمہ لڑے گا؟"

"تو کیا کروں سرکار کہیں تو اپنی فریاد پہنچاؤں۔" میں نے کہا۔

"ابے تیرے باپ نے وہ زمین میرے باپ کو بیچ دی تھی یہ تو ان کی مہربانی تھی کہ تو اس پر فصل کرتا رہا میں یہ سوچ کے خاموش رہا کہ چل تو اپنا کنبہ پال رہا ہے مگر تو تو آستین کا سانپ بن گیا میرے خلاف مقدمہ کھڑا کردیا۔" موتی لال غصے سے بولا۔

"میرے باپ نے اگر زمین بیچ دی تھی تو اس نے مجھے نہیں بتایا اور جو کاغذات میرے پاس ہیں ان میں وہ زمین میرے نام ہے۔ میں تو یقین نہیں کرتا کہ وہ زمین بک گئی ہے۔" میں نے ہمت کرکے کہا۔

"میں جو بکواس کر رہا ہوں وہ جھوٹ ہے۔" وہ غصے سے بولا۔

"اب اس کا فیصلہ تو کورٹ ہی کرے گا۔" میں نے کہا۔

"یہ سب گاؤں کے مکھیا، پٹواری اور سرپنچ سب جھوٹے ہیں۔" وہ زور سے بولا۔

"دیکھو زمیندار جی میں بہت غریب آدمی ہوں۔ میں جانتا ہوں میں تم سے مقابلہ نہیں کرسکتا مگر اپنے حق کی خاطر کوشش تو کرسکتا ہوں۔ اگر میں جھوٹا ہوں تو یہ فیصلہ کورٹ میں ہو جائے گا اور میں گاؤں سے چلا جاؤں گا۔"

میں نے کہا۔

"تجھے زندہ جانے دوں گا تو جائے گا نا..... تو نے خود اپنی موت کو دعوت دی ہے۔ مگر میں تجھے ترسا ترسا کر ماروں گا۔"

اور اس کے تین دن بعد میری ماہتاری کا دیہانت ہوگیا اور میرے الٹے ہاتھ میں اینٹھن شروع ہوگئی اور ہاتھ میں سوئیاں سی چبھنے لگیں نہ دن کو آرام نہ رات کو چین میں کسی کام کا نہ رہا اس کے بعد دوسرے ہاتھ میں وہی تکلیف ہوگئی۔ میری حالت ایسی تھی کہ کیا بتاؤں۔

کسی پل چین نہیں تھا اور پھر پورا بدن پھوڑا بن گیا۔ کھانا پینا سب ختم ہوگیا۔ جہاں تک جاسکتا تھا سب وید حکیم علاج کرتے رہے مگر میری حالت بگڑتی ہی گئی تکلیف اتنی زیادہ تھی کہ میں موت کی دعائیں کرتا تھا۔ جو کچھ گھر میں تھا سب ختم ہوگیا تھا اور میں کھٹیا پر پڑا موت کو پکارتا رہتا تھا مگر میری کوئی مدد نہیں کرتا تھا۔

ایک مہینہ گزر گیا۔ یہ مہینہ میں نے کتنی اذیت سے گزارا میں کیا بتاؤں۔ اس مہینہ میں مجھے صرف ایک چیز کی ضرورت تھی اور وہ تھی موت جب حد سے زیادہ تکلیف بڑھ جاتی تھی تو میں غافل ہوجاتا تھا۔ چیخنے چلانے کی طاقت بھی ختم ہوچکی تھی آواز نے ساتھ چھوڑ دیا تھا۔

ایک مہینے کے بعد زمیندار کے آدمی میرے پاس آئے اور بولے۔ "وہ مقدمہ واپس لے لے اور یہ گاؤں اور شہر چھوڑ کر کہیں دور چلا جا نہیں تو تو ایسا ہی رہے گا۔"

میں تو ہار ہی چکا تھا میں نے ان کا کہنا مان لیا اور جدھر منہ اٹھا بھاگ کھڑا ہوا۔" ہیرالال خاموش ہوا تو میں نے کہا۔

"سن لی خیرو تم نے یہ ظلم کی داستان۔"

"ہاں سن لی سرکار۔" خیرو فوراً بولا۔

"تو پھر کیا کریں؟" میں نے پوچھا۔

"ایسا کرتے ہیں موتی لال زمیندار کو بلائے لیتے ہیں۔" خیرو نے کہا۔

ہیرالال فوراً بولا۔ "یہ غضب نہ کرنا بھیا! وہ مجھے دیکھ کر آگ بگولا ہوجائے گا۔"

"تم فکر نہ کرو ہیرالال وہ ہمارے سامنے کچھ نہیں کرسکے گا۔"

"پر وہ یہاں آئے گا ہی کیوں؟" ہیرالال بولا۔

"وہ آئے گا اور ضرور آئے گا۔" خیرو نے کہا۔

"بہت حرامی ہے وہ، تم نا ہی سمجھ رہے ہو بھیا۔" ہیرالال بولا۔

"کل وہ یہاں اسی ریسٹ روم میں تمہارے سامنے کھڑا ہوگا۔"

"بہت مشکل ہے بھیا تم نے ہم پر احسان کیا ہے ہماری جان بچائی ہے ہم تم کو نا ہی روکیں گے۔" ہیرالال بولا۔

"اب تم آرام کرو اور بےفکر ہوجاؤ۔" خیرو نے کہا۔

ہیرالال اپنے بستر پر چلا گیا تو خیرو نے مجھ سے کہا۔

"وہ سوئیاں جو میں نے دی تھیں تمہارے پاس ہوں گی؟"

"ہاں ہیں کیا کرو گے؟" میں نے پوچھا۔

"کسی جادوگر نے اپنے کسی بیر کے ذریعہ یہ سوئیاں ہیرا لال کے جسم میں داخل کردی تھیں اور وہ آہستہ آہستہ دل کی طرف جارہی تھیں اگر یہ دو چار گھنٹے ہم کو نہ ملتا تو اس کا دل چھلنی ہوجاتا اور یہ مرجاتا۔ میں وہ سوئیاں اسی جادوگر کو واپس کردوں گا تاکہ اس کو اندازہ ہو کہ تکلیف کیسی ہوتی ہے۔"

"مگر اس نے یہ کام زمیندار کے کہنے سے کیا ہے اس لئے پہلے زمیندار کی خیریت پتہ کرنا ضروری ہے۔"

"وہ سوئیاں مجھے دونوں سے ملاقات کرادیں گی۔" خیرو نے بات ختم کی۔ میں نے وہ چاروں سوئیاں اس کے حوالے کردیں اور خیرو چلا گیا۔

دوسرے دن صبح ہی صبح زمیندار موتی لال اسٹیشن پر موجود تھا۔ وہ بڑی شان سے ریسٹ روم میں داخل ہوا۔ اس کی شکل ہی غرور اور تکبر کی نشان دہی کررہی تھی۔ آتے ہی اس نے گہری نظر سے اندر کا جائزہ لیا اور ہیرالال اور اس کی پتنی کو دیکھ کر ناک سکوڑ کر بولا۔

"تو اب تک مرا نہیں بہت بے حیا ہے۔"

پھر میری طرف مڑا اور بولا۔ ”تو کون ہے رے؟“
”میں حکیم ہوں اور اپنی زبان کو سنبھال کر بات کرنا۔ یہ تیرا گاؤں نہیں ہے اچھیرہ ریلوے اسٹیشن ہے۔“ میں نے ناگواری سے کہا۔
”بہت دیکھے ہیں میں نے تیرے جیسے حکیم میرا نام موتی لال ہے میں ایک منٹ میں آدمی کو مرغا بنا دیتا ہوں۔“ وہ اکڑ کر بولا۔
خیرو ریسٹ روم میں داخل ہوا اور بولا۔ ”تم تو صرف مرغا بناتے ہو اور ہم اس سے انڈا بھی پیدا کروا لیتے ہیں۔“ خیرو نے جیب سے ایک سفید گیند نکالی اور دکھائی۔
”یہ دیکھ رہے ہو یہ کچے آٹے کی گیند ہے اور اس میں وہی سوئیاں موجود ہیں جو تمہارے گورو مانک چند نے اس ہیرا لال کے بدن میں اپنے ایک بیر کے ذریعہ اتاری تھیں مگر وہ بیر اور سوئیاں دونوں اس گیند میں موجود ہیں میں یہ گیند جس کے ماردوں وہ سوئیاں اور بیر دونوں اس کے شریر میں چلے جائیں گے اور اس کا وہی حشر کریں گے جو ہیرا لال کا ہوا تھا۔ اب بولو کتنے بیسی کے سو ہوتے ہیں۔“ خیرو خاموش ہو گیا۔
”میں نے کب مانک چند کو ایسا کرنے کو کہا تھا۔ وہ جھوٹا ہے۔“ زمیندار جلدی سے بولا۔
”تو میں نے کب کہا ہے کہ مانک چند سے میں نے پوچھا ہے۔ میں تو اس کو جانتا بھی نہیں ملا بھی نہیں۔“
”تو پھر تجھ کو کس طرح پتہ چلا؟“ وہ اکڑ کر بولا۔
”اپنی زبان پر کنٹرول رکھ، موتی لال! میں تیری رعیت نہیں ہوں ساری اکڑ اس گیند کے پھوڑتے ہی نکل جائے گی پھر تیرا مانک چند بھی تجھے نہیں بچا سکے گا۔“ خیرو نے کہا۔
”ٹھہرو! ایسا نہ کرنا میں اپنی غلطی مانتا ہوں۔“ وہ جلدی سے بولا۔
اتنی جلدی کلف اتر گیا کون کون سی غلطی مان رہا ہے یہ تو بتا۔“ خیرو نے کہا۔
”میں نے مانک چند کو یہ کرنے کو کہا تھا۔“ وہ بولا۔
”تجھے اندازہ تھا کہ کسی کے جسم میں چار سوئیاں تیرتی پھر رہی ہوں تو اس کو کتنی تکلیف ہوتی ہوگی؟ تجھے میں اندازہ کروا دوں گا۔“ خیرو نے کہا۔
”یہ غضب نہ کرنا تم جو کہو میں ڈنڈ بھرنے کو تیار ہوں۔“
”تم نے اور تمہارے پرکھوں نے ہیرا لال کی تین سو ایکڑ زمین حیلوں بہانوں سے مکروفریب سے ہڑپ کر رکھی ہے تم کو پتہ ہے؟“ خیرو نے کہا۔
”تین سو ایکڑ زمین، ارے بھیا مجھے تو صرف پندرہ ایکڑ کا پتہ ہے۔“ وہ جلدی سے بولا۔
”جس طرح تو نے پندرہ ایکڑ ہتھیا لئے اسی طرح تیرے پرکھوں نے تین سو ایکڑ پر قبضہ کر لیا تھا وہ سارا کھایا پیا نکالنا پڑے گا۔“ خیرو نے کہا۔
”یہ تو بہت مشکل ہے پندرہ ایکڑ میں واپس کرنے کو تیار ہوں۔“ موتی لال بولا۔
”تو اس طرح نہیں مانے گا۔“ خیرو نے آواز دی مانک چند اندر آجا۔
ایک نہایت مکروہ صورت بڈھا اندر آ گیا اس کا جسم اوپر سے ننگا تھا اور ایک ایک ہڈی صاف نظر آ رہی تھی اور جسم کی رنگت کالی تھی مگر جا بجا نشانات نظر آتے تھے جیسے اس کو کسی گرم چیز سے داغا گیا ہے وہ ہاتھ جوڑ کر خیرو کے سامنے کھڑا ہو گیا اور بولا۔ ”حکم کرو سرکار......“
”یہ کون ہے؟“ خیرو نے موتی لال کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔
”یہ بہت بڑے زمیندار موتی لال جی ہیں۔“ وہ بولا۔
”اس نے تم سے کتنے آدمی مروائے ہیں۔“ خیرو نے پوچھا۔
”بیس کے لگ بھگ۔“ وہ پھر بولا۔
”تم نے ان کو اسی طرح سوئیوں سے مارا تھا؟“ خیرو نے پوچھا۔

''چار پر ہانڈی ماری تھی باقی کو اسی طرح سوئیوں سے مارا تھا۔'' وہ ریکارڈ کی طرح بول رہا تھا۔

''تم کو اس کے بدلے میں کیا ملا؟'' خیرو نے پوچھا۔

''گھر مل گیا اور سال بھر کا راشن ملا تھا۔'' جواب ملا۔

خیرو اب موتی لال سے مخاطب ہوا۔ ''اتنے لوگوں کو مار کر تم کو کیا ملا......؟''

''یہ بکواس کر رہا ہے جھوٹا ہے۔ اس نے خود ہی مارا ہوگا۔''

''موتی لال تم اپنے گناہ دوسروں پر ڈال کر سزا سے نہیں بچ پاؤ گے۔ مگر میں یا میرا مالک یہ حکیم صاحب تم کو سزا نہیں دیں گے۔ تم کو یہ مانک چند ہی سزا دے گا۔ کیونکہ اس آٹے کی گیند میں اس کا ہی بیر قید ہے وہ تم کو تمہارے سارے کرتوت یاد دلا دے گا۔'' خیرو نے کہا۔

''میں سب بات مان لوں گا اس گیند کو تم اندر جیب میں رکھ لو۔'' وہ جلدی سے بولا۔

''تم جتنے ظالم ہو اس سے بڑے بزدل بھی ہو بولو کیا کیا مانتے ہو؟''

''میں تین سو ایکڑ ہیرا لال کے نام کر دوں گا۔'' وہ بولا۔

''اور جو مکان پر تم نے قبضہ کیا ہوا ہے؟'' خیرو نے کہا۔

''وہ بھی واپس کر دوں گا اس کے بیل اور جانور بھی دے دوں گا۔'' موتی لال کی ساری اکڑ ناک کے راستے بہہ گئی۔

''دو مہینے تک ہیرا لال نے جو جسمانی اور ذہنی تکلیف اٹھائی پریشان پھرتا رہا۔ اس کا کوئی بدل نہیں ہے۔'' خیرو نے کہا۔

''تم جو جرمانہ کہو میں منع نہیں کروں گا۔'' موتی لال کمزور آواز میں بولا۔

''اچھا جاؤ ہم یہیں پر موجود ہیں اپنے وکیل کو ساتھ لے کر کل آ جاؤ۔ سب کاغذات تیار کرواؤ۔ پھر آگرہ میں رجسٹری ہوگی......اور تم مانک چند تم انسان کے روپ میں بھیڑیا ہو تم نے جو کچھ کیا ہے اس کی سزا یہ ہے کہ تم پر تمہارا ہی ایک بیر لگا دیا جائے۔ جو روزانہ تمہارے سر پر صبح شام جوتیاں مارتا رہے تم جوتیاں بناتے بناتے جوتیاں کھانے کے قابل ہو گئے ہو۔'' خیرو نے کہا۔

''نہیں سرکار مجھے معاف کر دو میں آئندہ زندگی بھر یہ کام نہیں کروں گا۔''

''موتی لال دنیا میں ایک سے ایک پڑا ہے جب ظلم حد سے گزر جاتا ہے تو اس کے ختم ہونے کا وقت بھی قریب آ جاتا ہے۔ اب بھی وقت ہے خود کو ٹھیک کر لو انسانوں کے ساتھ انسانوں والا سلوک کرو ان کے دلوں میں نفرت کی سوئیاں مت اتارو کیونکہ وہ سوئیاں ایک نہ ایک روز واپس ضرور آتی ہیں۔ دونوں جاؤ۔ میں یہ گیند لئے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ اس میں نفرت بھی ہے اور محبت بھی ہے تم کس کو پسند کرتے ہو یہ اچھی طرح گھر جا کر سوچ سمجھ کے فیصلہ کرنا۔ تین دن کے بعد میں فیصلہ کروں گا۔'' اور وہ دونوں چلے گئے۔

ہیرا لال منہ کھولے یہ سارا تماشہ دیکھتا رہا۔ حیران تو میں بھی تھا مگر یہ رولو کا تھا کچھ بھی کر سکتا تھا۔ ''تم نے سن لیا ہیرا لال۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''ہم تو شاید سو رہے ہیں خواب دیکھ رہے ہیں جب اٹھیں گے جب اصلیت کا پتہ چلے گا۔'' وہ بولا۔ اس کی بیوی جو بہت ہی کم بات کرتی تھی مارے خوشی کے چپ نہ رہی بولی۔

''بھیا یہ کا زمیندار موتی لال ہی تھا؟ سمجھ میں نا ہی آ رہا۔''

''تمہاری پریشانی اور تکلیف کے دن گزر گئے۔'' میں نے جواب دیا۔

''گاؤں میں تو اس کا راج ہے پھر کوئی ٹنٹا کھڑا کر دے گا۔'' ہیرا لال بولا۔

''دودھ کا جلا چھاچ کو بھی پھونک کر پیتا ہے تمہارا ڈر اپنی جگہ ٹھیک ہے۔ مگر سانپ کا زہر نکال دیا

جائے تو وہ بچھوا بن جاتا ہے اور میں تو اس کا پھن ہی صاف کردوں گا تاکہ دوبارہ کبھی زہر اس میں پیدا نہ ہو۔'' خیرو نے کہا۔

''وہ کس طرح کرو گے؟'' میں نے پوچھا۔

''یہ گینداس کے لئے دہشت اور خوف کی علامت بن گئی ہے۔ یہ گیند میں اس کے سامنے اس کی حویلی میں ڈال دوں گا اور کہہ دوں گا کہ اگر اس کی نیت میں کبھی بھی فتور آیا تو یہ گیند خود بخود پھٹ جائے گی اور پھر کیا ہوگا یہ تو اس کو یقین ہے۔ اس کے بعد اس کی اولاد کو بھی یہی خطرہ درپیش رہے گا اور ہیرالال محفوظ رہے گا۔'' خیرو نے بتایا۔

''واہ خیرو کیا بندوبست کیا ہے۔'' میں نے کہا۔

''یہ صرف ڈر، دہشت کی بات ہی نہیں ہے اگر اس نے کچھ کرنے کی کوشش کی تو اس کا بہت برا حشر ہوجائے گا۔ جادو کے بیر کبھی ختم نہیں ہوتے یہ بات دوسری ہے کہ ان سے کوئی طاقتور ان کو ختم کردے خود سے وہ ختم نہیں ہوتے موتی لال کی حویلی میں ایک بیر اس شرط پر ہی رہے گا کہ وہ ٹھیک ہوجائے۔ یعنی جو شرط رکھی گئی ہے اس پر پورا رہے۔ دوسری صورت میں اس بیر پر سے پابندی ہٹ جائے گی۔ یہ میں مانتا ہوں کہ یہ بہت سخت سزا ہے مگر اس خاندان نے بھی صدیوں سے پیڑی در پیڑی ظلم کیا ہے تو ان کو بھی ایسی ہی سزا ملنی چاہیئے۔''

''اور مانک چند کا کیا ہوگا؟'' میں نے پوچھا۔

''وہ سادہ کاغذ کی طرح ہوگیا ہے۔ اب اس کے پاس کچھ نہیں رہا اس کے سارے کبوتر اڑ چکے ہیں صرف ایک باز چھتری پر بیٹھا ہے وہ اس کی جان مرتے دم تک نہیں چھوڑے گا۔'' خیرو نے بتایا۔

تیسرے دن گیارہ بجے موتی لال ایک وکیل کے ساتھ آ گیا بہت تھکا تھکا اور کمزور سا نظر آ رہا تھا۔ آتے ہی بولا۔ ''یہ ہیں وکیل مول چند سری واستو سارے کاغذات تیار ہیں میں نے تین سو ایکڑ زمین ہیرللال کو فروخت کردی ہے رقم وصول ہوگئی ہے اس کی رجسٹری کل آگرہ میں ہوگی ہیرالال کو میرے ساتھ چلنا ہوگا۔ اس کا مکان میں نے خالی کروادیا ہے سب جانور وہیں پر ہیں۔ زمین پر جو فصل کھڑی ہے اس کا مالک بھی ہیرالال ہے۔ دس ہزار روپے ہرجانہ میں ادا کروں گا۔ مجھ سے اور میرے پرکھوں سے جو غلطیاں اب تک ہوئی ہیں میں اس کی معافی یہاں مانگتا ہوں اگر کہو گے تو گاؤں میں سب کے سامنے بھی مانگ لوں گا۔''

ہیرالال میرے پیروں میں گر پڑا۔ ''تم انسان نہیں ہو دیوتا ہو اور خیرو بھیا تو پورے دیوتا ہیں میری بگڑی تقدیر بدل گئی۔ میری عزت پھر سے بحال ہوگئی۔ ارے میں تو مرنے آگرہ سے جا رہا تھا مجھے کیا خبر تھی میری زندگی میری زمین، گھر، عزت، سب کچھ آگرہ سے نکلتے ہی مل جائے گا۔ ریل گاڑی میں دیوتا بھی سفر کرتے ہیں مجھے اس کا اندازہ نہیں تھا۔'' میں نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''نہیں ہیرالال ہم صرف انسان ہیں انسان ہونا بڑے فخر کی بات ہے۔''

''اگر انسان ہو تب......'' ہیرلال بولا۔ ''تم نے میری اور میری آنے والی پیڑی کی زندگی بنادی ہے اس کا احسان تو میرے خاندان پر ہمیشہ رہے گا مگر میں کچھ خدمت تم دونوں دیوتاؤں کی کرنا چاہتا ہوں۔''

''نہیں ہیرالال اس کی ضد نہ کرو انسان اگر کسی دوسرے انسان کے کام آتا ہے تو وہ کبھی یہ نہیں سوچتا کہ وہ اس احسان کا بدلہ لے گا اور اگر کوئی یہ سوچ کر کسی پر احسان کرتا ہے تو اس کی نیکی برباد ہوجاتی ہے انسان کے لئے ہر قدم پر ایک سبق موجود ہوتا ہے کوئی اس سبق کو پڑھتا ہے یاد کرتا ہے اور پھر قدم آگے بڑھاتا ہے کوئی سرسری نظر ڈالتا ہے اور گزر جاتا ہے۔ مگر امتحان کی منزل سے تو ایک نہ ایک روز سب کو گزرنا پڑتا ہے جو سبق یاد کرتے ہیں وہ آسانی سے پرچہ حل کردیتے ہیں اور جو سرسری نظر ڈال کر آگے بڑھ گئے تھے وہ پھنس جاتے ہیں کسی کو ازسرنو سبق پڑھنے کا موقعہ مل جاتا ہے اور کسی کو یہ موقعہ بھی نہیں ملتا خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کو ازسرنو سبق یاد کرنے کا موقع ملتا ہے اور موتی لال تم نصیب کے دھنی ہو کہ تم کو یہ

موقع ملا ہے تمہارے پرکھے بدنصیب تھے۔" رولوکا نے یا خیرو نے اپنی بات ختم کی۔

موتی لال آگے بڑھ کر خیرو کے گلے لگ گیا اور بولا۔ "تم دیوتا ہو۔ تم نے مجھے شیطان سے انسان بنا دیا۔ مجھے خدمت کا موقعہ دو۔"

"موتی لال ہم مسافر ہیں مسافروں کا ساتھ اتنا ہی ہوتا ہے۔" میں نے کہا۔

"ہاں موتی لال ہمارا رکنا بہت مشکل ہے۔ شاید آگے کوئی اور کام ہمارا انتظار کر رہا ہو؟" خیرو نے کہا۔

"اب آگے کیا بولیں بس اتنی بنتی ضرور کریں گے کہ جب بھی آگرہ آؤ درشن ضرور کرانا۔" موتی لال نے کہا۔

"ہاں بھیا! ہمارے گاؤں ضرور آنا۔" ساوتری نے کہا۔

"ضرور آئیں گے۔" میں نے کہا اور وہ لوگ خوشی خوشی گاؤں چلے گئے اور ہماری گاڑی جھانسی کی طرف روانہ ہوگئی۔

☆......☆......☆

جھانسی اچھا بڑا شہر ہے طرز تعمیر پرانا ہے راجاؤں کے زمانے کی قدیم عمارتیں جابجا نظر آتی ہیں ایک بہت مضبوط قلعہ بھی بنا ہوا ہے جھانسی کی رانی اسی قلعہ میں رہا کرتی تھی اس کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ مردوں کے شانہ بشانہ بڑی بہادری سے لڑا کرتی تھی۔ اس کی آخری لڑائی شاید انگریزوں سے ہوئی تھی اس کی فوج میں زیادہ تر مسلمان سپاہی اور عہدے دار ہوا کرتے تھے اور رانی ان پر بہت اعتبار کیا کرتی تھی۔

جھانسی کے بارے میں کہتے ہیں۔ جھانسی گلے کی پھانسی...... پتہ نہیں یہ کہاوت کیوں مشہور ہے یہاں کے لوگ نہایت سادہ اور ملنسار طبیعت کے ہیں۔ جلدی غصہ نہیں کرتے۔ صدیوں کے گزر جانے کے بعد بھی جھانسی کی رانی ان کی ہیرو ہے اس کا نام عزت سے لیتے ہیں ان کا زیادہ تر پیشہ زراعت ہے شہر کے چاروں طرف کھیت ہیں۔

جھانسی ایک بڑی منڈی کی شکل میں ہے ساری پیداوار یہاں آ کر بکتی ہے اور یہاں سے لوگ ضروریات زندگی کا سامان خرید کر لے جاتے ہیں۔ اسٹیشن کے باہر بڑے ہوٹل نہیں ہیں مگر ٹھہرنے کو سرائے نما ہوٹل بہت ہیں۔ ہم بھی ایک سرائے میں ٹھہر گئے۔

سرائے کا مالک ایک ادھیڑ عمر کا مسلمان تھا اس کا نام رمضان خان تھا۔ "شام کو آپ لوگ ذرا جلدی کھانا کھالیا کریں تو اچھا ہے۔" وہ بولا۔

"ہم لوگ رات کو نو بجے کھاتے ہیں۔" میں نے کہا۔

"نہیں میاں بہت دیر ہو جائے گی میں اتنی دیر نہیں رکھ سکتا۔" وہ بولا۔

"کیا بہت دور گھر ہے تمہارا؟" میں نے پھر پوچھا۔

"زیادہ دور نہیں ہے مگر میرے ساتھ ایک مجبوری ہے۔" وہ بولا۔

"اگر مناسب خیال کرو تو بتاؤ شاید ہم تمہارے کسی کام آسکیں۔" میں نے کہا۔

"بات یہ ہے کہ میری ایک ہی لڑکی ہے اور وہ سخت بیمار ہے۔" وہ بولا۔

"میں حکیم ہوں میرا دلی میں مطب ہے اگر تم چاہو تو مجھے دکھاؤ۔" میں نے کہا۔

"یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے مگر اس کی بیماری عجیب سی ہے۔" وہ بولا۔

"کیا بیماری ہے کچھ بتاؤ۔" میں نے کہا۔

"کیا بتاؤں سرکار میں باپ ہوں بہت ہی عجیب بیماری ہے۔" رمضان خان نے کہا۔

"تو پھر ایسا کرو مجھے دکھا دو میں خود پتہ کرلوں گا بیماری کا۔" میں نے کہا۔

"ضرور دکھا دوں گا مگر آپ کو تھوڑا سا پس منظر بھی بتا دوں تاکہ آپ کو کچھ آسانی ہو جائے۔ اس کو دورا سا پڑتا ہے اور اکثر سورج غروب ہونے کے بعد یہ دورا پڑتا ہے۔ وہ رات کا جو بھی پہر ہو، نہاتی ہے اس کے بعد صاف

ستھرے کپڑے پہنتی ہے اور بناؤ سنگھار کرتی ہے اور پھر گھر سے نکل جاتی ہے۔ اس وقت اس کو کوئی روک نہیں سکتا وہ کہاں جاتی ہے یہ بھی پتہ نہیں مگر صبح ہونے پر آ جاتی ہے۔ جب آتی ہے اس وقت وہ بہت تھکی تھکی اور اجڑی اجڑی ہوتی ہے میں جانتا ہوں یہ صورت حال میرے لئے باعث شرم ہے کہ وہ رات گزار کر آئی ہے اور اس کی حالت ساری کہانی بیان کرتی ہے میں کیا کروں میں نے کئی دفعہ اس کا پیچھا کیا کہاں جاتی ہے پتہ کرنے کی کوشش کی مگر وہ ہمیشہ میری نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ میں نے اس سے بھی پتہ کیا کہاں جاتی ہے کیوں جاتی ہے مگر ایسا لگتا ہے اس کو خود پتہ نہیں کہ وہ کہاں جاتی ہے۔'' رمضان کے خاموش ہونے پر، میں نے پوچھا۔

''تمہاری لڑکی کا نام کیا ہے؟''

''اس کا نام سائرہ ہے اور عمر بیس سال ہے۔'' رمضان بولا۔

''یہ دورے کب سے پڑ رہے ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''چار سال سے یہ سلسلہ جاری ہے۔'' وہ بولا۔

''اس کا مطلب ہے سولہ سال کی عمر سے یہ سلسلہ جاری ہے۔'' میں نے کہا۔

''تمہاری زوجہ ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''دو سال ہوئے مر گئی۔ اس کو بیٹی کی اس بیماری نے مار دیا۔'' رمضان نے جواب دیا۔

''یہ دورے روزانہ پڑتے ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''نہیں روزانہ نہیں پڑتے مگر کوئی دن اور وقت مقرر نہیں ہے۔'' وہ بولا۔

''دوروں سے پہلے اس کی صحت کیسی تھی اور اب کیسی ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''وہ نہایت صحت مند اور خوبصورت لڑکی تھی میں نے جب اس کے رشتے کی بات چلائی تھی اس کے بہت اچھے اچھے رشتے آئے تھے۔'' رمضان بولا۔

''اور اب کیا حالت ہے؟'' میں نے سوال کیا۔

''اس کی صحت تو ویسی ہی ہے بلکہ کچھ بہتر ہی ہے مگر وہ لڑکی نظر نہیں آتی وہ ایک بھرپور عورت نظر آتی ہے۔ اب اس کی شادی کا امکان مجھے نظر نہیں آتا کیونکہ جو دیکھتا ہے اس کے کردار کو مشکوک سمجھتا ہے۔ حالانکہ جب وہ نارمل ہوتی ہے تو اس کی باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے دوروں کے بارے میں کچھ نہیں جانتی اگر کوئی اس سے ایسا سوال کر دے تو وہ حیرت سے دیکھتی ہے اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ کس کے بارے میں بات ہو رہی ہے۔'' رمضان نے کہا۔

''تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو اپنی حالت کا اور دوروں کے دوران وہ کیا کرتی ہے اس کا پتہ ہی نہیں ہے۔ وہ جسمانی طور پر سائرہ ہوتی ہے مگر ذہنی طور پر وہ کچھ اور ہی ہو جاتی ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''پتہ نہیں جی بہت علاج کروائے سیانوں کو دکھایا۔ مگر سمجھ میں کسی کے کچھ نہیں آیا۔ میری زندگی تو روگ بن گئی ہے سرکار نہ جی سکتا ہوں نہ مر سکتا ہوں۔ میرے بعد اس کا کیا بنے گا یہ سوچ سوچ کر پاگل ہوا جا رہا ہوں۔'' رمضان غمگین لہجے میں بولا۔

''میں نے پوری کہانی رولو کا کو سنائی تو وہ بولا......

''چل کر دیکھ لیتے ہیں ہمارا سفر تو ہے ہی اس لئے۔'' اور ہم دونوں شام کو رمضان خان کے ساتھ اس کے مکان پر چلے گئے اسٹیشن سے زیادہ فاصلہ نہیں تھا۔ مکان پرانے طرز کا بنا ہوا تھا مگر تھا مضبوط۔ محلے میں ملی جلی آبادی تھی ہندو، مسلمان دونوں آباد تھے اور زمانے سے ساتھ ہی رہتے آ رہے تھے۔

مکان کی اندرونی حالت بہتر تھی ایک بہت بڑی بیٹھک میں رمضان نے ہم کو بٹھا دیا اور خود اندر چلا گیا۔ رولو کا نے ایک نظر سارے مکان پر ڈالی کچھ سونگھتا رہا اور بولا۔ ''اس مکان میں تو کچھ نہیں ہے۔''

''کیا مطلب......؟'' میں نے پوچھا۔

''مطلب یہ کہ کوئی آسیب وغیرہ نہیں ہے۔''

''تو پھر کیا اندازہ ہے؟''میں نے کہا۔

''کچھ انتظار کرنا پڑے گا۔'' وہ بولا۔

''تمہارا مطلب ہے جو ہے خود آئے گا سامنے؟'' میں نے پوچھا۔

''اگر کچھ ہے تو ضرور آئے گا اور اگر کچھ نہیں ہے تو وہ بھی پتہ چل جائے گا۔'' رولو کا نے کہا۔

''اس کا مطلب ہے ہم کو دورے کا انتظار کرنا پڑے گا۔'' میں نے کہا۔

''انتظار کرنے سے مراد یہی ہے۔'' رولو کا نے کہا۔

''تمہاری سمجھ میں کچھ آیا ہے کہ یہ کیا ہے؟'' میں نے پھر پوچھا۔

''پوری طرح نہیں آیا جب تک دورہ نہ پڑے میں کیا بتاؤں۔'' وہ بولا۔ رمضان خان واپس آ گیا اور بولا۔

''کھانا تیار ہے سائرہ نے ہی بنایا ہے۔ حکم کرو تو لگا دوں۔''

''میرا خیال ہے خیر و کھانا کھا ہی لیا جائے ہو سکتا ہے پھر موقع نہ ملے۔'' میں نے کہا۔ رمضان چلا گیا کھانے کے بعد میں نے کہا۔

''رمضان میاں اب مریضہ کو لے آؤ ذرا دیکھ لیں۔'' اور رمضان اندر چلا گیا جب وہ واپس آیا تو اس کے سامنے ایک عورت یا عورت نما لڑکی بھی تھی اس نے بتایا۔ ''یہ ہی سائرہ ہے......!''

وہ میرے اور رولو کا کے سامنے بیٹھ گئی۔ میں نے کہا۔ ''بیٹی اپنی نبض دکھاؤ۔'' اس نے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ میں ایک اچھا نباض ہوں یہ تربیت مجھے میرے باپ دادا نے دی ہے۔ اس کی نبض نے بتا دیا کہ وہ ایک صحت مند عورت ہے اس کو کوئی بیماری نہیں ہے۔ رولو کا بھی غور سے اس کو دیکھ رہا تھا۔ میں نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا اور پوچھا۔

''تم کو پتہ ہے کہ تم کو دورہ پڑتا ہے؟''

''مجھے کچھ پتہ نہیں۔'' وہ آہستہ سے بولی۔

''اس دورے کے دوران تم کہاں جاتی ہو کیا کرتی ہو کچھ یاد آتا ہے؟'' میں نے پھر پوچھا۔

''میں کہیں نہیں جاتی۔'' وہ بولی۔

''یاد کرو کبھی کبھی تم بہت تھکی تھکی ہوتی ہو اس کی وجہ تمہاری سمجھ میں آتی ہے؟'' میں نے سوال کیا۔

''ہاں صبح ہی صبح مجھے ایسا لگتا تو ہے مگر وجہ پتہ نہیں ہے۔'' وہ بولی۔

''دیکھو بیٹی میں حکیم ہوں اگر تم اپنا مرض مجھ سے چھپاؤ گی تو علاج کرنا مشکل ہوگا جو کچھ تم محسوس کرتی ہو وہ بیان ضرور کرو میں تمہارا علاج ابھی شروع نہیں کروں گا اگر اپنے باپ کے سامنے نہ بتانا چاہو تو یہ چلے جاتے ہیں۔ یہ میرا نوکر خیرو ہے یہ بھی چلا جائے گا بولو کچھ بات کرو گی؟'' میں نے کہا۔

اس نے ہاں میں گردن ہلا دی تو رولو کا اور رمضان دونوں کمرے سے چلے گئے۔ ''ہاں اب بتاؤ تم صبح صبح جب واپس آتی ہو یا تھکی تھکی ہوتی ہو تو کیا محسوس کرتی ہو......؟'' میں نے پوچھا۔

''حکیم صاحب کیا بتاؤں میں اب کنواری لڑکی نہیں ہوں۔ مجھے لگتا ہے جیسے رات بھر مجھے نوچا کھسوٹا گیا ہے۔ میرے بدن کا ہر عضو اس بات کی گواہی دیتا ہے اور اس سے زیادہ کیا بتاؤں۔'' وہ نظریں جھکا کر بولی۔

''ان چار سالوں میں تم نے اپنے اندر کوئی خاص تبدیلی محسوس کی ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں بہت زیادہ۔'' وہ بولی۔

''کیا تبدیلی......؟'' میں نے پوچھا۔

''مجھے پہلے کسی مرد سے کوئی دلچسپی معلوم نہیں ہوتی تھی۔ مگر اب ایسا نہیں ہے میرا دل جوان مردوں کو دیکھ کر ان سے ملنے کو کرتا ہے اب مجھے ان میں بہت کشش محسوس ہونے لگی ہے۔'' وہ گردن جھکا کر بولی۔

''اگر تمہاری شادی کر دی جائے تو کیا تم راضی ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''میں تو اب تک حیران ہوں کہ میری شادی میرا باپ کیوں نہیں کرتا۔'' وہ بولی۔

''اس کا مطلب ہے تم راضی ہو؟'' میں نے کہا۔

اس نے مثبت انداز میں گردن ہلا دی۔
''اچھا اب تم جاؤ۔'' میں نے کہا اور وہ اٹھ کر چلی گئی۔ اس کے جاتے ہی رولوکا اور رمضان اندر آ گئے۔
''رمضان میاں مرض کا ایک سرا تو ہاتھ آیا ہے مگر دوسرا سرا پکڑنے کے لئے دورے کا انتظار کرنا پڑے گا تم فکر نہ کرو وہ سرا بھی پکڑا ہی جائے گا۔'' میں نے کہا۔
''اللہ کرے ایسا ہی ہو میاں صاحب میں معمولی آدمی ہوں مگر اپنی حیثیت سے بڑھ کر آپ کی خدمت کروں گا۔'' رمضان نے کہا۔
رولوکا نے کہا۔ ''خدمت کرنا ہمارا کام ہے رمضان میاں تم ہماری خدمت کرنے کے بارے میں نہ سوچو۔''
''نہیں خیر و میاں یہ سب تو زندگی کے ساتھ ہیں۔'' رمضان نے کہا۔
''ضرور ہیں مگر ہم لوگ خدمت کرتے ہیں۔'' میں نے کہا۔
''ہر انسان کے ساتھ ضروریات ہیں پیٹ ہے اس کو بھی تو روٹی چاہیئے۔'' رمضان بولا۔
''بات تمہاری درست ہے مگر ہمارا اسی پر گزارہ نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔
''میں تو آپ کے اخلاق کا غلام ہوں جو حکم کریں گے حاضر ہوں۔'' رمضان نے کہا۔
''ہم کو سائرہ کے دورے کا انتظار کرنا ہے۔'' رولوکا نے کہا۔
''میں اسی جگہ آپ کے بستر لگائے دیتا ہوں۔ یہیں پر آرام کریں۔'' رمضان بولا۔
''ہاں یہ ٹھیک ہے۔'' اور رمضان چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد رولوکا بولا۔
''تم نے اچھا انٹرویو کیا سائرہ سے۔''
''میں نے تم کو ابھی بتایا کہاں ہے کہ کیا اس نے کہا اور کیا میں نے پوچھا۔'' میں نے کہا۔
''تم کو بتانے کی ضرورت نہیں ہے میں وہیں پر تھا۔'' رولوکا نے کہا۔
''ہاں یار میں بھول گیا تھا کہ تم رولوکا ہو۔ خیر الدین نہیں ہو۔'' رولوکا کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔
رمضان نے دو چار پائیاں بیٹھک میں لا کر ڈال دیں ان پر روئی کے گدے ڈال کر چادریں بچھا دیں اور پھر تکیے لا کر رکھ دیئے اوڑھنے کو دو لحاف بھی رکھ دیئے بستر نہایت صاف ستھرے تھے اور بولا۔ ''میاں صاحب غریب آدمی ہوں خدمت میں کمی رہ جائے تو معاف کر دینا۔''
''رمضان تم ہم کو شرمندہ کر رہے ہو۔'' میں نے کہا۔
''نہیں میاں میں ایسی گستاخی کر سکتا ہوں بھلا۔'' رمضان نے کہا۔
''اچھا رمضان اب تم آرام کرو۔'' میں نے کہا۔
''ہاں ضرور...... میں برابر کے کمرے میں ہوں کوئی ضرورت ہو تو آواز دے لیں اور ہاں غسل خانہ وغیرہ اس دروازے کے عین سامنے جو دروازہ نظر آ رہا ہے وہی ہے۔ ساتھ ہی پانی کی ٹنکی اور لوٹا موجود ہے۔'' رمضان نے لالٹین کو ہلا کر دیکھا اور اندازہ کیا کہ تیل پورا ہے کہ نہیں اور پھر اطمینان کرنے کے بعد چلا گیا۔
اس کے جانے کے بعد رولوکا نے کہا۔ ''اب آپ تو کریں آرام اور میں جاتا ہوں ڈیوٹی پر۔''
''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' میں نے پوچھا۔
یار تم ہر بار بھول جاتے ہو کہ میں رولوکا ہوں میں ہر وقت ہر مقام پر ڈیوٹی پر ہوتا ہوں۔''
''ہاں یہ بات تمہاری درست ہے تم ہی اس بیماری کا علاج کرو۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔
''مجھے ہی علاج کرنا پڑے گا۔'' رولوکا ہنس کر بولا۔
''کہاں جاؤ گے؟'' میں نے پوچھا۔
''اس گھر کا اور اطراف کا جائزہ لوں گا اور دروازے پر پہرہ دوں گا۔'' رولوکا نے کہا۔
''ٹھیک ہے جاؤ میں تو سوتا ہوں۔'' اور میں رضائی اوڑھ کر لیٹ گیا اور جلد ہی سو بھی گیا۔ میری جب آنکھ کھلی اس وقت دن کی روشنی پھیل چکی تھی رولوکا بستر پر

موجود تھا اور سو رہا تھا۔ سات بجے کا وقت تھا میں اٹھ کر غسل خانے کی طرف چلا گیا۔ واپس آیا تو دیکھا بستر پر رولو کا بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے پوچھا۔ ''رات کب ڈیوٹی سے فارغ ہوئے؟''

''چھ بجے تک میں دروازے پر موجود تھا۔'' رولو کا نے کہا۔

''پھر کون آیا؟'' میں نے پوچھا۔

''نہیں......کوئی نہیں آیا۔'' رولو کا نے جواب دیا۔

''دن میں کسی کے آنے کی امید ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''دن میں سورج کی روشنی کسی کو نہیں آنے دیتی۔'' رولو کا نے کہا۔

''تو پھر دن بھر آرام کرو۔'' میں نے کہا۔

''وہ تو میں کروں تم کو تو پتہ ہی ہے میں کون ہوں۔''

''مجھے پتہ ہے تم رولو کا ہو تم کو آرام کی ضرورت نہیں تم کو کھانے کی ضرورت نہیں، تم کو صرف ایک چیز کی ضرورت ہے اور وہ ہے کام کی۔ کیوں ٹھیک کہا نا۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔

رولو کا زور سے ہنس پڑا اور بولا۔ ''خود کام پکڑتے ہو اور مجھ سے کہتے ہو مجھے کام کی ضرورت ہے۔''

''میں کہاں کام پکڑتا ہوں کام خود ہم کو پکڑ لیتا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''اگر کام خود ہم کو پکڑ رہا ہے تو بھی کیا برا ہے کریں گے ہم۔'' رولو کا نے کہا۔

''تم افریقہ کے جنگلات میں بھی یہی کام کرتے تھے؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں...... یہی کرتا تھا۔ وہاں پر بھی طاقت اور کمزور کی بات تھی۔ یہاں پر بھی وہی ہے۔ ہر جگہ طاقت حکومت کرتی ہے۔ کمزوری خدمت کرتی ہے اور ظلم ہستی ہے۔ ایک کے بعد دوسری طاقت آتی جاتی ہے اور حکومت کرتی رہتی ہے خرگوش تو خرگوش ہی رہتا ہے۔ ہرن ہرن ہی رہتا ہے وہ سب کی غذا ہے سب اس کو شکار کرتے ہیں خرگوش جنگل کا کمزور ترین اور آسان ترین شکار ہے ہزاروں سال سے کھایا جا رہا ہے مگر موجود ہے۔ ختم نہیں ہوتا۔'' رولو کا نے کہا۔

''تمہارا فلسفہ اپنی جگہ خوب ہے اور سچ بھی ہے۔'' میں نے کہا۔

''سنا ہے یہاں پر کوئی قلعہ بھی ہے؟'' رولو کا نے کہا۔

''رانی جھانسی کا قلعہ ہے۔'' میں نے کہا۔

''آؤ ناشتہ کر کے چلتے ہیں۔ ذرا تفریح کریں گے۔'' رولو کا نے کہا۔

''رولو کا تم یہ کیا کہہ رہے ہو؟'' میں نے حیرت سے کہا۔

''تم صرف تفریح کے لئے قلعہ میں جاؤ گے یقین کرنے کو دل نہیں کرتا۔'' میں نے کہا۔

''کبھی تو دل کرتا ہی ہے۔ کیا میرا حق تفریح کرنے کا نہیں ہے؟'' رولو کا نے کہا۔

''چلو مان لیا تیار ہو جاؤ۔'' میں نے کہا۔

جس وقت یہ قلعہ بنایا گیا ہوگا اس وقت کی جنگی ضروریات اور مضبوطی میں یہ لاجواب قلعہ تھا۔ رہائشی محلات بھی بہت شاندار، سفید پتھر اور سرخ پتھر کے بنائے گئے تھے۔ یہ مغلوں کے قلعوں جیسا نہیں تھا۔ اس میں جا بجا یہ اشارات ملتے تھے کہ یہ کسی ہندو راجہ کا قلعہ ہے۔ دیواروں پر دیوی دیوتاؤں کے نقش بنے ہوئے تھے پرنالوں پر اور چھت کے کناروں پر بھی نقش موجود تھے۔

اگر خفیہ طریقہ پر قلعہ سے فرار ہونے کی ضرورت پیش آجائے تو اس کے لئے سرنگ بنی ہوئی تھی جو جھانسی سے باہر نکال دیتی تھی مگر اب وہ بند تھی۔ اس کے علاوہ خفیہ تہہ خانے موجود تھے جو کہ اب بند تھے۔ ان کے اندر کوئی نہیں جاتا تھا۔ کسی کو پتہ نہیں کہ ان کے اندر کتنی وسعت ہے اور کیا چیز کہاں ہے۔ اندر جانے کی کوشش کچھ لوگوں نے کی ضرور مگر کامیاب نہیں ہوئے۔ صرف اوپر قلعہ میں لوگ تفریح کرتے ہیں محلات دیکھتے ہیں۔ دربار عام دیکھتے ہیں۔

عدالت دیکھتے ہیں باغات کی سیر کرتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔ سرنگوں اور تہہ خانوں کی طرف کوئی نہیں جاتا۔ قلعہ کے دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی رولوکا نے کہا۔

''میں اکیلا ہی جاؤں گا۔ تم الگ گھومو پھرو۔ میں تم سے مل جاؤں گا۔'' اور رولوکا چلا گیا۔

میں رولوکا کو اب بہت کچھ سمجھنے لگا تھا۔ وہ بلاوجہ قلعہ میں نہیں آیا تھا اور نہ ہی وہ تفریح کرنے کا شوقین تھا۔ دوپہر کو دیوان کے باہر وہ مجھے مل گیا اور مسکرا کر بولا۔

''اکیلے پریشان تو نہیں ہو رہے۔''

''ہاں میں پریشان تو تھا مگر اس کی وجہ اکیلا پن نہیں تھا۔'' میں نے جواب دیا۔

''پھر اور کیا تھا؟'' رولوکا نے پوچھا۔

''تم اس قلعہ کو اندر سے دیکھنا چاہتے ہو؟ اور اندر ہزار قسم کے خطرے موجود ہیں۔'' میں نے کہا۔

''قلعہ کے اندر تو تم بھی ہو۔'' رولوکا نے کہا۔

''اندر سے مراد یہ کہ جو مقامات بند ہیں عام آدمی کا گزر وہاں ممکن نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔

''تم اب بہت جلد میری حرکتوں کو سمجھ جاتے ہو۔ بات درست ہے میں تم کو بتاؤں کہ یہاں پر بہت آبادی ہے۔'' رولوکا نے کہا۔

''آبادی سے تمہاری کیا مراد ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''یہاں پر اس قلعہ کے اندر مردوں کی آبادی زندوں سے زیادہ ہے۔ ان کے علاوہ دوسری بھی ایک مخلوق آباد ہے۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''اور رکو گے یا چلیں واپس؟'' میں نے پوچھا۔

''نہیں جو دیکھنا تھا دیکھ لیا اگر ضرورت ہوگی تو پھر آئیں گے چلو واپس چلیں۔'' اور ہم لوگ شام سے پہلے واپس نیل کڑہ یعنی رمضان کے مکان پر آ گئے۔ میں تو اپنے وقت پر بستر پر لیٹ گیا اور رولوکا اپنی ڈیوٹی پر چلا گیا۔

☆.....☆.....☆

ایک نہایت حسین عورت روایتی طرز کے لباس یعنی مہنگا چولی اور رنگین چنری (دوپٹہ) اور زیورات پہنے دروازے سے اندر آ رہی تھی دروازہ بند تھا مگر وہ پھر بھی اندر آ گئی۔

رولوکا خاموشی سے دیکھتا رہا وہ عورت سائرہ کے کمرے میں چلی گئی اور کچھ ہی دیر کے بعد سائرہ اسی لباس میں باہر آ گئی۔ رولوکا نے دیکھ لیا کہ وہ عورت کہاں گئی وہ عورت صرف ایک آتما تھی وہ آتما سائرہ کے بدن میں سما گئی اور سائرہ اس کا معمول بن گئی۔ سائرہ دروازہ کھول کر باہر آ گئی اور بہت تیزی کے ساتھ قلعہ کی طرف چلی اس کے قدم حیرت انگیز تیزی سے اٹھ رہے تھے رولوکا نے خود کو اس سے بہت پیچھے رکھا تھا قلعہ کا دروازہ بند تھا مگر سائرہ کے ہاتھ لگاتے ہی دروازہ کھل گیا۔ چوکیدار موجود تھا مگر اس کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ رولوکا اس کے ساتھ تھا۔ سائرہ کا رخ دربار خاص کی طرف تھا یہ محلات کا بہترین حصہ تھا رانی کے زمانے میں یہاں پر خاص قسم کی محفلیں سجتی ہوں گی۔

دربار خاص میں روشنیاں جل رہی تھیں بڑی چہل پہل نظر آ رہی تھی۔ اس محفل میں عورتیں ہی عورتیں تھیں۔ ایک طرف ایک اونچا سنگ مرمر کا تخت رکھا تھا اس پر سرخ رنگ کا کامدار غلاف پڑا تھا۔

اس کے چاروں طرف رنگ برنگے آنچل لہرا رہے تھے۔ ایک سے ایک حسین چہرہ اپنی بہار دکھا رہا تھا۔ یہ دربار ایسا دربار تھا کہ یہاں کسی مرد کو اندر آنے کی اجازت نہ تھی ایک سے ایک حسین پھول یہاں پر کھل رہا تھا بھانت بھانت کی خوشبو یہاں پر موجود تھی مگر سب اپنی اپنی خوشبو میں مست تھے کیونکہ کوئی ان کی تعریف کرنے والا نہ تھا۔ یہ اس محل کا قانون تھا یہ رانی کا قانون تھا محل کے اندر رہنے والی کوئی لڑکی کسی مرد سے نہیں مل سکتی، کسی مرد سے تعلق نہیں رکھ سکتی، اس جگہ کسی مرد کو آنے کی اجازت نہیں تھی اور آنے والے کی سزا موت تھی اسی طرح ہر لڑکی پر لازم تھا کہ وہ مردوں سے دور رہے گی دوسری صورت میں اس کی سزا موت تھی۔ کئی ایسے واقعات

ہو چکے تھے۔ ایک دفعہ اس محل میں آنے کے بعد واپس جانے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ ہر آرام ان کو تھا ایک سے ایک اچھا لباس ان کو ملتا تھا اچھے سے اچھا کھانا ان کو کھانے کو ملتا تھا ان کے ماں باپ کو مراعات دی جاتی تھیں زمین اور جانور دیئے جاتے تھے۔ مگر رانی یہ برداشت نہیں کر سکتی تھی کہ کوئی لڑکی کسی مرد سے ملے۔ اس نے ایک فوجی دستہ لڑکیوں کا بنایا تھا وہ خود ان کو تربیت دیتی تھی نیزہ بازی۔ تلوار بازی اور جنگی تمام کام سکھاتی تھی رانی ایک بہترین سپاہی تھی جنگ کے دوران وہ خود فوجی لباس میں میدان جنگ میں جاتی تھی۔ اس کے ساتھ اس کی زنانہ فوج کی لڑکیاں بھی لڑتی تھیں۔

رات کو دربار خاص میں یہ سب ناچ گانا کرتیں تھیں۔ مگر دربار سے باہر کسی کو پتہ نہیں چلتا تھا۔ رانی روزانہ ان کی محفل میں نہیں آتی تھی۔

اور پھر رانی کا دور ختم ہو گیا۔ رانی ختم ہو گئی قلعہ پر غیروں کا قبضہ ہو گیا۔ دربار اجڑ گیا۔ رانی کی فوجی لڑکیاں بھی لڑتے لڑتے مر گئیں اور رانی کی خاص باندی روپا بھی مر گئی۔

مگر رات کو دربار لگتا رہا۔ رانی کی لگائی پابندی اب بھی تھی مگر اب ان کو موت کا ڈر نہیں تھا۔ مگر تشنہ جذبات ابھی تک موجود تھے۔ رانی نے جن دریاؤں پر بند باندھے تھے وہ ٹوٹ چکے تھے۔ جو بندش تھی ٹوٹ چکی تھی۔ آتمائیں پیاسی تھیں رانی نے ان کے ساتھ بڑا ظلم کیا تھا قدرت کے بنائے قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر ان کو قید کر دیا تھا۔ ندی کو بہتے رہنا چاہیئے اس سے زمین سیراب ہوتی ہے درخت اور پودے پیدا ہوتے ہیں۔

مگر ان باندیوں کی آتمائیں پیاسی رہی تھیں اور پیاسی ہی مرتے دم تک رہیں۔ ادھورے پن اور خواہشات کی تکمیل نہ ہونے کی وجہ سے روپا اور نہ جانے کتنی باندیاں اب تک دربار سجا رہی تھیں۔

رولوکا وہیں پر سارا کھیل دیکھتا رہا۔ سائرہ کی واپسی صبح ہونے سے پہلے ہو گئی۔ رولوکا بھی اس کے ساتھ آ گیا مگر ابھی راز پوری طرح کھلا نہیں تھا۔ روپا کی آتما سائرہ کو لے جاتی تھی مگر اس سے وہ کیا فائدہ اٹھانا چاہتی تھی یا اٹھاتی تھی یہ آور دیکھنا تھا۔

''ابھی کام پورا نہیں ہوا۔'' رولوکا نے بتایا۔

''دربار میں کیا ہوتا رہا؟'' میں نے پوچھا۔

''گانا، بجانا، چھیڑ چھاڑ بس۔'' رولوکا نے کہا۔

''ابھی بہت کچھ باقی ہے۔'' میں نے کہا۔

''اسی لئے میں ابھی تک منظر سے غائب ہوں۔'' رولوکا نے کہا۔

روپا دوسری رات بھی پھر سولہ سنگھار کر کے آ گئی اور سائرہ کے جسم میں تحلیل ہو گئی سائرہ نے خوب سنگھار کیا اور بن ٹھن کر گھر سے باہر آ گئی۔

اس رات اس کا رخ قلعہ کی طرف نہیں تھا وہ جھانسی کے اس بازار کی طرف جا رہی تھی جہاں رات دن ہوتی ہے حسن پر قربان ہونے والوں کی بھیڑ ہوتی ہے۔ وہ ایک بالا خانے پر چلی جاتی گئی اس کا استقبال ایک بوڑھی نائیکہ نے کیا۔ ''کل میں تیرا انتظار کرتی رہی۔'' نائیکہ بولی۔

''تم کو پتہ ہے میں روز نہیں آ سکتی۔'' سائرہ نے بے باکی سے کہا۔

''اری تو میں نے کب تجھ سے روز آنے کو کہا ہے تو اپنی مرضی کی مالک ہے جب تیرا دل کرے آ جایا کر قدردان تیرے تنگ کرتے ہیں بس۔'' وہ بولی۔

''میں قدردانوں سے کچھ نہیں لیتی جو کچھ ملتا ہوگا تم کو ملتا ہوگا۔ اس لئے اپنی مرضی سے آتی ہوں۔'' سائرہ نے جواب دیا۔

''ناراض کیوں ہوتی ہو میری جان۔ حلوائی چمن لال تین چار چکر کاٹ چکا ہے۔ تو نے اس پر کیا جادو کیا ہے کہ وہ کسی دوسری پر ہاتھ دھرتا ہی نہیں۔'' بڑھیا نے کہا۔

''وہ چرخ مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ منع کر دو اس کو میرا گزارہ اس کے ساتھ نہیں ہے۔ تم کو پتہ ہے میں روپے کی خاطر یہاں نہیں آتی۔ ارے کوئی ڈھنگ کا مرد

ہوتو ملواؤ اس سے، حلوائی کو کہہ دو میں نے منع کر دیا ہے مروت آخر کب تک چلے گی۔"
"ارے تیرے لیے تیرے جوڑ کا لاؤں گی میری شہزادی تو فکر کیوں کرتی ہے۔"
رولو کا نے ان کی گفتگو کو بہت برداشت کیا مگر آگے جو باتیں ہونے والی تھیں وہ ان کو سننے سے پہلے ہی کمرے سے نکل گیا اور رات ہی میں واپس آ گیا۔
"تو روپا کی پیاسی آتما سائرہ کا جسم استعمال کر کے تسکین حاصل کرنے کی کوشش کر رہی ہے اور یہ سلسلہ چار سال سے جاری ہے اور غریب سائرہ بلاوجہ کے پامال ہو رہی ہے۔ یہ تو بہت ظلم ہے۔" میں نے کہا۔
"مگر یہی ہو رہا ہے یہ روپا مجھے نہایت گھٹیا درجے کی عورت معلوم ہوتی ہے۔" رولو کا نے کہا۔
"یہ رانی جھانسی کی خاص باندی تھی۔" میں نے کہا۔
"یہ لڑکیاں جو رانی کے پاس آتی تھیں سب ہی تو اچھے گھرانوں کی نہیں ہوتی ہوں گی کچھ ایسی بھی آ جاتی ہوں گی جیسی کہ یہ روپا کی روح ہے۔" رولو کا نے کہا۔
"بات درست ہے ایسا ہو تو سکتا ہے۔" میں نے کہا۔
"ان کا حشر بھی خراب ہی ہوا۔" رولو کا بولا۔
"یہ ایک سائرہ کا مسئلہ نہیں ہے ہو سکتا ہے کچھ اور بھی لڑکیاں اس غلط انداز میں استعمال کی جا رہی ہوں مگر شریف لوگ اپنی عزت کی خاطر خاموش ہوں۔ ان لڑکیوں کو یہ گندی آتمائیں کہاں کہاں بھٹکا رہی ہوں۔ کس کس خاندان کی عزت داؤ پر لگی ہو اور ایسا کب تک ہوتا رہے۔" میں نے مزید بات کو آگے بڑھایا۔
"بہت گھناؤنا پہلو سامنے آ رہا ہے۔ نہ جانے کب سے یہ کھیل جاری ہے۔" رولو کا نے جواب دیا۔
"تم نے اس کے بارے میں کیا سوچا ہے؟" میں نے پوچھا۔
"ان سب گندی آتماؤں کو ختم کرنا پڑے گا۔" رولو کا نے جواب دیا۔
"تم نے کتنی عورتیں یا آتمائیں قلعہ میں دیکھی ہیں؟" میں نے پوچھا۔
"نہایت جوان اور خوبصورت جو تھیں وہ بیس کے لگ بھگ ہوں گی۔ دو چار عمر رسیدہ اور بوڑھی بھی نظر آئیں ہیں۔" رولو کا نے بتایا۔
"ختم تو سب کو کرنا پڑے گا۔" میں نے کہا۔
"مگر ایک ساتھ تو یہ ہوگا نہیں ایک ایک کو الگ الگ یہ کام کرنا ہوگا۔" رولو کا نے کہا۔
"میں ایک رائے دوں......؟" میں نے کہا۔
"اس کام کے لئے ہم کسی سے مدد کیوں نا طلب کریں؟" میں نے کہا۔
"اچھا ہے اگر کوئی ہماری مدد کر دے۔ مگر روپا کو میں خود سزا دوں گا۔" رولو کا نے کہا۔
"ٹھیک! تم اپنا کام کرو میں کسی سے بات کرتا ہوں۔"
میں دوسرے ہی روز جھانسی کی بڑی مسجد کے امام صاحب سے ملا۔ رولو کا کے کردار کو میں نے بالکل الگ کر دیا اور سارا ماجرہ ان کو بتایا۔ وہ یہ سن کر بہت حیران ہوئے اور پریشان بھی بہت ہوئے ایک مسلمان گھرانا برباد ہو رہا تھا اور بھی نہ جانے کتنے گھرانے لپیٹ میں آ سکتے تھے۔
"میں پڑھ کر پانی دوں گا اور کچھ میخیں لوہے کی پڑھ کر دوں گا تین دن کے بعد آ جائیں اس پانی کا چھڑکاؤ کر دیں اور چاروں کونوں میں میخیں گاڑ دیں۔ اللہ بہتری کرے گا۔"
رولو کا نے یہ کیا کہ دوسری رات روپا جب آئی تو وہ سامنے آ گیا اور بولا......"تیرا یہ کھیل اب ختم ہوا روپا تو نے اپنی آتما کو بہت عیش کرائے۔ اب تو اس کا پیچھا چھوڑ دے اور واپس چلی جا۔ نہیں تو تیرا انجام برا ہوگا۔"
"اے تو کون ہے رے لاگے تو اچھا ہے۔" وہ اٹھلا کر بولی۔

''مجھ سے تمیز سے بات کر تو آتما ہے میں زندہ انسان ہوں تو محتاج ہے میں مختار ہوں۔''

''ارے تیرے جیسے میرے بہت دیوانے ہیں۔'' وہ اٹھلا کر بولی۔

''دیوانے تیرے نہیں ہیں تو مر چکی ہے تیرا بدن مٹی میں مل چکا ہے تو اپنی ادھوری تمناؤں کو ادھار کے شریر سے پورا کرنے کی کوشش کر رہی ہے مگر تمہاری یہ تمنائیں کبھی پوری نہیں ہوں گی۔ تم ایک کے بعد دوسرا شریر ادھار لیتی رہو گی کب تک۔ تم نے نہ جانے کتنی معصوم لڑکیوں کے جسم استعمال کئے ہوں گے ان کی زندگیاں برباد کی ہوں گی مگر تمہاری تسکین نہیں ہوئی۔'' رولوکا نے کہا۔

''اور میرے ساتھ جو ستم ہوا وہ تم کو پتہ ہے؟'' روپا بولی۔

''بتا تو بھی بتا تیرے ساتھ کیا ہوا؟''

''میری شادی ہونے والی تھی۔ ساری تیاریاں ہو چکی تھیں۔ میری آنکھوں میں بھی وہی سپنے تھے جو کنواری لڑکیوں کی آنکھوں میں ہوتے ہیں۔ میرا دل بھی ارمانوں سے بھرا ہوا تھا۔ ہر روز میں بھی ایک نیا سپنا دیکھتی تھی۔ ہر روز میں ایک نیا پروگرام بناتی تھی شادی کی تیاریاں زوروں پر تھیں مگن منڈپ بنایا جا رہا تھا۔ میری مہندی کی رسمیں ہو رہی تھیں کہ رانی کی کسی جاسوس نے رانی کو بتا دیا کہ میں اس کی فوجی لڑکیوں سے زیادہ لمبی ہوں۔ طاقت ور ہوں میں اس کی فوج میں کام کرنے کے قابل ہوں۔

عین شادی سے ایک روز پہلے مجھے رانی نے محل میں بلا لیا۔ میرے ساتھ میرے ہونے والے دولہا کو بھی بلا لیا میرے ماتا پتا کو بھی بلایا گیا اور رانی نے سب کا منہ بند کر دیا۔ دولہا کو دوسری دلہن مل گئی۔ ماتا پتا کو اتنا مل گیا کہ وہ سات جنم بھی نہیں پاتے۔ رانی کی یہ خوبی تھی کہ وہ بڑے پیار سے ظلم کرتی تھی اس کا ظلم پیارا لگتا تھا۔ شروع شروع میں میری سمجھ میں بھی نہیں آتا تھا کہ رانی کیا چیز ہے؟ مگر پھر میری سمجھ میں آ گیا کہ رانی خود ادھوری تھی اس کی اپنی تمنائیں ادھوری تھیں۔ میں اس کی خاص باندی تھی وہ مجھ پر بڑی مہربان تھی میں جو کہوں وہ کر دیا کرتی تھی مگر میں کسی مرد کے پاس جاؤں یہ وہ برداشت نہیں کرتی تھی اس نے اپنے جذبات کو نہ معلوم کس طرح ختم کر دیا تھا۔ وہ بہت بہادر تھی کسی سے نہیں ڈرتی تھی۔ مردانہ لباس اس پر بہت اچھا لگتا تھا وہ تیار ہو کر مجھ سے ضرور پوچھتی کہ بتا میں کیسی لگ رہی ہوں اور میں اس کی مردانہ وجاہت کی تعریف کر دیا کرتی تھی وہ بہت خوش ہوتی تھی اس کی عنایتیں اور مہربانیاں ہم پر اتنی تھیں کہ اس کا یہ ظلم جو اس نے ہم پر کیا تھا وہ کسی کو نظر نہیں آتا تھا۔ نہ معلوم کیوں اس کو عورت مرد کا ملاپ پسند نہیں تھا پتہ نہیں وہ کیسی عورت تھی یا عورت تھی بھی کہ نہیں۔'' روپا خاموش ہو گئی۔

''تمہاری بات ختم ہو گئی؟'' رولوکا نے پوچھا۔

''ہاں ختم ہو ہی گئی یا پتہ نہیں شروع ہو رہی ہے۔ میں رانی کی باندی روپا ہوں میرے خاندان کے سب لوگ ختم ہو چکے ہیں سب کی چتا جل چکی ہے اور میری آتما جل رہی ہے۔'' روپا بولی۔

''یہ اس لئے ہے کہ تم نے اپنا فیصلہ خود کرنے کی کوشش کی ہے۔ تم نے اپنا مادی جسم ختم ہونے کے بعد بھی اپنی خواہشات کو ختم نہیں کیا مانا کہ تمہارا جسم ان مراحل سے نہیں گزر سکا جو کہ تمہاری خواہش تھی جسم روح کا لباس ہے اور جسم مادی چیز ہے جسم کے بغیر روح کا ٹھکانا نہیں رہتا اس کو وہیں پر چلے جانا چاہیئے جہاں سے وہ آئی ہے۔ تم ہزاروں سال بھی اس دنیا میں بھٹکتی رہو اپنے اوپر اور وزن لادتی رہو جانا تو ہے۔ اب تم بتاؤ کیا یہ کھیل جو تم نے شروع کر رکھا ہے کب تک جاری رکھو گی؟'' رولوکا نے پوچھا۔

''میں خود تھک گئی ہوں۔'' روپا نے کہا۔

''تو پھر ختم کر دو یہ کھیل واپس چلی جاؤ کیونکہ اصل ٹھکانا وہی ہے اور وہاں سب کو لے جاؤ۔''

''قلعہ میں جو تمہارے ساتھ ہیں وہ سب بھی تمہاری طرح تھک گئی ہوں گی ان کو بھی ساتھ لے جاؤ یہ کام تم کو کرنا ہے اگر تم اپنی مرضی سے اور خوشی سے کرو تو

زیادہ اچھا ہے۔"

"ہاں میں چلی جاؤں گی بہت تھک گئی ہوں میں۔" روپا نے کہا۔

"رانی کی آتما بھی قلعہ میں موجود ہے۔" رولوکا نے پوچھا۔

"نہیں رانی اور اس کے پریوار کی کوئی آتما قلعہ میں نہیں ہے۔" روپا نے جواب دیا۔

"پھر تو تم سب کو چلے ہی جانا چاہیئے۔" رولوکا نے کہا۔

"ہاں ٹھیک کہا تم نے وہ ہم کو چھوڑ کر خود چلی گئی اور ہم ہیں کہ اب تک وفاداری نبھا رہی ہیں اس کا دربار سجا رہی ہیں میری سمجھ میں بہت دیر کے بعد یہ بات آئی ہے۔" روپا بولی۔

"چلو ٹھیک ہے بات سمجھ میں آ تو گئی۔" رولوکا نے کہا۔

"میں چلی جاؤں گی اور ان سب کو لے جاؤں گی اس کا دربار سونا کر جاؤں گی اس نے ہماری جو درگت بنائی ہے اس کا حساب تو وہ دے گی۔" روپا نے پوچھا۔

"زندگی میں جو کیا جاتا ہے وہ سب حساب رکھا جاتا ہے۔ حساب تو سب کو دینا ہے۔" رولوکا نے کہا۔

"تم ایک اچھے آدمی ہو تم نے چند منٹ میں مجھے وہ سمجھا دیا جو میں صدیوں تک نہ سمجھ سکی تھی اور خود اپنی آتما پر بوجھ لادتی جا رہی تھی۔ اچھا میں جا رہی ہوں۔ ہمیشہ کے لئے۔" روپا نے کہا۔

"تم اکیلی جا رہی ہو؟" رولوکا نے پھر پوچھا۔

"نہیں سب کو ہی لے جاؤں گی میری سب بات مانتی ہیں۔ سب کو راستہ دکھانے کی ضرورت ہے میں سب کو اب راستہ دکھا دوں گی۔ شاید اس سے میرا کچھ بھلا ہو جائے۔" روپا نے اداسی سے کہا۔

"میں رب کائنات سے دعا کروں گا کہ تم پر وہ رحم کرے۔" رولوکا نے کہا اور روپا کی روح اچانک غائب ہو گئی۔

اب ہمارا کام جھانسی میں نہیں تھا۔ سائرہ ٹھیک ہو گئی تھی اور اس کی شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ رمضان خان کی خواہش تھی کہ ہم شادی تک رکیں مگر ہم روانہ ہو گئے۔ ہما ارادہ بھوپال جانے کا تھا بھوپال ایک مسلمان ریاست تھی۔ گو کہ اب نواب راج برائے نام ہی تھا سارا کنٹرول انگریز حکومت کا تھا۔

"رولوکا تم کو مجھ سے بہت زیادہ تجربہ ہے اور دنیا دیکھی ہے یہ بتاؤ۔" "یہ ہندو مذہب کب اور کس نے بنایا۔ اس کی کوئی تاریخ ہے؟" میں نے پوچھا۔

"بہت مشکل سوال ہے یہ، کیوں کہ ہزاروں سال گزرنے پر بھی اس مذہب کی کوئی مستند کتاب کسی ہندو کی لکھی ہوئی جس کو تاریخ کہہ سکیں نہیں ہے جو ہیں وہ سب وید ہیں اور مذہب کے بارے میں ہیں تاریخ نہیں ہے اور سب بہت بعد میں لکھے گئے ہیں۔ ابتداء کب سے ہے اور کس نے ابتداء کی اس کا تاریخی حوالہ نہیں ہے۔ ضرورت اور حکومت قائم کرنے کو وید بنائے گئے ہیں جو کہ سراسر بڑی ذات کے فائدے کی چیز رہے ہیں۔ میرے خیال میں آریاؤں نے ان دیدوں کو لکھا ہے اور ذات برادری کا نظام دیا ہے۔

آریاؤں نے خود کو برہمن بنا لیا اور ہندوستان کی قدیم آبادی کو دوسری ذاتوں میں بانٹ دیا اور سب کی خدمت کرنے کو شودر بنا دیا۔ ہزاروں سال سے یہ درجہ بندی قائم ہے کسی نے اس پر غور نہیں کیا کیونکہ برہمن نے اپنی بقا کی خاطر ایسی بندش لگا دی ہے کہ جو ہے وہ ہے اس کے آگے سوچنے والا گھور پاپ کرتا ہے۔ وہ گھور پاپ کیا ہے اس کی وضاحت بھی برہمن ہی کرتا ہے اور اپنی مرضی، وقت، حالات اور ماحول کے مطابق کرتا ہے اور سراسر اپنا فائدہ آگے رکھتا ہے۔" رولوکا نے کہا۔

"اور یہ مہابھارت کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہندو روایت میں مہا بھارت اس جنگ عظیم کا نام ہے جو کوروؤں اور پانڈو کے درمیان لڑی گئی جو قدیم ہندی تاریخ کے جیتے جاگتے کردار تھے۔ اس جنگ میں

ہندوؤں کی قدیم اور معتبر کتابوں کے مطابق ساڑھے اٹھانوے لاکھ افراد مارے گئے تھے اور صرف گیارہ افراد زندہ بچے تھے۔ ان گیارہ افراد میں پانچ پانڈو بھائی تھے اور چھ دوسرے تھے۔

ہندی تاریخ میں ایک کتاب مہا بھارت کی بھی ہے۔ جسے ہندوستان کی امہات الکتب میں شمار کیا جاتا ہے کیونکہ اس میں کائنات کی ابتداء انسان کے آغاز کو روؤں اور پانڈوں کا احوال اور دیگر معرفانہ حکایات و روایات درج ہیں۔ مگر اس کو بھی تاریخ نہیں کہہ سکتے۔

اس کے مصنف کا نام بیاس دیو ہے لیکن کسی جگہ اس کتاب کا سن تصنیف نہیں ملتا اور ہندوستان مذہب کے بارے میں بیاس دیو کچھ کہتا ہے اس کی اپنی شخصیت اتنی الجھنیں لیے ہوئے ہے کہ بیاس دیو کا نام ہی اس کتاب کو مشکوک بنا دیتا ہے۔ یہ میری ذاتی رائے ہے ہندوؤں کے نزدیک تو بیاس دیو بہت عظیم چیز ہے۔''

''تو پھر کیسے پتہ چلے کہ ہندو مذہب کس نے بنایا؟'' میں نے پوچھا۔

''صرف اندازے ہی اندازے ہیں۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''جس مذہب کے موجد کا ہی پتہ نہ ہو وہ مذہب کیسا ہوگا اس کا اندازہ ہو رہا ہے۔'' میں نے کہا۔

بھوپال شیر تالابوں کا شہر ہے۔ مسلمان نواب کی وجہ سے مسلمانوں کی حالت بہت بہتر تھی۔ کاروبار اور سرکاری ملازمتوں پر مسلمان نظر آتے تھے۔ شہر میں شیروانیوں اور ترکی ٹوپیوں کی بہار نظر آتی تھی۔

ہم اسٹیشن سے اتر کر باہر آئے تو ایک صاحب نے آگے بڑھ کر ہمارا استقبال کیا اس کے سر پر ترکی ٹوپی تھی جسم پر انگرکھا نما کرتہ تھا لباس صاف ستھرا تھا آتے ہی بولا۔ ''آئیے خان آئیے۔ اماں ہم تو آپ کے ہی انتظار میں سوکھ رہے تھے کب سے۔''

''تم کو کس نے کہا تھا کہ تم سوکھو۔'' میں نے پوچھا۔

''اماں خان یہ تو ہمارا کام ہی ہے۔'' وہ جلدی سے بولا۔

''تو پھر ہمارا تو انتظار نہ ہوا، پھر ہمارے سر پر تو احسان نہ کرو۔'' میں نے کہا۔

''اماں بھائی خان آپ ناراض ہوگئے معافی چاہتے ہیں۔ بات یوں ہے کہ ہماری ایک بہت بڑھیا سرائے ہے آپ مجھے مسلمان نظر آئے تو دل ہوا کہ میں آپ کی مہمان نوازی کروں صاف ستھرا کمرہ بستر اور ماحول، بالکل گھر کا سا کھانا چاہئے۔'' وہ بولا۔

''آپ نے اپنا تعارف نہیں کرایا۔'' میں نے کہا۔

''میاں خان ہمارا نام کبن میاں ہے مسافروں کی خدمت کرتے ہیں یہی کام ہے ہمارا۔'' وہ بولا۔

''تو کبن میاں کہاں ہے آپ کی سرائے۔'' میں نے پوچھا۔

''ارے یہ رہی سامنے ہی زیادہ دور نہیں ہے۔ کسی سواری کی ضرورت نہیں ہے لائیے آپ کا سامان ہم خود اٹھالیں گے یہ تو ہمارا کام ہے میاں خان۔''

رولوکا نے کہا۔ ''نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اٹھائے ہوں۔''

''ہم تو آپ کی خوشی میں خوش ہیں میاں خان آئیے۔''

اور ہم کبن میاں کی سرائے کی طرف چلے۔ کہا تو انہوں نے کہ یہ سامنے ہے مگر دس منٹ چلنے کے بعد وہ ایک بڑے سے پھاٹک کے سامنے پہنچے اور بولے۔ ''لو میاں آگئے یہی ہے ہماری سرائے۔ بس کیا بتائیں میاں خان ہم تو ہوگئے ہیں پھکڑ ہمارا خاندان ایسا نہیں تھا۔ باپ دادا حضور نواب کے خاص مصاحب ہوا کرتے اسی زمانے میں یہ زمین ان کو ملی تھی اسٹیشن یہاں بنا تو ابا حضور نے یہ سرائے بنا ڈالی۔ اب ابا تو رہے نہیں ان کی یادگار یہ سرائے ہی ہے اور سچ یہ ہے کہ یہی ہم کو پال رہی ہے۔''

کبن میاں نہایت باتونی آدمی تھا بلاوجہ بے تکان بولے جا رہا تھا۔

''آیئے اندر آ جایئے۔'' اندر بہت کشادہ میدان پھاٹک کے بعد تھا اس میں کچھ بیل بوٹے اُگے ہوئے تھے۔ ایک بہت بڑا برگد کا درخت بھی موجود تھا۔ کمرے ایک لائن میں بنے ہوئے تھے اور کمروں کے سامنے کھپریل کا سائبان تھا اور جگہ جگہ لکڑی کے پول گڑھے ہوئے تھے یہ غالباً اس لئے کہ بوقت ضرورت ان پر روشنی کے لئے لالٹین یا گیس لیمپ لٹکائے جا سکیں۔

کمرے بھی کشادہ تھے چار دیواری کے اندر بہت جگہ تھی اتنی کہ کبن میاں اگر چاہتے تو ایک بہت شاندار ہوٹل بن سکتا تھا مگر بقول کبن میاں کے وہ تو ہو گئے تھے پھکڑ۔ شام ہو چلی تھی ہم دونوں نے ایک ہی کمرے میں ٹھہرنا پسند کیا۔ کبن میاں بولے۔

''اماں خان آپ جیسا حکم کرو ہم تو حکم کے بندے ہیں۔ اب یہ بتاؤ چائے حاضر کر دوں یا کھانے کے بعد پینا پسند کریں گے۔''

''چائے پلاؤ کھانا تو ہم رات کو نو بجے کھاتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''بہت خوب! یہ بھی بتا دیں کھانے میں کوئی خاص چیز کھائیں گے؟'' وہ بولا۔

''جو کھلاؤ گے کھا لیں گے۔'' میں نے کہا۔

''ہم لوگ بکرے کا گوشت پکاتے ہیں۔'' کبن میاں نے کہا۔

''بہت اچھی بات ہے کس بھاؤ ملتا ہے بکرے کا گوشت یہاں پر۔'' میں نے پوچھا۔

''بڑی مہنگائی ہو گئی ہے میاں خان پہلے چھ آنے آٹھ آنے سیر تھا اب دس آنے سے کم نہیں ملتا۔ مگر کیا کریں مہمان نوازی بھی تو کرنی ہوتی ہے بڑے کا گوشت بہت لوگ نہیں کھاتے میں خود بڑے کا گوشت نہیں کھاتا اور میری زوجہ تو ہاتھ نہیں لگاتی میاں خان۔'' کبن میاں اپنی عادت کے مطابق بولے چلے جا رہا تھا۔

''تم چائے لینے جا رہے تھے۔'' میں نے کہا۔

''خوب یاد دلایا میاں خان یہ ہے ہماری عادت کہ کام کی بات بھول جاتے ہیں۔ یہی شکایت ہم سے زوجہ صاحبہ کی ہے۔ اچھا ہم ابھی آئے۔'' اور کبن میاں چلے گئے۔

''بہت ہی باتونی آدمی ہے۔'' رولوکا نے کہا۔

''مگر آدمی دلچسپ ہے ایسا آدمی دل کا صاف ہوتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''اس لئے صاف ہوتا ہے کہ اس کو اس کی بولنے کی عادت اندر کچھ رکھنے ہی نہیں دیتی سب کچھ نکال باہر رکھ دیتی ہے۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

کچھ ہی دیر میں کبن میاں ٹرے اٹھائے کمرے میں آ گئے اور بولے۔ ''لو خان تازہ اور گرم گرم چائے۔''

''کیا تم نے خود بنائی ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''نہیں میاں خان ہم باہر کا کام کرتے ہیں ہماری زوجہ محترمہ کھانا اور چائے بناتی ہیں ہم مسافروں کو لاتے ہیں ان کی خدمت کرتے ہیں صفائی وغیرہ کو ایک آدمی ہے وہ دن میں کام کرتا ہے۔ زیادہ ملازم ہم نہیں رکھ سکتے اس لئے خود ہی میاں بیوی محنت کرتے ہیں میاں خان۔''

''تم بھی اسی سرائے میں رہتے ہو؟'' رولوکا نے پوچھا۔

''اور کہاں رہیں گے میاں خان۔''

''کل ہم لوگ بھوپال شہر کی تفریح کو جائیں گے کوئی خاص جگہ ہو بتاؤ؟'' میں نے کہا۔

''یوں تو سارا شہر ہی دیکھنے کی چیز ہے ایک سے ایک تال موجود ہے مگر روشن تال جاؤ تو ذرا ہوشیاری سے رہنا میاں خان۔'' کبن میاں بولے۔

''کیوں ہوشیاری کی وہاں کیا ضرورت ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''میاں وہ تال ہر سال ایک دو آدمیوں کی بھینٹ لیتا ہے۔ ایک تو ادھر کم ہی لوگ جاتے ہیں اور جو جاتے ہیں پانی سے دور ہی رہتے ہیں۔ ہاں گرمیوں میں لوگ نہانے چلے جاتے ہیں اور ان میں سے کوئی نہ کوئی کم ہو جاتا ہے۔ میاں خان۔'' کبن میاں نے تفصیل بتائی۔

"یہ ساری کہانی سنی سنائی ہے یا کوئی چشم دید گواہ بھی ہے۔" میں نے پوچھا۔

"اے لو بھئی خوب کہی ایک گواہ پورا شہر گواہ ہے۔ پانی میں ڈبکی لگائی اور غائب ایک منٹ میں آدمی غائب جال ڈال دیئے پورا پانی کھنگال ڈالا نواب صاحب کے ہرکارے آ گئے ہر جتن کر لیا مگر لاش تک نہیں ملی۔ دنیا حیران رہ گئی۔ اب بتاؤ میاں خان۔" کبن میاں کی رپورٹ پوری ہو گئی۔

"یہ روشن تالاب یہاں سے کتنی دور ہے؟" رولوکا نے پوچھا۔

"زیادہ دور نہیں ہے تانگے والا دو آنے میں پہنچا دیتا ہے۔" کبن میاں نے بتایا۔

"ٹھیک ہے کبن میاں نو بجے کھانا پوچھ کر پہنچا دینا۔" یہ اشارہ تھا کہ اب تم جاؤ کبن میاں مسافروں کی زبان خوب سمجھتے تھے اس لئے سمجھ گئے کہ کیا کہا جا رہا ہے۔ ان کے جانے کے بعد میں نے کہا۔

"کچھ سمجھ میں آ رہا ہے رولوکا کیا چکر ہے؟"

"عام آدمی کے لئے تو یہ بہت مشکل ہے مگر میں کچھ کچھ سمجھ رہا ہوں۔" رولوکا نے کہا۔

"کچھ وضاحت تو کرو؟" میں نے کہا۔

"انسان جب پیدا ہوتا ہے اس دنیا میں آتا ہے۔ اس وقت اس کی روح بڑی اجلی اور معصوم ہوتی ہے لیکن وہ اپنی حرکتوں سے دنیاوی آلائشوں سے اپنی پاکیزہ روح کو آلودہ کرتا چلا جاتا ہے پھر بڑھتے بڑھتے وہ گناہوں کی دلدل میں بڑی مضبوطی سے پھنس جاتا ہے۔ یہ وقت ہوتا ہے کہ اگر وہ کوشش بھی کرے تو اس دلدل سے باہر نہیں نکل پاتا۔

مگر سب کے ساتھ یہ نہیں ہوتا۔ کچھ شعور رکھنے والے عقل مند لوگ، اپنی روح کو گناہوں کی آلائشوں سے دور رکھتے ہیں۔ لالچ تکبر اور طاقت انسان کو بھٹکا دیتی ہے اور روح داغدار ہو جاتی ہے۔ محبت اور چاہت اس سے بڑھانی چاہیے جو ہمیشہ ساتھ رہنے والی ہو۔ جس چیز کو چھوڑ کر چلے جانا ہے اس سے محبت بڑھانا تو بے کار ہی ہوا۔ مگر لوگ پھر بھی ایسا کرتے ہیں۔ وہ دنیاوی دولت سے عورت سے اور زمین سے اس قدر محبت بڑھا لیتے ہیں کہ موت کے بعد ان کی روح ان چیزوں کو نہیں چھوڑتی جسم فنا ہو جاتا ہے۔" رولوکا نے وضاحت کی۔

"تو اس کا مطلب ہوا کبن میاں کی بات میں کچھ وزن ہے!" میں نے کہا۔

"کتنا وزن ہے یہ تو کچھ اور تفصیل پتہ کرنے پر اندازہ ہوگا۔" رولوکا نے کہا۔

دوسرے روز ہم دونوں صبح ہی سرائے سے نکل گئے اور روشن تالاب کی طرف چل دیئے۔ زیادہ فاصلہ نہیں تھا۔ آبادی زیادہ گنجان نہیں تھی۔ دس پندرہ منٹ میں ہم پہنچ گئے۔ سردی کا موسم تھا اس لئے تالاب کی طرف سناٹا ہی تھا۔ اچھا بڑا تالاب تھا۔

ایک طرف کنارے پر ایک مندر بنا ہوا تھا مندر ہمیشہ اونچے بنائے جاتے ہیں اور جو مندر پانی کے کنارے بنائے جاتے ہیں ان کو تو خاص طور سے دس بارہ فٹ سطح زمین سے اونچا رکھا جاتا ہے اور مندر سے پانی کی طرف سیڑھیاں بنائی جاتی ہیں ان سیڑھیوں پر بیٹھ کر عورتیں اور مرد نہاتے ہیں۔ مندر کے تین طرف بڑے بڑے درخت موجود تھے۔ بڑی ہریالی تھی اور ایک طرف تالاب تھا۔ بنانے والے نے مندر کے اندر بھی خاصی زمین فالتو رکھی تھی یہ غالباً مندر میں پوجا کے لئے رکھی تھی مگر دن کے دس بجے مندر ویران پڑا تھا اشنان کرنے کی جگہ پر دو تین کتے مٹرگشت کر رہے اور پانی کی سطح پر مینڈک اچھل رہے تھے۔

رولوکا خاموشی سے جائزہ لے رہا تھا۔ دس پندرہ منٹ میں اور رولوکا بے ارادہ ٹہلتے رہے اور پھر واپسی کو مڑ گئے۔ ہم سے کسی نے نہیں پوچھا۔ کیوں آئے ہو کون ہو وغیرہ وغیرہ۔ ہم سڑک پر آ کر کھڑے ہو گئے۔ چند منٹ کے بعد ہی ایک تانگا ہمارے سامنے آ کھڑا ہوا اور ہم واپس آ گئے۔

’’کچھ اندازہ ہوا۔‘‘ میں نے رولو کا سے پوچھا۔
’’کچھ وزن تو فضا میں ہے۔‘‘ رولو کا نے جواب دیا۔
’’اس کا کیا مطلب ہے؟‘‘ میں نے پوچھا۔
’’وہاں مندر کے چاروں طرف جو کیفیت نظر آتی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کچھ پراسراریت ہے مگر ابھی میں کچھ بتا نہیں سکتا کہ وہ کیا ہے؟‘‘ رولو کا نے جواب دیا۔
’’خیر یہ تمہارا کام ہے تم ہی جانو میں تو اپنی معلومات بڑھانے کو پوچھ رہا تھا۔‘‘ میں نے کہا۔
کبن میاں تیزی سے آتے نظر آئے۔ آتے ہی بولے۔ ’’اماں خان کمال ہو گیا یعنی خاموشی سے نکل لئے اور اتنی جلدی آ بھی گئے۔‘‘
’’ہم روشن تالاب گئے تھے۔‘‘ میں نے کہا۔
’’اور بتایا بھی نہیں میاں یہ بھوپال ہے ذرا دیکھ بھال کے سیر کرنا ایمان سے ہمارا کام تو اچھی بری بتانا ہے اور ہم نے بتادی تھی۔‘‘
’’تمہارا بہت شکریہ کبن میاں مگر ہم تو آئے ہی سیر کرنے ہیں۔‘‘ میں نے کہا۔
’’خوب کرو بھئی کس نے منع کیا ہے۔‘‘ کبن میاں بولے۔
’’اچھا یہ بتاؤ یہ روشن تالاب کس نے بنایا تھا؟‘‘ رولو کا نے پوچھا۔
’’اماں بھائی خان تم روشن تالاب کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو اور بہت بڑا بھوپال پڑا ہے سب جگہوں پر جاؤ ایمان سے لطف آجائے گا۔‘‘ کبن میاں بولے۔
’’بات یہ ہے کبن میاں کہ میں تو ایک حکیم ہوں اور یہ میرا ملازم خیرالدین خیرو جاسوسی کا شوقین ہے یہ ان مقامات پر جانا پسند کرتا ہے جہاں کوئی نہ جاتا ہو۔ اس لئے تم جو کچھ جانتے ہو اس کو بتادو ورنہ یہ روز تم سے سوال کرتا رہے گا اور تم کو پریشان کردے گا۔‘‘ میں نے بات بنائی۔
’’اماں واہ خان خیرو اچھا شوق پالا ہے۔ میں نے تو ایسا شوق ایمان سے اب تک نہیں سنا۔‘‘ کبن میاں بولے۔
’’ارے کبن میاں اپنا اپنا شوق ہی تو ہے تم کو کچھ پتہ ہے تو بتادو۔‘‘ میں نے کہا۔
’’ابھی تو ذرا میں جلدی میں ہوں بھائی خان ایک گاڑی بھی دیکھنا ہے اور کچھ خورد و نوش کا سامان بھی خریدنا ہے نہیں تو زوجہ محترمہ کان سے پکڑ لیں گی...... رات کو فرصت میں آکر بتاؤں گا اب میں چلتا ہوں۔‘‘ اور کبن میاں چلے گئے۔
’’کبن میاں زوجہ محترمہ سے کچھ خائف لگتے ہیں۔‘‘ میں نے کہا۔
’’اچھا ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ دن بھر ہماری معلومات میں گراں قدر اضافہ کرتے رہتے۔‘‘ رولو کا نے کہا۔
’’آدمی دلچسپ ہے ذرا باتونی ہے تو کیا ہوا۔‘‘ میں نے کہا۔
رات کو کھانے کے بعد حسب وعدہ کبن میاں آ گئے۔ ’’لو میاں خان اب ہیں ہم فارغ اب پوچھو کیا پوچھنا ہے؟‘‘
’’میں نے یہ پوچھا تھا کہ یہ روشن تالاب کس نے بنایا تھا اور کب بنایا تھا۔‘‘ رولو کا نے کہا۔
’’بتائیں گے ضرور بتائیں گے میاں خان۔‘‘
’’یہ تالاب ہمارے سامنے تو نہیں بنا ہم نے تو اس کو اسی حالت میں دیکھا ہے۔ ہمارے ابا جنت مکانی کی نظروں کے سامنے یہ ضرور بنا تھا اور جو کچھ انہوں نے ہم کو بتایا ہے وہی ہم بتائیں گے۔
روشن لال بھوپال کا ایک بہت بڑا پیسے والا بنیا ہوا کرتا تھا۔ مگر حد سے زیادہ کنجوس تھا زندگی بھر صاف کپڑا اس کے بدن پر کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ یہی حالت اس کے کھانے کی تھی۔ اس نے اولاد نرینہ کی خاطر کئی شادیاں کر ڈالیں مگر ہر بیوی سے اس کو لڑکی ہی ملی۔ وہ بڑے بڑے سنیاسیوں اور دیوی دیوتاؤں کی خدمت کرتا رہا۔ جو جس نے مشورہ دیا وہ اس نے کیا مگر اس کی مراد پوری نہیں ہوئی۔ پھر اس کی ملاقات ایک جوگی سے ہوئی۔ اس جوگی

نے اس کو کہا کہ وہ ایک بہت بڑا مندر شیو بھگوان کا بنوائے اور ایک تالاب بھی اس کے ساتھ بنائے۔ اس جوگی نے مندر کی جگہ اور تالاب کی جگہ بھی اس کو دکھا دی۔

روشن لال کی کھوپڑی میں یہ بات بیٹھ گئی اور وہ اس زمین کے ٹکڑے کو حاصل کرنے میں لگ گیا۔ یہ زمین نواب صاحب نے اپنے ایک ملازم دھونی چند کو دی ہوئی تھی دھونی چند اس زمین پر سبزی کاشت کرتا تھا۔ جگہ چونکہ شہر میں تھی اس لئے جو کچھ وہ پیدا کرتا تھا فوراً بک جاتی تھی۔ اس کے علاوہ دھونی چند نواب صاحب کا خاص ملازم تھا وہ ذات کا نائی تھا اور اپنے کام کا ماہر آدمی تھا۔ نواب صاحب کے قریب رہتا تھا۔ اس لئے منہ چڑھا بھی تھا۔ روشن لال سرمایہ دار تو ضرور تھا مگر دھونی چند کی بات زیادہ تھی۔

روشن لال نے دھونی چند کو ہر طرح کا لالچ دیا۔ زمین کی منہ مانگی قیمت بھی دینے پر راضی تھا۔ مگر دھونی چند نواب صاحب کے ساتھ رہ کر بہت ضدی ہو گیا تھا اس نے ایک نہیں سنی بلکہ کئی دفعہ تو روشن لال کو بے عزت کر دیا۔

اب دونوں میں ضد ہو گئی۔ ایک طرف چاندی سونا تھا تو دوسری طرف اقتدار کا نشہ تھا۔ چوٹ دونوں طرف برابر کی تھی۔ روشن لال نے نواب صاحب تک بات پہنچائی مگر کام نہ بنا۔ روشن لال کا رنگ دھونی چند ایک منٹ میں اتار دیا کرتا تھا۔ جب وہ نواب صاحب کی طرف سے بھی مایوس ہو گیا تو اس نے بھوپال کی ہندو برادری کی طرف رجوع کیا۔ مگر ہندو برادری بھی کچھ نہ کر سکی کیونکہ مقابلے پر بھی ایک ہندو ہی تھا۔ حالانکہ وہ شودر تھا اگر اس کی جگہ کوئی مسلمان یا عیسائی ہوتا تو مقابلہ وہ ضرور کرتے۔ روشن لال کو اندازہ ہو رہا تھا کہ دنیا میں دولت سے سب کچھ نہیں خریدا جا سکتا۔ وہ خود پر ایک پیسہ خرچ نہ کرنے والا آدمی لاکھوں خرچ کرنے کو تیار تھا مگر پھر بھی ناکام۔ جوگی تو ایک راستہ دکھا کر چلا گیا تھا اور روشن لال اپنی ادھوری تمنا لئے بے چینی کی زندگی گزار رہا تھا۔ دھونی چند سمجھ رہا تھا روشن لال ناامید ہو کر خاموشی سے بیٹھ گیا ہے۔

مگر روشن لال کے تو سپنوں میں اس کے ہونے والے بیٹے آ رہے تھے۔ وہ روز ان کے نام دھرتا تھا اور روز سپنے ٹوٹ جاتے تھے۔ دھونی چند کے خلاف وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اگر اس کی جگہ کوئی ہوتا تو وہ نہ جانے کیا کر چکا ہوتا۔ اسی کشمکش میں پانچ سال گزر گئے۔

جوگی کا پھر پھیرا لگا اور اس نے دیکھا کہ میدان میں کھیتی ہو رہی ہے نہ مندر ہے نہ تالاب بنا ہے۔ وہ دوڑا ہوا روشن لال کے پاس گیا اور بولا۔ ”تو نے ہماری اچھا کا پالن نہیں کیا مورکھ۔ تو بڑا پاکھنڈی ہے۔“

روشن لال نے آگے بڑھ کر جوگی مہاراج کے پاؤں پکڑ لئے اور گڑگڑا کر بولا۔ ”دیا کرو مہاراج میں نے ہر جتن اس زمین کے لئے کر لیا۔ پرنتو وہ نائی کی اولاد نواب کا مالیشار بہت حرامی ہے ٹس سے مس نہیں ہوتا۔ میں نے ہر طرف سے کوشش کر ڈالی۔ میں نے ان کے منہ دیکھے لئے جن کو پسند نہیں کرتا دھن دولت سب کچھ داؤ پر لگا دیا مگر پھر بھی وہ زمین مجھے نہ ملی۔ اب بتاؤ جوگی مہاراج میں کیا کروں؟“

جوگی نے ساری بات سنی اور تسلی سے بولا......

”زمین تو مل جائے گی مندر بھی بن جائے گا اور تالاب بھی بن جائے گا۔ مگر اب وقت بہت آگے نکل گیا ہے۔ تجھے بیٹا ملے گا کہ نہیں میں نہیں بتا سکتا اگر تو اسی سمے یہ کام کر لیتا تو تیرا کام ضرور بن جاتا۔ اب تو پانچ سال پیچھے چلے گا اب میں تجھے کیا بھروسہ دلاؤں بول اب بھی مندر بنوانے کا ارادہ ہے مگر یہ یاد رکھ کہ تجھے بیٹا ہو گا میں اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔“

”جوگی مہاراج تم نے تو اپنا کام کر دیا۔ مگر میرے ہی بھاگ سو گئے تو اس میں کس کا قصور میں ہی ابھاگی ہوں۔ پرنتو مندر اور تالاب اب میری ضد بن گئے ہیں میں اپنی ساری دولت خرچ کرنے کو تیار ہوں۔ دھونی چند نائی مجھے نیچا دکھا رہا ہے۔ میں اپنی مونچھ اونچی کرنا چاہتا ہوں۔ کچھ اپائے کرو جوگی مہاراج۔“ روشن لال گڑگڑا کر

بولا۔

"کریں گے ضرور کریں گے۔ اس کام کے لئے بڑے کٹھن جاپ کرنا پڑیں گے اور جو تم کو کہا جائے وہ تم بھی کرو گے کچھ بھینٹ دینا ہوگی وہ تم دو گے؟" جوگی نے پوچھا۔

"میں ہر طرح تیار ہوں مہاراج جو حکم کریں گے وہ اوش کروں گا۔" روشن لال نے جواب دیا۔

"تو پھر سن ہم جاتے ہیں کنڈل میں اور تو آج سے ٹھیک چالیس دن کے بعد دھونی چند کے پاس جائے گا اس کے پاس جاتے ہی ایک بھینٹ کالی مرغی کی دھونی چند کے دروازے پر خود اپنے ہاتھ سے دے گا اور اس کے بعد زمین کی بات کرے گا وہ مان گیا تو ٹھیک ہے اگر نہ مانا تو پھر ایک کالے بکرے کی بھینٹ دے گا یہ بھینٹ اس زمین پر دینا ہوگی اور پھر دھونی چند کے پاس جائے گا۔ اگر زمین دینے پر راضی ہوا تو ٹھیک نہیں تو تیسری بھینٹ کالے بھینسے کی دینا ہوگی یہ بھینٹ بھی اسی زمین پر دینا ہوگی اور تجھے خود اپنے ہاتھ سے دینا ہوگی۔ اس کے بعد تو پھر اس کے پاس جائے گا اور زمین کا مطالعہ کرے گا اب کے وہ مان جائے گا۔ مگر یہ منزل بڑی کٹھن ہوگی وہ بھینٹ مانگے گا اور تجھ کو وہ بھینٹ دینا ہوگی اور وہ بھینٹ تیری ہوگی تجھے اپنی خود بھینٹ دینا ہوگی تیری مکتی ہو جائے گی تیری آتما سپھل ہو جائے گی شریر تو مٹی ہے ایک نہ ایک روز مٹی ہونا ہے اس کے لئے زیادہ کیا پریشان ہونا۔ منش سب کچھ آتما کی شانتی کے لئے کرتا ہے تیری آتما شانت ہو جائے گی اور سدا اس مندر اور تال میں رہے گی تیری محنت تیرے سامنے رہے گی مگر اس وقت بھی ہمارا خیال رکھنا پڑے گا اور وہ یہ کہ تجھے ایک نوجوان مرد یا عورت کی بھینٹ ہماری نظر کرنا ہوگی اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تیری آتما کو کشٹ بھوگنا ہوگا یہ بات بھی یاد رکھ کہ شریر کا کشٹ اٹھانا بہت آسان ہے کیونکہ وہ تو ختم ہونے والی ہی چیز ہے مگر آتما کا کشٹ بہت کٹھن ہوتا ہے اور سیکڑوں سال تک چلتا ہی رہتا ہے۔ ہم نے سب کچھ بتا دیا ہے آگے جو کرنا ہے تجھے کرنا ہے ہم واپس نہیں آئیں گے اگر ہماری بھینٹ ملتی رہی۔ جب ہماری بھینٹ نہیں ملے گی تو پھر ہم کو آنا ہی پڑے گا اور وہ وقت تیری آتما کے لئے بہت کٹھن ہوگا ہماری بات یاد رکھنا..... ہم راستہ چلتے سادھو سنت نہیں ہیں ہماری ڈوریاں کہیں اور ہی سے ہلائی جاتی ہیں۔" اور جوگی مہاراج چلے گئے ان کی ہدایت کے مطابق روشن لال دھونی چند کے گھر گیا اور ایک کالا مرغا اس کے دروازے پر کاٹ ڈالا۔ دھونی چند نے کہا۔

"روشن لال تم بہت ضدی آدمی ہو اب ٹونے ٹوٹکے پر اتر آئے ہو جاؤ زمین تو تم کو نہیں ملے گی۔" اور روشن لال واپس آ گیا مگر امید کی ایک کرن اس کے دل میں روشن تھی وہ زیادہ پریشان نہیں تھا اس کے سامنے پورا سفر موجود تھا وہ بھی اندازہ کر چکا تھا کہ سفر پورا ہی کرنا پڑے گا۔ منزل راستے میں نہیں ملے گی۔ جوگی مہاراج کو سب پتہ تھا اسی لئے سفر کا پورا نقشہ بنا کر دے گئے ہیں۔ دھونی چند نہیں مانے گا، اس کا اندازہ ان کو بھی ہوگا اسی لیے سفر کی درجہ بندی کر دی اب پھر چالیس روز کے بعد دھونی چند کا دروازہ دیکھتا تھا۔ ان چالیس دنوں میں روشن لال اپنی دولت اور زمینوں کی دیکھ بھال کے طریقہ بناتا رہا اور اپنی وصیت بناتا رہا۔

وہ چاہتا تھا اس کے مرنے کے بعد کام اسی انداز پر ہو اس نے تالاب اور مندر کا پورا نقشہ بنا لیا تھا اس پر اخراجات کی رقم الگ کر دی تھی۔ ایک ٹرسٹ بنا کر مندر اور دوسرے اخراجات پورے کرنے کا طریقہ کار بنا دیا تھا۔ وہ ایک ایک چیز پر غور کر رہا تھا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کی دولت لوٹنے والے بہت آ جائیں گے وہ یہ بات اچھی طرح جانتا تھا مگر وہ بہت ہوشیاری سے کام کر رہا تھا۔ اس نے ایسا بندوبست کر دیا تھا کہ مندر اور تالاب کی ہمیشہ حفاظت ہوتی رہے اور اس کے ملازمین کو اس کا معاوضہ بھی ملتا رہے۔ ایک ایسا مضبوط ادارہ بنا دیا جائے جو اس کا نام قائم رکھے۔ چالیس دن کے بعد روشن

لال پھر دھونی چند کے دروازے پر گیا اور پھر اپنا مطالبہ دہرایا۔

"مجھے اندازہ تھا روشن لال کہ تم پھر آؤ گے اس لئے میں دن گن رہا تھا اور آج ٹھیک چالیس دن کے بعد تم پھر آئے ہو۔ تم عجیب آدمی ہو مندر بنانا ہے کہیں بھی بنا لو تالاب بنانا ہے کسی بھی زمین پر بنالو اگر تمہارے پاس زمین نہیں ہے تو مجھ سے لے لو۔ مگر تم اسی زمین کے ٹکڑے کے لئے کیوں مرے جارہے ہو مجھے یہ بتاؤ؟" دھونی چند نے پوچھا۔

"دھونی چند اس زمین کے اندر خزانہ دفن ہے وہ مجھے نکالنا ہے۔" روشن لال نے کہا۔

دھونی چند زور سے ہنس پڑا۔ "تم جس ذات کے ہو مجھے پتہ ہے خزانہ ہوتا تو تم مجھے بتاتے؟"

"تو پھر تم چند سو کی پیداوار کی خاطر اس زمین سے کیوں چپکے ہو؟" روشن نے لال نے جل کر کہا۔

"پیداوار تو ہے نا کم یا زیادہ جو ہے میری ہے۔" دھونی چند بولا۔

"پچاس سال آنے والے کی پیداوار کتنی ہوگی کتنی رقم بنے گی حساب کر کے بتاؤ میں دینے کو تیار ہوں، بولو!" روشن لال نے کہا۔

"بہت خوب روشن لال سنا تو یہ تھا کہ بنیا صرف دو جگہ دل کھول کر خرچ کرتا ہے ایک جوا کھیلنے میں اور شادی بیاہ میں مگر تم کون سے بنیا ہو کہ زمین کی خاطر لکشمی لٹا رہے ہو۔"

دھونی چند نے حیرت سے کہا۔ "دنیا بدل رہی ہے دھونی چند تم کیا ہو مجھے نہیں پتہ مگر یہ وقت آ گیا ہے کہ مجھے تیرے در پر آنا پڑ رہا ہے تجھے اس بات پر حیرت نہیں ہے؟"

"حیرت تو مجھے اس بات پر ہے کہ تم بار بار اسی زمین کے لئے کیوں آرہے ہو چاہتے تو کوئی اور زمین بھی خرید سکتے تھے۔" دھونی چند نے کہا۔

"دھونی چند اس زمین میں کوئی خاص بات نہیں ہے مگر تمہارے انکار نے خاص بات پیدا کردی ہے تم نے اس زمین کے ٹکڑے کو میری ضد بنا دیا ہے میں اس کو لے کر رہوں گا۔" روشن لال نے کہا۔

"اور تیرے اصرار نے مجھے ضدی بنا دیا ہے۔"

دھونی چند نے جواب دیا اور روشن لال پھر واپس آ گیا اور اسی زمین پر اس نے بھینٹ چڑھا دی۔

چالیس روز کے بعد روشن لال پھر اس کے دروازے پر کھڑا تھا۔

"تو پھر آ گیا۔" دھونی چند غصہ سے بولا۔

"ہاں دھونی میں حسب پروگرام آ گیا ہوں۔ ٹھیک چالیس دن کے بعد تو اب بھی نہیں مانے گا یہ بھی میں جانتا ہوں۔ مگر مجھے آنا تھا سو میں آ گیا ہوں بول تیرا کیا جواب ہے؟" روشن لال نے کہا۔

"بڑے دھرماتماؤں کی طرح بات کر رہا ہے تو میں نہیں مانوں گا تو یہ جانتا تھا پھر بھی آ گیا۔ تیری باتیں اب ایک پاگل کی سی ہوتی جارہی ہیں۔" دھونی چند نے کہا۔

"ہاں میں اس زمین کو پانے کے لئے پاگل ہو رہا ہوں۔ مجھے وہ زمین لینا ہے ایک بہت عالیشان مندر بنانا ہے وہ مندر شیو بھگوان کا ہوگا اور تالاب بھی مگر تو میرے آڑے آرہا ہے۔" روشن لال نے کہا۔

"میرا جواب وہی ہے روشن لال جو پہلے تھا۔" دھونی چند نے کہا۔

"اور میرا جواب یہ ہے کہ یہ میری زندگی اور موت کا مسئلہ ہے میں اس زمین کو ہر حالت میں ضرور لوں گا تو غور سے سن لے میں پھر آؤں گا۔"

اور ٹھیک چالیس روز کے بعد روشن لال پھر اس کے دروازے پر موجود تھا۔ "تو بڑا ہٹیلا ہے پھر آ گیا۔" دھونی چند نے کہا۔

"میں نے تو کہا تھا میں پھر آؤں گا سو آ گیا۔"

"تیری زندگی میں وہ زمین میں نہیں دوں گا۔" دھونی چند نے کہا۔

''میں زندگی کے بدلے بھی لینے پر راضی ہوں۔''
روشن لال بولا۔
''مجھے پتہ ہے تو ایک بکرا اور بھینسا اس زمین کو بھینٹ کر چکا ہے مگر اب کے وہ زمین تیری بھینٹ مانگ رہی ہے میں دیکھتا ہوں تیری لگن کتنی سچی ہے تو اپنی بھینٹ دیتا ہے کہ خالی کوئی کھیل میرے ساتھ رچا رہا ہے۔'' دھونی چند نے نہایت سکون سے کہا۔
''میں راضی ہوں مگر اس بات کی ضمانت دینا ہوگی کہ وہ زمین مجھے مل گئی ہے۔'' روشن لال بولا۔
''تو کس طرح ضمانت چاہتا ہے؟'' دھونی چند بولا۔
''میں نے ایک ٹرسٹ مندر کے نام پر بنا دیا ہے زمین اس کے نام پر کردو میں وہ کروں گا جو تم کہو گے......؟'' روشن لال نے جواب دیا۔
''تم کو اسی زمین پر آتما ہتھیا کرنی ہوگی طریقہ جو تم پسند کرو وہ اختیار میں تم کو دیتا ہوں۔ زمین میں تین روز کے اندر اندر ٹرسٹ کے نام کردوں گا تم تین دن کے اندر اندر اسی زمین کے اندر آتما ہتھیا کرلو گے بولو سودا منظور ہے؟'' دھونی چند نے کہا۔
''مجھے منظور ہے تم کارروائی شروع کردو۔''
اور جناب اس طرح وہ زمین کا ٹکڑا روشن لال کو مل گیا۔ بلکہ یوں کہو روشن لال کے ٹرسٹ کو مل گیا روشن لال تو مردہ حالت میں ایک کھیت میں پڑا تھا اس کی موت زہر کی وجہ سے ہوئی تھی اور وہ زہر کسی سانپ کا تھا۔
میرے والد نے بتایا اس کے بعد پہلے یہ مندر بنایا گیا اور اس کے بعد تالاب کی کھدائی ہوئی اور بڑے شاندار طریقہ پر اس کو بھی بنایا گیا مندر میں پجاریوں اور خدمت گاروں کو بڑے آرام سے رکھا جاتا ہے اور اس کا پورا خرچ روشن لال ٹرسٹ ادا کرتا ہے جو لوگ ٹرسٹ چلاتے ہیں وہ نہایت ایمانداری سے کام کرتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ روشن لال کی آتما ان کی نگرانی کرتی ہے مگر ہر سال ایک دو موتیں اس تالاب میں ضرور ہوتی ہیں۔''

کبن میاں خاموش ہوئے تو میں نے کہا۔
''تم کو اس کہانی پر اعتبار ہے کبن میاں؟''
''میرے اعتبار کرنے یا نا کرنے سے کیا فرق پڑے گا میاں خان جو مشہور ہے وہ تو ہے۔'' کبن میاں نے جواب دیا۔
''اس جوگی کا کردار تو تم نے ادھورا چھوڑ دیا۔'' میں نے کہا۔
''نہیں میاں ادھورا کیا چھوڑا سالانہ بھینٹ تو وہی لے رہا ہے۔ اگر روشن لال کی آتما بھینٹ بند کردے تو وہ روشن لال کی آتما کو آ کر پکڑ لے گا۔'' کبن میاں نے جواب دیا۔
''کبھی کوئی سال ایسا گزرا ہے کہ کوئی تالاب میں نہ مرا ہو؟'' میں نے پوچھا۔
''نہیں ایسا کبھی نہیں ہوا۔ میری عمر پچاس سال سے اوپر ہے میں اب تک یہی دیکھ رہا ہوں۔'' کبن میاں بولے۔
میں نے سوالیہ نظروں سے رولوکا کی طرف دیکھا تو وہ بولا۔ ''ابھی اس سال کی بھینٹ باقی ہے یا ہوگئی؟''
''نہیں میاں جی یہ دسمبر کا مہینہ ہے یہ بھینٹ جنوری/فروری میں ہوتی ہے سب کو پتہ ہے کوئی ادھر نہیں جاتا مگر پھر بھی کوئی نہ کوئی مر ہی جاتا ہے۔'' کبن میاں بولے۔
''اس کا مطلب ہے ہم کو رکنا پڑے گا۔'' رولوکا نے کہا۔
''اس کا کیا مطلب ہوا میاں خان؟'' کبن خان بولے۔
''اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ کوئی تالاب پر نہیں جاتا پھر بھی وہاں پر موت کس طرح ہو جاتی ہے مرنے والے کو کوئی وہاں لے کر جاتا ہے یا وہ خود سے کیوں جاتا ہے؟'' رولوکا نے کہا۔
''آپ کس طرح دیکھو گے! میاں خان میری تو سمجھ میں نہیں آرہا۔'' کبن خان حیرت سے بولا۔

''جب وقت آئے گا تو تم کو پتہ چل جائے گا۔''

رولوکا نے کہا۔

''بہت خطرناک کام ہے یہ اس سے پہلے بھی کئی دفعہ ایسی کوشش ہو چکی ہے۔ ایک دفعہ تو وہ ہی نشانہ بن گیا جو دیکھنے گیا تھا۔ ایک دو پنڈت بھی کام آ گئے۔ بہت سادھو سنت آئے مگر تالاب پر لوگ مرتے رہے۔ اب تو لوگوں نے اس طرف دھیان کرنا ہی چھوڑ دیا ہے جس کو مرنا ہے وہ تو مرے گا کون خطرے میں پڑے۔ میں تو کہتا ہوں میاں خان تم اپنی راہ کیوں کھوٹی کرتے ہو بلاوجہ کا خطرہ کیوں مول لیتے ہو؟'' کبن میاں بولے۔

پندرہ دسمبر کو میں دلی آ گیا اور رولوکا بھوپال میں ہی رہا۔ کیونکہ آگے جانے کا تو اب سوال ہی نہیں تھا دلی میں ضروری کام میں نے کئے اور پھر واپس پندرہ جنوری کو میں رولوکا کے پاس تھا۔ رولوکا نے بتایا۔

''اس تالاب اور مندر میں ایک روح تو ہے وہ ہر وقت ارد گرد کے علاقے میں منڈلاتی رہتی ہے مگر کسی سے کچھ کہتی نہیں ہے میرا خیال ہے وہی روشن لال کی روح ہے۔ میں اس کے سامنے نہیں آیا ہوں اور نہ ہی اس کو احساس ہونے دیا ہے کہ کوئی اس کی نگرانی کر رہا ہے۔

جنوری شروع ہونے کے بعد اس کی حالت میں کچھ بتدیلی آئی ہے وہ بڑی بے چینی سے گردش کر رہی ہے غالباً اپنا شکار تلاش کر رہی ہے۔ دن میں تو وہ زیادہ تر مندر کے اندرونی حصہ میں رہتی ہے مگر رات کو وہ آبادی کی طرف بھی جاتی ہے۔ میں اس کے ساتھ ہوں۔ میں اس کوشش میں ہوں کہ وہ اپنا شکار حاصل نہ کر سکے۔ اس کو ہر حالت میں اس دفعہ بھینٹ سے روکنا ہے۔''

''اس کا مطلب ہے تمہاری مصروفیت رات میں بڑھ گئی ہے۔'' میں نے کہا۔

''ہاں یہ تو ہے مگر میں دن میں بھی بے خبر نہیں رہنا چاہتا۔'' رولوکا نے کہا۔

اور جنوری خیریت سے گزر گیا۔ فروری شروع ہوتے ہی رولوکا نے بتایا۔ ''اس روح کی سرگرمیاں بہت بڑھ گئیں ہیں میں اس کے قریب ہی ہوں۔ گزشتہ رات وہ ایک کنواری لڑکی کو راہ سے بھٹکا کر اپنے ساتھ لانے میں کامیاب ہو گئی تھی مگر آبادی سے باہر آتے ہی اس لڑکی کو ہوش آ گیا اور وہ دوڑتی ہوئی واپس چلی گئی ایسا شاید پہلی بار ہوا تھا وہ روح اس کے تعاقب میں دور تک گئی مگر دوبارہ اس کو لانے میں کامیاب نہیں ہوئی۔ اگر میں درمیان میں نہ ہوتا تو وہ ضرور اس کو تالاب میں لا کر ڈبو دیتی۔'' رولوکا نے کہا۔

''اس کا طریقہ کار کیا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''روح اس کے دماغ پر قبضہ کرتی ہے اور شکار کو تالاب کا راستہ بتاتی ہے۔ شکار کی چونکہ سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت روح کے کنٹرول میں ہوتی ہے اس لئے وہ آسانی سے تالاب تک آ جاتا ہے۔ لیکن اس دوران اگر کوئی بیرونی مداخلت ہو جائے تو روح کا کنٹرول ختم ہو جاتا ہے اور شکار اپنی سوچ سے کام لینے لگتا ہے۔ اس کے لئے ضروری نہیں کہ یہ کام میں کروں کوئی بھی مداخلت کر سکتا مگر اس کو یہ پتہ ہونا چاہیئے کہ شکار جو کر رہا ہے وہ خود کر رہا ہے یا وہ عمل اس سے کوئی کروا رہا ہے۔'' رولوکا نے کہا۔

''اور یہی وہ کام ہے جو بہت مشکل ہے۔'' میں نے کہا۔

''یہ ذرا مشکل کام ہے۔'' رولوکا نے کہا۔

''وقت گزارنا چاہتے ہو اس کے بعد کیا ہوگا؟'' میں نے پوچھا۔

''فروری میں اس کو ناکامی ہوگی تو کھیل آگے بڑھے گا۔'' رولوکا نے کہا۔

''آگے کیسے بڑھے گا؟'' میں نے سوال کیا۔

''اصل کردار جوگی کا ہے۔ اس کی خوراک نہیں ملے گی تو وہ سامنے آئے گا جیسا کہ اس نے روشن کو کہا تھا کہ اس کی آتما کو سزا دینے وہ آئے گا۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''کبن میاں کی کہانی پر تم کو یقین ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''حالات بتا رہے ہیں کہ کبن میاں کی کہانی حقیقت ہے۔'' رولو کا نے کہا۔

پندرہ دن گزر گئے۔ روشن کی روح اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوئی۔ اس نے ہر جتن کرلیا مگر رولو کا اس کے ساتھ لگا رہا۔ رولو کا اس کی نگاہوں سے پوشیدہ رہا مگر اس کے قریب بھی رہا۔ اس نے مندر کے لوگوں پر بھی ہاتھ صاف کرنا چاہا مگر وہاں بھی اس کو کامیابی نہیں ہوئی اور فروری کی آخری تاریخ بھی گزر گئی۔ مارچ شروع ہو گیا۔ اس دفعہ لوگ بہت حیران ہوئے اس دفعہ کوئی بدنصیب تالاب کا نشانہ نہ بنا۔ ذہنی طور پر ایسی خبر کے عادی لوگ ایسی خبر نہ آنے پر حیران تھے۔ دنیا عجیب جگہ ہے بری خبر سنتے سنتے لوگ اس کے عادی ہو جاتے ہیں پھر ان سے اچھی خبر ہضم نہیں ہوتی۔

کبن میاں حیرت سے بولے۔ ''اماں خان کمال ہی ہو گیا اس دفعہ تو روشن تالاب نے بھینٹ ہی نہیں لی۔''

''یہ تو اچھی خبر ہے۔'' میں نے کہا۔

''ہاں خان...... اچھی کیا بہت اچھی ہے۔'' وہ خوشی سے بولے۔

مارچ پورا گزر گیا اور پھر رولو کا نے بتایا۔ ''جوگی آ گیا ہے۔''

''کہاں ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''مندر میں ہے مگر اپنے شریر کو کہیں رکھ آیا ہے صرف آتما آئی ہے۔'' رولو کا نے بتایا۔

''اب اصل ڈرامہ شروع ہو گا۔'' میں نے کہا۔

''روشن لال کی روح لاپتہ ہو گئی۔ وہ اس کی تلاش میں ہے مگر اس کو کچھ پتہ نہیں چل رہا ہے۔ لیکن وہ روشن لال کی روح کو تلاش کر لے گا۔'' رولو کا نے کہا۔ ''فیصلہ آج رات ہی ہو جائے گا۔'' رولو کا نے کہا۔

اور شام سے پہلے ہی رولو کا غائب ہو گیا۔ جوگی کی شکتی نے روشن لال کی آتما کو پکڑ کر مندر میں بلا لیا۔

''میری آگیا کا تو نے پالن نہیں کیا ہم نے تیرا کتنا خیال رکھا تجھے پتہ ہے؟'' جوگی نے کہا۔

''ہاں مہاراج مجھے پتہ ہے پرنتو میری بدھی گھوم رہی ہے کہ میری ہر کوشش نراش میں بدل گئی ایسا پچاس سالوں میں نہیں ہوا۔ اب کے یہ کیا ہو رہا ہے؟'' روشن لال کی آتما نے جواب دیا۔

''یہ بول مورکھ کہ تو نے سمجھا میں اب کیا آؤں گا کون پوچھے گا۔'' جوگی کی روح غصہ سے بولی۔

''نہیں مہاراج ایسا نہیں ہے تم تو انتریامی ہو اپنی شکتی سے پوچھ لو میں نے تو پوری کوشش کری ہے۔'' روشن لال کی آتما گڑگڑا کر بولی۔ جوگی چند منٹ خاموش رہا اور پھر بولا۔

''مجھے تو دور دور تک کچھ نظر نہیں آتا۔ ایسی کون سی شکتی ہے جو نظر نہیں آتی اور ہے بھی۔''

''میں کیا بتاؤں مہاراج میں جھوٹ نہیں کہہ رہا۔'' روشن لال کی آتما بڑی اداسی سے بولی۔ ''تیرا یہ پہلا بہانہ میرے پاس اب نہیں چلے گا۔ مجھے اپنا وچن پورا کرنا ہی پڑے گا اچھا تو مجھے بھی نہیں لگے گا مگر ہماری دنیا کی ریت یہی ہے۔'' جوگی نے یہ کہا اور منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑانے لگا اور پھر روشن کی طرف منہ کر کے کہا۔ ''بھسم۔''

مگر روشن لال کی آتما جوں کی توں موجود رہی جوگی نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور گرجا۔ ''میں کہتا ہوں بھسم ہو جا۔'' مگر کچھ نہ ہوا۔ ایک زور کا دھماکہ البتہ جوگی کے قدموں میں ہوا اور جوگی اچھل کر دور جا کھڑا ہوا۔ حیرت سے چاروں طرف دیکھ کر بولا۔ ''کون ہے سامنے آ تو بتاؤں۔''

''کیوں تو اندھا ہو گیا ہے کیا؟ کمزوروں پر زور چلاتا ہے دیکھ میں کون ہوں۔'' چاروں طرف سے یہ آواز آ رہی تھی۔

''اگر کسی اچھے گرو کا چیلا ہے تو سامنے آ کر بات کر۔'' جوگی بولا۔

''یہ تیری اور تیرے گرو کی شکتی کی آزمائش ہے دیکھ لے مجھے۔'' آواز آئی۔

''میرے گرو کی بات مت کر تیری اوقات ابھی

پتہ چل جائے گی......'' جوگی غصے سے بولا۔

''کر لے پتہ......'' آواز آئی۔

''تجھے پتہ نہیں ہے کہ میں شیو بھگوان کا بھگت ہوں۔'' جوگی نے کہا۔

''اور کہنا اس کی بیوی کا مانتا ہے۔ پہاڑوں میں رہتا ہے اور زندہ انسانوں کی بھینٹ لیتا ہے اور برف میں شریر کو رکھ کر سمجھتا ہے وہ ہمیشہ رکھا رہے گا۔ جا دیکھ اس شریر کو وہ ختم ہونے والا ہے۔'' آواز آئی۔

''میرے شریر کی رکھشا بھاوانی کرتی ہے مورکھ۔'' جوگی بولا۔

''تو اس کو بلا لے۔ یہ سب تیرے گرو کی چالاکیاں ہیں۔ وہ ایک سے ایک نئے روپ میں تیرے سامنے آتا ہے اور تم جیسے اندھے اس کے ہر روپ کو نئی شکتی مان لیتے ہیں۔''

''تو سامنے آ تو میں تیری بلی اسی تلیا میں دوں گا۔'' جوگی نے کہا۔

''ذرا تالاب کو دیکھ تو اس میں پانی بھی ہے کہ نہیں۔'' آواز آئی۔ جوگی نے ایک نظر تالاب کی طرف کی اور یہی غفلت اس کا کام کر گئی۔



اس کی گردن پھر پلٹ کر واپس اپنی جگہ نہیں آئی اور جہاں تھا وہیں پر جم گیا۔ وہ اپنی شکتی اور شیطانی علم کے ساتھ ایک برف کا بت بن گیا۔ اس کی زبان اور حرکت سب اپنی جگہ منجمد ہو گئے۔ ''اب بتا تو کیا ہے ہمالیہ پربت کی گپھاؤں میں کبھی تو نے ایسی سردی برداشت کی ہے۔ تیرا شریر بھی برف بن گیا اور تیری آتما بھی برف میں قید ہو گئی۔ تیرا گرو تیری مدد کو نہیں آیا۔ اس لئے کہ وہ ہر اس مقام سے بھاگ جاتا ہے جہاں پر وہ کمزور پڑتا ہے اور تجھ جیسے لوگوں کو قربانی کا بکرا بنا دیتا ہے۔ اب تو اس کے کسی کام کا نہیں رہا، اس کو تیری ضرورت نہیں ہے تیری آتما اس کی ضرورت پورا نہیں کر سکتی۔ تو واپس وہیں چلا جا جہاں سے آیا تھا۔ تیرا شریر اب ختم ہو گیا ہے۔ شریر کے بغیر آتما دنیا میں رہے تو وہ نرکھ میں اپنا ٹھکانا بناتی ہے۔ میں تجھے صرف چند منٹ دیتا ہوں۔''

روشن لال کی روح اس حیرت انگیز منظر کو دیکھ رہی تھی اور خاموش تھی۔ چند منٹ کے بعد آواز آئی۔ ''روشن لال اب تو بھی روانہ ہو جا تیرا گورو تو گیا اور اگر خود سے نہ گیا تو یہ تیری نشانی مندر اور تالاب بھی ختم ہو جائیں گے اور جانا بھی پڑے گا۔''

''میں جا رہا ہوں...... میں جا رہا ہوں۔'' اور روشن لال کی آتما آسمانوں کی طرف پرواز کر گئی اور روشن لال تالاب کی بھینٹ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی۔

''تم جوگی کے سامنے نہیں آئے اس کی وجہ کیا تھی؟'' میں نے پوچھا۔

''یہ ایک نفسیاتی حربہ ہے۔ اس کا دماغ اور شکتی مجھے تلاش کرنے میں لگی رہی اور میں نے اس کا کمزور پہلو تلاش کر لیا۔ شیطان نے اس کو بہت نوازا تھا۔ بہت طاقت اس کو دی تھی۔ مگر ہر جگہ کے حالات کو دیکھ کر اور سامنے والے کی نفسیات کو پڑھ کر ایک ہی وار کرنا اچھا ہوتا ہے وہ اپنی طاقت اور کالے علم کے بیروں کے بھروسے تالاب کی طرف دیکھنے لگا اور میرا وار چل گیا۔ اس کے سارے بیر ان کی کھوپڑی میں قید ہو گئے۔ وہ ان کو حکم دینے کی پوزیشن سے دور ہو گا۔ کالے علم کے جتنے بھی بیر ہیں وہ بڑے بے وفا ہیں وہ اپنے مالک پر بھی وار کرتے ہیں وہ پلٹ کر ضرور آتے ہیں اور مالک ہی مفلوج ہو تو پھر سے اڑ جاتے ہیں کیونکہ قید میں تو کوئی رہنا پسند نہیں کرتا۔ یہ سب میں نے آسان طریقہ پر اور آسان زبان میں تم کو بتایا ہے۔ حالانکہ یہ اتنا آسان بھی نہیں ہے۔''

''تو اب روشن لال تالاب پاک ہو گیا ہے۔'' میں نے کہا۔

''میں نے کبن میاں کو بتا دیا کہ اب روشن تالاب کسی کی بھینٹ نہیں لے گا۔''

❊......❊......❊

اب ہماری اگلی منزل لکھنؤ تھا۔ شہروں کا شہر لکھنؤ

جہاں کی تہذیب پورے ہندوستان سے الگ ہے۔ اودھ کا یہ شہر ایک حسین جگہ ہے۔ شعر وسخن اور زبان اس کی شان ہے۔ اسٹیشن پر ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس شہر کی تہذیب کیا ہے۔ یہاں پر زبان کی چاشنی کا یہ عالم ہے کہ گالی بھی ناگوار نہیں لگتی۔ اردو زبان کو اتنے بام عروج پر پہنچانے میں اس شہر نے بہت بڑا کردار ادا کیا ہے۔ ہر روز مشاعرے سے اور تنقیدی محفلیں یہاں ہوتی ہیں۔ زبان کی تراش خراش، نئے نئے الفاظ اور ان کا استعمال لوگ یہاں آکر سیکھتے ہیں۔ پورا شہر ایک پنڈال ہے۔

پرانی تہذیب یہاں پر اب تک موجود ہے۔ وضع داری اور مہمان نوازی ان کی تہذیب کا ایک حصہ ہے۔ اسٹیشن کے قریب ہی ایک سرائے میں ہم نے ایک کمرہ کرائے پر لے لیا۔

سرائے تو میں کہہ رہا ہوں مگر یہاں کا ماحول بالکل گھر جیسا تھا۔ زیادہ کمرے بھی نہیں تھے۔ صرف چھ کمرے تھے۔ ایک کمرے کو کھانے کا کمرہ بنایا ہوا تھا۔

ایک کمرے میں روشو میاں اور ان کی بیوی رہا کرتے تھے۔ روشو میاں پچاس اور ساٹھ کے پیٹھے میں تھے۔ ان کی بیگم ان سے ایک دو سال چھوٹی ہوں گی۔ ان کا نام کوئی نہیں لیتا تھا۔ کوئی ان کو خالہ کہتا کوئی تائی اور وہ کسی کی ممانی تھیں۔ روشو میاں سب کے روشو میاں تھے۔ ان سے کوئی رشتہ نہیں جوڑتا تھا۔ وہ کسی کے ماموں، تایا اور خالو نہیں تھے۔ باغ بہار طبیعت کے آدمی تھے ناراض ہونا انہوں نے سیکھا ہی نہیں تھا۔ ہر وقت چہرے پر مسکراہٹ چپکی رہتی تھی۔ اتنی عمر میں بھی دوڑ دوڑ ر سب کام کیا کرتے تھے۔ بیوی سے دن بھر نوک جھوک چلتی تھی مگر ناگواری کی حد تک کبھی نہیں جاتی تھی۔ بیوی کہتی۔ ''یہ نگوڑ مارا تم بکرے کا گوشت لائے ہو ہم کو تو کسی مریل بھینسے کا لگتا ہے۔'' روشو میاں جواب دیتے۔ ''اور وہ بھینسا مچھلی شہر کا معلوم ہوتا ہے۔'' ان کی بیوی مچھلی شہر کی رہنے والی تھیں۔

''آپ ہمارے شہر کو درمیان میں کا. ہے لے آتے ہو بار بار!'' وہ چڑ کر کہتیں۔

''بات یہ ہے بیگم کہ ہم کو یہ نام مچھلی شہر بہت پسند ہے۔'' روشو میاں مسکرا کر جواب دیتے۔

''میاں آپ طنز فرما رہے ہیں۔'' بیگم بولیں۔

''ایسی جرأت ہم کر سکتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ مچھلی شہر میں ایک مچھلی نہیں ہے اور نام کسی ستم ظریف نے رکھ دیا ہے۔ لو بھلا ہم طنز کریں گے۔'' روشو میاں شوخی سے بولے۔

''ہم سمجھ رہے ہیں سب کچھ آپ یہ فرمایئے یہ جو نئے مہمان آئے ہیں کہاں سے تشریف لائے ہیں۔'' بیگم نے پوچھا۔

''پتہ تو دلی کا لکھا ہے۔'' روشو میاں نے جواب دیا۔

''اس کا مطلب بھنا اور خوب مصالحے دار کھانا پسند کریں گے۔'' بیگم نے کہا۔

''اب ہم کیا رائے دیں یہ آپ کا شعبہ ہے آپ ہی اس پر غور فرمائیں۔'' روشو میاں بولے اور اسی طرح کی نوک جھونک اسی انداز میں ختم ہو جاتی۔ ان دونوں کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ ان دونوں کو اس کا دکھ تو تھا مگر اس کا اظہار دونوں نہیں کرتے تھے۔

اودھ کے علاقے پر مسلمانوں کی حکومت زیادہ رہی ہے بہت مشہور لوگ گزرے ہیں۔ امام بارگاہوں کا یہ مرکز رہا ہے۔ پورا شہر مسلم ثقافت کا آئینہ دار ہے۔ اور زبان کی چاشنی اس قدر ہے کہ آدمی سنا کرے۔

''روشو میاں کو تم نے دیکھا مجھے تو بہت دکھی آدمی لگتا ہے کیونکہ یہ جتنا خوش اخلاق اور بے فکر نظر آتا ہے، ہے نہیں۔'' میں نے رولوکا سے دو دن کے بعد سوال کر دیا۔

''تم ٹھیک اندازے لگانے لگے ہو حکیم صاحب!'' رولو کا خوش دلی سے بولا۔

''تمہارے ساتھ ہوں کچھ تو سیکھوں گا۔'' میں نے کہا۔

''روشو میاں کو یہ غم ہے کہ وہ بے اولاد ہے۔''
رولوکا نے جواب دیا۔

''اس کی وجہ کیا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''دونوں میاں بیوی ٹھیک نظر آتے ہیں، صحت کے اعتبار سے۔'' رولوکا نے کہا۔

''پھر بے اولاد ہونا کیا معنی رکھتا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''اس کا جواب میں کل دوں گا۔ اس لئے کہ میں نے اس پہلو پر غور نہیں کیا ہے اور نہ ہی اس نظر سے دیکھا ہے۔'' رولوکا نے کہا۔

دوسرے دن رولوکا نے بتایا۔ ''بیگم روشو کی کوکھ کو جادو کر کے باندھا گیا ہے۔''

''ذرا صاف بات کرو۔'' میں نے کہا۔

''ایک کالے علم کے ذریعہ کسی بھی عورت کی کوکھ باندھ دی جاتی ہے اور عورت بانجھ ہو جاتی ہے۔ اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوئے وہ بے اولاد رہتی ہے۔ اس کو بانجھ رکھنے کا ایک وقت بھی رکھا جاتا ہے۔ تم نے اکثر سنا ہوگا کہ شادی کے پندرہ اور بیس سال بعد بھی اولاد ہو جاتی ہے۔ اس کا مطلب ہوا کہ جو وقت اس کو بانجھ رکھنے کا تھا وہ گزر گیا اور وہ صاحب اولاد ہو گئی۔

''یہ روشو کا کیا معاملہ ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''بیگم روشو کی کوکھ میں بیر موجود ہے۔ وہ جب تک ہے اس وقت تک اولاد کی امید بے کار ہے۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''یہ دونوں تو عمر کی اس منزل پر ہیں کہ قدرتی طور پر ان کی یہ صلاحیت ختم ہونے والی ہے۔'' میں نے کہا۔

''یہاں کی آب وہوا اور عمروں کے تناسب کے اعتبار سے تم یہ بات درست کہہ رہے ہو۔ مگر افریقہ میں ایسا نہیں ہے وہاں پر کسی بھی عمر میں اولاد ہو جاتی ہے اور اگر تم چاہتے ہو کہ روشو بھی صاحبِ اولاد ہو جائے تو کوشش ہو سکتی ہے۔ مگر چونکہ یہ معاملہ انسان کے بس سے باہر کا ہے اس لئے صرف کوشش ہو سکتی ہے گارنٹی نہیں دی جا سکتی۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''میں پہلے روشو میاں کے خیالات تو پتہ کروں۔'' میں نے کہا۔ روشو میاں کو میں نے اپنے پاس بلایا اور کہا۔

''ارے میاں آپ سارا دن محنت کرتے رہتے ہیں۔ اپنے کسی بچے کو ساتھ لگا لیا ہوتا۔'' روشو میاں نے یہ سنا تو ان کا مسکراتا چہرہ ایک دم اداس ہو گیا۔ بڑی کمزور آواز میں بولے۔ ''ہم بہت بدنصیب ہیں جناب کیا عرض کریں؟''

''آپ کی اولاد نہیں ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں میاں ہم بے اولاد ہیں۔ بہت علاج کروائے۔ سب نے بتایا کہ ہماری زوجہ بانجھ ہیں ہم کیا کرتے قدرت کے معاملے میں۔'' روشو میاں بہت غمگین تھے۔

''ہم نے تم کو نہیں بتایا کہ ہم حکیم ہیں ہمارا مطب دلی میں ہے۔ اگر تم مناسب خیال کرو تو ہم تمہاری بیگم کا علاج کر دیں گے۔'' میں نے کہا۔

''بڑی نوازش ہے آپ کی۔ مگر اب وقت گزر گیا ہے اب وہ قدرتی طور پر بھی اولاد پیدا کرنے کی منزل پر نہیں ہیں۔'' روشو میاں اور زیادہ اداس ہو گئے۔

''تم بہت زیادہ نا امید ہو گئے ہو۔ اللہ پر بھروسہ رکھو ہم کوشش کریں گے کہ تم صاحب اولاد ہو جاؤ۔'' میں نے کہا۔

''آپ نے امید کی کرن میرے مردہ دل میں پھر سے پیدا کر دی ہے حکیم صاحب۔ میں آپ کا غلام ہو جاؤں گا۔'' روشو میاں جذباتی ہو گیا۔

''نہیں روشو میاں! میرا پیشہ علاج کرنا ہے مریض کو دوا دینا ہے شفا دینا نہ دینا اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ میں کوشش کروں گا آگے تمہاری قسمت۔'' میں نے کہا۔

''کب سے علاج کریں گے؟'' روشو میاں بے چینی سے بولا۔

''کل صبح سے آپ دونوں میاں بیوی میرے پاس آ جائیں۔'' میں نے کہا اور روشو میاں خوشی خوشی چلا گیا۔

''اب بولو کیا خیال ہے؟'' میں نے رولو کا سے پوچھا۔

''میں آج رات کوکھ سے شیطان بیر بھگادوں گا۔'' رولو کا نے کہا۔

''اس کے بعد بھی کچھ کرنا ہوگا دونوں زیادہ عمر کے ہوگئے ہیں۔''

''ہاں ضرور کرنا ہوگا میں رات کو ہی ایک دوا لا کر رکھ دوں گا۔ تم جو دوا بھی دو اس میں اس بوٹی کو شامل کر دینا۔ دونوں جوان ہو جائیں گے۔ یہ بوٹی ہمارے ہاں عام طور سے مرد وعورت استعمال کرتے ہیں اور جوان رہتے ہیں۔ اس بوٹی کی خاص بات یہ ہے کہ یہ دونوں میں توازن بھی رکھتی ہے دونوں کو یہ بوٹی برابر استعمال کرانی ہے۔''

اور دوسرے روز سے روشو میاں اور ان کی بیگم کا علاج شروع ہوگیا۔ اب ہمیں کم از کم اس وقت تک تو ضرور رکنا تھا جب تک علاج کے نتائج سامنے نہ آجائیں۔'' رولو کا نے بتایا بیگم روشو کی کوکھ کو کسی عورت نے باندھا تھا۔ وہ عورت زندہ ہے اور اسی شہر میں رہتی ہے۔ میں ضروری دوائیں دے کر دلی چلا آیا اور رولو کا لکھنؤ میں روشو میاں کے پاس رہا۔ ایک مہینہ کے بعد میں واپس لکھنؤ آ گیا۔ روشو میاں نے خوش خبری سنا دی اور میں نے روشو میاں سے پوچھا۔ ''اب آپ یہ فرمائیں روشو میاں! آپ کی شادی کن حالات میں ہوئی تھی۔ ہم آپ کو صاف بتا دیں کہ آپ کو اولاد اس لئے نہیں ہو رہی تھی کہ آپ کی بیگم کی کوکھ کو باندھ دیا گیا تھا اور یہ کام کسی عورت کا تھا۔ ہم نے علاوج کے ساتھ پہلے اس بندش کو توڑا اور پھر علاج کیا ہے اور اللہ نے کرم کر دیا۔ اب تم بتاؤ یہ معاملہ کیا تھا؟

''بہت پرانی کہانی ہے قبلہ حکیم صاحب!'' روشو میاں بولے۔

''وہی پرانی کہانی تو ہم سننا چاہتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''ہماری کہانی تین کرداروں پر ہی مشتمل ہے۔ ایک لڑکا ایک لڑکی اور ایک رقیب۔ ہر دور میں یہ کہانی دہرائی رہی ہے۔ ہمارے والد صاحب نواب صاحب کے دربار کے خاص مصاحب تھے۔ وہ اپنے دور کے بہت اچھے شاعر تھے۔ نواب صاحب کی نظر میں ان کی بہت اہمیت تھی۔ کوئی محفل ایسی اس شہر کی نہیں ہوتی تھی جس میں قبلہ والد صاحب نہ ہوں۔ شاہی محفلوں کی وہ جان ہوا کرتے تھے۔ ہماری والدہ محترمہ کے علاوہ بھی ان کی ایک زوجہ تھیں وہ الگ مکان میں رہا کرتی تھیں۔ ان کا مکان فراش خانہ محلّہ میں تھا میری والدہ سے ان کا ملنا جلنا نہیں تھا۔ والد صاحب قبلہ مشہور آدمی تھے نواب صاحب کی خاص نظر ان پر تھی وہ نہایت خوش حالی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ دونوں گھروں کو وہ ایک نظر سے دیکھتے تھے۔ میری پیدائش پر وہ بہت خوش تھے میری پیدائش کے ایک ماہ بعد ہی میری ایک سوتیلی بہن پیدا ہوئی۔ والد صاحب اس وقت بھی خوش تھے۔ مگر ان کی دوسری بیگم البتہ اولاد نرینہ نہ ہونے کی وجہ سے ملول تھیں۔ میرے بعد میری والدہ کو اور کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ مگر میری سوتیلی والدہ کو متواتر چار لڑکیاں پیدا ہوگئیں۔ والد صاحب آخر انسان تھے ان کا رجحان میری طرف زیادہ ہوگیا اور وہ زیادہ وقت میری والدہ کے پاس رہنے لگے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اپنی لڑکیوں اور دوسری زوجہ کو بھول گئے۔ وہ اپنی ذمہ داریاں اچھی طرح پوری کر رہے تھے۔ مگر میری سوتیلی والدہ کے ذہن میں یہ گرہ پڑ گئی تھی کہ والد صاحب میری وجہ سے میری والدہ کو چاہتے ہیں۔ یہ بات پوری طرح غلط بھی نہیں تھی۔ وقت گزرتا رہا۔ بچپن میں کئی دفعہ ایسا ہوا کہ میری زندگی سخت خطرے میں پڑ گئی مگر زندگی تھی اور میں لوٹ پوٹ کے اچھا ہوگیا۔ ایک دفعہ گھوڑے پر جا رہا تھا کہ گھوڑا بے قابو ہو کر دوڑ پڑا اور شہر سے باہر نکل گیا اور آخر تھک کر گر گیا اور ایسا گرا کہ پھر نہ اٹھ سکا اور میں حیرت انگیز طور پر اس کی پیٹھ پر چپکا رہا اور مجھے کچھ نہ ہوا۔ لڑکپن گزرا اور نوجوانی میں ہم نے قدم رکھ دیا۔ اس

زمانے میں شادیاں بہت کم عمری میں کردی جاتی تھیں۔ والد صاحب کو بھی ہماری شادی کا شوق ہوا۔ ہم سے پہلے ہماری دو بہنوں کی شادی بہت کم عمری میں والد صاحب کر چکے تھے۔ ہماری شادی بڑی دھوم دھام سے والد صاحب نے ہماری موجودہ زوجہ سے کردی۔ ان کو بڑا ارمان تھا ہماری اولاد دکھلانے کا۔ مگر یہ خواہش وہ ساتھ قبر میں لے گئے۔ والدہ بھی ہماری اولاد نہ دیکھ سکیں۔ دوسری شادی کرانے کی سب نے بہت کوشش کی مگر ہم راضی نہیں ہوئے اور وقت گزرتا رہا۔

والد صاحب کے بعد ہمارے حالات بگڑنا شروع ہوگئے جو کچھ تھا وہ ہم نے سوتیلی بہنوں کی شادیوں پر خرچ کردیا۔ سوتیلی والدہ حیات ہیں اور اپنے بھائی کے پاس نخاس میں رہتی ہیں۔ آج جو خوش خبری ہم نے آپ کو بتائی ہے کاش والد صاحب قبلہ اور والدہ محترمہ کو بتا سکتے اور یہ خوش خبری ایسے وقت میں ہم کو ملی ہے جبکہ امید ہی ختم ہوگئی تھی۔ میں سوچتا ہوں وہ کون سی نیک گھڑی تھی جب آپ دونوں تشریف لائے تھے۔ میں اپنی زندگی دے کر بھی یہ احسان نہیں اتار سکتا۔ میرے گھر کا اندھیرا ختم ہوگیا۔ اس روشنی کی کرن کو دیکھنے کو میں ترس رہا تھا۔ بیگم ترس رہی تھیں۔'' روشو میاں جذبات میں بولے جارہا تھا۔

میں اور رولوکا خاموشی سے سن رہے تھے۔ ''روشو میاں آپ ہمیں اپنی سوتیلی والدہ سے ملوا سکتے ہیں۔'' رولوکا نے کہا۔

روشو میاں نے تعجب سے رولوکا کو دیکھا اور کہا۔

''آپ کو ان سے کیا کام ہے؟''

''ہم ان سے پوچھیں گے کہ ان کو کیا حاصل ہوا تم کو بے اولاد رکھ کے۔'' رولوکا نے کہا۔

''کیا فرمایا آپ نے؟'' روشو پر پھر حیرت کا پہاڑ گر پڑا۔

''صاف بات یہ ہے کہ تمہاری زوجہ کی کوکھ کو تمہاری سوتیلی والدہ نے ہی بندھوایا تھا۔'' میں نے کہا۔

''آپ فرمارہے ہیں تو درست ہی ہوگا مگر کیوں یہ ہماری سمجھ میں نہیں آرہا۔'' روشو میاں بولے۔

''یہی تو ہم ان سے پتہ کریں گے۔'' میں نے جواب دیا۔

دوسرے دن ہم نخاس محلے میں ایک قدیم زمانے کی حویلی کے سامنے کھڑے تھے۔ روشو میاں نے بتایا۔ ''یہی ماموں کی حویلی ہے۔ اسی میں والدہ رہتی ہیں۔''

بڑی اونچی چوکھٹ اور بہت قدیم مگر مضبوط دروازہ لگا تھا۔ دروازے پر پیتل کی بڑی بڑی کیلیں جڑی ہوئی تھیں اور موٹے موٹے کڑے پڑے ہوئے تھے۔ دروازہ ہی مکین کی شان و شوکت بیان کررہا تھا۔ ایک ملازم نما آدمی نے دروازہ کھولا اور بولا۔ ''فرمایئے کیسے زحمت فرمائی؟''

''ہمیں مرزا شوکت سے ملاقات کرنی ہے۔'' روشو میاں نے کہا۔

''آپ کا اسم شریف؟'' نوکر پھر بولا۔

''ہمارا نام رشید مرزا عرف روشو میاں ہے وہ ہمارے ماموں ہوتے ہیں رشتہ میں۔ آپ ان کو بتادیں۔'' روشو میاں نے کہا۔

''بہت بہتر ذرا انتظار فرمایئے میں ابھی حاضر ہوا۔'' اور چند منٹ کے بعد ہی واپس آگیا اور بولا۔ ''آیئے تشریف لایئے۔ چند قدم کے فاصلے پر ایک دروازہ کھول کر بولا۔

''آپ آرام فرمایئے مرزا صاحب ابھی آتے ہیں۔'' یہ کمرہ قدیم اور جدید دور کے فرنیچر سے آراستہ تھا۔ فرش پر بہت نفیس قالین پڑا تھا دروازے اور کھڑکیوں پر دیدہ زیب پردے موجود تھے۔ چند منٹ کے بعد ایک نہایت رعب اور دبدبہ والی شخصیت کمرے میں آگئی۔ عمر کے اعتبار سے وہ بہت بوڑھے تھے۔ مگر شخصیت کے اعتبار سے اب بھی بہت شاندار تھے۔ ''ہمارا ہی نام شوکت ہے۔'' وہ بھاری آواز میں بولے۔

''میں رشید مرزا عرف روشو میاں ہوں۔ ایک ہی

شہر میں ہیں مگر اجنبی ہیں۔ میں آپ کی بہن کا سوتیلا لڑکا ہوں۔ مگر یہ میری بدقسمتی ہے کہ میں ان سے دور ہی رہا ہوں۔'' روشو میاں نے کہا۔

''اور یہ دونوں حضرات کا تعارف بھی کرائیں۔'' وہ بولے۔

''یہ بہت بڑے حکیم ہیں۔ دلی میں مطب کرتے ہیں اور یہ ان کے ساتھی ہیں ان کے ساتھ ہی کام کرتے ہیں۔'' روشو میاں خاموش ہوئے تو وہ بولے۔

''میں کیا خدمت کرسکتا ہوں فرمایئے۔''

''اصل میں میں اپنی والدہ سے ملاقات کرنے آیا ہوں۔'' روشو نے کہا۔

''اگر میں کسی خدمت کے لائق ہوں تو مجھ سے فرمایئے۔'' وہ بولے۔

''نہیں آپ پردہ ڈال دیں۔ وہ پردہ کرتیں ہیں۔ حکیم صاحب کچھ سوالات ان سے کرنا چاہتے ہیں یہ کیا بات کریں گے آپ بھی موجود ہوں گے سن ہی لیں گے۔'' روشو میاں نے کہا۔

''مجھے آپ حیران کئے دے رہے ہیں۔ حکیم صاحب ان سے کیا سوال کریں گے اور کیوں کریں گے اگر آپ خود یہ کرتے تو مجھے حیرت نہ ہوتی کیونکہ آپ کا تو ایک رشتہ ان سے بنتا ہے۔'' شوکت مرزا نے کہا۔

''وہ سوالات میری ذات کے بارے میں ہیں اور پھر آپ سے پردہ بھی تو نہیں رکھا جارہا۔''

''ٹھیک ہے آپ ہمارے گھر آئے ہیں ہمارے مہمان ہیں اس کا بھی احترام کرنا ہے۔ انتظام کئے دیتے ہیں۔'' اور انہوں نے ملازم کو کہہ کر ایک پردہ ہمارے درمیان میں ڈال دیا اور ملازم کو کہا۔ ''چھوٹی بیگم کو بلا کر لے آئے۔'' کچھ ہی دیر میں ملازم نے بتایا بیگم آ گئی ہیں۔ میں نے سوال و جواب کا سلسلہ شروع کرنے سے پہلے ملازم کو کہا۔ ''تم باہر جاؤ اور دروازہ بند کردو۔'' شوکت مرزا نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔ مگر بولے کچھ نہیں۔

''بات یہ ہے کہ مرزا صاحب کہ یہ خاندانی بات ہے خاندان کے اندر ہی رہے تو بہتر ہے۔'' شوکت مرزا یہ سن کر اور چونکے مگر میں نے سلسلہ کلام شروع کردیا۔

''بیگم صاحبہ! یہ بتایئے آپ کی کتنی اولادیں ہیں؟''

''میری چار لڑکیاں ہیں۔'' بہت مدھم آواز آئی۔

''اگر آپ بے اولاد ہوتیں اور لوگ آپ کو بانجھ کہتے۔ تو آپ کیا محسوس کرتیں؟''

''میں کیوں ایسا سوچوں میری تو اولاد ہے۔'' وہ بولیں۔

''آپ اس اذیت کا احساس کر ہی نہیں سکتیں کیونکہ آپ کو ایسی اذیت سے نہیں گزرنا پڑا مگر آپ نے ایک بے گناہ عورت کو بانجھ بنا کر زندگی بھر اذیت دی۔ میں صرف دو سوال آپ سے کروں گا آپ کو کیا حاصل ہوا کارنامہ انجام دینے کے بعد...... دوسرا سوال وہ کون ظالم تھا جس نے اپنے علم کو اس کام پر آزمایا اور ایک گھرانے کو ویران کرنے کی پوری کوشش کی۔'' میں خاموش ہوگیا۔ مگر پردے کی دوسری طرف خاموشی تھی۔ شوکت مرزا حیرت سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔ چند منٹ اعصاب شکن خاموشی چھائی رہی اور پھر شوکت مرزا کی آواز سنائی دی۔

''یہ کیا الزام ہے نور بیگم آپ جواب دیں۔'' مگر جواب نہیں آیا۔ شوکت مرزا پھر بولے۔ ''اس کا مطلب ہے یہ الزام نہیں ہے اب آپ سے ہم سوال کرتے ہیں یہ بتایئے آپ نے ایسا کرکے کیا پایا؟''

چند منٹ خاموشی رہی پھر آواز ائی۔ ''ہمیں معاف کردیں بھائی جان! ہم انتقام لینے میں سب کچھ بھول گئے تھے۔ اپنی غلطی کا احساس ہمیں بہت عرصہ کے بعد ہوا۔ مگر اس وقت ہم کچھ نہیں کرسکتے تھے۔ ہم اپنے بیٹے اور بہو سے شرمندہ ہیں۔ ہمیں آپ لوگ معاف کردیں۔''

''معاف روشو میاں اور ان کی بیگم کریں گے تو معافی ہوگی۔'' شوکت مرزا نے کہا۔ میں نے کہا۔ ''انسان

بعض اوقات اتنا جذباتی ہو جاتا ہے کہ وہ بڑے سے بڑا انتقام لینے پر تیار ہو جاتا ہے۔ آپ نے جو غلطی کی ہے اس کی سزا تو آپ کو اللہ ضرور دے گا مگر میں روشو میاں سے یہ ضرور کہوں گا کہ جب شرمندگی کے دو آنسو آنکھوں میں آ جائیں تو درگزر کر دینا ہے یہی سب سے بڑی بڑائی ہے۔ آپ اپنی والدہ کو معاف کر دیں اور اپنی بیگم سے بھی گزارش کریں کہ وہ بھی ان کو معاف کر دیں۔ آگے بڑھو روشو میاں نیک کام میں جلدی کرنا چاہیئے۔'' روشو میاں پردہ ہٹا کر اپنی والدہ کے پاس چلے گئے اور دونوں کی محبت بھری سسکیوں اور اس سیلاب کے بہنے کی آوازیں آتی رہیں جو مدت سے رکا ہوا تھا۔ کچھ دیر میں مطلع صاف ہو گیا اور روشو میاں سرخ آنکھیں کئے پردے سے باہر آ گئے۔

رولوکا نے پہلی بار زبان کھولی۔ ''اب اس کا نام پتہ بھی بتا دیں جو یہ گھناؤنا کام کرتا ہے؟''

''گومتی کے کنارے شہر سے دور ایک مندر ہے مندر سے آگے مرگھٹ ہے۔ اس مرگھٹ میں وہ رہا کرتا تھا۔ اس کا نام راج پال تھا بہت مدت گزر گئی ہے اب پتہ نہیں وہ وہیں ہوگا کہ نہیں۔''

''آپ خود اس کے پاس گئی تھیں۔'' میں نے پوچھا۔

''نہیں ہماری ایک باندی تھی وہ ہندو تھی۔ یہ سب کام اسی نے کیا تھا۔ مگر ہم خود کو نہیں بچا رہے۔ ہماری مرضی سے اس نے یہ کام کروایا تھا۔''

''بہت شکریہ یہ آپ کا۔ اب ہمارا کچھ کام نہیں ہے۔ اجازت دیں۔'' میں اٹھ کھڑا ہوا۔ شوکت مرزا تیزی سے اٹھ کر میرے پاس آ گئے اور بولے۔ ''یہ کیا فرما رہے ہیں آپ۔ ہمارے گھر پہلی بار تشریف لائے ہیں اور کھانا تناول کئے بغیر تشریف لے جائیں۔ لکھنؤ والوں کو اتنا ذلیل تو نہ کریں۔''

''ہم جس کام سے آئے تھے وہ کام آپ کے تعاون سے پورا ہوا۔ ہم دلی والے زیادہ کھانے پینے کے شوقین نہیں ہوتے۔'' شوکت مرزا زور سے ہنس پڑے اور بولے۔ ''آپ مہمان ہیں کیا عرض کریں مسلمانوں کی تو بڑی بڑی حکومتیں صرف کھانے پینے میں ختم ہو گئیں۔'' بات درست تھی اس لئے خاموش رہے۔ شوکت مرزا نے ملازم کو آواز دی اور کھانا لگانے کو کہا۔ کھانے کے بعد ہم واپس روانہ ہوئے۔ مگر رولوکا ہمارے ساتھ نہیں تھا۔

......❄......❄......❄......

رولوکا نے بتایا۔ ''میں واپس تمہارے ساتھ نہیں آیا تھا۔ میں گومتی کے کنارے شہر سے دور اس مندر میں چلا گیا تھا۔ مندر کے باہر اندھیرا تھا مگر اندر روشنی ہو رہی تھی اور سازوں کی آواز آ رہی تھی۔ یہ آواز پوجا کے ہال سے آ رہی تھی۔ اس آواز میں بڑی دلکشی تھی۔ ایک عام آدمی کا اس آواز کو سن کر مست ہو جانا بڑی بات نہیں تھی۔ میں پوجا کے ہال میں داخل ہو گیا اور ہال کا منظر دیکھ کر ساکت رہ گیا۔ بڑا پرسحر منظر تھا۔ نوجوان اور حسین لڑکیاں جن کی عمریں سولہ سے بیس سال رہی ہوگی، پیتل کی چمکتی تھالیوں میں دیئے روشن کئے قطاروں میں کھڑی تھیں۔ ان کے جسم پر نہایت بارک ساڑھیاں تھیں اور اوپری حصہ پر مختصر چولی تھی۔ ماتھے پر سب کے بڑے بڑے ٹیکے سرخ رنگ سے لگے ہوئے تھے۔ وہ سب ایک عمر اور ایک ہی قدوقامت کی نظر آتی تھیں۔ ان کے چہرے اس قدر خوبصورت نظر آ رہے تھے کہ ان پر کسی بھی آدمی کی نظریں جم سکتی تھیں۔ ان کے جسم پر باریک ساڑھیاں انسانی ذہن کو ایک منٹ میں بھٹکا سکتی تھیں۔ چہروں پر جگ مگ کرتے ستارے ان کو اور زیادہ پرکشش بنا رہے تھے۔ وہ سب ایک قطار میں کھڑی تھیں۔ میری نظر کسی آدمی کو تلاش کر رہی تھی تا کہ اس سے پتہ کروں۔ میں لڑکیوں کی قطار سے گزرتا ہوا اس بت کے سامنے پہنچ گیا۔ بت کے قدموں میں ایک نیم برہنہ پجاری بیٹھا تھا۔ اس کے چاروں طرف گیند کے پھول بکھرے ہوئے تھے۔ وہ بت کالی مائی کا تھا۔ میں نے بت کی طرف نہیں دیکھا۔ میں نے تصور کر لیا کہ وہ بت کیسا ہوگا اور کالی مائی کے مندر میں کیا ہوتا ہے یہ بھی سب جانتے ہیں۔ میں نے جاتے ہی

پجاری سے پوچھا۔ ''راج پال کہاں ہے؟'' پجاری نے حیرت سے میری طرف دیکھا اور بولا۔

''تمیز سے بات کر مورکھ۔ تو کون ہے اور مندر کے اندر کیسے آ گیا۔''

''میں دروازے سے اندر آیا ہوں اور تمیز سے بھی بات کروں گا۔ تو اس کا بتا وہ کہاں ملے گا؟''

''پھر وہی...... پہلے تمیز سے بات کرنا سیکھ۔'' پجاری نے کہا۔

''اگر تو نہیں بتائے گا تو میں پہلے تجھے تمیز سکھاؤں گا۔'' میں نے کہا۔

''ارے پاپی تو نہیں جانتا تو کس کے بارے میں پوچھ رہا ہے۔'' پجاری نے کہا۔

''ہاں میں نہیں جانتا اسی لئے تو آیا ہوں۔ بتا کہاں ہے وہ؟'' میں نے کہا۔

''مہاراج کا پتہ تو ہواؤں سے پوچھ لیتا تجھے پتہ چل جاتا۔'' پجاری عقیدت سے بولا۔

''کیا وہ بدبو چھوڑتا جاتا ہے کہ ہوائیں بتا دیں گی۔'' میں نے چوٹ کی۔

''اپنی زبان کو لگام دے اور اس سے تو چلا جا کیونکہ پوجا کا سمے قریب آ رہا ہے۔'' پجاری بولا۔

''اور تو یاد رکھ پجاری جب تک تو نہیں بتائے گا میں نہیں جاؤں گا۔'' میں نے کہا۔

''تو نہیں مانے گا تیری موت آ ہی گئی ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ سن وہ مرگھٹ میں دیوی دیوتاؤں کو خوش کر رہے ہیں۔'' پجاری نے کہا۔

''بےوقوف ہے وہ۔ ارے انسانوں کو خوش کرتا تو اس کو بہت کچھ مل جاتا۔'' میں نے کہا۔

''جا سیدھا چلا جا ایک فرلانگ کے بعد مرگھٹ ہے۔ مجھے کام کرنے دے۔'' اور میں مندر سے باہر نکل آیا اور سیدھا اس راستہ پر ہو گیا جو مرگھٹ کو جاتا تھا۔ یہ راستہ کچا تھا۔ جگہ جگہ گڑھے اور ان میں پانی بھرا ہوا تھا اور اندھیرا اس قدر زیادہ تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ نظر نہیں آتا تھا۔

مندر کے پوجا کے کمرے میں روشنی تھی مگر باہر سے یہ روشنی نظر نہیں آتی تھی۔ اندھیرے میں مندر بڑا ڈراؤنا نظر آ رہا تھا۔ مندر سے مرگھٹ کا راستہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ مرگھٹ کی طرف ڈھلان بھی تھی اور جگہ جگہ پانی اور کیچڑ، صرف ایک پگڈنڈی نما راستہ تھا جس پر چلا جا سکتا تھا۔ مگر اندھیرے میں اس کو تلاش کرنا بھی دشوار تھا۔ مگر میں ایسی مشکلات کا عادی ہوں میں آگے بڑھتا رہا اور مرگھٹ کے قریب پہنچ گیا۔ دریا کے کنارے ایک نہایت بوسیدہ چار دیواری بنی ہوئی تھی جو کہ جگہ جگہ سے ٹوٹ رہی تھی اور اس چار دیواری کے اندر آگ جل رہی تھی اور ایک انسانی ہیولا اس کے قریب بیٹھا تھا۔ مرگھٹ کا ماحول بہت خوفناک تھا۔ ایک عام آدمی اس ماحول کو دیکھ کر ضرور ڈر جاتا۔ کیونکہ جو آگ جل رہی تھی وہ ایک چتا تھی۔ دور دور کسی انسان کا وجود نہیں تھا اور صرف ایک بھوت نما آدمی آگ کے پاس بیٹھا کچھ پڑھ رہا تھا۔ اس کے جسم پر صرف ایک لنگوٹی تھی اور اس کے جسم پر گوشت نام کو نہیں تھا۔ ایک ایک ہڈی صاف نظر آ رہی تھی۔ چہرہ پر صرف آنکھوں کے کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ میں اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں مگر میرے کھڑے ہوتے ہی اس نے آنکھیں کھول دیں اور اس کی آنکھوں میں غصہ اور نفرت کے بادل امڈ آئے۔ غصہ میں کھرکھراتی آواز میں بولا۔

''کون ہے تو...... میری تپسیا کو بھنگ کرنے چلا آیا۔''

''ایک انسان ہوں ملاقات کو آیا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''ارے مورکھ کوئی اور سمے آ جاتا۔ میرا یہ وقت آتماؤں سے ملاقات کا ہے دیکھ نہیں رہا یہ چتا جل رہی ہے۔'' وہ غصہ سے بولا۔

''مگر میں انتظار نہیں کر سکتا میرا وقت تجھ سے ملاقات کا یہی ہے۔'' میں نے کہا۔

''تو پاگل ہے آتما ہتھیا کرنے آیا ہے بول۔'' راج پال بولا۔

''تجھ کو میرے ساتھ چلنا ہے ابھی اور اسی وقت۔''میں نے کہا۔

''دیکھ نہیں رہا میں کیا کر رہا ہوں۔ میں اس کام کو ادھورا نہیں چھوڑ سکتا تو نہیں جانتا یہ بہت ضروری ہے۔''وہ پھر بولا۔

''تیرا نام راج پال ہے۔''میں نے پوچھا۔

''ہاں میں راج پال ہوں۔''اور جو پوچھنا ہے جلدی پوچھ لے۔ اگر یہ مردہ اٹھ گیا تو بھینٹ مانگے گا میں تو خود کو بچا لوں گا تیری خیر نہیں ہے۔''راج پال نے کہا۔

''میں اکیلا آیا ہوں راج پال۔ تیرے ساتھ جاؤں گا۔''میں نے کہا۔

''ارے پاکھنڈی کیا بکواس کر رہا ہے۔ اگر میں اس کام میں نہ لگا ہوتا تو تجھے بتا تا کہ تو کس سے بات کر رہا ہے۔''راج پال بولا۔

''بات سن یہ مردہ جس کو تو اٹھا رہا ہے اس کی آتما تو چلی گئی اور یہ شریر بھی جل جائے گا۔ تو کس کا انتظار کر رہا ہے۔''میں نے کہا۔

''اس کی آتما کو میں نے ہتھکڑی ڈال دی ہے۔ تو بکواس کرتا ہے۔''راج پال بولا۔

''اور وہ ہتھکڑی میں نے کاٹ دی۔ آتما آزاد ہوتے ہی چلی گئی۔''میں نے کہا۔

''میں کالی کا بھگت ہوں۔ تو جانتا نہیں۔''وہ بولا۔

''سب جانتا ہوں۔ تجھے بھی اور تیری کالی کو بھی۔ تو اندھا ہے صرف کالی کو ہی جانتا ہے۔ ارے بے وقوف یہ دنیا بہت بڑی ہے یہاں کالی سے بڑھ کر ہزاروں شکتیاں موجود ہیں۔ تو صرف کمزور لوگوں پر اپنے داؤ چلا سکتا ہے تیری کالی کمزور اور بے بس لوگوں کی بھینٹ لے سکتی ہے۔ یاد رکھ تیرے برے وقت میں وہ تیرا ساتھ نہیں دے گی۔ آزمانا ہے تو پکار لے اس کو۔''میں نے کہا۔

راج پال منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑانے لگا اور پھر زور سے بولا۔''میری سہائتا کر کالی۔''مگر کچھ نہیں ہوا۔ وہ بار بار پکارتا رہا میں اپنی جگہ جما کھڑا رہا۔ پھر اس نے ایک خطرناک منتر پڑھ کر میری طرف پھونک مار دی۔ مگر میں اپنی جگہ موجود رہا۔ ایک تیز ہوا کا ریلہ آیا ضرور مگر پھر واپس چلا گیا۔ اس نے ہر جتن مجھے ہلانے کا کر لیا مگر میں نہیں ہلا۔ اب اس کو گھبراہٹ ہونے لگی تھی۔

''تو نے دیکھ لیا۔ تیری کالی آئی مدد کو۔ تو نے اپنی عمر کے پچاس سال بے کار کر دیئے اور تو نے صرف کالی کے منتر سیکھے۔ مگر میں کون ہوں یہ تو تیری کالی کو بھی پتہ نہیں ہے اور سو سال کالی کی خدمت کرے تو بھی تجھے پتہ نہیں چلے گا۔ تو صرف بے گناہ عورتوں کی کوکھ باندھ سکتا ہے۔ کنواری کنیاؤں کو مندر میں نچوا سکتا ہے اور بے گناہوں کی بھینٹ کالی کے قدموں میں دے سکتا ہے۔ یہ دنیا جو چلا رہا ہے۔ اس ساری کائنات کو چلا رہا ہے اس سے بڑی کوئی طاقت ہو سکتی ہے۔ تیری شکتی کی کیا بنیاد ہے۔ انسانوں کو پریشان کرنا ان کو دکھ دینا اور ان کو سچی راہ سے بھٹکانا۔ یہ صرف عارضی باتیں ہیں۔ تو کچھ بھی کر لے یہ دنیا جیسی ہے ویسی ہی رہے گی۔ انسانی عقل اس کو آگے بڑھائے گی، ترقی دے گی اور تیرے جیسے خود بخود ختم ہو جائیں گے۔ میں حکم دیتا ہوں کہ تو اس چتا میں چلا جا۔'' اور میں نے انگلی سے چتا کی طرف اشارہ کیا۔ آگ اور تیز ہوگئی اور راج پال کی ہڈیاں سوکھی لکڑی کی طرح جلنے لگیں۔''

''تو تم نے راج پال کو سزا دے دی۔''میں نے کہا۔

''تم نے دیکھا ہوگا کہ میں یہ آخری قدم نہیں اٹھاتا اور اگر اٹھاتا ہوں تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ راج پال میں رائی برابر سفیدی نہیں تھی وہ مکمل سیاہ ہو چکا تھا اور اگر میں اس کو ٹھیک کرنے کی کوشش کرتا تو کالی اس کو بہت بری موت دیتی۔ اس لئے میں نے اس کو ایک آسان موت دے دی۔''رولوکا نے کہا۔

''کالی مائی واقعی اس کی مدد کو نہیں آئی۔ اس کا کوئی جادو کارگر کیوں نا ہوا۔'' میں نے پوچھا۔

''کالی مائی آئی تھی اور اپنی تمام تر شکتی کے ساتھ آئی تھی۔ مگر افریقہ کے جادو اور یہاں کے جادو میں بہت فرق ہے۔ میں نے خود کو یہاں کے حالات میں ڈھال لیا ہے۔ مگر یہاں کے جادوگر افریقی جادو کو نہیں جانتے۔ ہمارے پاس بھی صرف شیطانی کام کرنے والے جادوگر ہوتے ہیں۔ مگر ہم لوگ ایسا علم نہیں کرتے جو انسانوں کو نقصان پہنچائے۔ ہمارا کاٹ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہم اندھیرے کا تیر بن جاتے ہیں۔ اگر راج پال کی جگہ کوئی افریقی ہوتا تو وہ مقابلہ کرنے کی نہیں سوچتا صرف اپنی جان بچانے کی ترکیب کرتا اور راہ فرار اختیار کر جاتا۔ مگر راج پال اور کالی دونوں اندھیرے کے تیر کا نشانہ بن گئے۔ کالی تو بہت دور رہی اور راج پال بکرا بن گیا۔ کالی اتنی بڑی جادوگر نہیں ہے مگر عیاری اور مکاری اس میں بہت ہے۔ وہ لوگوں پر اور اپنے پجاریوں پر ہیبت طاری کر کے رکھتی ہے اور ایک سے بڑھ کر ایک ظلم وستم کرتی ہے۔ افریقہ میں ہر علاقے کا جادو وسحر الگ الگ ہے۔ پورے افریقہ کا جادو کوئی نہیں جانتا۔ مجھے خود ہی کئی دفعہ ایسا اتفاق ہوا ہے کہ کسی نئی طاقت سے واسطہ پڑ گیا۔ مگر میں نے اس کو بھی سیکھا ہے۔ اب بھی میں مکمل ہوں کہ نہیں کچھ پتہ نہیں ہے اور افریقہ اتنا بڑا اور خوفناک خطہ زمین ہے کہ اس کے بارے میں مکمل وہاں کے باشندے بھی نہیں جانتے۔ قبیلوں کی پہچان نشانات سے ہوتی تو ہے۔ مگر کبھی کبھی وہ لوگ بھی نظر آ جاتے ہیں جن کے نشانات زبان بالکل کسی کی سمجھ میں نہیں آتی وہ لوگ بھی افریقہ کے ہوتے ہیں۔'' رولوکا نے پوری وضاحت کر دی۔

''تو اس کا مطلب ہے مکمل تم بھی نہیں ہو۔'' میں نے کہا۔

''ہاں یہ درست ہے۔ مگر میں یہ ضرور کہوں گا کہ میرا دفاع مضبوط ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تخریبی نہیں تعمیری ہے۔ میں نے خود کبھی کسی پر حملہ نہیں کیا اور بلا ضرورت اپنی طاقت کو ظاہر نہیں کیا۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''اب یہ بتاؤ کیا ارادہ ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''مجھے تو سفر میں مزا آ رہا ہے۔'' رولوکا نے کہا۔

''مزا تو مجھے بھی آ رہا ہے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ جو سب سے پہلا آدمی ملتا ہے وہیں ایک کہانی ایک کام منتظر ہوتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''ہر آدمی کی ایک کہانی ہوتی ہے۔ جہاں انسان آباد ہیں وہیں کہانیاں بکھری پڑی ہیں۔'' رولوکا نے کہا۔

''تم نے درست کہا۔ تم کو افریقہ اور یہاں کیا فرق محسوس ہوا۔'' میں نے پوچھا۔

''یہاں کے مسائل سماجی ہیں۔ یہاں پر دشمن بھی سامنے نہیں آتا پردے میں رہ کر دشمنی کرتا ہے۔ مگر افریقہ کے اندرونی علاقے میں کھلے عام مقابلے ہوتے ہیں۔ زمین عورت اور روپیہ پر جھگڑے دونوں جگہوں پر ہوتے ہیں۔ وہاں پر فیصلہ جلد ہوتا ہے۔ مگر یہاں پر یہ جھگڑے نسل در نسل چلتے ہیں اور اس کی لپیٹ میں بے گناہ بھی آ جاتے ہیں۔''

روشو میاں نے بہت ضد کی کہ ہم لوگ لکھنؤ میں اور ٹھہریں مگر ہم آگے چل پڑے۔ ٹکٹ ہم نے احمد آباد کے لیے تھے۔ گاڑی رات کو ملی تھی یہ سفر ذرا لمبا بھی تھا۔ میں برتھ پر جا کر لیٹ گیا تھا۔ ڈبہ پورا بھرا ہوا تھا۔ رولوکا کھڑکی کے پاس سیٹ پر بیٹھا تھا۔ وہ سفر میں کبھی سوتا نہیں تھا یہ بات میں جانتا ہوں۔ اس لئے میں نے اس کو کبھی سونے کو کہا بھی نہیں تھا۔ یہ انٹر کلاس کا ڈبہ تھا۔ میں جس برتھ پر لیٹا تھا اس کے برابر بھی برتھ تھی اور پارٹیشن لگا ہوا تھا۔ دو میاں بیوی اوپر برتھ پر بیٹھے تھے۔ ان کی دانست میں، میں بے خبر سویا پڑا تھا۔ لیکن نیند نہ آنے کی وجہ سے میں جا گیا تھا۔ یہ لوگ آگرہ سے آ رہے تھے اور احمد آباد جا رہے تھے۔ مجھے ان کی شکلیں نظر نہیں آ رہی تھیں۔ مگر آواز صاف آ رہی تھی آواز سے اندازہ ہوتا تھا کہ دونوں

جوان ہیں۔

''میں کہتی ہوں کب تک اس طرح بھاگتے رہو گے۔'' عورت نے کہا۔

''کیا کروں نہ بھاگوں گا تو مارا جاؤں گا۔'' مرد کی آواز آئی۔

''ہم نے کوئی گناہ کیا ہے۔ شادی کی ہے۔'' عورت کی آواز پھر آئی۔

''میں مسلمان ہوں اور تم ہندو برہمن کی لڑکی ہو۔ مانا کہ تم اپنی مرضی سے مسلمان ہوئی ہو اور پھر شادی کی ہے مگر ہندو برادری تو یہ نہیں مانتی۔'' مرد نے کہا۔

''میں نے تم سے شادی کرنے کو اسلام قبول نہیں کیا ہے۔ میں ایک پڑھی لکھی لڑکی ہوں۔ میں نے اسلام کو سمجھا ہے تو قبول کیا ہے۔'' عورت کی آواز آئی۔

''مگر رخسانہ یہ بات کون مانے گا۔ سب مجھے ہی قصوروار کہیں گے۔'' مرد کی آواز آئی۔

''میں ہر جگہ کورٹ، پولیس، تھانہ اور پورے خاندان کے سامنے یہ کہنے کو تیار ہوں۔ میں تم پر آنچ نہیں آنے دوں گی۔'' عورت نے جواب دیا۔

''مجھے تم پر پورا اعتماد ہے۔ مگر ان معاملات کے فیصلے نہ عدالتوں میں ہوتے ہیں نہ تھانوں میں لوگ عدالتوں کے فیصلوں کو دل سے قبول نہیں کرتے اور پھر اپنے خود فیصلے کرتے ہیں وہ لوگ میرے خون کے پیاسے ہو گئے ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے ساتھ میرے بے گناہ بھائی لپیٹ میں آ جائیں۔ اسی لئے میں خاموشی سے آگرہ سے نکل کھڑا ہوا ہوں۔'' میں ہر مقام پر تمہارے ساتھ ہوں آپ میرے مجازی خدا ہیں میری جان بھی اگر آپ کے کام آ جائے تو میں اف نہیں کروں گی۔'' عورت نے کہا۔

''مجھے تم پر بھروسہ نہ ہوتا تو میں تم سے عقد ہی نہ کرتا۔ احمد آباد میں میرا ایک دوست ہے وہ کسی کپڑے کی مل میں کام کرتا ہے۔ سب سے پہلے اس کو تلاش کرتا ہوں۔ تم ہر وقت برقعے کا نقاب گرا کر رکھنا میری داڑھی دو چار روز میں بڑھ جائے گی۔ ہماری بھلائی اسی میں ہے کہ خود کو پوشیدہ رکھیں۔ وہ لوگ ہماری تلاش میں دوڑیں گے تو ضرور۔ ہوسکتا ہے میرے بھائیوں سے کچھ پتہ کریں مگر احمد آباد والے دوست کے بارے میں کوئی نہیں جانتا۔ اتنا روپیہ تو میرے پاس ہے کہ کسی سرائے میں ایک دو مہینہ رہ سکتے ہیں۔ جب تک میرا حلیہ بھی کچھ بدل جائے گا اور میں کوئی بھی دھندا کروں گا۔'' مرد کی آواز آئی۔

''تم میری وجہ سے پریشانیوں میں گھر گئے ہو۔ مجھے اس کا احساس ہے۔'' عورت نے کہا۔

''میرے نصیب میں جس قدر پریشانیاں لکھی ہیں وہ تو ضرور آئیں گی۔ تم خود کو اس کا ذمہ دار کیوں سمجھتی ہو؟'' مرد نے کہا۔

''تم کچھ بھی کہو۔ میری وجہ سے تمہاری تعلیم ادھوری رہ گئی۔ گھر سے بے گھر ہو گئے۔ پورے خاندان کو چھوڑنا پڑا۔ میں یہ سب کچھ کس طرح بھول سکتی ہوں۔'' عورت نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

اگر یہ سب میرے ساتھ ہوا ہے تو تم نے بھی تو یہی قربانی دی ہے۔ تم اپنے دل پر کیوں بوجھ لادتی ہو۔ ہم دونوں ایک ہی کشتی کے مسافر ہیں۔'' مرد نے تسلی دی۔

میں نے اندازہ لگایا کہ دونوں ایک دوسرے کو بہت چاہتے ہیں اور دونوں اس لئے پریشان ہیں کہ انہوں نے دو الگ الگ مذہب کے ہونے کے باوجود شادی کر لی ہے۔ اب خود کو روپوش کرنا چاہتے ہیں۔ اخلاقی طور پر یہ اچھی بات تو نہیں تھی کہ میں ان کی گفتگو سنتا مگر میں کیا کرتا صرف ایک لکڑی کی دیوار کے دوسرے طرف جو باتیں ہو رہی تھیں وہ میرے کانوں میں آ رہی تھیں۔ صبح ہونے کو تھی۔ میں برتھ سے اتر کر نیچے رولوکا کے پاس آ گیا۔ رولوکا اطمینان سے بیٹھا تھا۔ میں اس کے پاس بیٹھ گیا اور بولا۔

''ابھی منزل دور ہے اور کہانی شروع ہو گئی۔''

''کیا ہوا؟'' رولوکا نے پوچھا۔

''اوپر میرے برابر کی برتھ پر ایک میاں بیوی

بیٹھے ہیں۔ بیوی ہندو ہے اور میاں مسلمان۔ لڑکی نے مسلمان ہونے کے بعد لڑکے سے شادی کر لی ہے اور برہمن خاندان سے بغاوت کر دی ہے۔ دونوں آگرہ کے ہیں اور اب فرار ہو کر احمد آباد جا رہے ہیں۔ ظاہر ہے ان کی تلاش شروع ہو گئی ہو گی اور ہو سکتا ہے احمد آباد میں پولیس یا کوئی اور ان کو شناخت کر لے اور یہ دو معصوم بڑی پریشانی میں مبتلا ہو جائیں۔ ان کا صرف یہی قصور ہے کہ دونوں نے پسند کی شادی کی ہے۔ محبت مذہب کو نہیں مانتی یہ دلوں کے سودے ہیں اور پھر لڑکی نے اسلام دل سے قبول کیا ہے اور شرعی طریقے پر عقد کیا ہے۔ ہندو ذہنیت کو میں خوب سمجھتا ہوں اس کا باپ اور دوسرے ہندو ہرگز اس کو برداشت نہیں کریں گے اور ہو سکتا ہے یہ دونوں کسی بڑی پریشانی میں پھنس جائیں۔'' میں نے رولو کا کو تفصیل بتائی۔

''تم کیا کرنا چاہتے ہو؟'' رولو کا نے پوچھا۔

''ان کی مدد کرنا ہمارا اخلاقی فرض ہے۔ میں ان کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''ہم تو ہیں ہی خدائی فوجدار۔ کریں گے ضرور کریں گے۔'' رولو کا نے کہا۔

''پہلے تو میں اس لڑکے سے ملاقات کرتا ہوں تم بھی ساتھ رہنا۔ کچھ حالات تو مجھے ان کی گفتگو سے پتہ چل گئے ہیں اور کچھ اور پتہ کریں گے۔'' میں نے کہا۔

گاڑی کسی اسٹیشن پر کھڑی تھی میں اپنے حصے سے برابر کے حصے میں چلا گیا۔ برتھ پر ایک سفید برقعہ میں عورت بیٹھی تھی۔ اس کے پاس ہی ایک جوان جس کی عمر چوبیس سال کے لگ بھگ ہو گی بیٹھا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ یہی دونوں ہیں۔ میں نے لڑکے کی طرف دیکھا اور مسکرا کر کہا۔ ''آپ کو زحمت تو ہو گی آپ ذرا میری بات سن لیں۔''

یہ سنتے ہی لڑکے کا چہرہ پیلا پڑ گیا۔ وہ ہڑبڑا کر بولا۔ ''آپ نے مجھ سے کچھ کہا ہے؟''

''گھبرائیں نہیں بات آپ کے فائدے کی ہے۔'' میں نے کہا۔

''میرے فائدے کی۔ آپ کو شاید غلط فہمی ہو رہی ہے۔'' وہ جلدی سے بولا۔

''نہیں برخوردار آپ آئیں تو۔'' میں نے کہا۔

لڑکا گھبراہٹ میں تھا۔ اس کے چہرے اور ہاتھ پیر کی لرزش سے صاف اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ گھبراہٹ کا شکار ہے۔ میں منہ اس کے کان کے پاس لے کر گیا اور بولا۔ ''اتنی گھبراہٹ ٹھیک نہیں خود پر کنٹرول رکھو اس طرح تم بہت جلد شناخت ہو جاؤ گے۔'' اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔ مگر بولا کچھ نہیں۔ اوپر برتھ کی طرف منہ کر کے میں نے کہا۔

''تم گھبرانا نہیں بیٹی رخسانہ! اللہ بہتر کرے گا۔''

رخسانہ کا نام سن کر لڑکا اور زیادہ حیرت زدہ رہ گیا بڑی مشکل سے بولا۔ ''آپ کون ہیں محترم میں نے آپ کو نہیں پہچانا؟''

''کبھی دیکھا ہی نہیں تو پہچانو گے کس طرح۔'' میں نے کہا۔

''پھر آپ مجھے کس طرح جانتے ہیں۔'' وہ جلدی سے بولا۔

''ابھی بتائے دیتا ہوں۔ تمہارے برابر والی برتھ میری ہے میں اس پر رات کو لیٹا تھا۔ بد اخلاقی یہ مجھ سے ہو گئی کہ میں نے آپ میاں بیوی کی ساری گفتگو سن لی ہے۔ آپ لوگ جس وجہ سے پریشان ہیں وہ معاملہ واقعی بہت خطرناک ہے اس سے بہت بڑا فتنہ فساد ہو سکتا ہے۔ تم دونوں کی زندگی کو بھی خطرہ ہو سکتا ہے تم جہاں جا رہے ہو وہ علاقہ تو کٹر ہندوؤں کا ہے۔ ذرا سی بھی بھنک کسی کو مل گئی کہ تمہاری بیوی ہندو ہے تو سخت مشکل کھڑی ہو جائے گی تم نوجوان ہو۔ جوان خون ہے اس عمر میں غلطیاں زیادہ ہوتی ہیں۔ مگر تمہارے پاس غلطی کی ذرا سی گنجائش نہیں ہے۔ میں اور میرا ایک ملازم بھی احمد آباد جا رہے ہیں۔ وہاں پر ہمارے پاس بھی کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔ مگر تم ہمارے ساتھ رہو گے تو تم پر شک و شبہ کم ہو گا۔ وہاں کے

حالات کے مطابق جو مناسب ہوگا وہ راستہ اختیار کریں گے۔'' اور میں نے اپنا تعارف پوری طرح کروایا۔ ہم لوگ برتھ پر بیٹھ کر باتیں کرتے رہے۔ رولوکا میرے ساتھ اور رخسانہ دوسری طرف ہماری باتیں سن رہی تھی۔

''یہ تو قدرت کی طرف سے غیبی امداد آئی ہے۔'' رخسانہ نے آہستہ سے کہا۔

''تم نے درست کہا رخسانہ۔ مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے۔'' لڑکا بولا۔

''اب تم اپنے حالات بتاؤ اور تعارف کراؤ۔'' میں نے کہا۔

''میں سینٹ جوزف کالج میں فائنل ائیر کا طالب علم تھا۔ میرے ساتھ ہی یہ بھی پڑھتی تھی۔ اس کا نام رادھا پنڈت ہے۔ یہ ایک بہت بڑے برہمن خاندان کی لڑکی ہے۔ اس کے پتا کا نام پنڈت شنکرداس ہے۔ میرا نام احمد حسین ہے اور والد کا نام محمد حسین ہے۔ ہمارا گھرانہ آگرہ کے محلے شاہ گنج میں رہتا ہے۔ ہم لوگ درمیانی کلاس کے لوگ ہیں۔ مگر رادھا کے خاندان والے بہت پیسے والے ہیں۔''

''اب میں بتاتی ہوں۔'' رخسانہ کی آواز آئی۔

''ہاں بیٹی تم ہی بتاؤ۔'' میں نے کہا۔

''محترم! میں نے احمد حسین کو پانے کے لئے اسلام قبول نہیں کیا ہے۔ میری کلاس میں کئی لڑکیاں مسلمان بھی پڑھتی تھیں ان میں ایک لڑکی جمیلہ بھی تھی وہ ایک مولوی کی لڑکی تھی اور اس کے والد نے اس کو اعلیٰ دنیاوی تعلیم کے لئے کالج میں داخل کرایا تھا۔ میں اس کے گھر جایا کرتی تھی۔ اس کے گھر کا ماحول اتنا سادہ اور پر اثر تھا کہ مجھے وہاں پر بہت اچھا لگتا تھا۔ میں روز جمیلہ کے ساتھ اس کے گھر چلی جاتی۔ میں نے اسلامی تعلیمات پر غور کرنا شروع کر دیا۔ جب میں نے اپنے مذہب اور اسلام پر غور کیا تو مجھے دونوں میں بڑا فرق ملا اور میں نے اسلام کو اچھا پایا لہٰذا چھپ کر میں نے کلام پاک پڑھنا شروع کر دیا۔ جمیلہ کے والد نے مجھے نہ صرف کلام پاک پڑھایا بلکہ اسلام کے بارے میں بہت کچھ بتایا بھی۔ جب مجھے یہ تمیز آ گئی کہ میں اسلام اور دوسرے مذہب کا مقابلہ کر سکتی ہوں تو میں نے مسلمان ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ مولوی صاحب نے مجھے زبانی درس دیا تھا اور یاد کرایا تھا مگر میرے اسلام قبول کرتے ہی میری آنکھوں کے سامنے کے سارے پردے ہٹ گئے۔ میں نے دین اسلام کو نہایت اعلیٰ وارفع پایا۔ یہ میرے پیارے اللہ کا سب سے پیارا دین ہے۔ یہی دین ہے جو قیامت تک قائم رہنے والا ہے۔ اس لئے کہ انسانیت کو اس دین میں مکمل کر دیا گیا ہے میں نے جہاں تک پڑھا ہے اس دین میں انسانی زندگی کے ہر پہلو کے لئے راہ نمائی موجود ہے۔'' رخسانہ خاموش ہوئی تو میں نے کہا۔

''ہاں یہ حق تعالیٰ کا فرمان ہے۔ میرے خدا کا فرمان ہے کیونکہ دین اسلام حقیقت سے بعید نہیں اور اسی وجہ سے اسے دین فطرت بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے ثبوت بے شمار ہیں۔''

رولوکا نے پہلی بار زبان کھولی۔ ''تم نے وہی کیا جو تم کو سچ معلوم ہوا۔ جو سچ دل قبول کرتا ہے وہی روح بھی قبول کرتی ہے۔ تمہاری ثابت قدمی تمہاری سچائی کی کسوٹی ہوگی۔ رہے آنے والے حالات تو اس کا فیصلہ وقت کرے گا۔ وقت کا فیصلہ کبھی غلط نہیں ہوتا۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ اس کے خلاف اگر فیصلہ ہو تو وہ اس کو قبول نہیں کرتا۔ تاویلات دیتا ہے مگر تجربے اور مشاہدے نے بتایا ہے کہ وقت کا فیصلہ کبھی غلط نہیں ہوتا۔ تم زندگی کے ایک نازک موڑ پر کھڑے ہو ایک طرف غمی ہے دکھ ہے۔ دوسری طرف سکھ ہیں چین ہے۔ مگر تم کو نہیں پتہ کس طرف کیا ہے۔'' رولوکا خاموش ہوا تو میں نے کہا۔

''احمد آباد آنے والا ہے ان دونوں کا کیا سوچا ہے؟''

''ان کو ساتھ رکھنے کا تو تم فیصلہ کر ہی چکے ہو۔'' رولوکا نے کہا۔

''اس کے بعد کا پروگرام بھی تو بنانا ہے۔'' میں

نے کہا۔

''احمد آباد میں وقت کیا رنگ دکھاتا ہے یہ دیکھنا ہوگا۔ لیکن میں یہ ضرور کہوں گا کہ کسوٹی پر پرکھنے کے بعد ہی ہم سونے کو سونا کہتے ہیں۔ انسان کی کسوٹی بھی تو ہے اور وہ کسوٹی حالات ہیں۔ ہم ان دونوں کے ساتھ تو ہیں مگر کسوٹی پر تو ان کو ہی پورا اترنا ہے۔'' رولو کا نے کہا۔

''صاف بتاؤ کیا مطلب ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''مطلب یہ کہ سنار کچھ رگڑتا ہے گر صاف کرتا ہے اس کے بعد بتاتا ہے کہ یہ اصلی سونا ہے۔ اسی طرح انسان کو بھی چیک کرنا پڑتا ہے۔'' رولو کا نے کہا۔

''تم کو دونوں پر اعتبار نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔

''اعتبار میں اور یقین میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ اعتبار کو یقین کی منزل تک لانے میں کچھ قربانیوں سے گزارنا پڑتا ہے۔ تب اعتبار یقین میں بدلتا ہے۔'' رولو کا نے جواب دیا۔

''میں ذاتی طور پر رخسانہ کی بات کا اعتبار کرتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''میں دونوں کی بات کو مانتا ہوں۔ ان کی محبت کو بھی قابل اعتبار سمجھتا ہوں مگر یہ دنیا ایک تجربہ گاہ بھی تو ہے۔ جو کچھ ہوگا سامنے آجائے گا یہ میرا وعدہ ہے کہ کنارے پر ان کو پہنچانے کی کوشش کریں گے۔''

گیارہ بجے دن کو احمد آباد جنکشن پر گاڑی پہنچ گئی۔ ہم چاروں ایک ساتھ اسٹیشن سے باہر آگئے۔ اسٹیشن کے باہر وہی ماحول تھا جو ہوا کرتا ہے۔ تانگے والے آوازیں دے رہے تھے۔ ہوٹل کے نمائندے اپنی تعریفیں کر رہے تھے۔ مگر میں کسی سرائے کی ہی تلاش میں تھا۔ دس پندرہ منٹ تک یہ شور زیادہ رہا اور پھر کم ہوگیا۔ پھر ایک آدمی میری طرف بڑھا اور بولا۔ ''تم لوگ کدھر جائیں گا بھائی!''

''ہم لوگ ٹھہرنے کی جگہ جائیں گے۔'' میں نے جواب دیا۔

''اے ہم کو پتہ پڑ گیا تھا کیا۔''

''تو کیا تم نجومی ہو۔'' میں نے پوچھا۔

''اپنا دھندا ہے نا اس واسطے پتہ پڑ جاتا ہے ہم تم کو بہت سستا جگہ لے جاتا ہے ایک دم فسٹ کلاس کھانا۔ کھلا کمرہ ہے۔ ہم سمجھ گیا ہے تم لوگ مسلمان ہو اسی واسطے اب تک کھڑیلا ہے۔'' وہ بولا۔

''تم تو واقعی نجومی ہو سب سمجھ جاتے ہو۔'' میں نے پھر کہا۔

''دھندا سب سکھاتا ہے بابو۔ بولو کیا بولتا ہے۔''

''کتنی دور جانا ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''تانگہ کرنا پڑیں گا۔ پن شہر کے اندر ج ہی رہیں گا۔'' وہ جلدی سے بولا اور ساتھ ہی ایک تانگے والے کو اس نے اشارہ کیا اور ہم سب تانگے میں سوار ہوگئے۔ تانگہ کئی موڑ کاٹتا ہوا ایک دو منزلہ مکان کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ ہم کرایہ ادا کرنے کے بعد اس عمارت کے اندر آگئے۔ سب سے پہلے جو چیز نظر آئی وہ ایک بہت بڑی فریم کی ہوئی تصویر تھی۔ کمرہ بھی بہت بڑا تھا ایک طرف ایک میز پڑی تھی اور اس کے پیچھے ایک داڑھی والے ساٹھ سالہ بزرگ بیٹھے رجسٹر پر اندراج کر رہے تھے۔ ہم لوگوں کو دیکھا تو رجسٹر چھوڑ کر کھڑے ہوگئے اور بولے۔

''آیئے..... تشریف لایئے۔'' میں نے سب کو اشارہ کیا سب لوگ ان کے سامنے پڑی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

''کہاں سے آئے ہیں آپ لوگ؟'' وہ بولے۔

''دلی سے آئے ہیں۔'' میں نے مختصر جواب دیا۔

''آپ لوگ سب ساتھ ہیں۔'' وہ پھر بولے۔

''جی ہاں ساتھ ہیں۔'' میں نے کہا۔

''کتنے کمرے آپ کو چاہئیں؟'' وہ بولے۔

''دو کمرے تو ضرور چاہئیں۔'' میں نے کہا۔

''مل جائیں گے فکر مت کرو۔ میرا نام ہاشم بھائی ہے۔ یہاں پر مسلمانوں کو ٹھہرایا جاتا ہے اس لئے پورا اسٹاف مسلمان ہے۔ یہ جو آپ کو لایا ہے۔ اس کا نام سلیمان بھائی ہے۔ اگر آپ شہر گھومنا چاہیں تو بھی اس کو ساتھ لے جاسکتے ہیں۔ کرایہ دس روپیہ دو کمروں کا ہوگا

کرایہ آپ کو روز کے روز ادا کرنا ہوگا۔ جتنے دن کا ایڈوانس دینا چاہیں دے سکتے ہیں۔ کھانا مسلم ملے گا۔ حلال جانور کا گوشت ملے گا بکرا اور مرغی۔ اور کچھ آپ پوچھنا چاہیں تو پوچھ لیں۔'' ہاشم بھائی خاموش ہو گیا۔

''نہیں اور کیا پوچھیں گے آپ کمرے بتا دیں۔''

''پہلے اندراج کرالیں کرایہ دے دیں اس کے بعد آپ کو کمروں میں پہنچا دیا جائے گا۔''

''ہاں یہ ٹھیک ہے۔'' میں نے کہا اور اپنا پتہ لکھوا دیا اور ایک ہفتہ کا کرایہ ادا کر دیا۔ کمرے اچھے کشادہ تھے۔ کمروں کے سامنے ہی غسل خانے بنے ہوئے تھے۔ ایک کمرہ ہم نے رخسانہ اور احمد حسین کو دے دیا۔ میں اور رولوکا اپنے کمرے میں آ گئے۔ دوپہر کے کھانے کا وقت ہو چلا تھا۔ سب نے ایک ساتھ کھانا کھایا۔ رخسانہ نے مجھ سے اور رولوکا سے پردہ نہیں کیا۔ وہ مجھے اور رولوکا کو بھائی جان کہنے لگی۔ کھانا ٹھیک تھا اور کسی نے سفر میں کچھ نہیں کھایا تھا اس لئے اور زیادہ اچھا لگا۔ کھانے کے بعد میں نے کہا۔

''احمد حسین تم ذرا کم ہی باہر جانا۔ کیونکہ تم کو لوگ پہچانتے ہیں اور رخسانہ تم تو کمرے ہی میں رہنا۔ کیونکہ وہ لوگ خاموش تو نہیں بیٹھے ہوں گے۔ احمد حسین کا حلیہ ذرا بدلنا پڑے گا۔ اس میں کچھ وقت تو لگے گا ہی۔ تمہاری کیا رائے ہے خیر الدین۔'' میں نے رولوکا سے پوچھا۔

''احتیاط کرنا بہتر ہے۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''اور تم کیا کہتے ہو احمد حسین۔'' میں نے پھر پوچھا۔

''آپ بزرگ ہیں جو کریں گے بہتر ہی ہوگا۔'' وہ بولا۔

ایک ہفتہ گزر گیا۔ رخسانہ اور احمد حسین سرائے تک ہی محدود رہے۔ البتہ رولوکا اور میں شہر میں جاتے رہے۔ احمد آباد گجرات کا ایک صنعتی شہر ہے یہاں پر زیادہ تر کپڑے کا کاروبار ہوتا ہے۔ بہت بڑے بڑے ٹیکسٹائل مل یہاں پر ہیں پورے ہندوستان میں ان کا کپڑا جاتا ہے۔ ملازمت آسانی سے مل جاتی ہے۔ کیونکہ ہر مل میں لیبر کی ضرورت رہتی ہے۔ اب احمد حسین کی داڑھی خاصی بڑی ہو گئی تھی۔ اس نے ایک چشمہ بھی خرید لیا تھا۔ سر کے بال بڑھ گئے تھے۔ ان کو اس نے پٹے دار کٹوا لیا تھا۔ وہ اب کسی مسجد کا موذن یا امام معلوم ہوتا تھا۔ جس نے اس کو پہلے دیکھا ہو وہ بھی ایک نظر میں اس کو پہچان نہیں سکتا تھا۔ اس نے اپنے انداز گفتگو کو بھی مقامی رنگ دے دیا تھا اور بہت حد تک وہ اس میں کامیاب تھا۔ اب اس کی شناخت ہونے کے امکانات بہت کم ہو گئے تھے۔ احمد حسین روزگار کی تلاش میں شہر جانے لگا تھا۔ ایک دو جگہ بات بھی کر آیا تھا۔ مگر انسان بڑا بھولا ہے وہ آنے والے وقت کے بارے میں ذرا نہیں جانتا۔ اگر وہ جان سکتا تو سب جھگڑے ہی ختم ہو جاتے۔ وہ جیسے ہی سرائے میں آیا ہاشم بھائی نے بتایا۔ ''تم کو ایک آدمی ملنے کو آیا تھا۔ ہم بولا شام کو آؤ۔''

''وہ کون تھا؟'' احمد چونک کر بولا۔

''نام نہیں بولا...... بولا شام کو آؤں گا۔''

''کہاں سے آیا تھا کچھ بتایا؟'' احمد پریشانی سے بولا۔

''کچھ نہیں بولا۔'' ہاشم بھائی نے جواب دیا۔

احمد حسین پریشان پریشان کمرے میں آیا تو رخسانہ نے پریشانی کی وجہ پوچھی تو وہ بولا۔ ''ایک آدمی مجھے پتہ کرنے آیا تھا۔ کون تھا کہاں سے آیا تھا کیوں آیا تھا کچھ پتہ نہیں چلا۔''

''آپ نے بڑے بھائی کو بتایا۔'' رخسانہ نے پوچھا۔

''ابھی نہیں سیدھا تمہارے پاس آیا ہوں۔'' وہ بولا۔

''فوراً ان کو بتایئے۔'' اور احمد حسین میرے پاس آ گیا اور اس نے بتایا۔

''جب وہ شام کو آئے گا تو میں بھی تمہارے ساتھ ہوں گا۔'' میں نے کہا۔

''مگر وہ کون ہے سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔''

''تم کیوں ابھی سے پریشان ہو رہے ہو۔ جو ہوگا سامنے آ جائے گا۔ دیکھیں گے مقابلہ کریں گے جو بھی حالات ہوں۔'' میں نے احمد حسین کو تسلی دی۔ مگر احمد حسین کی گھبراہٹ کم نہ ہوئی۔ ہم چاروں ایک ہی کمرے میں تھے کہ ہاشم بھائی آ گئے اور بولے۔ ''وہی آدمی آیا ہے......!''

رولو کا کمرے میں رہا۔ رخسانہ اپنے کمرے میں چلی گئی میں اور احمد حسین ہاشم بھائی کے ساتھ آ گئے۔ کرسی پر ایک شخص پتلون اور قمیض میں ملبوس بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پر سب سے زیادہ خوفناک اس کی مونچھیں تھیں۔ وہ ایک کٹاری کی طرح آنکھوں کی طرف مڑی ہوئی تھیں۔ گال بھرے بھرے تھے اس لئے چہرہ نہایت رعب دار لگتا تھا۔

اس نے احمد حسین کو دیکھا تو زور سے ہنس پڑا اور بولا۔ ''خوب بہت خوب بہروپ تو اچھا بھرا تھا۔ مگر میرا نام جیون لال تیواڑی ہے۔ تو اگر سانپ کے بل میں بھی گھس جاتا تو بھی میں تلاش کر لیتا۔''

میں نے کہا۔ ''آپ کسی غلط فہمی کا شکار تو نہیں ہو رہے۔''

''نہیں شریمان ہرگز نہیں۔ یہ شخص!'' اس نے احمد حسین کی طرف اشارہ کیا۔ ''آگرہ کے محلہ شاہ گنج کا رہنے والا ہے اس کے باپ کا نام محمد حسین ہے۔ سینٹ جوزف کالج میں یہ پڑھتا تھا۔ یہ وہاں سے ایک برہمن کی لڑکی رادھا کو لے کر بھاگ آیا ہے۔ اس کے خلاف ہر شہر میں رپورٹ پہنچائی گئی ہے۔ میں آگرہ سے کھوج نکالتا اب احمد آباد پہنچا ہوں اور پورے ثبوت کے ساتھ ہاتھ ڈال رہا ہوں اور ہاں میں اکیلا نہیں ہوں۔ مقامی پولیس کی نفری میرے ساتھ ہے۔ اب تو یہ بتا رادھا نامی لڑکی کہاں ہے۔'' احمد حسین خاموش تھا۔

''تمہاری خاموشی تم کو مجرم ثابت کرتی ہے۔ اگر آسانی سے نہیں بتائے گا تو تھانے میں بتانا پڑے گا اور ہاں شریمان آپ کون ہیں آپ بھی اپنا پرچہ کرا دیں۔''

''میں حکیم وقار احمد ہوں دلی میں مطب کرتا ہوں۔'' میں نے بتایا۔

''اور یہاں احمد آباد میں مجرم کی مدد کرتے ہیں۔'' تیواڑی طنزیہ بولا۔ میں کیا جواب دیتا خاموش رہا۔ اس نے جیب سے ایک سیٹی نکالی اور بجا دی۔ دو آدمی فوراً آ گئے تو وہ بولا۔

''سارے کمروں کی تلاشی لو فوراً ہری اپ اور سب کو یہاں پر لے کر آؤ۔''

کمروں میں زیادہ مسافر تو نہیں تھے۔ تین مرد اور دو عورتیں وہاں پر آ گئیں۔ مگر مردوں میں رولو کا نہیں تھا۔

''سب کو لے آئے ہو؟'' اس نے پوچھا۔

''جی سر سب آ گئے۔''

عورت سے اس نے پوچھا۔ ''تمہارا نام کیا ہے؟''

وہ عورت بولی۔ ''رسولن نام ہے میرا۔'' وہ عورت ادھیڑ عمر کی تھی۔

''کہاں سے آئی ہو؟'' اس نے پھر پوچھا۔

''میں اپنے میاں کے ساتھ ڈھول پور سے آئی ہوں۔ ان کو یہاں پر نوکری مل گئی ہے ابھی گھر نہیں ملا اس لئے یہاں پر ہیں۔''

اب اس نے رخسانہ سے پوچھا۔ ''تمہارا کیا نام ہے؟''

''میرا نام رخسانہ ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

''شادی شدہ ہو؟''

''جی ہاں۔''

''شوہر کا کیا نام ہے؟''

''احمد حسین۔'' جواب ملا۔

''تو تم ہی رادھا ہو'' تیواڑی بولا۔

''نہیں میں رخسانہ ہوں۔'' وہ اصرار کرنے لگی۔

''تم خود کچھ بھی کہو لڑکی۔ مگر ہو تو رادھا ہی، اسی نام کا پرچہ کاٹا گیا ہے۔ تم ہندو ہو اور یہ مسلمان ہے یہ

شادی ہی غیر قانونی ہے۔ میں تم دونوں کو گرفتار کرتا ہوں اور شریمان حکیم صاحب آپ کو ان کی مدد کرنے کے جرم میں گرفتار کرتا ہوں۔ آپ سب کو میرے ساتھ آگرہ چلنا ہے وہیں پر مقدمہ درج ہے۔ وہیں پر آگے کاروائی ہوگی۔“

آگئے ہم بھی کسوٹی پر اب رگڑے تو کھانا ہیں۔ میں نے سوچا اور ہم تینوں کو آگرہ لے آیا گیا۔ رولو کا کا کچھ پتہ نہیں تھا۔

پنڈت شنکر داس آگرہ کا بہت بڑا آدمی تھا۔ اس کا بہت اثر رسوخ تھا۔ وہ آگرہ شہر کے نیتاؤں میں شمار ہوتا تھا۔ رخسانہ کو تو وہ اپنے ساتھ لے گیا۔ مجھے اور احمد حسین کو حوالات میں بند کر دیا گیا۔ زندگی کا یہ پہلا تجربہ تھا کہ میں کسی حوالات یا جیل میں قید ہوا۔ مگر مجھے اپنی زیادہ فکر نہیں تھی۔ سارے حالات احمد حسین کے خلاف تھے صرف رخسانہ کی ذات سے امید تھی کہ وہ احمد حسین کا ساتھ دے گی۔ ہندو معاشی طور پر اور اثر رسوخ دونوں طرح بھاری تھا۔ پنڈت شنکر داس کے ایک اشارے پر کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ مجھ سے ابھی کوئی بیان نہیں لیا گیا تھا۔ احمد حسین بھی خاموش تھا حالانکہ پولیس نے کئی دفعہ اس سے رابطہ کیا۔ مگر وہ خاموش رہا۔ رولو کا کا پتہ نہیں تھا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ مگر مجھے جلدی پتہ چل گیا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ ایک مسلمان وکیل حوالات میں مجھ سے ملا اور بولا۔ ”میں آپ کا اور احمد حسین کا وکیل ہوں۔“ اور وکالت نامے پر دستخط کرا لئے۔

”آپ کو کس نے وکیل مقرر کیا ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”ایک صاحب دلی سے آئے تھے۔ میری فیس اور سب خرچ انہوں نے ادا کر دیا ہے۔ آپ جو بیان دیں مجھے بتائیں۔“ وکیل نے پوچھا۔

”بات یہ ہے وکیل صاحب کہ میں نے احمد حسین کے ساتھ تعاون تو کیا ہے۔ اس کی مدد کی ہے مگر وہ ہم کو ٹرین میں ملا تھا مگر شادی تو یہ اس سے پہلے ہی کر چکے تھے اس وقت تو ہم اس کو جانتے بھی نہیں تھے۔“ میں نے کہا۔

”آپ بتائیں کہ آپ نے انسانی ہمدردی اور دینی بھائی ہونے کی وجہ سے ان کی مدد ضرور کی ہے مگر آپ کو یہ پتہ نہیں تھا کہ رخسانہ کون ہے اور ان کی شادی کس طرح ہوئی۔ آپ کا صرف یہی بیان ہونا چاہیئے۔“

”اور احمد حسین تم بتاؤ تم کیا بیان دو گے؟“

”میں نے شادی کی ہے اور رخسانہ کی مرضی سے کی ہے وہ بالغ ہے اور ایک پڑھی لکھی لڑکی ہے۔ اس کے ساتھ زبردستی نہیں کی گئی وہ خود سے مسلمان ہوئی۔ اس میں میرا کوئی ہاتھ نہیں ہے میرا تو یہی بیان ہوگا۔“ احمد حسین نے کہا۔

”تمہاری بچت کا صرف ایک خانہ ہے اور وہ ہے رخسانہ۔ اگر وہ اپنے باپ سے خوفزدہ نہ ہوئی اور اس نے تمہارے حق میں بیان دیا تو تم صاف بچ جاؤ گے۔ ایک بات میں بتا دوں۔ ہمارا مقابلہ جس سے ہے وہ بہت ہوشیار ہے اس نے بڑی مضبوط گواہیاں تیار کی ہیں۔ بڑی چوٹی کے وکیلوں کا ایک پینل مقرر کیا ہے۔ مگر گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں جھوٹی گواہیوں کو ادھیڑ کر رکھ دوں گا۔ آپ لوگ کم سے کم بیان دیں اور اس پر ہی قائم رہیں۔ احمد حسین تم یہی کہو گے کہ تم نے رخسانہ کے اصرار پر اس سے شادی کی ہے۔ شادی کا پرپوزل تم نے نہیں اس نے دیا تھا اور آپ حکیم صاحب وہی کہیں جو آپ نے ابھی بتایا تھا۔“

”احمد حسین کے بھائی میرا اور احمد حسین کا کھانا لاتے تھے۔ احمد حسین نے بتا دیا تھا کہ میں نے اس کی مدد کی ہے اور وکیل بھی مقرر کیا ہے۔ وہ لوگ بہت اچھے لوگ تھے۔ احسان ماننے والے ساتویں روز رولو کا خیر والدین کے روپ میں کھانا لے کر آ گیا۔ میں نے مسکرا کر کہا۔

”کسوٹی پر رگڑا شروع ہو گیا۔“ رولو کا ہنس پڑا اور پھر بولا۔

”انسان کو اگر ایسا رگڑا نہ لگے تو وہ خود کو نہ جانے کیا سمجھنے لگے۔ دوائی کڑوی بھی ہو تو کھانا پڑتی ہے۔“

”حکیم سے حکمت کی زبان میں بات کر رہے ہو

آگے کی بتاؤ۔" میں نے کہا۔

"آگے کی بتانا مناسب نہیں ہے جو ہوگا سب سامنے آجائے گا۔"

"تو یوں کہو کے کھیل کا مزا خراب ہوجائے گا۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"ایسا بھی ہے۔" رولوکا نے جواب دیا۔

"رخسانہ کا کیا حال ہے؟" میں نے پوچھا۔

"اس غریب پر سب سے زیادہ دباؤ ہے۔ سماج کا دباؤ، باپ کے بڑے نام کا دباؤ، خاندان کا دباؤ، اس کی حالت بہت خراب ہے۔" رولوکا نے کہا۔

"میں اس کی ذہنی کیفیت پوچھ رہا ہوں۔" میں نے کہا۔

"وہ خاموش ہے کسی بات کا جواب نہیں دیتی۔ سب پریشان ہیں۔ اندر کیا ہے کسی کو پتہ نہیں چل رہا ہے میں کسی کے اندر کی بات کس طرح جان سکتا ہوں۔" رولوکا نے کہا۔

"تم کچھ چھپانے کی کوشش تو نہیں کررہے۔" میں نے کہا۔

"کھیل جس انداز میں شروع ہوا ہے اسی انداز میں چلنے دو۔ میں بتا کر تم کو پریشان نہیں کرنا چاہتا۔ اس کا مطلب یہ نہ لینا کہ آگے کوئی پریشانی کی بات ہے خوشی کی بھی ہوسکتی ہے۔" رولوکا نے کہا۔

"ٹھیک ہے تم پہلی دفعہ مجھے گول گھمارہے ہو۔" میں نے کہا۔

"تم کبھی جھولے پر بیٹھے ہو؟" رولوکا نے پوچھا۔

"جھولے کا کیا ذکر یہاں پر!" میں نے کہا۔

"جھولا ایک جگہ آگے پیچھے ہوتا رہتا ہے اور اس پر بیٹھا آدمی مزا لیتا رہتا ہے۔ جبکہ اس کو پتہ ہے کہ وہ وہیں کا وہیں ہے۔ پھر بھی اس کو مزا آتا ہے کیوں؟"

"مجھے نہیں پتہ۔" میں نے کہا۔

"جو جھولے پر سوار ہے صرف مزا لینے کو سوار ہے۔ اس کو کہیں جانا آنا نہیں ہے۔ تم بھی سواری کرو جھولو اور مزا لو۔" رولوکا نے کہا۔

"پتہ نہیں تم کون سا فلسفہ بیان کررہے ہو میرے تو سر پر سے گزر گیا۔" میں نے کہا۔

"اچھا اب میں چلتا ہوں۔" اور رولوکا چلا گیا۔

❄......❄......❄

عدالت میں چالان پیش کردیا گیا اور بیانات شروع ہوگئے۔ پنڈت شنکر کی طرف سے گواہیاں پیش ہونے لگیں۔ دو گواہ کو چشم بنایا گیا۔ رادھا بیٹی پر احمد حسین نے زور ڈالا اور اس کو زبردستی مسلمان بنایا حالانکہ وہ اس پر راضی نہیں تھی۔ اس کو ہلاک کرنے اس کے خاندان کو تباہ کرنے اور قتل کرنے کی دھمکیاں دی گئیں۔ ایک عورت کو پیش کیا گیا۔ اس نے کہا۔ "رادھا دیوی سخت پریشانی میں اس کے پاس آئی تھی اور اس نے کہا کہ میں سخت پریشان ہوں۔ ایک مسلمان لڑکے نے اس کو خراب کردیا ہے۔ میری مدد کرو میں اس کو ڈاکٹر کے پاس لے کر گئی تھی۔ وہ ڈاکٹر بھی بلائی گئی۔" اس نے کہا۔

"عورت کا بیان درست ہے میرے پاس رادھا آئی تھی۔"

اسی قسم کی گوائیاں پیش ہوتی رہیں۔ کالج کے پروفیسر اور لڑکوں تک کو بلایا گیا سب نے پنڈت شنکر کے حق میں بیان دیئے۔ اب آخر میں رادھا یعنی رخسانہ کا بیان ہوا۔

اس نے آتے ہی عدالت سے درخواست کی کہ اس کو رخسانہ کے نام سے پکارا جائے۔ "میرا نام رادھا اس وقت تھا جب میں ہندو تھی۔ اب میں صاحب ایمان ہوں اور میرا نام رخسانہ احمد حسین ہے۔ میں پڑھی لکھی اور بالغ لڑکی ہوں۔ میں اسلام کو سمجھ کر اور اپنے دل کی مرضی سے مسلمان ہوئی ہوں۔ مجھے کسی نے زبردستی مسلمان نہیں کیا ہے اور اپنی مرضی سے میں نے احمد حسین سے شادی کی ہے اور خود میں نے اس سے درخواست کی تھی کہ وہ مجھ سے شادی کرلے۔ یہ ساری گواہیاں جھوٹی ہیں۔ میں کسی لیڈی ڈاکٹر کے پاس بھی نہیں گئی۔ مجھ پر میرا باپ اور

خاندان والے بہت زور ڈال رہے ہیں اور مجھے زبردستی گھر میں قید کیا ہوا ہے میں عدالت سے درخواست کرتی ہوں کہ مجھے میرے شوہر کے ساتھ جانے کی اجازت دی جائے اور حبس بے جا میں رکھنے کا مقدمہ میرے باپ کے خلاف بنایا جائے۔'' اس ایک بیان سے وکیلوں کے پینل بھاگ کھڑے ہوئے۔ جھوٹی گواہیاں جنہوں نے دی تھیں ان کو اپنی فکر پڑ گئی۔ مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور شہر میں کشیدگی کی فضاء پیدا ہوگئی۔ بڑے بڑے ہندو نیتا میدان میں نکل آئے اور شاہ گنج محلّہ کے چکر کاٹنے لگے۔ پینترا بدلہ گیا اور صلح صفائی کی بات ہونے لگی۔ میرا اور احمد حسین کا بیان ہوا اور رخسانہ کے بیان نے ہمارے بیان پر سچائی کی مہر لگا دی۔ پنڈت شنکر سخت پریشان تھا۔ وہ کوئی نیا راستہ تلاش کر رہا تھا۔ مقدمہ تو وہ ہار ہی چکا تھا رخسانہ احمد حسین کی ساتھ جا چکی تھی۔ حوالات سے میری بھی جان چھوٹ چکی تھی اور میں دلی جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ رولوکا آ گیا اور بولا۔ ''کہاں کی تیاری ہے؟''

''گھر جا رہا ہوں اب یہاں تو کام ختم ہو گیا۔'' میں نے کہا۔

''اور میرا کام اب شروع ہوا ہے۔'' رولوکا نے بتایا۔

''وہ کس طرح۔'' میں نے پوچھا۔

''پنڈت شنکر کچھ کرنے کی کوشش کر رہا ہے وہ ضرور کرے گا۔ میری کسوٹی پر احمد حسین اور رخسانہ پورے اترے ہیں رخسانہ نے جو بیان دیا وہ اس کے اپنے دل کی آواز تھی۔ احمد حسین میدان سے بھاگا نہیں۔ مگر اب ان کے ساتھ پنڈت شنکر جو کرنے جا رہا ہے اس میں، میں ان کی مدد کروں گا اس لئے میں آگرہ میں رکوں گا میری ضرورت ہو تو یاد کر لینا۔'' رولوکا کا بہترین طریقہ کار تھا وہ خود کو منکشف نہیں کرتا تھا اور غیر ضروری باتوں میں نہیں الجھتا تھا۔ اس کا یہ طریقہ ہمیشہ سود مند رہتا تھا۔ اس سے وہ دوسروں کی نقل حمل اور پروگراموں سے آگاہی حاصل کر لیتا تھا اور دوسروں کو اس کے بارے میں پتہ نہیں چلتا تھا۔ سب سے پہلے اس نے اس طریقہ کار کو سوامی شردھانند کے خلاف آزمایا تھا اور سوامی شردھانند اس کی تلاش میں لگ گیا تھا۔ رولوکا نے یہی طریقہ پنڈت شنکر کے خلاف آزمانے کا فیصلہ کیا تھا۔ افریقہ کے لوگ سامنے آ کر مقابلہ کرنے میں اپنی بہادری سمجھتے ہیں۔ مگر یہاں کی ذہنیت دھوکا، فریب، مکاری کو بھی استعمال کرتی ہے۔ یہ بات رولوکا بہت جلد سمجھ گیا تھا اور اس نے اپنے طریقہ کار میں بہت سی تبدیلیاں کر لی تھیں۔ اسی لئے اس نے رخسانہ اور احمد حسین کو ایک امتحان سے گزارا۔ جب وہ اس میں کامیاب ہوگئے تو وہ ان کے ساتھ ہوا مگر پس پردہ۔ رخسانہ کا باپ پنڈت شنکر بے چین تھا اس کی دو کوڑی کی عزت ہوگئی تھی۔ عدالت نے رخسانہ کو اس کے شوہر کے ساتھ جانے کے احکامات دے دیئے تھے اور ساتھ میں پنڈت شنکر کو پابند کر دیا تھا کہ وہ ان کے خلاف کچھ نہیں کرے گا۔ پنڈت شنکر کے سارے وکیل ہزاروں روپیہ کھانے کے بعد بھی خاموش تھے۔ رولوکا نے اس انداز سے سب پر اثر ڈالا تاکہ سب ذہنی طور پر مفلوج ہو گئے تھے۔ وہ لوگ اپنی ہار تسلیم کر چکے تھے۔

''میں کہتا ہوں تم لوگ کچھ نہیں کر سکتے۔ وہ لونڈا میرے سینے پر مونگ دل رہا ہے۔ ارے کوئی ایسا اپائے کرو کہ کوئی کیس اس پر لاگو ہو۔'' پنڈت شنکر غصہ سے بولا۔

''بات یہ ہے سیٹھ جی کہ گائے تو کھونٹے پر ہی کودتی ہے اور ہمارا کھونٹا ہی کمزور ہے۔ رادھا بیٹی نے ہمارا سارا پلان فیل کر دیا اور کورٹ میں بیان سے پہلے اس نے ہوا نہیں لگنے دی کہ وہ کیا کرے گی۔'' دھیان چند وکیل نے کہا۔

''اسی لئے تو میں کسی کو الزام نہیں دیتا اب آگے کی سوچو اور اس طرح چین سے تو اس لونڈے کو میں جینے نہیں دوں گا۔'' پنڈت شنکر بولے۔

''کچھ صبر تو کرنا پڑے گا۔ ابھی سے کچھ کریں گے تو ہر بات اسی کیس سے جڑ جائے گی اور سرکاری مشنری کی

ہمدردیاں اس کے ساتھ ہو جائیں گی۔'' وکیل نے کہا۔
''خرید لو سب کو اور کر دو حملہ۔ دو چار کیس بنا ڈالو۔''
''اور اگر خریدنے کے بعد بھی ایک آدھا پلٹ گیا تو پھر بے عزتی ملے گی اس لئے میں کہتا ہوں کچھ انتظار کرلیں۔'' وکیل دھیان چند نے کہا۔
''میں انتظار نہیں کر سکتا۔ میرے اندر بدلے کی اگنی جل رہی ہے۔ میری بیٹی ایک ملچھ کے گھر میں بیٹھی ہے اور تم مجھے صبر کرنے کا سبق پڑھا رہے ہو۔ ٹھیک ہے تم کچھ نہیں کر سکتے نہ کرو اب میں خود ہی کچھ کروں گا اور ایسا کروں گا کہ دنیا اس سے سبق سیکھے گی۔ تم اپنی قانونی کتابوں کو لوبان کی دھونی دیتے رہو۔ چلو جاؤ مجھے تمہاری ضرورت نہیں ہے۔'' اور پنڈت شنکر نے قانونی طریقہ پر احمد حسین کو زیر کرنے کا پروگرام ختم کر دیا۔ رولو کا پنڈت کے ساتھ تھا۔ اس کی نقل حمل پر اس کی گہری نظر تھی۔
پنڈت آگرہ شہر کے بڑے مندروں کے چکر کاٹ رہا تھا۔ مگر اس کو اپنے مطلب کا آدمی نہیں مل رہا تھا۔ پرتاب پورے کی چڑھائی شروع ہوتے ہی دائیں ہاتھ پر ایک بہت بڑا مندر ہے۔ اس مندر کے عین سامنے ایک اور مندر ہے۔ وہ ہنومان مندر ہے اور یہ بھی بہت بڑا مندر ہے۔ چڑھائی پر کالی مائی کا مندر اور اس کے سامنے ہنومان مندر۔ ہنومان کے بھگت شادی نہیں کرتے۔ ہمیشہ کنوارے رہتے ہیں۔ کالی کے مندر میں کنیائیں اور داسیاں بہت ہوتی ہیں۔ کالی کے پوجا کے پانچ اہم اشلوک ہیں۔ جن کا تعلق مختلف تنزاؤں سے ہے۔ یعنی ممسا (گوشت) متسا (مچھلی اور مدورا) جریا (شراب) میتھونا (جنسی ملاپ) ہر اشلوک پر مندر کے پروہت اشلوک سے متعلقہ اشیاء کی بھینٹ کرتے ہیں۔ اس لئے جنسی ملاپ کے اشلوک کے پڑھتے ہی سب بے قابو ہو جاتے ہیں اور اس کے سامنے ہنومان مندر وہاں پر ہنومان بھگت جو سدا کنوارے رہتے ہیں۔ یہ دونوں مندر شہر کے سب سے زیادہ آباد رہنے والے مندر ہیں۔ شنکر پنڈت کالی کے مندر کے بڑے پجاری سے ملا اور اس نے اپنی ساری کہانی اس کو سنائی تو وہ بولا۔
''گھور پاپ ہو رہا ہے ایک ہندو کنیا ملچھ کے گھر میں رام رام۔''
''تو میں کیا کروں اسی کارن تو آیا ہوں۔'' شنکر پنڈت بولا۔
''اب تو کچھ نہ کر۔ جو کریں گے ہم کریں گے۔ کالی کرے گی پرنتو تم کو پتہ ہے کالی کی آشیرباد لینے کو تو کچھ بھینٹ کرنا پڑتا ہے۔ اس پر خود کو کار بند کرو تو آگے بات چلے گی۔''
''جو حکم کرو میں حاضر ہوں۔'' شنکر بولا۔
''بھینٹ کرنے کو جو خریدنا ہے وہ میں خود خرید لوں گا۔ تم ڈھائی ہزار روپے فوراً ادا کر دو اور شنکر ڈھائی ہزار روپے پجاری کو دے کر چلا آیا۔''
تین روز کے بعد وہ پھر مندر گیا۔ تو پجاری نے بتایا۔ کالی نے اپنے ایک بھگت کی طرف اشارہ کیا ہے مگر وہ آگرہ میں نہیں ہے وہ شہر اندور میں رہتا ہے۔ وہ تمہارا کام کرے گا اور تم کو اندور جانا ہوگا وہاں پر جگت پوری ایک محلہ ہے اس میں کالی کا عالیشان رستھان بنا ہوا ہے اس مندر میں سادھو موہن چوہان رہتا ہے۔ اس سے جا کر کہو مجھے آگرہ سے جگل کشور نے بھیجا ہے اور سب کتھا اس کو بتاؤ۔ وہ ہی یہ کام کر سکتا ہے۔ اب تم جاؤ جب کام ہو جائے تو دیوی درشن کو ضرور آنا۔'' اور شنکر اندور جانے کی تیاریاں کرنے لگا اس کے دل میں نفرت کی آگ جل رہی تھی۔ اس کو سکون نہیں تھا۔ اس آگ کو پجاری نے اور بھڑکا دیا تھا۔ پنڈت شنکر کا اندور تک سفر بہت بے چینی میں گزرا وہ اکیلا ہی آیا تھا اور کسی کو راز دار نہیں بنانا چاہتا تھا۔ حد یہ تھی کہ اس نے اپنی بیوی تک کو نہیں بتایا تھا کہ وہ کہاں اور کیوں جا رہا ہے۔ اندور شہر زیادہ بڑا شہر نہیں ہے مگر چونکہ یہ بھی رجواڑہ ہے اور یہاں پر بھی ایک راجہ کی حکومت رہی ہے اس لئے صفائی ستھرائی ہر طرف نظر آتی ہے۔ راجہ اب برائے نام رہ گیا ہے مگر لوگوں کے دلوں

میں اس کی ہیبت اب بھی ہے۔ لوگ اب بھی راجہ کے ہر ہرکارے سے خوف کھاتے ہیں۔ ہندو تہذیب وثقافت ہر طرف نظر آتی ہے۔ سارا کاروبار ہندوؤں کے پاس ہے مسلمان ان کے ملازم ہیں یا راجہ کی پولیس میں ملازم ہیں۔ محلہ جگت پوری اندور کا ایک بڑا محلہ ہے یہاں پر اکثر آبادی ہندوؤں پر مشتمل ہے۔ جگہ جگہ مندر بنے ہوئے ہیں۔ سب نے اپنی اپنی پسند کے دیوی دیوتاؤں کے مندر بنا رکھے ہیں اور بعض تو لب سڑک ہی بنے ہیں۔ بڑے مندروں میں کالی کا مندر ہے۔ وہ ہندوؤں کی گھنی آبادی کے اندر ہے اور مندر کے چاروں طرف کالی کے پجاری اور ماننے والے رہتے ہیں۔ اسی لئے اس علاقے میں بے راہ روی زیادہ ہے مگر یہ لوگ اس کو دیوی کا دردان کہتے ہیں۔ یہ لوگ مدھیا اور میتھونا کے اشلوک بڑے شوق سے پڑھتے ہیں یہ دونوں اشلوک ملاپ اور قربانی کے ہیں۔ پنڈت شنکر دوپہر دو بجے اس مندر کے دروازہ پر پہنچا اور اس نے سادھو موہن چوہان کا پوچھا۔

''اندر آ جایئے سادھو اپنی کٹیا میں ہیں۔ میں ان کو خبر کرتا ہوں۔'' اور چوکیدار اندر چلا گیا اور کچھ ہی دیر میں واپس آ گیا اور بولا۔ ''آپ میرے ساتھ آ ئیں۔'' اور اس کو ایک صاف ستھرے کمرے میں بٹھا دیا گیا۔ چوکیدار کے جاتے ہی ایک چھوٹے قد کا مگر مضبوط جسم کا آدمی آ گیا جس کے جسم پر صرف ایک پیلی دھوتی تھی چہرہ داڑھی مونچھ سے بے گانہ تھا اور ماتھے پر تین لکیریں سفید رنگ کی پڑی ہوئی تھیں سر پر بال نہیں تھے مگر چوٹی نظر آ رہی تھی۔ اس نے آتے ہی ایک گہری نظر سے پنڈت شنکر کو دیکھا اور بولا۔ ''بول بچہ کیا بات ہے میں ہی سادھو موہن چوہان ہوں۔''

''میں ایک سنکھٹ میں پڑا ہوں سادھو جی!'' شنکر نے کہا۔

''دیکھ رہا ہوں۔ میں اندھا نہیں ہوں۔'' سادھو نے کہا۔

''تو پھر اس کا اُپائے کر دیں۔'' شنکر نے کہا۔

''پوری کتھا تو سنا دے۔ مجھے بھی تو پتہ ہو کہ میری شکتی نے جو بتایا ہے وہی ہے کہ کچھ فرق تو کر رہا ہے۔'' سادھو نے کہا۔

''میں کیوں فرق کروں گا سادھو جی جو گزری ہے وہی بتاؤں گا۔'' اور شنکر نے ساری کہانی ہو بہو بیان کر دی۔

''ٹھیک ٹھیک یہی میری شکتی کہتی ہے۔ اب تو فکر نہ کر۔ اس ملچھ کے دن پورے ہو گئے۔ جا تو آرام سے اپنے گھر جا۔ مگر جانے سے پہلے کچھ کالی پوجا ہونے والی ہے۔ بھینٹ بھی دینا ہے اور دوسرے انتظام بھی کرنا ہیں۔ زیادہ نہیں صرف تین ہزار روپے کا بندوبست کر دے۔'' اور شنکر نے فوراً تین ہزار ادا کر دیئے۔ نوٹ پا کر سادھو کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی اور شنکر پنڈت واپس چلا آیا اور انتظار کرنے لگا کہ کب احمد حسین کی طرف سے کچھ خبر ملے اور وہ اپنی بیٹی کو حاصل کرے۔ مگر ایک مہینہ گزر گیا کچھ نہ ہوا۔ اس نے سوچا دیر تو ایسے کاموں میں ہو جاتی ہے شاید دوسرے مہینہ کچھ ہو گا۔ مگر دوسرا مہینہ بھی گزر گیا اور وہ دوڑا ہوا سادھو کے پاس گیا۔ مگر سادھو وہاں پر نہیں تھا۔ پجاری نے بتایا کہ سادھو کو گئے ڈیڑھ مہینہ گزر گیا ہے تمہارے جانے کے بعد ہی چلے گئے۔ کچھ بتایا بھی نہیں خاموشی سے ہی نکل گئے اور ایسا پہلی بار ہوا ہے۔ پنڈت بڑا نا امید ہوا اور واپس آگرہ آ گیا۔ آگرہ کے قریب ہی ایک گاؤں ہے کرولی وہاں پر ایک تالاب ہے۔ اس کا نام رام تلیا ہے وہاں پر ہر سال ایک میلا لگتا ہے۔ اس میلے میں بڑے بڑے دھرماتی سادھو سنت آتے ہیں اور بہت دور دور کے ہندو یہاں آتے ہیں۔ رام تلیا کے چاروں طرف کھیت ہیں اور بہت زرخیز زمین ہے۔ میلے سے دو روز پہلے ہی تیاریاں شروع ہو جاتی ہیں۔ شہر کے بھی دکاندار اپنی دکانیں یہاں سجاتے ہیں۔ تالاب کے درمیان میں وشنو دیوتا کا مندر ہے اس دیوتا کو دیوتا سورج ظاہر کیا گیا ہے اس دیوتا کی بڑی اہمیت ہے۔ یہ اشیاء کی حفاظت اور امانت کا ذمہ دار دیوتا ہے۔ یہ

رحم کا بھی دیوتا کہلاتا ہے وشنو کی پرستش کرنے والوں کی یہ علامت ہے کہ وہ ہر صبح گیرو سے اپنی پیشانی پر وشنو کی علامت مثلث کا نشان بناتے ہیں۔ اس لئے یہاں میلے پر آئے لوگ ماتھے پر مثلث کا نشان بنائے پھرتے ہیں اور وشنو کے سادھو کثرت سے آتے ہیں۔ رام تلیا کا یہ میلہ مقامی لوگوں کا میلہ ہے مگر پھر بھی دور دور سے لوگ آتے ہیں۔ جو لوگ مندر تک آتے ہیں وہ چڑھاوے کے طور پر تلیا میں ریزگاری اور روپے ڈالتے ہیں یہ بعد میں نکال لی جاتی ہے۔ شنکر پنڈت نے فیصلہ کیا کہ وہ رام تلیا میلہ ضرور دیکھے گا۔ اس کا مقصد تو کچھ اور تھا اس میلے میں جانے سے پہلے پورے انتظامات کرائے ایک بہت بڑی جگہ بنائی۔ یہاں پر وشنو بھگوان سیوا کا ایک بورڈ لگوایا اور میلے میں آئے سادھو سنتوں کی خدمت کرنے کو چار نوکر رکھ دیئے اور ان کے بھوجن اور ٹھہرنے کا بھی بندوبست کر دیا۔ اس سے وہ دو فائدے اٹھانا چاہتا تھا ایک تو دھرم سیوا۔ دوسرے کسی ایسے آدمی کی تلاش جو احمد حسین سے اس کی بیٹی کو دلا سکے۔ دھرم سیوا میں تو اس کا نام خوب ہو رہا تھا مگر دوسری خواہش پوری نہیں ہو رہی تھی۔ دو جگہ وہ رقم خرچ کر چکا تھا مگر فائدہ کچھ نہیں ہوا تھا۔ اس لئے وہ اب کسی پر اندھا اعتماد نہیں کر سکتا تھا۔ میلا بھر چکا تھا۔ اطراف کی سب طرف کے ہندو اور میلا دیکھنے کے شوقین لوگ آ چکے تھے۔ آگرہ شہر میں کم مگر دیہات میں راجستھانی اثرات بہت ہیں۔ یہاں پر لباس اور رنگ وہی پسند کئے جاتے ہیں جو راجستھانی لوگ پسند کرتے ہیں اور زبان بھی کچھ اسی قسم کی بولی جاتی ہے۔ سرخ یا پیلی تیز رنگ کی چولی اور لہنگا عورتوں کا لباس ہوتا ہے۔ مرد دھوتی سلوکا استعمال کرتے ہیں۔ عورتیں رنگ برنگی اوڑھنیاں سر پر لیتی ہیں او رمرد رنگ برنگی پگڑیاں پسند کرتے ہیں۔ مرد عورت دونوں محنت کش ہیں یہ لوگ میلے ٹھیلوں کے بہت شوقین ہوتے ہیں۔ اس لئے سب کام چھوڑ کر میلہ دیکھنے ضرور آتے ہیں۔ ان لوگوں کے دم سے ہی میلوں میں رونق ہوتی ہے۔ اپنی اپنی بیل گاڑیوں میں رنگ برنگ پردے اور

بیلوں وک سجا کر یہ آتے ہیں اور ان کی عورتیں پورے سفر میں ڈھولک پر اپنے لوک گیت گاتی آتی ہیں۔ آگرہ شہر کے لوگ اس میلے میں شرکت کرتے ہیں۔ مگر شام کو گھر چلے جاتے ہیں اور دور دور سے آئے لوگ رام تلیا پر ہی رہتے ہیں اور وشنو بھگوان کا مندر اور رام تلیا کے چاروں طرف تین روز تک بہت رونق رہتی ہے۔ پنڈت شنکر سادھو سنتوں کی خدمت میں لگا ہوا تھا۔ وہ ہر طرف گھوم پھر کر سادھو جوگی اور اسی قسم کے لوگوں کی تلاش کر رہا تھا۔ دوسرا روز تھا مگر اب تک اس کی نظر میں کوئی قابل ذکر آدمی آیا نہیں تھا۔ پنڈت شنکر وشنو بھگوان کے مندر کے دروازے پر کھڑا تھا کہ اس کے کاندھے پر کسی نے ہاتھ رکھ دیا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو ایک اوپر سے برہنہ جسم دھوتی باندھے ماتھے پر تلک لگائے ایک بھاری بدن شخص کھڑا آنکھیں مٹکا رہا تھا۔ اس کے چہرے پر شوخی چھائی ہوئی تھی۔ دونوں ہاتھ کمر پر تھے اور پنڈت کو گھور رہا تھا۔ پنڈت سے نظریں ملیں تو بولا۔ ”جلدی کر گاڑی جانے والی ہے۔“

”تم کس گاڑی کی بات کر رہے ہو مہاراج۔“ پنڈت شنکر نے پوچھا۔

”ارے مورکھ اسی گاڑی کی جو تجھ کو نہیں ملتی۔ ہم ہیں کاشی رام۔ بھجن کیرتن کرنے والے نہیں ہم اور نہ وچھنا کے لوبی ہیں۔ رام کتھا بھی نہیں سناتے اب آگے بول کیا کہتا ہے؟“

”میں کیا کہوں مہاراج آپ تو خود ہی سب جانتے ہیں۔ بہت دھوکے کھا چکا ہوں۔“

”اور بھی کھائے گا ارے کم عقل تو نے ہاتھ ہی غلط جگہ ڈالا ہے اور ڈالا بھی تھا تو شانتی رکھتا۔ گرم گرم تو منہ ہی جلائے گا۔ اب کیا ہوگا اندھیرا ہے سب طرف۔ کیا بتائیں۔ تیری ریکھائیں دیکھی تو بول پڑے۔ کیا کرتے مجبور تھے۔“

”ایک بنتی کروں مہاراج!“ پنڈت شنکر نے کہا۔

”بول کیا کہتا ہے؟“

''آپ تو انتریامی ہیں۔ میری ریکھائیں میری کٹھنائیاں بتا رہی ہیں اور آپ نے ان کو پڑھ بھی لیا ہے۔ تو ان سب کا کچھ تو اپائے ہوگا۔ میرا بیاکل من کس طرح شبا سنت منٹ ہوگا۔'' پنڈت شنکر نے کہا۔

''ہوگا تو مگر اتنی جلدی نہیں۔ تو نے مایا کے زور پر گرم گرم کھایا ہے اور منہ جلا لیا ہے۔ اس کی تکلیف تو بھوگنا ہوگی۔ میری بات اچھی طرح سن لے ہر جگہ مایا شکتی کام نہیں آتی اور ہر جگہ کا یا شکتی بھی کام نہیں آتی۔ ضرورت جس چیز کی ہو وہی کام کر واس سے آگے مت آؤ۔ اس دنیا میں وہ ہے جو تیری میری سمجھ سے باہر ہے۔ میلا ختم ہونے دے میں وشنو بھگوان کے پاس ہوں پھر آ جانا، اب جا۔''

اور پنڈت شنکر خوشی خوشی آ گیا۔ اس کا جو مقصد تھا وہ پورا ہوا۔ اب شاید اس کی تمنا پوری ہو جائے۔ دو دن کے بعد میلہ ختم ہو گیا۔ لوگ ایک ایک کر کے چلے گئے۔ دکاندار بھی آہستہ آہستہ چلے گئے۔ پنڈت شنکر کے آدمی بھی سب چلے گئے مگر پنڈت نہیں گیا اور آخری پوجا کے بعد وہ مندر گیا تو کاشی رام نے کہا۔ ''مجھے پتہ تھا تو نہیں جائے گا۔ اندر آ گ ہو تو منش چین نہیں پاتا۔ تیری غلطی نہیں ہے۔ مگر تو جس کے لئے بے چین ہے مجھے تو وہ چین میں اور شانت نظر آتی ہے۔ ہر ماتا پتا کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ ان کی سپوتری سکھی رہے پھر بتا تو کیوں بے چین ہے۔''

''وہ ایک ملچھ کے گھر میں ہے۔ میں چین سے کیسے رہ سکتا ہوں۔'' شنکر بولا۔

''مگر اس ملچھ نے اس کو زبردستی تو نہیں رکھا ہوا۔ وہ اپنی مرضی اور خوشی سے اس کے ساتھ ہے۔ اگر معاملہ زبردستی کا ہوتا تو تیرا کیس مضبوط ہوتا۔ مگر تو یہاں ہار رہا ہے اور احمد حسین جیت گیا ہے۔ اب تو اس کو بھول جا یہی بہتر ہے۔''

''آپ کیا کہہ رہے ہو مہاراج! ذات برادری اور پورے دھرم کی بدنامی کی بات ہے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہوگا۔'' پنڈت شنکر نے کہا۔

''میں کرنے کو بہت کچھ کر سکتا ہوں۔ مگر میری ایک بات یاد رکھنا۔ تیری بیٹی تیری نہیں رہی وہ اب احمد حسین کی بیوی ہے اس کی وفادار ہے۔''

''مگر میں اس کو ایک دفعہ واپس اپنے گھر لانا ضرور چاہتا ہوں۔ اس کو آپ میری ضد کہہ لیں میرے دھرم کی ضد کہہ لیں۔ ایک دفعہ صرف ایک دفعہ اس کو میرے گھر لے آئیں میں جو خدمت آپ کہیں کروں گا۔''

''بات دھرم کی بیچ میں تو لے آیا ہے۔ کچھ تو کرنا پڑے گا۔ میں مندر میں ہوں شام کو آ جانا۔ اب جا۔''

پنڈت شنکر کو چین کہاں تھا دوسرے دن مندر پہنچ گیا۔ ''آ گیا بہت بے چین ہے۔'' کاشی رام نے کہا۔

''میرے من کے اندر کیا ہے آپ تو جانتے ہیں۔'' شنکر نے کہا۔

''سب جانتا ہوں۔ میری شکتی نے مجھے سب بتا دیا ہے۔ پرنتو میں پھر یہی کہوں گا کہ تو بدلے کی بھاؤنا چھوڑ دے۔'' کاشی رام نے کہا۔

''مہاراج یہ میری عزت کا معاملہ ہے۔ میرے ساتھ آگرہ کی برہمن برادری کی عزت کا بھی معاملہ ہے۔ قانونی طور پر وہ صاف نکل گیا ہے اب جو کرنا ہے آپ کو ہی کرنا ہے۔ یہ میری بنتی ہے۔ اگر کچھ نہ ہوا تو آگے مسلوں کے حوصلے اور بڑھ جائیں گے۔'' شنکر نے کہا۔

''اچھا ٹھیک ہے تو ضد کرتا ہے تو بول اس کو کیا سزا دیں؟'' کاشی رام نے کہا۔

''کوئی ایسا اپائے کریں کہ احمد حسین کا ہی ٹنٹا ختم ہو جائے پھر ہم اپنی بٹیا کو گھر لے آئیں گے۔ کوئی ایسا طریقہ ہو کہ کسی پر الزام نہ آئے اور کام ہو جائے۔'' شنکر پنڈت نے اپنے دل کی بات بتائی۔

''اچھا ٹھیک ہے کرتے ہیں کچھ۔'' اور پنڈت شنکر خوشی خوشی گھر چلا آیا۔ اس کے جانے کے بعد کاشی رام کے پاس ایک سپیرا آ گیا۔ اس کے گلے میں بہت سی مالائیں پڑی تھیں اور دو تین پٹاریوں میں دو تین سانپ تھے۔ اس نے زور سے کہا۔ ''کاشی رام مہاراج کی جے

ہو۔''

''تو کون ہے رے اور میری جے جے کار کیوں کر رہا ہے۔'' کاشی رام نے پوچھا۔

''ایک کام تم کو کرنا ہے میں وہی کرنے آیا ہوں۔ یہ دیکھ رہے ہو پٹاری میں کیا ہے۔ یہ سانپ پورے وش کے ساتھ موجود ہے۔اس کا کاٹا پانی نہیں مانگتا تم کو اس کی ضرورت ہے یہ مجھے پتہ ہے بولو تو آزمائش کرا دوں۔'' سپیرے نے کہا۔

''پہلے تو یہ بتا تجھے پتہ کیسے چلا کہ مجھے اس کی ضرورت ہے۔'' کاشی رام نے پوچھا۔

''مہاراج اب کیا بتائیں تم جیسے مہان پرشوں کی خدمت کرتے کرتے کچھ تو جان لیا ہے کچھ خود سمجھ لیا ہے آپ کے حکم کے غلام ہیں۔'' سپیرے نے جواب دیا۔

''تو تجھے یہ بھی پتہ ہوگا کہ کیا کام کرنا ہے۔'' کاشی رام بولے۔

''اتنی دور کی بات نہیں سمجھ آتی حضور!'' سپیرے نے کہا۔

''مجھے ضرورت تو ہے مگر خطرہ یہ ہے کہ کوئی اور نشانہ نہ بن جائے۔'' کاشی رام نے کہا۔

''یہ تو آپ کی شکتی پر ہے کہ بٹیا کو بچائیں اور ٹھیک نشانے پر تیر چھوڑیں۔'' سپیرا بولا۔

''تم اس کام کو آسان سمجھتے ہو...... سانپ کو کنٹرول کرنا بہت مشکل ہے اس کے سامنے جو آئے گا وہ اس کو ڈس لے گا اس طرح تو وہ کنیا بھی اس کا شکار ہو جائے گی جس کو حاصل کرنا ہی مقصد ہے۔نہیں بھئی میں ایسا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔'' کاشی رام نے فیصلہ سنا دیا۔''ایک بات کہوں مہاراج!'' سپیرا بولا۔

''آپ یہاں شکتی کے مالک ہیں۔ یہ کیڑے مکوڑوں کو کنٹرول نہیں کر سکتے۔''

''ان پر کس کا بس چلا مورکھ۔'' کاشی رام ناراضگی سے بولا۔

''تو پھر آپ کی شکتی ادھوری ہے سرکار! اس کام میں ہاتھ نہ ڈالیں جو نہ کر سکیں۔میری تو یہی رائے ہے۔'' سپیرے نے کہا۔

''کیا بکواس کئے جا رہا ہے۔ تجھے کیا پتہ دو چار سانپ پکڑ لئے اور چلا ہے مجھے مشورہ دینے۔'' کاشی رام اب پوری طرح غصہ میں آ گیا تھا۔

''آپ تو ناحق ناراض ہو رہے ہو مہاراج۔ یہ تو کیڑے مکوڑے ہیں آپ حکم کرو تو کسی بڑے خباور سے کرتب دکھلائیں۔'' سپیرے نے کہا۔

''تو کیا کرتب دکھلائے گا بول۔'' کاشی رام بولا۔

''یہ دیکھ رہے ہو گئو ماتا جو سامنے چر رہی ہے۔'' سپیرے نے پوچھا۔''یہ مندر کے گئوشالہ میں رہتی ہے۔ بہت سیدھی ہے کسی کو اس نے آج تک سینگ نہیں مارا میری بات کی تصدیق چاہو تو کر لو۔'' مہاراج سپیرے نے کہا۔

''اب آگے بھی بول۔'' کاشی رام بے چینی سے بولا۔

''یہ تم پر حملہ کرنے والی ہے اپنی شکتی کے زور پر اپنا بچاؤ کر سکتے ہو تو کر لو۔ سپیرے نے یہ کہا اور گائے کی طرف دیکھا اور گائے آندھی کی طرح دوڑتی کاشی رام کی طرف آئی۔ کاشی رام نے کوئی منتر پڑھ کر گائے کی طرف پھونک ماری اور گائے کے بدن میں آگ لگ گئی۔مگر وہ رکی نہیں اور ایک زوردار دھماکے کے ساتھ کاشی رام سے ٹکرائی کاشی رام اچھل کر رام تلیا میں گر پڑا۔ اس کے ساتھ ہی گائے بھی تلیا میں گری اور کسی بھاری پتھر کی طرح ڈوب گئی۔لوگوں نے دوڑ کر کاشی رام کو تلیا سے باہر نکالا۔ وہ بہت بری طرح زخمی ہو گیا تھا مگر زندہ تھا۔کاشی رام کا علاج شروع ہوا اور سپیرا خاموشی سے رخصت ہو گیا۔

تین دن کے بعد کاشی رام کو ہوش آیا تو وہ سب سے پہلے بولا۔''وہ سپیرا کہاں ہے جو میرے پاس آیا تھا؟''

''کون سپیرا مہاراج؟'' سب نے حیرت سے کہا۔

''ارے وہی جو مجھ سے باتیں کر رہا تھا۔'' کاشی رام نے اصرار کیا۔

''آپ آرام کرو مہاراج پتہ نہیں کس سپیرے کی بات کر رہے ہو۔'' پجاری نے کہا۔

''ارے مورکھ اس کے کہنے سے تو گئو ماتا نے مجھ پر حملہ کیا تھا۔ میں نے اس کو روکنے کو منتر پڑھا تھا مگر وہ رکی نہیں اور مر گئی ہوگی۔''

''ہاں مہاراج گئو ماتا تو تلیا میں ڈوب گئی۔'' بڑی سیدھی اور اچھی گئو ماتا تھی۔

''اس کو اسی سپیرے نے مجھ پر حملہ کرنے کو کہا تھا۔'' کاشی رام نے کہا۔

''یہ بات ہماری تو سمجھ میں نہیں آتی۔ آپ کی سمجھ میں آتی ہے تو بتائیں۔'' پجاری بولا۔

''وہ سپیرا نہیں تھا اس نے وہ کام کر دیا جو ہماری شکتی کبھی نہیں کر سکتی۔ ہم اگر یہ کام کرنا چاہیں تو بہت لمبا چکر کاٹ کر جانا پڑے گا اور پھر بھی وہ کام ہمارے کہنے سے نہیں اور کسی کے کہنے سے ہوگا۔ مجھے اس کو تلاش کرنا ہوگا۔'' کاشی رام نے کہا۔

''اس کو کس طرح تلاش کریں گے مہاراج!'' پجاری نے پوچھا۔

''اس کا بھی کوئی اپائے نکالیں گے۔'' کاشی رام بولا۔

''کس طرح مہاراج!'' پجاری نے پھر پوچھا۔

''اس کا پتہ صرف دو طرح ہی چلے گا۔ ایک پنڈت شنکر اور دوسرا احمد حسین۔ ان دو کو قابو کرنا ہوگا۔ وہیں سے راستہ ملے گا۔ بس سرا ہاتھ آ گیا تو کام بن جائے گا تم شنکر پنڈت کو بلواؤ۔ بعد میں احمد حسین کو دیکھیں گے۔''

پنڈت شنکر دوڑا دوڑا آیا اور بولا۔ ''کیا حکم ہے مہاراج!''

''تو یہ بتا کسی سپیرے کو جانتا ہے؟'' کاشی رام نے پوچھا۔

''سپیرے کو! میں تو کسی سپیرے کو نہیں جانتا۔'' وہ بولا۔

''غور کر لے خوب اچھی طرح۔'' کاشی رام نے کہا۔

''نہیں مہاراج میں آپ سے جھوٹ تو نہیں بولوں گا۔'' وہ پھر بولا۔

''سن ایک آدمی سپیرے کے بھیس میں آیا تھا اور مجھ پر وار کر گیا۔ میں اپنی شکتی کی وجہ سے زندہ بچ گیا۔ میں اس کو تلاش کر رہا ہوں۔'' کاشی رام بولا۔

''رام رام یہ تو بہت برا ہوا۔ تو کیا وہ آپ سے بھی بڑی شکتی کا آدمی تھا وہ!'' پنڈت نے پوچھا۔

''لگتا تو نہیں تھا اور اس کے بارے میں میری کسی شکتی نے ذرا سا اشارہ بھی نہیں کیا پر وہ کام بہت بڑا کر گیا۔'' کاشی رام بولا۔

''یہ تو آپ ہی سمجھ سکتے ہیں مہاراج۔'' شنکر پنڈت بولا۔

''اچھا ٹھیک ہے تو جا۔'' اور پنڈت شنکر واپس چلا گیا۔

اب احمد حسین کو بلوانا تھا۔ کاشی رام یہ جانتا تھا کہ وہ مندر تو آئے گا نہیں اس لئے وہ شاہ گنج کے چوراہے پر جا کر کھڑا ہو گیا اور اپنے ساتھ شنکر کو رکھا تا کہ وہ اس کو پہچان لے کئی روز گزر گئے آخر ایک دن احمد حسین اس کو نظر آ گیا وہ لپک کر اس کے سامنے جا کھڑا ہوا اور بولا۔

''ٹھہر و بچہ تجھ سے ایک کام آ پڑا ہے۔'' احمد حسین اکیلا تھا کھڑا ہو گیا اور بولا۔ ''کہو مہاراج کیا بات ہے؟''

''تیرا ایک متر ہمارے پاس آیا تھا اور وہ سپیرا تھا۔ ہم نے اس کی آؤ بھگت کی اور وہ ہم پر ہی وار کر گیا۔ ہمیں اس کا پتہ بتا دے وہ کہاں ہے اور ہاں یہ ہم بتائے دیتے ہیں کہ ہمارے سامنے جھوٹ نہیں بولنا اور اگر بولا تو اس کا ذمہ دار تو ہی ہوگا۔ ہمارا نام مہاراج کاشی رام ہے اور ہم رام تلیا کے وشنو مندر میں رہتے ہیں۔'' احمد حسین نے بڑے سکون سے اس کی بات سنی اور بولا۔ ''مہاراج میرا تو کوئی سپیرا جاننے والا نہیں ہے۔ میں کیوں جھوٹ بولوں گا۔''

''دیکھ ہمیں شکتی آزمانے کو مجبور نہ کر اگر ہم نے اپنے کسی بیر کو تیرے ساتھ لگا دیا تو زندگی اجیرن ہو جائے گی۔ ابھی ہم کو صرف اس سپیرے کی تلاش ہے بس......''

''آپ میرے جھوٹ سچ کو اپنی شکتی پر پرکھ سکتے ہو تو ضرور پرکھ لو اگر میں جھوٹا ہوں تو آپ کو اختیار ہے کہ مجھے سزا دیں۔'' احمد حسین پرسکون تھا۔

''وہ بھی کریں گے ضرور کر۔ تو ہم سے دور نہیں ہے۔'' اور احمد حسین واپس چلا گیا۔

کاشی رام کو دونوں جگہوں پر ناکامی ہوئی۔ وہ اتنا بڑا جادوگر نہیں تھا کہ خود سے کچھ پتہ کر لیتا۔ لوگوں کو متاثر کرنے کو کچھ شعبدے جانتا تھا اور ہندو قوم کی نفسیات کو خوب جانتا تھا اور اس سے پورا فائدہ اٹھاتا تھا۔ مندر کے پجاری اور سب لوگ یہ جانتے تھے کہ ایک سپیرا مہاراج پر حملہ کر کے گیا ہے اور مہاراج اس سپیرے کی تلاش میں ہیں مگر وہ ان کو نہیں مل رہا ہے۔ مہاراج کی شکتی پر دل ہی دل میں شک وشبہ پیدا ہو رہا تھا۔ اس کا احساس کاشی رام کو تھا مگر اس کو کوئی راستہ فرار کا نظر نہیں آ رہا تھا۔ اسی دوران ایک بنگالی مندر میں آیا اور کاشی رام سے ملا۔ ''ہم چٹا گانگ کے بربتی علاقے سے آیا ہے۔'' وہ بولا۔

''ادھر کیوں آیا ہے؟''

''ہم سیلانی منش ہے جدھر منہ ہوتا ہے چلتا ہے۔ ادھر کو ہم کو کچھ کام نہیں ہے۔ وہ بولا۔

''تیرا نام کیا ہے؟''

''ہمرا نام پورن چکرورتی ہے ہمارا گرو کا نام بھیا چکرورتی ہے۔ ہم لوگ ادھر پہاڑوں اور جنگل میں رہتا ہے۔ ادھر ہم کو ایک سپیرا ملا تھا۔ وہ ہم کو بہت اچھا لگا بہت بڑا کاریگر تھا وہ۔ جادو تو اس کو نہیں آتا تھا۔ پر جناور کا بولی جانتا تھا۔ جنگل کا سب جانور اس کا دوست تھا۔ اس کا کہنا مانتا تھا۔ کیڑا مکوڑا بھی اس کا بات جانتا تھا۔ ہم پہلے ایسا آدمی نہیں دیکھا تم نے دیکھا ایسا آدمی!'' پورن بولا۔

''ہاں ایک آدمی دیکھا تھا مگر اس کے بعد میں اس کو تلاش کر رہا ہوں نہیں ملتا۔'' کاشی رام نے کہا۔

''ہم بتاتا ہے تم ادھر جاؤ ملے گا؟'' پورن بولا۔

''تم کو یقین ہے۔ وہ ادھر ملے گا؟'' کاشی رام نے کہا۔

''وہ ادھر ایک نر سانپ کی کھوج میں آیا ہے وہ ادھر ہی رہتا ہے۔''

''تم کو پتہ ہے اس کی شکتی کتنی ہے؟'' کاشی رام نے پوچھا۔

''ہمرا خیال ہے اس کے پاس صرف جناور کا شکتی ہے اور کوچھ نہیں ہے۔'' تم ڈرتا ہے۔ ارے تم تو خود مہان شکتی والا ہے۔'' پورن نے کہا۔

کاشی رام اپنی تعریف سن کر خوش تو ہوا مگر اس کو اپنا وزن معلوم تھا۔ وہ ایک حملے ہی میں لمبا لیٹ گیا تھا۔

''تم کیا سوچتا ہے ہم تم کو ادھر کا پورا پتہ دے گا۔ تم بولے گا تو ساتھ بھی جائے گا جو تم خدمت بولے گا کرے گا۔'' پورن نے کہا۔

''وہ تمہارا گرو کیا بہت شکتی والا ہے؟'' کاشی رام نے پوچھا۔

''ہمارا گرو کالی کا بھگت ہے ہم بھی ہے پر وہ بہت بڑا جادوگر ہے۔ پورا بنگال اس کو مانتا ہے۔'' پورن نے جواب دیا۔

''وہ ہماری مدد کرے گا؟'' کاشی رام نے کہا۔

''ہم بولے گا تو ضرور کرے گا۔'' پورن نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے تم مندر میں رہو چلنے کی تیاری کرتے ہیں۔'' کاشی رام نے کہا۔

''ہم ایک بات بولے گا آپ برا تو نہیں مانے گا؟'' پورن نے کہا۔

''ہم بھکاری نہیں ہے خرچا ہمارا پاس نہیں ہے ہم تمہارا ساتھ جائے گا سب خرچا تم کرے گا۔'' پورن نے کہا۔

''ارے تم اس کی فکر مت کرو۔ ہم لوگ جس کے کام سے جائیں گے وہ خود ہم کو دے گا۔'' کاشی رام نے کہا۔

"بھوہت اچھا ہم تیار ہے۔" پورن چکرورتی بولا۔
"مگر ادھر ایک کام پہلے کرنا ہے۔" کاشی رام بولا۔
"اور کیا کرنا ہے؟" پورن نے پوچھا۔
"ایک ملیچھ ہے۔اس کو ختم کرنا ہے۔" کاشی رام بولا۔
"وہ کام ہم کرے گا۔ بولو وہ کدھر ہے۔" پورن بولا اور کاشی رام نے احمد حسین کا گھر اس کو دکھا دیا۔ "اب تم فکر مت کرو سوب کام ہم کرے گا۔" پورن بولا۔ کاشی رام خوش ہوا اس کام کے بدلے پنڈت شنکر سے رقم مل جائے گی۔ تین روز کے بعد پورن نے کہا۔ "سوب کام ہو گیا۔ ہم اس کو اور اس کا بیوی کو غائب کر دیا ہے۔"
"ارے تو نے یہ کیا غضب کر دیا۔ اس کی بیوی تو ہندو تھی۔ اس کو تو بچانا تھا۔ اب پنڈت کو کیا جواب دیں گے۔ مروا دیا تو نے۔" کاشی رام غصہ سے بولا۔
"تم ہم کو منع کب کیا تھا۔ ہم تو آدمی کو اٹھایا تھا۔ اس کا عورت بیچ میں آ گیا۔ ہم اس کو بھی اٹھا لیا اور دونوں کو آگرہ برج سے جمنا میں ڈال دیا۔"
"ابے تو نے مروا دیا۔" کاشی رام غصے سے بولا۔
"اب ہم کیا کرے تم جو بولا ہم نے کر دیا۔" پورن معصومیت سے بولا۔
"اچھا تو اب جا تیری بڑی مہربانی تو نے میرا ایک کام کر دیا۔" کاشی رام تھک کر بولا۔
"اب ہم کب آئے تو م بنگال ہمارے ساتھ جائے گا نا!" پورن کے چہرے پر اب بھی معصومیت برس رہی تھی۔
"میں تیرے ساتھ جانے سے پہلے ہی بھر پایا۔ مجھے معاف کر دے میرے باپ۔ تو نے تو وہ کام کر دیا ہے کہ میں پنڈت کو منہ دکھانے کے قابل نہیں ہوں۔" پورن کے جانے کے بعد خاموشی سے کاشی رام اپنا جھولا لٹکائے مندر سے نکل گیا اور نہ معلوم منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔

❄ ..... ❄ ..... ❄

"تو تم نے یہ ڈرامہ کیا وہ کہاں گیا کچھ پتہ ہے؟"
"اسٹیشن تک میں اس کے ساتھ تھا۔ وہ بمبئی کا ٹکٹ لے رہا تھا۔" احمد حسین اور رخسانہ کو تمہارے پاس اس لئے چھوڑ گیا تھا کہ میرا ڈرامہ مکمل ہو جائے اور کاشی رام خود آگرہ سے بھاگ جائے۔ اب وہ گیا شنکر پنڈت تو وہ اپنی بیٹی اور احمد حسین کو تلاش کرے۔ سب اس کو یہی بتائیں گے کہ وہ لوگ غائب ہیں اور کاشی رام بھی گدھے کے سینگوں کی طرح غائب ہے تو وہ بھی ٹھنڈا ہو جائے گا۔ تم احمد حسین کو ادھر کام پر لگا لو یہی بہتر ہے۔" رولو کا نے کہا۔
"وہ تو میں کر لوں گا تم کو یقین ہے کہ پنڈت شنکر اب کوئی گڑبڑ نہیں کرے گا۔" میں نے کہا۔
"امید تو یہی ہے مگر میں اس پر ایک بندہ لگا دوں گا۔ اگر اس نے پھر کچھ کرنے کی کوشش کی تو وہ اس کو سبق سکھا دے گا۔ رولو کا نے جواب دیا۔
"اب کیا پروگرام ہے؟" میں نے پوچھا۔
"تم یہ بتاؤ تم نے اپنے پرانے دوست گنگا دھر کی بابت بھی پتہ کیا ہے؟" رولو کا نے پوچھا۔
"کیوں اس کو کیا ہوا؟" میں نے پوچھا۔
"اس کو پھر تمہاری یاد آ گئی ہے۔" رولو کا نے جواب دیا۔
"بڑا بے حیا اور ضدی آدمی ہے۔ اب کیا گل کھلا رہا ہے؟" میں نے پوچھا۔
"اس کا رابطہ آج کل ایک مہارِشی کلیان سوبھراج سے قائم ہے۔ میں نے آتے ہی اس کی خبر لی تھی۔ وہ کلیان سوبھراج کے دھرم شالہ میں اس کے پاس موجود تھا۔" رولو کا نے جواب دیا۔ "کہاں ہے اس کی دوشالہ!" میں نے پوچھا۔ "یہ تمہاری دلی کے جڑواں شہر فرید آباد کی ایک نئی آبادی گاندھی نگر میں ہے۔ یہ کلیان سوبھراج بڑی چیز ہے۔ میں نے اب تک جتنے لوگوں کو دیکھا ہے ان میں یہ سب سے زیادہ وزن دار ہے۔" رولو کا نے کہا۔
"گنگا دوسری بار اس کے پاس گیا تھا۔ پہلی دفعہ ملاقات نہیں ہوئی تھی۔"
"کلیان مہاراج کی جے ہو بڑی آشائیں لے کر

آیا ہوں۔'' گنگا دھر نے کہا۔کلیان سوبھراج نے بند آنکھیں کھولیں۔اس کی سرخ آنکھیں دیکھ کر گنگا دھر ڈر گیا مگر بولا۔''مہاراج حکم کریں تو پھر آ جاؤں گا؟''

''آ گیا ہے تو بول کیا گھٹنائے ہے؟'' کلیان کی بھاری آواز آئی۔

''میری کتھا ذرا لمبی ہے مہاراج۔'' گنگا دھر ڈرتے ڈرتے بولا۔

''سنا رے پوری کتھا۔'' کلیان نے کہا اور گنگا دھر نے شروع سے پوری رام کہانی سنا ڈالی اور خود کو دھرم کا سیوک اور معصوم ظاہر کیا۔کاروباری رقابت اور اپنی لوٹ کھسوٹ کو چھپا گیا۔

''تو یہ بتا یہ سب ہتھیائیں حکیم نے کی ہیں۔'' کلیان نے پوچھا۔

''میں نے دیکھا نہیں ہے۔مگر میرا پورا شبہ حکیم پر ہی ہے۔'' گنگا دھر بولا۔

''دیکھ بالک صرف شبہ کوئی چیز نہیں ہے۔صرف شبہ کی بنیاد پر کسی کو کوئی سزا دینا غلط ہے۔'' کلیان نے کہا۔

''میرا خیال ہے اس کے پاس کوئی ایسی شکتی ضرور ہے جو اس کو بچاتی ہے۔اس شکتی کا راز کوئی آج تک نہیں جان سکا اور تو اور زہریلی مکھیاں کہاں سے آئیں کہاں چلی گئیں اس تک کا راز پتہ نہیں چلا۔میں نے اپنی سی ہر کوشش کر ڈالی مگر اب تک اندھیرا ہے اور حکیم دلی میں موجود ہے۔'' گنگا دھر نے کہا۔

''تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ پہلے یہ پتہ کرنا ہے کہ حکیم اکیلا ہے یا اس کے ساتھ کوئی شکتی بھی ہے؟'' کلیان نے کہا۔

''ہاں مہاراج سب سے پہلے یہی پتہ کرنا ہے۔اسی شکتی کو سوامی شردھانند تلاش کرتے کرتے خود غائب ہو گئے اب پتہ نہیں کہاں ہیں؟'' گنگا دھر نے کہا۔

''سوامی شردھانند جی بھی اس شکتی کو نہیں تلاش کر پائے۔'' کلیان نے کہا۔

''ہاں مہاراج بات کتنی بڑی ہے۔اب تم ہی اس کا اندازہ خود لگا لو۔'' گنگا دھر نے کہا۔

''سوامی شردھانند کوئی معمولی آدمی نہیں ہے۔بہت بڑی شکتی اس کے پاس ہے اور وہ یہ کام نہ کر سکا بہت اترج ہے۔'' کلیان بولا۔

''اب آپ خود ہی خیال کریں۔میں کیا کہوں۔آپ مہان ہیں آپ ہی کچھ کریں تو کریں۔''

''اب تو کرنا پڑے گا۔تو نے تو نئی کہانی سنا دی۔'' کلیان نے کہا۔

''جو گزری ہے وہی کہی ہے سرکار۔'' گنگا دھر ادب سے بولا۔

''ٹھیک ہے تو جا اب ہم ہی کچھ کریں۔'' کلیان نے کہا اور آنکھیں بند کر لی۔

............*

''تو پھر کیا خیال ہے کچھ کر سکتا ہے وہ؟'' میں نے پوچھا۔

''مجھے اس سے کچھ فاصلہ رکھنا ہوگا اور اس کا وزن کرنا ہوگا۔اس کی طاقت کا اندازہ کرنا ہوگا اور اس کے طریقہ کار کو سمجھنا ہوگا۔وہ ابھی تو مجھے تلاش کرے گا۔اس کے جادوئی بیر میری تلاش میں ہے اور میں اس کی نفسیاتی کیفیت کو چیک کروں گا۔اس کو غصہ اور جھنجلاہٹ کا شکار کروں گا اور جب وہ تھک جائے گا تو میں اس کا دماغ اپنی طرف لاؤں گا۔اس وقت وہ آسانی سے میری بات مان لے گا۔اس وقت وہ طاقت کے نشے میں ہے اس نشے کا اتار ضروری ہے۔'' رولوکا نے بتایا۔

''اور اگر وہ تم تک پہنچ گیا تو!'' میں نے اندیشہ ظاہر کیا۔

''اوّل تو یہ بہت مشکل ہے اور اگر ایسا ہوا تو کلیان کا کلیان ہی ہو جائے گا۔'' رولوکا نے کہا۔

''کیا مطلب ہے اس سے؟'' میں نے پوچھا۔

''جب شکاری اور شکار دونوں آمنے سامنے ہوتے ہیں تو کوئی ایک ہی زندہ رہتا ہے۔'' رولوکا نے کہا۔

''تمہارا طریقہ کار اور انڈیا کے جادوگروں کا

طریقہ کار دونوں الگ الگ ہیں یا کچھ ملتا جلتا ہے؟ میں چونکہ اس لائن کا آدمی نہیں ہوں اس لئے بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔'' میں نے کہا۔

''ہمارا طریقہ اور کام کرنے کا انداز بالکل الگ ہے۔ انڈیا میں جو جادو میں نے اب تک دیکھا ہے وہ قطعی طور پر شیطانی علم ہے۔ یہاں کے جادوگر کو شیطان استعمال کرتا ہے جادوگر کے درجے بلند کرتا جاتا اور اس سے کام لیتا رہتا ہے۔ یہاں کا جادوگر اُلّو کو جگاتا ہے اور ایک مقام پر الّو بولتا ہے اس وقت بہت کچھ بتاتا ہے زمین میں دفن خزانوں کا پتہ دیتا ہے اور جو کچھ جادوگر پوچھتا ہے وہ جواب دیتا ہے۔ مگر یہاں پر یہ کام کوئی بہت اعلیٰ مقام رکھنے والا جادوگر ہی کرتا ہے ہمارے پاس یہ کام ابتدائی کام ہے اور ہم الّو کو جگاتے نہیں سلاتے ہیں۔ اس کام میں چالیس راتیں اور چالیس دن لگتے ہیں۔'' رولوکا نے کہا۔ ''ذرا اس کی تفصیل بتاؤ۔'' میں نے کہا۔

''ہمارے یہاں ایک جوان الّو گدھ سے بھی بڑا ہوتا ہے۔ چوہے خرگوش تو وہ شکار کرتا ہی ہے مگر بہت زیادہ طاقتور اور جوان الّو چھوٹے موٹے ہرن کو بھی شکار کر لیتا۔ اس کی چونچ اور پنجے بہت خطرناک ہتھیار ہیں۔ وہ ایک لمحے میں شکار کی آنکھیں نکال لیتا ہے اور اس کے بعد شکار اس کے رحم وکرم پر ہوتا ہے۔ وہ سب سے پہلے شکار کا دل کھاتا ہے اور اس کے بعد پورا شکار ہڑپ کر جاتا ہے۔

افریقہ کے لوگ بہت نڈر ہوتے ہیں۔ جو لوگ زندگی بھر جنگلاتی زندگی بسر کرتے ہوں وہ جنگلی جانوروں سے نہیں ڈرتے۔ مگر وہ لوگ بھی جثیم الّو کا راستہ چھوڑ دیتے ہیں۔ دن میں الّو سوتا ہے۔ وہ اکثر بہت اونچے درخت یا پہاڑوں پر دن میں آرام کرتا ہے۔ وہ اپنی نیند میں خلل پسند نہیں کرتا۔ مگر رات ہوتے ہی وہ اپنے ٹھکانے سے نکل آتا ہے اور شکار کی تلاش کرتا ہے۔ اس کو بڑی آسانی سے شکار مل جاتا ہے کیونکہ رات کو شکار کی تلاش اور جانور بھی کرتے ہیں جوان الّو بڑے سے بڑے سانپ کا شکار بھی کر لیتا ہے۔ سب سے پہلی ایسا الّو پکڑا جاتا ہے۔ جو کہ بہت مشکل کام ہے مگر کرنا پڑتا ہے۔ اس الّو کو آزاد رکھ کر اس پر عمل کیا جاتا ہے اور مسلسل چالیس دن اور رات اس پر نظر رکھنی پڑتی ہے۔ رات میں چونکہ اس کے جاگنے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں اس لئے عامل کو پورا خیال رکھنا پڑتا ہے وہ رات کو ضرور جاگتا ہے عامل اگر غفلت میں ہوا تو الّو اپنا وار کر جاتا ہے یعنی عامل کی آنکھیں نکال کر کھا جاتا ہے اور عامل اس کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہ صرف رات کو ہی نہیں دن میں بھی ہو سکتا ہے۔ اس لئے عامل کو بہت ہوشیار رہنا پڑتا ہے۔ سب سے پہلے تو اس کو چالیس دن اور رات جاگنے کی مشق کرنا پڑتی ہے اور نیند کو اپنے کنٹرول میں کرنا پڑتا ہے۔ یہ نیند کو اپنے کنٹرول میں کرنے کا علم بھی بہت مشکل ہے مگر یہ بھی ابتدائی علوم کا ایک ضروری حصہ ہے۔ عامل الّو پر کڑی نظر رکھتا ہے تیس دن گزرنے کے بعد خاص طور سے وہ بہت ہوشیار ہو جاتا ہے الّو سوتا رہتا ہے مگر دن یا رات کسی بھی وقت وہ آنکھ ضرور کھولتا ہے۔ اس کا مطلب ہے وہ نہیں سویا اگر مسلسل تین رات اور دن وہ آنکھ نہ کھولے تو اس کا مطلب ہے وہ سو گیا اس وقت عامل کو یہ چاہئے کہ اس کی گردن ایک ہی وار میں تن سے جدا کر دے اور اس کا دل نکال کر گرم گرم ہی کھا جائے اور کھوپڑی کو احتیاط سے اپنے پاس رکھ لے اور اس کے جسم کو زمین میں کم از کم چھ فٹ گہرائی میں دفن کر دے اور چالیس دن پورے کرے۔ اسی مقام پر جہاں اس کو دفن کیا گیا ہے اور وہی الفاظ ادا کرتے ہیں جو الّو کی زندگی میں ادا کر رہا تھا۔ اس الّو کی کھوپڑی کو کسی ایسے مقام پر رکھنا ہے جو صرف عامل کو پتہ ہو۔ الّو اس مقام کا پتہ معلوم صرف تم سے کر سکتا ہے اور تم اس کو بتاؤ گے کیوں۔ وہ تمہارا غلام ہے جو کچھ کہو گے کرے گا اور نظر کسی کو نہیں آئے گا۔ یہ ایک ابتدائی عمل ہے اور میں نے جتنی آسانی سے بیان کیا ہے اس سے تم اس کے خوفناکی اور مشکلات کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ اس کے بعد کے جو عمل ہیں ان کو بھی پورا کرنا پڑتا ہے۔ مگر عام آدمی کے بس کا یہ کام نہیں ہے یہ کام بہت زیادہ مضبوط اعصاب

دل ودماغ کا آدمی کرتا ہے جو کہ افریقہ میں بھی کوئی کوئی ہے۔" رولوکا نے کہا۔

"اب میرا ایک سوال اور ہے؟" میں نے کہا۔

"میں صرف تم کو جواب دیتا ہوں تم ہر سوال کر سکتے ہو؟" رولوکا نے کہا۔

"تم خود ان مراحل سے گزرے ہو۔" میں نے پوچھا۔

"میری عمر صرف تین سال تھی کہ مجھے ایک ایسی جگہ چھوڑ دیا جہاں صرف حشرات الارض تھے اور میں زندہ واپس آ گیا تھا۔ بارہ سال کی عمر میں، میں نے بہت سی منزلیں طے کر لی تھیں میرا دادا اور باپ دونوں میری تربیت کرتے تھے۔ دونوں کے انداز میں بہت فرق تھا ایک گرمی پسند تھا تو دوسرا سردی پسند کرتا تھا۔ میں دونوں کا آلہ کار تھا اور دونوں سے فائدہ اٹھا رہا تھا۔ میں نے پندرہ سال کی عمر میں الّو کو سلا دیا تھا۔ بیس سال کی عمر میں، میں جانوروں پر حکم چلانے لگا تھا۔ اس کے بعد میں آگے بڑھتا ہی رہا میرے دادا کا انتقال ہو گیا ان کی بہت سی چیزیں میرے پاس آ گئیں۔ پھر باپ کا انتقال ہوا اس کی بھی ساری چیزیں میرے پاس ہیں چیزوں سے مراد ان کا علم ہے انڈیا کے جادوگر مجھے کھلونے معلوم ہوتے ہیں۔" رولوکا نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ افریقہ کا جادو یہاں کے جادو سے زیادہ طاقتور ہے۔" میں نے کہا۔

"تم نے درست اندازہ لگایا ہے۔ اس کی ایک وجہ اور بھی ہے۔ یہاں کا جادوگر سب کام عام آدمی کے نقصان کے لئے کرتا ہے اور خود کو بہت اونچا اور افضل خیال کرتا ہے۔ عام آدمی کی نظر میں اس کی عزت نہیں ہے۔ ظاہری طور پر ڈاکٹر عزت کرتا ہے یہ دوسری بات ہے اس کے برعکس افریقہ کا وچ ایسا نہیں کرتا وہ عوام کی خدمت کرتا ہے سردار کی مدد کرتا ہے اور علاج بھی کرتا ہے اور بیرونی حملے کی صورت میں عوام کے ساتھ مل کر جنگ میں بھی حصہ لیتا ہے اور ہر جگہ کی خبریں بھی سردار کو پہنچاتا ہے۔ وہ میدان جنگ میں رہ کر بھی دور دور نظر رکھتا ہے۔" رولوکا نے کہا۔

"وہ جنگ کے میدان میں رہ کر کس طرح دور دور نظر رکھتا ہے۔" میں نے پوچھا۔

"وہ جسمانی طور پر کہیں پر ہو ذہنی طور پر ہر جگہ پہنچ جاتا ہے۔ یہ انسان کی صلاحیت اور مشق ہے کہ انسانی جسمانی اور روحانی طور پر اپنی جگہ رہتا ہے۔ مگر ذہنی طور پر ہر اس جگہ چلا جاتا ہے جہاں اس کی ضرورت ہوتی ہے۔" رولوکا نے کہا۔

"یہاں پر اس علم کو ٹیلی پیتھی کہا جاتا ہے۔" میں نے کہا۔

"میں ہر جگہ چل کر نہیں جاتا۔ میں انسان کے ذہن میں بیٹھ کر اس کی آنکھوں اور اس کے کانوں سے سب باتیں دیکھ اور سن لیتا ہوں اس طرح کسی کو شبہ بھی نہیں ہوتا۔ تم مجھے یاد کرتے ہو اور میں تمہارے پاس مجسم آ جاتا ہوں۔ یہ بھی ٹیلی پیتھی کا ہی کام ہے تمہارے ذہن کی ہر بات مجھے پتہ چل جاتی ہے۔ یہ بات میں آج تم کو بتا رہا ہوں کیونکہ میں تم سے کوئی بات پوشیدہ نہیں رکھتا۔ کیونکہ تم ہی میرے اکیلے دوست ہو۔" رولوکا نے کہا۔

"میرے لئے تو فخر کی بات ہے کہ تم مجھے اپنا دوست سمجھتے ہو۔" میں نے کہا۔

ایک دن میں ایسا نہیں ہوتا۔ میں نے تم کو پرکھا ہے تم میری کسوٹی پر خالص اترے تو میں نے تم کو دوست کہا ہے اور جب کہہ دیا ہے تو تم سے سارے پردے بھی ہٹا دیئے ہیں۔ میں جانتا ہوں تم رازوں کی حفاظت کرنا جانتے ہو۔" سوامی شردھا نند آج کل کہاں ہے اور کیا کر رہا ہے ذرا اپنی ٹیلی پیتھی کے ذریعہ بتاؤ۔" میں نے پوچھا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ جو میری لسٹ پر ہوتے ہیں ان سے میں بے خبر نہیں رہتا۔ سوامی شردھانند انڈیا کے ہماچل پردیس کے پہاڑی علاقے میں ایک کھوہ میں موجود ہے اور ایک جاپ میں مشغول ہے اور

ساتویں درجے کا جادوگر بننا چاہتا ہے وہ بھیرو پرم بننا چاہتا ہے یہاں پر یہ بہت بڑی طاقت ہے۔'' میں چاہوں تو اس کو جاپ پورا نہ کردوں مگر میں ایسا نہیں کروں گا۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں وہ مکڑی چھاپ کیا کرسکتا ہے۔ اس سے میرے تجربے میں اضافہ ہی ہوگا۔'' رولوکا نے جواب دیا۔ ''ایک بات تم کو بتاؤں یہاں کے جادوگر عیاری اور مکاری میں تم سے آگے ہیں تم رحم کردو گے رعایت دے دو گے مگر ان سے ایسی امید ہرگز مت کرنا۔'' میں نے کہا۔

''ٹھیک کہا تم نے میرا اندازہ بھی یہی ہے۔'' رولوکا نے کہا۔

''تم نے اس سوتے الو سے کوئی کام لیا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''ایک دفعہ کام لیا تھا۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''کیا کام لیا تھا؟'' میں نے پوچھا۔

''ایک دشمن سردار کی آنکھیں اس سے منگوائیں تھیں اور وہ چند منٹ میں سینکڑوں میل دور سے اس کی آنکھیں لے آیا تھا۔'' رولوکا نے کہا۔

''اس کا مطلب ہے وہ ایک زبردست بیر ہے۔'' میں نے کہا۔

''ہاں وہ ایک ایسا بیر ہے جو غیر محسوس طریقہ پر کام کرتا ہے۔'' رولوکا نے کہا۔

''اس کو تم کتنے عرصہ اپنے کنٹرول میں رکھ سکتے ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''پوری زندگی میں اس کو اپنا غلام رکھ سکتا ہوں۔ میرے آنے کے بعد وہ اس کا غلام ہوگا جس کو اس کے جسم اور سر دونوں جگہ کا پتہ ہوگا۔ میرے دادا کا الو بھی میرا غلام ہے میرے باپ کا بھی میرے حکم پر ہے اور میرا اپنا تو ہے ہی۔ میں ان سے کام لوں نہ لوں یہ میری مرضی ہے۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''آج تم نے مجھے ایک نئی دنیا کی سیر کرائی ہے۔'' میں نے کہا۔

''یہ دنیا بڑی حیرت انگیز جگہ ہے حکیم صاحب! ہم آپ اس کی حقیقت کو ہزار سال زندہ رہیں تو بھی نہیں سمجھ سکتے۔ جس طرح آج تک کوئی موت کا تجربہ بیان نہیں کرسکا۔ مرنے والا آدمی کیسی کیفیت سے دوچار ہوتا ہے اور جب اس کی روح خاکی جسم سے نکلتی ہے تو وہ کیسا محسوس کرتا ہے۔ یہ کسی کو علم نہیں ہے انسان کو بہت سے راز بتادیئے گئے ہیں مگر بہت سے پوشیدہ بھی ہیں۔ ان ہی پوشیدہ رازوں میں سے ایک زندگی اور موت کا راز ہے اور ایک مستقبل کا راز ہے۔ آگے کیا ہونے والا ہے اس سے انسان کو لاعلم رکھا گیا ہے۔ اس سے انسانی زندگی میں رنگا رنگی پیدا ہوتی ہے۔ جس طرح دوستی انسان کو حوصلہ دیتی ہے اسی طرح دشمنی بھی زندگی کی کشش بڑھاتی ہے۔ ناکامی، الجھن، مایوسی اور نفرت بھی زندگی کی امنگ پیدا کرتے ہیں۔ یہ زندگی کے لوازمات ہیں ان سب کا ہونا ضروری ہے۔ اگر یہ سب نہ ہوں تو زندگی پھیکی ہے۔ روح اور بے وجہ بن جاتی ہے۔ انسان دکھ اٹھا کر مایوس ہوکر ناکامی اور پریشانیوں میں گھر کر پھر ایک نئے رنگ جوش دولولے کے ساتھ اور منفی جذبات کو شکست دے کر ابھرتا ہے۔ اس وقت اس کی توانائیاں بہت ہوتی ہیں۔ یہی زندگی ہے۔'' رولوکا نے کہا۔

''تمہاری ہر بات میں تمہارا تجربہ صاف نظر آتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''انسان تجربوں سے سیکھتا ہے۔'' رولوکا نے کہا۔

''کلیان سوبھراج کی خبر رکھنا۔'' میں نے کہا۔

''تم فکر نہ کرو۔ میں نے اس کا بندوبست کردیا ہے۔'' رولوکا نے کہا اور رولوکا چلا گیا۔

❄......❄......❄

آسانی سے دستیاب ہوجانے والی چیز کی قدر انسان کی نظر میں نہیں ہوتی۔ اسی طرح شروع میں، میں نے رولوکا کو ایک معمولی بونا ہی خیال کیا تھا اور اس نے بھی خود کو چھپایا تھا۔ مگر وقت کے ساتھ ساتھ ہماری دوستی بڑھتی گئی اور رولوکا کی شخصیت ابھرتی گئی۔ رولوکا واقعی ایک حیرت انگیز شخصیت کا مالک ہے۔ مگر خود کو کس قدر پردے

میں رکھتا ہے اپنی طاقت کا مظاہرہ نہیں کرتا۔ اس کے چہرے کے تاثرات کبھی اس کی اندرونی کیفیت کی چغلی نہیں کھاتے۔ کسی بھی مصیبت زدہ کے وہ کام آنا ہی بہت بڑی نیکی سمجھتا ہے۔ اس کے اندر جذبہ عرفانی بہت ہے۔ میری نظر میں اس کا قد بہت بڑھ گیا تھا۔ وہ کسی بھی دنیاوی فائدے کے بغیر ہمدردی کرتا تھا۔ اس نفسانفسی کے دور میں ایسا کردار تعجب کی بات تو ہے۔ مگر اس میں بھی کوئی رمز ضرور ہے جہاں بہت سی باتیں سمجھ نہیں آتیں ویسی ہی یہ بھی ہے۔ کلیان سوبھراج نے حرکت شروع کر دی تھی۔ میرے مطب میں ایک مریض آیا۔ اس کے سارے جسم پر آبلے پڑے ہوئے تھے اور ٹھیک نہیں ہوتے تھے۔ ایک ٹھیک ہوتا تو چار اور نمودار ہو جاتے۔ ان کے اندر کثیف پانی بھرا رہتا تھا اور مریض کے بدن میں ہر وقت جلن ہوتی رہتی تھی۔ وہ پندرہ دن سے اس مرض میں مبتلا تھا اور گنگا دھر سے بھی صلاح کروا چکا تھا اور اسی کے مشورے پر میرے پاس آیا تھا۔ میں نے بڑے غور سے اس کا معائنہ کیا۔ نہایت مجرب آزمادوا جو کہ رولو کا نے بتائی تھی۔ اس کو دی میرا پورا اندازہ تھا کہ اس کے جسم میں گرمی کا اثر ہے اور اگر اس گرمی کو ختم کر دیا جائے تو آبلے اٹھنا بند ہو جائیں گے۔ مگر تین روز کے بعد وہ پھر آیا اور اس نے بتایا۔ جلن میں کمی ہے مگر آبلے اسی رفتار سے بن رہے ہیں اور پورا جسم پھوڑا بنا ہوا ہے۔ خوراک ختم ہوتی جا رہی ہے اور مریض بہت زیادہ کمزور ہو گیا ہے۔ میں نے کچھ دوسری دوائیں اور اس کو دیں۔ مگر میں پریشان ہو گیا۔ آج تک ایسا نہیں ہوا کہ رولو کا کی گرمی ختم کرنے والی دوا نے کام نہ کیا ہو۔ میں نے رات کو رولو کا کو یاد کیا اور وہ آ گیا۔ ''ایک مریض کی بیماری نے پریشان کر دیا۔'' میں نے کہا۔

''اس کی بیماری دوا سے دور نہیں ہوگی۔'' رولو کا نے کہا۔

''کیا مطلب!'' میں نے پوچھا۔

''اس مریض کو گنگا دھر نے تمہارے پاس بھیجا ہے اور اس کو بیمار کیا ہے کلیان سوبھراج نے۔ تم کتنی بھی اچھی دوا اس کو دو گے وہ جو اس کے اندر ہے وہ اس تک نہیں پہنچنے دے گا۔ اب جب وہ مریض آئے تو تم اس کو اپنے پاس روک لینا۔'' رولو کا نے کہا۔

''ٹھیک ہے وہ کل آئے گا۔'' میں نے کہا۔

''میں یہاں پر ہوں۔ کل ہی اس کا علاج کر دیتے ہیں۔'' رولو کا نے کہا۔

مطب کے وقت سے بھی پہلے وہ آ گیا۔ آج اس کی حالت بہت خراب تھی۔ اس کے ساتھ ایک ساڑھی میں ملبوس عورت بھی تھی عورت جوان تھی اور وہ مریض بھی جوان ہی تھا۔ عورت نے بتایا۔ ''حکیم صاحب کل رات سے ان کی حالت بہت خراب ہے پانی پانی کہتے ہیں پانی دو تو جسم پر بہا لیتے ہیں۔ آگ لگ رہی آگ بجھاؤ آگ بجھاؤ اور پھر تکلیف کی شدت سے بے ہوش ہو جاتے ہیں۔''

میں نے اس کا نام پوچھا تو بولی۔ ''میرا نام روپاوتی ہے یہ میرے پتی ہیں۔ ان کا نام کملی چند ہے ہم ذات کے کائستھ ہیں۔'' میں نے اس کو تسلی دی اور مریض کو اپنے کمرے میں لے آیا۔ رولو کا وہاں پر موجود تھا۔ اس مریض کی آنکھوں پر ایک ہاتھ رکھ دیا اور دوسرے ہاتھ سے اس کی ناک پکڑلی چند ہی منٹ کے بعد ایک بہت ہی باریک ڈور کی طرح کالے رنگ کی کوئی چیز ناک سے نکلنا شروع ہو گئی اور زمین پر ڈھیر ہونا شروع ہو گئی۔ تین چار منٹ میں وہ کالی ڈور ختم ہو گئی۔ رولو کا نے مریض کی ناک چھوڑ دی۔ کالی ڈور زمین پر پڑی تھی اور اس میں حرکت ہو رہی تھی۔ رولو کا نے اپنی زبان میں کچھ کہا اور وہ کالی ڈور سفید ہونا شروع ہو گئی اور پھر پانی بن گئی۔ رولو کا نے ایک بالٹی پانی منگوا کر کہا۔ ''اس کو سمندر میں پہنچا دے۔'' اور پانی ڈال دیا۔ پانی ڈالتے ہی فرش صاف ہو گیا اب وہاں پر کچھ نہیں تھا اور مریض خاموش لیٹا تھا۔ میں نے پوچھا۔ ''اب کیا حال ہے؟''

وہ بولا۔ ''اب کوئی تکلیف نہیں ہے۔'' میں نے

اس کے جسم پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ ایک بھی آبلہ نہیں تھا اور جلد صاف نظر آ رہی تھی۔ مریض اٹھ کر بیٹھ گیا اور اپنے جسم کو دیکھ کر حیرت سے بولا۔

''میں ٹھیک ہو گیا حکیم صاحب۔ میں ٹھیک ہو گیا۔'' اس کی آواز سن کر اس کی بیوی اندر آ گئی اور کمل چند کو ٹھیک دیکھ کر میرے قدموں میں گر پڑی۔ ''آپ تو دیوتا ہیں حکیم صاحب۔''

میں نے اس کو اٹھنے کا کہا اور بولا۔ ''میں انسان ہوں دیوی جی! مجھے انسان ہی رہنے دو۔ میرا کام علاج کرنا ہے۔ وہ میں نے کر دیا۔ اس کی بیماری سمجھنے میں دیر لگی اور کمل چند کو تکلیف اٹھانی پڑی۔ میں اس کی معافی تم دونوں سے مانگتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''حکیم صاحب! آپ ہمیں شرمندہ نہ کریں یہ بتائیں آپ کی کیا خدمت کریں۔'' روپاوتی نے پوچھا۔

''تم صرف یہ خدمت کرو کہ میرے لئے دعا کرنا کہ میں اپنا کام ایمانداری سے کرتا رہوں۔'' میں نے کہا۔

''یہ کیا بات ہوئی حکیم صاحب! آپ نے اب تک ہم سے دوا کے پیسے بھی نہیں لئے ہیں۔''

''میں اس قابل ہوں کہ خدمت کر سکوں۔'' کمل چند نے کہا۔

''تو پھر تم کسی غریب کی مدد کر دینا۔'' میں نے کہا۔

رولوکا موجود تھا مگر ان کو اس کا پتہ نہیں تھا۔ میں جانتا تھا کہ رولوکا کمرے میں موجود ہے۔ ان کے جانے کے بعد میں نے رولوکا سے پوچھا۔ ''یہ کیا ڈرامہ گنگا دھر نے کیا ہے؟''

''یہ ڈرامہ گنگا دھر نے نہیں کلیان سوبھراج نے کیا تھا۔ وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اگر تمہارے پاس کوئی طاقت ہے تو اس کو پتہ چل جائے۔'' رولوکا نے کہا۔

''اور اگر تم اس کا علاج نہ کرتے تو مریض مر ہی جاتا۔'' میں نے کہا۔

''اس نے تو اس کو بکرا بنایا ہی تھا۔ مرتا ہے تو مر جائے اس کی صحت پر کیا اثر پڑتا ہے۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''تو اس نے اندازہ کر لیا کہ کوئی طاقت ضرور ہے۔'' میں نے کہا۔

''وہ تلاش تو اسی طاقت کو کر رہا ہے۔'' رولوکا نے کہا۔

''اب تو اس کو یقین آ جائے گا۔'' میں نے کہا۔

''آ جائے اس سے کیا فرق پڑے گا۔ اصل چیز تو یہ ہے کہ وہ یہ اندازہ نہ کر پائے کہ کون ہے اور یہ اندازہ وہ نہیں لگا پائے گا۔ میں نے جوابی طور پر ایک چھوٹا سا کام کیا ہے۔ کمل چند نے بہت تکلیف اٹھائی جس بیر نے اس کو پریشان کیا اس کو تو میں نے سمندر کی نذر کر دیا۔ گنگا دھر کو احساس کرانے کو اسی تکلیف میں مبتلا کر دیا ہے۔ آج رات بارہ بجے کے بعد وہ بھی اسی پریشانی میں مبتلا ہو جائے گا جس میں اس نے بے گناہ کمل چند کو ڈالا تھا۔

اور وہی ہوا۔ رولوکا نے بتایا۔ ''وہ چارپائی سے اچھل رہا ہے اور آگ آگ پکار رہا ہے۔ ایک آدمی ہر وقت اس پر پانی کا چھڑکاؤ کر رہا ہے مگر پھر بھی آگ لگی ہوئی ہے۔ وہ کلیان سوبھراج کو گالیاں بک رہا ہے۔ وہ اپنی بیماری کا ذمہ دار اسی کو خیال کر رہا ہے۔ کیونکہ کلیان نے ہی کمل چند کو اس بیماری میں مبتلا کیا تھا۔ تین روز گزر گئے۔ کلیان اور گنگا دھر کے پاس جا رہا ہے مگر کچھ نہیں کر پا رہا۔ دن بدن گنگا دھر کی حالت خراب ہوتی جا رہی ہے اور کلیان اپنی ساری شکتی آزمانے کے بعد بھی ناکام ہے۔ ارے کلیان تو نے مروا دیا ہائے یہ آگ میرا شریر جل رہا ہے اور تو بڑا مہان گرو بنا پھرتا ہے تو تو ڈھول ہے خالی ڈھول۔ تجھ سے کچھ نہیں ہوگا مجھے حکیم کے پاس پہنچا دے وہی ٹھیک کرے گا۔ تیرے پاس کچھ نہیں ہے۔ ہائے میں کیا کروں۔'' اور گنگا دھر کو اس کے گھر والے مطب میں لے آئے۔ گنگا دھر کی حالت بہت خراب تھی۔ اس کا سارا جسم زخموں سے بھرا ہوا تھا اور ان زخموں پر آبلے نمودار ہو رہے تھے اور جسم سے سخت بدبو خارج ہو رہی تھی۔ کمل

چند سے زیادہ شدید حملہ تھا۔ اس کی تڑپ اور بے چینی ناقابل بیان تھی۔ اس کے بڑے لڑکے موتی دھر نے مجھ سے آہستہ سے کہا۔ ''حکیم صاحب ہم لوگ باپو کی تکلیف پر بہت پریشان ہیں۔ یہ زندہ رہیں یا نہ رہیں یہ تکلیف نہ رہے کیونکہ ان کے نزدیک جانا ان کو دوا اور دینا بھی بہت مشکل ہے ایک منٹ ان کے پاس رکا نہیں جاتا۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ بدبو کس قدر شدید ہے۔ پورے گھر میں یہ بدبو پھیل گئی ہے۔ آپ میرا مطلب سمجھ رہے ہیں نا!''

میں اس کا مطلب سمجھ چکا تھا۔ اسی کا نام دنیا ہے۔ بیٹا باپ سے تنگ ہے وہ باپ کی زندگی نہیں چاہتا۔ اب اس کو باپ کی ضرورت نہیں رہی۔ کیونکہ باپ اب تکلیف کا باعث بن رہا ہے۔

''اور اگر ان کو ٹھیک کر دیا جائے تو پھر ساتھ جاؤ گے؟'' میں نے پوچھا۔

''میرے مذہب میں ناامیدی کفر کے برابر ہے۔'' میں نے کہا۔

''آپ کر دیں اس سے بڑھ کر میں کیا چاہوں گا۔'' موتی دھر نے کہا۔

''ان کے پاس ایک سادھو نما آدمی کلیان آتا ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''آتا تو ہے۔'' وہ بولا۔

''یہ سارا کیا دھرا اسی کا ہے۔'' میں نے کہا۔

''وہ تو پتا جی کا بہت گہرا متر بنا ہوا تھا۔'' موتی دھر نے کہا۔

''مگر یہ کارنامہ اسی متر کا ہے۔ اس کو کسی طرح بلواؤ یہ ٹھیک تو ہو جائیں گے۔ مگر اس کو ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ ڈر یہ ہے کہ دوبارہ وہ پھر حملہ نہ کر دے۔'' میں نے کہا۔

''ٹھیک ہے میں خود جاتا ہوں ان کی بنتی کروں گا اور کسی بھی طرح ان کو ساتھ لاؤں گا۔'' اور موتی دھر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد رولو کا نے کہا۔

''تم نے اس کو کیوں بلوا لیا۔''

''دراصل میں اس کو یہ دکھانا چاہتا تھا کہ وہ جس شکتی پر اتراتا ہے وہ اس سے اپنے دوست کو ٹھیک نہ کر سکا۔ اس کے سامنے تم یہ کام کرو گے اور اس کو نظر نہیں آؤ گے۔ میں صرف دوائیں وغیرہ آزماؤں گا۔ یہ صرف دکھانے کو ہوگا۔ اس کو یہ باور کرانا ہے کہ علاج صرف دواؤں کے ذریعہ کیا ہے۔'' میں نے کہا۔

''ٹھیک ہے جو تم کرنا چاہتے ہو وہی ہوگا۔'' رولوکا نے کہا۔

موتی دھر دوسرے دن کلیان سو بھاج کو لے کر آ گیا وہ چہرے سے ہی پتہ چلتا تھا کافی حریص اور بے حس قسم کا آدمی ہے۔ ''کاہے بلایا ہے۔'' وہ آتے ہی بولا۔

''یہ مریض میرے پاس آیا ہے۔ اس کا علاج کرنا ہے۔ میں نے سنا تھا کہ آپ بڑے شکتی وان ہیں۔ میں اپنا علاج شروع کرنے سے پہلے یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اس پر کسی علم کا اثر تو نہیں ہے پھر میں اپنا علاج شروع کروں۔ اگر کوئی اوپرا چکر ہے تو تم بتاؤ کیا کرنا ہوگا۔'' میں نے اس پر وزن رکھ دیا۔

''کریں گے ضرور کریں گے۔'' گنگا دھر بے ہوشی کے عالم میں پڑا تھا اور بدبو کے بھبکے اٹھ رہے تھے کلیان نے ناک پر ہاتھ رکھا اور اس کے گرد دو تین چکر لگائے اور پھر بولا۔ ''یہ صرف بیماری ہے۔ تم اپنا علاج کرو۔'' میں نے یہ سنتے ہی ایک دوا زخموں پر چھڑک دی، ایک دوا گنگا دھر کے منہ میں ڈال دی کلیان سو بھراج کھڑا رہا۔ رولوکا نے اپنا کام کر دیا اور گنگا دھر نے آنکھ کھول دی۔ آنکھ کھولتے ہی اس کو میرا چہرہ نظر آیا میں نے مسکرا کر پوچھا۔ ''اب کیا حال ہے؟''

وہ فوراً بولا۔ ''چین سے ہوں۔''

اس کے بعد اس کو کلیان کا چہرہ نظر آ گیا تو وہ بولا۔ ''تو کیوں آیا ہے اپرادھی۔'' اور اٹھنے کی کوشش کرنے لگا تو موتی دھر نے اس کو روک دیا۔ اب اس کے بدن سے بدبو نہیں اٹھ رہی تھی اور زخم بھی بھرے بھرے نظر آ رہے تھے۔ میں نے موتی دھر سے کہا۔ ''اب تم ان کو لے جاؤ یہ

ٹھیک ہو گئے ہیں۔"

"اتنی جلدی حکیم صاحب!" موتی دھر حیرت سے بولا۔

"کچھ بیماریاں جتنی تیزی سے آتی ہیں اتنی تیزی سے چلی جاتی ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"میں جانتا ہوں حکیم صاحب یہ سب اس کی شرارت تھی۔" گنگا دھر نے کہا۔

"تم کسی کی طرف سے بدگمان نہ ہو تم ٹھیک ہو گئے یہی بہت ہے۔" کلیان آگے بڑھ کر گنگا دھر کے قریب آ گیا اور بولا۔ "مجھ سے چاہے جیسی سوگند لے لو میں نے کچھ نہیں کیا۔ میں تمہارا رمتر ہوں۔ میں ایسا کیسے کر سکتا ہوں۔ میں تو خود حیران ہوں۔ میرا وشواس ہے تم بیمار ہی تھے۔ کلیان نے کہا۔

"مجھے پاگل مت بناؤ...... اتنی بڑی بیماری اور اتنی تکلیف صرف ایک خوراک سے چند منٹ میں ختم ہو سکتی ہے۔ تم سب جانتے ہو مجھ سے چھپا رہے ہو۔" گنگا دھر نے کہا۔ کلیان خاموش رہا۔ کیونکہ وہ خود اس بات پر حیران تھا۔ اس کی پوری شکتی اس بیماری کی وجہ نہیں تلاش کر سکتی تھی۔ گنگا دھر مجھ سے مخاطب ہوا۔ "حکیم وقار احمد تم نے میرا علاج کیا یہ مجھ پر تمہارا احسان قرض ہے۔ مگر اس سے یہ نہ سمجھ لینا کہ ہماری دشمنی ختم ہو گئی ہے وہ اپنی جگہ ہے۔ اگر زندگی رہی تو قرض ادا کرنے کی کوشش کروں گا۔" میں نے بڑی تحمل مزاجی سے اس کی بات سنی اور جواب دیا۔

"میں نے تمہارا علاج ایک مریض سمجھ کر کیا ہے گنگا دھر سمجھ کر نہیں کیا۔ میرا پیشہ اور تمہارا پیشہ ایک ہی ہے تمہارے پاس اگر میں علاج کو آتا تو کیا تم میرا علاج نہ کرتے؟ تم اپنے دل پر احسان کا بوجھ مت لادو۔ کوئی معالج مریض پر احسان نہیں کرتا بلکہ وہ اپنے پیشے کے اور انسانی تقاضے پورے کرتا ہے۔ میں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا ہے۔"

موتی دھر نے آگے بڑھ کر کہا۔ "باپو یہ کیا دشمنی کی بات تم نے نکالی۔ اس دیوتا سمان انسان سے تم دشمنی کرو گے۔ چھی چھی یہ تو بہت بڑا پاپ ہو گا۔"

"تو ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتا۔ یہ میرا اور حکیم کا حساب و کتاب ہے آؤ اب گھر چلیں۔"



گنگا دھر چلا گیا۔ کلیان سو بھراج بھی چلا گیا تو رولو کا نے کہا۔ "تم نے گنگا دھر میں کوئی بات انسانوں والی دیکھی۔ وہ اب بھی تم سے دشمنی کی بات کرتا ہے۔"

"یہ دشمنی مجھ سے نہیں ہے، میرے مذہب سے ہے ہزاروں سال کی نفرت نسل در نسل برہمن کے لئے دل میں پرورش پا رہی ہے۔ وہ اس کو چین نہیں لینے دیتی اور کہیں نا کہیں ظاہر ہو ہی جاتی ہے۔"

"اس کی وجہ تو کوئی ہو گی؟" رولو کا نے سوال کیا۔

"میرے خیال میں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ہندوستان میں مسلمان آئے۔ اس وقت برہمن ہر ذات پر حاوی تھا۔ اس کا کہا پتھر کی لکیر ہوتا تھا۔ مگر مسلمان اپنی الگ تہذیب اور پاکیزہ زندگی لے کر آئے اور وہ سینکڑوں سال کے بعد بھی ہندو معاشرے سے الگ رہے۔ کچھ بادشاہ ان کی چکنی چپڑی باتوں میں آئے اور انہوں نے ہندو عورتوں کو اپنی رانی بھی بنایا مگر یہ حربہ بھی زیادہ دیرپا نہیں ہوا۔ عام مسلمان ہندوؤں سے الگ ہی رہا ہے۔"

"گنگا دھر کی دشمنی کی وجہ اب میری سمجھ میں آ رہی ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ یہ دشمنی اور آگے چلے گی اور اس کا کوئی امکان نظر نہیں آتا کہ کہاں پر رکے گی۔" رولو کا نے کہا۔ "بہر حال دلی میں رہنے کا پروگرام ہے یا پھر چلیں کہیں ابھی تو بہت ہندوستان باقی ہے۔"

"میں تو تمہارے ساتھ ہوں تم حکم کرو کہاں جانا ہے۔" میں نے پوچھا۔

"اب کے میرا خیال ہے جنوب کی طرف چلیں۔" رولو کا نے کہا۔

"یعنی پنجاب اور سندھ کا دورہ کرنا ہے۔" میں نے کہا۔ اور ایک ہفتہ کے بعد ہم کرنال کو روانہ ہو گئے۔ دلی کے بعد یوں تو چھوٹے بڑے بہت شہر آتے ہیں مگر

ہماری منزل کرنال تھی۔ یہ پنجاب کا ایک اچھا شہر ہے۔ یہاں پر زیادہ آبادی سکھوں اور ہندوؤں کی ہے مگر مسلمان بھی رہتے ہیں۔ اسٹیشن کے باہر تانگے والے کا میلا لگا ہوا تھا۔ مگر ہم دونوں ایک طرف خاموشی سے کھڑے تھے۔

چند منٹ کے بعد ہی یہ میلہ ختم ہوگیا اور تانگے والے سواریاں لے کر روانہ ہوگئے۔ ایک ہری پگڑی والا سکھ ہماری طرف آیا اور بولا۔ ''کتھے جانا ہے بادشاہو؟''

میں نے کہا۔ ''یہاں پر کوئی سرائے ہے ٹھہرنے کو؟''

''تسی حکم کرو بہت ہیں جی۔'' سردار بولا۔

''یہ بتاؤ مسلمانوں کی کوئی سرائے ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''میرے نال آؤ بڑی سوہنی تھاں پہنچادواں گا فکر ہی نہ کرو۔ تہاڈا سامان کدھر ہے۔'' وہ بولا۔

رولو کا خیرالدین بنا ہوا تھا۔ ''یہ رہا سامان میرے پاس۔''

''جی یہی ہے۔'' وہ حیرت سے بولا۔

''کیوں زیادہ ہونا چاہئے تھا۔'' خیرو نے پوچھا۔

''نئیں جی گل یہ ہے کہ جو بندہ آتا ہے اپنے گھر کا سب سامان ساتھ لے کر آتا ہے تسی تو کلے ہی آ گئے ہو۔'' سکھ سردار مایوسی سے بولا۔

''تو سرائے لے جارہا ہے۔'' میں نے کہا۔

''ہاں ضرور لے جاؤں گا آؤ میرے نال۔''

''کتنی دور جانا ہے۔'' خیرو نے پوچھا۔

''تانگہ پھڑ کے جانا پڑے گا۔'' سردار بولا۔

''تو پھر پھڑ لے تانگہ۔'' میں نے کہا۔

اور سردار نے اشارے سے ایک تانگہ بلایا اس کو پتہ بتایا اور بولا۔ ''آؤ باؤ جی۔'' اور ہم دونوں تانگے میں سوار ہوگئے۔ تانگہ چل پڑا۔

خیرو نے پوچھا۔ ''سردار جی تیرا نام کیا ہے؟''

میرا نام۔ ''بلدیو سنگھ ہے جی۔''

''تو بلدیو سنگھ تو یہی کام کرتا ہے؟'' میں نے کہا۔

''آہو جی سب کام کرلیندا ہوں جو وقت پہ مل جائے۔'' وہ بولا۔

''کیا کیا کام ذرا بتا تو۔'' خیرو نے کہا۔

''قلی کا کام بھی کرتا ہوں۔ کوئی سواری ٹھہرانی ہو تو سرائے میں پہنچاتا ہوں۔''

''بس جی جو کام ملا کرلیا۔'' سردار بلدیو سنگھ نے جواب دیا۔

''یار تو پورے کام نہیں بتا رہا۔'' خیرو نے بے تکلفی سے کہا۔

''سب بتادیئے بادشاہو۔ ہور کی دساں۔'' بلدیو بولا۔

''موقعہ ملے تو سامان پار کردیتا ہے یہ تو نے نہیں بتایا۔ رات برات مسافروں کو سرائے کے راستے میں ہی لوٹ لینا، اس کام کے لئے تو نے چار کو جوانوں کو ساتھ رکھا ہے۔''

سردار بلدیو سنگھ یہ سن کر حیرت سے بولا۔ ''کی گل کررہے ہو سرکار میں یہ کام نہیں کرتا۔''

''بلدیو سنگھ زیادہ اڑنے کی کوشش مت کر۔ ہم کو سب پتہ ہے اور تم ہم کو جہاں لے کر جارہا ہے وہ بھی تیرے ایک جگری یار کی جگہ ہے اور اس جگری یار کا دھندا بھی وہی ہے جو تیرا ہے۔ مگر تو نے بہت بڑی غلطی کرلی ہے۔ وہ یہ کہ تو بندوں کو پہچان نہیں سکا۔''

بلدیو سنگھ کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور زبان بند ہوگئی تھی اور وہ خیرو کے سامنے ہاتھ جوڑ کر بیٹھا تھا۔ میں نے مسکرا کر اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''کوئی بات نہیں غلطی ہو ہی جاتی ہے اور اسی غلطی سے بندہ جیل کے اندر چلا جاتا ہے۔ اب تو بتا جیل جانا پسند کرتا ہے یا......!'' اور میں خاموش ہوگیا۔

بلدیو سنگھ بڑی مشکل سے بولا۔

''معاف کردیں سرکار۔ مجھ سے بھول ہوگئی۔ اب میری توبہ ایسا کام نہیں کروں گا۔''

''تو ہمیں جہاں لے جارہا ہے ہم وہیں تیرے

ساتھ جائیں گے اور اسی سرائے میں قیام کریں گے۔ اب تو ہمارے لئے کام کرے گا تو ہمارے بارے میں کسی کو نہیں بتائے گا اور اگر تو نے کسی کو کچھ بتایا تو الٹا لٹک جائے گا۔ یہ بات یاد رکھنا ہم کون ہیں کیا کرتے ہیں تجھے آگے چل کر پتہ چل جائے گا۔ وہ تیرے سرائے کے مالک کا نام کیا ہے۔'' خیرو نے پوچھا۔

''اس کا نام گنڈا سنگھ ہے۔'' وہ جلدی سے بولا۔

''وہ کیسا آدمی ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''بڑا تگڑا جوان ہے جی، بڑا ہی جی دار ہے۔ اس کی ٹکر کا جوان دور دور نہیں ہے۔ ایک منٹ میں بندے کو ٹھیک کر دیتا ہے۔'' بلدیو سنگھ نے کہا۔

''تو زیادہ بڑھکیں نہ مار...... ہم ایک منٹ میں اسے بکری بنا دیں گے۔'' خیرو نے کہا۔ بلدیو سنگھ خاموش ہو گیا۔

سفر ختم ہونے پر، ایک منزلہ مکان کے سامنے اس نے تانگہ روکا اور اتر پڑا۔ ''آؤ جی اندر آ جاؤ۔''

دروازے کے سامنے ہی ایک پہلوان نما شخص بیٹھا تھا۔ سر پر پیلی پگڑی، چہرے سے جرائم پیشہ نظر آتا تھا اس نے اٹھ کر بلدیو سنگھ کا استقبال کیا۔ ''آؤ سردار بلدیو کی حال ہیں۔''

''مسافر لایا واں۔ آہو دو مسافراں نوں لایا واں۔ بہت خاص مسافر ہیں خیال رکھنا۔''

''آؤ جی بیٹھو، کتھوں آ رہے ہو۔'' گنڈا سنگھ نے پوچھا۔

''ہم لوگ دلی سے آ رہے ہیں۔'' میں نے جواب دیا۔

''کوئی گل نہیں ساڈا کم ہے خدمت کرنا۔ دو کمرے لیں گے کہ ایک میں دو پلنگ ڈال دیں۔'' گنڈا سنگھ نے پوچھا۔

''کمرہ تو ایک ہی کافی ہے دو بستر لگا دو۔''

''اور کوئی خدمت۔'' گنڈا سنگھ بولا۔

''ہم لوگ کھانا نہیں کھائیں گے۔ صبح صرف چائے پئیں گے۔'' میں نے کہا۔

''اسیں کی کہہ سکدے ہیں تہاڈی اپنی مرضی ہے جی۔ کرایہ پانچ روپیہ روز کا ہوگا۔ پاویں روز دے دو پاویں اڈوانس جمع کرا دو۔''

''گنڈا سنگھ جی یہ بتاؤ بلدیو سنگھ تمہارا نوکر ہے۔'' خیرو نے پوچھا۔

''نہیں جی یہ آزاد بندہ ہے اپنا بھی کام کر دیندا ہے۔'' گنڈا سنگھ نے جواب دیا۔

''ہم نے اس کو کہا تھا مسلمان سرائے میں جانا ہے اور یہ یہاں پر لے آیا۔'' خیرو نے کہا۔

''کوئی گل نہیں ہے تہانوں کوئی تکلیف ایتھے نہیں ہوئے گی۔ اور تہاڈا روٹی شوٹی کا تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ایک بڑا بڑھیا مسلمان ہوٹل ہے۔'' گنڈا سنگھ نے بتایا۔

''وہ کتنی دور ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''نیڑے ای ہے جی فکر نہ کرو میں نال لے جاواں گا۔'' گنڈا سنگھ نے جواب دیا۔

میں نے تین دن کے پندرہ روپے اس کو دیئے اور اس نے ہمیں ایک کمرے میں پہنچا دیا۔ کمرہ صاف ستھرا تھا اور دو پلنگ پڑے تھے اور ان پر بستر بھی صاف بچھا تھا۔ سامنے ہی غسل خانہ بنا ہوا تھا اور ساتھ ہی ایک کنواں بھی تھا۔ مسافر خود کنوئیں سے پانی نکالتے ہیں اور نہاتے دھوتے ہیں۔ ادھر کا یہی دستور ہے گنڈا سنگھ نے بتا دیا تھا۔

گنڈا سنگھ کے جانے کے بعد میں نے کہا۔ ''کیسا آدمی ہے یہ!''

''وہ جائزہ لے رہا ہے کہ ہم نے مال کہاں رکھا ہے۔'' رولوکا نے کہا۔

''کیسا مال؟'' میں نے کہا۔

''ارے بھئی روپے وغیرہ کہاں ہیں۔ سونے کے بعد وہ اچھی طرح جائزہ لے گا۔'' رولوکا نے کہا۔

''معمولی درجے کا چور وغیرہ ہے یہ۔'' میں نے کہا۔

''ایسا ہی لگتا ہے مگر بات کچھ اور بھی ہے۔ تم فکر نہ

کرو میں رات کو سب پتہ کرلوں گا۔" رولو کا نے کہا۔

رات کو ہم گنڈا سنگھ کے ساتھ اس مسلم ہوٹل میں گئے اور ہم نے کھانا وہیں پر کھایا۔ میں تو آتے ہی اپنے بستر پر لیٹ گیا۔ "تم آرام سے سو جاؤ میں ذرا تفریح کرتا ہوں۔" اور رولو کا باہر چلا گیا۔

رولو کا کب واپس آیا مجھے نہیں پتہ۔ صبح رولو کا نے بتایا۔ "معاملہ ذرا ٹیڑھا ہے حکیم صاحب!"

"کیوں کیا ہوا؟" میں نے پوچھا۔

"یہ گنڈا سنگھ رات کو اس سامنے درخت کے نیچے کسی سے بات کر رہا تھا۔ میں اس کے قریب جا کھڑا ہوا اس کے ساتھ کوئی نہیں تھا۔ مگر یہ باتیں کر رہا تھا۔ میں پہلے تو ذرا حیران ہوا مگر پھر میں نے دیکھ لیا کہ ایک بہت کالا اور عجیب حلیے کا آدمی کھڑا ہے وہ گنڈا سنگھ سے کہہ رہا تھا۔

"بہت دن ہو گئے تو نے پرشاد نہیں کھلایا۔ کیا ارادہ ہے کیا تیری بوٹی کھانا پڑے گی۔" گنڈا سنگھ بہت ڈرا ہوا تھا بولا۔

"ہو گیا ہے بندوبست دو بندے آئے ہیں مسلمان لگتے ہیں۔ بس دو چار روز میں کسی ایک کو حاضر کر دوں گا۔"

"دو چار روز میں کام نہ ہوا تو میں تیرا کام کر دوں گا۔" وہ بولا۔

"دو روز تو میں نے کہہ دیا ہے اس سے پہلے ہی کام کر دوں گا۔" گنڈا سنگھ بولا۔ اور پھر گنڈا سنگھ ہانپتا کانپتا واپس آ گیا۔" "کون تھا وہ!" میں نے پوچھا۔

"میرا تو کچھ اندازہ ہے مگر ٹھیک تو گنڈا سنگھ ہی بتائے گا۔"

"تم اس سے پوچھو گے کیا وہ بتا دے گا۔" میں نے کہا۔

"میں پوچھ لوں گا۔" رولو کا نے کہا۔

صبح چائے لے کر گنڈا سنگھ خود آ گیا۔ وہ چائے رکھ کر جانے لگا تو رولو کا نے اس کو روک کر کہا۔ "گنڈا سنگھ تم نے ہم دونوں میں سے کس کو پسند کیا ہے؟"

"پسند، کی کہہ رہے ہو میں کیوں پسند کروں گا۔" وہ حیرت سے بولا۔

"بوٹیاں کھلانے کو اور کس کام سے......" رولو کا نے ڈائریکٹ حملہ کیا۔

"میری سمجھ میں تہاڈی گل نہیں آ رہی۔" گنڈا سنگھ بولا۔

"گنڈا سنگھ زیادہ بات بنانے کی کوشش مت کر۔ تو رات کو کس سے وعدے کر رہا تھا ادھر......" رولو کا نے درخت کی طرف اشارہ کیا۔

"میں، میں تو سوتا پڑا تھا جی۔" گنڈا سنگھ ہڑبڑا کر بولا۔

"پھر جھوٹ بول رہا ہے، اگر نہیں بتائے گا تو وہ تیری جورو کو لے جائے گا پھر کیا کرے گا۔" رولو کا نے دوسرا حملہ کیا۔ گنڈا سنگھ کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ "کیا بتاؤں جی میں بہت برا پھنسا ہوا ہوں۔"

"اگر نہیں بتائے گا تو دونوں طرف سے پھنس جائے گا۔" رولو کا نے کہا۔

"اور بتا دوں تو وہ مجھے مار ڈالے گا اس نے مجھ سے وعدہ لیا ہے کہ اگر میں نے اس کے بارے میں بتایا تو وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔" گنڈا سنگھ ڈرتے ڈرتے بولا۔

"تو مجھے پوری بات بتا تیرا کچھ نہیں ہوگا اور اگر نہیں بتائے گا تو زندگی بھر اس جنجال میں پھنسا رہے گا۔ ہم دونوں کا کیا ہے چلے جائیں گے واپس، تو اور تیرا گورو ہم کو نہیں روک سکتا۔ بات تیرے فائدے کی ہے تیری مرضی ہے بول کیا کہتا ہے......" رولو کا نے کہا۔

"میں کی دساں کی نہ دساں بہت برا پھنس گیا۔" گنڈا سنگھ، خود سے بولا۔ میں اور رولو کا خاموش رہے۔ چند منٹ خاموشی رہی اس کے بعد گنڈا سنگھ بولا۔

"یہ بہت پرانی کہانی ہے سرکار۔ میرا بیاہ نیتو سے ہونے والا تھا۔ میں اور نیتو ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے تھے میں اس سے نہر کے پل کے پار روز ملا کرتا تھا۔ ایک روز کی جدائی میرے لئے مشکل ہو جاتی تھی۔ یہ

بات نیتو کی ماں بھی جانتی تھی میں نیتو کے بغیر رہ ہی نہیں سکتا تھا۔ وہ بے حد خوب صورت مٹیار تھی، اس قدر سرخ انگارہ ہونٹ کہ یاقوت کی چمک اس کے آگے ماند پڑ جائے۔ اس کے دمکتے ہوئے رخسار، جیسے دودھ میں ہلکا سرخ رنگ ڈال دیا گیا ہو اور جسم ایسا سڈول کہ سنگ مرمر کے مجسمے اس کے سامنے ماند پڑ جائیں۔ میں جب بھی اس کے پاس ہوتا تھا خود کو فراموش کر دیا کرتا تھا۔ میں خود بھی ہزاروں جوانوں میں ایک جوان تھا۔ ہماری جوڑی اس سرزمین کی حسین ترین جوڑی تھی۔ یہ میرا نہیں سب کا ہی خیال تھا۔

میں نیتو کے سامنے اپنی عقل کھو بیٹھتا تھا۔ میری کیفیت نہ جانے کیسی ہو جاتی تھی۔ وہ جو کہتی میں مان لیا کرتا تھا۔ میری جان ہر وقت اس کے لئے حاضر رہتی تھی۔ آندھی آئے، طوفان آئے چاہے جو موسم ہو ہم دونوں ضرور ملاقات کرتے تھے۔

یہ اس رات کا واقعہ ہے کہ جب رات اندھیری تھی آسمان پر کالے بادل چھائے ہوئے تھے۔ اندھیرا اتنا تھا کہ چند قدم بھی کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ آج نیتو نہیں آئی تھی اور میں اکیلا اس کا انتظار کر رہا تھا۔ رات انتہائی بھیانک ہوتی جا رہی تھی۔ کسی جانور کے بولنے کی آواز تک نہیں آ رہی تھی۔ کبھی کبھی جھینگروں کی آواز آتی تھی۔ ماحول پر ایسی ویرانی اور نحوست اس سے پہلے میں نے نہیں دیکھی تھی کہ اچانک...... اندھیری رات میں مجھے دو آنکھیں نظر آنے لگیں۔ یہ انوکھی خاموش اور پراسرار آنکھیں میں لاکھ بہادر اور طاقتور تھا۔ مگر ہر انسان کی طرح ڈر اور خوف بھی تو میرے اندر تھا۔ میرا واسطہ اس سے پہلے ایسی انوکھی اور پراسرار آنکھوں سے نہیں پڑا تھا۔ اندھیری رات میں صرف آنکھیں چمک رہی تھیں۔ بڑی بڑی سرخ آنکھیں ان آنکھوں میں نہ جانے کیا بات تھی کہ میرے اعصاب کمزور ہو رہے تھے۔ میں نے کوشش کی کہ بھاگ جاؤں مگر پیروں نے ساتھ نہیں دیا۔ مدد کو چلانے کی کوشش کی مگر آواز نے ساتھ نہیں دیا۔ میں ایک پتھر کے بت کی طرح ساکت کھڑا رہا اور میں نے اندازہ کر لیا کہ اے جوان تیری موت آ گئی ہے اور میں نے دل ہی دل میں نیتو کو رب راکھا کہہ دیا اور مرنے کو تیار ہو گیا۔

پھر ایک گونجتی آواز میرے کانوں میں آئی۔ ”اگر اپنا بچاؤ کر سکتا ہے تو کر لے تیرے سر پر موت کھڑی ہے۔“ میں کیا کرتا میرے اعضا نے میرا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ میری بہادری جواں مردی سب ختم ہو گئی تھی انسان کا جسم جب اس کا ساتھ نہ دے تو وہ کیا کر سکتا ہے میں خاموش کھڑا تھا۔

پھر ایک زوردار ہنسی کی آواز آئی۔ ”تو بڑا کڑیل جوان ہے اور تیری معشوقہ وہ مصری کی ڈالی ہے۔ دل کرتا ہے دونوں کو ایک ساتھ کھا جاؤں۔ مگر میں ایسا نہیں کروں گا تم دونوں کو زندہ رکھنا ہے۔ تو زندہ رہے گا۔“ میں خاموش رہا تو پھر آواز آئی جواب دے۔

”ہاں میں زندہ رہنا چاہتا ہوں۔“ میں نے جواب دیا۔

”اور تیری نیتو کا کیا ہوگا۔“ آواز آئی۔

”میں اس کو بھی زندہ رکھنا چاہتا ہوں۔“ میں نے کہا۔

”اس کے لئے تجھے میری تین باتیں ماننی پڑیں گی۔“ آواز آئی۔ میں خاموش رہا تو غصہ میں بھری آواز آئی۔ ”جواب دے میری ہر بات کا جواب دیتا جا۔“

”میں ہر بات مان لوں گا۔“ میں نے کہا۔ کیا کرتا گردن پھنسی ہوئی تھی۔

”پہلی بات یہ ہے کہ تو اپنی اور میری اس ملاقات کے بارے میں کسی کو نہیں بتائے گا کہ میں کون ہوں؟ کیا ہوں؟ کبھی کھوجنے کی کوشش نہیں کرے گا سن لیا بول۔“

”ہاں سن لیا۔“ میں نے جواب دیا۔

”دوسری بات یہ ہے کہ ایک بندہ میں جب طلب کروں تجھ کو حاضر کرنا ہوگا۔ بول کرے گا!“

”کروں گا جی۔“ میں نے جواب دیا۔

”تیسری اور آخری بات یہ ہے کہ جب مجھے

ضرورت ہوگی تو تجھے ایک عورت تگڑی سی میری نذر کرنا ہوگی اگر تو نے میری باتیں پوری نہ کیں تو میں پہلے تیری معشوقہ کو اور اس کے بعد تجھ کو لے جاؤں گا اور اگر شرائط پوری کرتا رہا تو، میں تجھ سے کچھ نہیں کہوں گا۔ میری بات یاد رکھنا ہم کالے ہیں ایک بار جو کہتے ہیں وہی کرتے ہیں۔'' اور وہ چلا گیا۔

میں اندھیرے میں بڑی مشکل سے گرتا پڑتا گھر واپس آیا۔ میری حالت بہت خراب تھی میں اپنا دکھ پریشانی کسی کو بتا بھی نہیں سکتا تھا۔ اسی پریشانی میں نیتو سے میری شادی ہوگئی۔ نیتو میرے گھر آ گئی۔ میں اس کی آغوش میں اپنا دکھ پریشانی سب بھول گیا۔ میں نے اس رات کا ذکر کسی سے نہیں کیا تھا۔ شاید میں سو گیا تھا اور میں نے کوئی بھیانک خواب دیکھا تھا۔

تین مہینے گزر گئے۔ میں نیتو کے ساتھ بہت خوش تھا۔ زندگی بہت خوشگوار تھی مگر یہ خوشیاں اور عیش جانے والے تھے میں نیتو کو اس کی ماں کے پاس چھوڑ کر واپس آ رہا تھا آج پھر آسمان پر کالے کالے بادل چھائے ہوئے تھے۔ یہ اماوس کی رات تھی۔ اندھیرے کی چادر پھیلی ہوئی تھی۔ میں ڈرنے والا بندہ نہیں ہوں۔ مگر رات بھیانک ہوتی جا رہی تھی اور جب میں اس مقام پر پہنچا جہاں میں نیتو سے ملاقات کیا کرتا تھا تو ایک زوردار بجلی کا کڑاکا ہوا اور ایک لمحے کے لئے زمین روشن ہوگئی اس روشنی میں، میں نے دیکھا ایک کالا سیاہ بہت طویل قامت شخص کھڑا ہے۔ اس کے جسم پر لباس نام کی کوئی چیز نہیں تھی اور پورے جسم پر بہت بڑے بڑے بال تھے۔ اندھیرے میں وہ اندھیرے کا ایک حصہ تھا مگر بجلی کی چمک نے اس کو ظاہر کر دیا میں خود کو بہت بہادر سمجھتا تھا مگر اس کا قد اور ہیئت دیکھ کر میں تھر تھر کانپنے لگا۔

پھر اندھیرے میں دو آنکھیں روشن ہوگئیں۔ وہی پراسرار آنکھیں۔ تب مجھے خیال آیا وہ خواب نہیں تھا کیونکہ ایک ہی خواب دوبارہ نظر آتا۔ اور پھر اندھیرے کی چادر کو چیرتی ایک گونجتی بھیانک آواز ابھری۔ ''تیری عیاشیوں کے دن ختم ہوگئے۔ بہت موج کر لی۔ اب کام کر۔''

میری آواز اور جسمانی اعضا تو برف بن گئے تھے۔ میں کیا جواب دیتا۔ ''اب تیری نیتو اپنی اماں کے پاس رہے گی اور تو اکیلا رہے گا۔ اگر ساتھ رہے گا تو اس میں ہی مست رہے گا۔ اس لئے تم دونوں الگ الگ رہو گے...... جب میں کہوں تو، تو اس کے پاس جائے گا اور اگر تو نے میرا کہنا نہ مانا تو پھر تیری نیتو میرے قبضے میں ہوگی۔ بول کیا مرضی ہے۔''

''مجھے تیری بات منظور ہے......'' میں کیا کرتا میری محبت میری بیوی اس کو میں کس مصیبت میں مبتلا کرتا۔ ''اماوس کی راتوں میں ہمارا جشن ہوتا ہے۔ کل رات مجھے ایک تگڑا آدمی چاہئے۔''

''تم اس کا کیا کرو گے۔'' میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

''تم یہ سوال کرنے کا حق نہیں رکھتے، مگر بتائے دیتا ہوں آج میں بہت خوش ہوں اس لئے۔ آج میری معشوقہ آنے والی ہے اس کی دعوت کرنا ہے۔''

''تم لوگ آدم خور ہو؟'' میں نے پھر ہمت کر کے پوچھا۔

''انسان مرغی خور ہوتا ہے۔ بکری خور ہوتا ہے اور نہ جانے کتنے جانور کھا جاتا ہے اس سے کوئی نہیں پوچھتا اور تو مجھ سے کیوں پوچھ رہا ہے کہ میں آدم خور ہوں۔''

میں کیا جواب دیتا۔ خاموش رہا۔ وہ پھر بولا۔

''کل رات یاد رکھنا ٹھیک دس بجے رات اس کو لے کر یہاں آ جانا۔'' اور وہ چلا گیا۔ دوسرے روز میں نے ایک فقیر کو پکڑا اور اس کے حوالے کر دیا۔

اس طرح ایک دو مہینے کے بعد وہ فرمائش کرتا رہا اور میں بلدیو سنگھ کی مدد سے بندے اس کی نذر کرتا رہا۔ جب اس کی معشوقہ اس کے پاس نہیں ہوتی تو وہ عورت بھی طلب کرتا ہے اس کا بندوبست بھی کرنا پڑتا ہے۔ آج تک یہ پتہ نہیں چلا کہ جو بندہ یا عورت میں نے اس کے حوالے

گئے ان کا کیا بنا۔اس کا کوئی پتا نہیں چلتا۔ میں نے دو چار مسافروں کو بھی اس کے حوالے کیا ہے مگر کسی کا پتہ نہیں چلا۔"

"یہ سلسلہ کتنے عرصے سے چل رہا ہے۔" رولو کا نے پوچھا۔

"تین سال گزر گئے۔" گنڈا سنگھ نے جواب دیا۔

"اس کے بارے میں بلدیو سنگھ کو کچھ پتہ ہے؟" میں نے پوچھا۔

"صرف اتنا کہ میں مسافروں کو غائب کر دیتا ہوں وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں ان کے روپے پیسے کے لئے ایسا کرتا ہوں کیونکہ بلدیو سنگھ کو میں ہر مسافر کے بدلے اچھی خاصی رقم دیتا ہوں وہ یہی سمجھتا ہے کہ میں نے رقم پر ہاتھ صاف کرنے کے بعد مسافر پر بھی ہاتھ صاف کر دیا ہے۔ جو باتیں میں نے تم کو بتائی ہیں وہ میں نے نیتو کو بھی نہیں بتائیں۔"

"اب تم کیا کرو گے کل رات کس کو پیش کرو گے۔" رولو کا نے پوچھا۔

"ابھی تک تو کوئی بندوبست نہیں ہے۔" گنڈا سنگھ بولا۔

"گنڈا سنگھ تم ایسا کرو مجھے پیش کر دو۔" رولو کا نے کہا۔

"کیا کہہ رہے ہو خیرو تم!" وہ حیرت سے بولا۔

"میں جو کہہ رہا ہوں تم وہی کرو۔" رولو کا نے کہا۔

"ساری کہانی سننے کے بعد بھی تم یہ کہہ رہے ہو؟" گنڈا سنگھ حیرت سے بولا۔

"ہاں سب جاننے کے بعد بھی۔" رولو کا نے کہا۔

"میرا خیال ہے تم کو میری کہانی پر یقین نہیں ہے۔تم مجھے جھوٹا سمجھ رہے ہو۔ میں نے جو کہا ہے وہ سچ ہے تم جان بوجھ کر اپنی زندگی کیوں ختم کر رہے ہو اس کے پاس جو گیا ہے وہ آج تک پلٹ کر نہیں آیا۔اس کا نشان تک نہیں ملا۔ وہ بہت ظالم ہے آدم خور ہے۔ مجھے تو یہ بھی پتہ نہیں کہ وہ ہے کیا بلا ....." گنڈا سنگھ بولا۔

"تمہاری کہانی سچی ہے۔ میں مانتا ہوں۔تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ تم مجھ کو اس کے پاس پہنچا دو۔ کوئی واپس نہیں آیا۔ مگر میں واپس آؤں گا تم اس کو نہیں جانتے کہ وہ کون ہے مگر میں اس کو پہچان چکا ہوں۔تم اس کا ساتھ دے کر اپنی خود غرضی کا ثبوت دے چکے ہو تم اپنی اور اپنی بیوی کی زندگی بچانے کو کتنے بے گناہوں کو اس کی بھینٹ چڑھا چکے ہو۔ اب یہ سلسلہ بند کرو اب کوئی بھینٹ اس کو نہیں دی جائے گی۔" میں جو کہتا ہوں وہ تم کو کرنا ہے۔کل رات میں تمہارے ساتھ جاؤں گا۔"

گنڈا سنگھ نے حیرت سے رولو کا کی بات سنی اور خاموش رہا۔ دوسری رات رولو کا گنڈا سنگھ کے ساتھ جانے کو تیار ہو گیا۔ گنڈا سنگھ بہت حیران تھا اس نے اب تک ایسا آدمی نہیں دیکھا تھا جو خود اپنی مرضی سے موت کے منہ میں جانے کو تیار تھا۔

"میں بہت برا آدمی ہوں خیرو بھائی۔ میں نے اپنی زندگی اور اپنی بیوی کو بچانے کو بہت پاپ کئے ہیں۔ مگر تم خود موت کو گلے لگا رہے ہو۔ میرے اندر سے یہ آواز آ رہی ہے کہ گنڈا سنگھ تو خود اپنی بھینٹ کیوں نہیں دیتا۔ میں بہت برا آدمی ہوں خیرو بھائی۔تم نے میرے اندر کے انسان کو جگا دیا ہے تم میرے ساتھ نہ جاؤ۔ میں اکیلا ہی جاتا ہوں۔" گنڈا سنگھ جذباتی ہو رہا تھا۔

"تمہارے ضمیر نے تم کو پھر سے انسان بنا دیا ہے۔اب تم انسان ہی رہنا اور کوئی کام ایسا نہ کرنا جو کسی کے نقصان کا باعث ہو۔ مگر میں نے جو فیصلہ کر لیا ہے میں اس پر عمل کروں گا۔ میں تمہارے ساتھ جاؤں گا۔تم فکر نہ کرو مجھے کچھ نہیں ہوگا میں واپس آؤں گا۔"

رات کے ٹھیک آٹھ بجے وہ سرائے سے نکل آئے۔ "کتنی دور جانا ہے۔" رولو کا نے پوچھا۔

"شہر سے باہر ایک ویران محل ہے اس کا نام کالا محل ہے پتہ نہیں کس نے بنوایا ہوگا بہت حصہ گر گیا ہے اس کی ساری دیواروں پر کائی جمی ہوئی ہے۔ بہت بڑے بڑے دالان ہیں جو زیادہ تر گر چکے ہیں۔ دور سے ہی خوفناک نظر آنے والی اس جگہ دن میں بھی کوئی نہیں آتا۔

سڑک سے ایک کچا راستہ اس تک جاتا ہے۔ میں صرف اس کچے راستہ تک ہی جاتا ہوں۔ کیونکہ وہ خود اپنے شکار کے انتظار میں اس راستہ پر کھڑا رہتا ہے۔ میں وہیں سے واپس آ جاتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے تم وہیں سے واپس آ جانا۔'' رولوکا نے کہا اور دونوں اس کچے راستے کی طرف بڑھتے رہے۔

رات اندھیری تھی۔ ہر طرف ہو کا عالم تھا اور دور دور کسی انسان تو انسان کسی جانور کا نام نشان نہیں تھا۔

رات کی سیاہی میں اس بھیانک عمارت کا صرف ہیولا ہی نظر آ رہا تھا۔ اب دونوں کچے راستے پر تھے رولوکا نے گنڈا سنگھ کو اشارہ کیا کہ وہ واپس چلا جائے۔ گنڈا سنگھ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ رولوکا نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور خود اکیلا کچے راستے پر چل پڑا۔ گنڈا سنگھ واپس مڑ گیا۔ دس پندرہ قدم ہی رولوکا نے بڑھائے ہوں گے کہ کسی گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز آئی۔ رولوکا ہر طرف سے چوکنا تھا۔ ایک الو رولوکا کے قریب تھا۔ آواز کے ساتھ ہی ایک بہت بڑے سر والا آدمی نما گھوڑا اس کے سامنے آ گیا۔ اس کا سر گھوڑے کا اور جسم انسانی لگتا تھا۔ قد اس قدر زیادہ تھا کہ اس کا چہرہ صرف نظر نہیں آ تا تھا۔ زمین پر چلتا تھا تو دھمک ہوتی تھی۔

رولوکا نے ایک بھرپور نظر اس پر ڈالی اور الو کو اشارہ کر دیا تھا۔ الو صرف رولوکا کو نظر آ رہا تھا۔ الو بڑی تیزی سے اس کے سر پر گیا اور الو کے بیٹھتے ہی اس بلا نے سر کو زور کا جھٹکا دیا۔ مگر الو اور زیادہ جم گیا اور اس نے اس بلا کے سر میں چونچ مارنا شروع کر دی۔

اس کے ساتھ ہی رولوکا نے ایک طرف اشارہ کیا اور نہ جانے کہاں سے بڑے بڑے سائز کی اور پیلے رنگ کی بھڑوں نے اس پر حملہ کر دیا۔ وہ شاید ان حملوں کا گمان نہیں کر رہا تھا۔ دوسرے دونوں حملے اس قدر شدید اور جلدی ہوئے کہ وہ زمین پر ناچنے لگا اس نے ہر طرح کوشش کی کہ کسی اور پیکر کو اختیار کر کے راہ فرار اختیار کرے گا مگر رولوکا اس کا یہ راستہ بھی بند کر چکا تھا۔ وہ جس ہیبت ناک روپ میں تھا اسی میں تڑپ رہا تھا۔ اس کی خوفناک آوازیں ویرانے میں گونج رہی تھیں۔

کافی دیر تک وہ بچاؤ کی کوشش کرتا رہا۔ مگر الو نے اس کو نہیں چھوڑا اور بھڑوں نے اس کے پورے بدن کو چھلنی کر دیا۔ وہ گر پڑا اور بری طرح ڈکرانے لگا۔

رولوکا اس کے پاس گیا اور بولا۔ ''تو پھر آ گیا...... تجھے پہلے معافی اس شرط پر دی گئی تھی کہ تو انسانوں سے دور رہے گا......''

''تو بھی یہاں آ گیا۔ میں نے افریقہ چھوڑ دیا تیری وجہ سے مگر تو یہاں پر بھی آ گیا۔ مگر میرا نام بھی کملائی جن ہے تو ہر جگہ میرے آڑے آتا ہے۔ تو نے دھوکے سے حملہ کر دیا ہے۔ میں پھنس گیا ہوں۔ اب تو بول کیا چاہتا ہے۔'' بڑی ڈراؤنی آواز اس کے منہ سے نکل رہی تھی۔

''تو بہت بے غیرت ہے۔ تیری خوراک کیا تجھ کو نہیں ملتی کہ تو آدم خوری کرتا ہے۔'' رولوکا نے پوچھا۔

''ملتی ہے مگر آدم زاد بڑا آسان اور بہت مزیدار شکار ہے۔ افریقہ میں کیا یہ نہیں ہوتا۔ سانپ سانپ کو نہیں کھاتا۔ سارا کھیل طاقت کا ہے آدم زاد مجھے شکار کر سکتا تو نہ کرتا۔ میں اگر یہ کرتا ہوں تو کیا برا کرتا ہوں۔'' کملائی نے کہا۔

''یہی تیری سب سے بڑی غلطی ہے تو طاقت کے نشے میں بے گناہوں کو تنگ کرتا ہے ان کو اپنا نوالا بناتا ہے۔ تیری دنیا الگ ہے تو انسانوں کی دنیا میں آ کر کیوں ان کو تکلیف دیتا ہے۔ افریقہ میں تیرا قبیلہ آباد ہے اور وہ قبیلہ اور اس کے جن بہت ظالم ہیں۔ اس قبیلے نے وہاں پر زندگی مشکل بنا دی ہے۔ تو یہاں پر آ کر یہاں کے انسانوں پر ظلم کر رہا ہے۔ مگر یاد رکھ اس دفعہ میں تجھے معاف نہیں کروں گا۔'' رولوکا نے کہا۔

کملائی خاموش لیٹا تھا۔ خاموشی ہر طرف مسلط تھی۔ رولوکا نے پھر کہنا شروع کیا۔ ''میں جانتا ہوں تو

خاموش پڑا کیا کر رہا ہے مگر یاد رکھ اب تو کسی بہروپ میں نہیں آئے گا تیری وہ محبوبہ جو تیرے ساتھ دادعیش دیتی ہے اس کو فوراً بلا لے تا کہ ایک ہی وقت میں تم دونوں کا حساب ہو جائے۔"

کملائی نے جواب نہیں دیا۔ وہ اپنی طاقت آزما رہا تھا مگر الو اس کے سر پر بدستور موجود تھا اور پورے جسم پر بھڑوں نے ڈیرہ ڈالا ہوا تھا۔ "صرف ایک منٹ اور دوں گا۔" رولوکا نے کہا۔

"بلاتا ہوں۔" کملائی جلدی سے بولا۔

چند لمحوں کے بعد ایک بہت لمبی عورت کھنڈرات سے باہر آ گئی اس کو عورت کہنا عورت کی توہین کے برابر ہے وہ مادر زاد ننگی تھی سر کے لمبے بال ہوا کے دوش پر اکڑے ہوئے، آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی، سرخ انگارہ کی طرح اور دہانہ گھوڑے جیسا۔ رولوکا نے اس کو دیکھا اور بولا۔

"کملائی کے ساتھ تو ہی ہو سکتی تھی۔ میں جانتا تھا تجھے گولو نے قید کر دیا تھا تو پھر کملائی کے ساتھ کیسے آ گئی۔" مگر اس نے جواب نہیں دیا۔

"نہیں بتائے گی تو، دیکھ لے یہ پڑا ہے تیرا چاہنے والا۔ بول اس کو ذرا کھڑا تو ہو جائے۔ تو اور تیرا یہ عاشق رولوکا کے پاس پھر آ گئے ہیں۔ اس دفعہ تم دونوں کو معافی نہیں ملے گی۔" اچانک رولوکا نے ایک اشارہ کیا ایک بہت خوفناک الو اور اڑتا ہوا آیا اور اس خوفناک عورت کے سر پر بیٹھ گیا۔ عورت نے بڑے زور سے سر کو جھٹکا مگر الو نے اس کے سر پر وار کرنا شروع کر دیئے۔ عورت کے چنگھاڑنے کی آوازیں کھنڈرات میں گونجنے لگیں اور وہ کھنڈرات میں دوڑنے لگی اور نہ معلوم زبان میں کس کو پکارنے لگی۔ مگر اس کی مدد کو کوئی نہیں آیا۔ کملائی کھلی آنکھوں سے یہ تماشہ دیکھتا رہا۔

"تیرے اور اس تیری انسان دشمن معشوقہ کے لئے یہ سزائیں بہت معمولی ہیں۔ تم لوگ پھر وہی لرو گے جو اب تک کرتے رہے ہو اس لئے میں تم دونوں کو علم دے رہا ہوں کہ تم دونوں گوبریلا بن جاؤ۔ وہی کیڑا جو گوبر میں پیدا ہوتا ہے اور گوبر ہی اس کی غذا ہوتی ہے۔" مگر دونوں طرف سے جواب نہیں ملا۔

رولوکا نے کملائی کی طرف دیکھا اور بھڑوں نے اپنا کام پھر شروع کر دیا۔ کملائی کی چیخیں پھر کھنڈرات میں ابھرنے لگیں۔ بھیانک کھنڈرات میں ایسی بھیانک آہیں اور شور اگر کوئی انسان سن پاتا تو شاید وہ برداشت نہ کر پاتا۔ دو تین منٹ کے بعد ہی رولوکا نے ایک اور وار کر دیا۔ اب کملائی سر کے بل کھڑا تھا اور اس کا دھڑ زمین میں دھنستا جا رہا تھا۔

اور اس خوفناک عورت کے جسم پر سرخ رنگ کی چیونٹیوں نے حملہ کر دیا تھا اور وہ خوفناک عورت بری طرح ڈکرا رہی تھی۔ اس کے گوشت کو چیونٹیاں اتنی تیزی سے کھا رہی تھیں کہ اس کے اندر کے اعضاء اور ہڈیاں نظر آنے لگی تھیں۔

کملائی کمر تک زمین میں اتر چکا تھا۔ بہت سخت جان تھے دونوں۔ یہ ڈرامہ آدھ گھنٹہ جاری رہا۔ کملائی نے اشارہ سے بتایا۔ وہ کچھ کہنا چاہتا ہے۔ رولوکا کے اشارے پر وہ زمین سے باہر آ گیا۔ "بول کیا کہتا ہے رولوکا نے نفرت سے پوچھا۔

"میں گوبریلا بننے پر راضی ہوں۔ اس لئے کہ تو میری جان نہیں چھوڑے گا۔" وہ سپاٹ آواز میں بولا۔

"تو پھر ایک چانس لے رہا ہے کہ شاید پھر تیری کوئی چالبازی تجھے آزادی دلا دے۔"

"ہاں موت سے یہ بہتر ہے۔" وہ بولا۔

"مگر اس دفعہ تو موت کو پسند کرتا تو زیادہ بہتر تھا۔" رولوکا نے کہا۔

"مرنا کون پسند کرتا ہے زندگی موت سے بہتر ہے۔" کملائی نے کہا۔

"تو غلطی پر ہے بعض مقام زندگی میں ایسے آتے ہیں کہ موت بہت اچھی لگتی ہے اور تجھے تجربہ نہیں ہے آگے چل کر تو خود موت کی طرف جائے گا اور تجھے موت بھی

نہیں ملے گی۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''مگر میں پھر بھی تم سے زندگی ہی مانگوں گا۔ ہر جاندار کی طرح۔'' کملائی نے کہا۔

''ٹھیک ہے میں تیری بندش کھولتا ہوں مگر یاد رکھنا اپنی طاقت استعمال کرنے کی کوشش مت کرنا الو تیرے سر پر موجود ہے تو گوبریلا بن جا۔'' رولوکا نے حکم سنایا۔

ایک منٹ کے بعد جہاں کملائی تھا وہیں پر ایک بہت چھوٹا سا گوبریلا کیڑا موجود تھا۔ رولوکا نے اس کو مخاطب کر کے کہا۔ ''تیری ساری طاقت آج کے بعد ختم، تو صرف ایک گوبریلا کیڑا ہے۔ تو کسی طرح پھر سے کسی بھی روپ میں واپس نہیں آ سکتا کیونکہ میں تیری ساری طاقت کو تیرے سامنے جلا رہا ہوں اور پھر ایک بہت زور دار دھما کہ ہوا اور آگ بھڑک اٹھی۔ اور گوبریلا ادھر سے ادھر دوڑتا رہا۔ اب تو آزاد ہے۔ گوبریلا کے روپ میں جہاں جی چاہے وہاں جا......''

عورت کے جسم پر اب گوشت نہیں تھا۔ اندرونی اعضاء بھی چیونٹیاں کھا چکی تھیں عورت ایک پنجر کی شکل میں سامنے کھڑی تھی اور الو اب بھی اس کے سر پر موجود تھا۔ رولوکا نے جب الو کو اشارہ کیا تو وہ فضا میں پرواز کر گیا۔ چیونٹیوں کو اشارہ کیا تو وہ بھی غائب ہو گئیں۔ رولوکا اب عورت سے مخاطب ہوا۔

''تو نے ہزاروں عورتوں اور مردوں کو بڑی اذیت ناک موت مارا ہے مگر تو یہ بھول گئی تھی کہ سب کو مرنا ہے آج تیری زندگی کا یہ آخری دن ہے......'' طویل قامت عورت کا ڈھانچہ سوکھی لکڑی کی طرح جلنے لگا۔ کچھ ہی دیر میں وہ راکھ کے ڈھیر میں تبدیل ہو گیا اور پھر ایک ہوا کا جھونکا آیا اور وہ ساری راکھ ہوا میں اڑ گئی۔

میں نے حیرت سے رولوکا کی زبانی یہ کہانی سنی اور پھر پوچھا۔ ''آخر کیا وہ بلا تھی۔ وہ عورت کون تھی۔''

''کافر جنات کا ایک نہایت ہی ظالم قبیلہ یوگنڈا کے اندرونی جنگلات میں آباد ہے۔ وہاں پر جانا بہت مشکل ہے کیونکہ وہ علاقہ اس قدر خطرناک ہے کہ عام انسان کے بس کی بات نہیں۔ وہاں کی کسی بھی جگہ کا بھروسہ نہیں ہے کہ دلدل صاف ستھری جگہوں پر بھی موجود ہیں۔ وہاں پر انسانوں کا رہنا تو بالکل ہی ناممکن ہے۔ ان پہاڑوں اور وادیوں میں یہ جنات کا بہت بڑا قبیلہ رہتا ہے۔ یہ لوگ سورج کے پجاری ہیں۔ سب سے بڑی خرابی ان میں یہ ہے کہ یہ لوگ انسانوں کو شکار کرتے ہیں اور ان کو کھاتے ہیں۔

یہ کملائی اس قبیلے کا ہی جن ہے یہ اپنے علاقے کو چھوڑ کر دوسرے جنگلات میں رہتا تھا اور انسانوں کا شکار کرتا تھا۔ اس عورت کو اس کی بیوی ہی سمجھ لو۔ وہاں پر ان کے لئے سب سے بڑی رکاوٹ وچ ہی ہوا کرتے تھے۔ اس طرح میرا واسطہ بھی اس سے پڑا تھا اور میں نے اس کو ایک موقعہ دیا تھا اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اپنے قبیلے تک محدود رہے گا مگر یہ یہاں پر آ گیا اور وہی کرنے لگا جو وہاں پر کرتا تھا۔ یہ کوئی معمولی جن نہیں تھا بہت قوی اور کچھ ہنر بھی جانتا تھا۔ مگر مجھے اس کی طاقت کا اندازہ تھا۔

میں اس کے کمزور پہلوؤں کو بھی خوب جانتا تھا اور وہ طلسمی الو کی طاقت کے بارے میں قطعی لاعلم تھا۔ میں نے اسی کو استعمال کیا اور الو اس کی ساری طاقت کو سر سے اتارنے میں کامیاب ہوا۔ ہمارے پاس بہت سے ایسے اسرار ہیں جن کے بارے میں کوئی نہیں جانتا۔ جنات ہر روپ اختیار کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ مگر ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ جس روپ میں ہوتے ہیں اسی میں قید ہو جاتے ہیں اور اس قید کی ایک میعاد ہوتی ہے اس کے بعد وہ دوبارہ اپنی اصلی شکل میں آ جاتے ہیں۔'' رولوکا نے تفصیل بتائی۔

''تم نے کملائی کو گوبریلا بنا دیا۔ وہ کب تک گوبریلا رہے گا۔'' میں نے پوچھا۔

''اس کو میں نے گوبریلا نہیں بنایا وہ خود سے گوبریلا بنا ہے، میں نے اس کو حکم دیا تھا وہ کسی بھی پیکر میں ہوتا تو بدمعاشی کرتا رہتا۔ گوبریلا ایک بہت معمولی چھوٹا سا کیڑا ہوتا ہے۔ وہ گوبر میں رہ کر خوش ہوتا ہے۔

میں نے اس کو آخری عمر تک کے لئے پابند کیا ہے۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''تو کیا وہ سو سال تک گوبریلا بنا زندہ رہے گا۔'' میں نے پھر پوچھا۔

''ہاں وہ اسی حالت میں زندہ رہے گا دکھ اور تکلیف برداشت کرے گا۔ وہ موت کی دعائیں کرے گا۔ مگر جنات کی عمر بڑی طویل ہوتی ہے اس لئے وہ اپنی طبعی عمر گوبریلا بن کر پوری کرے گا۔ بے شک اس کی زندگی بڑی اذیت ناک ہوگی مگر اس کے کرتوت ہی ایسے تھے کہ اس کو یہ سزا ملی۔''

''اس قبیلے کے علاوہ جو جن دنیا میں رہتے ہیں کیا وہ بھی آدم خور ہوتے ہیں۔'' میں نے رولوکا سے سوال کیا۔

''نہیں ایسا نہیں ہے۔ اس قبیلے کو جنات کے دوسرے قبیلے بھی اچھا خیال نہیں کرتے۔ ان میں بھی ذات برادری ہے اور یہ بھی مذہب کو مانتے ہیں۔ مگر یہ افریقہ کا قبیلہ ایسا ہے کہ یہ سورج کو پوجتا ہے۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''اور وہ اس کی بیوی کون تھی؟'' میں نے پھر سوال کر دیا۔'' وہ بھی اسی وحشی قبیلے کی تھی۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''اب کرنال میں ہمارا کوئی کام نہیں تھا۔ دوسرے روز میں نے گنڈا سنگھ کو بتا دیا۔'' ہم لوگ جا رہے ہیں۔''

وہ فوراً بولا۔'' کی گل کر رہے ہو بادشاہو آپ نے میرا اتنا بڑا کام کیا ہے۔ میری زندگی اور نہ جانے کتنوں کی زندگی بچائی ہے، کچھ سانو بھی خدمت کا موقع دو۔''

''نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' رولوکا نے کہا۔

اور ہم لوگ آگے روانہ ہو گئے۔ اب ہماری منزل لدھیانہ تھا۔ مگر ہم نے طے کیا تھا کہ لدھیانہ شہر میں نہیں رہنا کسی گاؤں میں جائیں گے۔ گاؤں کی زندگی دشوار ضرور ہوتی ہے مگر شہری زندگی سے بہتر زندگی ہوتی ہے۔ وہاں پر ہر چیز اپنی اصلی شکل میں نظر آتی ہے محبت، نفرت، دوستی، دشمنی اور غذا ہر چیز اصلی ہوتی ہے۔ رولوکا کا اب تک انڈیا کے شہروں سے واسطہ پڑا تھا میں چاہتا تھا کہ رولوکا یہاں کے گاؤں بھی دیکھے۔

لدھیانہ اترنے کے بعد ہم ایک سرائے میں رک گئے۔ یہ سرائے بھی ایک سکھ سردار کی تھی اس کا نام جوگندر سنگھ تھا۔ بہت ہنس مکھ آدمی تھا۔ بدن کے مقابلے میں پیٹ زیادہ بڑا تھا۔ اور وہ ہر بات پر زوردار قہقہہ لگانے کا عادی تھا۔ وہ جب زور سے ہنستا تھا تو اس کی توند بڑی زور سے ہلتی تھی اور سامنے والا بھی زور سے ہنس پڑتا تھا۔

''سردار جی یہ بتاؤ ہم لوگ ناشتہ کہاں کریں۔'' میں نے صبح اس سے پوچھا۔

''ساڈے لوگ کادے واسطے اتھے بیٹھے ہیں۔'' وہ فٹ سے بولا۔

''تم برا مت ماننا۔ ہم یہاں پر کھانا ناشتہ نہیں کریں گے اگر قریب میں مسلمان کا کوئی ڈھابہ ہوٹل ہے تو بتاؤ۔'' میں نے کہا۔

''کوئی گل نہیں ہوندا ہے ایسا ہوندا ہے۔ آؤ میرے نال چلو۔'' اور ہم دونوں اس کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ وہ راستہ بھر بولتا ہی رہا اور ہم دونوں صرف سنتے رہے۔ وہ ایک تندور پر رک گیا اور بولا۔

''لو جی بادشاہو یہ مسلمان بندہ ہے تسی بے فکر ہو کر جو دل کرے کھاؤ۔'' اور پھر زور سے تندور پر موجود ایک داڑھی والے آدمی سے بولا۔

''لے بھئی جمال دین تیرے واسطے گاہک لایا ہوں میرے ہی پاس ٹھہرے ہیں۔ ذرا چنگی طرح ان کی خدمت کر کوئی شکایت کی گل مت کرنا۔ اچھا جی میں چلا۔'' اور جوگندر سنگھ واپس مڑ گیا۔ میں نے تندور پر بیٹھے داڑھی والے جوان آدمی سے پوچھا۔

''تیرا نام کیا ہے جوان؟''

''میرا نام جمالہ ہے جی۔'' وہ بولا۔

''ارے بھئی پورا نام بتا۔'' میں نے پھر پوچھا۔

''نام تو میرا جمال دین ہے مگر سب جمالہ ہی کہتے

ہیں۔"

"چل ٹھیک ہے کیا پکایا ہے۔" میں نے پھر پوچھا۔

"ابھی تو جی تازہ کچھ نہیں پکایا۔ رات کا دل گوشت پڑا ہے اور گرم گرم پراٹھے لگا دیتا ہوں۔ رات کا دل گوشت بھی بڑا اچھا پکا تھا جی مزا آ جائے گا۔" جمالہ نے جواب دیا۔

"تیرے پاس انڈے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"انڈے مل جائیں گے۔" وہ بولا۔

"چل پھر چار انڈوں کا آملیٹ بنا ڈال۔" ہی مرچ ڈال کے اور دو پراٹھے گرم گرم لگا دے۔"

اور جمالہ اپنے کام میں لگ گیا اور بہت تیزی سے اس نے ناشتہ تیار کیا اور سامنے لا کر رکھ دیا اور کوئی گاہک اس کے پاس نہیں تھا اس لئے ہمارے ہی پاس آ کر بیٹھ گیا۔ ہم دونوں نے ناشتہ شروع کر دیا۔ رلوکا نے دوران ناشتہ جمالے سے پوچھا۔

"تو کیا یہاں لدھیانہ کا رہنے والا ہے۔"

"نئی جی میں جگنی پنڈ سے آیا ہوں۔ ادھر میرا پیو اب تک رہتا ہے۔" جمالہ بولا۔

"پنڈ کو چھوڑ کر ادھر کیا کرنے آ گیا تو؟" میں نے پوچھا۔

"بس جی کیا کروں ایک مصیبت گلے پڑ گئی تھی۔" وہ بولا۔

"کیسی مصیبت میں نے کریدا۔"

"بات یہ ہے کہ جی ہم لوگ خاندانی خدمت گار لوگ ہیں۔ سارے پنڈ کی خدمت کرنی اور روٹی شوٹی کھانی۔ ذات کے ہم نائی ہیں جی ہمارے پنڈ میں قینچی، استرے کا تو کاروبار چلتا نہیں کیونکہ زیادہ آبادی سرداروں کی ہے۔ ہم لوگ دیگیں پکا کر اور کدمت کر کے اپنا دھندا کرتے ہیں۔ مگر میرے گلے میں ایک مصیبت پڑ گئی اور مجھے پنڈ چھوڑنا پڑا۔" بس جی کی دساں۔"

"ارے یار وہی تو پوچھ رہے ہیں کہ کیا مصیبت تیرے گلے پڑ گئی۔" رلوکا نے پوچھا۔

"بات یہ ہے کہ ہمارا گزارہ ہی خدمت کے ذریعہ پورا ہوتا تھا۔ ہمارا زمیندار سردار ہنس مکھ سنگھ بہت ظالم آدمی ہے نام تو اس کا ہنس مکھ سنگھ ہے مگر میں نے کبھی اس کو ہنستے نہیں دیکھا۔ میں اس کی خدمت بھی کرتا تھا، شام کو روز مالش کرنے اس کے ڈیرے پر جاتا تھا۔ اس کے گھر کا کام دن بھر کرتا تھا۔ میرا پیو بھی اس کی سیوا میں لگا رہتا تھا۔ ہم دونوں دوڑ دوڑ کر اس کے سارے کام کرتے تب جا کے روٹی نصیب ہوتی۔ میری ماں مر گئی تھی اور میں اکلوتی اولاد تھا۔ گاؤں کی محنت اور آب و ہوا نے مجھ پر جوانی چڑھا دی تھی۔ میں کثرت کرنے کا بھی کچھ شوق رکھتا تھا میرا بدن بڑا خوب صورت تھا۔ تھا تو میں بڑا گھٹیا سا آدمی، کوئی عزت سے مجھے نہیں بلاتا تھا مگر پتہ نہیں ہنس مکھ سنگھ کی جوان دھی کو کیا ہوا کہ وہ میرے چاروں طرف پھرنے لگی۔ بڑی کٹیلی مٹیار تھی جی۔ وہ بہانے بہانے سے میرے قریب آ جاتی۔ آہستہ آہستہ وہ اور آگے بڑھنے لگی کبھی میرا ہاتھ پکڑ لیتی کبھی بدن ملا کر کھڑی ہو جاتی۔ میں اپنی اوقات جانتا تھا۔ ڈر کے مارے کانپ جاتا اور بھاگ کھڑا ہوتا۔ وہ پیاسی نظروں سے میری طرف دیکھتی اور میں مجبور نگاہوں سے اس کا جواب دیتا۔ نہ وہ زبان سے کچھ کہتی نہ میں منہ کھولتا۔ مگر دونوں طرف کے جذبے پکار پکار کر احوال بیان کرتے۔ میں بھی سنتا وہ بھی سنتی آخر ایک دن اس نے زبان کھولی۔

"کب تک جلے گا اس آگ میں اور مجھے بھی جلائے گا، بول جمالہ۔"

"میں کیا بتاؤں میرا تو نصیب ہی جلنے کو ہے۔"

"ایسا کرتے ہیں لدھیانہ سے نکل جاتے ہیں۔" وہ بولی۔

"یہ بہت مشکل کام ہے مجھ سے نہیں ہوگا۔" میں نے کہا۔

"ہمت پکڑ جمالہ، بزدل نہ بن۔ میں مٹیار ہو کے یہ گل کر رہی ہوں اور تو مرد ہو کر پیٹھ دکھا رہا ہے۔" وہ

ناراضگی سے بولی۔

''ہاں تیری بات ٹھیک ہے۔ یہ اس لئے کہ میرا پیو ایک غریب بندہ ہے۔ میرے بعد اس پر کیا گزرے گی میں اندازہ کرسکتا ہوں۔ تیرا ظالم باپ اس کا کیا حشر نشر کرے گا میں سمجھتا ہوں۔ میں اپنی خواہشات کو پورا کرنے کو یہ نہیں کرسکتا کہ پیو کو جہنم میں دھکیل دوں۔ تو مجھے بزدل کہہ دے اور جو مرضی آئے کہہ دے۔''

''تو نے میری امیدوں پر پانی پھیر دیا ہے میرا مان توڑ دیا ہے ارے پاگلہ میرے پاس اتنا روپیہ اور زیور ہے کہ تو زندگی بھر عیش کرتا۔ پر تیری قسمت ہی کھوٹی ہے تو سدا دوسروں کی غلامی میں ہی رہے گا۔''

اور وہ مجھ سے ناراض ہوگئی اور اس کے ٹھیک آٹھ روز کے بعد ایک سادھو کے ساتھ فرار ہوگئی۔ ''مجھے نہیں پتہ کہ اس سادھو کے ساتھ اس کے تعلقات کس طرح قائم ہوئے۔ میرا آنا جانا زمیندار کے گھر کے اندر تھا اور ہم دونوں کو قریب کئی دوسرے نوکروں نے بھی دیکھا تھا مجھ پر بھی شک کیا گیا مگر میں تو ایک دن کو بھی غیر حاضر نہیں تھا۔ زمیندار ہنس مکھ سنگھ نے مجھ پر بڑا ظلم کیا مگر میرا ایک ہی جواب تھا۔ آخر وہ تھک گیا اور مجھے چھوڑ دیا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ سادھو اپنی کٹیا سے غائب تھا اور ایک دو آدمیوں نے کسی عورت کے ساتھ اس کو پنڈ سے جاتے بھی دیکھا تھا۔ میرا دل پنڈ سے اچاٹ ہوگیا تھا۔ میرا پیو زمیندار کے خوف سے سہا ہوا تھا۔ میری وجہ سے اس کی زندگی پریشانیوں میں گھر گئی تھی۔ میرے پیو کا خیال بھی یہ تھا کہ میں پنڈ سے چلا جاؤں اور میں یہاں چلا آیا۔ پکا ٹانا تو آتا ہی تھا دوڑ بھاگ کر کے یہ ہٹی لی اور اللہ کا نام لے کر بیٹھ گیا۔'' جمالہ خاموش ہوگیا۔

''تیرا گزارہ ہوجاتا ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''بس جی روپیہ دو، روپے مل جاتے ہیں۔ یہاں کے مسلمان میرے پاس آجاتے ہیں۔''

''اب تیرا پیو کہاں ہے۔'' میں نے پھر پوچھا۔

''پنڈ جگنی میں ہی ہے اور زمیندار کی خدمت کرتا ہے۔'' وہ بولا۔

''اچھا تو ہمارے ساتھ پنڈ جگنی چلے گا۔'' رولوکا نے پوچھا۔

''نہ جی میں نہیں جاؤں گا۔ یہاں پر آرام سے دو روٹیاں کھا رہا ہوں۔ ادھر جا کے پھر مصیبت گلے پڑ گئی تو پھر میں کیا کروں گا۔'' جمالہ نے جواب دیا۔

''تیرا اکیلا باپ کس طرح زندہ ہے تجھے پتہ ہے۔ تو کیسا بیٹا ہے کہ بوڑھے باپ کو اکیلا چھوڑ کر چین کی بنسی بجا رہا ہے اس کے دکھ سکھ کو بھول گیا ہے۔ آخری عمر میں انسان کو اولاد کی ضرورت پڑتی ہے اور تو اپنے آرام کی خاطر باپ سے دور ہے۔ یاد رکھ ایک دن تجھے بھی بوڑھا ہونا ہے۔ تو جو بو رہا ہے وہی تجھ کو کاٹنا پڑے گا۔ خدمت بوئے گا تو خدمت ملے گی نہیں بوئے گا تو نہیں ملے گی۔''

''میں کیا بتاؤں سرکار میرے سینے میں کئی زخم ہیں۔'' وہ بے چینی سے بولا۔

''بتاؤ، بتانے سے بوجھ کم ہوتا ہے۔ شاید ہم کوئی مدد تمہاری کرسکیں۔'' رولوکا نے کہا۔

''بہت بڑا زخم یہ ہے کہ میں نے جو گناہ نہیں کیا تھا اس کی سزا ملی۔ گلی گلی پورے پنڈ میں میری رسوائی ہوگئی۔ دوسرا زخم یہ کہ سریندر کور نے بے وفائی کی اس نے مجھے بزدل کہہ کر ٹھکرا دیا، اور ایک تیاگی سادھو کے ساتھ فرار ہوگئی۔ میرے ساتھ میرے بوڑھے پیو کو بھی پیسا گیا۔ ذلالت کی آخری منزل تک پہنچا دیا گیا۔ اب کیا منہ لے کر پنڈ جاؤں پھر نئی کہانی شروع ہوگئی تو میں پھر سے اسی عذاب میں پڑ جاؤں گا۔ زمیندار آج بھی میرا دشمن ہے۔'' جمالہ نے بڑی درد بھری آواز میں کہا۔

''تمہاری بات اپنی جگہ بالکل درست ہے۔ مگر ہم چاہتے ہیں تمہاری عزت بحال ہوجائے تم پر جو الزام ہے وہ ختم ہوجائے۔ تم سر اٹھا کر اسی پنڈ میں پھر سے رہو۔'' میں نے کہا۔

''یہ بہت مشکل کام ہے سرکار۔ یہ کس طرح ہوگا۔ یہ نہیں ہوسکتا۔'' وہ ناامیدی سے بولا۔

''یہ ضرور ہوگا یہ کام ہم کریں گے۔ تم صرف ہمارے ساتھ پنڈ چلو۔'' رولوکا نے کہا۔

''میری تو سمجھ کام نہیں کر رہی حضور!'' جمالہ نے کہا۔

''تم یہ حضور، سرکار کا کہنا بند کرو ہم تمہارے دوست ہیں جیسے تم ہو ویسے ہی ہم ہیں۔ تم صرف ساتھ جانے پر ہاں کرو اور پھر دیکھو حالات خود بخود تمہارے سازگار ہو جائیں گے۔ تمہارے مصیبت کے دن ختم ہو گئے ہیں۔ نئے سرے سے زندگی کا آغاز کرو۔'' رولوکا نے جمالے کی ہمت بڑھائی۔

''ٹھیک ہے جی آپ کہتے ہو تو میں ساتھ چلوں گا۔'' جمالہ بولا۔

''شاباش تیاری کرو کل ہی چلتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

☆......☆......☆

دوسرے روز ہی ہم تینوں لاری اڈے کی طرف جا رہے تھے۔ جگنی پنڈ لدھیانہ سے دس بارہ میل پر تھا مگر راستہ بہت خراب تھا۔ صرف ایک لاری صبح کے وقت جاتی تھی۔ اس لاری میں آدمیوں کے علاوہ جانور بھی سوار ہوتے تھے۔ مرغی بکری اور نہ جانے کیا کیا اس لاری میں سفر کرتا تھا۔

ایک دو جگہ یہ لاری خراب بھی ہوا کرتی تھی مسافروں کو دھکے بھی لگانے پڑتے تھے۔ مگر ہم جس لاری میں سوار ہوئے وہ چلتی ہی رہی اور دو گھنٹہ کے بعد جگنی پنڈ پہنچ گئی۔

اور ہم تینوں پنڈ کی طرف چل دیئے۔ کئی آدمیوں نے حیرت سے جمالے کی طرف دیکھا ضرور لیکن زبان سے کچھ نہیں کہا۔ دو تین گلیوں کو پار کرنے کے بعد وہ ایک چھوٹے سے دروازے پر پہنچ گیا دروازہ کھلا ہوا تھا اور اندر سے کسی کے کھانسنے کی آواز آ رہی تھی۔

جمالہ فوراً اندر چلا گیا اور اندر سے آواز دی۔ ''اندر آ جاؤ بھائی یہاں پر کوئی زنانی نہیں ہے۔'' میں اور رولوکا بھی اندر چلے گئے۔ صحن میں ایک نیم کا درخت کھڑا تھا اس کی چھاؤں میں ایک چارپائی پڑی تھی اور اس پر ایک بوڑھا شخص پڑا کھانس رہا تھا۔ جب ذرا اس کی سانس بحال ہوئی تو اس نے حیرت سے جمالے کو دیکھا جمالہ بھی آگے بڑھ کر اس سے لپٹ گیا۔

دونوں خاموش تھے۔ مگر بعض اوقات بے زبانی بڑی معتبر زبان بن جاتی ہے۔ دونوں کے گلے شکوے ختم ہو گئے تو جمالے نے کہا۔ ''یہ میرے مہمان ہیں ابا۔ کچھ کام سے آئے ہیں۔ میرے پاس ہی رہیں گے۔''

''ٹھیک ہے پتر، پر کیا کروں میں تو بیمار ہوں۔ میں ان کی کیا خدمت کروں گا۔'' بوڑھا بولا۔

''میں بوڑھے کے قریب چلا گیا۔ نبض دیکھی آنکھوں کی رنگت پر غور کیا۔ رولوکا نے بھی بوڑھے کو اچھی طرح دیکھا مگر خاموش رہا۔ میں جمالے کے پاس آ گیا اور بولا۔ ''جمالہ تیرے باپ کو علاج کی ضرورت ہے۔ کچھ دواؤں کی ضرورت ہے۔ وہ دوائیں گاؤں میں تو نہیں ملیں گی مگر تو فکر نہ کر میں کچھ کرتا ہوں۔ میرا یہ ملازم یہ دوائیں لے آئے گا۔'' میں نے کہا۔

''وہ کہاں سے لے آئے گا۔'' وہ حیرت سے بولا۔

''تو اس کی فکر نہ کر، یہ سب کر لے گا۔ تو نے دیکھا جمالہ تیرے باپ کو تیری ضرورت کتنی تھی۔'' میں نے کہا۔

''میں بہت شرمندہ ہوں۔'' وہ ندامت سے بولا۔

''اب تو ایسا کر کہ ایک کمرہ ہمارے لئے رہنے کو صاف کر، پانی وغیرہ کا بندوبست کر اور میں دوا کا بندوبست کرتا ہوں۔'' اشارے سے رولوکا میں نے اپنے قریب بلایا۔

رولوکا فوراً روانہ ہو گیا اور ایک گھنٹہ بھی نہیں گزرا تھا کہ رولوکا بہت ساری جڑی بوٹیاں لے کر آ گیا۔ اور میں نے بوڑھے کو پہلی خوراک دے دی۔ جمالہ نے سب کام کر لیا تھا اور وہ کھانا پکھانے میں لگا ہوا تھا۔ ہم تینوں نے

رات کا کھانا ساتھ ہی کھایا۔ بوڑھا دوا کھانے کے بعد چین سے سو رہا تھا۔

دروازے پر کسی نے آواز دی اور جمالہ باہر چلا گیا۔ چند ہی منٹ کے بعد واپس آ کر بولا۔ ''زمیندار صاحب کا بلاوا ہے آپ دونوں کو بھی ساتھ چلنا ہے۔''

اور ہم دونوں بھی اس کے ساتھ ہی باہر نکل آئے اور ایک لٹھ بند سردار کے ساتھ زمیندار صاحب کے مکان کی طرف چل دیئے۔ جمالہ پریشان نظر آ رہا تھا۔ مگر میں اور رولو کا اطمینان سے جا رہے تھے۔ پورے گاؤں میں سب سے شاندار مکان یہی تھا۔ مکان کے چاروں طرف کھیت تھے اور ان ہرے بھرے کھیتوں کے درمیان سرخ پتھر کا یہ مکان سینہ تانے کھڑا تھا اس کی حفاظت کے لئے ہر طرف لٹھ بند سردار میلی پیلی پگڑیوں میں کھڑے تھے۔ بہت اونچی سیڑھی پر ایک بہت بڑا دروازہ لگا ہوا تھا اور دروازے کے کواڑوں پر گول گول پیتل کی کیلیں چمک رہی تھیں اور رہنے والے مکینوں کی امارت کا ثبوت دے رہی تھیں۔ ہم دروازے پر پہنچے تو ایک اونچا سردار سرخ پگڑی والا آگے بڑھا اور بولا۔ ''میرے ساتھ آ جمالے۔'' اور اس نے دروازے پر تھپکی دی۔ بڑا دروازہ اپنی جگہ رہا مگر اس میں سے ایک چھوٹا دروازہ نمودار ہو گیا ور ہم تینوں اور وہ سرخ پگڑی والا سردار اندر چلے گئے۔ اندر جابجا درخت اور پھولوں کے بوٹے لگے ہوئے تھے۔ ایک کمرے کے سامنے سردار رک گیا اور بولا۔ ''تو ایک منٹ ٹھہر میں بتاتا ہوں۔'' اور وہ اندر چلا گیا۔ ''ایک منٹ کے بعد ہی وہ واپس آ گیا اور اس نے اندر جانے کا اشارہ کر دیا۔

ہم تینوں اندر چلے گئے۔ ایک ادھیڑ عمر کا آدمی بہت بڑے تخت پر بیٹھا تھا اور اس تخت پر رنگین چادر پڑی تھی۔ تخت کے ساتھ ہی دو تین کرسیاں پڑی تھیں اور ان پر ایک دو آدمی بیٹھے تھے۔ میں سمجھ گیا کہ جو تخت پر بیٹھا ہے وہی زمیندار ہے۔ ہم تینوں کو اس نے بیٹھنے کا نہیں کہا اور رعب دار آواز میں بولا۔

''اوئے، تو نے پھر پنڈ میں آنے کی جرأت کر لی کمینیا۔'' جمالہ خاموش رہا۔ مگر میں نے کہا۔

''زمیندار صاحب اس کے دوبارہ آنے میں اس کا قصور نہیں ہے۔ یہ ہمارے کہنے سے آیا ہے اور آپ کے ہی کام سے آیا ہے۔''

''میرے کام سے!'' وہ حیرت سے بولا۔ ''اچھا کام ہے کہ مجھے ہی پتہ نہیں۔ پہلے تم یہ بتاؤ کہ تم ہو کون اور یہ دوسرا تمہارے ساتھ کون ہے۔''

''میں ایک حکیم ہوں اور یہ میرا ملازم ہے۔ مگر ہم صرف حکمت ہی نہیں کرتے اور بھی بہت سے کام کرتے ہیں۔'' میں بے سکون سے کہا۔

''اچھا اور کیا کرتے ہو۔ بتاؤ تو ذرا......''

''گمشدہ چیزوں کا پتہ چلانا۔ ان کو برآمد کرانا اور چور کو حاضر کرنا۔'' میں نے کہا۔

''میری تو کوئی چیز گم ہی نہیں ہوئی۔'' وہ بولا۔

''اچھی طرح یاد کر لیں اگر یاد نہ آئے تو پھر میں بتا دوں گا۔'' میں نے کہا۔

''کر لیا یاد تم بتاؤ۔'' وہ بولا۔

''آپ کی ایک بہت قیمتی شے چوری ہو گئی ہے۔'' میں نے کہا۔

''اس شے کا نام تو بتاؤ۔'' وہ بولا۔

''تمہاری عزت چوری ہو گئی ہے اور تم کہتے ہو کچھ چوری نہیں ہوا۔''

''کیا بکواس کرتے ہو جانتے ہو کہاں کھڑے ہو۔''

''خوب جانتا ہوں اور جان بوجھ کر ہی آیا ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔

''دل کرتا ہے تجھے کچھ مزا چکھاؤں اس بکواس کا۔'' وہ غصہ سے بولا۔

''اگر تم ایسا کر سکتے ہو تو ضرور کر لو۔'' میں نے کہا۔ اس نے کسی کو آواز دی۔ ایک وہی سرخ پگڑی والا اور ایک اس سے بھی زیادہ تگڑا جوان اندر آ گئے۔ زمیندار نے ہماری طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''ذرا ان کو سیر تو کراؤ۔

ساری حکمت ناک سے بہادو۔''

مگر ان میں سے ایک بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔ وہ ایسے کھڑے رہے جیسے انہوں نے کچھ سنا ہی نہیں۔ اس نے پھر زور سے حکم دیا مگر وہ دونوں کھڑے رہے۔ ''او نمک حراموں، میں کیا کہہ رہا ہوں۔ کیا مر گئے ہو۔''

''اور سب کو بلا لو کوئی تمہاری بات نہیں مانے گا۔'' میں نے کہا۔

''تم نے کیا کر دیا ہے ان پر۔'' وہ گھبرا کر بولا۔

''تم طاقت کے نشے میں خود کو کیا سمجھتے ہو۔ ایک منٹ میں ساری ہوا نکل جاتی ہے۔ یہ دنیا ہے۔ تیرا یہ جگنی پنڈ دنیا سے باہر نہیں ہے۔ میں تیرے دربار میں ایسے ہی تو نہیں آ گیا ہوں تیری بیٹی کو ایک سادھو لے گیا تو اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکا۔ تو نے بے گناہوں پر ظلم کے دروازے کھول دیئے۔ ارے بہادر تھا تو چور کو پکڑتا...... اس کو سزا دیتا۔ تجھے یہ ایک غریب آدمی ملا جس کو تو نے پیس ڈالا۔'' میں نے کہا۔

''یہ بتاؤ یہ لوگ میری بات کیوں نہیں مان رہے ہیں۔'' زمیندار نے پوچھا۔

''اس لئے کہ ان کو پتہ چل گیا ہے کہ تم ایک نہ ایک روز ان کا بھی جمالے جیسا حشر کرو گے۔'' میں نے جواب دیا۔

''ان کو کس نے یہ بات بتائی ہے۔'' وہ بولا۔

''میں نے بتائی ہے۔ میری ایک دفعہ کی بتائی ہوئی بات سب مانتے ہیں۔ اگر میں تم کو کہوں کہ تم جگنی پنڈ کی گلیوں میں ننگے ہو کر ناچو تو تم ایسا ہی کرو گے مگر میں تم کو یہ نہیں کہوں گا۔'' میں نے کہا۔

''تم کوئی جادوگر ہو؟'' وہ ڈر کر بولا۔

''تم جو نام چاہو دے ڈالو۔ مگر مطلب کی بات کرو۔ تمہاری بیٹی سادھو کے پاس ہے اور وہ سادھو اجین میں رہتا ہے۔ اس کا نام سادھو رام لال ہے جاؤ اس سے اپنی بیٹی حاصل کر لو اور آئندہ کبھی کسی بے گناہ کو سزا دینے کی کوشش مت کرنا۔ اب ہم جاتے ہیں یہی بتانے کو تیرے پاس آئے تھے اور تو الٹا ہمیں سزا دینے لگا تھا۔''

''ٹھہرو میری بات سنو!'' وہ گڑگڑا کر بولا۔

''بولو کیا کہنا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''میری مدد کرو میری بیٹی میرے پاس آ جائے۔ مجھ پر یہ احسان کر دو۔''

''تم نے آج تک کسی کی مدد کی ہے، کسی پر احسان کیا ہے۔ کسی پر رحم کیا ہے بولو۔'' میں نے کہا۔

''میں اب تک اندھا تھا۔ تم نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔''

''تمہاری عزت لٹ گئی تھی اس وقت تمہاری آنکھیں نہیں کھلیں۔'' میں نے کہا۔

''میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں۔ میری مدد کرو۔''

''میں غور کروں گا تم اپنے کردار سے یہ ثابت کر دو گے کہ تمہاری آنکھیں کھل گئی ہیں اچھے اور برے میں تمیز کرنا آ گیا تو میں آ جاؤں گا میں جمالہ کے پاس ٹھہرا ہوں ابھی نہیں جارہا وہیں رہوں گا۔'' اور ہم تینوں زمیندار کی حویلی سے باہر آ گئے۔ کسی نے ہم سے کوئی بات نہیں کی۔

جمالہ نے جو دیکھا اور سنا وہ اس کے لئے بہت ہی تعجب کی بات تھی۔ وہ اس بات سے بھی حیران تھا کہ زمیندار کے کارندے اس کا حکم کیوں نہیں مان رہے تھے۔ زمیندار ہاتھ جوڑ رہا تھا منت کر رہا تھا یہ بات تو اس کے حلق سے اترتی ہی نہیں تھی۔ گھر آتے ہی وہ میرے پیر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

''میں بہت غریب آدمی ہوں سرکار کیا خدمت کروں میں نے جو سنا اور دیکھا وہ ہضم نہیں ہو رہا۔ ایسا ظالم آدمی دو باتوں میں موم کی گڑیا بن گیا۔ اس نے اپنی بیٹی کا پتہ کرنے کو کیا کیا نہیں کیا اور آپ نے فوراً بتا دیا۔ آپ کون ہیں اور مجھ پر اتنی مہربانی کیوں ہے جبکہ آپ کو میری اوقات کا پتہ ہے۔'' جمالہ نے پوچھا۔

''تم نے جو سنا وہ حقیقت ہے جو دیکھا وہ بھی سچ ہے اور آگے جو دیکھو گے وہ بھی تمہارے سامنے ہوگا۔ رہی

تمہاری اوقات کی بات تو دنیا میں جتنے لوگ آباد ہیں وہ سب برابر ہیں۔ پیدا کرنے والے نے سب کو برابر پیدا کیا ہے یہ اونچ نیچ ذات برادری ہم نے خود بنائی ہیں اور خود ہی ان کو ختم کر سکتے ہیں۔ انسان اپنے اندر سے غرور تکبر اور انا کو دور کر دے تو وہ خالص انسان بن جاتا ہے۔ زمیندار کے اندر کا انسان بیدار ہو گیا ہے وہ تم سے اور تمہارے باپ سے ملنے ضرور آئے گا اور اب کھانے کا بندوبست کرو وہ آئے تو اس کو بھی ساتھ کھلانا ہے یہی اس کی انا اور غرور سے چھٹکارا پانے کی کسوٹی بھی ہے۔''

شام ہوتے ہی پتہ چلا کہ زمیندار آ گیا ہے۔ میں نے جمالہ کو کہا جو پکایا ہے پیڑ کے نیچے ایک چادر پر رکھ دے۔ اس کے پاس مٹی کی پیالیاں اور پلیٹیں تھیں وہی ساتھ رکھ دیں اور میں زمیندار کو اندر لے آیا۔ ایک ٹمٹماتی لالٹین جل رہی تھی۔ میں دسترخوان پر بیٹھ گیا۔ میرے ساتھ رولوکا اور جمالہ بھی آ گئے اور برابر میں زمیندار بھی بیٹھ گیا۔ میں نے پیالیوں میں دال ڈال دی اور روٹیاں اٹھا کر سب کو ایک ایک دے دی اور کہا سب کھاؤ۔ ہم سب کھانے لگے زمیندار ایک منٹ تک ساکت رہا اس کے بعد وہ بھی دل سے روٹی کھانے لگا سب نے مل کر سب روٹیاں کھا لیں اور ہاتھ دھو لئے۔ کھانے کے بعد میں نے کہا۔

''زمیندار تم نے زندگی میں ایسا کھانا کھایا کبھی؟''

زمیندار بے دھڑک جلدی سے بولا۔ ''نہیں! جو سواد مجھے اس کھانے میں آیا ہے اس سے پہلے نہیں آیا۔''

''اس کی وجہ تمہاری سمجھ میں آئی۔'' میں نے پھر پوچھا۔

''نہیں آئی!'' اس نے مختصر جواب دیا۔

''اس کی وجہ یہ ہے کہ تمہارے اندر ایک شیطان بیٹھا تھا وہ غرور کا شیطان تھا۔ دولت کا شیطان تھا۔ انا پرستی کا شیطان تھا۔ اب وہ تمہارے اندر نہیں ہے اور تم ایک نارمل انسان ہو اب تم ہر کسی کا دکھ محسوس کرو گے اور انسانوں سے انسانوں والا سلوک کرو گے۔ میں اب تمہاری مدد کرنے کا وعدہ کرتا ہوں۔ تمہاری لڑکی آ جائے گی اور وہ مجرم بھی آ جائے گا۔'' میں نے کہا۔

''میں ایک بنتی کروں اگر آپ مان لو تو۔'' زمیندار بولا۔

''بولو!'' میں نے کہا۔

''آپ میرے غریب خانے پر قیام کر لیں۔''

''تمہارا بہت بہت شکریہ!'' میں نے کہا۔ ''مجھے یہیں پر رہنے دو۔''

''میں نے صرف بنتی کی تھی۔ مرضی آپ کی ہے۔'' زمیندار بولا۔

یہ ساری کارروائی میں نے کی مگر اس کارروائی کا مرکزی کردار رولوکا ہی تھا اور پس پردہ رہ کر اس نے وہی کام کیا جو میں کہتا گیا۔ اب صرف سریندر کور کو برآمد کرنے کا کام ہی رہ گیا تھا۔ سادھو رام لال مصرا اجین میں تھا یہ بات مجھے رولوک نے ہی بتائی تھی۔ میں نے رولوکا سے پوچھا۔ ''اب کیا کرنا ہے۔''

''سادھو رام لال مصرا اجین کے جس مقام پر ہے وہاں پر کچھ ایسی مخلوق نظر آ رہی ہے جو کہ جنات ہے نہ انسان، ان کے چال ڈھال اور انداز بھی الگ ہی ہیں۔ اس لئے اس کام کے بارے میں وقت مقرر نہ کرو ذرا تسلی سے یہ کام کرنا ہے۔ میں اس کے لئے جاتا ہوں۔ تم دلی چلے جاؤ میں وہیں پر آ جاؤں گا اور تم کو رپورٹ دوں گا......''

''تم کس مخلوق کی بات کر رہے تھے۔'' میں نے پوچھا۔

''رب کائنات نے اس دنیا میں نہ جانے کتنے قسم کی مخلوق پیدا کی ہیں۔ مگر سب کے درمیان ایک فاصلہ بھی رکھا ہے۔ اس فضائے بسیط میں رہنے والی مخلوق اپنے طریقہ پر رہتی ہے۔ انسان اپنے طریقہ پر اور جنات اپنے طریقہ پر ایک دوسرے کا تصادم نہیں ہے۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ہم ایک خوشبو اپنے اطراف میں محسوس کرتے ہیں یہ صرف چند لمحوں تک ہی ہوتا ہے۔ بعض دفعہ شدید بدبو محسوس کرتے۔ یہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ہوا کی کارروائی

ہے وہی خوشبو اڑا کر لاتی ہے اور وہی بدبو لاتی ہے مگر حقیقت کیا ہے یہ ہم نہیں سمجھ پاتے۔ ہمارا جسم جس طرح بنایا گیا ہے اس طرح کا جسم کسی مخلوق کا نہیں ہے یہ سب سے افضل جسم ہے۔ اسی لئے کسی بھی مخلوق کو جسم اپنانے کی ضرورت پڑتی ہے تو وہ انسانی جسم ہی اپناتی ہے۔ اس کے علاوہ ہزاروں قسم کی پراسرار روحیں گردش کرتی رہتی ہیں۔ دن میں ایسا کم ہوتا ہے مگر رات میں روحوں کا سفر زیادہ ہوتا ہے اور جن مخلوقوں سے ہمارا واسطہ نہیں پڑتا وہ بھی رات کو ہی زیادہ فعال ہوتی ہیں۔ مگر حضرت انسان کو ان سب میں افضل اور طاقتور بنایا گیا ہے انسان اپنی عقل کی وجہ سے افضل ترین ہے۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''رولوکا اجین چلا گیا اور میں واپس چلی چلا آیا اور ایک مہینہ گزر گیا۔ میں چاہتا تو رولوکا کو بلا سکتا تھا مگر میں نے یہ مناسب خیال نہیں کیا۔ وہ ایک مشکل کام کرنے گیا تھا میں اس کو بلا کر بلاوجہ پریشان کرنا نہیں چاہتا تھا۔ ڈیڑھ مہینہ کے بعد ایک عورت مطب میں آئی اور اس نے مجھ سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا میں نے اس کا نام پوچھا تو اس نے اپنا نام سریندر کور بتایا۔

''تم لدھیانہ شہر کی رہنے والی ہو۔'' میں نے پوچھا تو وہ بولی۔

''میں لدھیانہ کے قریب ایک پنڈ جگنی کی رہنے والی ہوں۔''

''میں سمجھ گیا! تم زمیندار ہنس مکھ سنگھ کی بیٹی ہو۔'' میں نے کہا۔

''جی ہاں میں وہی ہوں۔'' وہ بولی۔

''تم تو سادھو رام لال مصرا کے ساتھ گئی تھیں۔'' میں نے کہا۔

''ہاں یہ درست ہے مگر میں اس کے ساتھ کس طرح گئی یہ بات کسی کو خبر نہیں ہے۔ وہ سادھو ایک بہت بڑا فراڈ تھا۔ اس نے مجھے پنڈ میں کہیں پر دیکھا تھا...... اور وہ صرف میرے لئے ہی پنڈ میں جم گیا تھا۔ میں جب جمالہ کی طرف سے مایوس ہوگئی تو ایک رات سادھو نہ جانے کس طرح رات کو میرے پاس آ گیا اور بولا۔'' تو جمالہ کو نہیں پا سکی اول تو وہ مسلمان ہے دوسرے وہ بزدل ہے وہ کبھی تیرے باپ سے دشمنی مول نہیں لے گا۔ میں تیرا دیوانہ ہوں سدا تیری خدمت کروں گا زندگی بھر اپنے دل کی رانی بنا کر رکھوں گا۔'' میں نے اس کی بے ڈھنگی صورت کی طرف دیکھا اس کے ننگے جسم کو دیکھا اور عمر کا اندازہ لگایا وہ مجھ سے دوگنی عمر کا تھا۔ میں نے نفرت سے اس کو جواب دیا۔'' نہ تو میری عمر کا ہے نہ تیری شکل اور عمر ایسی ہے کہ کوئی مٹیار تجھے پسند کرے تو کس بھروسے میں منہ اٹھائے چلا آیا ہے۔ میں تیرے منہ پر تھوکتی ہوں۔'' میری بات سن کر وہ غصے میں نہیں آیا زور سے ہنس پڑا۔ میں اس کی اس حرکت سے اور زیادہ غصہ میں آ گئی اور میں نے واقعی اس کے منہ پر تھوک دیا۔ اس کے بعد اس کا چہرہ غصے سے لال ہو گیا اور اس نے نہ جانے کیا کیا کہ میں اس کے قدموں میں گر گئی۔ مجھے احساس تھا کہ میں کیا کر رہی ہوں میرا دماغ کام کر رہا تھا۔ مگر میرے اعضاء اور زبان میرے کنٹرول میں نہیں تھی۔ میں نے گڑ گڑا کر اس سے معافی مانگی اور اس کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ پھر وہ بولا۔

''تو میری غلام ہے کل سب کچھ جو تیرے پاس ہے لے کر لاری اڈے پر آ جانا۔'' اور وہ چلا گیا۔ میرا دماغ کہہ رہا تھا کہ یہ کیا ہوا میں نے ایسا کیوں کیا یہ بہت برا ہوا۔ میں نے اپنی عزت برباد کر دی اس کے باوجود میں نے اس کے پاس جانے کی تیاری کرنے لگی وہ میرے سامنے نہیں تھا۔ مگر مجھے لگتا تھا وہ میرے بہت قریب موجود ہے میری ہر حرکت اس کی نظر میں ہے۔ اس کیفیت کو میں بیان نہیں کر سکتی۔ میں جو کر رہی تھی اس کو غلط سمجھتی تھی مگر کر رہی تھی۔

دوسرے روز میں لاری اڈے پر موجود تھی اور پھر وہ آ گیا اور ہم دونوں لدھیانہ آ گئے اس کے بعد بھی سفر جاری رہا اور ہمارا ٹھکانہ اجین بنا۔ شاید آپ کو پتہ ہو کہ اجین تیرتھ کا مقام ہے یہاں پر جینیوں کا بہت بڑا مندر ہے بہت دور دور سے لوگ یہاں پر تیرتھ کرنے آتے

ہیں۔ وہ سادھو بھی جینی تھا۔ اس کے عقائد میں کپڑے پہننا ضروری نہیں ہوتا۔ یہ لوگ ننگے ہی رہتے ہیں۔ مجھے اس سے گھن آتی تھی مگر میں اس کا کہا ٹال نہیں سکتی تھی۔ اس نے مجھے ایک مندر کے اندرونی حصے میں رکھا تھا۔ وہ مجھے اپنی استری کہا کرتا تھا۔ اس کمرے سے باہر جانے کی مجھے اجازت نہیں تھی مگر میں نے کئی دفعہ بھاگ جانے کی کوشش کی۔ باہر آتے ہی مجھا ایسا لگتا جیسا سادھو میرے قریب موجود ہے...... اور میں پھر اندر آ جاتی۔ وہ رات کو میرے پاس آتا اور اپنی خواہش پوری کرتا۔ پوری پوری رات میں اس کی خدمت کرتی۔

مجھے اندازہ نہیں کہ میں کتنے دن اس کی سیوا کرتی رہی۔ میری سوچیں دور دور تک پرواز کرتی تھیں مگر کرتی وہی تھی جو اس کا حکم ہوتا تھا۔ ایسی اذیت ناک صورت حال سے شاید ہی کسی عورت کا واسطہ پڑا ہو۔ میں خود پر نظر ڈالتی میں نے ایسا کیا گناہ کیا ہے کہ جس کی سزا اتنی بھیانک مجھے مل رہی ہے۔ میں شاید مر ہی جاتی کہ ایک رات ایسا ہوا کہ سادھو نہیں آیا۔ یہ بڑی حیرت کی بات تھی۔ دوسری رات بھی ایسا ہی ہوا ار تیسری رات بھی سادھو غائب تھا۔ میں نے ڈرتے ڈرتے کمرے سے باہر قدم رکھا۔ مجھے آزادی کا احساس ہوا میں اوپر کی طرف چلی اور مندر کے دروازے سے نکل کر باہر آ گئی۔ میں نے نہ جانے کتنے عرصہ کے بعد آزاد فضا میں سانس لیا تھا۔ میں اس احساس کا بیان کیونکر کروں۔ میرا دماغ کام کر رہا تھا۔ مجھے پتہ تھا کہ میں کون ہوں اور کہاں سے آئی ہوں اور کن حالات سے گزری ہوں۔ مگر یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا تھا کہ اب کہاں جاؤں۔ باپ کے گھر کس منہ سے جاؤں۔ کسی اور رشتے دار کے گھر جانے کا بھی میں نے سوچا۔ مگر پھر وہی باپ کی عزت و ناموس آڑے آ گئی۔ میرے بارے میں سب ہی جانتے ہیں، کون مجھے گلے لگائے گا۔ کون میری بپتی پر اعتبار کرے گا میرا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ میں بالکل اس طوطے کی طرح تھا جس کو آزادی تو مل گئی تھی مگر پر کٹے ہوئے تھے وہ اڑ نہیں سکتا تھا اور کوے

تاک میں تھے۔ ایک دفعہ مجھے خیال آیا کہ اب میں زندہ رہ کر کیا کروں گی کسی کو میری ضرورت نہیں ہے اور میں خود کسی کے قابل بھی نہیں ہوں پھر یہ زندگی بے کار ہے۔ آتما ہتھیا کر لیتی ہوں مگر اس سے پہلے ہی......

مندر کے دروازے پر مجھے ایک بوڑھا فقیر ملا وہ خود سے میرے قریب آ گیا اور بولا۔ ''تیرا نام سریندر کور ہے۔''

میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور جواب دیا۔ ''ہاں میں وہی بدنصیب ہوں۔''

''تیرے برے دن کٹ گئے جا دلی چلی جا۔ وہاں پر لال کنواں ایک مقام ہے۔ حکیم وقار احمد تجھ کو ملے گا وہی تیری پریشانیوں کا حل ہے اور میں نے دیکھا کہ جہاں فقیر کھڑا تھا وہاں پر نہیں تھا اور میں یہاں پر چلی آئی۔ میری آپ بیتی پر آپ کو اعتبار ہو تو آپ میری مدد کر دینا۔ میں اب زندہ رہنا نہیں چاہتی۔ کیونکہ میرے پاس موت کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے۔''

سریندر کور خاموش ہو گئی۔ وہ واقعی بہت کمزور نظر آتی تھی۔ اس کی آنکھوں کے گرد سیاہ رنگ کے دھبے پڑے ہوئے تھے اور جسم عمر کے اعتبار سے زیادہ بڑا معلوم ہوتا تھا۔ ''تم بیمار ہو۔'' میں نے کہا۔

''ہاں میں بیمار ہوں۔ مگر میری بیماری کو آپ چھوڑیں۔ میں اب کیا کروں اس کا مشورہ دیں۔''

''تم خود کو اب بے آسرا مت خیال کرو۔ یہاں پر تمہارا نہ صرف علاج ہو گا بلکہ تم عزت کے ساتھ رہو گی۔ تم کو جس نے میرے پاس بھیجا ہے اس نے کسی بھروسے پر ہی تو بھیجا ہے۔'' اور میں نے اس کی رہائش کا بندوبست اپنے پاس ہی کر دیا اور علاج شروع کر دیا۔ اس پر جو ستم ہوا تھا اس کے نقش مٹانا ضروری تھے۔ وہ آہستہ آہستہ صحت کی طرف واپس آنے لگی اور صرف ایک ماہ بعد وہ ایک بار پھر سے صحت مند مٹیار تھی اس پر سے میں نے دواؤں کے ذریعہ وہ سارے نقش مٹا دیئے تھے جو اس کو سادھو نے دیئے تھے۔ وہ مجھے بھائی کہا کرتی تھی۔ میں بھی اس کا

احترام بہن کی طرح کرتا تھا ایک دن میں نے اس کو کہا۔
''میں اگر ایک بھائی ہونے کے ناطے تم سے کچھ کہوں تو کیا تم میری بات مان لوگی۔''
''آپ نے مجھے نئی زندگی دی ہے عزت دی ہے میں آپ کی بات کیوں نہ مانوں گی۔'' سریندر کور نے جواب دیا۔
''جوان بہنیں بھائیوں پر بوجھ ہوتی ہیں۔ میں نے اس بوجھ کو اتارنا چاہتا ہوں۔ بولو اپنی رائے دو۔''
سریندر کور نے گردن جھکا کر خاموشی سے میری بات سنی۔ مگر بولی کچھ نہیں۔
میں نے پھر کہا۔ ''دیکھو بہن یہ معاملہ ایسا ہے کہ میں اپنی مرضی تم پر نہیں چلا سکتا۔ اس کا فیصلہ تو تم کو خود ہی کرنا ہے۔'' وہ کچھ دیر خاموش رہی پھر بولی۔
''آپ میرے بڑے ہیں جو فیصلہ آپ کریں گے میرے لئے وہی اچھا ہوگا مگر......''
''آگے بھی بولو...... اس بات کی فکر نہ کرو کہ تم کیا کہہ رہی ہو دل کی بات ضرور کہو۔'' میں نے کہا۔
''اب میں صرف جمالہ سے ہی شادی کروں گی۔'' سریندر کور نے آہستہ سے کہا۔
''ٹھیک ہے میں تمہاری پسند کا خیال رکھوں گا اب تم بے فکر ہو جاؤ آگے کا کام میرا ہے۔''
مجھے رولوکا کا انتظار تھا اور میں خود سے اس کو بلانا نہیں چاہتا تھا۔ مگر تین روز کے بعد ہی رولوکا آ گیا۔ میں نے پوچھا۔ ''خیریت ہے بڑی دیر لگا دی۔''
''معاملہ ہی کچھ ایسا تھا......'' رولوکا نے جواب دیا۔ ''سادھو رام لال مصرا انسان نہیں تھا۔ مگر انسانوں کا بہروپ بھرا ہوا تھا۔ دور سے میں بھی اس کو ٹھیک طرح نہیں پہچان سکا تھا۔ وہ ایک زمانے سے اسی روپ میں تھا اور وہی جادوئی کام کر رہا تھا جو دوسرے کرتے ہیں۔'' رولوکا نے کہا۔
''آخر وہ تھا کیا!'' میں نے پوچھا۔
''وہ ایک بت پرست جن تھا۔ اس لئے اس نے خود کو سادھو کا روپ دیا تھا اور نا معلوم کب سے وہ دنیا میں لوگوں کو پریشان کر رہا تھا۔ اس کے پاس بہت شیطانی طاقت تھی۔ ایک تو وہ خود قوم جن سے، دوسرے اس نے شیطانی علوم بھی حاصل کر لئے تھے اس لئے خود کو بہت بڑا سمجھا تھا۔ اس نے خود کو اس طرح بنا لیا تھا کہ جن کو وہ معلوم ہی نہیں ہوتا۔ میں خود بھی ذرا سا چکرا گیا تھا مگر پھر میں نے پتہ چلا ہی لیا کہ وہ کس قبیلے کا جن ہے۔ میں نے اس سے براہ راست ٹکراؤ نہیں کیا۔ دور دور سے اس پر نظریں رکھتا رہا اور پھر میں اس قبیلہ کے سردار کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے بتایا کہ ہمارا اس سے رابطہ نہیں ہے۔ مگر میں رابطہ کروں گا اور وہ خود سادھو سے ملا، میں نے اس کے کارنامے سردار کو بتائے۔ وہ سردار بلاوجہ آدم زاد سے جھگڑا کرنے کا قائل نہیں تھا۔ سادھو کو اس نے پابند کیا کہ وہ اپنا یہ روپ ختم کرے اور واپس چلے وہ اس پر راضی نہیں تھا اور سردار سے بھی لڑ پڑا۔ اس کے بعد سردار کی فوج نے اسے گرفتار کر لیا اور لے گئے اور سریندر کو آزادی ہوگئی۔ پھر میں نے اس کو تمہارے پاس بھیج دیا۔'' رولوکا خاموش ہوگیا۔
''جب وہ آئی تھی بہت سخت بیمار تھی۔ اس سادھو نے اس کے اندرونی اعضاء کو بہت نقصان پہنچایا تھا۔'' میں نے کہا۔
''ہاں مجھے یہ پتہ تھا اسی لئے میں نے اس کو دلی کا راستہ بتایا تھا۔'' رولوکا بولا۔
''اب وہ بالکل ٹھیک ہے۔ مگر ایک مسئلہ پھر کھڑا ہے۔'' میں نے کہا۔
''ہمارا کام ہی مسئلوں کو حل کرنا ہے۔'' رولوکا نے ہنس کر کہا۔
''وہ جمالہ سے شادی کرنا چاہتی ہے۔'' میں نے جواب دیا۔
''تو کرادو، میں جمالہ کو پکڑ کر لے آتا ہوں۔'' رولوکا نے کہا۔
''بات کو سمجھنے کی کوشش کرو، جمالہ مسلمان ہے اور

سریندر کور سکھ، دونوں کی شادی کس طرح کرادیں۔'' میں نے بتایا۔

''پھر کیا کرنا ہوگا......؟'' رولوکا نے پوچھا۔

''جمالہ کو یا سریندر کو کسی ایک کو اپنا مذہب چھوڑنا ہوگا۔'' میں نے کہا۔

''تمہارے خیال میں کون یہ قربانی دے گا۔'' رولوکا نے پوچھا۔

''میرے خیال میں جمالہ تو ہرگز اپنا مذہب نہیں چھوڑے گا، یہ قربانی سریندر کو ہی دینا ہوگی۔'' میں نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

''اس کی وجہ؟'' رولوکا نے پوچھا۔

''بات یہ ہے کہ مسلمان چاہے جتنا گناہ گار ہو اپنے مذہب سے بہت محبت کرتا ہے وہ کسی حالت میں مذہب نہیں چھوڑتا یہ میرا تجربہ ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''میرا خیال ہے یہ معاملہ ان دونوں پر ہی چھوڑ دینا چاہئے۔'' رولوکا نے کہا۔

''یہی کرنا پڑے گا۔ تم جمالہ کو دلی سے لے آؤ اور اس کے باپ اور گنڈا سنگھ کو بھی ساتھ لے آؤ۔ فیصلہ ہوجائے گا جو بھی ہونا ہے ایک وقت میں ہی ہوجائے گا۔'' میں نے کہا اور رولوکا روانہ ہوگیا۔ میرے سامنے کئی باتیں تھیں پہلی بات تو مذہب کا درمیان میں ہونا تھا۔ دوسری بات یہ تھی کہ سریندر کو سادھو کے ساتھ بیوی کی حیثیت سے رہ چکی تھی۔ مانا کہ اس میں وہ بے قصور تھی مگر بعض مرد اس معاملے میں بڑے جذباتی ہوتے ہیں۔

میاں اور بیوی کے درمیان جھوٹ کی دیوار زیادہ عرصہ کھڑی نہیں رہتی ایک نہ ایک دن اس کو گرنا ہوتا۔ میں وہ دیوار شادی سے پہلے ہی گرانا چاہتا تھا۔ میں نے طے کرلیا تھا کہ جمالے کو سارے حالات بتادوں گا۔ تاکہ کوئی گرہ اس کے دل میں نہ رہے۔ اگر وہ سریندر کور سے محبت کرتا ہے تو اس کی اس خامی کو ضرور نظر انداز کردے گا اور اگر اس نے شادی سے انکار کردیا تو سریندر کور کو بھی پتہ چل جائے کہ جمالہ کے دل میں اس کی کتنی عزت و محبت ہے۔

دوسرے دہی روز زمیندار ہنس مکھ سنگھ جمالہ اس کا باپ اور گنڈا سنگھ آگئے۔ میں نے ان کو ٹھہرانے کا بندوبست پہلے ہی کرلیا تھا۔ دوپہر کو کھانے پر سب ساتھ تھے۔ کھانے کے بعد میں نے زمیندار کو کہا۔ ''آپ کو شاید خیرو نے بتایا ہو کہ سریندر کور یہاں میرے پاس ہے۔''

زمیندار ہنس مکھ سنگھ نے حیرت سے میری طرف دیکھا اور بولا۔ ''حکیم صاحب آپ کے پاس یہ کب سے ہے اور کیوں ہے؟''

''ابھی چند یوم سے ہے۔ بات یہ ہے کہ وہ ایک آفت ناگہانی میں گرفتار ہوگئی اور اپنی مرضی سے گئی بھی نہیں تھی۔'' اور میں نے اس پر گزری پوری کہانی بیان کردی اور پھر اس کی بازیابی کو رولوکا کے کردار سے الگ کرکے بتادیا۔ وہ سب لوگ بڑے غور اور حیرت سے سنتے رہے۔ میری بات ختم ہوتے ہی زمیندار اٹھ کھڑا ہوا۔

''ہائے میری بیٹی پر کتنی بڑی مصیبت آن پڑی اور میں اس کو ہی گناہ گار سمجھتا رہا۔ کہاں ہے وہ میں اس سے معافی مانگ لوں۔'' زمیندار نے گلوگیر آواز میں کہا۔ میں نے سریندر کو آواز دی اور وہ کمرے کے اندر آگئی اور اپنے باپ سے لپٹ گئی۔ بڑا جذباتی منظر تھا۔ دونوں کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور زبان بند تھی۔ ایک عرصہ سے رکا ہوا آنسوؤں کا سیلاب بڑی زوروں پر بہہ رہا تھا۔ سب لوگ اکت اس جذباتی منظر کو دیکھ رہے تھے آخر آنسوؤں کا دریا اپنی نارمل روانی پر آگیا۔ سیلابی پانی بہہ گیا تو زمیندار کی آواز سنائی دی۔ ''مجھے معاف کردینا بیٹا، میں تیرا گناہ گار ہوں۔''

میں دونوں کے درمیان آگیا اور بولا۔ ''تم دونوں بے گناہ ہو دونوں اپنی اپنی جگہ مجبور تھے اس لئے دونوں کو شرمسار ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔'' سریندر کور اپنے باپ کے پاس بیٹھ گئی اور اس نے کمرے میں دیگر لوگوں پر نظر ڈالی اور وہ جمالے کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ میں اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔ وہ زبان سے کچھ

نہیں کہہ رہی تھی مگر میں جانتا تھا کہ اس کی زبان پر کون کون سے سوالات آنے کو بیتاب ہیں۔ اس کے دل میں اس وقت کیا کیا خواہشیں مچل رہی ہیں۔ میں نے پھر سکوت کے پردے کو ہٹایا اور کہا۔

”تم جمالہ کو دیکھ کر ضرور پریشان ہوگئی ہونگی مگر بہت ساری باتیں تمہاری کہانی میں حیرت انگیز ہیں ان ہی حیرت انگیز باتوں میں سے ایک یہ ہے کہ جمالہ اور اس کا باپ یہاں پر موجود ہیں۔“ میں نے اپنا سلسلہ کلام اور آگے بڑھایا اور کہا۔

”میں نے آپ سب لوگوں کو اس لئے یہاں پر بلایا ہے کہ ایک بہت ضروری بات کرنا تھی اور وہ بات سریندر کور کی شادی کی ہے۔ سریندر کور میری منہ بولی بہن ہے۔ میرا فرض ہے کہ اس کی شادی کردی جائے۔ میں نے اس سلسلے میں اس کی رائے لینا ضروری خیال کیا تو اس نے اپنی رائے اور مرضی مجھے بتادی مگر میں خود سے اکیلے اس کی مرضی پوری نہیں کرسکتا اس لئے آپ سب کو بلایا گیا اگر زمیندار صاحب کی اجازت ہو تو اس کی مرضی بیان کردوں۔“

زمیندار نے کہا۔ ”حکیم صاحب آپ بڑے بھائی ہیں بڑا بھائی باپ کی جگہ ہوتا ہے آپ کا فیصلہ مجھے منظور ہے۔“

”بہت شکریہ زمیندار صاحب آپ نے میری عزت بڑھادی۔ اب میں بتاتا ہوں کہ سریندر کور کیا چاہتی ہے۔ سریندر کور جمالے کو پسند کرتی ہے اور اس سے شادی کرنا چاہتی ہے۔ اب آپ بتائیں کیا کرنا ہے؟“ میں نے اپنی بات ختم کی۔

یہ معاملہ ذرا ٹیڑھا ہے مگر سریندر کور کی یہ مرضی ہے تو ایسا ہی ہونا چاہئے۔“ زمیندار نے کہا۔ ”تم کیا کہتے ہو گنڈا سنگھ؟“ میں نے پوچھا۔

”گل یہ ہے کہ میاں بیوی راضی تو کیا کرے گا قاضی۔ دونوں کی خوشی ہے تو ٹھیک ہے۔“ گنڈا سنگھ نے جواب دیا۔

اب میں نے جمالے سے پوچھا تو وہ بولا۔

”میرے لئے سریندر آج بھی ویسی ہے جیسی پہلے تھی۔ میرے دل میں اس کی عزت کم نہیں ہوئی مگر میں ایک مسلمان ہوں۔ جب میں پیدا ہوا تھا مجھے کان میں ایک آواز آئی تھی اس کا اثر زندگی بھر رہتا ہے۔ اور وہ آواز اذان کی تھی میں اس کو کس طرح بھول سکتا ہوں۔ اگر سریندر کور مجھے پسند کرتی ہے تو میں بھی اس کو بہت پسند کرتا ہوں۔ میں اپنا مذہب اپنی پسند پر قربان نہیں کرسکتا۔“ اور جمالہ خاموش ہوگیا۔

میں نے دل میں اس کی بات چیت کو سراہا۔ دیہاتی آدمی اور مذہب کے بارے میں اس کے خیالات...... وہ واقعی تعریف کے لائق تھا۔ معاملہ بڑے نازک موڑ پر آ گیا تھا۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اچانک سریندر کور کی آواز سکوت کو درہم برہم کرتی سنائی دی۔

”اگر اجازت دیں تو میں کچھ بولوں؟“ اس کا اشارہ اپنے باپ کی طرف تھا۔

زمیندار نے فوراً کہا۔ ”تیرے ہی فیصلے پر تو ہم کوئی قدم اٹھا سکتے ہیں۔“

”تو پھر میں اپنی مرضی سے مسلمان ہونا چاہتی ہوں۔ میں نے زندگی میں جو تجربہ اٹھایا ہے جو ذہنی اور جسمانی اذیت برداشت کی ہے...... اس کے بعد مجھ میں مزید کچھ برداشت کرنے کی ہمت نہیں ہے۔“

سب سے پہلے گنڈا سنگھ نے آگے بڑھ کر کہا۔ ”مبارک ہو تم نے ٹھیک سوچا ہے۔“ زمیندار ہنس مکھ سنگھ نے بھی خوشی کا اظہار کیا۔ جمالہ اور اس کے باپ کی خوشی تو ان کے چہروں پر دمک رہی تھی۔ اور اس طرح اس محبت کی داستان ختم ہوگئی۔ شادی کا سارا بندوبست زمیندار نے کیا۔ بارات میرے گھر سے گئی اور ہم سب نے اس میں شرکت کی۔



میں نے کہیں پڑھا ہے کہ ایک مصور نے دو

تصویریں بنائیں۔ ایک نیکی تصویر اور ایک بدی کی تصویر۔ مگر حیرت کی بات یہ تھی کہ یہ دونوں تصاویر ایک ہی شخص کی تھیں۔ ایک تصویر جو کہ نیکی کی بنائی گئی ایک چھ سالہ معصوم بچے کی تھی۔ اس بچے کی آنکھیں موٹی اور ضیادار تھیں......
جسم فربہ اور ملائم تھا، پیشانی روشن اور فراخ تھی......
چہرے پر مسکراہٹ تھی اور ہاتھ پیر نرم و نازک تھے اور وہ نیکی تصویر تھا۔

دوسری تصویر بدی کی تصویر تھی۔ اس کو دیکھتے ہی انسان کے دل میں اس سے نفرت اور حقارت کے جذبات ابھرتے ہیں۔ یہ ہے انسان، اپنی حرکت سے وہ نیکی اور بدی دونوں کماتا ہے۔ جو زیادہ بدی کماتا ہے اس کا چہرہ اس کے کرتوت کا آئینہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

''ہر نیکوکاروں کو نہ صرف ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیں گے بلکہ کچھ زیادہ ہی عنایت کریں گے، ان کے چہروں کو ذلت اور سیاہی سے محفوظ رکھیں گے اور جنت کی بہاروں میں ان کو دائمی مسکن عطا کریں گے اور بدکاروں کو ان کے اعمال کے مطابق سزا دیں گے۔ ان کے چہروں پر ذلت برسائیں گے۔ انہیں ہماری گرفت سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ ان کے منہ اس قدر سیاہ ہو جائیں گے گویا شب تاریک کا کوئی ٹکڑا کاٹ کر ان کے رخ پر لگا دیا گیا ہے۔ یہ لوگ سدا جہنم میں رہیں گے۔''

انسان کے اچھے اور برے اعمال کا عکس چہرے میں منتقل ہوتا رہتا ہے جو جیسا کام کرتا ہے اسی مناسبت سے اس کے چہرے پر تاثرات مرقوم ہوتے رہتے ہیں۔ ہر آدمی روشنیوں سے مرکب ہے۔ روشنی کی یہ لہریں انسانی سراپے سے غیر محسوس طریقہ پر نکلتی رہتی ہیں۔ ہم کسی کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور ایک چہرہ دیکھ کر ہم اضطراب میں مبتلا ہو جاتے ہیں ان چہروں پر خشونت، خشکی اور کراہیت کے تاثرات ہوتے ہیں۔ دونوں انسانی چہرے ہیں مگر دیکھنے والے پر تاثرات جدا جدا چھوڑتے ہیں۔ ذرا سا بھی مشاہدہ کرنے والا انسان شخصیت کا اندازہ کر لیتا ہے۔

رولو کا عمر میں، تجربے میں اور علم میں مجھ سے بہت آگے تھا۔ مگر اس کا انداز بالکل طالب علموں والا تھا۔ وہ سیکھتا رہتا تھا ہر نئی چیز سے وہ کچھ نہ کچھ سبق حاصل کرتا تھا اور خود کو کبھی منکشف نہیں کرتا تھا۔ وہ اپنا وزن اور سامنے والے کا وزن کرتا تھا پھر کوئی فیصلہ کرتا تھا۔ حالانکہ اس کو ماورائی قوت حاصل تھی مگر وہ اس کا استعمال بڑی مجبوری کی حالت میں کرتا تھا۔ فاصلہ اس کے لئے کوئی معنی نہیں رکھتا تھا مگر وہ میرے ساتھ سفر کرتا تھا۔ اس کا علم اور مشاہدہ لامحدود تھا مگر وہ خود کو ایک عام آدمی خیال کرتا تھا۔ کبھی اس لامحدود طاقت کو اپنی ذات کے لئے استعمال نہیں کرتا تھا اور اپنے کام خود انجام دیتا تھا۔ یہ تھا رولو کا میرا دوست۔

میں اس لئے تعریفیں نہیں کر رہا ہوں کہ رولو کا میرا دوست ہے۔ بلکہ اس لئے کر رہا ہوں کہ وہ اس تعریف کے لائق ہے۔ وہ میرے ایک ایک اشارے کو، میرے چہرے کے تاثرات کو سمجھتا ہے۔ میری ہر بات کو وہ بغیر کہے بھی سمجھ جاتا ہے۔

گاڑی امرتسر کی طرح تیزی سے رواں دواں تھی۔ رات کا وقت تھا رولو کا حسب معمول نیچے بیٹھا تھا۔ اس کا حلیہ خیر دکا ہی تھا اور میں برتھ پر لیٹا تھا کہ اچانک رولو کا نے مجھے آواز دی۔ ''حکیم صاحب!''

میں نے چونک کر پوچھا۔ ''کیا بات ہے؟''

''جلدی کرو نیچے اتر آؤ۔'' وہ بولا۔

''خیریت ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''نہیں وقت کم ہے۔'' وہ بولا۔

''میں فوراً نیچے کود پڑا۔ میرے کودتے ہی رولو کا میرے اوپر آیا اور بولا۔ ''لیٹ جاؤ فوراً'' میں حیران تھا مگر لیٹ گیا۔ اس کے بعد ایک بہت زور کا دھما کہ ہوا اور سامان گرنے لگا۔ کان پڑی آواز نہیں آرہی تھی۔ ہر طرف شور، چیخ و پکار، رونا، پیٹنا ہو رہا تھا اور خون ہی خون ڈبے میں بکھرا ہوا تھا۔ میرے اوپر رولو کا تھا اور میں اس کے نیچے بالکل ٹھیک تھا۔ سارا ملبہ اور سامان رولو کا کے اوپر

گرا تھا۔ مگر وہ ٹھیک تھا۔ ڈبے کے سارے مسافر بری طرح زخمی تھے یا مر گئے تھے۔ ہمارا ڈبہ کئی قلابازیاں کھانے کے بعد الٹا پڑا تھا۔ ایک شور تھا جو ہر طرف سے اٹھ رہا تھا۔ سینکڑوں مر چکے تھے اور ہزاروں زخمی تھے رات کا وقت، کسی کسی بوگی کی لائٹ جل رہی تھی ہر طرف ایک شور برپا تھا ہر کوئی اپنے پیاروں کو تلاش کر رہا تھا۔ جو زخمی تھے وہ کراہ رہے تھے اور مدد کو پکار رہے تھے مگر اندھیرے میں کسی کو کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ رولوکا اور میں دونوں ٹھیک تھے۔ ہم دونوں نے زخمیوں کو ایک جگہ جمع کرنا شروع کر دیا۔ ہمارے ساتھ کچھ اور لوگ بھی شامل ہو گئے۔ اسی بھاگ دوڑ میں صبح ہو گئی۔ ہم کو نہیں پتہ کہ سرکاری طور پر کیا ہو رہا تھا ہم تو اپنے طور پر جو کر سکتے تھے کر رہے تھے۔ ہم نے ایک قدم خدمت کا بڑھایا تھا۔ کیونکہ ہم تندرست تھے۔ ہماری ضرورت ان مصیبت زدہ لوگوں کو تھی ہماری مدد کو اور لوگ آ گئے اور اس طرح یہ ایک ٹیم بن گئی۔ صبح تک ہم سارے زخمیوں کو ایک مقام پر لا چکے تھے۔

جہاں گاڑی الٹی پڑی تھی وہ جگہ بڑی ہری بھری تھی۔ چاروں طرف کھیت ہی کھیت اور ذرا فاصلے پر ایک نہر بھی بہہ رہی تھی۔ بڑا خوب صورت علاقہ تھا۔ گیارہ بجے ایک دوسری گاڑی مدد لے کر آ گئی۔ اس میں ڈاکٹر تھے اور دوائیں بھی۔ اب ہمارا کام ختم ہو گیا تھا۔ سرکاری ایجنسیاں کام میں لگ گئی تھیں۔

میں نے رولوکا کو اشارہ کیا اور ہم دونوں نہر کی طرف چل دیے۔ میرا سفری بیگ میرے پاس تھا۔ نہر پر پہنچ کر میں نے کہا۔ ''ذرا جلدی بتا دیتے تم نے بہت دیر کی بتانے میں۔''

''مجھے پتہ ہوتا تو بتاتا نا۔ مجھے ایک منٹ پہلے ہی پتہ چلا تھا'' رولوکا نے کہا۔

نہر پر دو دیہاتی بیٹھے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا۔ ''بھائی یہ کون سی جگہ ہے۔''

''یہ سامنے چک گوبندہ ہے جی۔'' ان میں سے ایک بولا۔

''امرتسر سے کتنا دور ہیں؟'' میں نے پھر پوچھا۔

''امرتسر تو بہت دور ہے جی۔'' وہ پھر بولا۔

''ارے بھائی وہی تو پوچھ رہا ہوں کتنی دور ہیں۔'' رولوکا نے کہا۔

''تیں کوس تو ہو گا جی۔'' وہ بولا۔

''تم یہاں کے رہنے والے ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں جی میں چک گوبندہ کا ہی ہوں۔'' وہ بولا۔

''یہاں پر کیا کرنے آئے ہو۔'' میں نے پوچھا۔

''کرنا کیا ہے جی، لوکی بتا رہے تھے رات کو بڑی زور کی آواز آئی تھی گاڑی الٹ گئی تھی۔ وہی دیکھنے آئے ہیں۔'' دوسرا بولا۔

''تماشا دیکھنے آئے ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''اونئی جی یہ گل نہیں ہے شوق تو ہوتا ہے نا۔'' دوسرا پھر بولا۔

''آپ دونوں بھی اسی گاڑی کے مسافر ہو۔'' پہلے نے سوال کیا۔

''ہاں ہم بھی اسی میں امرتسر جا رہے تھے۔'' میں نے کہا۔

''آپ دونوں تو ٹھیک ٹھاک ہو کوئی چوٹ شوٹ تو نہیں آئی۔'' پہلا بولا۔

''ہم لوگ ٹھیک ہیں۔'' میں نے جواب دیا۔

''چلو جی اچھا ہے ادھر تو بہت برا حال ہے۔ خبر نہیں کتنے مر گئے ہیں اور کتنے زخمی پڑے ہیں۔ بڑا ڈراؤنا پن برس رہا ہے جی۔ میں تو ایک نظر ڈال کر ادھر آ گیا۔'' پہلا بولا۔

''تمہارا نام کیا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''جی میرا نام پھجا ہے اور یہ سروج ہے۔'' پہلے نے جواب دیا۔

''ارے بھائی پورا نام بتاؤ۔'' میں نے پھر کہا۔

''اصل میں میرا نام فاروق ہے اور یہ سروج سنگھ ہے۔''

''ہاں اب پتہ چلا نا کہ تم مسلمان ہو اور یہ سکھ ہے۔''

''ہم دونوں دوست ہیں ہر جگہ ساتھ جاتے ہیں۔''

مگر یہ کیسا سردار ہے کیس اور داڑھی تو اس کی ہے نہیں۔'' میں نے ہنس کر کہا۔

''بس جی یہ میرا دوست ہے میری طرح ہی رہتا ہے۔ اس کی برادری نے بھی اس کو بہت برا بھلا کہا۔ مگر یہ بھی ضد کا پکا ہے میری وجہ سے سب کو چھوڑ بیٹھا ہے۔'' فاروق نے ہا۔

''واہ بھئی واہ دوستی ہو تو ایسی۔'' میں نے تعریف کی۔

سروج میری بات سن کر خوش ہو کر بولا۔ ''یہ میری جان ہے جی۔ میں اس کو نہیں چھوڑ سکتا۔ پاویں سب کو چھوڑنا پڑے۔''

''شاباش ہے بھئی۔'' رولوکا نے کہا۔

''اچھا یہ بتاؤ تمہارے گاؤں میں مسلمان بھی ہیں۔'' میں نے پوچھا۔

''ایک تو میں ہی بیٹھا ہوں۔ میرا بھائی ہے ماں ہے باپ نہیں ہے۔ دو گھرانے اور ہیں۔'' فاروق نے کہا۔

''دو چار دن ہم تمہارے گاؤں میں رہنا چاہیں تو تم ہمارے رہنے کا بندوبست کر دو گے۔'' میں نے فاروق سے پوچھا۔ ''ہاں جی کر دیں گے کوئی مسئلہ ہی نہیں۔'' فاروق بولا۔

''ہم جتنے دن رہیں گے اپنے کھانے اور رہنے کا کرایہ ادا کریں گے۔'' میں نے کہا۔

''ہم لوگ غریب ضرور ہیں مگر کھانے کا پیسہ نہیں لیتے۔ آپ ہمارے مہمان ہو کر رہو گے۔'' فاروق نے کہا۔

''نہیں فاروق پھر ہم تمہارے ساتھ نہیں رہیں گے۔''

''بڑی کوشش کے بعد وہ کھانے کے پیسے لینے پر راضی ہوا اور ہم دونوں ان کے ساتھ چک گوبندہ آ گئے۔

گھر بہت بڑا تھا۔ فاروق کے علاوہ ایک اس کا چھوٹا بھائی اور بوڑھی والدہ تھی۔ گھر میں وہ سب کچھ تھا جو دیہاتی گھروں میں ہوتا ہے۔ دودھ کے لئے دو بھینسیں اور چھ سات بکریاں، چارہ کاٹنے کی مشین اور گھر کے درمیان میں بڑا سا صحن اس کے درمیان ایک جامن کا درخت۔

فاروق نے بتایا کہ کچھ زمین بھی ہے وہ خود بھی کاشت کرتا ہے اور کچھ اس نے سروج کو دی ہوئی ہے۔

فاروق کا گھرانہ گاؤں کے کھاتے پیتے گھرانوں میں شامل تھا۔ ابھی شادی نہیں ہوئی۔ سر بہت لوگ اس کو اپنی لڑکی دینے کو تیار تھے مگر وہ خود شادی پر تیار نہیں تھا۔

چک گوبندہ اچھا بڑا گاؤں تھا اس کے چاروں طرف زرخیز زمین تھی اور گاؤں کے لوگ بہت محنتی، ہر گھر میں جانور پلے ہوئے تھے۔ یہ ایک خوشحال گاؤں تھا، گاؤں کا زمیندار ایک سکھ تھا۔ اس کا نام زنبیر تھا۔ زنبیر سنگھ شادی شدہ جوان آدمی تھا۔ اولاد کوئی نہیں تھی۔ طبیعت کا نرم اور ہمدرد انسان تھا۔ عام زمیندار والی بات اس میں نہیں تھی۔

فاروق نے بتایا کہ بڑا دکھی آدمی ہے۔ ''کیوں؟ دکھی کیوں ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''شادی کو پانچ سال گزر چکے ہیں اور اولاد کوئی نہیں ہوئی۔ اور یہی دکھ بہت بڑا دکھ ہے۔ دوسرے اس کی ہمدردی اور انسان دوستی کا فائدہ اس کے رشتہ داروں نے بہت اٹھایا اور بہت سی زمین ہتھیا کر بیٹھے موج کر رہے ہیں اور وہ اپنی ووٹی کی وجہ سے خاموش ہے۔'' فاروق نے بتایا۔

''ووٹی کی وجہ سے کیوں خاموش ہے۔'' رولوکا نے پوچھا۔

''جو زمین اس سے لی گئی ہے زبردستی وہ سب بیوی کے رشتہ دار بھائی بند ہی ہیں اور وہ اللہ کا بندہ خاموش تماشائی بنا ہوا ہے۔ بندے کو اتنا بھی شریف نہیں ہونا چاہئے۔''

''کوئی وجہ تو ضرور ہو گی؟'' میں نے کہا۔

''خبر نہیں جی کیا وجہ ہے؟'' فاروق بولا۔

''اچھا تم ایسا کرو ہماری ملاقات اس سے کرا دو۔''

میں نے کہا۔

''کرادوں گا، شام کو کل چلیں گے......'' ہم دونوں دوسرے روز سردار زنبیر سنگھ کی حویلی میں اس کے سامنے بیٹھے تھے۔

زنبیر سنگھ بڑا کڑیل جوان تھا۔ عمر چالیس کے درمیان ہوگی، مگر اس کا چہرہ بجھا بجھا سا تھا۔ اس کے چہرے سے ہی ظاہر ہوتا تھا کہ کچھ نہ کچھ بات ضرور ہے۔ میں نے اپنا تعارف کرایا۔ ''سردار صاحب میں حکمت کرتا ہوں۔ میرا مطب دلی میں ہے اور یہ میرا ملازم خیرو ہے۔ گاڑی الٹ گئی تو ہم لوگ یہاں اتر پڑے امرتسر جارہے تھے۔ آپ کے بارے میں سنا کہ آپ کچھ پریشان ہیں تو آپ کے پاس آ گئے۔ دراصل ہم سیلانی آدمی ہیں کسی خاص آدمی یا خاص مقام پر نہیں جارہے تھے۔'' میں نے کہا۔

''بہت اچھا کیا جی آپ نے کہ ہمارے گاؤں کو یہ عزت دی۔ آپ ہمارے مہمان ہیں۔ ہم آپ کی خدمت کرکے بہت خوش ہوگے۔'' زمیندار نے اخلاق سے کہا۔

''سردار صاحب! ہم سفر کرتے ہیں اور بظاہر بےکار سفر کرتے ہیں۔ مگر یہ قدرتی بات ہے کہ ہم اکثر ان مقامات پر پہنچ جاتے ہیں جہاں ہماری ضرورت ہوتی ہے۔ میں محسوس کررہا ہوں کہ اس گاؤں میں بھی ہماری ضرورت ہے۔'' میں نے کہا۔

''حکیم صاحب آپ کی ضرورت تو ہر جگہ ہے۔ انسان بیمار بھی ہوتا ہے۔ جہاں بیماری وہاں پر آپ کی ضرورت۔'' زمیندار نے جواب دیا۔

''بہت مناسب بات آپ نے کی ہے۔ مگر آپ اگر ناراض نہ ہوں تو ایک بات پوچھوں؟'' میں نے کہا۔

''ضرور پوچھیں۔'' وہ بولا۔

''مجھے آپ صحت مند نظر نہیں آرہے۔ آدمی صحت مند نظر آتا ہے مگر ہوتا نہیں، میری تجربہ کار نگاہیں بتارہی ہیں کہ آپ جسمانی طور پر اچھی صحت کے مالک ہیں مگر کوئی نہ کوئی اندرونی بیماری آپ کو لگ گئی ہے۔ اس کا علاج وقت پر نہ ہوا تو آگے بہت مشکل ہوجائے گی۔'' میں نے اپنی بات ختم کی۔

''ارے نہیں حکیم صاحب ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' زمیندار خوش دلی سے ہنس کر بولا۔

''آپ کی مرضی ہے نہ بتائیں، مگر میرا تجربہ یہی کہہ رہا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''میں آپ کے تجربے کو غلط نہیں کہہ سکتا۔'' زنبیر سنگھ نے جواب دیا۔

''اچھا یہ بتائیں آپ کی شادی کو کتنا عرصہ گزر چکا ہے؟'' رولوکا نے پہلی بار سوال کیا۔

''پانچ سال گزر چکے ہیں۔'' زمیندار نے جواب دیا۔

''آپ کی کتنی اولاد ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''ایک بھی نہیں۔'' وہ اداسی سے بولا۔

''اس کی وجہ! کیا آپ نے اپنا اور اپنی بیوی کا علاج کرایا ہے......ولاد کے لئے؟'' میں نے پوچھا۔

''میں نے نہیں کرایا اور نہ ہی وہ اس پر تیار ہوئی۔'' زمیندار نے جواب دیا۔

''میرا تجربہ کہتا ہے کہ آپ تندرست آدمی ہیں۔'' میں نے کہا۔ زمیندار خاموش رہا تو میں نے پھر کہا۔

''معاف کرنا زمیندار صاحب بہت سے معاملات میں انسان بےبس ہوتا ہے۔ یہ کوئی شرم کی بات نہیں ہے۔ انسانی رشتہ سے میں آپ کے پاس آیا ہوں۔ میرا پیشہ ایسا ہے کہ میں کسی کو بھی تکلیف میں مبتلا نہیں دیکھ سکتا۔ اگر مناسب خیال کریں تو اپنی پریشانی مجھے بتائیں شاید میں کچھ کرسکوں۔'' میں نے کہا۔

زمیندار بہت اداس ہوگیا۔ بڑی کمزور آواز میں بولا۔ ''میری بیماری ایسی نہیں ہے کہ کوئی حکیم یا ڈاکٹر اس کا علاج کرسکے۔''

''بتاؤ تو شاید کوئی طریقہ میرے پاس ہو۔'' میں نے کہا۔

"بہت لمبی کہانی ہے حکیم صاحب۔" وہ کمزور آواز میں بولا۔

"میں اس کہانی کے لئے سننے کو تیار ہوں۔" میں نے کہا۔

"حکیم صاحب آپ پہلے آدمی ہو، جس کو میں اپنا دکھ بتا رہا ہوں۔ میں واقعی بہت دکھی ہوں، دراصل سارے فیصلے انسان کے نہیں ہوتے۔ انسان ایک فیصلہ کرتا ہے اپنے مطلب کا، مگر قدرت کا فیصلہ کچھ اور ہوتا ہے اور وہی فیصلہ فائنل ہوتا ہے۔ میرے ماموں کی زمینداری لاہور کے نزدیک ہے۔ بہت بڑا زمیندار ہے اور شکار کا بہت شوقین۔ اس کا بس چلے تو وہ ہمیشہ جنگل میں ہی پڑا رہے۔ میں اس کے پاس جاتا ہی اس لئے تھا کہ دل کھول کر شکار کروں۔

یہ بات سات سال پرانی ہے۔ میں اور میرا ماموں جنگل میں شکار کی تلاش میں پھر رہے تھے۔ ہمارے ساتھ دو ملازم بھی تھے۔ شام کا وقت تھا جنگل میں اندھیرا ہونے لگا تھا۔ ماموں نے کہا۔ "اب واپس اڈے پر چلنے کی کرو۔ یہ علاقہ رات میں بہت خطرناک ہو جاتا ہے۔"

وہ ایک ماہر شکاری تھا دوسرے وہ اس جنگل کے چپے چپے سے واقفیت رکھتا تھا۔ ہم لوگ واپسی کے لئے مڑ گئے۔ ہمارے آگے دونوں ملازم تھے۔ کچھ دور جا کر اچانک ملازم ڈر کر پلٹ پڑے۔ ماموں نے پوچھا کیا ہوا۔

ایک بولا سرکار کالا سانپ ہے۔ راستے میں درخت گھنے تھے۔ اس لئے اس مقام پر کچھ اندھیرا سا تھا میں نے تھیلے سے فوراً ٹارچ نکالی اور ملازم کے اشارے پر اس جگہ روشنی ڈالی۔ وہاں پر واقعی ایک بہت بڑا کالا سانپ پھن اٹھائے کنڈلی مارے بیٹھا جھوم رہا تھا۔ میں نے ٹارچ ملازم کو پکڑائی اور کندھے سے بندوق اتار لی اور نشانہ لے کر دو فائر کر دیئے سانپ کے پرخچے اڑ گئے اور ہم لوگ آگے بڑھ گئے۔ شکار میں ایسے واقعات ہوتے ہی رہتے ہیں یہ کوئی نئی بات یا انہونی بات تو نہیں تھی جس کو میں یا ماموں یاد رکھتے۔ مگر یہی بنیاد تھی میری مصیبت کے لئے۔ یہیں سے میری پریشانیاں شروع ہوگئیں۔ میں واپس چک گوبندہ چلا آیا۔ میرے ماموں کی لڑکی سے میری منگنی ہو چکی تھی اور شادی کی تیاریاں زوروں پر تھیں کہ پتہ چلا کہ میری ہونے والی دلہن کو کسی سانپ نے کاٹ لیا اور وہ مرگئی۔ وہ میری بچپن کی محبت تھی۔ مجھے یقین نہیں آتا تھا کہ وہ مرگئی ہے۔ ابھی زیادہ دن نہیں گزرتے تھے کہ چک گوبندہ میں میرے باپ کو بھی کسی بہت زہریلے سانپ نے کاٹ لیا اور چند منٹ میں وہ ختم ہو گیا۔ باپ کے بعد سارا بوجھ میرے کاندھوں میں آ گیا۔ مجھے اب تک پتہ نہیں تھا کہ دونوں موتیں انتقامی جذبہ سے ہوئی ہیں۔ مگر جلد ہی مجھے پتہ چل گیا۔

ایک بنجاروں کا گروہ گاؤں سے باہر ڈیرہ ڈالے پڑا تھا۔ میری یہ عادت شروع سے رہی ہے کہ میں ہر اس آدمی سے ضرور ملتا ہوں جو میرے گاؤں میں آتا ہے۔ اس اجنبی کی ضرورت پوری کرتا ہوں اور اسی میں مجھے خوشی ملتی ہے۔ میں بنجاروں کے اڈے پر چلا گیا۔ ایک عورت مجھے نظر آئی۔ میں اس کے قریب چلا گیا تو وہ بولی۔ "چل بھاگ اپنا رستہ لے کیوں آیا ہے۔" اس کی آواز میں بڑی نفرت تھی۔ میں حیران رہ گیا۔ میں نے پوچھا۔ "تم مجھ سے کیوں بیزار ہو رہی ہو۔ میں تو تمہاری ضرورت پوچھنے آیا ہوں۔"

"تو کیا ضرورت پوری کرے گا تو خود ہتھیارہ ہے۔ قاتل ہے۔" وہ نفرت آمیز لہجے میں بولی۔

"تم کو شاید کوئی غلط فہمی ہو رہی ہے میں اس گاؤں کا زمیندار ہوں۔ تم لوگ میرے گاؤں میں ٹھہرے ہو تو میرا فرض ہے کہ تمہاری خدمت کروں۔ یہی سوچ کر میں تمہارے ڈیرے پر آیا ہوں۔" میں نے محبت آمیز لہجے میں جواب دیا۔

مگر اس کا غصہ کم نہ ہوا۔ وہ پھر بولی۔ "تو کچھ بھی کر لے تیرے برے دن آ گئے ہیں۔" اور نفرت سے اس

تے زمین پر تھوک دیا۔ میں نے اس کی نفرت اور ذلت آمیز رویہ کو برداشت کیا اور خاموشی سے واپس چلا آیا۔ رات کو وہ بنجارے چلے گئے۔ میں بھی اس بات کو بھول گیا۔

اس کے بعد گاؤں میں سانپوں کے کاٹے کی وارداتیں ہونے لگیں۔ حالانکہ ہمارا گاؤں سانپوں سے پاک تھا اور سالوں میں بھی کوئی واردات نہیں ہوتی تھی۔ اب ہر دوسرے تیسرے روز ایسا ہونے لگا۔ سب ہی حیران تھے کہ اچانک یہاں پر سانپ کہاں سے آ گئے۔

میرا فرض تھا کہ میں کچھ کروں۔ میں نے سپیروں کی تلاش شروع کر دی اور ایک سپیروں کے خاندان کو لے آیا۔ ان کو زمین دی اور آباد کر دیا۔ وہ خاندان نسل در نسل سانپ پکڑتا اور اس کا زہر اور سانپ فروخت کرنے کا کام کرتا تھا۔ اس خاندان کا سربراہ ایک بہت بوڑھا سپیرا تھا اور اپنے کام کا ماہر مانا جاتا تھا۔ اس کے چار بیٹے تھے جو کہ ماہر سپیرے تھے۔ دو تو شادی شدہ تھے ان کے بچے بھی تھے اور دو ابھی کنوارے تھے۔ مگر وہ بھی سانپ پکڑتے تھے۔ ان کے نزدیک سانپ ایک کیچوہ تھا وہ بڑی مہارت اور بظاہر آسانی سے سانپ پکڑ لیا کرتے تھے۔ میں نے ان کو ہر آسانی دی۔ ان کو وہ زمین جس پر ان کو آباد کیا بلا قیمت ان کے نام کر دی۔ ان کے راشن پانی کا پورا بندوبست کر دیا۔ کام صرف یہ دیا کہ گاؤں میں ایک بھی سانپ نہ رہے۔ دوسرے ہی روز سے انہوں نے اپنا کام شروع کر دیا اور کئی سانپ پکڑ لئے۔ وہ سب بھائی صبح سے ہی اپنا کام شروع کر دیتے تھے۔ آٹھ روز میں بیس سانپ وہ پکڑ چکے تھے۔ میں نے کہہ دیا تھا کہ جو سانپ بھی وہ پکڑیں۔ اس کو گاؤں میں نہیں رکھیں گے۔ میری اس شرط کی وجہ سے وہ تمام سانپوں کو فروخت کر دیا کرتے تھے۔

یہ سلسلہ چلتا رہا۔ اس خاندان نے سینکڑوں سانپ پکڑے اور گاؤں سے باہر لے جا کر فروخت کر دیئے۔ ان کے آنے سے دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ وہ سانپ کے کاٹے کا علاج بھی کر لیا کرتے تھے۔ میں ان کے کام سے بہت خوش تھا۔ ان کو ان کی ضرورت سے زیادہ ہی دیا کرتا تھا۔ وہ خاندان بھی بہت خوش تھا۔ مگر اچانک ایک دن ان کا سردار بوڑھا سپیرا میرے پاس آیا اور اس نے کہا۔

''سرکار اب ہم اس گاؤں میں نہیں رہیں گے۔''

میں نے حیرت سے پوچھا۔ ''کیوں تم کو کوئی تکلیف ہے کسی نے کچھ کہا یا تم کو پریشان کیا ہے؟''

''نہیں سرکار ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ نے تو ہمارا بہت خیال رکھا ہے۔'' وہ بولا۔

''پھر کیوں جانا چاہتے ہو؟''

''بات ایسی ہے کہ میں بتاؤں گا تو بھی آپ کی سمجھ میں نہیں آئے گی۔'' وہ بولا۔

''بتاؤ تو شاید کچھ سمجھ میں آ جائے۔'' میں نے کہا۔

''سردار صاحب بات یہ ہے کہ سانپوں کی بھی ایک دنیا ہے۔ ہماری آپ کی طرح، وہاں پر بھی بادشاہ ہے اور اس کی رعایا ہے۔ ہم جو سانپ پکڑتے ہیں وہ عام سے سانپ ہوتے ہیں۔ مگر کبھی کبھی کسی خاص سے بھی واسطہ پڑ جاتا ہے۔ ہمارا علم جس قدر ہے اگر وہ سانپ اس سے زیادہ علم کا مالک ہوتا ہے تو ہم بے بس ہو جاتے ہیں اور وہ سانپ ہم پر وار کر جاتا ہے۔

اس کا وار اتنا کاری ہوتا ہے کہ ہمارے بچاؤ کے سب راستے بند ہو جاتے ہیں۔ جس طرح انسانوں کی ہزاروں قسمیں ہیں۔ الگ الگ رنگ اور چہرے ہیں۔ الگ الگ رہنے اور کھانے کے ڈھنگ ہیں اسی طرح سانپ بھی ہیں۔ میں نے زندگی میں ہزاروں قسم کے سانپ دیکھے ہیں اور پکڑے ہیں۔ مگر آپ کے گاؤں میں جس سانپ سے میرا واسطہ پڑا ہے یہ سب سے الگ اور نرالا ہے۔ میں نے اس کی فوج کے بہت سانپ پکڑ کر گاؤں بدر کر دیئے۔ میں نے کسی ایک سانپ کو بھی نہیں مارا میں سانپ کو کبھی نہیں مارتا۔ یہی وجہ ہے کہ میں آپ کے سامنے زندہ بیٹھا ہوں۔

وہ سانپ اسی گاؤں میں موجود ہے اور وہ مادہ

ہے۔ اس کا نر مر چکا ہے اور اس کے نر کو آپ نے مارا ہے۔ ناگن کا انتقام بہت بھیانک ہوتا ہے۔ اس نے مجھے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ مین اس کے راستے سے ہٹ جاؤں ورنہ وہ مجھ سے بھی انتقام لے گی...... اسی لئے میں اب یہاں سے جانا چاہتا ہوں۔ میرا دل جانے کو نہیں کرتا مگر اپنے خاندان کو بچانے کی خاطر مجھے جانا ہے۔ میں جانتا ہوخہ وہ ناگن بہت بڑی بلا ہے۔ میں تو کیا میرے جیسے دس بھی اسے قابو نہیں کر سکتے۔ میں آپ کے حق میں صرف دعا کر سکتا ہوں اور آپ نے جو کچھ ہمارے لئے کیا ہے اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔''

اور سپیروں کا وہ خاندان بڑی خاموشی سے چلا گیا۔ اس خاندان کے چلے جانے کے بعد گاؤں میں کسی کو سانپ نے نہیں کاٹا اور لوگ سکون سے رہنے لگے۔ میں بھی سکون محسوس کرنے لگا۔ ماموں کی لڑکی تو مر چکی تھی مگر ان کو میری شادی کی بڑی فکر تھی۔ انہوں نے ایک رشتہ امرتسر میں لگایا اور مجھے ساتھ لے کر گئے۔ لڑکی والوں نے مجھے پسند کر لیا اور شادی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ مگر پھر پرانی کہانی دہرائی گئی اور شادی سے ایک ہفتہ پہلے میری ہونے والی دلہن چھت سے گر کر مر گئی۔ اس کی ماں نے بتایا کہ وہ کسی چیز سے ڈر کر بھاگی تھی اور گر گئی۔

تیسری بار بھی ایسا ہی ہوا اور چوتھی بار کے بعد میں نے شادی نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ میری بدنصیبی کی سزا کسی بے گناہ کو ملے۔ مجھے سپیرے کی بات کا یقین آتا جا رہا تھا کہ وہ ناگن گاؤں میں ہے۔ اس کا ناگ میں نے مارا ہے۔ میں نے صرف ایک ہی ناگ کو مارا تھا مجھے یقین ہو چلا تھا کہ وہی ناگ اس ناگن کا ناگ تھا اور وہی مجھ سے بدلہ لے رہی تھی۔ ابھی تک تو صرف وہ میری شادی میں رکاوٹ ڈال رہی تھی آگے نہ جانے اور کیا کرے گی۔

میں ڈرپوک آدمی نہیں ہوں۔ مگر جو انوکھے واقعات میرے ساتھ ہو رہے تھے اگر دشمن کوئی انسان ہوتا تو میں اس کا پورا مقابلہ کرتا۔ مگر میرا دشمن تو کسی بل میں تھا اور وار پر وار کر رہا تھا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ اس کو میرے بارے میں سب کچھ پتہ تھا اور میں اس سے بے خبر تھا۔ پھر میں اس سے کیا مقابلہ کر سکتا تھا۔ وہ اپنے دشمن کی نقل و حرکت سے واقف تھی اور میں اندھیرے میں تھا۔ اس کا وار پوری طرح مجھ پر پڑ رہا تھا اور میں اپنے بچاؤ میں کچھ نہیں کر پا رہا تھا۔ کتنا بے بس و لاچار تھا میں۔ میں نے ایسے لوگوں کو تلاش کرنا شروع کر دیا جو سانپوں کے بارے میں جانتے ہوں۔ ایک دو ایسے ملے بھی مگر انہوں نے گاؤں میں رہنا بھی پسند نہیں کیا اور صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ بھائی بہت بھاری پتھر ہے۔ ہم نہیں اٹھا سکتے۔ ایک سال گزر گیا۔ میں اپنی شادی کی طرف سے مایوس ہو گیا۔ میں اور بہت سے زمینداروں کی طرح نہیں۔ گاؤں کی لڑکیاں میری بہن کی طرح تھیں۔ میں نے کبھی کسی لڑکی یا عورت پر بری نظر نہیں ڈالی۔ سارا گاؤں مجھ سے واقف تھا۔

ایک سال کے بعد ایک رشتہ گاؤں سے آیا۔ ہر چند کور ایک بیوہ عورت گاؤں میں رہتی تھی۔ اس کی بہن امرتسر میں رہتی تھی وہ مر گئی تو اس کی لڑکی اس کے پاس آ گئی اور اسی کے لئے ہر چند نے میرے لئے بات چلائی۔ کیونکہ میرے بارے میں وہ اور سب گاؤں والے جانتے تھے کہ میں چھوٹے بڑے پر یقین نہیں رکھتا۔ میں سب کو برابری کا درجہ دیتا ہوں۔ ماموں کو بلایا گیا اور ماموں نے بات پکی کر دی۔ لڑکی کے بارے میں ماموں نے بتایا کہ پتر تیرے گھر چاند اتر آئے گا۔ اتنی سوہنی کڑی میں نے پوری جند میں نہیں دیکھی۔ تو بڑا نصیب والا ہے کہ یہ کڑی خود بخود تیرے پاس آ گئی اور نہ جانے انہوں نے کتنی تعریفیں کر ڈالیں۔

ان کے علاوہ بھی پورے گاؤں نے اس کے حسن کے طور باندھ دیئے۔ میں بھی خود کو بڑا خوش نصیب خیال کرنے لگا۔ اس شادی میں کوئی گڑبڑ نہیں ہوئی اور بڑی دھوم دھام سے شادی ہو گئی اور وہ میری حویلی میں آ گئی۔ میں بہت خوش تھا۔ میں نے اس کو دیکھا تو میں حیران رہ

گیا۔ وہ میرے خیال سے کہیں زیادہ حسین تھی۔ میں انسان تھا، میرا اس سے متاثر ہونا لازمیت ھا۔ جو لوگ حسن سے متاثر نہیں ہوتے میرے خیال میں وہ غیر انسانی صفات کے مالک ہوتے ہیں۔ میں اسے حیرت سے دیکھتا رہا۔ وہ مسکراتی رہی۔ ایک دلفریب مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر کھیلتی رہی۔ ہر عورت مسکراتی ہے مگر مسکرانا بھی ایک آرٹ ہے۔ ہر کسی کی مسکراہٹ ایسی نہیں ہوتی کہ آدمی اس پر جان نچھاور کر دے۔ مگر پریت کور کی مسکراہٹ ایسی تھی کہ انسان زندگی بھر دیکھتا رہے۔ کچھ دیر کے بعد وہ خود چل کر میرے پاس آ گئی۔ اس کے چلنے کا ایک خاص انداز تھا۔ وہ بڑی تمکنت سے لہرا کر چل رہی تھی۔ مسکراہٹ اب بھی اس کے لبوں پر مچل رہی تھی۔ وہ جتنی حسین تھی اگر بات بھی ویسی ہی کرتی تو میری جان بھی اس کے لئے حاضر تھی۔ اس کی آواز اور الفاظ اس کے سراپے سے میل نہیں کھاتے تھے۔

''دیکھ لے زنبیر سنگھ اچھی طرح دیکھ لے۔ میں وہی ہوں جس کو تو نے بیوہ کیا تھا۔ میں تیری حویلی تک آ گئی ہوں۔ میں چاہتی تو تجھے مار ڈالتی مگر میرا انتقام ذرا دوسری قسم کا ہے۔ میں تجھے ماروں گی نہیں، ترساؤں گی، تو روز مجھے دیکھ کر ترسے گا۔ یہی میرا انتقام ہے۔'' میں سمجھ چکا تھا وہ کون ہے مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے میرے جسم کی قوتیں اچانک ختم ہو گئی ہیں۔ پاؤں جہاں تھے وہیں پر جمے رہے پتہ نہیں مجھے کیا ہو گیا تھا۔ بس ایسا لگ رہا تھا کہ میں اپنی مرضی سے جل نہیں سکتا۔ میری وحشت زدہ نگاہیں اس کو دیکھ رہی تھیں اور اس کی قاتل مسکراہٹ میرا مذاق اڑا رہی تھی۔ وہی مسکراہٹ جو کچھ دیر پہلے مجھے انتہائی حسین لگ رہی تھی اب مجھے زہر میں بجھی معلوم ہوتی تھی۔ انسانی احساسات کو بدلتے دیر نہیں لگتی۔ پریت کور کا حسن میری جان مانگتا تو بھی شاید منع نہ کرتا۔ مگر اب وہی پریت کور مجھے نہایت بدصورت ناگن نظر آ رہی تھی۔ حالانکہ اس کا روپ اپنی جگہ وہی تھا۔ وہ اسی انداز سے کھڑی تھی اور اس کے لبوں پر وہی مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ میں نے سوچا کاش وہ اپنے بارے میں نہ بتاتی۔ کاش مجھے اس کی اصلیت پتہ نہ چلتی۔ مگر یہ کاش ہی تو سارے کام بگاڑتا ہے۔ میری بدنصیبی کا آغاز تو بہت پہلے ہو چکا تھا اور میں اس مقام پر آ چکا تھا جہاں پر میرا دشمن مجھ پر غالب تھا۔

''خوب سوچ لے زنبیر سنگھ میں تیری بیوی ہوں۔ میں کون ہوں کیا ہوں یہ صرف تجھ کو پتہ ہونا چاہئے۔ اس راز میں کوئی شریک نہیں ہونا چاہئے۔ تو میری طاقت سے واقف نہیں ہے۔ یہ سمجھ لے کہ تیری یہ بستی کھنڈر بنا دوں گی تو جس کو راز میں شریک کرے گا اس کی بھی سات پشتیں میرا انتقام جھیلیں گی۔ تو نے میرے ناگ کو اس وقت مارا تھا جب وہ اپنی تپسیا پوری کرنے والا تھا۔ تو نے بہت بڑا ظلم کیا ہے۔ جیسا کہوں وہ کرتا جا۔ مجھے غصہ نہ دلانا اور مجھے میرا جوڑا یاد نہ کرانا۔ میں آگے کیا کروں گی تجھے پتہ نہیں ہے۔'' میں بت بنا ہوا تھا اور صبح تک بت ہی بنا رہا۔

اب ہر رات میری حاضری اس کے دربار میں ہوتی ہے۔ وہ ہزاروں میں ایک بن کر میرے سامنے آتی ہے اور میں صرف اس کا دیدار کرتا ہوں۔ میں اس سے تنگ آ گیا ہوں مگر کیا کروں ڈیوٹی پوری کرنا پڑتی ہے۔ میں نے تم کو سب کچھ بتا دیا۔ اب پتہ نہیں میرا کیا حشر ہوگا۔ اس کو میری سب بات پتہ چل جاتی ہے۔ یہ بھی پتہ چل جائے گی۔ مجھے افسوس یہ ہے کہ میرے ساتھ تم بھی اس کے انتقام کا نشانہ بن جاؤ گے۔ میں نے اب تک کسی کو اس راز میں شریک اس لئے بھی نہیں کیا تھا۔''

اور زنبیر سنگھ خاموش ہو گیا۔ اس کے خاموش ہوتے ہی رولو کا آ گیا اور بولا۔ ''زنبیر سنگھ اس راز میں، میں بھی شریک ہوں۔ میں نے بھی تمہاری ساری باتیں سن لی ہیں ورتم کو سن کر تعجب نہیں ہوگا کہ تمہارے دشمن نے بھی سب کچھ سن لیا ہے۔ وہ بھی یہیں پر ہے اور اس کی وہ ساری فوج بھی گاؤں بھر میں پھیلی ہوئی ہے۔ مگر وہ فوج بیکار ہو گئی ہے۔ تمہارا دشمن طاقت کے نشے میں ہے۔ دولت اور طاقت کا نشہ جس پر چڑھ جاتا ہے وہ غرور اور تکبر کی بیماری کا شکار ہو جاتا ہے، یہ بیماری اس کی جان لے کر

چھوڑتی ہے۔"

اور پھر رولوکا نے ایک غیر متوقع عمل کیا۔ بجلی کی سی تیزی سے اس نے چھلانگ لگائی اور ایک بڑی سی تصویر کے فریم کے پیچھے ہاتھ ڈال کر ایک سانپ پکڑ لیا اور بولا۔

"تو کیا سمجھتی تھی، تو میری نظروں سے بچ جائے گی...... میں تجھ سے پوشیدہ تھا مگر تو مجھ سے پوشیدہ نہیں تھی۔ میں انسان ہوں اور تو ایک کیڑا ہے اگر کیڑے انسانوں پر حکم چلانے لگیں گے تو دنیا کا نظام الٹ جائے گا۔ اور وہ تیری فوج جس کو لے کر تو آئی ہے وہ سب چلے گئے۔ اب گاؤں میں تیری برادری کا کوئی نہیں۔ میں نے سب کو واپس روانہ کر دیا۔ اب تو بول تیری کیا مرضی ہے۔" اور رولوکا نے اس کو زمین پر چھوڑ دیا۔ وہ ناگن چند منٹ اسی حالت میں پڑی رہی پھر اس نے جون بدلی اور جون کے روپ میں آ گئی۔ مگر اب اس میں حسن نہیں تھا وہ ایک اجڑی بگڑی عورت معلوم ہوتی تھی وہ خاموش کھڑی تھی۔

رولوکا نے کہا۔ "کہاں گئی تیزی طاقت، کچھ کھیل تماشہ دکھا، تو نے تو چندن اور سندل کے درختوں پر لٹک کر سو سال تپسیا کی ہے۔ اپنی جون بدلنے کی طاقت حاصل کی ہے مگر تیرا خیال تھا تو انسانوں پر حکومت کرے گی۔ تجھے پتہ نہیں تھا کہ حضرت انسان سب مخلوق میں افضل ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ تو بھی جون بدل کر عورت بنی، گھوڑی کیوں نہ بنی۔ تو پھر بھی نہ سمجھی اور معمولی سی طاقت نے تجھے اندھا کر دیا تو ایک بے گناہ شخص کے پیچھے پڑ گئی۔

"یہ بے گناہ نہیں ہے اس نے میرا جوڑا مار دیا ہے۔" وہ بات کاٹ کر بولی۔

"وہ اس کے راستے پر آ گیا تھا وہ بھی طاقت کے نشے میں دھت تھا۔ موذی کو مارنا منع نہیں ہے۔ اگر یہ نہ مارتا تو وہ ان کو مار دیتا جس کو موقع ملا اس نے وار کر دیا۔"

"مگر یہ قاتل ہے۔ میں اس کا انتقام لوں گی...." وہ نخوت سے بولی۔

"یہ تیری بھول ہے۔" رولوکا نے کہا۔

"میری طاقت کا اندازہ تجھ کو بھی نہیں ہے۔ میرے ایک اشارے پر ہزاروں سانپ حملہ کر دیں گے۔" وہ غصہ سے بولی۔

"تو پھر اونچی باتیں کرنے لگی ہے۔ میں نے بتایا ہے کہ تیرے سب عاشق توبہ کر کے جا چکے ہیں۔" رولوکا نے جواب دیا۔

"تو جھوٹ کہتا ہے وہ میرے اشارے کے منتظر ہیں۔" وہ پھر غصہ میں بولی۔

"تو پھر دے آواز۔ بلا لے اپنی ساری برادری کو، تجھے آزادی ہے۔" رولوکا نے جواب دیا۔

وہ ناگن فوراً زمین پر بیٹھ گئی اور پھر ناگن کا روپ اختیار کر لیا اور اسی روپ میں جھومتی رہی لہراتی رہی، گول چکر لگاتی رہی۔ یہ سلسلہ ایک گھنٹہ تک جاری رہا۔ مگر کچھ نہ ہوا۔ ایک بھی سناپ اس کے قریب نہ آیا۔ رولوکا اس کے بہت قریب کھڑا تھا اور اس کی ہر حرکت پر رولوکا بھی اپنے ہاتھوں کو ہوا میں لہراتا تھا۔ ایک گھنٹے کے بعد وہ پھر عورت کے روپ میں آ گئی۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور وہ بہت تھکی تھکی اور نڈھال تھی اور بری طرح ہانپ رہی تھی۔ چہرے پر اپنی ناکامی کے پورے آثار لئے وہ خاموش ہانپ رہی تھی۔

رولوکا کی نظریں اس کی ہر حرکت پر تھیں۔ وہ پوری طرح چوکس تھا۔ "تو نے میری اتنی طاقتور فوج کو کس طرح بھگا دیا مجھے یہ تو بتا دے۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"بڑی آسانی سے، تیری فوج سانپ ہیں تو میری فوج نیولے ہیں۔ میں نے اپنی فوج کو بلا لیا اور تیری فوج ڈر کے مارے بھاگ گئی۔" رولوکا نے جواب دیا۔

"تو وہ نہیں ہے جو نظر آتا ہے۔ میں سمجھ نہیں سکی یہ میری بھول تھی۔" وہ بولی۔

"تیری سمجھ میں نہیں آیا یہ اچھا ہے۔ اب تو بتا تیری مرضی کیا ہے۔ اب بھی انتقام لے گی یا میں تیرا بندوبست کر دوں۔" رولوکا نے کہا۔

"میرا جوڑا ٹوٹا ہے۔ میں انتقام تو ضرور لوں گی اس سے نہ لے سکی تو کیا اس کی آنے والی نسل سے لوں

گی۔ ہمارا قانون ہے کہ جو قسم کھائی جاتی ہے اس کو توڑا نہیں جاتا۔ ہمارا قانون تمہاری دنیا کے قانون سے زیادہ سخت ہے۔ قسم کا پالن نہ کرنے والا سخت عذاب میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ میں اپنی قسم کا پالن کروں گی چاہے مجھے انتظار کرنا پڑے۔'' ناگن نے جواب دیا۔

''تو نے پھر انسانی طاقت کا اندازہ غلط لگایا ہے۔'' رولوکا نے کہا۔

''میں مرنے کو تیار ہوں تو زیادہ سے زیادہ یہی کرسکتا ہے۔'' وہ بولی۔

''نہیں میں تجھے نہیں ماروں گا۔ مگر ایسی سزا دوں گا کہ تو خود مرنے کی دعائیں مانگے گی۔ اب تک تو اپنی مرضی سے اپنی جون بدلتی رہی ہے مگر اس دفعہ میں تیری جون بدلوں گا پھر دیکھنا کیا ہوتا ہے۔'' اس کے بعد رولوکا نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا اور وہ سکڑنا شروع ہوگئی اور چند لمحوں میں سکڑتے سکڑتے ایک چوہیا بن گئی۔ بڑی نرم و نازک سی چوہیا۔ رولوکا نے اس کو دم سے اٹھا کر اپنی آنکھوں کے قریب کیا اور کہا۔

''اب تو اسی جون میں زندہ رہے گی۔ تو کبھی اپنی اصلی شکل میں واپس نہیں ہوگی...... تیری ساری تپسیا اور سارا علم، تیری ضد اور انتقامی جذبے نے ختم کر دیا۔ تو صرف ایک چوہیا ہے، جا تو آزاد ہے۔'' اور اس کو زمین پر چھوڑ دیا اور چوہیا پھدکتی کودتی دروازے سے باہر نکل گئی۔ سردار زنبیر سنگھ حیرت سے یہ تماشہ دیکھ رہا تھا۔ حیرت تو مجھے بھی تھی مگر میں ان تماشوں کا عادی ہوگیا تھا۔ مگر زنبیر سنگھ کی حالت عجیب تھی۔ اس کو سکتہ سا ہوگیا تھا۔ مارے حیرت کے اس کا منہ کھلا تھا مگر آواز نہیں نکل رہی تھی۔ میں نے آگے بڑھ کر اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا۔ ''کہاں ہو سردار صاحب!''

''واہگورو...... ایسی حیرت ناک کہانی آنکھوں کے سامنے گزر گئی۔ میں کس بلا کے متھے لگ گیا تھا۔ یہ تو واہگورو کی کرپا تھی کہ آپ دونوں آگئے۔'' وہ حیرت سے بولا۔

''دیکھ لو زنبیر سنگھ یہ قدرت کے کھیل ہیں۔ گاڑی الٹ گئی اس وجہ سے ہم تمہارے پاس آ گئے اور تمہارا مسئلہ حل ہوگیا۔'' میں نے کہا۔

''ایک بات بتائیں اگر آپ کو برا لگے تو معاف کر دینا۔'' وہ بولا۔

''پوچھو جو پوچھنا ہے ضرور پوچھو۔'' میں نے کہا۔

''یہ بھائی آپ کے ملازم ہی ہیں؟'' وہ ڈرتے ڈرتے بولا۔

''دنیا کی نظر میں ایسا ہی ہے مگر اس کی اصلیت کیا ہے یہ نہ پوچھنا۔ کچھ باتیں صرف دلوں میں رہتی ہیں۔ کیونکہ وہی بہترین جگہ ہے۔'' میں نے کہا۔

''میں سوچ رہا ہوں آپ لوگ میرے کام آئے ہیں، آپ کا شکریہ ادا کس طرح کروں۔'' وہ بولا۔

''شکریہ کی ضرورت نہیں ہے ہم کسی ستائش یا شکریہ کے لئے کچھ نہیں کرتے۔'' میں نے جواب دیا۔

''مگر میں کچھ دن آپ کی خدمت تو ضرور کروں گا ایسے تو نہیں جانے دوں گا۔'' زنبیر سنگھ بولا۔

''تمہاری یہ فرمائش ہم پوری کریں گے۔'' میں نے کہا۔

☆......☆......☆

ہمارا ارادہ دو چار دن ہی رکنے کا تھا۔ مگر دو دن کے بعد ہی سردار زنبیر سنگھ کے ماموں آ گئے۔ عمر تو ان کی ستر کے قریب تھی مگر اچھی صحت کے مالک تھے۔ شاید اس کی وجہ ان کی زندہ دلی تھی۔ ان کا نام سردار کورمکھ سنگھ تھا۔ زنبیر سنگھ نے سارا احوال ان کو بتا دیا تھا۔ وہ سن کر بہت حیران ہوئے اور پھر خوش ہو کر بولے۔ ''لو جی کمال ہی ہوگیا او میں اس کڑی کو نہیں پہچان سکا حد ہوگئی کنی سوہنی لگدی سی۔''

''یہ دنیا ہے سردار صاحب۔ یہاں پر آنکھیں بھی جھوٹ بولتی ہیں۔'' میں نے کہا۔

''ہاں جی اب تو ماننا ہی پڑے گا۔'' وہ بولے۔

''آپ کا پنڈ لاہور کے قریب ہے۔'' وہ بولے۔

"بہت قریب ہے جی۔ میرے پنڈ سے شالیمار باغ کا دو گھنٹے کا سفر ہے اور وہ بھی کچے کا۔ رستہ بہت ہی۔ پکی سڑک ہو تو ایک گھنٹہ ہی بہت ہے۔" سردار گورمکھ سنگھ بولے۔

"اب ہمارا ارادہ ادھر ہی جانے کا تھا۔" میں نے پوچھا۔

"واہ...... واہ! جم جم! چلو بادشاہو آپ جیسے بندوں کی خدمت شدمت کرنا تو ہمارا کام ہے، دو چار دن کے بعد نال ہی چلے چلو۔ ویسے یہ دسو لاہور میں کچھ کام ہے آپ کو؟" سردار نے پوچھا۔

"نہیں کوئی کام نہیں ہے۔ جس طرح یہاں پر کام نہیں تھا اور آ گئے اسی طرح لاہور میں بھی کوئی کام نہیں ہے۔ مگر ہم جا رہے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"چنگی گل ہے، کام کوئی نہیں پر جا رہے ہیں۔" وہ زور سے ہنس کر بولے۔

"ہم لوگ بغیر کام کے جاتے ہیں اور کام نکل آتا ہے۔" میں نے کہا۔

"واہگورو جو کام جس سے لینا چاہتا ہے وہ تو کرنا ہی پڑتا ہے۔" وہ پھر بولے۔

"ایک درخواست کروں آپ مانیں گے؟" زبیر سنگھ نے پوچھا۔

"ارے آپ حکم کریں زمیندار صاحب!" میں نے کہا۔

"اب آپ حویلی میں آ جائیں اور یہاں پر رہیں۔" زبیر سنگھ نے کہا۔

سردار گورمکھ سنگھ جلدی سے بولے۔ "واہ پتر تو میرے من کی گل کر دتی ہے۔"

"آپ لوگوں خو بہت بہت شکریہ! مگر ہم لوگ جہاں ٹھہرے ہیں۔ وہاں پر بڑے آرام سے ہیں۔ وہ بھی آپ کا ہی گھر ہے اور بندہ بھی آپ کا ہی ہے۔ بات ایک ہی ہے۔" میں نے کہا۔

"ہماری خوشی تو یہی تھی مگر آپ جس طرح خوش ہیں وہ بھی ٹھیک ہے۔" زبیر سنگھ نے کہا۔

"ایکب ات یہ بھی ہے کہ ہم فاروق کے ساتھ آئے ہیں وہ بے شک غریب آدمی ہے مگر ہماری نظر میں وہ بہت امیر ہے۔ کیونکہ اس کے پاس خلوص کی دولت ہے محبت کا خزانہ ہے۔ اگر ہم اس کو چھوڑ کر آپ کے پاس آ گئے تو یہ بڑی انصافی ہوگی اور اس کا دل ٹوٹ جائے گا۔"

"واہ حکیم صاحب۔ کنی بڑھیا گل کیتی ہے انسان وہی ہوندا ہے جس میں انسانیت ہے واہ...... واہ۔" سردار گورمکھ سنگھ بولے۔

ایک ہفتہ کے بعد ہم لوگ سردار گورمکھ کے ساتھ لاہور کے لئے روانہ ہو گئے۔ سردار کے پنڈ میں ہمارا بہت اچھا استقبال ہوا۔ شام کو چوپال میں سب لوگ بیٹھے تھے کہ ایک بہت گھبرایا ہوا آدمی آیا اور آتے ہی بولا۔ "سردار صاحب وہ پھر آ گیا ہے۔" بڑا اجب ہو گیا۔

"اوئے چندن لال کی بکواس کر رہا ہے کون آ گیا...... چنگی طرح بتا!"

"وہی سرکار دھنی چند چمار کا منڈا۔ پر بڑا گھبرایا سا پریشان لگتا ہے۔" چندن لال نے جواب دیا۔

"اچھا تو پھر اس کو میرے پاس بلا کر لا۔" گورمکھ سنگھ نے کہا۔

اور ندن لال اس کو بلانے روانہ ہو گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے پوچھا۔ "کیا معاملہ ہے؟"

"کیا بتاؤں وہی عورت کا چکر ہے۔ یہ منڈا ایک سنارے کی لڑکی پر مرمٹا ہے۔ اس سے بیاہ کرنا چاہتا ہے مگر سنارہ ہے کہ کسی حالت میں راضی نہیں ہے۔ گل یہ ہے کہ وہ ہے اونچی ذات کا اور یہ ہے ذات کا چمار۔ سب ایک دوسرے کو خاندان در خاندان سے جانتے ہیں۔ پھر بھلا وہ کیوں اپنی کڑی ایک چمار کے گھر دے گا۔ اس منڈے نے سب جتن کر لئے کہ وہ راضی ہو جائے مگر وہ نہ راضی ہوا تو اس پاگلا نے جادو کا چکر چلا دیا۔ مرگھٹ میں جانے لگا اور پھر ایک دن پاگلوں کی طرح مرگھٹ سے بھاگتا ہوا جنگلوں میں غائب ہو گیا۔ بہت ڈھونڈا پر نہ ملا۔ اب پھر

تین مہینے کے بعد نمودار ہو گیا ہے۔ واہگورو خیر کرے۔"

اتنے میں چندن لال نظر آتا آیا۔ اس کے ساتھ ایک آدمی اور تھا۔ اس کی داڑھی بڑھی ہوئی تھی۔ بال بکھرے ہوئے تھے۔ چہرے پر دھول اڑ رہی تھی اور آنکھیں ویران ویران لگتی تھیں۔

"بڑی مشکلوں سے آیا ہے جی...... بھاگنے کی کوشش کر رہا تھا۔" چندن لال نے کہا۔

رولوکا نے بڑی گہری نظر سے اس کو دیکھا اور پوچھا۔

"تیرا کیا نام ہے جوان۔" مگر وہ خاموش رہا ایسا لگتا تھا وہ ذہنی طور پر حاضر نہیں ہے۔

"اس کا نام پورن ہے جی۔" چندن لال نے جواب دیا۔

"میں نے جس سے پوچھا ہے اس کو بولنے دو۔" رولوکا نے کہا۔

مگر وہ خالی خالی نگاہوں سے رولوکا کو دیکھتا رہا بولا۔ کچھ نہیں۔ "میں نے تمہارا نام پوچھا ہے جوان۔" رولوکا نے پھر کہا۔

پورن چونک کر رولوکا کو دیکھتا رہا۔ ایک دو منٹ خاموش رہا پھر بولا۔ "پورن ہے میرا نام۔"

"اچھا پورن یہ تمہارے سامنے کون ہے؟" رولوکا نے سردار کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

"یہ ہمارا زمیندار ہے۔" اس نے مختصر جواب دیا۔

"اب تم یہ بتاؤ تم کیوں پریشان ہو؟" رولوکا نے پوچھا۔

"مجھے جانے دو وہ آتا ہی ہوگا۔" وہ مجھے نہیں چھوڑ یگا۔" پورن ڈری ڈری آواز میں بولا۔

"وہ کون ہے اور تم اس سے کیوں ڈرتے ہو؟" رولوکا نے پوچھا۔

"وہ بھوت ہے جی بہت خطرناک بھوت۔ وہ مجھے مار ڈالے گا...... نہیں چھوڑے گا۔" وہ بولا۔

"وہ بھوت تمہارے پیچھے کیوں پڑا ہے تم نے اس کا کوئی نقصان کیا ہوگا؟" رولوکا نے کہا۔

"نہ جی میں بھوت کا کیا نقصان کر سکتا ہوں۔ بس میرے پیچھے لگ گیا ہے۔" وہ بولا۔

"ہر آدمی اپنے بچاؤ کے لئے یہی کہتا ہے وہ کب اپنی غلطی مانتا ہے اور سارا قصور دوسروں پر ڈالتا ہے اور خود کو بے گناہ اور معصوم بتاتا ہے۔ تم پوری بات بتاؤ تو پتہ چلے کہ معاملہ کیا ہے۔"

"میری بات کا آپ یقین کریں جی کہ میں نے اس بھوت کا کچھ نہیں بگاڑا۔" وہ روہانسی آواز میں بولا۔

"پھر پوری بات کیوں نہیں بتاتے۔" رولوکا نے کہا۔

"بتا دوں گا جی ساری بات بتا دوں گا۔ مگر وہ آ گیا تو میں مارا جاؤں گا۔" وہ بولا۔

"وہ یہاں پر نہیں آئے گا تم بے خوف ہو جاؤ۔" رولوکا نے کہا۔

"وہ دن میں نہیں آتا۔ رات کو مجھے دوڑاتا ہے۔ اب رات ہونے کو ہے وہ ضرور آئے گا اس کو کوئی نہیں روک سکتا۔ مجھے جانے دو...... میں مارا جاؤں گا۔"

وہ ڈر سے کانپ رہا تھا۔

"ایک بات بتاؤ تم کب تک اس سے بھاگتے رہو گے۔ ایک نہ ایک دن وہ تم کو چھاپ لے گا پھر کیا کرو گے۔ میں تم سے کہہ رہا ہوں وہ یہاں پر نہیں آئے۔ تم آرام سے بیٹھو اور بتاؤ کیا قصہ ہے وہ کیوں تمہارے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑا ہے؟" رولوکا نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے جی جو میرے نصیب میں ہوگا وہ تو ہو گا ہی۔" اور وہ زمین پر بیٹھ گیا۔

"بہت پرانی کہانی ہے جی...... میں اس کو روز دیکھتا تھا اور وہ مجھے۔ ہم دونوں کھیتوں میں گھنٹوں بیٹھے باتیں کرتے رہتے تھے۔ نہ ایک پل وہ مجھ سے جدا ہونا چاہتی تھی اور نہ میں اس سے دور ہونا چاہتا تھا۔ انسان محبت میں کس قدر مجبور ہو جاتا ہے۔ ہم دونوں مجبور تھے دونوں اندھے تھے۔ روپا اس کا نام تھا۔ وہ صرف نام کی روپا نہیں

تھی، وہ ہزاروں میں ایک تھی۔ میری نظر میں تو وہ تھی ہی حسین مگر وہ سب کو اچھی لگتی تھی۔ اگر مجھے وہ آسانی سے مل جاتی تو شاید مجھے اتنی حسین نہ لگتی۔ شاید اس کیتی در کم ہوجاتی مگر مجھے اس کے ملنے کی امید ہی بہت کم ہے۔ اس لئے اس کا حسن میرے دماغ میں بس گیا ہے۔ وہ میرے لئے ایک ضد بن گئی ہے ایک چیلنج بن گئی ہے۔ مین اس کو ہر حالت میں حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ میرے پاس دولت نہیں ہے کہ وہ طاقت استعمال کرلیتا۔ نہ اتنا بڑا پہلوان ہوں کہ سارے پنڈ سے لڑسکوں۔ میں سودائی ہوں۔ اپنی روایت کو قائم تو رکھوں گا۔ اس لئے میں نے دوسرا راستہ اختیار کرلیا۔ بہت سی باتیں عقل سے سمجھ میں نہیں آتیں جنون سے سمجھ میں آتی ہیں۔ شراب عقل چھین لیتی ہے مگر جنون اور حوصلہ دیتی ہے۔ مجھے اسی نے حوصلہ دیا اور میں اس مقام پر پہنچ گیا جہاں کوئی جانا پسند نہیں کرتا۔ مگر مرنے کے بعد تو وہاں پر جانا ہی پڑتا ہے۔

شہر سے باہر دریا کے کنارے ایک مرگھٹ ہے۔ وہ جگہ اتنی ویران اور سنسان ہے کہ آدمی دن میں بھی اس طرف نہیں آتا۔ جو لوگ مردہ جلانے آتے ہیں۔ وہ بہت جلدی جانے کا سوچتے ہیں۔ اکیلا آنے کے بارے میں کوئی نہیں سوچتا۔ میں یہ اعتراف کرتا ہوں کہ میں دیوانہ تھا، اندھا تھا، مین اس طرف رات میں گیا مگر میں بہت وحشت زدہ اور اضطراب میں مبتلا تھا۔ میرا دل بری طرح دہل رہا اور میں اس کی دھڑکن محسوس کرر ہا تھا۔ آ تو میں گیا تھا مگر میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کیا کروں کہاں جاؤں۔ مجھے مول چند کی تلاش تھی۔ سنا تھا کہ وہ یہیں پر رہتا ہے۔ مگر اس قدر ویران اور وحشت زدہ جگہ پر رہنے کا تصور ہی رونگٹے کھڑے کرر ہا تھا۔ مجھے یہاں پر نہیں آنا چاہئے تھا۔ یہاں کون رہ سکتا ہے۔ دور دور انسان تو انسان کسی جانور کا وجود بھی نہیں تھا۔ دریا خاموشی سے بہہ رہا تھا۔ جیسے وہ بھی اس ویرانے سے خوف زدہ ہو بھی خاموشی سے اس ہیبت ناک جگہ سے جلد از جلد دور ہونا چاہتا ہو۔

رات کا کون سا پہر تھا پتہ نہیں چاند کا آسمان پر پتہ نہ تھا۔ اندھیرے کی گہری چادر تنی ہوئی تھی کہ اچانک بہت سی بلیوں کے رونے اور لڑنے کی آوازیں آنے لگیں۔ وہ بلیاں بالکل انسانی آواز میں رو رہی تھیں۔ یہ آوازیں میرے بہت قریب سے آرہی تھیں۔ شمشان گھاٹ مین اس طرح آوازیں اور دور دور انسانی وجود نہ ہو تو میرا ڈرنا تو بجا تھا۔ میرا جسم تھر تھر کانپ رہا تھا۔ قریب تھا کہ میں زمین پر گر پڑتا اور انتہائی خوف سے بے ہوش ہوجاتا تھا کہ اچانک وہ میرے سامنے آگیا۔ مجھے ذرا سی ڈھارس ہوئی جیسے ڈوبتے کو تنکے کا سہارا مل گیا ہو۔

وہ جس قدر پراسرار طریقے پر آیا تھا اسی قدر اس کا لباس بھی تھا۔ اسی قدر اس کی شکل وصورت اور انداز گفتگو بھی...... وہ آتے ہی بولا۔ ”مورکھ ہے تو ایک ناری نے تیرا یہ حشر کردیا کہ تو یہاں موت کی گود میں خود چلا آیا۔“

ایک تو اس کا انداز بیان خوفناک تھا اس سے زیادہ اس کی کھرکھراتی آواز ڈراؤنی تھی۔ میں کیا جواب دیتا خاموش کھڑا تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اس کا چہرہ مجھے اندھیرے میں بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ اس کے جسم پر صرف ایک چادر تھی وہ بھی کبھی ہوا سے اڑ جاتی تھی۔ مگر آنکھیں اندھیرے میں بھی چمک رہی تھیں۔ گول گول بلی کی طرح اس کی آنکھیں تھیں۔ میں نے جب بھی اس کی طرف دیکھا وہ آنکھیں مجھے گھورتی معلوم ہوئیں۔ وہ اپنی کھرکھراتی آواز میں بولا۔

”تو مرگھٹ میں آگیا ہے۔ میری بات دھیان سے سن لے...... کیوں آیا کس لئے؟ اب یہ بات بھول جا اور صرف اس حقیقت کو مان کہ تو یہاں ہے اور یہاں پر زندوں کی نہیں مردوں کی چلتی ہے۔ تجھے ان کی مرضی پر چلنا ہے اگر اس حقیقت کو نہیں مانے گا تو نقصان اٹھائے گا اور شریر کا رشتہ آتما سے ٹوٹ جائے گا...... میرا سارا کھیل اور رشتہ مردوں کے ساتھ ہے۔ میں آگھوری ہوں۔ مجھے مردے پسند ہیں۔ آتماؤں کے ساتھ رہتا ہوں۔ آتمائیں میری دوست ہیں۔ میری تیری منوکامنا پوری کردوں گا۔ وہ چھوری تیری ہے تجھے ملے گی۔ مگر یاد رکھ

ہر آسانی سختی کے بعد آتی ہے۔ کچھ لینے کے لئے دینا پڑتا ہے۔ دکھ کے بعد سکھ ملتا ہے، بول تیری کیا مرضی ہے...... بول!''

میری آواز نہ نکلی تو وہ بولا۔ ''ڈرمت تو میری شرن میں ہے بول۔''

''تم جو کہو گے وہی کروں گا۔'' میں نے بڑی مشکل سے جواب دیا۔

''کچھ کام کرنا پڑیں گے وہ کرے گا۔ سوچ لے اگر وعدہ کر کے نہ کیئے تو بہت برا ہوگا۔''

''میں کروں گا۔'' میں نے جواب دیا۔

''آج کے بعد تو میری شرن میں ہے۔ تجھے کسی ایسے آدمی کو تلاش کرنا ہے جو تیری ذات کا ہو اور اس کی عمر سو سال کے لگ بھگ ہو زیادہ ہو تو بھی ٹھیک ہے اور جب وہ مر جائے تو اسی شمشان گھاٹ پر اس کو لانا ہے۔ کس طرح لانا ہے اس کی چتا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تو صرف مجھے بتادینا میں خود بندوبست کرلوں گا۔ اب تیرا کام ختم میں اس پر منتر پڑھوں گا اس کو زندہ کر کے اس کی آتما کو پھر شریر میں ڈالوں گا اور پھر وہ تیرا کام کرے گا تیرے راستے کے سارے کانٹے وہ اٹھائے گا اور سندری تیری ہو جائے گی۔''

یہ سن کر روپا میری ہو جائے گی میں خوشی سے جھومنے لگا۔ یہ میرا پاگل پن ہی تو تھا۔ میں مول چند کی باتوں میں آ گیا اور بے فکر ہو کر چلا آیا۔ جو کام اس نے بتایا تھا وہ اتنا زیادہ مشکل نہ تھا۔ میں گاؤں گاؤں پھرتا رہا اور اپنی برادری کے گھروں پر جاتا رہا۔ میں بوڑھوں سے ملتا رہا۔ مگر اب تک سو سالہ بوڑھا نظر نہیں آیا تھا اور پھر ایکسو سال کے لگ بھگ بوڑھا نظر آ گیا۔ وہ بہت کمزور تھا۔ آنکھوں سے اندھا تھا۔ گھاٹ پر پڑا رہتا تھا۔ کسی نے دے دیا تو ٹھیک نہیں تو بھوکا پڑا رہتا تھا۔ اس کے بیٹے بہو بھی اس کے مرنے کا انتظار کر رہے تھے۔ میں نے فوراً مول چند کو اطلاع کردی کہ بڈھا مرنے والا ہے بندوبست کرلے۔ تین دن کے بعد وہ بڈھا مر گیا۔ مگر حیرت انگیز بات یہ ہوئی کہ مول چند آ گھوری اس کے مرنے سے ایک گھنٹہ پہلے آ گیا۔ اس کے ساتھ دو تین دھوتی پوش اور تھے۔ آتے ہی اس نے یہ کیا کہ رونا دھونا شروع کر دیا۔ وہ پورے لباس میں آیا تھا۔ سفید دھوتی اور سفید کرتا اس کے تن پر تھا اور چہرہ غم کی تصویر بنا ہوا تھا۔ سب کو اس نے بتایا کہ مرنے والا اس کا بہت گہرا دوست تھا اور اس کی تمنا تھی کہ اس کا کریا کرم وہاں ہو جہاں اس کا دوست کہے اور سارا کر چا بھی اس کا دوست یعنی مول چند کرے...... آخری بات سب کو بہت پسند آئی تھی اور کسی نے اس کی لاش لے جانے پر اعتراض نہیں کیا اور بڑی آسانی سے مول چند بڈھے کی لاش لے کر اپنے شمشان گھاٹ آ گیا۔

دریا کے کنارے ایک چار دیواری بنی ہوئی تھی، دیواریں زیادہ اونچی نہ تھیں۔ زیادہ سے زیادہ تین چار فٹ ہوں گی۔ دیواروں کے درمیان میں ایک گول دائرہ تھا اور زمین میں گڑھا تھا۔ اس میں آگ جل رہی تھی۔ اس چار دیواری کی ساری دیواروں کے ساتھ اندر کی طرف انسانی کھوپڑیاں رکھی تھیں۔ مول چند دن میں زیادہ تر اسی چار دیواری میں رہتا تھا۔ اس طرف مردہ جلانے والے اور لانے والے بھی نہیں آتے تھے۔ یہ علاقہ بہت ڈراؤنا تھا۔ میں نے چار دیواری کے اندر دیکھا تو مجھے لگا کہ یہ ساری کھوپڑیاں مجھے دیکھ رہی ہیں میرا مذاق اڑا رہی ہیں۔ مول چند نے کہا۔ ''ڈرمت یہ سب تیرا کچھ نہیں کریں گے یہ سب میری غلام ہیں۔'' اس نے بوڑھے کی لاش کو دیوار کے سہارے بٹھا دیا۔

سورج غروب ہونے والا تھا۔ سات کھوپڑیاں اس نے اٹھا کر دیوار کے اوپر رکھ دیں اور ان کے سر پر ایک ایک چراغ رکھ دیا۔ چراغ میں نہ بتی تھی نہ کسی قسم کا تیل تھا۔ ایک چراغ بڈھے کے سر پر بھی رکھ دیا اور بولا۔ ''آج کی رات تیری ضرورت نہیں ہے تین دن میں منتر پڑھوں گا۔ تو اب جا ..... صبح سورج نکلتے ہی میرے پاس آجانا اور یہ لوٹا لے، اس میں دریا سے پانی بھر کے لانا اور

جو چراغ ان کھوپڑیوں پر رکھے ہیں اور ان میں تھوڑا تھوڑا پانی ڈال دینا۔ مجھ سے کوئی بات مت کرنا خاموشی سے آنا اور چلے جانا۔ یہ لوٹا آگ میں ڈال دینا۔ دوپہر ٹھیک بارہ بجے پھر آنا۔ تجھے ایک لوٹا آگ کے پاس رکھا ملے گا۔ اس میں دریا سے پانی لانا اور سروں کے چراغوں میں پانی ڈال دینا۔ اس طرح تین دن تجھے یہ کرنا ہے۔ تیسرے دن دوپہر کو تو گاؤں جائے گا اور ایک بکرا کسی کا ہولے کے آئے گا۔ اس بکرے کو آگ کے پاس چھوڑ دینا۔ باندھنے کی ضرورت نہیں ہے اور پھر تو خاموش ایک طرف بیٹھ جائے گا بولنا نہیں۔ میں خود تجھے آواز دوں گا تب میرے پاس آنا اور پھر جو کہوں وہ کرنا۔ اب تیری آشا پوری ہونے میں زیادہ دیر نہیں ہے۔" میں نے وہی کیا جو مول چند نے کہا تھا۔ دریا سے پانی لا کر چراغوں میں ڈالتا رہا۔ آخری دن ایک بکرا بھی لے آیا۔ وہ بھی آگ کے پاس چھوڑ دیا۔ بکرے نے ذرا بھی بھاگنے کی کوشش نہیں کی اور آرام سے بیٹھ گیا۔ میں بھی بکرے کے پاس ہی بیٹھ گیا۔ دوپہر گزر گئی۔ سورج غروب ہونے والا تھا کہ مول چند کی آواز آئی۔ "سب کام ہو گیا رے۔" وہ مجھ سے پوچھ رہا تھا۔

میں نے کہا۔ "ہاں گرو سب ہو گیا۔"

"شاباش سب چراغوں میں روز تیل ڈالا ہے۔"

وہ پھر بولا۔

میں نے دل میں سوچا تیل، میں نے تو پانی ڈالا ہے مگر میرے منہ سے نکلا۔ "ہاں گرو سب میں ڈالا ہے۔"

"تو ٹھیک ہے جل جاؤ۔" اور وہ سب چراغ اچانک جل اٹھے۔ مگر بڈھے کے سر پر جو چراغ تھا وہ نہیں جلا۔ مول چند نے اس کی طرف دیکھا اور بولا۔ "تو اپنی ضد پر کب تک رہے گا۔ راضی راضی غیر راضی، کرنا تو وہی ہے جو میں کہتا ہوں۔"

اب اندھیرا پھیل رہا ہے اور سارے چراغ اندھیرے میں روشنی دے رہے تھے۔ مول چند کی آواز پھر ابھری۔ "مان جا...... مان جا۔ اچھا تو میں تیری بھینٹ کا بندوبست کر لوں۔" اس نے مجھے آواز دی اور بولا۔

"اپنی جوتی اتار۔" میں نے جوتی اتار دی۔ اس نے دونوں جوتیاں لاش کے سامنے رکھ دیں اور بولا۔ "اپنا ہاتھ آگے کر۔" میں نے جیسے ہی ہاتھ آگے کیا اس نے بجلی کی سی تیزی سے ایک چاقو میری ہتھیلی پر مار دیا۔ بھل بھل خون بہنے لگا۔ اس نے وہ خون میری جوتیوں میں بھر دیا اور بولے۔

"چل بھاگ! آگ میں سے گرم گرم راکھ بھر لے زخم پر...... ٹھیک ہو جائے گا۔"

میں دوڑ کر وہی کیا جو کہا تھا۔ راکھ بھرتے ہی میری تکلیف ختم ہو گئی۔ مول چند دوبارہ گیان دھیان میں لگ گیا۔ ٹھیک رات بارہ بجے اس نے مجھے آواز دی۔ میں اس کے پاس گیا تو اس نے ایک دھاگے کی ریل مجھے پکڑا دی۔ دھاگے کا ایک سرا اس نے بکرے کی ٹانگ سے باندھ دیا اور بولا۔ "تو اس ریل کو لے کر نکل جا، جتنا لمبا یہ دھاگہ ہے تو اتنی دور چلا جا۔ جہاں دھاگہ ختم ہو وہیں پر بیٹھ اور انتظار کر۔" میں نے ریل لی اور چل پڑا جہاں دھاگہ ختم ہوا وہاں پر ایک جھاڑی اگی ہوئی تھی۔ میں نے دھاگے کا سرا اس جھاڑی کی جڑ میں باندھ دیا اور خود واپس آ کر اندھیرے میں ایسی جگہ بیٹھ گیا جہاں سے مول چند اور لاش دونوں کو دیکھ سکتا تھا۔ سارے چراغ جل رہے تھے۔ فضا میں عجیب عجیب آوازیں ابھر رہی تھیں۔ زنانی آوازیں مردانہ آوازیں، مگر سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کہہ رہی ہیں۔ اب میرے دل سے ڈر و خوف نکل گیا تھا۔ میں اطمینان سے بیٹھا تھا۔ میں نے دیکھا لاش پر رکھا چراغ جل اٹھا۔

مول چند خوش ہو کر بولا۔ "بول کیا چاہئے؟"

بوڑھے کے لب ہلے اور آواز آئی۔ "میری بھینٹ......"

مول چند میرے جوتے جو خون سے بھرے ہوئے تھے آگے کر دیئے۔ "یہ لے تیرے لئے ہے۔"

"میری عزت یہ ہے جوتے میں بھینٹ!" بڈھا

غصہ میں بولا۔

"تو نے زندگی بھر جوتے بنائے ہیں یا جوتے کھائے ہیں۔ تیری عزت ہی جوتا ہے تیری ذات سے جوتا کس طرح الگ ہوگا!" مول چند نے جواب دیا۔

"ہاں ٹھیک ہے لا۔" اور لاش نے جوتا منہ کو لگا کر سارا خون پی لیا۔ دوسرا ابھی جوتا صاف کر دیا اور بولا۔ "تو نے زندہ بھینٹ کا بولا تھا۔ وہ لا...... بہت بھوکا ہوں۔"

مول چند نے بکرے کی طرف اشارہ کر دیا۔ "یہ رہی۔"

"تو نے اس کا وعدہ نہیں کیا تھا۔ یہ خون بہت مزے دار تھا وہ کہاں ہے؟"

مول چند نے کہا۔ "اس بکرے کی ٹانگ سے جو دھاگا بندھا ہے اس کے آخری سرے پر وہ تجھے مل جائے گا۔ جا اپنی بھینٹ لے لے اور پھر لوٹ کر میرے پاس آ جا۔"

میں مول چند کی چالا کی سمجھ چکا تھا۔ وہ میری بھینٹ دینا چاہتا تھا۔ وہ لاش چار دیواری سے نکلی اور دھاگا پکڑ کر اندھیرے میں چلی گئی۔ مول چند چار دیواری کے اندر تھا۔ میں ایک طرف بھاگ کھڑا ہوا اور جب سے اب تک بھاگ رہا ہوں۔ وہ میرے خون کی خوشبو سے مجھے ہر جگہ تلاش کر لیتا ہے۔ وہ ایک مردہ ہے مگر اس کو مول چند نے پھر سے زندہ کر دیا ہے اور وہ ایک بھوت بن گیا ہے۔ میری کہانی ایسی ہے کہ کوئی اس پر یقین نہیں کرتا مگر میں نے آپ کو جو کہا ہے سچ ہے کہا ہے۔ آپ لوگ میری بات کا یقین کریں یا نہ کریں۔"

"پورن تمہاری بات کا سب کو یقین ہے۔" زمیندار نے کہا۔

"ہاں تم بہت بڑی پریشانی میں پڑ گئے ہو مگر فکر نہ کرو سب ٹھیک ہو جائے گا۔" میں نے کہا۔

"تم یہ بتاؤ تمہارے بھاگنے کے بعد اس کا تم سے سامنا ہوا ہے؟" رولوکا نے پوچھا۔

"نہیں سامنا تو نہیں ہوا۔" پورن نے جواب دیا۔

"تو پھر تم کس طرح کہہ رہے ہو کہ وہ تمہارا پیچھا کر رہا ہے؟" رولوکا نے کہا۔

"وہ لاش میرے ساتھ تین چار دن رہی تھی۔ اس لاش میں ایک عجیب قسم کی بدبو بسی ہوئی تھی میں کیا بتاؤں وہ بدبو کیسی تھی مگر تھی بہت ناگوار قسم کی۔ مجھے جب بھی وہ بدبو آتی ہے میں سمجھ جاتا ہوں کہ وہ میرے قریب آ گیا ہے اور میں بھاگ کھڑا ہوتا ہوں۔" پورن نے بتایا۔

"کیا اس وقت وہ بدبو آ رہی ہے؟" رولوکا نے پوچھا۔

"نہیں ابھی تک نہیں آ رہی۔" پورن نے جواب دیا۔

"تم اپنے گھر نہیں جاؤ گے۔ اسی چوپال میں رہو گے۔" رولوکا نے کہا۔

"سرکار وہ مجھے مار ڈالے گا میں نہیں رہوں گا۔" پورن ڈر کر بولا۔

"تم اکیلے نہیں رہو گے میں بھی تمہارے ساتھ رہوں گا۔" رولوکا نے کہا۔

"تم کیا کرو گے بھیا! وہ تو ایک مرا ہوا بڈھا ہے۔ اس کے اندر شیطان بیٹھا ہے۔ مرے کو کون مارے گا البتہ وہ ہم دونوں کو مار ڈالے گا۔" پورن بہت ڈرا ہوا تھا۔

"نہیں پورن یہ بات نہیں ہے زندہ انسان بہت طاقتور ہوتا ہے۔ وہ تو مردہ ہے۔ یہ تم نے ٹھیک کہا کہ اس کے اندر شیطان ہے اور اس شیطان کو اس جادوگر نے اپنے کسی مطلب کے لئے بٹھایا ہے۔ وہ جادوگر اس بڈھے کی آتما سے ضرور کوئی کام لینا چاہتا ہے، اس نے تم کو چارے کے طور پر استعمال کیا ہے۔ یہ مردہ بڈھا تمہارا خون پینے کے بعد واپس اسی جادوگر کے پاس جائے گا اور پھر وہ جادوگر اس سے اپنے کام کروائے گا۔" رولوکا نے کہا۔

"یہ تو بڑی خطرناک گل ہو گئی ہے۔" زمیندار نے کہا۔

''یہ دنیا ہے سردار صاحب! یہاں پر دونوں طاقتیں اپنا کام کر رہی ہیں۔ بدی شیطان کا کام ہے وہ کر رہا ہے اور نیکی کرنے والے اپنا کام کر رہے ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں اور پیچھے کوئی نہیں ہٹتا۔'' میں نے کہا۔

''یار اک گل میری سمجھ میں نہیں آئی یہ بھوت ہے کی شے۔'' سردار صاحب نے پوچھا۔

رولوکا نے جواب دیا۔ ''بہت ساری مخلوق ایسی ہے جو عام انسانوں کو نظر نہیں آتی۔ لیکن ان کے وجود سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا۔ بھوت، پریت، چڑیل، پچھل پیری اور جنات کا تصور صرف خیالی نہیں ہے۔ اس میں کچھ نہ کچھ حقیقت تو ضرور ہے۔ جس طرح پورن نے بتایا کہ ایک جادوگر نے مردہ جسم میں پھر اسی روح کو داخل کر دیا مگر چونکہ یہ عمل شیطانی ہے اس لئے گندہ ہے اور گندگی کا ہر بیر بھینٹ طلب کرتا ہے۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''آپ لوگ سب جائیں میں اور پورن یہاں پر رہیں گے۔'' رولوکا نے کہا۔

''پورن بہت خوف زدہ تھا بولا۔ ''مجھے جانے دو وہ مجھے مار ڈالے گا۔''

''میں نے کہا ہے تم گھبراؤ نہیں، میری زندگی میں وہ تم تک نہیں آئے گا۔'' رولوکا نے تسلی دی۔

''مگر میرا رہنا کیا ضروری ہے سرکار!'' پورن بولا۔

''وہ تمہارے خون کی خوشبو پر آئے گا۔ اگر میں اکیلا ہوں گا تو کیوں آئے گا۔ اس کا آنا بہت ضروری ہے۔ وہ آئے گا تو ہی تمہاری جان اس سے چھوٹے گی۔ ورنہ تم زندگی بھر بھاگتے ہی رہو گے۔'' رولوکا نے اس کو سمجھایا۔

''ٹھیک ہے میں تو پھنس ہی گیا ہوں۔ جو ہونا ہے ایک دفعہ ہی ہو جائے۔'' پورن نے کہا۔

چوپال سے سب چلے آئے رولوکا اور پورن دونوں رک گئے گاؤں کی زندگی میں سات آٹھ بجے ہی گھپ اندھیرا ہو جاتا ہے۔ بارہ بجے تو کسی جانور تک کے بولنے کی آواز نہیں آتی۔ لوگ جلدی سوتے ہیں اور جلدی جاگتے ہیں۔

☆......☆......☆

میں نے پورن کو کہہ دیا تھا کہ جب اس کو بدبو آئے تو مجھے اشارہ کر لے۔ زبان سے کچھ نہ کہے۔ میں اس سے چند قدم کے فاصلے پر زمین پر ہی بیٹھا تھا۔ میں نے کسی قسم کی روشنی اپنے پاس نہیں رکھی تھی۔ رات بارہ کے بعد پورن نے مجھے اشارہ دیا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ بھوت آ گیا ہے۔ میں نے اطراف میں نظریں دوڑائیں ہوا بند تھی۔ رات سائیں سائیں کر رہی تھی۔ ایک تیز بدبو کا جھونکا آیا۔ واقعی بڑی ناگوار بدبو تھی۔ اس کے بعد ایک ہیولا سا سامنے کھڑا تھا وہ مادر زاد برہنہ تھا اور اس کے سر پر ایک چراغ جل رہا تھا۔ اس کے حلق سے کھر کھر کی آواز آ رہی تھی۔ وہ سیدھا پورن کی طرف آیا۔ مگر اس تک نہیں پہنچ سکا۔

میں درمیان میں آ گیا اور بہت تیزی اور ہوشیاری سے اس کے سر پر جو چراغ جل رہا تھا اس کو اتار لیا۔ وہ جہاں تک پہنچا تھا وہیں پر جم گیا۔ اس کے سر سے چراغ کیا اترا کہ سینکڑوں بلیوں کے رونے اور شور کرنے کی آوازیں آنے لگیں۔ یہ آوازیں کسی ایک طرف سے نہیں آ رہی تھیں۔ دس پندرہ منٹ یہ شور ہوا۔ وہ بوڑھی لاش ہاتھ بڑھا کر چراغ لینے کی کوشش کرتی رہی اور پھر بوڑھی لاش بولی۔

''ارے پاپی دے دے۔ میرا چراغ میری جوت۔'' وہ مانگتا رہا۔ خوشامد کرتا رہا اور جب وہ تھک گیا تو میں نے کہا۔

''تیرا یہ چراغ کس نے جلایا ہے؟''

''میرا اگرو مول چند ہے۔ اس کی کرپا سے میں پھر چل پھر رہا ہوں۔'' بوڑھی لاش نے جواب دیا۔

"تو اپنے گرو کو بلا۔ میں تیرا چراغ واپس کردوں گا۔" میں نے کہا۔

"پہلے میرا چراغ دے پھر بلاؤں گا۔" وہ لاش بولی۔

"زیادہ ہوشیار مت بن۔ زیادہ ہوشیار بنے گا تو چراغ بجھادوں گا۔" میں نے کہا۔

"اس چراغ کو گرو نے جلایا ہے کوئی نہیں بجھا سکتا۔" وہ بولا۔

"مجھے پتہ ہے یہ پانی کا چراغ ہے اور پانی سے بجھتا ہے بول کیا بجھادوں۔" میں نے کہا۔

"نہیں ایسا نہ کرنا مورکھ میں جاتا ہوں۔ تو یہیں رکنا۔" اور بھوت ایک منٹ میں غائب ہوگیا۔ وہ چراغ میرے ہاتھ میں تھا میں نے ایک کونے میں اس کو رکھ دیا اور اس کی حفاظت کے لئے باز کو بٹھا دیا۔ یہ کوئی عام باز نہیں تھا۔ میں جانتا تھا کہ وہ مول چند کو لے کر ضرور آئے گا ایک گھنٹہ گزرا ہوگا کہ مول چند آ گیا۔

مول چند شکل و شباہت اور حلیے سے ہی نہایت چالاک و مکار لگتا تھا۔ اس کے جسم سے بھی نہایت ناگوار بدبو کے بھبکے اٹھ رہے تھے۔ اس کی آنکھیں گول گول اور بلی کی طرح رنگ بدل رہی تھیں۔ پیشانی تنگ تھی اور کان بڑے بڑے تھے۔ کانوں پر بہت زیادہ بال تھے۔ اس کے پتلے پتلے اور بھنچے ہوئے کالے ہونٹ جن پر ایک مکروہ مسکراہٹ تھی جیسے وہ میری نادانی پر ہنس رہا ہو۔ مذاق اڑا رہا ہو، وہ اپنی طاقت کے زعم میں تھا۔ میں جانتا تھا وہ آ کر کیا کرے گا۔ کیونکہ وہ طاقت کے نشے میں مست تھا۔ اس کی خود اعتمادی حد سے زیادہ بڑھی ہوئی تھی ایسے وقت میں بہت زیادہ طاقتور بھی دھوکا کھا جاتا ہے۔ حد سے زیادہ خود اعتمادی اکثر شکست کا باعث بن جاتی ہے۔ یا یوں سمجھ لو کہ وہ توقع نہیں کر پا رہا تھا کہ اس کا مقابلہ ہوگا۔ وہ میرے سامنے آ کھڑا ہوا اور اپنی گھسی ہوئی ڈراؤنی آواز میں بولا۔

"کون ہے رے تو.... دیپ میں نے جلایا اور تو مالک بن بیٹھا۔" اور پھر وہ تیزی کے ساتھ چراغ کی طرف بڑھا۔ مگر باز نے ٹھیک اس کی آنکھ پر وار کیا اور سیکنڈ سے بھی کم وقت میں ایک آنکھ اس کی نوچ لی تھی۔ یہ حملہ مول چند کے لئے حیرت کا باعث تھا۔ کیونکہ میں تو اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں تھا۔ اس کی ساری توجہ میری طرف تھی۔ وہ درد اور تکلیف سے تڑپ رہا تھا۔ اچانک بلیوں کے رونے کی آوازیں بہت تیزی سے آنے لگیں اور مول چند بہت جلد سنبھل گیا اور پھر اس نے ایک مکروہ قہقہہ لگایا اور زور سے بولا۔ "کر گیا وار...... کر لے کتنے وار کرے گا میں بھی دیکھتا ہوں۔" اس نے ہوا میں ہاتھ لہرایا اور چراغ کی طرف بڑھا مگر چراغ اس کے قد سے اوپر چلا گیا۔ وہ ہوا میں ہاتھ لہراتا رہا۔ چراغ گردش کرتا رہا۔ آخر تھک کر وہ بولا۔

"تو کون ہے رے؟"

"میں تو اپنی جگہ پر ہی بیٹھا ہوں۔ تو ہی کلاسیکل ناچ دکھا رہا ہے۔" میں نے کہا۔

"اتنی سی شکتی پہ اترا مت، میری ایک آنکھ گئی ہے۔ دونوں بھی چلی جائیں تو کیا ہوا۔ مجھے ان آنکھوں کی ضرورت نہیں ہے۔ تو کیا سمجھتا ہے مجھے اندھا کر کے بڑا کام کرے گا۔" مول چند غصے سے بولا۔

"زیادہ باتیں نہ بنا اپنا کام کر۔ تیرا دیپ وہ رہا اٹھا سکتا ہے تو اٹھا لے۔" میں نے کہا۔

اس دفعہ اس نے جلدی نہیں کی چند منٹ خاموش کچھ بدبداتا رہا اور پھر دایاں ہاتھ اٹھا کر کسی کو اشارہ کیا۔ مگر چراغ اپنی جگہ پر ہی رہا۔ اس نے پھر اشارہ کیا۔ کچھ نہ ہوا۔

"ارے کیا مر گیا ہے تو، خوب بھینٹ لیتا رہا کام پڑا تو مر گیا پاپی۔" مول چند غصے میں نہ معلوم کس کو گالیاں بکتا رہا اور پھر خاموش ہو کر من ہی من میں کوئی منتر پڑھتا رہا اور بڑی گرجدار آواز میں بولا۔ "سو بالی دکھاوے کام یہ جو سامنے بیٹھا ہے کردے اس کا کام۔" اچانک ایک مکروہ شکل بوڑھی عورت جس کے بال بکھرے ہوئے

دہانہ کھلا ہوا تھا اور بہت ہی گندے دانت نظر آ رہے تھے اس نے ایک بھیانک چیخ ماری اور میری طرف چلی۔ مگر پہنچ نہیں سکی کیونکہ درمیان میں سفید رنگ کے بہت چھوٹے چھوٹے بھنگے آ گئے۔ وہ اس قدر زیادہ تھے کہ جیسے کوئی بادل چھا جائے۔ اس خوفناک بڑھیا کا منہ کھلا ہوا تھا۔ پل بھر میں ہزاروں بھنگے اس کے منہ کے اندر چلے گئے اور لاکھوں اس کے ننگے بدن سے لپٹ گئے۔ یہ عمل اتنی تیزی سے ہوا کہ بڑھیا میدان کی طرف بھاگ کھڑی ہوئی اور بھنگے اس کا تعاقب کرنے لگے...... مول چند حیران حیران نظروں سے یہ نظارہ کرتا رہا۔ مگر خاموش تھا۔

''اور کچھ ہے تیرے پاس وہ بھی نکال لے۔'' میں نے کہا۔

''کون ہے رے تو...... اور یہ تیرے بیر کیسے ہیں۔ کون سی شکتی ہے تیری...... بول تو ذرا۔'' اب اس کی آواز میں وہ گرمی نہیں تھی۔

''تو مردہ خور گدھ ہے۔ تیری سمجھ میں نہیں آئے گا۔ تیری بات کا جواب دینا میں ضروری نہیں سمجھتا۔ تو سب شکتی کو آواز دے لے۔ کچھ نہیں ہوگا کیونکہ تیرے پاس مردوں کی آتمائیں ہیں۔ وہ بھی مجبوری سے تیرے پاس ہیں تیری وفادار وہ بھی نہیں ہیں۔ ان سب کو جانے دے ان کو راستہ دے دے اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تیری آتما پر برا وقت آ جائے گا۔ تو نے دیکھ لیا تیری ساری آتمائیں تیرا ساتھ چھوڑ گئی ہیں۔ ایک منٹ میں فیصلہ کر لے وقت بہت کم ہے۔''

''میں تیری ساری بات مان لوں گا۔ تو میری ایک بات مان لے۔'' وہ بولا۔

''میں تیری کسی بات کے ماننے کا پابند نہیں ہوں۔'' میں نے کہا۔

''یہ میری بنتی ہے۔'' وہ آہستہ سے بولا۔

''وعدہ نہیں کرتا بول کیا کہتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''صرف یہ بتا دے کہ تو کون ہے؟'' مول چند نے پوچھا۔

''میں ایک انسان ہوں تیرے سامنے ہوں۔ تیرے سوال کا جواب میں نے دے دیا اور تیرا وقت بھی پورا ہوا۔ اب تو بول ساری آتمائیں آزاد ہیں۔'' میں نے کہا۔

''ہاں سب آزاد ہیں۔'' اور چراغ خود بخود بجھ گیا اور بوڑھی لاش میں اچانک سخت بدبو آنے لگی۔ بلیوں کی آوازیں ایک دم زور سے آئیں اور پھر وہ آوازیں دور چلی گئیں۔ باز نے پھر ایک اڑان بھری اور مول چند کی دوسری آنکھ بھی اس کے پیٹ میں چلی گئی۔ مول چند زمین پر پڑا تڑپتا رہا اور باز نے اس کے جسم کا سارا گوشت نوچ ڈالا۔ مول چند کے مرتے ہی ایک شدید بدبو سارے گاؤں میں پھیل گئی مگر صرف چند منٹ یہ کیفیت رہی اور پھر کچھ نہ رہا۔ پورن ایک طرف ڈرا ڈرا سا بیٹھا رہا۔ یہ سارا کھیل اس کے سامنے ہوا۔ اس کی زبان مارے حیرت کے گنگ ہو گئی۔ میں اس کے پاس گیا۔ اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور کہا۔

''تماشہ ختم ہو گیا پورن۔ اب تو آزاد ہے۔ مگر جو کچھ تو نے دیکھا ہے اس کو بھول جا۔ اس کا ذکر کبھی کسی سے مت کرنا۔ اگر کرے تو تیرا نقصان ہو جائے گا۔'' آخری جملہ میں نے صرف اس کو ڈرانے کو کہا تھا۔

''یہ بھوت پھر مر گیا ہے۔'' وہ غیر یقینی انداز میں بولا۔

''ہں بھوت بھی مر گیا اور مول چند بھی۔ اب تیرا کوئی دشمن نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔

''تم نے میری زندگی واپس کر دی ہے۔ میں تو مرنے کو تیار بیٹھا تھا۔ میں تمہارا یہ احسان کس طرح اتاروں گا۔'' وہ گلوگیر آواز میں بولا۔

''اس کا طریقہ میں بتاتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''ہاں بھائی ضرور بتاؤ۔'' وہ جلدی سے بولا۔

''تم اپنے جیسے انسانوں کے ساتھ انسانوں والا سلوک کرو۔ ان کے کام آؤ ان پر احسان کرو اور اس احسان کا بدلہ لینے کی کوشش نہ کر۔ احسان کرو اور بھول

جاؤ، تم اگر ان باتوں پر چلو گے تو کبھی دکھی نہیں ہو گے۔"

☆......☆......☆

"یہ مول چند آخر تھا کیا؟" میں نے رولو کا کی پوری بات سننے کے بعد کہا۔

"وہ نہایت گندہ آدمی تھا۔ وہ مردہ خور اور مردہ پرست تھا وہ صرف بھٹکتی روح کو غلام بنانے کا علم رکھتا تھا اور ان روحوں سے کام لیا کرتا تھا۔

"اب کیا پروگرام ہے؟" میں نے پوچھا۔

"سردار گورکھ سنگھ کے ساتھ لاہور چلیں گے۔" رولو کا نے جواب دیا۔

چار دن کے بعد ہم سردار کے ساتھ لاہور جا رہے تھے۔ میں نے جیسا پہلے بتایا ہے کہ گورکھ سنگھ بہت زندہ دل اور سہوڑ قسم کے آدمی ہیں۔ خود بھی خوش رہتے ہیں اور اپنے ساتھ والوں کو بھی خوش رکھتے ہیں۔ میں نے ان سے پوچھا۔

"آپ کی رہائش تو گاؤں میں ہی رہتی ہوگی۔"

"ہاں جی زیادہ تو پنڈ میں ہی رہتا ہوں۔" مگر لاہور میں بھی ایک حویلی ہے مگر وہاں پر کوئی نہیں رہتا۔" وہ بولے۔

"وہاں پر نہ رہنے کی وجہ کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"وہ حویلی ایک تو بہت پرانی ہے دوسرے بڑی ویران سی جگہ پر ہے۔ دور دور آبادی نہیں ہے اس کے چاروں طرف صرف کھیت ہیں۔ شالیمار سے قریب ہی ہے، سب سے قریب محلّہ بھگوان پورہ ہے۔ پتہ نہیں جی یہ حویلی آبادی سے اتنی دور کیوں بنائی گئی تھی اور میرے پرکھوں نے اس کو کیوں خرید لیا تھا۔ اس کے بارے میں بڑی عجیب عجیب کہانیاں مشہور ہیں۔ ہم لوگ تو لاہور جاتے بھی ہیں تو اس میں قیام نہیں کرتے۔" سردار صاحب نے جواب دیا۔

"کیا ڈر لگتا ہے۔" میں نے مذاق کیا۔

"جھوٹ کیوں بولوں یہ بات بھی ہے دوسرے وہ آبادی سے ہٹ کر ہے۔ اس کے قریب شالیمار باغ ہے یا بھگوان پورے کی چھوٹی سی آبادی باقی تو سب کھیت ہی ہیں۔ میں ایسے ویرانے میں رہنے کا عادی نہیں ہوں اس لئے شہر میں رہتا ہوں۔" سردار صاحب نے جواب دیا۔

"اس دفعہ ایسا کرتے ہیں اسی حویلی میں قیام کرتے ہیں۔" رولو کا نے کہا۔

"میں منع کروں گا تو آپ لوگ مجھے بزدل خیال کریں گے مگر میں پھر بھی یہ کہوں گا کہ وہ جگہ رہنے کے قابل نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نا معلوم کب سے اس کی دیکھ بھال نہیں ہوئی ہے۔ صاف صفائی نہیں ہوئی ہے کسی انسان کا گزر نہیں ہوا ہے۔ ضرورت زندگی کی کوئی چیز وہاں پر نہیں ہے ان حالات میں بندہ کس طرح رہ سکتا ہے؟" سردار صاحب نے وضاحت کی۔

"آپ کی بات تو ٹھیک ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"اچھا تو پھر ایسا کرتے ہیں دن میں کسی روز وہاں کا چکر لگائیں گے اور حویلی کی سیر کریں گے۔" رولو کا نے کہا۔

"ہاں یہ بات سمجھ میں آتی ہے۔" سردار صاحب نے کہا۔

"آپ نے وہاں پر دیکھ بھال کو کوئی بندہ مقرر نہیں کیا ہے۔" میں نے پوچھا۔

"ایک بندہ مقرر تو ہے مگر وہ رہتا بھگوان پورے میں ہے۔ وہ کیا دیکھ بھال کرتا ہے کیا پتہ۔ ہم لوگ آتے نہیں۔ اس سے پوچھ گچھ کرنے والا کون ہے۔" سردار صاحب بولے۔

"آپ جہاں قیام کرتے ہیں وہاں سے حویلی کتنی دور ہے۔" میں نے پوچھا۔

"میں انارکلی بازار میں قیام کرتا ہوں وہاں سے زیادہ فاصلہ نہیں ہے۔ تانگے آتے ہیں۔" سردار صاحب نے جواب دیا۔

انارکلی بازار اچھی رونق والا علاقہ تھا۔ یہاں پر

ملک رحمان سردار صاحب کے بہت قدیم دوست تھے۔ ملک رحمان سردار صاحب کو دیکھ کر نہال ہو گئے۔ لپٹ گئے اور بولے۔ ''اوئے بے وفا اتنے دن کے بعد شکل دکھا رہا ہے؟'' سردار صاحب نے جپھی ڈالی اور پیار سے بولے۔

''تیری لاتاں ٹوٹ گئی ہیں تو خود کیوں نہ آیا۔''

دونوں کے گلے شکوے ختم ہوئے تو وہ ہماری طرف مخاطب ہوئے۔ ''یہ میرے خاص مہمان ہیں، بڑی خوبیوں کے مالک ہیں، ان کی خاطر کرنی ہے، میری گل چھڈ دے۔'' سردار صاحب نے کہا۔

رحمان صاحب میری طرف بڑھے تو میں نے اپنا اور رولو کا تعارف کرایا۔ سردار صاحب فوراً بولے۔ ''اوئے تو نے ایسا آقا اور ایسا ملازم نہیں دیکھا۔ دونوں ہی دوست ہیں۔'' اور زور سے ہنس پڑے۔

''یہ تو بڑی چنگی گل ہے۔'' رحمان صاحب بولے۔

''اور سن کام یہ ایسا کرتے ہیں کہ بندہ حیران رہ جاتا ہے۔'' سردار صاحب بولے جا رہے تھے۔

میں نے کہا: ''سردر صاحب کی بڑائی ہے کہ تعریفیں کر رہے ہیں۔ ہم لوگ تو خدمت گار ہیں۔''

''لو جی گل ہی مک گئی۔'' رحمان صاحب نے کہا۔

''اب ہم کو اور زیادہ شرمندہ نہ کریں۔'' میں نے کہا۔

''اچھا جی نہیں کرتے۔ تسی خوش رہو۔'' سردار صاحب مسکرا کر بولے۔

رحمان صاحب نے رہائش کا بہت اچھا انتظام کر دیا تھا۔ دوسرے دن رحمان صاحب ہم کو لاہور کی سیر کرانے لے گئے۔

دو موری پل کراس کرنے کے بعد ہم شالیمار کی طرف روانہ ہوئے۔ کچھ کچھ آبادی یہاں نظر آتی تھی۔ مگر تھوڑی دور چلے تھے کہ آبادی ختم ہوگئی اور کھیت شروع ہو گئے۔ دائیں ہاتھ پر ایک چھوٹا سا قبرستان نظر آیا۔ اس کے دوسری طرف کچھ جھگیاں پڑی تھیں باقی دور دور تک کھیت تھے۔ بائیں طرف آبادی نظر آئی تھی مگر زیادہ نہیں تھی۔ سڑک پر دو چار تانگے اور بڑھے نظر آتے تھے۔ شالیمار باغ کا دروازہ دور سے نظر آتا تھا۔ آخر ہم شالیمار کے گیٹ پر تانگے سے اتر گئے اور اندر چلے گئے۔ درمیان میں پکا راستہ تھا جو کہ بارہ دری تک جاتا تھا۔ مگر یہ راستہ بری طرح ٹوٹ پھوٹ گیا تھا۔ اس کے دونوں طرف چار دیواری کے اندر سینکڑوں آم کے درخت کھڑے تھے۔ بارہ دری اور در و دیوار دیکھ بھال نہ ہونے کی وجہ سے بوسیدہ ہو رہے تھے۔ باغ اجڑا ہوا تھا، گھاس برائے نام تھی اور باغ پر ویرانی چھائی ہوئی تھی۔

اس باغ کو جس خوب صورت انداز سے بنایا گیا تھا وہ ختم ہو رہا تھا۔ حوضوں میں پانی جگہ کیچڑ اور کائی بھری ہوئی تھی۔ فوارے بند تھے اور پورے باغ مین ایک بھی باغ کا رکھوالا یا مالی نظر نہیں آ رہا تھا۔ یہ وہ باغ تھا جو پورے ہندوستان میں مشہور تھا اور اپنی خوب صورتی کی وجہ سے ہی مشہور تھا۔

اس کے باوجود آثار بتا رہے تھے کہ یہ ایک عظیم باغ تھا۔ واپسی میں شام ہو رہی تھی۔ میں نے پوچھا۔ ''سردار صاحب آپ کی حویلی کس طرف ہے۔''

سردار صاحب مسکرا کر بولے۔ ''ابھی حویلی کو نہیں بھولے۔''

''آپ نے وعدہ کیا تھا یاد ہے کہ آپ کو؟'' میں نے کہا۔

''خوب یاد ہے بادشاہو۔ ابھی تو رات پڑنے والی ہے دور سے بتا دوں گا۔ کل کسی بندے کو بھیج کر رکھوالے کو بلاؤں گا پھر جانے کا پروگرام بنائیں گے۔''

واپسی میں تانگہ شالیمار سے ایک فرلانگ اور آگے گیا تو سردار صاحب نے اشارے سے بتایا وہ جو بڑی سی عمارت نظر آ رہی ہے وہی حویلی ہے۔ میں نے دیکھا جو راستہ حویلی تک جاتا تھا وہ بھی کچا راستہ تھا اور اس پر اس قدر جھاڑیاں اگ رہی تھیں کہ تانگہ چل ہی نہیں سکتا تھا۔

اس کا مطلب تھا مین روڈ سے حویلی تک پیدل سفر کرنا ہوگا۔ اس کے بعد تانگہ پھر موڑ لیا اور ہم واپس آ گئے۔

دوسرے روز میں نے اور رولوکا نے اکیلے حویلی جانے کا پروگرام بنالیا اور خاموشی سے تانگہ لے کر شالیمار تک آ گئے۔ شالیمار کے دروازے پر رولوکا نے مجھ سے کہا۔ ''حکیم صاحب آپ یہاں پر سیر کریں میں حویلی ہو کر آتا ہوں۔''

''مجھے ساتھ نہیں لے جاؤ گے؟'' میں نے پوچھا۔

''نہیں حالات کیا ہیں کچھ اندازہ نہیں ہے۔ میری بات دوسری ہے آپ کا جانا ابھی مناسب نہیں ہوگا۔''

''کتنی دیر میں آؤ گے؟'' میں نے پوچھا۔

''میرا انتظار آپ دوپہر تک کریں۔ زیادہ دیر ہوگئی۔ تو میں شام کو ملوں گا۔'' میں باغ کے اندر چلا گیا اور رولوکا پیدل اسی سڑک پر آگے چل دیا۔ شام کو رولوکا نے بتایا۔

''یہ تو مجھے معلوم تھا کہ حویلی تک جانے والا راستہ بند ہو چکا ہے اس لئے میں اس راستے پر نہیں گیا اور کھیتوں سے جانا مناسب جانا۔ اس طرح زیادہ چلنا پڑا اور میں حویلی کے سامنے کے رخ کے بجائے پچھواڑے کی طرف آ گیا۔ حویلی کے چاروں طرف خودرو درخت اور جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ دیواروں پر کائی جمی ہوئی تھی اور دیوار تک جانا بھی مشکل نظر آتا تھا۔ دنیا جہان کے حشرات الارض دیوار کے زیر سایہ پرورش پا رہے تھے۔ حویلی بہت اونچی سیڑھی پر بنی ہوئی اور کہیں سے ٹوٹی پھوٹی نظر نہیں آتی تھی۔ سوائے اس کے کہ دیواریں چونا سفیدی نہ ہونے کی وجہ سے بے رونق اور ویران نظر آتی تھیں اور وہ جگہ شاید پہلے کوئی باغ ہوگا ایک جنگل کا منظر پیش کر رہی تھی۔

میں چکر کاٹ کر حویلی کے سامنے کی طرف آ گیا۔ اس طرف بھی باغ وہی جنگل کا منظر پیش کر رہا تھا۔ دروازہ بہت بڑا اور بہت اونچا لگا ہوا تھا۔ تعجب کی بات یہ تھی کہ دروازہ بھی ٹوٹا پھوٹا نہیں تھا۔ نہ معلوم کون سی لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ رنگ اس کا البتہ مٹیالا ہوگیا۔

دروازے کے عین سامنے دوستون بنے ہوئے تھے جن کی اونچائی بارہ تیرہ فٹ اور موٹائی تین چار فٹ رہی ہوگی۔ ان ستونوں اور دروازے کے درمیان پختہ سرخ پتھر کا فرش تھا اور یہ جگہ نہایت صاف نظر آتی تھی اور یہاں پر کوئی جھاڑی وغیرہ بھی نہیں تھی۔ میں ان ہی دونوں ستونوں کے سامنے کھڑا ہوگیا۔ دروازہ بند تھا اور ہر طرف خاموشی تھی۔ چند منٹ کے بعد ایک ستون سے ایک سانپ اترتا نظر آیا۔ وہ بہت موٹا اور کوریلا سانپ تھا۔ میں اپنی جگہ کھڑا رہا۔ وہ پوری طرح زمین پر آ گیا اور اپنا پورا پھن اٹھا کر بڑی زور کی پھنکار ماری۔ وہ شاید ڈرا کر مجھے بھگانا چاہتا تھا۔ مگر میں نے اس سے دماغی رابطہ قائم کرلیا اور کہا۔ ''میں دشمن نہیں ہوں۔ میں دوست ہوں۔'' وہ حیرت سے بولا۔

''تو میرے اندر سے بول رہا ہے۔''

میں نے کہا۔ ''ہاں اور تو بھی وہ نہیں ہے جس بھیس میں نظر آ رہا ہے۔ اپنی اصلی شکل میں آ کر بات کر۔''

''تو نے کس طرح جانا؟'' وہ بولا۔

''یہ بات تیرے سمجھنے کی نہیں ہے تو کسی بڑے سے میری ملاقات کرادے اس کو بتاؤں گا۔'' میں نے جواب دیا۔

''تو اسی جگہ رہنا آگے آنے کی کوشش مت کرنا۔''

اور وہ رینگ کر دروازے کی طرف چلا۔ دروازہ خود بخود کھل گیا اور فوراً ہی بند بھی ہوگیا

چند منٹ کے بعد دروازہ کھلا اور ایک شخص دروازہ کے درمیان کھڑا نظر آیا۔ پہلی نظر میں مجھے وہ کوئی موی مجسمہ نظر آیا جس کو کسی بہت ماہر کاریگر نے بنا کر وہاں کھڑا کر دیا ہو۔ وہ ایک حسین شخصیت تھی۔ اس کے بھورے بال، کرنجی آنکھیں اور خدوخال ایرانی تھے۔ اس کا سینہ چوڑا تھا کسی یونانی کی طرح اور اس کا قد سرحدی پٹھانوں

کی طرح تھا۔ سرخ و سفید رنگ ترکلوں کے رنگ کو مات کر رہا تھا۔ وہ بڑے سکون سے کھڑا تھا اور گہری نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

اس کے ہونٹ نہیں ہلے مگر اس کی شیریں آواز میرے کانوں تک آ گئی۔ ''آپ کون ہیں جناب اور کیسے تکلیف فرمائی۔''

میں نے بھی اسی انداز میں جواب دیا۔ ''دنیا دیکھنے کا شوقین ہوں...... اسی شوق کی خاطر آ نکلا ہوں۔''

''بہت خوب انسانوں کی بھیڑ میں تم شاید پہلے انسان ہو جو میری زبان جانتے ہو۔ میں تمہارا استقبال کرتا ہوں آؤ تم اندر آ سکتے ہو۔'' اور وہ راستہ چھوڑ کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ میں دونوں ستونوں کے درمیان سے گزر کر چھ عدد سیڑھیاں چڑھ کر دروازے کی طرف بڑھا۔ اس نوجوان نے آگے بڑھ کر ہاتھ ملایا۔ اس کا ہاتھ اتنا گرم تھا کہ عام آدمی اس کی گرمی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ یہ بھی شاید میرا ایک امتحان تھا۔ میں نے مسکرا کر کہا۔ ''آپ جس طرح دیکھنے میں انوکھے ہیں اسی طرح آپ کے طریقے بھی ہیں۔'' اس کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی، لب ہلے اور اس نے کہا۔ ''وزن کرنا پڑتا ہے۔''

''ہم دونوں کتنی دیر گفتگو کر چکے مگر اب تک تعارف نہیں ہوا۔'' میں نے کہا۔

''میرا تعارف تو صرف یہ ہے کہ میں اس مکان کا سربراہ ہوں۔ میرا نام کلپوش ہے۔ یہ تو بتانے کی ضرورت نہیں کہ میں اور میرا خاندان کس قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کو میں نے بڑی آسانی سے یہ بتا دیا ہے۔ اس کی وجہ ہے کہ میں نے آپ کا وزن کر لیا ہے۔ آپ بلاوجہ منہ اٹھا کر نہیں آ گئے ہیں اور بے وزن نہیں ہیں۔ آپ نے میری زبان میں مجھ سے اسی طرح رابطہ کیا ہے جس طرح ہم کرتے ہیں۔ بے شک آپ ہم میں سے نہیں مگر ہماری سب باتیں اور زبان جانتے ہیں آپ فوراً دروازے پر نہیں آئے وہی طریقہ اختیار کیا جو ہماری قوم کے مہمان اختیار کرتے ہیں۔ یہ بات بہت اچھی لگی اور اپنے آپ سے معلوم ہوئے اب آپ اپنا تعارف کرائیں۔''

میں نے کہا۔ ''میں رولو کا ہوں۔ افریقہ سے آیا ہوں۔ سیکھنے کا شوقین ہوں ہر علم سیکھنا چاہتا ہوں۔ بہت ابھی سیکھنا باقی ہے کچھ سیکھ بھی گیا ہوں۔''

''آپ نے اپنے بارے میں بہت کم بتایا۔'' وہ مسکرا کر بولا۔

''اپنی تعریف کرنا مناسب نہیں ہوتا، میں بہت معمولی آدمی ہوں۔'' میں نے کہا۔

''میں آپ کی بڑائی سمجھ گیا ہوں۔ جہاں تک میرا علم مجھے بتاتا ہے آپ بہت اونچی کرسی پر ہیں۔ میں آپ کے سامنے کچھ نہیں ہوں۔ آپ سے موقعہ ملا تو کچھ ضرور سیکھوں گا۔'' کلپوش نے کہا۔

''آپ میری عزت بڑھا رہے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''آیئے اندر آیئے۔'' اور ہم دونوں حویلی کے اندر آ گئے۔ اندر سے حویلی نہایت صاف ستھری تھی۔ کمرے نہایت صاف تھے۔ دور دور پھول دار پودے بھی نظر آ رہے تھے۔ اندر آنے کے بعد باہر کا منظر یاد نہیں رہتا۔ یہ حویلی اندر سے ایسی ہوگی میں گمان ہی نہیں کر سکتا تھا اندر آنے کے بعد ہم دونوں کے سوا میں نے کسی کو نہیں دیکھا تھا۔ ایک نہایت آرام دہ کمرے میں دونوں بیٹھ گئے۔ کمرے میں فرشی نشست تھی۔ ایک موٹے سے قالین پر سفید چاندنی بچھی ہوئی تھی اور دیوار کے کنارے بڑے بڑے گاؤ تکئے رکھے تھے اور ان پر بڑے نفیس کڑھائی کے غلاف چڑھے ہوئے تھے۔ کمرے میں بھینی بھینی خوشبو بسی ہوئی تھی۔

کپوش نے بیٹھنے کے بعد کہا۔ ''فرمائیں کیا پینا پسند کریں گے۔''

''یہ ضروری تو نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔

''بہت ضروری ہے ہم خاندان لوگ ہیں۔ اپنے مہمان کی خدمت کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔'' کپوش نے کہا۔

''تو پھر مہمان پر بھی فرض ہے کہ میزبان جو پسند

کرے وہ بھی اس کو پسند کرے۔“میں نے کہا۔
”بہت خوب آپ اچھی باتیں کرتے ہیں۔“
کمپوش خوش ہوکر بولا۔

اس نے تالی بجائی تو ایک خادم نما آدمی فوراً حاضر ہوگیا۔کمپوش نے اس کو اشارہ کیا اور وہ چلا گیا۔چند منٹ کے بعد وہ خادم پھر حاضر ہوا تو اس کے ہاتھ میں ایک ٹرے تھی اور اس میں دودھ جیسے مشروب کے تین گلاس رکھے تھے۔خادم وہ ٹرے ہمارے سامنے رکھ کر چلا گیا۔

کمپوش نے مجھے اشارہ کیا اور بولا۔”شوق فرمائیں!“ مگر میں نے ٹرے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا۔کمپوش مسکرایا اور بولا۔”آپ سوچ رہے ہیں ہم دو ہیں اور گلاس تین کیوں آئے ہیں۔“

”ہاں یہ قدرتی بات ہے۔“میں نے جواب دیا۔

”آپ سو سال کے بعد پہلے انسان ہیں جو اس حویلی میں آئے ہیں۔سو سال پہلے بھی ایک سر پھرا آ گیا تھا۔“

”اس کو بھی یہی شروب اسی طرح پیش کیا تھا اور اس نے ایک گلاس اٹھالیا تھا اور اس کے پیتے ہی وہ منٹ کے ہزارویں حصہ میں مرگیا تھا۔“میں نے کمپوش کی بات کاٹ کر کہا۔

”کمپوش زور سے ہنس پڑا اور بولا۔”واقعی یہی ہوا تھا۔“

”مگر میں جانتا ہوں کہ یہ مشروب کس چیز سے بنایا گیا ہے!“میں نے کہا۔

”آپ کو کس طرح پتہ چلا۔“ کمپوش بولا۔

”کچھ زہر ایسے ہوتے ہیں جو نظر نہیں آتے۔ان کا رنگ پانی کی طرح ہوتا ہے مگر ہر زہر میں ایک خوشبو ہوتی ہے۔اس میں خوشبو کو ہر شخص محسوس نہیں کرسکتا۔وہ زہر صرف ایک گلاس میں موجود ہے۔مگر دو گلاس میں شہد کا بنایا ہوا مشروب ہے۔وہ نادان زہر والا گلاس پی گیا ہوگا۔“میں نے کہا۔

”آپ کا علم مکمل ہے آپ نے درست کہا ہے۔“ کمپوش نے کہا۔

”مگر آپ نے ایسا کیوں کیا یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی؟“میں نے پوچھا۔

”میں آپ کو بتاؤں گا آپ مشروب سے شوق کریں۔“ اور اس نے ایک گلاس خود اٹھالیا۔میں نے گلاسوں کو دیکھا ور دوسرا گلاس میں نے اٹھالیا اور ہم دونوں مشروب پینے لگے۔



میں نے وہ شربت پورا ختم کیا۔نہایت لذیذ شربت تھا۔کمپوش نے بھی پورا گلاس پی لیا اور گلاس ٹرے میں رکھ دیا۔اور بولا۔”زندگی امتحان کا نام ہے تم میرے سامنے زندہ موجود ہو کیونکہ تم امتحان کی تیاری کرکے آئے ہو تم نے ہر سوال کا جواب ٹھیک دیا ہے۔“

”میں تمہاری بات سے اتفاق کرتا ہوں مگر میں تیاری کرکے نہیں آیا ہوں۔میں ہر وقت تیاری میں رہتا ہوں۔تم نے بتایا نہیں کہ وہ سو سال پہلے آنے والا شخص کون تھا۔“میں نے پوچھا۔

”وہ ایک بہت طاقتور شخص تھا اس کی ہلاکت کا باعث بھی اس کی طاقت ہی بنی۔انسان خود کو جب بہت زیادہ طاقتور تصور کرنے لگتا ہے تو وہیں سے اس کا زوال شروع ہوجاتا ہے اور بعض اوقات وہ اس طرح ختم ہوجاتا ہے کہ کسی کی سمجھ میں نہیں آتا۔اس کا نام بھنڈاری تھا۔وہ ایک ماہر جادوگر تھا۔اور اس کے ساتھ وہ ایک بہت اچھا ماہر علم نجوم بھی تھا۔آنے والے وقت کا حساب ٹھیک ٹھیک لگاتا تھا۔مگر اپنی موت کا حساب نہ لگا سکا اور چند لمحوں میں اس کا بدن پانی بن کر بہہ گیا اور وہ اپنا بچاؤ نہ کرسکا۔“ کمپوش بولا۔

”تم نے اس کے ساتھ ایسا سلوک کیوں کیا۔“ میں نے پوچھا۔

”ہاں یہ سوال تم نے ٹھیک کیا۔میں بتاتا ہوں۔اس میں دو خرابیاں بہت بڑی تھیں۔ایک تو وہ کسی کو اپنے سامنے کچھ نہیں سمجھتا تھا اس کو اپنی شکتی پر بہت ناز تھا۔

دوسری خرابی یہ تھی کہ وہ دولت جمع کرنے کا شوقین تھا اس کے لئے وہ ہر کام کرنے پر راضی ہو جاتا تھا، اس کی عادت کا فائدہ اس زمانے کے ایک شخص نے اٹھانے کا فیصلہ کیا اور وہ شخص تھا اس حویلی کا مالک، اس نے اس حویلی کو نہیں بنایا تھا مگر اصل مالک سے خریدا ضرور تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ جس نے اس حویلی کو بنایا تھا وہ خود بھی کبھی اس میں نہیں رہا۔ میں بتا رہا تھا کہ حویلی کے مالک نے اس جادوگر کو یہ لالچ دیا کہ حویلی تم حاصل کرو گے تو وہ تمہاری ہو جائے گی۔ جادوگر کے لئے یہ جگہ نہایت مناسب تھی۔ کیونکہ اس کے چاروں طرف آبادی نہیں تھی۔

اس حویلی میں میرے بزرگوں کی رہائش شروع سے رہی ہے۔ انہوں نے ایسے حالات پیدا کر دیئے تھے کہ کوئی انسان اس میں رہائش کا سوچ ہی نہیں سکتا تھا۔ اس حویلی کے بننے سے پہلے بھی ہمارے خاندان کی رہائش اسی جگہ تھی اس لئے وہ اپنا حق اس پر جتاتے تھے۔ حویلی کے بننے کے ڈیڑھ سو سال بعد بھنڈاری حویلی پر قبضہ کرنے آیا تھا۔ میں اس وقت کم عمر تھا۔ میری عمر اس وقت اسی نوے سال ہوگی۔ والد صاحب کا انتقال ہو چکا تھا۔ میں ہی سب سے بڑا تھا۔ زیادہ تجربہ مجھے نہیں تھا، مگر والد اور دادا کے بتائے طریقے میرے پاس تھے۔

بھنڈاری نے آنے سے پہلے ہی ہمارے راستے بند کر دیئے تھے۔ وہ جانتا تھا ہم لوگ کون ہیں اور ہماری مدد کون کریں گے۔ اس کے بعد نہایت کمینگی اس نے یہ کی کہ ہمارا راشن لانے کا راستہ بھی بند کر دیا۔ اس نے ایک طرح سے ہم سب کو حویلی میں قید کر دیا۔ میں سب سے بڑا تھا سب کی نگاہیں میری طرف تھیں مگر میں اس جادوگر کے سامنے خود کو بے بس پاتا تھا۔

میں نے تھک کر اس سے اپنے طریقہ پر رابطہ کرنے کی کوشش کی۔ مگر نہ کر سکا۔ میں اگر اکیلا ہوتا تو شاید میں اتنا گر کر کوئی فیصلہ نہ کرتا مگر یہاں پر پورا خاندان تھا۔ اور میرے سر پر ایک بہت بڑی ذمہ داری تھی۔ تین ماہ گزر گئے۔ ان تین ماہ میں ہماری حالت بہت خراب ہوگئی۔ اس جادوگر کی بندش اتنی سخت تھی کہ ہم حویلی سے باہر جا ہی نہیں سکتے تھے۔ تین ماہ کے بعد وہ نمودار ہوگیا اور بڑے تکبر سے اس نے دروازے پر میرا نام لے کر آواز دی۔

میں نے بڑے ادب سے اس کا استقبال کیا۔ وہ ایک فاتح کی طرح حویلی کے اندر آ گیا اور بولا۔ ''تم لوگ کیا سمجھتے ہو یہ حویلی تمہاری ہے۔ بولو کب خالی کررہے ہو۔ ایک وقت دو۔''

میں نے ڈر کر کہا۔ ''آپ جو حکم کرو گے ہم وہی کریں گے چلے جائیں گے۔ ہم تم سے نہیں لڑ سکتے تمہاری شکتی کے سامنے ہماری کیا حیثیت ہے۔'' میں بالکل موم کا گولا بنا ہوا تھا۔

بھنڈاری میری کمزوری اور اپنی تعریف سے خوش ہوا بولا۔ ''میں تم کو چالیس دن دیتا ہوں۔ بولو خالی کر دو گے۔''

میں نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ ''اس سے بھی پہلے ہم چلے جائیں گے۔''

''ٹھیک ہے میں چلتا ہوں دیکھنے آیا تھا۔ ڈیڑھ سو سال میں تمہارے کتنے بل ہیں۔ اب تمہارے سارے بل کھل گئے ہیں اس لئے جاتا ہوں چالیس دن کے بعد آؤں گا۔'' بھنڈاری تکبر سے بولا۔

میں نے آگے بڑھ کر اس کے پیر پکڑ لئے اور بولا...... ''ایسا نہیں ہو سکتا آج پہلی بار ایسی مہان ہستی اس حویلی میں آئی ہے میری خاندانی روایت کے مطابق بغیر خاطر کے آپ کو نہیں جانے دوں گا۔'' اس نے میری طرف غرور سے دیکھا میرا رویہ اور کمزوری اس کے سامنے تھی میں نے خود کو بالکل گرا دیا تھا۔ وقت کی یہی ضرورت تھی وہ کچھ نرم ہوا اور بولا۔ ''اچھا ٹھیک ہے۔'' اور میں اس کو لے کر اسی کمرے میں آ گیا اور اسی طرح اس کو بھی شربت پیش کیا گیا اور وہ طاقت کے نشے میں پی گیا اور اس کا کھیل ختم ہوگیا۔ میں نے اپنی سطح سے گر کر یہ کام کیا اس کا مجھے بے حد دکھ تھا اور اب تک ہے۔''

کپوش نے اپنی بات ختم کی تو میں نے کہا۔ ”تم نے یہ نہیں بتایا کہ یہ حویلی کیوں بنی۔ آج اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی یہ حویلی اس ویران جگہ پر ہے تو جس وقت یہ بنائی گئی ہوگی اس وقت تو اور زیادہ ویران ہوگی وہ کون تھا جو اس ویران جگہ رہنا چاہتا تھا۔“ میں نے پوچھا۔

”میرے والد نے جو مجھے بتایا ہے وہ میں آپ کو بتاتا ہوں۔“ کپوش نے کہا۔

”شالیمار باغ جب بننا شروع ہوا اس وقت اس کے اطراف میں کچھ آبادی ہونے لگی تھی۔ شالیمار میں مزدوری کرنے والے اور کاریگر قریب ہی آباد ہو گئے تھے۔ شالیمار کی تعمیر کوئی معمولی کام نہیں تھا۔ بادشاہ کی طرف سے کچھ لوگ کام کی نگرانی کرنے کو مقرر تھے۔ مگر صرف ایک شخص ایسا تھا جو دہلی سے آیا تھا باقی سب لوگ مقامی تھے۔ اس کو یہاں کی آب و ہوا اور لوگ اس قدر پسند آئے کہ وہ یہاں پر آباد ہونے پر راضی ہو گیا۔ اور اس نے شاہی چوری شروع کر دی۔

جو تعمیراتی سامان شالیمار کے لئے آتا وہ اس میں سے کچھ یہاں پر اس حویلی میں لگوا دیتا اور مزدور بھی وہی کام کرتے جو شالیمار میں کام کرتے تھے۔ شالیمار بن کر تیار ہوا ادھر یہ حویلی بھی تیار ہو گئی جس وقت یہ حویلی تیار ہوئی اس وقت اس کی شان شالیمار سے کم نہیں تھی۔ یہ عمارت سرخ پتھر سے بنائی گئی ہے۔ دور سے بہت حسین لگتی تھی اور قریب سے تو اس کا باغ شالیمار باغ کا ایک حصہ معلوم ہوتا تھا۔ اندر کے محلات کی اپنی الگ شان تھی۔ آپ آج بھی اس کو دیکھ کر حیران رہ جائیں گے۔

شالیمار کا کام ختم ہو گیا بادشاہ خود لاہور رہا اور شالیمار باغ دیکھنے گیا۔ اس وقت کسی نے بادشاہ کو شاہی کارندے کے بارے میں بتا دیا کہ اس نے باغ کے تعمیراتی سامان میں سے چوری کی ہے اور ایک بہت بڑی حویلی تعمیر کرائی ہے بادشاہ اس کی تصدیق کرنے خود حویلی گیا اور بات درست پائی۔

یہ بات بادشاہ کو بہت ناگوار گزری اور اس نے اس کارندے کو سولی پر چڑھوا دیا اور واپس چلا گیا۔ ادھر ہمارا خاندان اس میں قیام کرنے کو تیار تھا اور حویلی کے بننے کا ہی منتظر تھا وہ فوراً حویلی میں آباد ہو گیا۔ اور میرے باپ نے حالات ایسے بنا دیئے کہ لوگ ادھر سے گزرتے بھی نہیں۔“ کپوش نے اپنی بات مکمل کی۔

”آپ نے اس بھنڈاری جادوگر کے ساتھ جو کیا وہ آپ کی مجبوری تھا۔ مگر میرے ساتھ آپ کو کیا مجبوری تھی میرے ساتھ وہی سلوک کیوں کیا۔“ میں نے پوچھا۔

”یہ سوال کرنے کا حق آپ کو ہے۔ میرا جواب سنئے۔ میں نے جادوگر کے ساتھ جو کیا وہ میری مجبوری تھی میری ناتجربہ کاری بھی اور کمزوری بھی۔ میں نے انتہائی قدم ابتدائی قدم سے پہلے اٹھا لیا یہ میری بہت بڑی غلطی تھی اگر وہ آپ کی طرح ٹھنڈے دل و دماغ اور علم کا مالک ہوتا تو ہم سب کو ختم کر دیتا۔ مگر اس کا وقت ختم ہو چکا تھا کیونکہ وہ غرور اور تکبر کی آخری سیڑھی پر کھڑا تھا۔ وہاں سے گرنے والا سیدھا موت کے منہ میں جاتا ہے۔ مگر اب میں ناتجربہ کار نہیں ہوں میں نے وقت سے کچھ لیا ہے۔ میں انتہائی قدم نہیں اٹھاتا صرف ابتدائی قدم سے اندازہ کر لیتا ہوں آپ جیسے لوگوں سے کچھ حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ شربت میں زہر نہیں ملایا گیا تھا صرف اس کے پیندے میں سلائی لگائی گئی تھی۔ اس کو پینے والا مرتا نہیں مگر اس کی طاقت کا اندازہ ضرور ہو جاتا۔ مگر آپ نے پہچان لیا اور اس گلاس کو چھوڑ دیا۔ میں آپ کی دور اندیشی اور پرکھ کا قائل ہو گیا۔“ کپوش نے کہا۔

”اچھا یہ بتائیں۔ یہ زہر آپ کو کہاں سے حاصل ہوا۔“ میں نے پوچھا۔

”یہ زہر ہمارے پاس میرے دادا کے زمانے سے چلا آ رہا ہے۔“ کپوش نے جواب دیا۔

”آپ کو پتہ ہے یہ زہر کہاں سے حاصل ہوتا ہے؟“ میں نے پھر پوچھا۔

”میرے والد نے بتایا تھا کہ یہ کسی سانپ کا زہر ہے۔“ کپوش نے کہا۔

''یہ بات درست ہے کہ یہ سانپ کا زہر ہے مگر کس کا یہ کسی کو پتہ ہے۔''میں نے پوچھا۔

''نہیں یہ بات والد صاحب کو بھی پتہ نہیں تھی۔'' کمپوش نے کہا۔

''آپ کی معلومات کے لئے میں بتاتا ہوں کہ یہ زہر کس سانپ کا ہے اور اس کو کس طرح حاصل کیا گیا ہوگا۔''میں نے کہا۔

''بڑی نوازش ہوگی ضرور بتائیں۔''

''اور آپ سب بھی سن لیں۔''میں نے کہا۔ میرا آخری جملہ سن کر کمپوش اچھل کر کھڑا ہوگیا اور حیرت سے دیکھنے لگا۔ میں نے پھر کہا۔''پریشان نہ ہو میرے دوست تم نے اپنے علم سے یہ اندزہ تو کرلیا ہے کہ میں کسی ایسے ارادے سے نہیں آیا ہوں جو تم لوگوں کے لئے باعث نقصان ہو۔ پھر بھی تم نے میرا خوب وزن کیا ہے۔''

کمپوش اور میں جس وقت کمرے میں آئے تھے اس وقت بھی لوگ یہاں پر موجود تھے۔ کمپوش کا یہ بھی امتحان کا شاید ایک طریقہ تھا۔ میں اس پر کیوں اعتراض کرتا۔''میں کسی کو شرمندہ کرنے کو یہ نہیں بتارہا میرا مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ میں وزن میں پورا ہوں کہ نہیں کسی اور کسوٹی پر گھسنا ہے تو بھی میں حاضر ہوں۔''میں نے کہا۔

کمپوش نے آگے بڑھ کر میرے قدم پکڑ لیے اور بولا۔''معاف کردیں۔ دودھ کا جلا ہوا تھا اس لئے غلطی ہوگئی۔''

میں نے سلسلہ کلام جوڑا۔''یہ زہر شیش ناگ کا ہے اور وہ شیش ناگ جو چمپا کے درخت پر لٹک کر ریاضت کرتا ہے اور ایک سو سال تک کرتا ہے اس کا بدن کم ہوتا جاتا ہے آخری دنوں میں صرف دو ڈھائی فٹ کا رہ جاتا ہے۔ یہ اس کے آخری دنوں میں حاصل کیا جاتا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو دودھ پلایا جاتا ہے ناگ دودھ پی لیتا ہے مگر پورا دودھ نہیں پی پاتا۔ کچھ دودھ برتن کے اندر رہ بھی جاتا ہے اس دودھ کو جمع کرنا پڑتا ہے اور پھر گرم کرکے زہر کو الگ کرنا پڑتا ہے یہ وہی زہر ہے۔ اس کو حاصل کرنا بھی بہت مشکل ہے۔ کیونکہ شیش ناگ کی پھنکار سے ہی آدمی مرجاتا ہے اور وہ شیش ناگ جو سو سال پورے کررہا ہو تو اس کے زہر کا کیا عالم ہوگا۔ اس زہر کو جس نے بھی حاصل کیا ہے وہ بہت بہادر تھا۔ میں نے اپنی بات ختم کی۔

''آج پہلی بار پتہ چلا کہ یہ زہر کس کا ہے اور کس طرح حاصل کیا جاتا ہے۔ آپ نے ہم سب کی معلومات میں گراں قدر اضافہ کیا ہے۔''کمپوش نے کہا۔

''میں نے تم کو دوست کہا ہے تو دوستانہ مشورہ اگر دینا چاہوں تو آپ مانیں گے۔''میں نے کہا۔

''آپ مشورہ نہیں حکم دیں۔''کمپوش نے کہا۔

''نہیں صرف مشورہ۔''میں نے کہا۔

''فرمایئے۔''کمپوش کے ساتھ اور بھی آوازیں آئیں۔

''اس حویلی کی عمر ختم ہونے والی ہے ہوسکتا ہے سو سال میں ختم ہو یا اس سے زیادہ لگ جائیں اور پچاس سال میں بھی یہ ہوسکتا ہے۔ اور یہ مقام ایک گنجان آباد ہونے والا ہے۔ میں پیش گوئی کبھی نہیں کرتا بلکہ پیش گوئی کرنے والے کو بے وقوف سمجھتا ہوں۔ آپ اس کو پیش گوئی نہ جانیں۔ یہ میرے تجربے اور اندازے ہیں۔ یہاں پر انسانوں کی اس قدر بھیڑ ہوجائے گی کہ آپ لوگوں کا گزارہ نہیں ہوسکے گا۔ یہ میرا فرض تھا اس کا عرصہ میں نہیں بتاسکتا۔''میں نے بات ختم کی۔

''آپ کے کہنے کا مطلب ہے کہ ہم لوگ اب یہاں پر نہیں رہ سکیں گے۔''کمپوش نے کہا۔

''وقت سے پہلے آپ کو پتہ چل گیا ہے اس لئے آپ بندوبست کرنا شروع کردیں۔''میں نے کہا۔

''وہ کون لوگ ہیں جو یہ جگہ طلب کریں گے۔'' کمپوش نے پوچھا۔

''ظاہر ہے وہ انسان ہی ہوں گے۔'' میں نے کہا۔

''اب میں اتنا کمزور بھی نہیں ہوں۔ میں نے بھی

کچھ تیاریاں کر رکھی ہیں۔'' کمپوش نے کہا۔
''میرا کام تم کو بتانا تھا حالات کچھ اس طرح تبدیل ہوں گے کہ تم خود ہی کچھ فیصلے کرو گے......'' میں نے کہا۔
''ایک فیصلہ وقت کا یہ تھا کہ بھنڈاری جادوگر تمہارے ہاتھ سے مارا گیا۔ اسی طرح وقت کا کچھ بھی فیصلہ کسی کے بھی خلاف ہوسکتا ہے۔ دوراندیشی کا تقاضا یہ ہے کہ پہلے ہی کچھ کرلیا جائے، یہ بات یاد رکھنا اس میں میرا نہ فائدہ ہے نہ نقصان، میں تمہارے اخلاق کی وجہ سے جو اندازے لگا سکا ہوں تم بتا دیئے۔'' میں نے کہا۔
''آپ کی نوازش ہے۔'' کمپوش نے کہا اور اس کے بعد میں نے اجازت چاہی اور واپس چلا آیا۔'' رولوکا نے اپنی بات ختم کی۔
''تو اس کا مطلب ہے اب حویلی جانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔
''سردار صاحب کو آپ کسی بھی طرح بتا دینا۔'' رولوکا نے کہا۔
اور میں نے سردار صاحب کو بتا دیا کہ ''وہ جگہ بہت خطرناک ہے وہاں پر انسانوں کا جانا ٹھیک نہیں ہے۔'' اور سردار صاحب نے کانوں پر ہاتھ لگا کر کہا۔
''اوئے مٹی ڈالو سانوں کی ضرورت ہے۔'' اور بات آئی گئی ہوگئی۔
لاہور شہر ہمیشہ سے ہی بڑا پر رونق شہر رہا ہے ایک ہفتہ ہم سیر کرتے رہے اور پھر آگے چل پڑے۔ دو چار روز ملتان میں رکے اور پھر کراچی روانہ ہو گئے۔ کراچی ایک بندرگاہ ہے زیادہ بڑا شہر نہیں۔ صاف ستھرا شہر ہے آبادی ملی جلی ہے بڑا کاروبار پارسیوں اور ہندوؤں کے پاس ہے مسلمان ہیں تو مگر غریب ہیں بندرگاہ پر مزدوری کرنے اور چھوٹے موٹے کام کرنے والے مسلمان ہی ہیں۔ بندر روڈ جو کہ کیاڑی سے شروع ہوتا اور KCA پر ختم ہو جاتا ہے۔ سب سے بڑا لمبا روڈ ہے اس پر ٹرامیں چلتی ہیں۔ سیر و تفریح کرنے والے فینسی بگھی میں شام کو بندر روڈ پر نکلتے ہیں۔
کلفٹن جس کو ہوا بندر بھی کہا جاتا تھا ہم دو تین بار جا چکے تھے۔ شام کا وقت تھا اور ہم کلفٹن کے پل کے نیچے تھے وہ ہم کو وہیں ملا۔ اس کے کپڑے صاف ستھرے تھے اور اس کے گھونگھریالے بال تھے مگر چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ سخت پریشان ہے۔ رولوکا اس کے قریب آ گیا اور اس نے پوچھا۔
''تم کون ہو بھائی کچھ پریشان لگتے ہو۔''
اس نے ویران نظروں سے رولوکا کو دیکھا اور بولا
''ہاں اڑے ہم بہت پریشان ہے۔''
''کیوں پریشان ہو کچھ بتاؤ تو۔'' رولوکا نے پوچھا۔
''اڑے آٹھ دن ہوا ہمارا بیٹا گم ہوگیا ہے۔ اڑے ہم پریشان ہوں۔''
''تمہارا نام کیا ہے؟'' رولوکا نے پوچھا۔
''ہمارا نام واجہ ہے۔'' وہ آہستہ سے بولا۔
''تو واجہ بھائی پوری بات بتاؤ شاید ہم تمہاری کچھ مدد کرسکیں۔'' میں نے پوچھا۔
''اڑے یہ بہت لمبا کہانی ہے تم سنیں گا۔'' وہ بولا۔
''ضرور سنیں گے۔'' میں نے پھر کہا۔
''دو سال پہلے یہ کہانی شروع ہوا۔ ہم غریب آدمی ہے۔ محنت مزدوری کرتا ہوں۔ گدھا گاڑی چلاتا ہوں ابھی نہیں چلاتا دو سال پہلے کا بات کرتا ہوں۔ ہمارا روزی ادھر سٹی اسٹیشن کا گودی اور کیاڑی میں تھا ہم روز ادھر جاتا تھا۔ دو چار روپیہ بن جاتا تھا مگر ہمارا گدھا ایک دن کا بیماری سے مرگیا۔ اڑے ہمارا تو حالت خراب ہوگیا۔ ابی کیا کرے گا دوسرا گدھا کدھر سے لائے گا ہم جو کماتا تھا بیوی کو دیتا تھا ہمارا پاس تو دو روپیہ نہیں تھا۔ پچیس تیس روپے کا گدھا کدھر سے لائے گا...... ہمارا خانہ خراب ہوگیا بیوی بولا۔''واجہ ابھی تم کیا کرے گا۔'' ہم بولا۔''کیا بتائے کیا کرے گا دھکے پر جائے گا مزدوری

کرے گا۔" بیوی بولا۔ "واجہ ابھی تم اتنا جوان نہیں ہے کہ دھکے پر مزدوری کرے گا تم گدھا گاڑی چلا سکتا ہے بس۔" میں بولا۔

"تیرا بات ٹھیک ہے پن گدھا گاڑی تو گدھے سے چلتا ہے گدھا کدھر ہے۔" وہ بولا۔ "ہمارا پاس تیس روپیہ ہے تم جاؤ دوسرا گدھا خریدو اور اپنا کام شروع کرو۔"

اڑے ہم تو خوش ہوگیا۔ دوسرا دن بیوی سے تیس روپیہ لے کر گیا اور دسرا گدھا لے کر آ گیا۔ آتے آتے شام ہوگیا تھا بیوی نے گدھا دیکھا اور بولا۔ "اچھا ہے کتنے کا لیا۔" ہم نے بتایا۔ "اڑے چالیس بولتا تھا چھبیس کا لیا ہے۔" وہ بولی۔ "ٹھیک کل سے پھر اپنا کام شروع کردو۔"

ہم دونوں خوشی خوشی سو گئے صبح میں جلدی اٹھ گیا۔ اور سیدھا گدھے کے پاس پہنچا ابھی سورج پوری طرح نہیں نکلا تھا تھوڑا اندھیرا تھا۔ ہم چارہ گدھا کو دیا ایک ڈول پانی اس کے پاس رکھا اور گھر میں آ گیا۔ بیوی نے ہم کو چائے دیا۔ رات کا روٹی دیا ہم بھی ناشتہ کرلیا اور گھر سے سیدھا باڑے میں گدھے کے پاس گیا اب سورج نکل آیا تھا اور اجالا پھیل گیا تھا۔

"اڑے یہ کیا یہ گدھی ہے۔" ہم حیران گیا۔

اڑے ہم سارا زندگی گدھا گاڑی چلایا پھر دھوکا کھا گیا۔ گدھی کو گدھا سمجھ کر لے آیا۔ اڑے یہ کیا بھول ہوا۔ ابی ہم کیا کرے اس گدھی کو کیا کرے۔ واجہ بیٹا تمہارا قسمت ہی بگڑ رہا ہے اڑے سیدھا کام بھی الٹا ہو رہا ہے، بیوی کو کیا جواب دے گا۔ سارا برادری کا لوگ مذاق الگ اڑائے گا...... اور یہ گدھی بچہ دینے والی لگتی ہے کسی کام کا نہیں ہے۔ ابھی ہم ادھر ہی تھا کہ بیوی بھی آ گئی اس نے بھی گدھی کو دیکھ لیا اور اس کے پیٹ کو دیکھ کر بولا۔

"واجہ تم اپنا آنکھ میں سرمہ ڈالو تم یہ کیا خرید لایا ہے۔"

"اڑے ہم خود حیران ہے ایسا کیسا ہوا۔ ابھی ہم کیا کرے ہم تو سب طرف سے مارا گیا۔"

"اس کو ایک دو روز میں بچہ ہونے والا ہے۔ ابھی اس کو کچھ مت بولو ٹھیک ہے ہمارا نصیب میں جو کچھ ہے دیکھا جائے گا۔" بیوی اتنا غصہ نہیں ہوا جتنا ہم سوچ رہا تھا۔

میں بولا۔ "ٹھیک ہے تم اس کو دیکھنا میں مزدوری پر جاتا ہوں۔" اور میں سٹی اسٹیشن چلا گیا۔

تعجب کی بات یہ تھی کہ کام بھی بہت آسان ملا اور مزدوری بھی اچھا مل گیا اور میں روزانہ مزدوری پر جاتا رہا۔ خوب مزدوری ہوتا۔ ایک ہفتہ کے بعد میں شام کو گھر آیا تو دیکھا گدھی کے ساتھ ایک بڑا خوبصورت بچہ بھی موجود تھا۔ وہ تھا تو گدھے کا بچہ مگر مجھے بہت پیارا لگا میں نے بڑھ کر اس کو گود میں اٹھالیا اور پیار کیا اور اس کو گڑ کھلایا۔ میں نے اس کا نام کامو رکھ دیا۔

میں روز اس کے لئے کچھ نہ کچھ کھانے کو لے آتا کامو کے ساتھ اس کی ماں کو بھی کھلاتا۔ وہ مجھے خوب جانتا تھا میری آواز پر آتا تھا میرے اشارے سمجھتا تھا۔ مجھے اس سے ایسی محبت ہوگئی تھی جیسے ایک باپ کو ہوتی ہے اڑے وہ ہمارا بیٹا تھا۔ ہم لوگ اس کو کبھی نہیں باندھا۔ وہ سارا دن آزاد رہتا تھا اب وہ بڑا ہوگیا تھا مگر شام سے پہلے گھر آجایا کرتا تھا۔ سارا دن وہ چاکیواڑہ، مسان روڈ گھومتا اس کو بہت لوگ پکڑنے کی کوشش کیا مگر وہ ہرن کی مافک دوڑتا تھا۔ کوئی اس کا بدن پر ہاتھ نہیں رکھ سکتا تھا۔ سب لوگ بولتا تھا اڑے یہ گدھا کدھر ہے یہ تو کچھ دوسرا ہی چیز ہے۔ شام کو میں اس کو پیار کرتا تو وہ میرے بدن سے لگ کر کھڑا رہتا اور کان پھڑ پھڑاتا رہتا۔

وہ جوان ہوا اور اس کا ماں مر گیا۔ صبح ہم دیکھا وہ مری پڑی تھی اور کامو اداس اس کے قریب بیٹھا تھا اور اس کی آنکھوں سے پانی بہہ رہا تھا۔ میں اس کے قریب گیا اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا۔ "اڑے کامو تم مرد بچہ ہے کیوں فکر کرتا ہے ہم ہے نا تمہارا باپ ابھی تک فکر مت کرو۔" دو چار بات اور کیا کہ ہمارا بیوی آ گیا۔ "واجہ اس کو ٹھکانے لگواؤ یہ تو مر گیا۔" میں کچھ بولنے والا تھا مگر میری زبان سے نکلا۔ "اس کا قبر ادھر ہی بنائے گا اس کو باہر نہیں

پھینکے گا۔''

''کیا بات کرتا ہے واجہ۔'' بیوی حیرت سے بولا۔

''میری بات غور سے سنو کسی کو پتہ نہیں ہونا چاہئے ورنہ لوگ مذاق کریں گا مگر میں وہی کروں گا جو میں نے کہا ہے۔'' اور میں نے اسی جگہ جہاں وہ پڑی تھی ایک گہری قبر بنائی اور اس کو اس میں ڈال کر مٹی ڈال دیا۔ کامو میرے سب کام دیکھتا رہا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''صبر کر بیٹا یہ زندگی ایک نہ ایک دن ختم ہونا ضرور ہے۔ اور آخری انجام یہی ہے۔''

''پہلے ہم ایک دو روپے کا مزدوری کرتا تھا گدھا گاڑی میں بھی زیادہ نہیں ملتا تھا۔ وہ گدھی جب سے ہمارا گھر میں آیا ہمارا مزدوری بڑھ گیا۔ گدھی مر گیا اس کا بچہ آ گیا تو بھی ہمارا مزدوری کم نہیں ہوا۔ کامو سارا دن گھر سے باہر پھرتا تھا وہ اب پورا جوان تھا اس کا رنگ سفید تھا اور منہ پر کالے رنگ کی دھاریاں تھیں جسم اس کا فربہ نہیں تھا بڑا چاک چوبند اور ہوشیار رہتا تھا۔ شام کو میرے پاس مجو آ گیا اور بولا۔

''اڑے واجہ تم کیسا ہے ٹھیک تو ہے نی۔''

میں نے کہا۔ ''سکر ہے۔ تم بولو کیسا آیا ہے۔''

''یہ تمہارا کامو ہے نی گولی کی مانک بھاگتا ہے اڑے تم اس کو ریس میں ڈالو نی خدا قسم سب کو مارے گا یہ بہت بڑا انعام تم کو ملے گا۔''

''کامو بہت تیز دوڑتا ہے مجھے پتہ ہے پن گاڑی کے ساتھ ہم اس کو کبھی نہیں لگایا۔ کیا پتہ دوڑے گا کہ نہیں۔'' میں نے جواب دیا۔

''اڑے فکر مت کرو ہم تم کو ایک دم فسٹ کلاس گاڑی دیں گا ریس والا۔ تم اس کو ایک دو چکر کیماڑی کا لگاؤ پتہ پڑ جائیں گا۔'' مجو نے کہا۔

''ابھی میرے پاس گاڑی کا پیسہ نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔

''اڑے کون کافر تم سے پیسہ مانگتا ہے۔ تمہارا گدھا اور ہمارا گاڑی جیت گیا تو دونوں کا برابر کا حصہ ہوں گا بولو کیا بولتا ہے۔'' مجو نے کہا۔

''اور انعام کتنے کا ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''اڑے پانچ سو روپیہ پہلا نمبر کو ملے گا دوسرے کو چار سو ملے گا۔'' مجو نے بتایا۔

''تم پورا پتہ کر کے آیا ہے۔'' میں نے کہا۔

''اڑے کامو کو جب سے دیکھا ہے بس پروگرام بنا رہا تھا تم بولو کیا بولتا ہے۔'' مجو نے کہا۔

''تم گاڑی کل لے کر آ جاؤ میں کامو کو آزماتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

مجو تو تیار ہی تھا۔ دوسرے روز شام کو گاڑی لے کر آ گیا۔ میرے گھر آنے سے پہلے ہی کامو آ چکا تھا میں نے کامو کو گاڑی کے پاس ہی کھڑا کر دیا اور بولا۔

''اڑے کامو تم مرد بچہ ہے مرد کا کام محنت کرنا ہے ابھی تم جوان ہے تھوڑا کام کرو کیماڑی کا چکر لگاتے ہیں۔''

گاڑی بہت ہلکی پھلکی تھی سائیکل کے ویل تھے اور صرف ایک آدمی کے پیچھے بیٹھنے کی جگہ تھی یہ گاڑی خاص طور سے دوڑ میں مقابلے کے لئے بنائی گئی تھی۔ کامو گاڑی کے پاس اطمینان سے کھڑا رہا جیسے اپنی رضامندی کا اظہار کر رہا ہو۔ میں نے اس کو گاڑی میں جوڑا لگام لگائی وہ ذرا پریشان نہیں ہوا میں اندر گیا بیوی کو بتایا وہ دوڑ کر باہر گئی بہت خوش ہوئی۔ میں نے کہا اس کو گڑ تو کھلا دے آج پہلی بار یہ کوئی کام کر رہا ہے۔ وہ مسکرا کر بولی۔ ''تم ٹھیک بولا واجہ۔''

کامو نے گڑ کھالیا پانی بھی پی لیا میں گاڑی پر بیٹھ گیا۔ ''اچھا کامو اب چلو بیٹا۔''

اور ہم لی مارکیٹ کی طرف روانہ ہو گئے۔ کامو بہت اچھی چال چل رہا تھا۔ اسی چال سے ہم بندر روڈ پر آ گئے یہاں پر بہت چوڑا روڈ ہے زیادہ رش نہیں تھا مگر ٹاور تک کامو کی چال وہی رہی نہ زیادہ تیز نہ کم ٹاور کے بعد روڈ سنسان پڑا تھا میں نے کہا۔ ''کامو اب پکڑ چال دیکھوں تو کیسا جوان ہے۔'' پل گزرتے ہی کامو ہوا ہو گیا اور چند منٹ میں کیماڑی کے چوراہے سے گھوم کر واپس

ٹاور آ گیا۔

میری امید سے زیادہ تیزی کامو نے دکھائی۔

دوسرے دن مجو آ گیا بولا ......"ہاں واجہ کیسا چلا تیرا کامو۔"

میں نے خوشی سے بتایا۔"اڑے گولی ہے گولی۔"

"میں بولتا تھا نا تیرا کامو ریس جیتے گا۔" مجو نے کہا۔

"تم ٹھیک بولا تھا۔ اب ہم کو بھی امید ہے۔ تم ابھی یہ بتاؤ ریس کب ہوئیں گا۔"

"بس ایک ہفتہ ہے میں تیرا نام بھی لکھا دیتا ہوں۔" مجو بولا۔

"اچھا یہ ریس کدھر ہوں گا......" میں نے پوچھا۔

"کیماڑی سے گارڈن کے چوراہے پر ختم ہوں گا اتوار کو ہوں گا ایک سائڈ کا ٹرافک چلیں گا دوسری طرف ریس والا گاڑی چلیں گا......" مجو نے بتایا۔

"ٹھیک ہے تم ہمارا نام ڈالو۔ ہم لوگ بھی تیاری شیاری پکڑتا ہوں۔" میں نے کہا۔

اور ایک ہفتہ گزر گیا مجو صبح ہی میرے پاس آ گیا۔ گاڑی کو اس نے چیک کیا ہوا ڈالی، تیل وغیرہ ڈالا، سب تیاری کے بعد بولا۔

"اڑے واجہ ابی ہمارا تیاری پورا ہوا تم کامو کو تیار کرو۔ ٹھیک دس بجے کیماڑی چوراہے پر پہنچنا ہے۔"

"اڑے ہمارا کامو تو ہر وقت تیار ہے بس تھوڑا پیٹرول ڈالتا ہے۔" میں نے کہا۔

"اڑے مذاق کرتا ہے ہر بھرو پیٹرول وری کدھر ڈالے گا۔" مجو حیرت سے بولا۔

"میری ہنسی نکل گئی اڑے کامو کا پیٹرول گڑ ہے تم بھی پورا اچریا ہے۔" میں نے کہا۔

مجو بھی ہنس پڑا۔"اڑے واہ اچھا پیٹرول ہے۔"

ہم لوگ ٹھیک دس بجے کیماڑی چوراہے پر پہنچ گئے تیس گاڑیاں ریس میں حصہ لے رہی تھیں۔ ایک کار گاڑیوں کے آگے تھی اور ایک کار پیچھے کھڑی تھی۔ سب گاڑیاں لائن میں موجود تھیں۔

سڑک کا ایک طرف کا ٹرافک بھی دوسری طرف کر دیا گیا تھا۔ اتوار ہونے کی وجہ سے ٹرافک ویسے بھی بہت کم تھا ایک بہت بڑا غبارہ پھوڑ کر ریس کا آغاز ہوا اور سب گاڑیاں دوڑنے لگی۔ کامو پل تک سب کے ساتھ چلتا رہا۔ ٹاور آتے ہی میں نے آواز دی۔"کامو اب کیا بولتا ہے۔"

اور کامو میں بجلی دوڑ گئی۔ اور وہ آگے جاتی کار سے بھی آگے نکل گیا۔ کار کے اندر جو لوگ تھے انہوں نے حیرت سے دیکھا اور ہاتھ لہرایا۔ اور ہم گارڈن کے چوراہے پر پہنچ گئے ہمارے بعد کار آئی اور اس کے بعد گاڑیاں آنے لگیں کامو نے اتنی آسانی سے اور فاصلے سے یہ ریس جیت لی کہ سب حیران رہ گئے۔ اس دن کی دوسری ریس بھی کامو نے جیت لی۔ میری جیب میں پانچ سو روپے آ گئے مجو بھی بہت خوش تھا۔ وہ پھولوں کے ہار خرید لایا اور کامو کو پھولوں سے لاد دیا۔

پانچ سو روپے ہم ایک ساتھ زندگی میں نہیں دیکھا تھا۔ شام خوش خوش گھر آیا۔ بیوی کو بتایا۔ اس کو سب روپیہ دیا وہ اتنا روپیہ دیکھ کر پریشان ہو گیا بولا......"اتنا روپیہ اڑے اس کا کیا کریں گا۔"

مجھے فوراً ہی خیال آ گیا بولا......"اڑے مجو کا گاڑی ہے آدھا روپیہ وہ لے گیا ہے ابھی ہم لوگ اپنا گاڑی بنائیں گا۔" اور میں نے سو روپے میں بہت اچھا گاڑی بنوایا۔ ہم ہر ہفتہ ریس میں کامو کو دوڑاتا رہا اور کامو کبھی نہیں ہارا بہت سے چیمپئن گدھے اس سے ہار گئے۔ کامو کی موجودگی میں دوسرے گاڑی والے ریس سے اپنی گاڑیاں الگ کر لیا کرتے تھے میں نے یہ حالت دیکھی تو صرف ایک ریس میں حصہ لیتا تھا۔ دوسری ریس میں دوسروں کو چانس دیتا تھا ہزاروں روپے کی آفر میرے پاس آئی۔ کامو کو بیچ دو۔ اڑے تم سوچو کوئی اپنا بیٹا بیچتا ہے۔

کامو اب بھی آزاد تھا اب وہ بہت مشہور ہو گیا

تھا۔ وہ بہت ہوشیار تھا میں نے اس کو منع کیا تھا کہ وہ صرف گھر پر کھائے گا کدھر بھی کچھ ملے نہیں کھائے گا۔ میرا گھرانہ خوشحال ہو گیا تھا۔ میں نے گھر بھی بنالیا تھا۔

لیاری میں ایک بہت اچھا ہوٹل بھی چالو کر دیا تھا۔ اس ہوٹل کا نام کامو ہوٹل تھا۔ وہی اس کا مالک تھا۔ اڑے ہم تو صرف اس کا دیکھ بھال کرتا تھا۔ اب میں مزدوری نہیں کرتا تھا۔

ابھی ہم لوگ کا برادری میں اور علاقے میں بہت عزت ہے یہ سب کامو کی وجہ سے ہوا۔ اڑے ہم کیا ہے ہم واجہ گدھا گاڑی والا تھا ابھی ہم برادری کا بڑا مانا جاتا ہے کامو نے ہم کو عزت دلایا چین سے روزی دلایا ہم کو بھی کچھ دنیا کا پتہ چلا کہ لیاری کے آگے بھی کراچی ہے۔ دنیا بہت بڑا ہے۔

ابھی آٹھ دن ہوا ہمارا کامو گم ہو گیا۔ رات کو ہم اس کو کھانا کھلایا تھا صبح کو وہ نہیں تھا۔

ہم پاگل ہو گیا اکھا کراچی دیکھ لیا۔ لیاری کا ایک ایک کونہ ہم تلاش کیا۔ ہر اس آدمی کے پاس گیا جو کامو کو جانتا تھا مگر کسی نے اس کو نہیں دیکھا۔ ابھی ہم کیا کرے وہ ہمارا بیٹا تھا۔ خدا قسم ابھی ہم کو روپے کا کوئی فکر نہیں ہے ہم کو اب ضرورت نہیں ہے بس وہ ہم کو مل جائے۔ ہم اس کو ریس میں نہیں ڈالے گا ہم سب کو یہ بولا ہے مگر سب بولتا ہے کامو کو ہم نے نہیں دیکھا۔"

اور واجہ خاموش ہو گیا اور اس کے آنسو بہتے رہے۔ "محبت اس کو کہتے ہیں" میں نے رولوکا کو کہا۔ "یہ ایک جانور کی محبت میں دیوانہ ہو رہا ہے۔"

"محبت جذبہ ہی ایسا ہے۔" رولوکا نے جواب دیا۔

"اس کے لئے کچھ ہو سکتا ہے۔" میں نے پوچھا۔

رولوکا نے مجھے جواب دینے کی بجائے واجہ سے پوچھا۔ "تم مجھے وہ جگہ دکھا سکتے ہو جہاں پر کامو رکھا جاتا تھا۔"

"کیوں نہیں دکھائیں گے چلو ہمارا ساتھ۔" اور وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ہم نے برج کے پاس سے ٹم ٹم پکڑی اور چاکیواڑہ روانہ ہو گئے۔

واجہ کا مکان دیگر بہت سے مکانوں سے اچھا تھا اور بڑا تھا۔ ایک باڑہ بھی اندر تھا وہ ہم کو اس باڑے میں لے گیا اور بولا۔ "ادھر ہمارا کامو رہتا تھا ادھر وہ سوتا تھا ادھر کھاتا تھا۔"

وہ اتنے محبت سے کامو کا ذکر کر رہا تھا کہ اس پر ترس آتا تھا۔ رولوکا اور میرے علاوہ بھی ایک پرندہ رولوکا کے ساتھ تھا اس کو میں نہیں دیکھ سکتا اور نہ ہی واجہ کو کچھ پتہ تھا اس پرندے نے کامو کی خوشبو کو سونگ لیا تھا۔ اور وہ اڑ گیا تھا۔

یہ بات مجھے رولوکا نے بتائی۔ اور پھر واجہ سے کہا۔ "دیکھو واجہ ہم لوگ کینٹ اسٹیشن پر مہاراجہ ہوٹل کے کمرہ نمبر 6 میں رہتے ہیں تم کل صبح کسی وقت ہمارے پاس آجانا تم کو پتہ چل جائے گا کہ کامو کہاں۔ اور اس کو دوبارہ کس طرح حاصل کیا جائے گا......" اور ہم لوگ واپس چلے آئے۔

رات کو میں سو گیا مگر رولوکا جاگتا رہا مجھے پتہ تھا کہ وہ کیوں جاگ رہا ہے میں سو گیا۔ صبح دس بجے کے قریب واجہ آ گیا۔ رولوکا نے اس کو کمرے میں ہی بلا لیا۔ اور اس کو بتایا۔ "کامو زندہ ہے مگر کراچی میں نہیں ہے یہ کراچی سے مشرق کی طرف ہے کتنی دور ہے اندازہ نہیں ہے تم کسی گاڑی کا بندوبست کر سکتے ہو ہم لوگ کو جانا پڑے گا۔"

"اڑے یہ تو کچھ مشکل نہیں ہے۔ کیسا گاڑی چاہئے۔" واجہ نے کہا۔

"جیپ ٹائپ کی، چھت کھلی گاڑی ہو تو بہت اچھا ہے۔" رولوکا نے بتایا۔

"ٹھیک ہے ہم ابھی گاڑی لاتا ہے۔" اور واجہ چلا گیا اور بارہ بجے ایک جیپ کرائے پر لے کر آ گیا۔ ہم لوگ فوراً ہی کمرے سے نکل آئے۔

رولوکا نے آسمان کی طرف دیکھا اور بولا......

"مشرق کی طرف جو سڑک جاتی ہے اس پر چلو۔"

اور ڈرائیور نے گاڑی اسٹارٹ کردی اور بولا۔

''لانڈھی ملیر کی طرف چلنا ہے۔''

''وہ مشرق میں ہے۔''میں نے پوچھا۔

''ہاں ادھر ہی ہے۔''وہ بولا۔

''تو چلو یہ بتاؤ تمہاری گاڑی لمبا سفر بھی کر سکتی ہے۔''رولوکا نے پوچھا۔

''کیا لانڈھی سے آگے جانا ہے۔''ڈرائیور بولا۔

''ہوسکتا ہے کچھ دور جانا پڑ جائے۔'' رولوکا نے کہا۔

''گاڑی ایک دم فسٹ کلاس ہے خالی پیٹرول اور بھروانا پڑے گا۔''ڈرائیور نے جواب دیا۔

''اب جو پیٹرول پمپ آئے پوری ٹنکی بھروالو فکر نہ کرو تم کو پورا کرایہ ادا کریں گا۔''واجد نے کہا۔

گاڑی اب ڈرگ روڈ سے گزر رہی تھی۔ رولوکا نے آسمان کی طرف دیکھا اور مجھ سے کہا ہم لوگ ٹھیک جارہے ہیں۔ ملیر گزر گیا لانڈھی گزر گیا گاڑی چلتی رہی رولوکا بار بار آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا دھابے جی بھی گزر گیا۔ گاڑی اب بھی سیدھی حیدر آباد کی طرف چلتی رہی۔ اسی طرح 6,5 میل اور گاڑی چلی تھی کہ رولوکا نے گاڑی روکنے کا کہا اور آسمان کی طرف دیکھا اور بولا۔

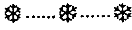
''دائیں ہاتھ کو گاڑی موڑ دو۔''

ڈرائیور نے کہا۔''ادھر تو کچا ہے۔''

''ادھر ہی جانا ہے تم فکر نہ کرو جہاں تک گاڑی چل سکتی ہے چلاؤ۔''ڈرائیور نے گاڑی موڑ دی اور گاڑی سست روی سے آگے بڑھنے لگی۔

تین چار میل چلنے کے بعد سامنے کچھ پہاڑیاں اور اونچے اونچے ٹیلے نظر آنے لگے۔ گاڑی ان کی طرف بڑھتی رہی اور اس مقام پر پہنچ گئی کہ آگے چڑھائی تھی اور اوپر چڑھنے کا کوئی راستہ نہ تھا۔ بڑے بڑے گڑھے اور اونچی نیچی زمین تھی۔ رولوکا نے ہاتھ کے اشارے سے ڈرائیور کو گاڑی روکنے کا کہا اور گاڑی سے اتر آیا۔ دور دور تک کسی ذی روح کا وجود نظر نہیں آتا تھا۔ دھوپ ہر سو پھیلی ہوئی تھی۔ اور گرمی سے سب کے چہرے سرخ ہورہے تھے۔ رولوکا نے آسمان کی طرف دیکھا اور بولا۔

''آگے صرف میں جاؤں گا آپ لوگ یہیں پر رکیں اور گاڑی پر آرام کریں۔ میں بہت جلد واپس آؤں گا۔''اور اس نے جواب کا انتظار نہیں کیا اور ایک ٹیلے پر چڑھ کر دوسری طرف اتر گیا۔



میں ٹیلے سے اتر کر ذرا ہی آگے چلا تھا کہ ایک پہاڑی سے ایک گول گیند نما پتھر بہت تیزی سے لڑھک کر میری طرف آیا۔ وہ پتھر اتنا بڑا تھا کہ کسی کو بھی سرمہ بنا سکتا تھا۔ مگر میں ہوشیار تھا پھرتی سے ایک طرف ہوگیا اور وہ میرے سامنے سے گزر کر ایک گڑھے میں گر گیا۔

میں پہلے بھی بے خبر نہیں تھا مگر اب اور چوکنا ہوگیا کیونکہ کھیل شروع ہوگیا تھا۔ دور سمندر نظر آرہا تھا۔ جو پہاڑیاں نظر آرہی تھیں وہ سمندری پہاڑیاں تھیں۔ کسی دور میں وہ ضرور پانی کے اندر ہوں گی مگر اب سمندر دور چلا گیا تھا، ہوا میں پانی کی نمی بہت زیادہ تھی اور حبس بہت زیادہ تھی۔ گڑھوں میں کھارا پانی بھرا ہوا تھا مگر اب تک کوئی جاندار نظر نہیں آیا تھا میں نے عقاب کو دیکھا۔ وہ میرے سر کے اوپر پرواز کررہا تھا اور پھر میرے سامنے سے گزر کر ایک طرف پرواز کرنے لگا۔ میں بھی اسی سمت کو چل دیا وہ مجھے راستہ بتا رہا تھا۔ اس کا رخ سب سے اونچی چٹان کی طرف تھا یہاں پر چٹان کی اوٹ میں سایہ بھی تھا میں نے دیکھا اس سایہ میں ایک سفید رنگ کا گدھا خاموش بیٹھا ہے بظاہر وہ بیٹھا نظر آرہا تھا مگر ایسا نہیں تھا اس کو کائی نما رسیوں سے اچھی طرح باندھا گیا تھا وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکتا تھا۔ یہ رسیاں عام آدمی کو نظر نہیں آسکتی تھیں۔ میں نے آسمان کی طرف دیکھا عقاب اوپر تھا میرے اشارے پر نیچے آگیا اور پھر اپنی نوکیلی اور تیز چونچ سے اس نے ساری رسیاں کاٹ دیں۔ رسیاں کٹتے ہی کاموکھڑا ہوگیا اور ایک طرف چل دیا مگر چند قدم ہی چلا تھا کہ ایک بہت بڑا بھیڑیا اس کے سامنے آگیا۔ کامو

گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔ بھیڑیا کامو پر حملہ کرنا ہی چاہتا تھا کہ عقاب نے غوطہ لگایا اور بھیڑیا پر حملہ کیا۔ اس کے لئے بھیڑیا تیار نہیں تھا۔ یا عقاب ان کی نظروں سے اوجھل تھا بھیڑیا نے منہ آسمان کی طرف کیا ہی تھا کہ عقاب نے اس کی ایک آنکھ نکال دی بھیڑیا درد سے پریشان ہوا اور ایک طرف دوڑا مگر عقاب برابر اس پر حملے کرتا رہا اور اس کو اندھا کر دیا۔ کامو پھر ایک طرف چلا میں پہاڑی کے سائے میں تماشہ دیکھ رہا تھا۔ میرے پاس دوسرا ہتھیار بھی تھا مگر عقاب ہی اب تک بھاری تھا۔ بھیڑیا ایک طرف بھاگ گیا اور دن کی چلچلاتی دھوپ میں ایک بڑی ڈراؤنی بھیانک آواز دیر تک آتی رہی۔

اور پھر سناٹا چھا گیا۔ مگر یہ خاموشی زیادہ دیر نہیں رہی۔ سمندر کی طرف سے ایک آدمی آتا نظر آیا۔ اس کے جسم پر صرف ایک لنگوٹی تھی۔ جسم کا رنگ تانبے کی طرح اور سر چمک رہا تھا وہ کسی بدمست ہاتھی کی طرح چل رہا تھا۔ چند منٹ میں وہ میرے سامنے کھڑا تھا۔

وہ جس راستے سے آیا تھا اس پر چلنا ہی دشوار تھا دوسرے وہ اتنی جلدی اس سے گزر کر آ گیا تھا میں اس کو غور سے دیکھا اور کہا۔ ''اچھا تو، تو ہے چور۔''

اس نے انتہائی حقارت سے میری طرف دیکھا اور کہا۔ ''چور تو تو بھی ہے۔''

''چور کو سب چور نظر آتے ہیں۔ تو نے کبھی آئینہ دیکھا ہے اگر نہیں دیکھا تو کبھی دیکھنا بھی نہیں دیکھ کر ڈر جائے گا......'' میں نے اطمینان سے کہا۔

''آئینہ کبھی سچ نہیں بولتا مورکھ تجھے اتنی سی بات پتہ نہیں ہے۔'' اس کا لہجہ اب بھی حقارت آمیز تھا۔

''اور میں کہتا ہوں آئینہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔'' میں نے کہا۔

''بہت باتیں بنا رہا ہے خوب بول رہا ہے کبھی موت کو دیکھا جو نہیں اب دیکھ لے تیرے سامنے کھڑی ہے۔'' وہ نفرت سے بولا۔

''اچھا مجھے پتہ نہیں تھا ذرا تو اپنا نام تو بتا مجھے بھی تو پتہ چلے کہ میری موت کا کیا نام ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''چند منٹ کے لئے کیا پتہ کرے گا مگر چل کیا یاد کرے گا کس دیالو سے واسطہ پڑ رہا ہے۔ بتائے دیتا ہوں۔ میرا نام دھیان چند جوگی ہے بول تیری اچھا پوری ہو گئی۔''

''نہیں ابھی نہیں یہ بتا تیرے گورو کا کیا نام ہے۔ کیونکہ تیرا تو نام ہی پورے بھارت میں کہیں کسی گنتی میں نہیں سنا۔'' میں نے کہا۔

''میرے گورو کا نام سنے گا تو ٹھور ٹھنڈا ہو جائے گا مورکھ۔'' وہ بولا۔

''بتانا نہیں چاہتا تو نہ بتا تیری آتما بتائے گی......'' میں نے کہا۔

''بہت آگے کی بول رہا ہے۔ سن میرے گورو کا نام۔ کلیان سوبھراج ہے۔ سن لیا۔'' وہ نفرت سے بولا۔

''اچھا تو اس بھگوڑے کا چیلا ہے تو جو دلی سے بھاگا ہوا ہے۔ مجھی تلاش کر رہا ہے۔'' میں نے کہا۔

دھیان چند جوگی چونک پڑا اور جلدی سے بولا۔

''تو کون ہے رے۔''

''میں وہی ہوں جس کو تیرا گورو تلاش کرتا پھر رہا ہے۔ اور تلاش کرتا کرتا مر جائے گا۔'' میں نے اطمینان سے کہا۔

''ارے میں تیرا نام پوچھوں ہوں۔'' وہ بولا۔

''تیرے لئے موت اور تیرے گورو کے لئے بھی موت۔'' میں نے جواب دیا۔

''ہوں میرے دو بیر کیوں بھاگ گئے۔ اب سمجھ میں آیا۔'' وہ بولا۔

''تو بہت کچا ہے ارے دن میں تیرے بیر مٹی کے پتے ہیں۔ تجھے پتہ نہیں۔'' میں نے کہا۔

''تو پھر تو دن میں کیوں آیا۔'' وہ بولا۔

''میرے بیر دن اور رات سب کام کرتے ہیں۔ یہ فرق ہے تجھ میں اور مجھ میں تو صرف بد کام کرتا ہے۔ گندی جگہ رہتا ہے، انسانوں کا تو دشمن ہے۔ تیری

موجودگی انسان کے حق میں ایک زہر آلود چشم کے سوا کچھ نہیں تو مجسم بدی ہے تو انسانی قربت برداشت نہیں کرتا اسی لئے اس ویرانے میں رہتا ہے۔ تیری سمجھ میں فرق آ گیا۔''

''تو میرے گورو کا دشمن ہے تو میرا بھی دشمن ہے یہ بات میری سمجھ میں آ گئی ہے۔ مگر یاد رکھ میں گورو کلیان سوبھراج کا چیلا ہوں تو اس کو ویرانہ کہتا ہے یہ میرے بیروں سے آباد ہے۔ یہ بہت بڑا بیر منڈل ہے تیرا یہاں سے واپس جانا آسان نہیں ہے۔''

''میں واپس جاؤں گا مگر تیرے اس بیر منڈل کو ختم کرنے کے بعد۔'' میں نے کہا۔

''تو مجھے بڑا ہی بے وقوف لگتا ہے۔ ارے تو میری دیوار کے اندر ہے اور میرے بارے میں کچھ نہیں جانتا پھر باتیں بڑی بڑی کر رہا ہے ابھی رات پڑنے والی ہے میری حکومت جاگ پڑے گی کوئی ایسی بات کر جس سے تیری جان بچ جائے۔'' وہ بولا۔

''اچھا تو پھر تو ہی بتا میری جان کس طرح بچے گی۔''

''میں تو رو کو بتا دیتا ہوں۔ وہ جانیں اور تو جانے۔'' وہ غرور سے بولا۔

''تو دس دفعہ گورو کو بتا دے۔ تیرا گورو اور تو دونوں کا وقت پورا ہو گیا ہے۔ تیرا گورو اور تو مجھے نہیں جانتے مگر میں تم دونوں کو خوب جانتا ہوں۔ تمہارے پاس کیا ہے؟ ارواح خبیثہ بھوت پریت بیر بھیرو یہ سب کالے جادو کے کام ہیں یہ سب بے کار ہیں تم ان کے دھوکے میں ہو۔''

''تم کیا سمجھتے ہو ہم اتنے کمزور ہیں ہمارے اوپر بھی بھیروں کا ہاتھ ہوتا ہے۔ شنکھا کا ہاتھ ہوتا ہے ہم اتنے کمزور نہیں ہیں۔''

''تو پھر تیرا گورو اب تک مجھے تلاش نہیں کر سکا میں تیرے سامنے موجود ہوں مگر کون ہوں۔ کیا کر سکتا ہوں تو نہیں جانتا میں تیری شکتی کو خوب جانتا ہوں۔ اسی لئے تیرے وار بے کار ہیں اور میرے کار آمد تو ان کا توڑ نہیں کر سکتا میں کر سکتا ہوں۔ تیری کمزوری مجھے پتہ ہے میرے بارے میں تو کچھ نہیں جانتا اور پھر بات کرتا ہے مقابلے کی۔'' میں نے کہا۔

دھیان چند جوگی کچھ دیر خاموش رہا۔ مگر اکڑ پھر بھی نہ گئی بولا۔ ''میں موت کے کاغذ پر انگوٹھا لگا کر اس منڈی میں آیا ہوں۔ تجھے پتہ ہے۔''

''اچھا کیا کہ بتا دیا۔ تیری موت کی ذمہ داری تجھ پر ہی رہے گی۔ مگر مرنے سے پہلے یہ ضرور بتا دے کہ تو اس غریب کا گدھا کیوں چرا کر لایا تھا۔

''وہ صرف گدھا نہیں ہے۔'' دھیان چند جوگی بولا۔

''تو پھر کیا ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''وہ تین جنمی گدھا ہے ایسا جانور بڑی مشکل سے ملتا ہے۔'' وہ بولا۔

''تین جنمی یہ کس طرح تھا۔'' میں نے پوچھا۔

''جنگل میں کوئی گھوڑی (زیبروں) کے غول میں پھنس جائے تو وہ حمل سے ہو جاتی ہے اس کا بچہ جوان ہو کر کسی گدھے سے ملتا ہے اور پھر تین جنمی پیدا ہوتا ہے۔ ایسا جانور بڑی خوبیوں کا مالک ہوتا ہے۔ دوڑ میں گھوڑا، طاقت میں زیبرا اور محبت میں گدھا ہوتا ہے وہ مالک کے لئے جان دے دیتا ہے۔'' دھیان چند نے جواب دیا۔

''اس کا خون گوشت اور ہڈیاں تک ہمارے کام کی چیز ہے۔'' وہ بولا۔

''مگر اب تو وہ چلا گیا۔'' میں نے کہا

''وہ کہیں نہیں جا سکتا۔ میں نے اس کو باندھ دیا ہے۔'' وہ بولا۔

''مگر وہ رسیاں توڑ کر چلا گیا ہے۔'' میں نے کہا۔

''تو بکواس کرتا ہے۔'' اس نے یہ کہا اور زمین پر پیر مارا ایک مینڈک نما کیڑا برآمد ہوا اور انسانی آواز میں بولا۔

''وہ تین جنمی چلا گیا گورو۔''

''تو کیا مر گیا تھا۔'' دھیان چند جوگی غصہ سے

بولا۔

"میرے سر پر باز بیٹھ گیا تھا گورو۔"

"تو اس کو اڑا نہیں سکتا تھا۔" دھیان چند بولا۔

"وہ بہت بھاری تھا۔ گورو میں کیا کرتا۔"

"کیوں اس پر غصہ کرتے ہو تیرے سارے بیر بیکار ہیں ایک باز سب کو کھا جائے گا یہ سب مچھر کے برابر ہیں۔" میں نے کہا۔

"رات ہونے دے پھر بتاؤں گا۔" وہ غصے سے بولا۔

"رات آنے تک تو سارا کھیل ختم ہو جائے گا۔" میں نے کہا۔

"کھیل تو میں ختم کروں گا تیرے سارے دروازے بند کر دیئے ہیں میں نے۔" وہ بولا۔

"اور ان دروازوں پر مچھروں کا پہرہ لگا دیا ہے ارے مچھر تو ہوا کے جھونکے سے ہی اڑ جاتے ہیں ذرا مضبوط انتظام کرنا۔" میں نے کہا۔

"بہت بڑھیا انتظام کروں گا۔" وہ بولا۔

"تو بہت نادان ہے تم نے ان بھٹکتی آتماؤں کو قید کر کے سمجھ لیا کہ بہت بڑا کام تم نے کیا ہے اور یہ سمجھ رہے ہو یہ سب تمہاری وفادار ہیں۔ قید میں بری سے بری آتما بھی رہنا نہیں چاہتی تم خود کیا ہو ذرا اس پر غور کرو۔" میں نے کہا۔

"آتمائیں میری شکتی ہیں مورکھ۔ یہاں پر سینکڑوں آتمائیں میرے حکم پر چلتی ہیں۔" وہ بولا۔

"تو پھر ان سب کو بلاؤ اور حکم دو کہ مجھ پر حملہ کر دیں۔" میں نے کہا۔

"تھوڑا سمے کا انتظار کر رات سر پر کھڑی ہے پھر دیکھنا تماشا۔" وہ بولا۔

اور وقت گزر گیا سورج اپنا سفر ختم کر کے چلا گیا۔ اندھیرا اپنی کالی چادر اوڑھے آموجود ہوا میں چاہتا تو وہاں سے نکل سکتا تھا مگر میں نے ایسا نہیں کیا۔ میں ایک وقت میں اس کی ساری طاقت اور زمین کے اس خطے کو پاک کرنا چاہتا تھا۔ ہر طرف گہرا اندھیرا تھا۔ رات میں دھیان چند جوگی کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ وہ ایک ٹانگ پر کھڑا کچھ پڑھ رہا تھا اور آسمان پر ایک بادل کا ٹکڑا منڈلا رہا تھا۔ وہ بادل زمین سے زیادہ دور نہیں تھا۔ میرے دائیں طرف عقاب اور بائیں طرف سوتا الو موجود تھا۔ دونوں کو حکم دینے کی ضرورت نہیں تھی وہ خود حالات کے مطابق کام کرتے تھے۔ ان کو صرف میں دیکھ سکتا تھا۔

ٹھیک بارہ بجے جوگی نے دونوں پیر زمین پر رکھ لئے۔ اور بولا۔ "تو بھاگا نہیں۔" اور ہنس کر بولا۔ "بھاگے گا کیسے تیری لاتیں جو بیکار کر دی تھیں۔"

"خوش مت ہو زیادہ خوشی کسی کو راس آتی ہے۔" میں نے کہا۔

"میں نے سب احوال گرو کو بتا دیا ہے گرو آئے گا اور پھر کھیل شروع ہوگا۔" وہ بولا۔

"مگر میں گرو کا انتظار نہیں کروں گا میں نے رات ہونے کا انتظار اس لئے کیا ہے کہ تیری ساری فوج میرے سامنے آجائے اور اب میں دیکھ رہا ہوں کہ ہر پتھر کے نیچے سے ایک کیڑا نکل رہا ہے اور صف بندی کر رہا ہے تو حکم دے کہ وہ حملہ کریں اگر تو ایسا نہیں کرے گا تو میری فوج حملہ کر دے گی۔" میں نے کہا۔

"خوب ارے تیری فوج، یہ بیر کنڈل ہے یہاں پر کون اندر آئے گا تو خود اندر بند ہے بڑبولا کہیں کا۔" اور جوگی زور سے ہنس پڑا۔

"ٹھیک ہے نہیں مانتا تو پھر دیکھ۔" میں نے آسمان کی طرف دیکھا میرے ساتھ جوگی نے بھی اوپر دیکھا اور ہائے رام کہہ کر زمین پر بیٹھ گیا۔

"اب رام کو یاد کرتا ہے۔ تو نے اب تک سب کام رام کے حکم کے مطابق کئے ہیں۔"

جوگی خاموش رہا۔ اور بادل لمحوں میں زمین پر اتر آیا۔ وہ بادل بڑی بڑی ٹڈیوں کا بادل تھا۔ اس نے زمین پر جو تھا کھانا شروع کر دیا۔ کیڑے مکوڑے مینڈک مچھلیاں ایک شور تھا ہاہا کار تھی۔ کوئی رو رہا تھا کوئی ہنس رہا تھا۔ جوگی

کے چاروں طرف ٹڈیوں کے دل موجود تھے مگر جوگی محفوظ تھا چند منٹ اس کارروائی میں صرف ہوئے۔ سارے منتر کے بیر بھاگ گئے۔ اکیلا جوگی رہ گیا۔ بادل جس طرح آیا تھا اسی طرح اوپر چلا گیا۔ جوگی زمین پر پڑا حیران نظروں سے سب کچھ دیکھ رہا تھا اس کی زبان بند تھی۔

''تو نے دیکھا جوگی تیری ساری آتمائیں چلی گئیں تیرا ساتھ کسی نے نہیں دیا تیرے بیر مچھر کی طرح اڑ گئے۔ تو چند شعبدے سیکھ کر خود کو بہت بڑا جادوگر سمجھ رہا تھا۔ یہ دنیا ہے۔ تو کس طرح بچ گیا ذرا سوچ اگر نہیں سوچتا تو سن تیرا استاد آنے والا ہے اس کے سامنے تیرا اور اس کا فیصلہ ہوگا۔ تیرا نصیب اچھا ہوا تو بچ جائے گا اور اس کا اچھا ہوا تو وہ بچ جائے گا۔ اسی جگہ پڑا رہ اور غور کر آسمان سے کیا چیز آئی تھی اور ابھی گئی نہیں پھر آئے گی......'' جوگی کی آواز بند تھی۔ وہ بولنا چاہتا تھا مگر اس کے ہونٹ چپک گئے تھے۔ وہ بے بسی سے آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

اسی حالت میں ایک گھنٹہ گزرا ہوگا کہ ایک بھیانک آواز رات کے سناٹے کو چیرتی ہوئی ابھری۔ وہ آواز کسی انسان کی نہیں معلوم ہوتی تھی مگر تھی ایک انسان کی ہی۔ سمندر سے ایک بڑا لمبا چوڑا سایہ ابھر رہا تھا اور اس کے منہ سے بھیانک آوازیں نکل رہی تھیں۔ اس کے قدم اپنی جگہ ساکت تھے مگر پھر بھی تیزی سے وہ میری طرف آرہا تھا میں نے اس کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی۔

وہ بڑی تیزی سے آیا اور میرے سامنے آکر کھڑا ہوگیا۔ ہاں وہ کلیان سوبھراج ہی تھا مگر میں نے جس کلیان سوبھراج کو دیکھا تھا یہ وہ نہیں تھا اب یہ بہت خوفناک شکل اختیار کر گیا تھا۔

''دیکھ لے سوبھراج اچھی طرح دیکھ لے تیری تمنا پوری ہوگئی مجھے دیکھنے کی۔ تو مجھے تلاش نہیں کرسکا میں نے خود ہی تجھے بلا لیا۔'' میں نے کہا۔

''تو کون ہے رے ذرا یہ تو بتا۔''

''تیری شکتی کیا کہتی ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''تو اندھیرے میں ہے نظر نہیں آتا۔'' وہ بولا۔

''تو پھر تیری شکتی کس کام کی ہے تو نے مکھیوں کو ڈھونڈ لیا۔'' میں نے پوچھا۔

وہ خاموش رہا تو نے پھر کہا۔ ''مردہ آتماؤں کو جمع کرنا ان پر حکم چلانا کیا یہ بہت بڑی شکتی ہے۔''

وہ غصے سے بولا...... ''زیادہ مت بول۔ تو نہیں مانتا نہ مان ہماری شکتی۔ مگر میں تیری آتما کو بھی کسی کتے کے شریر میں قید کردوں گا اور تو ساری عمر کتا بنا رہے گا۔ تو کسی بھول میں مت رہنا میں بے کار نہیں پھرتا رہا ہوں۔ سیوا کی ہے میں نے دیوی دیوتاؤں کی۔''

''مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ راستہ اب بھی تیرا ٹھیک نہیں ہے۔ دیکھ یہ تیرا چیلا ہے۔''

میں نے جوگی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''یہ بھی تیرے راستے پر چل رہا تھا، تیرے سامنے موجود ہے اس سے پوچھ اس کی خیریت پتہ کر دیکھ یہ کیا جواب دیتا ہے۔''

کلیان نے بھرپور نظر جوگی پر ڈالی اور بہت جلد سمجھ لیا۔ وہ کچھ بدبداتا رہا اور زور سے حاکمانہ انداز میں بولا۔

''بول کیا بات ہے۔ جلدی بتا۔''

مگر جوگی خاموش رہا۔ اس کے ہونٹ چپکے رہے۔ کلیان سوبھراج نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور بولا۔ ''میں تیرا گرو ہوں جواب دے۔''

جوگی نے بڑی کوشش کی کہ ہونٹ کھل جائیں۔ اس کوشش میں اس کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ آنکھیں پھیل گئیں اور وہ بے حال ہوگیا۔ منہ سے عجیب عجیب کھرکھراتی آوازیں آتی رہیں مگر ایک بھی جامہ لفظ اس کے منہ سے نہیں نکلا۔ اب کلیان نے پینترا بدلا اور بولا۔

''منہ بند کردیا ہے تو نے اور کہتا ہے پوچھ لوں۔ اس کا منہ تو کھول۔''

''دروازہ بند میں نے کیا ہے تو اس دروازے کو کھول لے میں نے منع تو نہیں کیا۔'' میں نے کہا۔

''جو بند کرتا ہے وہی کھولتا ہے مجھے کیا پتہ چابی کون سی ہے۔'' وہ بولا۔

"تیری شکتی تیری چابی ہے۔ تو مان لے کہ تیری شکتی تجھے کچھ نہیں دے سکتی۔ مداریوں والے کھیل تماشے تجھے آتے ہیں۔ وہی تو کر کسی سڑک کے کنارے کھڑا ہو جا اور روٹی کما۔ کیوں بڑے کاموں میں ٹانگ ڈالتا ہے۔" میں نے مذاق اڑانے کو کہا۔

"بہت بول رہا ہے۔ مجھے یہ بتا دے تو کون ہے اور تیری شکتی کا کیا نام ہے۔ کہاں سے تو آیا ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں ہار مان لوں گا۔"

"یہ تیرا تیسرا روپ سامنے آیا ہے۔" میں نے کہا۔

"نہیں میں جو کہہ رہا ہوں کروں گا۔" وہ جلدی سے بولا۔

"تیرا علم تیری شکتی کی بنیاد جھوٹ، مکاری اور فریب پر ہے میں کسی جھوٹے پر اعتبار نہیں کرتا۔ تو اپنی شکتی کو آواز دے۔" میں نے کہا۔

"تو اس طرح مانے گا نہیں۔" وہ طیش میں آ کر بولا۔

"ہرگز نہیں مانوں گا۔" میں نے کہا۔

اس نے کھڑے کھڑے انگلی کے اشارے سے گول کنڈل اپنے چاروں طرف بنایا اور وہیں پر بیٹھ گیا۔ اور ایک انگلی اٹھا کر اس پر کوئی منتر پڑھتا رہا کچھ ہی دیر گزری تھی کہ ایک بہت بڑا بندر نمودار ہو گیا۔ اس بندر کا جسم انسانی تھا مگر شکل بندروں والی تھی اور ایک بہت موٹی دم بھی لٹک رہی تھی۔

وہ سوبھراج کے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔ سوتا الو اور عقاب دونوں ہوشیار تھے۔ سوبھراج نے دائیں سے بائیں ہاتھ گھمایا اور میری طرف اشارہ کیا۔

بندر کے کاندھے پر بہت موٹا ڈنڈا رکھا ہوا تھا۔ سوبھراج کا اشارہ پاتے ہی وہ پلٹا اور اچھل کر ہوا میں معلق ہو گیا اور چاروں طرف اپنا ڈنڈا گھمانا شروع کر دیا وہ اتنی تیزی سے اس موٹے ڈنڈے کو چکر دے رہا تھا کہ شرر شرر کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اور میری طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کی ساری توجہ میری طرف تھی۔ عقاب اس کے سر پر اس کی پہنچ سے دور اڑ رہا تھا۔ اور الو زمین پر موقعہ کی تاک میں موجود تھا۔ اندھیری رات میں یہ کھیل ہو رہا تھا۔ مگر جو کردار اس کھیل کے تھے ان کو سب کچھ خوب نظر آ رہا تھا۔ بندر آہستہ آہستہ مہارت کے ساتھ میرے قریب آ رہا تھا اور آسمان سے ایک بادل بھی زمین کی طرف اتر رہا تھا۔ اس کی طرف سوبھراج کا دھیان نہیں تھا۔ میں اپنی جگہ سے اب تک نہیں ہٹا تھا۔ سوبھراج حیرانی سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ سامنے بندر موت بن کر آ رہا ہے اور میں ستون کی طرح اپنی جگہ کھڑا ہوں۔

کچھ پابندیاں مجھ پر بھی ہیں میں اپنی جگہ کھڑا تھا یہ بھی میری مجبوری تھی۔ میں پیر کے پنجے کی زمین نہیں چھوڑ سکتا تھا اس سے میرے کارندے کمزور ہو جاتے اور بندر جو کہ جادو کا بہت قوی بیر تھا۔ سوبھراج نے اپنی بساط کے سب سے قوی مہرہ کی چال چلی تھی۔ وہ اب تک اپنی چال میں کامیاب بھی تھا۔ میرے کارندے اس کی بنوٹ کی وجہ سے دور تھے۔ بندر بڑی تیزی سے بھاری اور موٹے ڈنڈے کی بنوٹ گھما رہا تھا اور میرے قریب سے قریب ہوتا جا رہا تھا۔

وہ میرے بہت قریب آ گیا اگر میں یہ کہوں کہ اس ڈنڈے کی لمبائی سے دو چار انچ ہی دور تھا تو غلط نہ ہوگا۔ بندر کی آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی تھیں۔ بندر نے اپنی بنوٹ روک کر میری طرف دیکھا اس کا دہانہ کھلا اور بھاڑ سا منہ کھل گیا اور خوفناک دانت چمکنے لگے۔ یہ صرف لمحوں کا کھیل تھا۔ بندر نے ہاتھ روک کر مجھے دیکھا تھا اور یہی وہ لمحہ تھا جس کی تلاش میں عقاب اور الو دونوں تھے۔ اسی ایک لمحے میں دونوں نے اس پر حملہ کر دیا عقاب دونوں آنکھیں بیکار کر گیا اور الو نے اس کے کشادہ سینے میں روشن دان بنا دیا۔ اندھا ہونے کے بعد وہ ایک طرف دوڑ گیا اس کا موٹا ڈنڈا بھی پڑا رہ گیا۔ اپنے بڑے مہرے کو بیکار ہوتا دیکھ کر سوبھراج اس کو آوازیں دینے لگا اور دوسری غلطی جذبات میں کر بیٹھا یعنی کنڈل سے باہر آ گیا اس

کے باہر آتے ہی ٹڈیوں نے ایک منٹ میں اس کا صفایا کر دیا۔

یہ سارا کھیل بڑی جلدی ختم ہو گیا اور سارا تماشہ جوگی کے سامنے ہوا۔ اس کا منہ کھلا تھا۔ اور آنکھوں میں غیر یقینی کیفیت تھی۔ اس کا مہاشکتی کا مالک گورو ایک منٹ میں ٹڈیوں کا نوالہ بن گیا اور اتنا بڑا بیر بندر اندھا ہو کر بھاگ گیا۔ میں اس کے قریب گیا اور بولا۔ ”اور کوئی ہے تیرا دوست متر اس کو بھی آواز دے لے میں تجھے اس کی اجازت دیتا ہوں۔“

”نہیں میں کسی کو نہیں بلاؤں گا۔“ وہ بولا مگر بول کر خود حیران ہوا کہ اس کی آواز کھل گئی ہے۔

”کیوں نہیں بلائے گا۔“ میں نے پوچھا۔

”دیکھ لیا سب دھوکے ہیں۔ میری آنکھوں پر پردے پڑے تھے۔ آج وہ پردے تم نے ہٹا دیئے۔“

”تو نے ایک دفعہ اپنے پیدا کرنے والے کا نام لیا تھا۔ انسان کسی مذہب کا ہو اس کو کچھ نہ کچھ دین دار ہونا چاہئے۔ تو نے کچھ سمجھ لیا کہ نہیں۔“ میں نے پوچھا۔

”خوب سمجھ لیا مجھے معاف کر دو۔ مجھے وہ راستہ نظر آ رہا ہے جس کو میں چھوڑ بیٹھا تھا۔“ جوگی نے جواب دیا۔

”اگر میں معاف نہ کرتا تو، تو بھی ٹڈی دل کے پیٹ میں ہوتا۔ تیزی زبان کا ایک لفظ تجھے بچا گیا۔ صرف ایک نکتہ ہی اصل حیات ہے بڑے بڑے درویش اور قلندر اپنے آپ کو تیاگ کر بہت کچھ حاصل کرتے ہیں اپنی خواہشات کے آگے سر نہیں جھکاتے۔ اپنی خواہشات کا جو بھی غلام بن جاتا ہے جس راستے پر جانے کو منع کیا ہے اس پر جاتا ہے ایک حد مقرر ہے اس حد سے آگے نہیں جایا جاتا اور جو جاتا ہے اس کا حشر تیرے سامنے ہے اور اب تو آزاد ہے۔“ اور میں مڑ گیا۔ اس ٹیکری سے اتر کر وہاں آیا جہاں تم کو چھوڑا تھا مگر وہاں کوئی نہیں تھا۔“

”درست کہا تم نے۔“ میں نے رولو کا کی پوری روداد سننے کے بعد کہا۔

”تمہارے جانے کے بعد ایک گھنٹہ ہی گزرا تھا کہ کامو ایک طرف سے بھاگتا ہوا ٹیلے سے اترا۔ واجہ تو نظریں جمائے ہی بیتاب بیٹھا تھا۔ کامو کو دیکھ کر بے تابی سے اس کی طرف دوڑا کامو بھی اس کو دیکھ چکا تھا وہ کسی طرف نہیں گیا سیدھا واجہ کی طرف ہی آیا۔ واجہ اس سے لپٹ گیا کامو کی گردن سے لپٹ گیا کیسا انوکھا منظر تھا ایک انسان گدھے سے ایسی محبت کر رہا تھا کہ دیکھ کر رشک آتا تھا اور دونوں کی آنکھوں سے پانی بہہ رہا تھا۔ واجہ اس سے باتیں بھی کر رہا تھا۔

”اڑے کاموتم کدھر آ گیا اڑے۔ تم کو ہم لوگ کا خیال نہیں تھا ہم تو وری مر گیا تھا ابی تم کو کیا بولے چلو ڑے ٹیک ہے ابھی تم مل گیا ہے ابی سب ٹھیک ہے۔ اڑے ادھر سے گھر بہت دور ہے ہم تم کو گاڑی پر لے کر جائیں گا تم فکر مت کرو تم بھوکا ہوں گا۔ اڑے تم کتنا کمزور ہو گیا ہے فکر مت کرو، واجہ ابھی زندہ ہے تم واپس تگڑا ہو جائیں گا۔“ اور نہ معلوم کتنی جذباتی باتیں واجہ کامو سے کرتا رہا اور کامو خاموش کھڑا سنتا رہا ایسا لگتا تھا کہ کامو واجہ کی باتیں سمجھ رہا تھا پھر واجہ کامو کو لے کر گاڑی کے قریب آ گیا اور ڈرائیور سے بولا۔

”اڑے ڈرائیور یہ ہمارا کامو ہے ہم اس کے واسطے ہی ادھر آیا ہوں۔ ابھی یہ مل گیا ہے یہ بہت بھوکا ہے۔ اس کو بھی گاڑی میں لے کر جانے کا ہے۔“

ڈرائیور نے یہ فرمائش سن کر کہا۔ ”یہ بہت مشکل ہے وجہ اس کو اوپر کون چڑھائیں گا۔“

”اڑے ہم چڑھا تم فکر مت کرو۔“ واجہ نے کہا۔

”تم ایسا کرو ٹیلا سیلا دیکھو گاڑی اس کا ساتھ لگاؤ ہم ٹیلے سے اس کو گاڑی پر لائیں گا۔“ واجہ نے کہا۔

قریب ہی اس کو ایک ٹیلا بھی نظر آ گیا اور واجہ نے بڑی آسانی سے کامو کو جیپ کی پچھلی طرف سوار کرا لیا میں آگے ہی تھا واجہ کامو کو پکڑ کر پیچھے ہی بیٹھ گیا۔ اور گاڑی واپس روانہ ہو گئی۔ واجہ تو بھول گیا تھا کہ کامو کو لینے کوئی گیا تھا اس کا مقصد حاصل ہو گیا تھا یہی دنیا کا دستور ہے ہر شخص اپنی طرف دیکھتا ہے واجہ نے دنیا سے نرالی بات نہیں

کی تھی۔ مگر مجھے تمہاری فکر ضرور تھی نہ معلوم کیا حالات پیش آئے تم ان کو کس طرح سیدھا کرو گے مجھے امید تھی تم جلدی واپس میرے پاس آ جاؤ گے۔"

واجہ نے مجھے کینٹ اسٹیشن کے ہوٹل پر اتار دیا اور کامو کو لے کر لیاری چلا گیا۔ میں نے اپنی بات ختم کی تو رولو کا نے کہا۔

"واجہ آنے کا کہہ گیا ہے۔"

"ہاں وہ کل آئے گا۔" میں نے جواب دیا۔

دوسرے روز واجہ ہار پھول لے کر ہوٹل آ گیا۔ اس کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی تھے۔

وہ آتے ہی بولا۔ "ابی ہم کیا بولے اڑے تم نے ہمارا بہت بڑا کام کیا ہے۔ ہم لوگ بہت بڑا جشن کریں گا تم لوگ ہمارا بڑا مہمان ہوں گا ابی تم منع مت کرنا ہم لوگ کا دل ٹوٹ جائیں گا۔"

میں نے کہا۔ "اس کی ضرورت کیا ہے واجہ بے کار خرچا کرے گا۔"

"نہیں مائی باپ یہ ہمارا خوشی ہے ہمارا کامو واپس ہم کو ملا ہے اس سے بڑا خوشی اور کیا ہوں گا۔" واجہ نے کہا۔

"میری بات مانو گے واجہ۔" رولو کا نے پوچھا۔

"اڑے تمہارے واسطے جان بھی حاضر ہے کیوں نہیں مانیں گا۔" واجہ نے جواب دیا۔

"تم اس خوشی کے جشن پر کتنا روپیہ خرچ کرو گے۔" رولو کا نے پوچھا۔

"اڑے سب کامو کا ہے دو چار ہزار بھی خرچ ہوں گا تو کروں گا۔" وہ بولا۔

"تم دو ہزار روپے کسی غریب آدمی کو دے دو اس کا زندگی بدل جائے گا۔ اس کا روزی روٹی کا بندوبست ہو جائے گا یہ کام خاموشی سے کرو کسی کو پتہ نہیں چلنا چاہئے کہ تم نے اس کا مدد کیا ہے پھر دیکھو تم کو کتنا خوشی ملتا ہے یہ میرا تم کو مشورہ ہے تم مانتے ہو تو ٹھیک ہے نہیں مانتے تو تمہاری مرضی میں تمہارے جشن میں نہیں آؤں گا۔"

"اڑے واہ تمہارے واسطے جشن تھا تم نہیں تو جشن نہیں۔ تم جو بولا ہے وہ ہم کو بھی اچھا لگا ہے اڑے ہم مزدوری کرنے والا آدمی ہے عقل ہم لوگ سے دور ہے تم بولا تو اچھا ہے ہم وہی کریں گا جو تم لوگ کا مرضی ہے۔"

واجہ نے اور بھی خدمت کرنے کی کوشش کی مگر ہم نے انکار کر دیا اور واجہ چلا گیا۔ واجہ کے جانے کے بعد میں نے کہا۔ "تم نے انسان کی کسی جانور سے ایسی محبت دیکھی ہے کبھی۔"

"حکیم صاحب۔" رولو کا نے کہا۔ "محبت بذات خود ایک عجیب و غریب جذبہ ہے۔ یہ کسی سے کبھی بھی ابھر کر سامنے آ جاتا ہے۔ میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ ایک باز مرغی کے چوزوں کے ساتھ دانہ چگ رہا ہے۔ حیرت کی بات تو تھی مگر پتہ چلا کہ کسی طرح باز کا انڈا مرغی کے انڈوں میں شامل ہو گیا اور مرغی نے اس کی پرورش کی تھی۔ وہ مرغی کو ہی اپنی ماں خیال کرتا تھا اور دوسرے چوزوں کے ساتھ سکون سے رہتا تھا اور ماں کے ساتھ ساتھ پھرتا تھا۔ اس کو مرغی سے اپنی ماں جتنی محبت تھی۔ اس کی جبلت اور اڑنے کی صلاحیت تک وہ بھول گیا تھا۔ مرغی نے اس کو اتنا پیار دیا تھا۔ یہ محبت کا کارنامہ ہے۔ واجہ تو پھر ایک انسان ہے اور بے اولاد ہے۔ کامو نے اس کو فائدہ دیا ہے وہ کیوں نا اس سے محبت کرے گا۔"

"ٹھیک کہا تم نے۔" میں نے جواب دیا۔ "میں نے کہیں پڑھا ہے کہ دنیا کی ہر چیز ٹوٹ سکتی ہے اور ٹوٹ کر آدھی ہو سکتی ہے لیکن محبت کبھی نہیں ٹوٹتی کبھی نہیں مرتی اور نہ کبھی شیرینی کی طرح تھوڑی تھوڑی تقسیم ہوتی ہے۔ یہ جب بھی تقسیم ہوتی ہے تو پوری پوری تقسیم ہوتی ہے۔ اس کو توڑا تو جا ہی نہیں سکتا اگر ٹوٹ گئی تو پھر یہ محبت نہیں ہے آپ نے درست پڑھا ہے۔ مگر میرے خیال میں محبت کی کئی قسمیں ہیں۔ ایک محبت وہ ہے جو آدمی کسی بھی عورت سے کرتا ہے اور اس کے حصول کے لئے کوشش کرتا ہے ایک محبت وہ جو ایک عورت اپنی اولاد سے کرتی ہے۔ سب سے افضل اور سچی محبت یہی ہے کیونکہ وہ کسی بھی لالچ کے بغیر اولاد کی پرورش کرتی ہے یہی جذبہ جانوروں میں بھی

ہے مرد بھی اپنی اولاد سے محبت کرتا ہے ماں باپ کی محبت اولاد کے لئے ہے جو ہے وہی سچی محبت ہے کیونکہ اس میں کچھ پانے کی آرزو نہیں ہے۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''تمہارا خیال درست ہے۔ یہ بتاؤ اب کیا ارادہ ہے کراچی کے آگے تو سمندر ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''تو کیا ہوا سمندر سے سفر کریں گے۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''کیا کہنا چاہتے ہو صاف بتاؤ'' میں نے پوچھا۔

''ارے بھئی کسی جہاز کے ذریعہ بمبئی کا سفر کریں گے۔'' رولوکا نے کہا۔

''ہاں یہ ٹھیک ہے۔ ٹرین میں تو بہت سفر کر لیا اسٹیمر میں بھی سفر کر کے دیکھ لیں۔'' میں نے جواب دیا۔

''تو پھر کل بندرگاہ چلتے ہیں اور پتہ کرتے ہیں کوئی جہاز بمبئی کے لئے کب ملے گا۔''

دوسرے روز کیماڑی جا کر پتہ کیا تو پتہ چلا کہ ایک جہاز بندرگاہ پر موجود ہے اور وہ تین روز کے بعد جائے گا ہم نے دو ٹکٹ بنوا لئے اور واپس آ گئے۔

❄......❄......❄

زندگی میں پہلی دفعہ میں سمندر کا سفر کر رہا تھا وہ بھی ایک بہت بڑے جہاز میں۔ یہ جہاز کیا تھا ایک چھوٹا موٹا شہر۔ ہوٹل بازار ناچ گھر اور نہ جانے کیا کیا اس میں موجود تھا۔ ہمارا کمرا دوسری منزل پر تھا اوپر والا حصہ تفریحی حصہ تھا یہاں پر ناچ گانے ہوتے رہتے تھے۔ بھانت بھانت کے لوگ اس جہاز میں موجود تھے۔ ایک سے بڑھ کر ایک سورما اس میں موجود تھا۔ رات کو ایک جادوئی شو بھی ہوا کرتا تھا۔ ایک سیاہ فام جادوگر اپنے کمالات دکھایا کرتا تھا۔ مجھے نہیں پتہ تھا کہ اس جگہ کیا ہوتا ہے۔ بس اتفاق سے میں اور رولوکا اس جگہ پہنچ گئے۔ بڑی بڑی میزیں لگی ہوئی تھیں۔ لوگ بیٹھے تھے کچھ شراب پی رہے تھے کچھ کھانا کھا رہے تھے۔ بیرے دوڑ دوڑ کر کام کر رہے تھے ابھی شو شروع نہیں ہوا تھا ہم دونوں بھی ایک میز پر بیٹھ گئے۔ ہمارے بیٹھتے ہی بیرا موجود ہوا لازمی تھا کہ کچھ منگوایا جائے ہم نے دو لیمن جوس کا آرڈر دے دیا۔

کچھ دیر کے بعد شو شروع ہو گیا پہلے کچھ نیم عریاں لڑکیاں آئیں اور انہوں نے ایک عجیب قسم کا ناچ پیش کیا۔ میں نے رولوکا سے پوچھا۔ ''یہ کون سا ڈانس ہے۔''

رولوکا نے مسکرا کر کہا۔ ''یہ ڈانس امیزون کے علاقے کا ہے۔ یہاں پر انہوں نے صرف یہ تبدیلی کی ہے کہ کچھ کپڑے جسم پر پہن لئے ہیں۔''

لڑکیوں کے جانے کے بعد ایک بڑا لمبا چوڑا شخص آ گیا اس کا رنگ تانبے جیسا تھا بڑا بھاری گون جس کا رنگ کالا تھا پہن رکھا تھا۔ پہلے اس نے اپنا تعارف کرایا۔

''میرا نام پروفیسر گونا ماریو ہے اور میں امیزون کا رہنے والا ہوں۔ میرا جادو امیزون کا جادو ہے اس کی کاٹ پوری دنیا میں نہیں ہے میں روز یہ اعلان کرتا ہوں یہاں پر جو لوگ حاضر ہیں وہ سب جانتے ہیں۔ آپ کسی ایسی چیز کی فرمائش کریں جو جہاز پر نہ ملتی ہو میں آپ کو حاضر کر دوں گا۔'' اس کے بعد وہ اپنے شعبدے دکھانے لگا۔ رولوکا اور میں خاموش بیٹھے اس کا تماشہ دیکھتے رہے۔ کچھ دیر کے بعد اس نے پھر کہا۔ ''ہے کوئی میرا دوست جو کچھ طلب کرے۔''

رولوکا اچانک کھڑا ہو گیا۔ پروفیسر نے اس کی طرف دیکھا اور بولا۔ ''ہاں نوجوان بول تجھے کس چیز کی ضرورت ہے۔''

رولوکا نے کہا۔ ''امیزون تیرا دیس ہے تجھے پتہ ہے اس کے جنگلات میں ایک بہت اونچا درخت ہوتا ہے اس درخت کا نام برازیل نٹ ہے اس درخت میں ایک پھل لگتا ہے جو بہت وزنی ہوتا ہے مجھے وہ پھل درکار ہے۔''

پروفیسر نے بڑے غور سے رولوکا کی بات سنی ذرا سا پریشان ہوا پھر بولا۔ ''نوجوان تجھے اس پھل کی ضرورت اس جہاز پر کیا پڑ گئی۔''

رولوکا نے بڑے سکون سے جواب دیا۔ ''اس سے

تجھے کوئی غرض نہیں ہونی چاہئے مجھے ضرورت ہے تو نے بار بار پوچھا تو میں نے بتادیا نہیں لاسکتا تو بتادے میں اپنا مطالبہ واپس لے لوں گا۔"

"نہ لانے کی بات نہیں ہے مگر تیرا مطالبہ اتنی جلدی پورا نہیں ہوسکتا۔ کچھ وقت دینا ہوگا۔" پروفیسر نے کہا۔

"تجھے کتنا وقت درکار ہے۔" رولوکا نے پوچھا۔

"آج کی رات۔ کل شو ہوگا تو تیرا مطالبہ پورا کردوں گا۔" پروفیسر نے کہا۔

"ٹھیک ہے پروفیسر مجھے منظور ہے۔" رولوکا نے جواب دیا۔

اور ہم دونوں اٹھ کر اپنے کیبن میں آ گئے۔ کیبن میں آ کر میں نے رولوکا سے پوچھا۔ "یہ اچانک تم کو فرمائش کرنے کی کیا سوجھی۔"

"وہ بار بار پوچھ رہا تھا۔ اپنا رعب عوام پر ڈال رہا تھا۔ تم کو پتہ نہیں ہے وہ امیزون کا نہیں ہے اس نے امیزون کا نام سنا ہے شاید دیکھا بھی نہ ہو۔"

"تم نے کس طرح اس کو پہچان لیا۔" میں نے پوچھا۔

"دریائے امیزون کے کنارے بہت گھنے اور خطرناک جنگلات ہیں۔ یہ وہی دریا ہے جس کے بارے میں مشہور ہے کہ سونا اس میں بہہ کر آتا ہے۔ یہ دریا بھی دریائے نیل کی طرح ہے جس کے منہ کا پتہ نہیں ہے۔ بہت کوشش کی گئی ہے مگر پتہ نہیں چلتا کہ یہ کہاں سے شروع ہوا ہے اور کن کن راستوں سے بہہ کر آ رہا ہے۔ اس کے اطراف میں جنگلات ہیں اور نہ صرف عجیب عجیب جانور یہاں پر ہیں بلکہ حیرت انگیز درخت بھی یہاں پر ہیں ان ہی درختوں میں ایک درخت برازیل نٹ کے نام سے مشہور ہے یہ درخت بہت اونچا ہوتا ہے بلکہ یوں سمجھ لو کہ یہ سب درختوں سے زیادہ قد آور ہوتا ہے۔ اور سیدھا چلتا ہے اس کا تنا موٹا ہوتا رہتا ہے اور اتنا موٹا ہو جاتا ہے کہ کئی آدمی بھی مل کر اس کو اپنے ہاتھوں کے حلقے میں نہیں لے سکتے۔ یہ چھتری نما بنتا چلا جاتا ہے یہ اتنا اونچا ہو جاتا ہے کہ اس پر جانور بھی چڑھتے ہوئے ڈرتے ہیں، ڈرنے کی وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ اس پر ایک بہت بھاری پھل لگتا ہے یہ پھل بہت سخت اور ٹھوس ہوتا ہے وزن بھی بہت ہوتا ہے اور خود بخود ٹوٹ کر گرتا رہتا ہے اتنی اونچائی سے جب یہ وزنی پھل گرتا ہے تو توپ کے گولے کی مانند گرتا ہے جس پر گرتا ہے اس کا تو حشر نشر ہو جاتا ہے۔ اگر یہ جادوگر اس پھل کو لے آیا تو سمجھ لو یہ واقعی علم والا ہے۔" رولوکا نے بات ختم کی۔

"میں پوچھ رہا تھا تم نے کس طرح اس کو پہچان لیا کہ وہ امیزون کا نہیں ہے۔" میں نے پوچھا۔

"وہ انگریزی میں بات کر رہا تھا۔ مگر اس کا لہجہ وہاں کے باشندوں والا نہیں تھا۔ وہ لوگ صاف انگریزی بولتے ہیں کیونکہ امریکن اثرات بہت زیادہ ہیں۔ اگر وہ کل وہ پھل یا کوئی پھل لے آیا اور اس نے کہا یہی برازیل نٹ کا پھل ہے تو کیا کروگے۔" میں نے پھر پوچھا۔

"میں نے اس پھل کو دیکھا ہے اچھی طرح میں اس کی پہچان رکھتا ہوں۔ وہ پھل پتھر کی طرح سخت ہوتا ہے صرف آری سے اس کو کاٹ سکتے ہیں۔ جانوروں میں صرف چوہا ہی اس کو کاٹتا ہے اور اس کا مغز کھاتا ہے۔ باقی کسی بھی جانور کے لئے یہ پھل بے کار ہوتا ہے۔" رولوکا نے جواب دیا۔

دوسرے دن ہم نے کیبن میں ہی کھانا کھایا اور شو شروع ہونے سے پہلے ہی ہال میں آ گئے آج بھی تمام میزوں پر لوگ موجود تھے۔ کل کے انداز میں شو شروع ہوا۔ اور پروفیسر گونا ماریوا اپنے بھاری گون میں آ موجود ہوا۔ کل جو وعدہ اس نے کیا تھا وہ پورے ہال کے سامنے کیا تھا ہر کوئی منتظر تھا کہ پروفیسر اپنا وعدہ پورا کرتا ہے کہ نہیں اس نے دو چار شعبدے دکھائے وہ رولوکا اور مجھے دیکھ چکا تھا۔

اچانک وہ ہماری طرف آیا اور رولوکا کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "نوجوان تم وہ نہیں ہو جو نظر آتے ہو۔"

رولوکا اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا اور بولا۔ ''میں کیا نظر آتا ہوں کیا ہوں اس سے تمہاری ذات پر کیا فرق پڑتا ہے تم اپنا کام کرو۔''

''درست فرمایا آپ نے۔'' وہ ادب سے بولا۔

''تم صرف یہ بتاؤ تم میرا مطالبہ پورا کر سکے ہو کہ نہیں۔'' رولوکا نے کہا۔

''محترم دوست میں شرمندہ ہوں۔ میرا علم ناکام ہوگیا ہے۔ مگر میں یہ ضرور جان گیا ہوں کہ آپ کی حیثیت کیا ہے۔ مجھ سے اگر کوئی غلطی ہوگئی ہو تو میں معافی چاہتا ہوں۔'' وہ گردن جھکا کر بولا۔

''تم ایک شعبدے باز ہو خود کو اسی حد تک محدود کر کے رکھو بہت زیادہ اونچائی کی باتیں مت کرو اور خود کو امیزون کا مت کہو کیونکہ تم نے امیزون دیکھا بھی نہیں ہے۔ میں کون ہوں کیا نظر آتا ہوں اس چکر میں مت پڑو اگر پڑو گے تو نقصان اٹھاؤ گے جاؤ اپنا کام کرو زیادہ جستجو انسان کو کبھی بھی بہت بڑے نقصان سے دوچار کر دیتی ہے۔''

رولوکا نے میری طرف اشارہ کیا اور ہم دونوں ہال سے نکل آئے۔ پروفیسر سر جھکائے اپنی جگہ چلا گیا اور پورا پنڈال حیرت سے رولوکا اور مجھے دیکھتا رہا۔ ہم دونوں کیبن میں آ گئے۔ چند ہی منٹ گزرے تھے کہ جہاز کی انتظامیہ کے کچھ لوگ ہمارے کیبن میں آ گئے۔ ان میں سے ایک بولا وہ سب کا چیف نظر آتا تھا۔

''محترم ہمیں اندازہ نہیں تھا کہ آپ جیسی ہستی ہمارے ساتھ سفر کر رہی ہے اگر بھولے سے کوئی غلطی ہوگئی ہو تو ہم کو معاف کر دیں۔''

رولوکا نے جواب دیا۔ ''آپ فکر مند نہ ہوں ہم عام سے مسافر ہیں کوئی خاص بات ہم میں نہیں ہے آپ بلاوجہ ہی پریشان ہو رہے ہیں۔''

''نہیں ایسا نہیں ہے پروفیسر ایک حیرت انگیز صلاحیتوں کا مالک انسان ہے اس نے آپ کو تسلیم کر لیا کہ آپ بہت بڑی ہستی ہیں تو ہم کیا چیز ہیں۔'' آفیسر نے کہا۔

''پروفیسر اچھا آدمی ہے انسان کی سب سے بڑی اچھائی یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی کمزوری کو جانتا ہو اور اس کو چھپانے کی بجائے تسلیم کرتا ہو۔ پروفیسر نے اپنی کمزوری کو تسلیم کر لیا ہے۔ میری نظر میں وہ اچھا آدمی ہے۔'' رولوکا نے کہا۔

''حکم کریں ہم آپ کی کیا خدمت کر سکتے ہیں۔'' آفیسر نے پوچھا۔

''آپ کا عملہ بہت اچھا ہے اچھی سروس ہے ہم کو کسی چیز کی ضرورت ہوگی تو بتائیں گے۔'' اور آفیسر چلا گیا۔

مگر یہ سلسلہ رکا نہیں جو لوگ پروفیسر کے پروگرام میں موجود تھے وہ دیکھ چکے تھے کہ پروفیسر نے رولوکا کے سامنے اپنی شکست تسلیم کی ہے یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ کیونکہ پروفیسر ایک مانی ہوئی ہستی تھا سارے جہاز کا عملہ اور مسافر اس کو جانتے تھے اس نے بہت حیرت انگیز کام بھی دکھائے تھے وہ کیپٹن کا بہت گہرا دوست تھا سفر کے دوران کیپٹن کو وقت سے پہلے ہی بہت کچھ بتا دیا کرتا تھا اور وہ اکثر ٹھیک ہی ہوتا تھا کیپٹن اس کو بہت مانتا تھا۔ ایسا آدمی سب کے سامنے سرنگو ہوگیا تھا۔ سب کے سامنے وہ رولوکا کو بڑا تسلیم کر رہا تھا۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ لوگوں کا رولوکا کی طرف متوجہ ہونا حیرت کی بات نہیں تھی۔

آفیسر کے جانے کے بعد پروفیسر خود آ گیا۔ اب اس کا لباس کالی پینٹ اور سفید قمیض تھی۔ اس نے آتے ہی جھک کر رولوکا کو تعظیم دی اور کھڑا رہا۔

''آؤ پروفیسر، بیٹھو۔'' رولوکا نے کہا۔

وہ ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کی گردن جھکی ہوئی تھی۔

''کیسے آنا ہوا پروفیسر کچھ تو بولو۔'' رولوکا نے کہا۔

پروفیسر نے گردن اٹھا کر رولوکا کی طرف دیکھا پھر میری طرف دیکھا اور بولا...... ''یہ صاحب کون ہیں اور ان کا تعارف نہیں ہوا۔''

رولوکا ہنس پڑا اور بولا۔ ”کیا میرا تعارف تم نے حاصل کرلیا ہے کہیں سے۔“

پروفیسر کو اپنی غلطی کا احساس ہوگیا۔ پھر بولا۔

”آپ کے بارے میں کچھ اندازے میں نے لگائے ہیں مگر ان کے بارے میں تو کچھ پتہ ہی نہیں۔“

”تم نے میرے بارے میں کیا اندازے لگائے ہیں۔“ رولوکا نے پوچھا۔

”صرف یہ کہ آپ میری لائن کے ہی آدمی ہیں۔“ وہ بولا۔

”تم نے بالکل غلط اندازہ لگایا ہے میں تمہاری لائن کا آدمی ہرگز نہیں ہوں۔ میں جادوئی کھیل دکھا کر روزی نہیں کماتا اور یہ صاحب جو میرے ساتھ ہیں معالج ہیں اور اپنے فن کے ماہر ہیں۔ ہم کسی سونے چاندی کے لئے کام نہیں کرتے تم امیزون جارہے ہو صرف سونا تلاش کرنے مگر یاد رکھو تم کو وہاں پر سونا نہیں ملے گا۔ اگر عقل مند ہوتے تو میرا پہلا اشارہ ہی سمجھ جاتے۔ میں نے امیزون کے جنگلات کا ایک پھل مانگا تھا اور تم وہ حاصل نہ کرسکے حالانکہ وہ بے قیمت بے کار ہے مگر تم امیزون ہی نہ جاسکے دنیا میں صرف سونا ہی نہیں ہے اور بھی بہت کچھ ہے۔ تم ہو میں ہوں اور انسان ہیں۔ اور حسین خوبصورت چیزیں ہیں انسانوں کے مسکراتے چہرے ہیں۔ سونا چاندی کو انسان کھا نہیں سکتا۔ خوشی حاصل نہیں کرسکتا تم کس بھول میں ہو۔ اپنا ملک اپنا گھر چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے ہو سونا جمع کرنے صرف اس امید پر کہ تمہارے پاس کچھ علم ہے اس سے تم سونا بناؤ گے اس علم سے تم انسانوں کی خدمت کرو تم کو بہت زیادہ خوشی حاصل ہوگی اتنی خوشی تم کو سونا حاصل کرکے نہیں ہوگی۔ میری باتیں بڑی کڑوی ہیں، تم کو پہلی بار اچھی نہیں لگیں گی مگر ذرا ان پر غور کرنا پھر شاید تمہاری سمجھ میں آجائیں۔ تم میرے بارے میں کچھ نہیں جانتے نہ جان سکتے ہو مگر میں سب کچھ جانتا ہوں۔ تم سری لنکا کے رہنے والے ہو یہ دوسری بات ہے کہ نسل سے تم افریقہ کے ہو۔ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ امیزون کے لئے بہت کم ہے مگر انسانی زندگی گزارنے کو کافی ہے۔ میرے بارے میں سوال مت کرنا۔“

جہاز بمبئی کی بندرگاہ پر کھڑا ہوگیا۔ ہم بھی اترنے کی تیاریاں کرنے لگے۔ کیپٹن اور اس کے ساتھ دو تین آدمی آگئے۔ کیپٹن نے آتے ہی کہا

”محترم دوست آپ کو ہمارے ساتھ سفر کرکے کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی۔“

میں نے جواب دیا۔ ”آپ خوش اخلاق ہیں اور آپ کا عملہ بھی اچھا ہے۔“

کیپٹن رولوکا سے مخاطب ہوا۔ ”جناب آپ ہمارے ساتھ مزید سفر کریں تو آپ کو کوئی کرایہ وغیرہ نہیں دینا ہوگا اور تمام وی آئی پی سہولتیں آپ کو ملیں گی۔ ہمارا جہاز یورپ کی طرف جارہا ہے وہاں سے ہم پیرس جائیں گے اس کے بعد ہمارا آخری ٹھکانا نیویارک سٹی ہے آپ جہاں تک بھی سفر کریں مفت سفر کریں ہم یہ رعایت آپ جیسے لوگوں کو دیتے ہیں۔“

”مگر کیوں میرے ساتھ یہ رعایت کیوں کررہے ہیں۔“ رولوکا نے پوچھا۔

”ہم نے پروفیسر کو بھی یہ رعایت دی ہے اس کے ساتھ ساتھ اس کو ہم شو کرنے کا معاوضہ بھی دیتے ہیں مگر اس نے اب شو کرنے سے انکار کردیا ہے اس کا کہنا ہے کہ آپ کے سامنے وہ کیا دکھائے اس کا خیال ہے آپ اس سے بہتر کھیل جانتے ہیں اور بہتر کام کرسکتے ہیں۔“ کیپٹن آگے کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا کہ رولوکا نے ہاتھ اٹھا کر اس کو روک دیا اور کہا۔

”میں روڈ پر تماشے دکھانے والا مداری نہیں ہوں۔ پروفیسر کو کہنا، وہی یہ کام کرے، میری منزل آگئی ہے میں نے بمبئی کا ٹکٹ خریدا تھا۔“

”آپ ناراض نہ ہوں میری بھی یہ خواہش ہے کہ آپ آگے ہمارے ساتھ سفر کریں۔“

کیپٹن نے خوش آمدانہ انداز میں کہا۔ ”اور میں جس کام سے بمبئی آیا ہوں وہ کون کرے گا۔ آپ کی

پیش کش پر خلوص نہیں ہے تجارتی نقطہ نظر سے آپ کہہ رہے ہیں۔ مگر میں ایک انسان ہوں میری ضرورت جہاں ہوتی ہے جاتا ہوں میں پروفیسر نہیں کہ سونے کی چمک مجھے اپنی طرف راغب کر سکے۔ آپ پروفیسر کو کہہ دینا کہ وہ امیزون ضرور جائے۔''

رولو کا خاموش ہوا تو کیپٹن نے حیرت سے چونک کر پوچھا۔ ''پروفیسر امیزون جا رہا ہے۔''

رولو کا نے جواب دیا۔ ''ہاں اس کی آخری منزل وہی ہے۔''

''مگر اس نے مجھ سے تو کہا ہے کہ نیویارک میں اس کو پیش کش ہوئی ہے۔'' کیپٹن نے کہا۔

''اس نے تم سے کچھ بھی کہا ہو مگر حقیقت وہی ہے جو میں نے کہا ہے۔''

''اس کا مطلب ہے کہ پروفیسر مجھے بھی کراس کر رہا ہے۔'' کیپٹن بولا۔

''وہ سب کو کراس کرے گا اور آخر میں خود کو بھی کراس کر جائے گا۔'' رولو کا نے کہا۔

''مگر کیوں؟ وہ ایسا کیوں کرے گا؟'' کیپٹن بولا۔

''تم نے کبھی سونا دیکھا ہے کیپٹن؟'' رولو کا نے پوچھا۔

''ہاں بہت دیکھا ہے۔'' کیپٹن بولا۔

''دوکانوں پر سجا ہوا عورتوں کے جسموں پر سجا ہوا دیکھا ہوگا یہ بتاؤ زمین پر بکھرا ہوا پتھروں کی طرح زمین پر پڑا ہوا دیکھا ہے۔'' رولو کا نے پوچھا۔

''نہیں کیا ایسا سونا ہے اور اگر ہے تو کہاں مجھے بتاؤ۔'' کیپٹن جلدی سے بولا......

''تمہاری آنکھوں میں بھی لالچ کی چمک پیدا ہو گئی تم میں اور پروفیسر میں ذرا فرق نہیں ہے میں اگر بتا بھی دوں تو بھی تم لوگ اس مقام تک نہیں جا پاؤ گے، سونا دنیا کی مہنگی ترین دھات ہے مگر ایک مقام اسی دنیا میں ایسا بھی ہے جہاں پر اس کی کوئی قیمت نہیں ہے تم جیسے لوگ ہر دور میں پیدا ہوتے رہے ہیں مگر اس مقام تک نہیں جا پائے۔ تم دونوں بھی کوشش کرو گے میں جانتا ہوں باز نہیں آؤ گے۔ مگر کامیابی نہیں ہوگی یہ میں نہیں کہہ رہا ہوں ایسا ہی ہوتا آ رہا ہے اب تم جاؤ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ انسان کو سونے کی چمک اندھا کر دیتی ہے میں نے کوشش کی ہے کہ تم اندھے نہ بنو اور محنت سے جو کماتے ہو اس پر ہی گزارہ کرو اور خوش رہو آگے تم جو کرو گے وہی بھرو گے۔''

کیپٹن اور اس کے آدمی مایوسی سے چلے گئے تو میں نے پوچھا۔ ''کیا ان دونوں کا گٹھ جوڑ ہو گیا ہے۔''

''ہاں یہ دونوں ہی سونے کے لالچی ہیں۔''

''تم کیوں ان کو روکنا چاہتے ہو۔'' میں نے پوچھا۔

''یہ لوگ جب امیزون جاتے ہیں تو ان کے پاس بارود اور آتشی اسلحہ کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا سونا ان کو اندھا بہرہ بنا دیتا ہے ان کے اندر کے انسان کو ہلاک کر دیتا ہے یہ ظلم اور بربریت کا ایسا گھناؤنا بازار گرم کرتے ہیں کہ شیطان بھی شرمندہ ہو جاتا ہوگا اس لئے میں نہیں چاہتا کہ یہ لوگ اس طرف جائیں۔'' رولو کا نے جواب دیا۔

''تو پھر ایسا کرتے ہیں ان کو ہندوستان میں روک لیتے ہیں۔'' میں نے کہا

''ایسا تو ہو سکتا ہے مگر وہ ایک عارضی کام ہوگا کیونکہ پروفیسر اتنا اناڑی نہیں ہے وہ سمجھ جائے گا۔'' رولو کا نے جواب دیا۔

''مگر روکنا بھی ضروری ہے مستقل کام بعد میں کرتے رہیں گے۔'' میں نے کہا۔

''ٹھیک ہے ایسا ہی کرتے ہیں۔'' رولو کا نے جواب دیا۔

''پروگرام کیا ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''انجن میں خرابیاں پیدا کرنا مشکل کام نہیں ہے۔'' رولو کا نے کہا۔

''ٹھیک ہے تو آؤ پھر، رہنے کا ٹھکانا کرتے ہیں۔ مگر اب تم ملازم کے روپ میں نہیں رہو گے مجھے یہ کچھ اچھا نہیں لگتا۔'' میں نے کہا۔

’’تم کو جو روپ پسند ہو وہ بتا دو حکیم صاحب۔‘‘

رولو کا مسکرا کر بولا۔

’’میں حکیم اور تم بھی حکیم دونوں برابر ہیں گئے۔‘‘ میں نے ہنس کر کہا۔

’’میں کون سا حکیم ہوں۔‘‘ رولو کا بولا۔

’’تم حکیم کامل خان ہو۔‘‘ میں نے جواب دیا۔

’’کیا نام پہلے سے سوچا ہوا تھا۔‘‘ رولو کا نے پوچھا۔

’’نہیں سوچا نہیں تھا تمہاری شخصیت کے اعتبار سے ذہن میں بھی آ گیا تھا۔‘‘ میں نے جواب دیا۔

’’اب تو کچھ عرصہ بمبئی میں رکنا پڑے گا ایسا لگتا ہے۔‘‘ رولو کا نے کہا۔

’’وہ تو ہے۔‘‘ میں نے جواب دیا۔

’’تم نے بمبئی شہر دیکھا ہے۔‘‘ رولو کا نے پوچھا۔

’’میں پہلی دفعہ آیا ہوں۔‘‘ میں نے جواب دیا اور ہم دونوں اس شہر میں داخل ہو گئے۔ بمبئی سینٹرل اسٹیشن کے قریب ہی ایک ہوٹل میں کمرہ حاصل کر لیا، کمرے میں آتے ہی رولو کا نے کہا۔ ’’میں ایک کام کر کے آتا ہوں تم آرام کرو۔‘‘ اور وہ چلا گیا۔

دو گھنٹہ کے بعد واپس آ گیا اور بولا۔ ’’ایک مہینہ کے لئے تو جہاز بک ہو گیا۔‘‘

’’ہوا کیا ہے صاف صاف بتاؤ۔‘‘ میں نے پوچھا۔

’’انجن کی کرین شافٹ کریک ہو گئی ہے اس کو نکالنا اور پھر دوبارہ لگانا ایک ماہ تو لگے گا۔‘‘ رولو کا نے جواب دیا۔

’’تم اتنی جلدی یہ کام کر آئے۔‘‘ میں نے کہا۔

’’دنیا میں رب کائنات نے جتنی دھاتیں بنائی ہیں ان سب کا توڑ بھی بتایا ہے۔ ایک دھات دوسری دھات سے مل کر کیا بن جاتی ہے اور ایک نئی دھات کی شکل میں ہمارے سامنے آ جاتی ہے۔ اسی طرح ہر دھات کی کچھ کمزوریاں بھی ہیں سخت لوہا بھی نرم ہو جاتا ہے۔ اور کمزور بھی پڑ جاتا ہے اور ذرا سے زور لگانے پر آسانی سے ٹوٹ جاتا ہے۔ میرے سبق میں یہ بھی شامل تھا۔ کبھی آزمایا نہیں تھا موقعہ ملا تو آزما لیا اور اس کو حقیقت پایا۔ بزرگوں کی باتوں کو یاد رکھنا کتنا مفید ہے تم خود اس کا اندازہ کر سکتے ہو۔‘‘

انسان پیدا ہوتا ہے تو اس کا رشتہ انسانوں سے جڑ جاتا ہے سب سے معتبر اور قریبی رشتہ اس کا اس کی ماں سے ہوتا ہے اس کے بعد باپ کا نمبر آتا ہے اور پھر بہت لوگ اس مالا میں پروئے ہوئے سامنے آتے ہیں۔ ان کا رتبہ اور احترام بھی اس کو بتایا جاتا ہے مگر ایک بہت ہی قریبی رشتہ ایسا بھی ہوتا ہے جس کے بارے میں کوئی اس کو نہیں بتاتا اور وہ خود بھی اس پر غور نہیں کرتا مگر وہ رشتہ اس قدر پائیدار ہوتا ہے کہ مرتے دم تک اس سے قائم رہتا ہے اور وہ رشتہ ہوتا ہے مٹی کا رشتہ۔ انسان دنیا کے حسین سے حسین مقام پر چلا جائے مگر وہ اپنی جنم بھومی کو نہیں بھولتا وہ پلٹ کر پھر اسی مقام آنا چاہتا ہے جب تک وہ اپنی جنم بھومی میں رہتا ہے اس وقت تک اس کو احساس نہیں ہوتا مگر جب وہ اس سے دور ہو جاتا ہے تو پھر اس کو یاد کرتا ہے ایسا کیوں ہے اس کی کیا وجہ ہے اس کا جواب آج تک کوئی نہیں دے سکا اور شاید آئندہ بھی اس کا جواب کوئی نہیں دے گا۔

رولو کا اگر افریقہ کو یاد کرتا تھا تو یہ قدرتی بات تھی۔ میں سہارنپور کو یاد کرتا ہوں تو یہ میرا فطری فعل ہے ہم دونوں اپنی اپنی جگہ درست ہیں ہماری یہ محبت قدرتی ہے۔ غیر ارادی ہے اسی طرح انسان کے ساتھ جو واقعات و حادثات پیش آتے ہیں وہ اچانک سامنے آتے ہیں آدمی سوچتا کچھ ہے اور ہوتا کچھ ہے اس کو تقدیر کا لکھا سمجھ کر وہ برداشت کرتا ہے اور مقابلہ کرتا ہے۔ ہمارا بمبئی میں قیام صرف اس لئے تھا کہ جہاز کو روکنا تھا مگر اس کے ساتھ اور کام بھی نکل آئے۔ ہم جس ہوٹل میں رہتے تھے وہ ہندو ہوٹل تھا ہم وہاں پر کھانا نہیں کھاتے تھے۔ بمبئی بہت بڑا شہر ہے بڑی تعداد میں مسلمان بھی ہیں اور ان کے ہوٹل بھی ہیں۔ بہرام نگر میں دو تین مسلمانوں کے اچھے ہوٹل ہیں ہم وہیں پر کھانا کھایا کرتے تھے اچھا بڑا ہوٹل تھا ہم

روز جاتے تھے اس لئے مالک ہم کو پہچان گیا تھا۔ روزانہ اس سے سلام دعا ہوتی تھی اچھا ہنس مکھ آدمی تھا رہنے والا تو وہ اندور کا تھا مگر کافی عرصہ سے بمبئی میں تھا اور ہوٹل چلا رہا تھا۔ پکی عمر کا آدمی تھا مگر لگتا نہیں تھا اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ وہ خوش رہتا تھا ہنستا رہتا تھا اور دوسروں کو بھی ہنساتا رہتا تھا مگر ایک دن میں نے دیکھا وہ بڑا اداس بیٹھا تھا۔ اکثر ہم میز پر بیٹھ جاتے تھے تو وہ کاؤنٹر سے اتر کر ہمارے پاس آ جاتا اور خیر خیریت دریافت کرتا تھا۔

مگر آج ایسا نہ ہوا میں نے دیکھا اس کا چہرہ کسی اندرونی کرب سے مرجھایا ہوا تھا اور وہ مشینی انداز میں اپنا کام کر رہا تھا اس کی شوخی اور ظرافت کا دور دور پتہ نہیں تھا۔ میں نے رولوکا کو اشارہ کیا تو وہ بولا۔

"میں نے دیکھ لیا ہے سخت پریشان ہے۔"

"پہلے کھانا کھاتے ہیں اس کے بعد پتہ کرتے ہیں۔" میں نے کہا۔

کھانے کے بعد میں اس کے پاس گیا اور کہا۔

"کیا بات ہے سیٹھ آج باغ میں کوئل نہیں بول رہی بڑا سونا سونا لگ رہا ہے۔" اس نے اداس نظروں سے میری طرف دیکھا غم کے بادل اس کے چہرے پر امڈ آئے۔ ہونٹ ہلے ضرور مگر آواز نہ نکلی میں نے اندازہ کر لیا کہ زخم بہت گہرا ہے۔

میں نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا۔

"دیکھو سیٹھ دکھ تکلیف انسانی زندگی کے ساتھ ہیں انسان اس سے مقابلہ کرتا ہے گھبرا کر ناامید ہو کر بیٹھ نہیں جاتا تم کو جو پریشانی ہے مجھے بتاؤ میں حکیم ہوں۔ دلی میں مطب کرتا ہوں شاید تمہارے دکھ کا علاج کر سکوں۔"

"سب سے بڑا پریشانی یہی ہے کہ ہم اپنا پریشانی کسی کو بتا نہیں سکتا اگر بتائے گا تو بڑا نقصان ہو جائے گا اور اب بولو ہم کیا کرے۔"

"تم فکر نہ کرو تمہارا کوئی نقصان نہیں ہوگا تم اپنا نام بتاؤ تعارف کراؤ اللہ بہتر کرے گا۔" میں نے کہا۔

"ہمارا نام عبدالشکور ہے سب لوگ ہم کو شکور بھائی بولتے ہیں۔"

"اب بتاؤ شکور بھائی کہ تم کیوں پریشان ہو؟"

"ہم کیا بتائے وہ ہم کو بولا ہے کہ کسی کو مت بتانا بتایا تو بیٹا گیا۔" وہ خوف زدہ آواز میں بولا۔

"تم کو کسی نے ڈرایا ہے۔ میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ تمہارا کچھ نہیں ہوگا تم ہمت کرو اور پوری بات بتاؤ میرے ساتھ جو میرا دوست ہے اس کے سامنے سب بتاؤ۔ یہاں پر کسی کو چھوڑو اور کسی سکون کی جگہ بیٹھ کر بتاؤ میں اپنے دوست کو بلاتا ہوں۔" میں نے رولوکا کو اشارہ کیا۔ وہ بھی کاؤنٹر کے پاس آ کھڑا ہوا۔ شکور بھائی نے رولوکا کی طرف دیکھا تو کاؤنٹر سے اتر آیا ایک آدمی کو اشارہ کیا وہ کاؤنٹر پر بیٹھ گیا شکور بھائی نے کہا۔ آپ لوگ میرے ساتھ آئیں۔ مین گیٹ کے برابر ہی ایک زینہ اوپر جاتا تھا وہ اس پر چڑھنے لگا۔ ہم دونوں بھی اس کے ساتھ چڑھتے گئے پہلی منزل پر ہی دروازے کا اس نے تالا کھولا اور بولا۔

"آؤ بھائی اندر آ جاؤ۔" اور اس نے کمرے کی بتیاں روشن کر دیں۔

"یہ اپنا آرام کرنے کا کمرہ ہے ادھر ہوٹل میں دیر ہو جاتی ہے تو ادھر ہی سو جاتا ہوں۔ کمرے میں ایک پلنگ پڑا تھا اور ایک آرام دہ صوفہ پڑا تھا۔ ہم لوگ صوفے پر بیٹھ گئے وہ پلنگ پر پیر لٹکا کر بیٹھ گیا تو میں نے کہا۔

"اب بتاؤ تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہے؟"

"دیکھو بھائی ہم کو وہ حرامی جادوگر بولا ہے کہ کسی کو کچھ بھی بتائے گا تو چھوکرا مر جائے گا۔ اب تم بولو میں کیسا کچھ بتا سکتا ہوں بولوں تو مصیبت نہ بولوں تو مصیبت اب بولو میں کیا کروں شکور بھائی ڈرتے ڈرتے بولا۔

"اچھا تم کچھ نہ بتاؤ۔ ہم خود پتہ کرتے ہیں۔" رولوکا نے کہا۔

"ہاں یہ بات ٹھیک ہے۔" وہ اطمینان سے بولا۔

"تم اپنے گھر کا پتہ تو دے سکتے ہو یا مجھے ساتھ لے جا سکتے ہو۔" رولوکا نے کہا۔

''ہاں تم میرے ساتھ چلو۔'' وہ بولا۔

''تمہارا لڑکا وہیں پر ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''ہاں وہیں پر ہے۔ جے جے اسپتال میں رکھا تھا ان لوگوں نے جواب دیا ہے۔''

''تو پھر جلدی کرو۔'' رولوکا نے کہا اور کھڑا ہو گیا۔

ہم تینوں سڑک پر آ گئے اور ٹیکسی پکڑ کر محمد علی روڈ کی طرف روانہ ہوئے جہاں پر شکور کا گھر تھا کچھ ہی دیر میں ہم ایک بلڈنگ کے سامنے کھڑے تھے۔ دوسری منزل پر شکور بھائی کا فلیٹ تھا اس نے آواز دی تو ایک عورت نے دروازہ کھولا۔

''تم دوسرے کمرے میں جاؤ۔'' ایک منٹ کے بعد ہی وہ بولا۔ ''آیئے حکیم صاحب بچہ اسی کمرے میں ہے۔'' یہ ایک کشادہ کمرہ تھا ایک طرف ایک پلنگ پر ایک نوجوان لڑکا لیٹا تھا اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں مگر وہ کسی سمت نہیں دیکھ رہا تھا۔ بس خلاؤں میں کسی چیز کو دیکھے جا رہا تھا۔ رولوکا اس کے سرہانے کھڑا ہو گیا میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کی نبض پر انگلیاں ٹکا دیں نبض ٹھیک تھی دل کی حالت کا جائزہ لیا وہ بھی ٹھیک تھی۔ رولوکا نے مجھے اشارہ کیا اور میں اس سے دور ہو گیا شکور بھائی بھی دور ہو گیا۔ پورے دس منٹ رولوکا اس کے سرہانے خاموش کھڑا رہا اس کے بعد بولا۔

''اب بہت ہوا باہر آ جا نہیں آئے گا تو پکڑ کر نکال دوں گا۔''

مگر کچھ نہ ہوا رولوکا پھر بولا۔ ''آ جا پھر کہتا ہوں سزا نہیں دوں گا ضد کرے گا تو مارا جائے گا۔'' چند منٹ گزرے تھے کہ لڑکے کی آنکھیں بند ہونے لگیں اور اس نے کروٹ بدلی اور اس کے تلوؤں سے ایک سفید رنگ کا دھواں خارج ہونے لگا۔ رولوکا نے اپنا ایک ہاتھ اوپر اٹھایا اور دھواں ایک کونے میں جمع ہو گیا۔ زیادہ سے زیادہ دس منٹ گزرے تھے کہ دھواں نکلنا بند ہو گیا اور لڑکا اٹھ کر بیٹھ گیا اور حیران نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ میں نے اشارے سے اس کو خاموش رہنے کا کہا۔ وہ سارا دھواں ایک کونے میں ایک انسانی پیکر میں ڈھل گیا تھا مگر اس پیکر کی کوئی شکل نہیں تھی۔ تھا وہ دھواں ہی۔

رولوکا کی آواز کمرے میں گونجی۔ ''تو کون ہے اور تیرا گورو کون ہے۔'' دھوئیں کا پیکر خاموش تھا میں تو خیر ایسی باتوں کا رولوکا کے ساتھ رہ کر عادی ہو گیا تھا مگر شکور بھائی اور اس کا لڑکا حیرت کی تصویر بنے ہوئے تھے۔ ''دوسری بار پوچھتا ہوں نہیں بتائے گا تو قید کر دوں گا......'' رولوکا نے گرج کر کہا۔

''بتاتا ہوں بتاتا ہوں۔'' دھواں سے ایک کھرکھراتی آواز آئی۔

''جلدی بتا میں زیادہ انتظار نہیں کروں گا۔'' رولوکا نے کہا۔

''ہم وہ ہیں جن کو پانے کی خاطر آدمی گیارہ زندہ آدمیوں کا خون کرتا ہے۔ زمین سے ڈھائی سو کوس اوپر ہمارا دھیان کرتا ہے اور ان گیارہ کا خون ہماری نذر کرتا ہے ہمارا کوئی شریر نہیں ہمارا کوئی رشتہ ناطہ کسی سے نہیں۔ ہر پورن ماشی پر ہمیں تازہ خون چاہئے جو یہ سب کرے گا اس کا ہم سب کام کریں گے۔'' وہ خاموش ہوا تو رولوکا نے پھر پوچھا۔

''تیرا نام کیا ہے اور تو کہاں رہتا ہے۔''

''ہمارا نام تو نرگھٹ ہے مگر ہمارا نام کوئی نہیں لیتا کیونکہ جس نے ہمارا نام لیا ہم اس کے دروازے پر پہنچ جاتے ہیں اور بغیر بھینٹ لئے واپس نہیں آتے۔ ہم بھیروں کے بیر ہیں اس کے ایک سو اکہتر بیر ہیں اس میں ہمارا نمبر دوسرا ہے یاد رکھ تو ہم سے ٹکرائے گا تو تیری ایک بوٹی بھی ہمارے حصہ میں نہیں آئے گی اور تیری آتما کو بھی قید کر لیا جائے گا۔ مجھے جانے دے میں باہر آ گیا ہوں۔ مگر میری شکتی تو میرے پاس ہے۔'' اس کی آواز خوفناک ہو رہی تھی اور آواز کے صوتی اثرات نہایت ناگوار تھے۔

''زیادہ لمبی کہانی مت سنا یہ بتا اگر تیری شکتی تیرے پاس تھی تو باہر کیوں نکل آیا۔ اپنی شکتی کے زور پر اندر ہی رہتا۔ جیسا کہ تجھے حکم دیا گیا تھا۔''

"اندر میرا دل گھبرا رہا تھا اس لئے نکل آیا۔" وہ بولا۔

"یہ نہیں کہتا کہ جوتے مار کر نکالا گیا ہے اب بھی جھوٹ بول رہا ہے۔" رولوکا نے مسکرا کر کہا۔

"میں جا رہا ہوں پھر آؤں گا اور اس چھوکرے کو لے کر ہی جاؤں گا۔" وہ بولا۔

"اگر جا سکتا ہے تو چلا جا۔" رولوکا نے جواب دیا۔

دھواں نے دروازے کا رخ کر لیا مگر پھر واپس کھڑکی کی طرف چلا اور پھر پورے کمرے میں گردش کرتا رہا پھر اسی کونے میں جم گیا۔

"کر لی کوشش تو اپنی مرضی سے یا تیرے گورو کی مرضی سے آیا تھا۔ مگر جائے گا میری مرضی سے میں اگر چاہوں تو تجھ کو قید بھی کر سکتا ہوں مگر میں ایسا نہیں کروں گا کیونکہ تیرے قید ہوتے ہی تیرا گورو ہوشیار ہو جائے گا اور اگر سمجھدار ہوا تو بھاگ جائے گا اور تیری طرح ہوا تو مارا جائے گا۔ تیری کوئی شکتی اس کمرے میں کام نہیں آئے گی تو اسی کمرے میں قید رہے اور یہی کونا تیرا ٹھکانا ہے تو صرف ایک دھواں ہے اور دھواں بھی اپلے کا دھواں۔" یہ کہہ کر رولوکا نے مجھے اشارہ کیا شکور بھائی اور اس کے لڑکے کو اشارہ کیا اور ہم سب کمرے سے باہر نکل آئے۔ رولوکا نے دروازہ بند کر دیا اور کہا اس میں تالا ڈال دو۔ دوسری طرف جو دروازہ ہے اس پر بھی تالہ ڈال دو۔ شکور بھائی دوسرے دروازے سے اندر گئے اور دو تالے لے آئے۔

رولوکا نے کہا۔ "شکور بھائی لگا دو تالا۔" شکور بھائی نے دروازے پر تالا لگا دیا اور دور ہٹ گئے۔ رولوکا نے تالا پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور اپنی زبان میں چند الفاظ ادا کئے جو کہ میری بھی سمجھ میں نہیں آئے۔ اس کے بعد رولوکا نے کہا۔

"آؤ دوسرے دروازے پر تالا ڈال دو۔" وہاں پر بھی رولوکا نے پہلا والا عمل دہرایا اور سب لوگ دوسرے دروازے سے گھر کے اندر چلے گئے۔ اتنی کارروائی ہو گئی تھی مگر لڑکے کے چہرے پر اب تک خوف کے سائے لہرا رہے تھے اور زبان بند تھی۔ وہ خوف زدہ نظروں سے رولوکا اور مجھے دیکھ رہا تھا۔ کچھ پوچھنا چاہ رہا تھا کچھ کہنا چاہ رہا تھا مگر آواز نہیں نکل رہی تھی۔ اس کی یہ کیفیت صرف میں نے ہی نہیں محسوس کی تھی بلکہ رولوکا بھی جان گیا تھا۔

جب سب لوگ بیٹھ گئے تو میں نے ماحول کی کشیدگی کم کرنے کو کہا۔ "لو شکور بھائی تمہارا بچہ تو ٹھیک ہو گیا ایک مرحلہ تو طے ہوا اب تم اچھی سی چائے پلوا دو۔" شکوہ بھائی جیسے نیند سے بیدار ہوا چونک کر بولا۔

"ضرور ضرور ابھی بنواتا ہوں۔" اور اندر دوڑ گیا اور چند ہی منٹ کے بعد واپس آ کر لڑکے کو کہا۔ "جا تیری ماں بلاتی ہے۔" لڑکا اٹھا اور اندر چلا گیا اور جب واپس آیا تو ایک بڑی سی ٹرے اٹھائے ہوئے تھا اس میں کھانے کا سامان تھا اور بڑی سی کیتلی چائے کی بھری رکھی تھی۔ شکور بھائی نے پکڑ کر اس کو میز پر رکھ دیا اور دونوں نے اس میز کو ہمارے سامنے کر دیا۔ اور پھر شکور بھائی نے کہا۔

"میں شرمندہ ہوں حکیم صاحب کہ آپ کو خود چائے کا کہنا پڑا مجھے یہ دھیان کیوں نہیں آیا۔"

"اس لئے نہیں آیا کہ تم نے زندگی میں کبھی جو نہیں دیکھا تھا دیکھ رہے تھے تمہاری عقل میں یہ باتیں نہیں آ رہی تھیں تم سخت الجھن میں تھے حیرت کے سمندر میں ڈوب رہے تھے ابھر رہے تھے تو چائے کا خیال کہاں سے آتا۔ کام ختم ہوا تو مجھے چائے کا خیال آیا عام طور سے ہم لوگ بہت کم چائے پیتے ہیں۔" میں نے بات ختم کی۔

"یہ کیا بلا ہے آخر میری تو اب تک عقل حیران ہے۔" شکور بھائی نے پوچھا۔

"یہ تو تم بتاؤ گے کہ اس لڑکے کا جانا آنا کہاں پر ہے یہ کیا کرتا ہے کن لوگوں میں اٹھتا بیٹھتا ہے پھر جڑ تک جائیں۔" رولوکا نے کہا۔

"میرا صرف ایک ہی بیٹا ہے اس کا نام رشید ہے آپ کو پتہ ہے کہ بمبئی میں فلم بنانے کی بڑی انڈسٹری ہے۔ پورے ہندوستان کے شوقین یہاں پر فلموں میں کام

کرنے آتے ہیں۔ میرا لڑکا بھی شوقین ہے مگر صرف گانے کی حد تک اور اتنا برا گاتا بھی نہیں ایک دو گانے کسی فلم میں دے چکا ہے اور وہ گانے مشہور بھی ہوئے ہیں۔ ایک بڑے میوزک ڈائریکٹر نے تو سہگل کے بعد اس کو دوسرا نمبر دیا تھا اور اپنی اگلی فلم میں سب گانے رشید کے لینے والا تھا۔ اس کے بعد اوروں کو بھی خیال آ گیا اور رشید کی مصروفیات بڑھ گئیں۔

ہم بھی خوش تھے کہ چلو اس کا شوق تو پورا ہوا۔ ہم کو اس کی کمائی کی کوئی فکر نہیں تھی صرف اس کی خوشی کی خاطر اس شوق کو برداشت کر رہے تھے۔ مگر رشید آہستہ آہستہ اوپر آ رہا تھا۔ آپ کو شاید پتہ نہ ہو کہ فلمی دنیا، دنیا کی عجیب دنیا ہے یہاں پر جو دوست ہے وہی دشمن ہے۔ پیشہ ورانہ جلن اور رقابت بہت زیادہ ہے۔ اگر کوئی اپنی محنت سے اور قدرتی قابلیت سے نام کماتا ہے تو اس کے سو دشمن پیدا ہو جاتے ہیں۔ ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچنا اور گرانا شروع کر دیتے ہیں اور پھر بھی اگر کوئی نہیں گرتا تو وہ اوچھی حرکتوں پر اتر آتے ہیں۔

رشید کی حالت آٹھ روز پہلے سے گر رہی تھی۔ میں نے اور میری گھر والی نے ان آٹھ دنوں میں بمبئی کا کوئی بڑا ڈاکٹر نہیں چھوڑا سب کہتے تھے اس کو کوئی بیماری نہیں ہے۔ دو دن پہلے میرے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے کہا۔

''روک لے نہیں تو مارا جائے گا۔''

میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا مگر کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو پوچھا۔ ''بھائی تم کس کی بات کر رہے ہو۔''

''اس کی جو تان سین بنا ہوا ہے۔ اب اس کی آواز کوئی نہیں سنے گا۔'' وہ نحوست سے بولا۔

''ٹھیک ہے میں منع کر دوں گا۔ پھر تو ٹھیک ہو جائے گا۔'' میں نے پوچھا۔

''نہیں تیر چل چکا ہے اب واپس نہیں آئے گا۔ ہاں جان بچ جائے گی۔'' وہ بولا۔

''مطلب کیا ہوا میری سمجھ میں نہیں آیا۔'' میں نے کہا۔

''ارے مورکھ مطلب یہ کہ زندہ رہے گا مگر گونگا ہو جائے گا۔ اور ہاں غور سے سن لے اگر زیادہ دوڑ بھاگ کرے اور میرے بارے میں کسی کو بتائے گا تو پھر وہ مر جائے گا بتلا دیا ہے۔'' اور پھر وہ چلا گیا۔

آپ میری پریشانیوں کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ ایک ہی اولاد ہے مجھ سے زیادہ خراب حالت میری گھر والی کی ہو گئی۔ اب ہم کیا کریں۔ علاج کراتے کراتے تھک گئے۔ کسی نے علاج تو کیا مرض تک نہ بتایا اور پھر آپ کے قدم میرے گھر کے اندر گئے اور کچھ ہی دیر میں اللہ کا کرم ہو گیا۔ میں آپ دونوں کا کس طرح شکریہ ادا کروں۔ کیا خدمت کروں میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔''

شکور بھائی بہت جذباتی ہو رہا تھا۔ میں نے اس کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر اس کو تسلی دی اور رشید سے مخاطب ہوا۔ ''تم بہت خاموش ہو کچھ تو بولو کیا محسوس کر رہے ہو۔''

اس نے زبان نکالی اور اشارہ کیا کہ آواز بند ہے۔ رولو کا زور سے ہنس پڑا اور بولا۔ ''بچہ اب تک ڈرا ہوا ہے تیری آواز کو جو روکے ہوئے تھا وہ اس کمرے میں بند ہے۔ اب تیری آواز کو کون روک سکتا ہے۔ تو گا بھی سکتا ہے بول بھی سکتا ہے۔''

رشید نے اچانک بڑی چیختی آواز میں پوچھا۔ ''میں بول سکتا ہوں۔''

اور وہ فوری اپنی آواز سن کر حیران ہوا اور خوشی کے مارے دوڑتا ہوا اپنی ماں کے پاس چلا گیا۔ شکور بھائی کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانا ہی نہیں تھا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تو وہ جذبات کے مارے رولو کا کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر چومنے لگا۔

رولو کا نے اس کو روکا اور کہا۔ میں ایک تمہاری طرح کا معمولی انسان ہوں مجھے گناہ گار مت کرو۔ انسانی خدمت کا کام میرے سپرد ہے وہ میں کرتا ہوں۔ میں نے تم پر نہ احسان کیا ہے نہ اس کا بدلہ میں تم سے لوں گا مگر ابھی کام ختم نہیں ہوا مجرم قید ہے اور اس کا سرغنہ تلاش کرنا ہے

تم لوگ اس کمرے کو بند ہی رکھنا۔'' رولو کا نے کہا۔

میں نے کہا۔ ''میرا خیال ہے اگر کچھ عرصہ کے لئے اس مکان کو ہی تالا لگا دو اور دوسری جگہ شفٹ ہو جاؤ تو بہتر ہے۔''

''حکیم صاحب کا خیال درست ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ اس کا گرو اس طرف ضرور آئے گا اس کو اب تک اپنے بیر کے حشر پتہ نہیں ہے جب اس طرف سے خاموشی ہو گی تو وہ ضرور پتہ کرنے آئے گا۔'' رولو کا نے کہا۔

''ٹھیک ہے آپ جو کہیں گے میں کرنے کو تیار ہوں۔ آپ فرمائیں تو میں شہر ہی بدل لیتا ہوں۔'' شکور بھائی نے کہا۔

''نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ضرورت تو مکان بدلنے کی بھی نہیں تھی مگر آپ کی تسلی اور سکون کی خاطر ایسا کیا جا رہا ہے۔'' رولو کا نے کہا۔

اور شکو بھائی نے حسب ضروری سامان لیا اور گھر کو تالا لگا دیا۔ ہم لوگ بھی اپنے ہوٹل آ گئے۔

دوسرے دن ناشتہ پر شکور بھائی سے ملاقات ہوئی۔ میں نے پوچھا۔ حال یہ ہے کہ میری گھر والی مر کر زندہ ہو گئی ہے۔ اور رشید اس قدر خوش ہے کہ بیان سے باہر ہر وقت اپنی ماں سے باتیں کرتا رہتا ہے اب اس کو یقین آ گیا ہے کہ وہ گونگا نہیں۔ ایک دن میں ہی اس کے چہرے پر رونق آ گئی ہے میری تو حالت یہ ہے کہ دل کرتا ہے بمبئی کی سڑکوں پر خوشی سے ناچتا پھروں۔ ایک بنتی کروں حکیم صاحب اگر اجازت ہو۔'' اس نے عاجزی سے کہا۔

میں اور رولو کا دونوں ہنس پڑے۔ میں نے کہا۔

''شکور بھائی ہمیں شرمندہ تو نہ کرو تم جو کہنا چاہتے ہو بے دھڑک کہو۔''

''اب اس ہوٹل کے آپ گاہک نہیں مالک ہو جو دل کرے کھائیں۔'' شکور بھائی نے کہا۔

''وہ تو ہم اب بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''میرا مطلب یہ ہے کہ پہلے گاہک کی طرح کھاتے تھے اب مالک کی طرح کھائیں کوئی بل نہیں بنے گا۔ دیکھو حکیم صاحب منع مت کرنا یہ میری دلی تمنا ہے میں کچھ تو خدمت کروں۔ میرا ضمیر مجھے کہتا ہے۔ مجھے میرے ضمیر کے سامنے شرمندہ نہ کریں۔''

اس نے کچھ انداز سے یہ سب کہا کہ ہم دونوں ہی متاثر ہو گئے۔ رولو کا نے کہا۔ ''ہمارے اصول کے خلاف یہ بات ہے۔ مگر تمہارے خلوص و محبت کو بھی مدنظر رکھنا ضروری ہے اس لئے تمہاری بات مان لیتے ہیں۔''

یہ سنتے ہی شکور بھائی خوشی سے اچھل پڑا اور بولا۔

''شکریہ حکیم صاحبان بہت شکریہ۔''

تین دن گزر گئے شام کو ہم کھانا کھانے گئے تو شکور بھائی نے بتایا وہی شخص پھر آیا تھا۔ ''کیا کہتا تھا؟'' میں نے پوچھا۔

''کہتا تھا گھر کھول اور بتا تیرا لڑکا کہاں گیا۔'' شکور بھائی نے کہا۔

''تم نے کیا جواب دیا۔'' رولو کا نے پوچھا۔

میں نے کہا۔ ''لڑکا اپنی ماں کے ساتھ دلی چلا گیا اور اپنے پیروں پر چل کر گیا ہے اب وہ بیمار نہیں ہے اور تو اپنی شکل دور کر اب میں تجھ سے ڈرنے والا نہیں ہوں۔''

وہ ایک دم غصہ میں آ گیا اور بولا۔ ''اب تیرا میں وہ حشر کروں گا کہ دنیا دیکھے گی۔ تو دلی تو کیا بھارت کے کسی کونے میں اس کو بھیج دے میں تلاش کر لوں گا......'' اور وہ پھن پھناتا ہوا چلا گیا۔

''اور واپس بھی پھن پھناتا آئے گا۔'' رولو کا نے کہا۔

''میرا خیال ہے یہ بھی گھٹیا فطرت کا آدمی ہے اس لئے یہ ضروری نہیں کہ کچھ حفاظت کر لی جائے۔ میں نے رولو کا سے مشورہ کیا۔

''ارے حکیم صاحب آپ فکر ہی نہ کریں میں بے فکر نہیں ہوں میں نے سب بندوبست کر لیا ہے۔ وہ لاکھ کوشش کرے رشید اور اس کی ماں کو تلاش نہیں کر سکتا۔ میں

نے صرف ایک راستہ کھلا چھوڑا ہے اور وہ ہے شکور بھائی کا مگر یہاں پر وہ اگر کچھ کرنا چاہے گا تو بھی نہیں کر سکے گا۔ یہ راستہ اصل میں ایک جال ہے یہاں پر آ کر ہی اس کو پھنسنا ہے۔" رولوکا نے جواب دیا۔

"مگر وہ تو آ کر چلا بھی گیا۔" میں نے کہا۔

"مجھے اندازہ کرنا ہے کہ وہ کتنے پانی ہے اگر دوبارہ آ گیا تو سمجھ لو اناڑی ہے اور بمبئی چھوڑ کر بھاگ گیا تو سمجھ لو ہوشیار ہے وہ جہاں بھی جائے مجھے اس کی اطلاع آ جائے گی زیادہ دور اس کو جانے نہیں دیا جائے۔ مزا تو جب آئے جب اس کا بیر ہی اس کو واپس لائے گا۔ رولوکا نے جواب دیا۔"

"تم نے اس کو اسی لئے زندہ رکھا تھا۔" میں نے کہا۔

"اس کی ایک وجہ اور بھی تھی۔" رولوکا نے جواب دیا۔

"وہ کیا وجہ تھی۔" میں نے سوال کیا۔



وجہ یہ تھی کہ نرگھٹ پراسرار دنیا کا ایک بہت بڑا بیر ہے، وہ اکیلا نہیں ہے، ایک پوری چین ہے، اس کو ختم کرنے کا مطلب ہے پوری چین کو ختم کرنا ہوگا، کسی نے مشکل جاپ کر کے نرگھٹ کو قابو کر لیا ہے اور سمجھ رہا ہے کہ پوری چین اس کے قابو میں آ گئی ہے مگر ایسا نہیں ہے۔ وہ صرف نرگھٹ سے کام لے سکتا ہے مگر نرگھٹ اگر ختم ہوتا ہے تو وہ چین حرکت میں ضرور آئے گی۔ ان سے لڑنا میرے لئے مشکل نہیں ہے مگر پھر ہم بمبئی میں بندھ جائیں گے۔ نا معلوم کتنا عرصہ لگ جائے میں اس لئے اس بلا وجہ کی لڑائی سے بچنا چاہتا ہوں اور صرف اس کو سزا دوں گا جو نرگھٹ کو استعمال کر رہا ہے۔ رولوکا نے وضاحت کی۔

"ان معاملات کو تم ہی سمجھ سکتے ہو۔" میں نے کہا۔

دو دن کے بعد رولوکا نے بتایا کہ وہ بار بار شکو بھائی کے گھر جا رہا ہے۔ اس نے اندازہ کر لیا ہے کہ اس کا بیر گرفتار ہو چکا ہے اور گھر والے فرار ہو چکے ہیں۔" وہ ہے کون۔" میں نے پوچھا۔

"اندھیری میں ایک کالی کا مندر ہے وہ اس میں رہتا ہے۔ اس کا نام سوکا کولہی ہے۔"

"یہ سوکا کولہی کیا نام ہوا۔" میں نے پوچھا۔

"وہ بہت کمزور اور ہلکا پھلکا نظر آتا ہے۔ ذات کا کولہی ہے مگر لوگ کہتے ہیں بلا کا کرو ہے۔ کالی دیوی اس پر بڑی مہربان ہے۔"

"تو انتظار کیا ہے۔" میں نے پوچھا۔

"میں اصل مجرم کی تلاش میں ہوں۔ سوکا کولہی کی رشید سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے اس کو ضرور کسی نہ کسی نے رشید کو راستے سے ہٹانے کو کہا ہوگا ابھی تک وہ سامنے نہیں آیا اس کے سامنے آتے ہی میں اس کو چھاپ لوں گا اس کے بعد کولہی کا نمبر آئے گا اور نرگھٹ کو آزادی دیکر روانہ کر دوں گا۔ یہ ہے میرا پروگرام۔" سوکا کولہی ہزار کوشش کے باوجود مکان کے اندر جا سکا۔ آخر ایک روز بہت غصہ میں شکو بھائی کے ہوٹل پہنچ گیا۔

آتے ہی بولا۔ "یہ بتا تیرے سر پر کس کا ہاتھ ہے۔"

"میرے سر پر کسی کا ہاتھ نہیں ہے۔" دیکھ لے شکو نے جواب دیا۔

"میں سمجھ گیا! تو جو نظر آتا ہے وہ نہیں ہے۔" وہ غصہ سے بولا۔

"تو پھر کیا ہوں تو ہی بتا دے۔" شکو بھائی نے پوچھا۔

"کہتا ہے کسی کا ہاتھ نہیں ہے، ارے تو پھر گھر کو ایسا کیلا ہے کہ ذرا سی سانس نہیں ملتی اندر دیکھنے کو، بتلا دے شاید میرے دل میں تیرے لئے کچھ دیا آ جائے۔ نہیں تو سمجھ لے کہ موت مانگے نہیں ملے گی۔ میرا زہر نسلوں کو برباد کر دیتا ہے۔" کولہی نفرت اور غرور سے بولا۔

"مجھے کچھ پتہ ہی نہیں ہے تو کیا بتاؤں۔" شکو نے کہا۔

تجھے اور پتہ نہ ہو، مجھے بچہ سمجھتا ہے پاپی۔ میں نے اب تک تجھ پر وار نہیں کیا۔ مگر اب میں تیرا بندوبست کر دیتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ منہ ہی منہ میں کوئی منتر پڑھنے لگا مگر اچانک اس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور زبان بند ہو گئی اس کا منتر

ادھورا رہ گیا۔

''تو کیا سمجھتا ہے، شکوا کیلا ہے، تیری آنکھیں پھوٹ گئی ہیں، تیرے سامنے میں ہوں اور تو شکو سے پوچھتا ہے تیرے سر پر کس کا ہاتھ ہے۔ بس یہی ہے تیری شکتی اب پکارلے اپنی کالی کو۔ میں چاہتا تو یہ تھا کہ تیرا بیریں تجھے گرفتار کر کے لائے مگر تو خود ہی آ گیا، اور وار بھی کرنے لگا۔ ارے پاگل یہ بھی نہ سوچا کہ جو نرگھٹ کو گرفتار کرسکتا ہے وہ کون ہوگا، تو اپنی کالی کے بھروسے آ گیا۔ تیرے پاس نرگھٹ سے بیڑ ابیر نہیں ہے اور کالی کے کرتوت میں جانتا ہوں۔ اب تو سیدھا شکو بھائی کے مکان پر جائے گا، دروازہ کھلا ملے گا، تو اس کے اندر چلا جائے گا مگر جانے سے پہلے تجھے خود یہ بتانا ہوگا کہ تو کس کے لئے کام کر رہا تھا۔'' رولوکا کی آواز بند ہوگئی۔

سوکا کچھ نہ بولا تو پھر رولوکا کی آواز آئی۔ ''آخری بار پوچھ رہا ہوں اس کے بعد میں خود پتہ کرلوں گا۔''

''اگر نہ بتاؤں تو۔'' پھر سوکا بولا۔

''تو دونوں مارے جاؤ گے۔'' تیرے کاندھے پر کوئی سوار ہے، تجھے پتہ ہے یہ تجھے ذرا نہیں ہلنے دے گا اگر یقین نہ ہو تو کوشش کر کے دیکھ لے تیری ساری شکتی ایک منٹ میں ناک کے راستے بہادیگا اور تیری کالی بھی اس کو تلاش کرتی رہے۔ یہ اندھیرے کا تیر ہے اور بہت زہریلا تیر ہے۔

''میں شکو کے گھر کیوں جاؤں میرا وہاں کیا کام ہے؟'' سوکا نے کہا۔

''تیرا اتنا بڑا بیر وہاں پر قید ہے جس کی خاطر تو نے پہاڑوں کی چوٹیوں پر جاپ کئے، دن رات محنت کی اور اب تو اس سے بے وفائی کر رہا ہے اس کو آزاد نہیں کرائے گا۔'' رولوکا نے کہا۔

''مجھے پتہ نہیں تھا۔ مجھے معاف کر دے، تو اگر چاہے تو نرگھٹ بھی لے لے، میں تیرے مقابلے کا نہیں ہوں تیری شکتی کون سی ہے مجھے اندازہ بھی نہیں ہے پھر بھلا میں تجھ سے کہا مقابلہ کروں گا۔ میں اب شکو کے پاس نہیں آؤں گا یہ میرا وعدہ ہے۔'' سوکا گڑگڑا کر بولا۔ ''تیری کوئی نئی چال ہے۔'' رولوکا نے کہا۔

''نہیں بنتی ہے کیونکہ میں سمجھ چکا ہوں کہ تم جو بھی ہو بہت بڑے گرو ہو۔'' شکو نے جواب دیا۔ ''کالی کے پجاریوں پر میں اعتبار نہیں کرتا کیوں کہ کالی اور اس کے پجاری یہی کرتے ہیں جب ہر طرف سے گھر جاتے ہیں تو مکاری اور خوشامد سے کام لیتے ہیں۔ میں تیری کسی بات کو نہیں مانوں گا تجھ کو شکو کے گھر جانا ہے، وہاں پر نرگھٹ تیرا انتظار کر رہا ہے۔ میں جانتا ہوں تیرے دل میں کھوٹ ہے کیونکہ تو نے اب تک نہیں بتایا کہ تو کس کے لئے کام کر رہا ہے۔'' رولوکا نے کہا۔

''اچھا میں بتلائے دیتا ہوں پھر تو مجھے جانے دیگا۔'' سوکا بولا۔

''نہیں پھر بھی تو نہیں جائے گا۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''تو پھر میرا بتانا ہی بیکار ہوگا، میں اس کو بھی کیوں پریشانی میں ڈالوں۔'' سوکا بولا۔ ''تو اس کا وفادار رہ، میں بتلائے دیتا ہوں۔ غور سے سن، وہ کرلا میں رہتا ہے گانے گاتا ہے خوب بڑے نام کا مالک ہے دولت بھی بہت ہے اس کے پاس اور عیاش بھی اونچے درجے کا ہے مگر دن رات کی عیاشی نے اس کی مارکیٹ گرادی ہے، اس کی جگہ رشید لے رہا ہے۔ جو فلمیں اس کے پاس تھیں وہ رشید کے پاس آ رہی ہیں۔ اس کی مارکیٹ گھٹ رہی ہے اور رشید کی بڑھ رہی ہے، اس نے اس کا علاج یہ سوچا کہ رشید کو ہی ختم کر دیا جائے ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ وہ خود پر غور کرتا، تجربہ کار تھا پرانا گانے والا تھا اپنے فن سے اپنی آواز سے رشید کا مقابلہ کرتا، جو لوگ دوسروں کو زندہ رہنے کا حق نہیں دیتے وہ خود بھی کسی رحم کے مستحق نہیں ہوتے۔ تو جس کے نام کو پردے میں رکھے ہوئے تھا اس کے بارے میں بہت پہلے ہی جان گیا تھا اور تجھ سے پہلے ہی اس کو سزا بھی مل چکی ہے وہ اسپتال میں پڑا ہے اور اس کی آواز بند ہوگئی، وہ اب زندگی بھر نہیں گا سکتا۔ تیری سزا یہ ہے کہ تو

نرگھٹ کے پاس جانہیں پائے گا۔ جو تیرے کاندھے پر سوار ہے وہ تجھے لے جائیگا اور تو گھوڑے کی طرح دوڑتا ہوا جائے گا۔'' اور واقعی ہم نے دیکھا کہ سوکا نے ایک چھلانگ لگائی اور ایک طرف دوڑ گیا۔

اس کے جاتے ہی رولو کا نمودار ہو گیا، تو میں نے پوچھا۔''یہ نرگھٹ کے پاس گیا ہے۔'' اور کہاں جائے گا۔ سوتا الو، اس کو کہیں نہیں جانے دے گا۔

''نرگھٹ اس سے باغی ہے وجہ یہ ہے کہ اس نے اب تک اس کے لئے کچھ نہیں کیا دوسرے وہ سوتے الو کی کرامات دیکھ چکا ہے کہ آزاد ہو کر بھی وہ اپنا کونا نہیں چھوڑ سکا۔'' رولو کا نے کہا۔''اس کا مطلب ہوا کہ تمہارا الو دو جگہ کام کر رہا تھا۔'' میں نے کہا۔

''وہ ایک وقت میں کئی جگہوں پر کام کرتا ہے۔'' رولو کا نے جواب دیا۔

شکو بھائی حیرت کی تصویر بنا دیکھ رہا تھا۔ اس نے زندگی میں ایسی پر اسرار چیزیں کب دیکھی تھیں۔ میں نے شکو بھائی کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ چونک پڑا۔ میں نے کہا۔''شکو بھائی دنیا میں ہزاروں چیزیں ایسی ہیں جن کی حقیقت ہم نہیں جانتے، یہ بھی ایک ایسی ہی حقیقت ہے۔''

وہ اتنی دیر سے کشمکش میں مبتلا تھا۔ بہت سے سوالات اس کے منہ سے باہر آنے کو مچل رہے تھے۔ وہ میرے دو جملوں سے بھلا کب مطمئن ہوتا۔ اس نے واقعی خود کو سنبھالا ہوا تھا۔ مگر اب وہ کچھ جواب چاہتا تھا، سنبھالے رکھنے کی ساری کوششیں دم توڑ گئی تھیں۔ میں اس کی کیفیت دیکھ رہا تھا اور رولو کا بھی سب کچھ محسوس کر رہا تھا۔

رولو کا نے آگے بڑھ کر شکو بھائی کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔''آؤ تسلی سے بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔'' بیٹھنے کے بعد رولو کا نے کہا۔

''کبھی کبھی انسان کی ذہنی کیفیت بڑی عجیب ہو جاتی ہے اس کا ذہن سوالات پر سوال کرتا ہے مگر اس کے پاس چونکہ جواب نہیں ہوتا، اس لئے مزید پریشان ہوتا ہے۔ تم اس وقت اسی کیفیت سے گزر رہے ہو، میں کوشش کروں گا کہ تمہارے سوالات کے جواب تم کو مل جائیں۔ دیکھو اس دنیا میں اسرار و رموز کے ایسے ایسے راز بند پڑے ہوئے ہیں کہ انسانی عقل سے بہت اوپر ہیں، وہاں تک انسانی عقل کام نہیں کرتی۔ اس کائنات میں کروڑوں پر اسرار کہانیاں بکھری پڑی ہیں۔ ہر کہانی اپنی جگہ مکمل ہے، ہر کہانی کی ایک وجہ ہے۔ میں تو کہتا ہوں ہر تصور کا ایک وجود ہے۔ انسانی عقل اس قدر محدود ہے کہ ہر چیز کی حقیقت نہیں سمجھ پاتا۔ بلکہ سمجھ ہی نہیں سکتا کیونکہ اس کو بھی پابند کیا گیا ہے۔ کہاں تک جانا ہے، حد مقرر کر دی گئی ہے۔ ہر انسان اپنی اپنی جگہ پر مصروف عمل رہتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ وہ بہت کچھ جان گیا ہے مگر ایسا نہیں ہوتا، انسان اپنی حد میں رہ کر خوش رہتا ہے۔ جو لوگ اس حد سے آگے جاتے ہیں وہ منتخب ہوتے ہیں۔ ان کو نوازا جاتا ہے ان کو رعایت دی جاتی ہے، کچھ دیا جاتا ہے تو کچھ پابندی بھی لگائی جاتی ہے بے لگام کوئی نہیں ہوتا۔ تمہارے دل میں ہم دونوں کے لئے بھی کچھ سوالات ہیں، میں اس کا بھی جواب دیتا ہوں۔

ہم دونوں تمہاری طرح ہی انسان ہیں۔ تم ہم کو مافوق البشر مت سمجھنا۔ ہمارا علم بھی احاطہ انسانی سے بالاتر نہیں ہے۔ رب کائنات نے ہمارے سپرد کچھ کام کئے ہیں اور کرنے کی طاقت بھی دی ہے، وہی ہم کرتے ہیں۔ اسی رب کائنات نے کچھ ذرائع بھی عطا کر دیئے۔ انسان میں خوبیاں اور خامیاں دونوں ہوتی ہیں۔ کامیاب دل وہ ہوتا ہے جو اپنی خامیوں کو خوبیوں میں بدل لیتا ہے۔ ہم دونوں تمہاری طرح زندگی بسر کرتے ہیں، ہم کو بھی ہوا پانی اور غذا کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہمارے متعلق کسی قسم کی غلط فہمی میں مبتلا مت ہونا، ضرورت کے تحت روپ بہروپ بدلنا پڑتا ہے جیسا مریض ہوتا ہے اس کو ویسی دوا دینا ہوتی ہے۔ آپریشن ضروری ہوا تو وہ بھی کرنا پڑتا ہے اور ڈاکٹر بھی آخر انسان ہی ہوتا ہے۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ جزا اور سزا دینے کا اختیار تو کسی کو نہیں ہے جو جیسا کرتا ہے اس

کو ویسی ہی سزا، رب کائنات دیتا ہے، تم اپنے ذہن کو صاف کرلو۔ رشید اب بالکل ٹھیک ہے اور تم بھی اپنا جائزہ کاروبار کرو۔"

"وہ کولمبی پھر پلٹ کر تو نہیں آئے۔" شکو نے پوچھا۔

"کولمبی اب کبھی نہیں آئے گا اس کے بیرتے ہی اس کو سزا دے دی ہے۔" رولوکا نے جواب دیا۔ "آج میں کتنے دنوں کے بعد خوش ہوں۔" شکو بھائی نے کہا۔

"تم دوسروں کی خوشی کا خیال کرو گے تو تمہاری خوشیاں تم سے دور نہیں ہوں گی۔ زندگی کے سفر کو مشکل اور آسان خود انسان بناتا ہے۔" رولوکا نے جواب دیا۔

"اب میں اطمینان سے آپ لوگوں کی خدمت کروں گا۔" شکو بھائی خوشی سے بولے۔ "ہم جس کام سے بمبئی میں رکے تھے وہ ابھی باقی ہے۔" میں نے کہا۔

"اچھا کام کیا ہے، میں شاید کچھ مدد کرسکوں۔" شکو بھائی نے پوچھا۔

میں نے ہنس کر کہا۔ "ایک شپ بندرگاہ پر کھڑا ہے، اس کو لاکر چوپاٹی پر کھڑا کرنا ہے۔" رولوکا ہنس پڑا اور ساتھ ساتھ شکو بھائی بھی ہنس کر بولے۔ "حکم صاحب مذاق کررہے ہو۔" رولوکا نے جواب دیا۔ "ان کی عادت ہے کبھی کبھی مذاق کرتے ہیں۔"

"ابھی جانے کا ارادہ نہیں ہے، جب ارادہ ہوگا تو بتلائیں گے۔" میں نے کہا۔

"بس تو پھر ٹھیک ہے، اب آپ ہوٹل میں نہیں رہیں گے۔ محمد علی روڈ والا مکان خالی ہی پڑا ہے وہیں آپ رہیں گے۔" شکو بھائی بولے۔

"ہم بڑے آرام سے ہیں اس کی ضرورت نہیں ہے شکو بھائی۔" میں نے کہا۔

"مجھے کچھ تو خدمت کرنے کا موقع دیں۔ یہ آپ کے احسان کا بدل تو نہیں ہے مگر میرا دل بھی خوش ہوجائے گا۔" شکو بھائی کی آواز جذبات سے بھاری ہوگئی اور خلوص نظر آرہا تھا۔ میں نے رولوکا کی طرف دیکھا تو اس نے مسکرا کر کہا۔ "حکیم صاحب بعض اوقات، انسان نہ چاہتے ہوئے، وہ کرتا ہے جو اس سے کروایا جاتا ہے، یہ مرحلہ بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ شکو بھائی نے خلوص سے پیش کش کی ہے، اور ہم اس کو ٹھکرا نہیں سکتے اور ہم لوگ ہوٹل سے شکو بھائی کے گھر آگئے۔"

☆......☆......☆

کسی جہاز کے ناجن کی کرین شافٹ تبدیل کرنا آسان کام نہیں ہے۔ سب حیران تھے کہ کرین شافٹ کریک کس طرح ہوئی، جب یہ فیصلہ ہوگیا کہ کرین شافٹ بدلنا ہی پڑے گی تو پھر بمبئی کی بندرگاہ پر کھڑے جہاز کا انجن کھولا گیا۔ یہ کام بھی آسان نہیں تھا اور جب انجن کھولا گیا تو اور کام بھی نکلتے چلے گئے اور دو ماہ تک جہاز کھڑا رہا۔ دو ماہ کی محنت کے بعد انجن اس قابل ہوا کہ اس کو دوبارہ اسٹارٹ کیا جاسکے۔ رولوکا کو سب پتہ تھا۔ ہر پل کی اس کو خبر تھی۔ وہ کیپٹن اور پروفیسر پر بھی نظریں گاڑے ہوئے تھا۔

"جہاز مرمت ہوگیا ہے۔" رولوکا نے بتایا۔

"تو پھر عنقریب روانہ بھی ہوجائے گا۔" میں نے کہا۔

"روانہ کروں گا تو روانہ ہوگا۔" رولوکا نے جواب دیا۔

"کیوں ابھی کچھ باقی ہے۔" میں نے پوچھا۔

"ابھی تک کیپٹن اور پروفیسر کے ارادے وہی ہیں ان کی روز میٹنگیں ہورہی ہیں اور پروگرام بن رہے ہیں جہاز میں نئے لوگ بھرتی کئے گئے ہیں۔ یہ لوگ کوئی نیک نامی نہیں ہیں اور جہاز پر کام کرنے کو نہیں رکھے گئے ہیں ان کا کام منزل پر پہنچ کر شروع ہوگا اور وہ کام سوائے ظلم اور بربریت کے سوا کیا ہوسکتا ہے۔" رولوکا نے جواب دیا۔

"اس کا مطلب ہوا کہ کیپٹن اور پروفیسر دونوں وقت برباد کے کام کرتے رہے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"اس کا مطلب ہوا کہ کیپٹن اور پروفیسر دونوں وقت برباد کے کام کرتے رہے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "مگر انجن اسٹارٹ بھی کرپائیں گے تم یہ دیکھنا۔"

رولوکا نے کہا۔
"مرمت کا کام ختم ہو گیا۔ اسٹارٹ کیوں نہیں ہوگا۔" میں نے پوچھا۔
"اگر ان کے ارادے خراب نہ ہوئے تو جہاز بگڑتا ہی کیوں؟ مگر چونکہ ان کے ارادے بد ہیں اس لئے اب بھی جہاز چلے گا نہیں۔" رولوکا نے جواب دیا۔
"لگتا ہے! تم نے پھر کوئی کارروائی کر دی ہے۔" میں نے کہا۔
"حکیم صاحب جب تک پروفیسر اس جہاز پر ہے جہاز نہیں چلے گا اور اب تو مجھے کیپٹن پر بھی اعتبار نہیں ہے کیوں کہ اس کے دل میں بھی سونے کا لالچ آ گیا ہے۔" رولوکا نے جواب دیا۔
بمبئی کے بندرگاہ کے انجینئر اور جہاز کے انجینئر نے انجن درست ہونے کا اعلان کر دیا۔ ایک ایک چیز کو چیک کر لیا گیا اور انجن اسٹارٹ کرنے کے انتظامات کر لئے گئے مگر انجن میں ایک زوردار گڑگڑاہٹ ہوئی اور خاموش ہو گیا، اس کے لاکھ جتن کر لئے گئے مگر انجن میں جان نہیں پڑی۔ انجینئر اور سارا عملہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا اب کیا ہوا؟ انجینئر کا کہنا تھا کہ اتنا اچھا انجن باندھا گیا، ضروری پارٹس بھی بدل دیئے گئے مگر بات نہیں بنی۔ اب کیا کیا جائے؟ کیپٹن نے سوچا۔ مزید اخراجات وہ کہاں سے لائے۔ لازمی تھا کہ وہ مالکان کو اطلاع کرے اور جس کمپنی کا کہاز ہے وہی اب مرمت کرائے۔ اور یہی بات کیپٹن اور پروفیسر کے پروگرام کے خلاف جاتی تھی کیونکہ اخراجات آنکھ بند کر کے تو کمپنی ادا نہیں کرے گی اس کا کوئی نمائندہ آئے اور مرمت کرائے گا اور پھر جہاز اپنے روٹ پر ہی جائے گا کیونکہ نمائندہ جہاز کے ساتھ جہاز کی کنڈیشن چیک کرنے کو چلے گا۔
"مجھے لگتا ہے اب ہم اپنے پروگرام پر عمل نہیں کر سکیں گے۔" کیپٹن نے پروفیسر سے کہا۔
"ایک دفعہ کوشش اور کرو۔" پروفیسر بولا۔
گروی والے بغیر پیسہ لئے کام نہیں کرتے

"میرے پاس جو تھا میں خرچ کر چکا ہوں۔" کیپٹن بولا۔
"کسی سے ادھار لے لو۔ کچھ میرے پاس ہیں وہ لے لو مگر جہاز خود مرمت کراؤ کمپنی کو اطلاع دینے کا مت سوچو۔" پروفیسر فکرمندی سے بولا۔
"میں بھی نہیں چاہتا مگر یہ مجبوری ہے ایسا ہی کرنا پڑے گا۔"
"اس کا مطلب ہوا کہ ہمارا پروگرام تو ختم ہوا۔ کچھ کرو کیپٹن۔" پروفیسر ہاتھ ملتے ہوئے بولا...... "یہ جہاز کی مرمت ہے، پروفیسر کوئی موٹر سائیکل کی مرمت نہیں ہے اس پر لاکھوں روپے خرچ ہوتے ہیں اب ہم خود سے کچھ کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ میں کمپنی کو اطلاع کرنے سے پہلے ان سب کو جہاز سے اتاردوں گا جن کو تم نے بھرتی کروایا تھا کیونکہ اب ان کی ضرورت نہیں۔ دوسرے کمپنی نمائندہ بھی ان پر اعتراض کر سکتا ہے۔" کیپٹن نے کہا۔
"کوئی اور طریقہ اس کے علاوہ نہیں۔" پروفیسر ہتھا رڈالنے والا کب تھا بولا۔ "پروفیسر تم بھی کوئی اور جہاز پکڑ لو یا پھر بمبئی شہر بہت بڑا ہے کسی ہوٹل میں کام کر لو۔ اب میں کسی بھی فالتو آدمی کو جہاز پر نہیں رکھوں گا، میری پوزیشن خراب ہو رہی ہے۔ تم فوراً اپنا انتظام کر لو اور شام تک جہاز چھوڑ دو۔" اور کیپٹن اٹھ کر چلا گیا۔
پروفیسر حیران تھا کہ اچانک کیپٹن کو کیا ہوا۔
اور شام کو پروفیسر بندرگاہ سے باہر آ رہا تھا۔ اس کے پاس صرف ایک سوٹ کیس تھا۔ اسے کسی اچھے ہوٹل کی تلاش تھی۔ اس نے ایک ٹیکسی ڈرائیور سے بات کی اور وہ اس کو انڈس ہوٹل میں لے گیا اس کو وہاں پر کمرہ مل گیا۔
انڈس ہوٹل بمبئی کا ایک مشہور ہوٹل تھا۔ یہاں پر پوری رات کیبرے ڈانس اور شو ہوا کرتے تھے۔ پوری بمبئی کے من چلے رات بھر یہاں پر عیاشی کرتے تھے۔ پروفیسر کو ایسی ہی جگہ چاہئے تھی اس نے ڈرائیور کو دل میں شاباشی دی اور منیجر کے پاس گیا اور اپنا تعارف کرایا۔ اور ایک دو مفت شو کرنے کی پیشکش کی۔ ظاہر ہے منیجر کو اس پر

کیا اعتراض ہوتا۔ پروفیسر مشہور آدمی تھا اس سے اس کو فائدہ ہی ہو رہا تھا۔ اگر شو کامیاب ہوتا ہے تو پھر بات آگے بڑھے گی۔ پروفیسر کے نام کے بورڈ لگا دیئے گئے دو دن تک خوب پبلسٹی کی گئی اور ایک بڑے ہال میں پروگرام رکھ دیا گیا۔ اخبارات نے بڑے بڑے فوٹو چھاپے اور بہت مہنگا ٹکٹ رکھ دیا گیا۔ یہ ٹکٹ شہر میں بھی فروخت ہوئے۔ اور شوقینوں نے ہاتھوں ہاتھ خریدے۔

☆......☆......☆

پروفیسر کے جہاز سے اترتے ہی کیپٹن کے ساتھ ایک عجیب واقعہ ہوا۔ اس کو ایسا لگا کہ کوئی اس کو بلا رہا ہے رات کا وقت تھا، جہاز پر سناٹا تھا۔ وہ اپنے روم سے ڈیک پر آ گیا یہاں پر ایک آدمی کھڑا تھا وہ ایسی جگہ کھڑا تھا جہاں پر روشنی کم تھی۔ اس نے اشارے سے کیپٹن کو اپنے قریب بلایا اور صاف انگریزی زبان میں کہا۔ ''سونا انسان سے بہتر نہیں ہے، انسان کی قدرت کرو، سونے کو بھول جا، اور ہوش کر، تو بھی انسان ہے، شیطان چلا گیا، تو بھی اپنے سفر پر جا، میری ڈیوٹی بھی ختم ہوئی، میں بھی جاتا ہوں اور پھر وہ اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ کیپٹن حیرت سے اس کو دیکھتا رہا پہلے تو اس کو خیال آیا کہ شاید وہ خواب دیکھ رہا ہے۔ اس نے اپنی انگلی دانتوں سے کاٹی وہ خواب نہیں تھا وہ ڈیک پر کھڑا تھا اور دور بمبئی شہر کی روشنیاں اس کو نظر آ رہی تھیں۔ وہ حیران پریشان اس شخص کے جملوں پر غور کرتا ہوا اپنے کیبن میں آ گیا۔ ''شیطان چلا گیا تو بھی جا۔'' وہ بار بار سوچتا رہا۔ غور کرتا رہا۔ شیطان! کیا پروفیسر کو شیطان کہا گیا ہے؟ وہی تو گیا ہے، کیا اس کی وجہ سے میں پریشانیوں میں گھر گیا تھا، ہاں ایسا ہی ہوا ہوگا۔'' وہ خود سے بولا۔

''ضرور ایسا ہی تھا۔''

اس نے انسانوں کو مارنے کا پروگرام بنایا تھا اور میں بھی کتنا بد بخت تھا کہ اس کی چکنی چپڑی باتوں میں آ گیا تھا۔ میں بھی اس کی ہاں میں ہاں کر رہا تھا، اسی لئے مجھ پر آفت آئی۔ اچھا ہوا میری آنکھیں کھل گئیں اور میں نے اس شیطان کو اتار دیا۔

صبح ہوتے ہی کیپٹن نے انجینئر کو بلایا اور کہا۔

سب بندوبست کرو شام تک یہ کام کر لو۔ ایندھن پورا بھر لو اور انجن اسٹارٹ کرنے کا بندوبست کرو۔

''مگر سر دو تین دفعہ کوشش کر چکے ہیں۔ انجن میں تو ذرا حرکت نہیں ہوتی۔'' وہ بولا۔

''تم اپنے ٹیکنیکلی کام پورے کرو اور پھر کوشش کرو۔'' کیپٹن نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے سر! مگر یہ کام شام تک نہیں ہوگا کیونکہ ایندھن کے ٹینک بھی بھروانے ہیں کل صبح تک سب کام ہو جائیں گے......'' انجینئر نے جواب دیا۔

اور ایک بار پھر انجن روم میں زور شور سے کام شروع ہو گیا۔ از سر نو صفائیاں ہونے لگیں اور ہر پارٹنر کو چیک کیا جانے لگا بوائیلر گرم ہو گئے کیپٹن کو انجن اسٹارٹ ہونے کا اس قدر یقین تھا کہ اس نے روانگی کی اطلاع تک دے دی تھی۔

اور صبح دس بجے انجن ایک گڑ گڑاہٹ کے ساتھ اسٹارٹ ہو گیا اور پھر چمنیوں سے دھواں خارج ہونے لگا۔ انجن کی آواز اپنی اصلی جگہ آ گئی اور جہاز میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور جہاز سائرن دینے لگا یہ اس بات کی علامت تھی کہ وہ روانگی کو تیار ہے اور جہاز روانہ ہو گیا۔ پروفیسر بمبئی میں رہ گیا یہی رولو کا پلان تھا۔

☆......☆......☆

خدا نے انسان کو سب مخلوق سے افضل بنا کر پیدا کیا اس کی افضل ترین اس کی عقل ہے۔ خدا نے انسان کو عقل اس لئے عطا فرمائی ہے کہ وہ انسانیت کے ضابطہ اخلاق کی حفاظت کرے گا، برائی اور بھلائی، نیکی اور بدی میں میز کرے گا جو لوگ عقل کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں ان میں اور جانور میں کوئی فرق نہیں رہتا بلکہ جانور تو پھر تھوڑی بہت عقل سے کام لیتا ہے مگر انسان جب گرنے پر آتا ہے تو جانور سے بھی کئی درجے نیچے چلا جاتا ہے۔

حرص و ہوس انسان کے دشمن ہیں۔ عورت ایک خوبصورت دھوکا ہے۔ انسان کو کانٹے میں پھانسنے کا چارہ

ہے اور جو اس چارے کے لالچ میں آتا ہے وہ ایک ایسے جال میں پھنس جاتا جو اس کی دنیا اور آخرت دونوں کو برباد کر دیتا ہے۔ انسان جب گناہ کرتا ہے۔ اگر اس وقت وہ احساس کرے کہ اس کو اس گناہ کی سزا ملے گی تو وہ گناہ نہ کرے مگر دولت کا لالچ اقتدار کا لالچ اس کو اندھا کر دیتا ہے وہ ہر جائز ناجائز طریقہ پر اس کو حاصل کرنا چاہتا ہے۔ وہ اپنی راہ کے سارے کانٹے روندتا ہوا چلتا جاتا ہے وہ پلٹ کر نہیں دیکھتا کہ کتنے بے گناہ مارے گئے، کتنوں کی حق تلفی ہوئی، اس کو صرف اپنی ہی پڑی رہتی ہے۔ ایسا ہی مسافر پروفیسر بھی تھا وہ ہر جتن کر کے امیزون کا سونا حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس کا عارضی پڑاؤ انڈس ہوٹل تھا جہاں پر آج رات اس کا شو ہو رہا تھا۔ مگر اس کو پتہ نہیں تھا کہ اس کو روکنے والا رولوکا بھی وہیں پر موجود ہے۔ مگر رولوکا کو پہچاننا پروفیسر کیلئے آسان نہیں تھا۔

کیونکہ اب خیر الدین نہیں تھا وہ نفیس شیروانی اور علی گڑھ کٹ پاجامے اور دوپلی ٹوپی میں تھا اور چہرہ اور قد بھی پہلے والا نہیں تھا۔

ساری میزیں بھر چکی تھیں مگر لوگ تھے آتے ہی جا رہے تھے ہال میں ہلکی موسیقی کا ریکارڈ لگا ہوا تھا۔ رات ٹھیک بارہ بجے میوزک بند ہو گیا اور اناؤنسر نے شو کو شروع ہونے کا اعلان کیا۔ پروفیسر کالا کوٹ اور کالا پینٹ لگائے اسٹیج پر نمودار ہو گیا۔ اور آتے ہی اس نے کہا۔ ''لوگو تم نے بہت شو اور کھیل تماشے دیکھے ہوں گے، جادو کے کمالات بھی ضرور دیکھے ہوں گے اور ہاتھ کی صفائی اور نظر بندی بھی ضرور دیکھی ہو گی، میں بھی ان سب سے اپنے شو کو سجاتا ہوں اور کوشش کرتا ہوں کہ نئی چیز پیش کر سکوں۔'' اس کے بعد اس نے ایک جگ منگوایا اور سب کے سامنے چھوٹی میز پر رکھ دیا، الٹ کر دکھا دیا کہ خالی ہے۔

اب وہ وہی پرانے تاش کے اور رومال کے کرتب کرتا رہا اس کے بعد وہ جگ کی طرف گیا، جگ پانی سے بھرا ہوا تھا۔ اس نے جگ اٹھایا اور گلاس میں پانی ڈالا اور پی لیا اور سامنے جو لوگ قریب تھے ان کو یہ پانی پلایا اور بولا ۔

''یہ پانی ہمالیہ پہاڑ کی سب سے اونچی چوٹی سے برف لیکر بنایا گیا تھا آپ فرمائش کریں۔ ہندوستان کے کس دریا کا پانی آپ کو چاہئے، وہی اس جگ میں آ جائے گا۔ اور پھر کام کرنے لگا، تھوڑی دیر کے بعد جگ بھرا ہوا تھا اور اس کا دعویٰ تھا کہ یہ پانی وہاں سے حاصل کیا گیا ہے جہاں سے دریائے گنگا شروع ہوتا ہے۔

اس کا شو کامیاب تھا کیونکہ اس نے وہی چیزیں پیش کیں جو اس خطے کے لوگ پسند کرتے ہیں۔ رولوکا آرام سے بیٹھا شو دیکھتا رہا اور پھر صبح کے وقت واپس آیا۔ ناشتہ پر اس نے رات کی روداد سنائی تو میں نے کہا۔

''تم کو مزا آیا شو دیکھ کر۔''

''میں شو دیکھنے نہیں گیا تھا پروفیسر کو ناپنے گیا تھا وہ تو بالکل بونا ہے۔''

رولوکا نے جواب دیا۔

''بونا کیا اس کا قد بھی گھٹ گیا ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''اس کے سامنے بیٹھا ہوں اور وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ مگر پھر بھی پہچانتا نہیں شعبدے بازی اور ہاتھ کی صفائی کے سوا اس کے پاس کچھ نہیں ہے، تو پھر میں اس کو بونا نہ کہوں تو پھر کیا کہوں۔'' رولوکا نے کہا۔

''اپنی اسی شعبدہ گری سے پیٹ تو بھر لیتا ہے، اپنا کیا نقصان ہے کرنے دو۔'' میں نے کہا۔ ''میں تو حیران ہوں کہ اس نے امیزون کے جنگلات میں جانے کی ہمت کیسے کی۔'' رولوکا بولا...... ''انسان کو جس چیز کا جنون ہو جاتا ہے پھر اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا نہ کہ وہ اپنی کمزوریوں پر نظر ڈالتا ہے نہ لوگوں کے نقصان کی پرواہ کرتا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''میں نے اچھی طرح پرکھ لیا۔ پروفیسر کتنے پانی میں ہے وہ اس قابل ہی نہیں کہ اس سے کوئی ڈر خوف ہو، وہ صرف ہوٹلوں میں دھندہ کر سکتا ہے۔'' رولوکا نے کہا۔

''اگر پھر اس کے دماغ کا کیڑا کھڑا ہو گیا اور چل

دیا امیزون کی طرف، ہم لوگ تو بمبئی میں نہیں ہوں گے، پھر کیا ہوگا۔'' میں نے پوچھا۔

''نہیں وہ ایسا نہیں کرے گا کیونکہ میں اس کو ایک دو جھٹکے ضرور دوں گا تا کہ وہ اپنی حد میں رہے اور بمبئی چھوڑ نے کا نہ سوچے۔'' رولو کا نے جواب دیا۔

''پھر کیا پروگرام ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''آج شام تم بھی میرے ساتھ انڈس ہوٹل شو دیکھنے چلو گے۔'' رولو کا نے کہا۔

''مجھے تو وہ فوراً پہچان جائے گا۔'' میں نے کہا۔

''کوئی بات نہیں پہچانتا ہے تو پہچان لے۔'' رولو کا نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے ہم بھی دیکھ لیں گے اس کا تماشہ۔''

ہفتہ کا دن تھا ہال پورا بھرا ہوا تھا۔ اور خاص پروگرام تھا۔ اسٹیج سے بہت دور ایک کونے کی میز پر میں اور رولو کا بیٹھے تھے۔ رولو کا، نوابی لباس میں تھا اس کی شیروانی کالی تھی اور علی گڑھ کٹ پاجامہ سفید اور سفید پی کیش شوز پیروں میں تھے اور سر پر دو پلی سفید ٹوپی دھری تھی کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ ایک افریقہ کا آدمی، لباس تو میرا بھی وہی تھا کیونکہ یہ بھی رولو کا کا انتخاب تھا۔

اعلان ہوا اور پروفیسر اپنی پوری سج دھج کے ساتھ اسٹیج پر نمودار ہو گیا۔ آتے ہی اس نے ایک رومال جیب سے نکالا اور اس کو ہوا میں اڑا دیا۔ وہ رومال پتنگ کی طرح ہوا میں اڑتا ہوا حال سے غائب ہو گیا۔

اس کے بعد اس نے خالی جگ منگوایا اور درمیان میں رکھ دیا اور دوسرے کام میں لگ گیا۔ کچھ دیر کے بعد وہ جگ کے پاس گیا، جگ اٹھا کے دیکھا مگر حیران رہ گیا، جگ جیسا رکھا تھا ویسا ہی خالی رکھا تھا، اس نے پھر دوسرا کام پکڑ لیا، اس نے ہر کام کے بعد جگ کو دیکھا مگر جگ خالی ہی رہا۔

ہال سے آواز آئی۔ ''پروفیسر پیاس لگی ہے جمنا کا پانی پلاؤ۔''

پروفیسر نے جواب دیا۔ ''پلاؤں گا ضرور پلاؤں گا۔''

اور پھر ایک دو آئٹم دکھانے کے بعد وہ جگ کے پاس آیا مگر جگ تو خالی پڑا تھا وہ مایوس ہو کر واپس جانے لگا تو ایک بچے نے کہا۔

''پروفیسر کیا بات ہے، جگ تو بھرا ہوا ہے پانی سے اور تم پانی نہیں پلاتے۔''

پروفیسر نے پلٹ کر حیرت سے جگ کی طرف دیکھا جگ خالی تھا وہ پھر جانے لگا تو بچہ پھر بولا۔ ''کنجوسی کر رہے ہو پانی کی کنجوسی۔''

اب کی دفعہ پروفیسر کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا وہ زور سے بولا۔

''پانی نہیں ہے، کسی نے سوتے بند کر دیئے ہیں، کہاں سے پانی پلاؤں۔''

بچہ گلاس لیکر اسٹیج کے اوپر آ گیا اور جگ اٹھا کر گلاس میں پانی بھرا اور واپس چلا گیا۔ اب تو ہال میں ہنسی کے پٹاخے پھوٹ پڑے۔

پروفیسر کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اس سرخی میں شرمندگی کی سرخی کم اور غصے کی سرخی زیادہ تھی۔ مگر بات تو سنبھالنا تھا وہ اس لائن کا پرانا کھلاڑی تھا فوراً ہی خود کو سنبھال گیا، چہرے پر بھی مسکراہٹ آ گئی، پیشہ ورانہ انداز میں وہ کھڑا ہو گیا اور بولا ...... ''معزز دوستو! آپ نے دیکھا کہ جگ خالی تھا مگر گلاس پانی سے بھر گیا۔ آپ سمجھ رہے ہیں۔ مجھے پتہ نہیں تھا مجھے پتہ تھا مگر میں گلاس میں پانی نہیں ڈال سکتا تھا کوئی بھی نہیں ڈال سکتا تھا مگر ایک چھوٹا بچہ کام کر گیا اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ابھی عمر کے اس دور میں ہے جہاں پر اس کو نفع نقصان کا پتہ نہیں ہوتا اس لئے وہ قابل معافی ہوتا ہے۔''

پروفیسر آگے نہ جانے کیا تقریر کرتا رہا۔ رولو کا نے میرے قریب ہو کر کہا۔

''اصل بات نہیں بتاتا پالش کر رہا ہے۔''

''اصل بات کیا ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''لمبی ہے اب اس کا آخری آئٹم ہونے والا ہے اور اس کو نہیں پتہ کہ وہی آئٹم اس کے گلے کا پھندا ہے۔''

رولوکا نے کہا۔

اسٹیج پر آخری آئٹم کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔

پروفیسر کا آخری آئٹم یہ تھا کہ ایک صندوق پانچ فٹ کا ایک میز پر رکھ دیا جاتا تھا اس صندوق میں آر پار سوراخ تھے۔ ایک لڑکی اس صندوق میں لیٹ جاتی تھی اور صندوق میں تالا لگا دیا جاتا تھا۔ اور سوراخوں سے لوہے کی سلاخیں آر پار پرو دی جاتی تھیں سلاخیں اتنی ہوتی تھیں کہ کسی جاندار کا صندوق کے اندر زندہ رہنا ناممکن تھا۔ وہ صندوق میز سے چھت کی طرف دس پندرہ فٹ اٹھ جاتا تھا اور سلاخیں لگی رہتی تھیں لوگوں کی سانسیں اس آئٹم کو دیکھ کر رکنے لگتی تھیں۔ کیونکہ یہ زندگی اور موت کا کھیل تھا۔ ایک نوجوان لڑکی اس صندوق میں پروئی سلاخیں اس کے جسم کے اندر سے گزر کر دوسری طرف نکلی ہوئی ہیں۔ اور صندوق ہوا میں معلق ہے۔ ہر شخص پریشان ہے عورتوں کے چہرے اترے ہوئے ہیں۔ پھر صندوق میز پر واپس آ جاتا ہے۔ پروفیسر ایک ایک کر کے ساری سلاخیں نکال لیتا ہے۔ سلاخوں پر کوئی داغ دھبہ نہیں ہے۔

پھر صندوق کو کھڑا کر دیا جاتا ہے اب صندوق کھلنے والا ہے اور لڑکی صندوق سے کود کر باہر آ جائے گی اور عوام کو جھک کر سلام کرے گی۔

صندوق کا دروازہ پروفیسر نے کھول دیا۔

مگر یہ کیا ہوا، صندوق تو خالی ہے پورے ہال کی چیخ نکل گئی۔

پروفیسر کے اوسان خطا ہو گئے۔ وہ مارے صدمے کے بیٹھ گیا۔ اور پورا ہال شور کرنے لگا۔ ”لڑکی کہاں! پروفیسر لڑکی کہاں ہے۔“

ہوٹل کی انتظامیہ کو مداخلت کرنا پڑی۔ لوگ باہر جانے لگے۔ مگر پروفیسر وہیں زمین پر بیٹھا رہا اس کے دونوں طرف انتظامیہ کے آدمی کھڑے تھے۔ پورا ہال خالی ہو گیا میں اور رولوکا بھی گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ گھر تک میں نے کوئی سوال نہیں کیا اور رولوکا بھی خاموش رہا۔

کمرے میں آ کر میں نے کہا۔ ”تم نے یہ کھیل کھیلا ہے۔“

”ہاں یہ ضروری تھا۔“ رولوکا نے جواب دیا۔

”لڑکی کا کیا ہوا۔“ میں نے پوچھا۔

”پروفیسر بڑا خود غرض انسان ہے اس نے وہ لڑکی کسی غریب سے خرید لی تھی کیونکہ یہ کام اس نوعیت کا تھا کہ لڑکی کی جان جا سکتی تھی اس صورت میں انتظامیہ اور پروفیسر دونوں پھنس جاتے لڑکی کا کوئی دعویدار ہی نہ ہوتا تو یہ لوگ اپنا بچاؤ آسانی سے کر سکتے تھے عوام میں تو یہ مشہور تھا کہ لڑکی پروفیسر کی ہی ہے اس نے اپنے بچاؤ کا ہر رستہ کھلا رکھا تھا۔ مگر لڑکی صندوق سے ہی غائب ہو جائے گی یہ اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔ اب پولیس نے پروفیسر کو گرفتار کر لیا ہے اور وہ لڑکی کا پتہ کر رہے ہیں۔“ رولوکا نے کہا۔

”اور لڑکی کہاں ہے۔“ میں نے پوچھا۔

”وہ اپنے گھر! میرا مطلب ہے اپنے باپ کے گھر بنگال روانہ ہو چکی ہے۔ اس کے ساتھ میرا رکھوالا ہے وہ اس کو گھر تک پہنچائے گا۔“ رولوکا نے جواب دیا۔

”وہ بنگالی تو نہیں لگتی تھی۔“ میں نے کہا۔

”یہ سب میک اپ کا کمال تھا۔ دوسرے اس کا لباس بھی مغربی طرز کا تھا۔“ رولوکا نے کہا۔ ”اب پروفیسر کا کیا بنے گا۔“ میں نے کہا۔

”جیل جائے گا کیونکہ وہ خود بھی اس لڑکی کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا۔ لڑکی صرف بنگالی بولتی تھی اور پروفیسر بنگالی نہیں جانتا۔ وہ لڑکی کہاں کی تھی یہ اس کو بھی پتہ نہیں ہے۔“ ”وہ اپنے علم سے پتہ کرے گا۔“ میں نے کہا۔

”وہ ڈبہ ہے، اگر اس ڈبے میں کچھ ہوتا تو وہ جگ کے خالی رہنے پر ہی سمجھ جاتا اور دوسرا خطرناک کھیل نہ کرتا۔“ رولوکا نے جواب دیا۔

”ہاں یہ پانی جگ میں کیوں نہیں آ رہا تھا اور پھر بچے نے پانی بھر لیا یہ کیا ہوا تھا۔“ میں نے کہا۔

”پروفیسر کے واٹر کنکشن کٹ گئے تھے، کوئی دریا اس کو پانی نہیں دے رہا تھا۔“

''مگر بچے کو دے دیا۔''

''یہ پانی کس طرح آتا تھا میں بھی حیران ہوں۔'' میں نے کہا۔

اس کا ایک موکل ہے وہ یہ کام کرتا ہے۔ دوسرا موکل اس کے پاس صندوق اٹھانے والا تھا وہی لڑکی کو سلاخوں سے بچاتا تھا اور لڑکی صندوق سے زندہ نکل آتی تھی۔ لڑکی کو جب صندوق میں لٹا دیا گیا تو میں نے اس کو نکال لیا اور میرا کارندہ اس کو لے کر روانہ ہو گیا، جب اس کے صندوق سے باہر آنے کا وقت ہوا، اس وقت وہ بمبئی چھوڑ چکا تھا۔ اب اس کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ جس سے وہ لڑکی تلاش کر سکے اس کے کسی بیان پر پولیس اعتبار کرے گی، نہیں لڑکی اس کی نہیں، یہ بھی پولیس پتہ چلا لیگی، پھر وہ لڑکی پروفیسر کے پاس کہاں سے آئی، کڑی سے کڑی ملتی جائے گی اور پروفیسر کے گرد جال بنتا جائے گا اور امیزون کا مسافر بمبئی میں آرام کرے گا۔

☆......☆......☆

اب ہمارا کوئی کام بمبئی شہر میں نہیں تھا۔ اس لئے میں نے شکو بھائی سے کہا۔ ''بہت دن بمبئی میں آرام کر لیا اب ہم کو اجازت دو۔''

''یہ گھر آپ کا ہے حکیم صاحب، میں ہر وقت آپ کی خدمت کو تیار ہوں جب بھی آپ چاہیں بے دھڑک میرے گھر آ سکتے ہیں۔ انشاء اللہ میں آپ کی ہمیشہ خدمت کروں گا۔''

''تو پھر ایسا کریں دو برتھ الہ آباد کا، کسی اچھی ٹرین میں بک کرا دیں۔'' اور میں نے روپے نکال کر شکو بھائی کو دیئے تو وہ آبدیدہ ہو گیا۔ گلوگیر آواز میں بولا۔

''حکیم صاحب میں بہت چھوٹا آدمی ہوں مگر آپ دونوں کی خدمت کرنا چاہتا ہوں مجھے اس سے نہ روکیں آپ کی برتھ اور سیٹ ہو جائیں گی۔'' شکو بھائی کی آواز میں خلوص ٹپک رہا تھا اس لئے میں کچھ نہ کہہ سکا خاموش ہی رہا اور پھر ہم بمبئی سے الہ آباد کی طرف روانہ ہوئے۔

☆......☆......☆

سفر رات کا تھا اور مجھے رات کا سفر پسند بھی ہے اس لئے کہ ٹرین میں مجھے خوب نیند آتی ہے ہم دونوں کی برتھیں آمنے سامنے تھیں زیادہ بڑا کمپارٹمنٹ نہیں تھا۔ مگر پھر بھی بیس برتھیں تو ہوں گی اور جو لوگ بیٹھ کر سفر کر رہے تھے وہ الگ تھے۔ گاڑی مناسب رفتار سے سفر کر رہی تھی، لوگ رات کا کھانا کھا رہے تھے ہوٹل والے بھی چکر لگا رہے تھے۔

میں نے رولوکا سے پوچھا۔

''بھوک نہیں لگ رہی کیا۔''

''حکیم صاحب آپ کو تو پتہ ہے میں سفر میں بہت کم کھانا کھاتا ہوں اور سوتا بھی نہیں۔'' رولوکا نے جواب دیا۔ ''مجھے سب پتہ ہے مگر رات کا کھانا ضرور کھانا چاہئے اس لئے میں ہمیشہ تم سے پوچھتا ہوں۔'' ''آپ تو ہیں حکیم کوئی چورن کھائیں گے اور کھانا ہضم ہو جائے گا میں کیا کروں گا۔'' ''وہی چورن تم بھی استعمال کر لینا۔'' میں نے ہنس کر کہا۔

''اچھا یہ الہ آباد کا پروگرام آپ کے ذہن میں پہلے سے تھا۔'' رولوکا نے پوچھا۔

''نہیں پہلے سے نہیں تھا۔ میرے ذہن میں اچانک ہی اور میں نے چلنے کا فیصلہ کر لیا اتنی سی بات ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''الہ آباد شہر میں کوئی خاص بات ہے۔'' رولوکا نے پوچھا۔

''دیکھا میں نے بھی نہیں ہے مگر یہ شہر تہذیب یافتہ ہے اسکول اور کالجوں کا شہر ہے۔ گنگا جمنی تہذیب ہے، ہر مذہب کے لوگ بڑے سکون سے رہتے ہیں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''اچھا آپ آرام کریں میں ذرا ٹہل کر آتا ہوں اور رولوکا نیچے اتر گیا۔

میں نے ٹفن اٹھایا اور کباب پراٹھے کھانے لگا۔ شکو بھائی نے بڑا اہتمام کر دیا تھا۔ ابلے انڈے، کباب، بھنا ہوا قیمہ اور نہ جانے کیا کیا رکھا تھا اور اتنا تھا کہ چار

آدمیوں کا پیٹ آسانی سے بھر جائے۔ کچھ ہی دیر میں رولوکا واپس آ گیا اور بولا۔

''ایک واردات اس کمپارٹمنٹ میں ہونے والی ہے۔''

''پتہ چل گیا۔'' میں نے کہا۔

''یہ جو کالی پگڑی اور کالی قمیض والا بیٹھا ہے اس کی جیب میں پستول ہے اور ایک خنجر اس کی پنڈلی سے بندھا ہوا ہے۔ یہ اکیلا نہیں اس کے اور بھی ساتھی ہیں۔ جن سے یہ اشاروں میں بات کرتا ہے ان کا پروگرام رات دو بجے کے بعد شروع ہوگا۔ یہ لوگ ریل گاڑیوں کے رہزن ہیں اور سینکڑوں کامیاب وارداتیں کر چکے ہیں۔ میں سو رہا ہوں صبح اٹھوں گا پھر پوری روداد سنوں گا کیونکہ تم تو سوؤ گے نہیں اور ان رہزنوں کو اگر پتہ ہو کہ رولوکا اس ڈبے میں موجود ہے تو شاید وہ اپنے ارادوں سے باز آ جائیں مگر ایسا ہوگا نہیں رہزن باز نہیں آئیں گے اور رولوکا ان کو کامیاب ہونے نہیں دیگا، اس لئے میں سوتا ہوں۔''

رات دو بجے کے بعد، ٹرین میں سفر کرنے والا ہر مسافر۔۔۔ کے غلبے میں ہوتا ہے۔ اور وہی وقت رہزنوں کے کام کا ہوتا ہے۔ رولوکا اپنی برتھ پر لیٹا تھا بظاہر وہ سوتا نظر آ رہا تھا مگر جاگ رہا تھا۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ کالی پگڑی والا کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کے دو آدمی اور تھے جن کے چہرے رومالوں میں چھپے ہوئے تھے۔ کالی پگڑی والے نے پگڑی کا ایک کونا چہرے پر ڈالا کہ اس کا بھی چہرہ چھپ گیا۔ تینوں چاک و چوبند تھے۔ کالی پگڑی والے نے ایک رومال نکالا اور دوسرے سے ایک بوتل لی اس نے رومال پر وہ دوا ڈالی اور رومال کو کھڑکی کے سامنے کر دیا اور رومال ہوا میں اڑنے لگا اور نہایت ناگوار قسم کی بو پورے کمپارٹمنٹ میں پھیل گئی۔ رولوکا نے سانس روک لی اور رومال منہ پر رکھ لیا۔ اب پورے کمپارٹمنٹ کے لوگ گہری نیند میں تھے اور ڈاکو اپنا کام کر رہے تھے۔ انہوں نے جوان کے مطلب کا سامان تھا جمع کر کے ایک چادر میں باندھ لیا لوگوں کی جیبوں سے نقد رقم اور گھڑیاں، عورتوں کے زیورات جمع کر لئے اور اترنے کی تیاری کرنے لگے۔

مگر اب رولوکا کے حرکت کرنے کا وقت تھا۔

اچانک کالی پگڑی والے کو اس کے ایک ساتھی نے بڑا زوردار چانٹا مار دیا اور بولا سردار اس گھڑی کو ہاتھ نہ لگانا یہ میری ہے۔

''کیا ہوا چوبے ناتھ! سب کا حصہ ہے، اور تم نے مجھے مارا کیوں تھا، میں تمہارا سردار ہوں، یہی تو طے ہوا تھا۔'' کالی پگڑی والے نے کہا۔

چوبے ناتھ بولا...... ''وہ گاڑی سے باہر کی باتیں تھیں گاڑی میں جو جس کے ہاتھ میں ہے وہ اس کا ہے کیوں رگھوناتھ میں ٹھیک کہوں ہوں۔''

رگھوناتھ بولا۔ ''یہ بات تھی تو پہلے بتائی ہوتی، میرے پاس تم دونوں سے بہت کم مال ہے میں اس بات کو کیوں مانوں، مجھ سے تو کہا گیا تھا چل برابر کھا برابر اور اب خود بڑا حصہ ہڑپ کرنے لگے ہو۔''

چوبے ناتھ بگڑ کر بولا...... ''ابے تو جانتا ہے میں کیا چیز ہوں، سالوں سے یہی دھندا کرتے آ رہا ہوں، تجھ سے زیادہ میرا تجربہ ہے، مال بھی اسی حساب سے لوں گا کہ نہیں۔'' کالی پگڑی والا دانت پیس رہا تھا غصہ سے بولا۔

''ابے عقل کے ناخن لے سارا دھندہ میں نے سکھایا اور مجھے ہی آنکھ دکھا رہا ہے، رام قسم ایک منٹ میں نہیں لگاتا اگر تیری جگہ کوئی اور ہوتا۔''

چوبے ناتھ کی عقل کو تو کوئی ہی کنٹرول کر رہا تھا آگے بڑھ کر بولا۔

''تو جو کر سکتا ہے کر لے مال تو میں نہیں دوں گا۔''

کالی پگڑی والا بولا۔ ''دیکھ میں آخری بار کہہ رہا ہوں یہ تینوں کا حصہ ہے۔''

''میں نہیں مانتا۔'' چوبے ناتھ اکڑ کر بولا۔

کالی پگڑی والے کا چہرہ غصے سے بگڑ گیا۔ ہونٹ پھڑ پھڑانے لگے، آنکھیں سرخ انگارہ ہو گئیں اس نے بیٹھک کے انداز میں جھک کر پنڈلی سے خنجر نکالا اور بڑے ماہرانہ انداز میں چوبے ناتھ کی ناف میں ڈال دیا اور پھر

پورے وزن کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ یہ کام چند سیکنڈ میں ہوا اور چوبے ناتھ کٹے ہوئے شہتیر کی طرح زمین پر گرا اور کوئی آواز نکالے بغیر ٹھنڈا ہو گیا۔

تیسرا ساتھی رگھو ناتھ یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا۔

کالی پگڑی والا بولا......"کیا دیکھ رہا ہے رگھو، جلدی کر، سامان سمیٹ اور اترنے کو تیار ہو جا۔ دوا کا اثر بھی دو گھنٹہ اور رہے گا۔"

پورے کمپارٹمنٹ میں سناٹا تھا سب مسافر گہری نیند میں تھے اور رولو کا اوپر سے ساری کارروائی دیکھ رہا تھا۔ ایک قتل ہو چکا تھا۔ تین رہزن آئے تھے ایک خود بخود کم ہو گیا تھا۔ ایک ختم ہونے والا تھا۔ اب رگھو ناتھ کے دماغ میں سارا مال ہضم کرنے کا خیال آ گیا اور وہ کھڑکی کے نزدیک آ گیا۔

"اتنی جلدی مت کر رگھو ناتھ، آدھا گھنٹہ کے بعد گاڑی رکے گی وہی جگہ ہمارے اترنے کو مناسب ہے چھوٹا سا اسٹیشن ہے وہاں سے صبح ہی کہیں اور نکل جائیں گے۔" کالی پگڑی والا بولا۔ "اور اس چھوٹی جگہ مجھے بھی تو ٹھکانے لگا دینا اور مال لیکر رفو چکر ہو جانا تو نے چوبے ناتھ کو مار دیا مجھے بھی مار دیگا۔" رگھو ناتھ بولا۔

"تو نے دیکھا نہیں کہ چوبے سارے مال پر قبضہ کر رہا تھا۔" کالی پگڑی والا بولا۔

"اور تو نے فوراً اس کو مار دیا، تو بڑا ظالم ہے، تو مجھے بھی مار دیگا۔" رگھو بولا۔

"نہیں ماروں گا میرا وعدہ ہے اور برابر حصہ بھی دوں گا۔" کالی پگڑی والا بولا۔

"مجھے تجھ پر اعتبار نہیں رہا۔ تو کچھ بھی بول میں نہیں مانوں گا۔" رگھو ناتھ بولا۔

"تو پھر یہ بتا کیا کریں تو کس طرح مانے گا۔" کالی پگڑی والے نے پوچھا۔

"حصہ یہاں پر ہی الگ الگ ہو گا۔" رگو ناتھ نے کہا۔

ارے تیرا دماغ خراب ہوا ہے ابھی دوا کا اثر ختم ہو گا اور لوگ جاگ جائیں گے۔ بھاگنے کو بھی راستہ نہیں ملے گا۔ دونوں مارے جائیں گے۔ کالی پگڑی والے نے کہا۔ "کچھ بھی ہو جلدی جلدی یہ کام کر و اس کے علاوہ میں کوئی بات نہیں مانوں گا۔" رگھو بولا۔ "تو خود تو مرے گا مجھے بھی مروائے گا چل جلدی کر۔" اور دونوں حصہ بانٹ کرنے لگے۔ برابر میں ہی چوبے ناتھ کی لاش پڑی تھی اور سب مسافر بے ہوش پڑے تھے وہ حصہ بانٹنے میں اتنا مشغول ہوئے کہ وقت کا احساس ختم ہو گیا اور ساڑھے چار بج گئے دوا کا اثر ختم ہوا اور کچھ کی قدرتی نیند پوری ہوئی اور کمپارٹمنٹ میں زندگی کے آثار نظر آنے لگے۔ لوگوں نے دیکھا کہ دو آدمی سامان آپس میں بانٹ رہے ہیں وہ سب سامان کمپارٹمنٹ والوں کا ہے۔ پھر لاش پر ان کی نظر پڑی اور پھر دونوں لٹیروں کو باندھ دیا گیا۔ اور صبح اجین جنکشن پر پولیس کے حوالے کر دیا گیا۔ مسافر کا سامان ان کو مل گیا۔ یہ رات کی روداد رولو کا نے مجھے سنا دی۔ میں نے کہا۔

رات بھی تم ڈیوٹی پر رہے۔

میں تو ہر وقت ہر مقام پر خود کو ڈیوٹی پر ہی سمجھتا ہوں۔

"مجھے ٹرین میں نیند بہت آئی ورنہ یہ تماشہ میں بھی دیکھتا۔" میں نے کہا۔

دن میں ہی الہ آباد کا اسٹیشن آ گیا اور ہم اتر پڑے۔ اسٹیشن پر ہی اندازہ ہو گیا کہ یہاں کی تہذیب کیا ہے اردو کثرت سے بولی جاتی ہے اور اس میں پوربی زبان کی چاشنی شامل ہوتی ہے۔ ہندو کوئی کوئی لفظ شدہ ہندی کا بھی شامل کر لیتے ہیں۔ پوربی زبان ہمالیہ کی ترائی کے علاقوں میں بولی جاتی ہے۔ الہ آباد میں بھی اس زبان کا اثر ہے شہر میں تعلیم کا زور شور ہے، ہر طرف اسکول اور کالج نظر آتے ہیں، ہر قوم کے لوگ پڑھتے ہیں اور بڑے بڑے اہل قلم یہاں سے ابھرے ہیں۔ بڑے بڑے لیڈر اس شہر نے پیدا کئے ہیں، بڑے شاعر، ادیب، دانشوروں نے ہندوستان میں نام پیدا کیا ہے۔ اودھ کی نوابی ختم ہو چکی

ہے مگر اس علاقے پر اس کے اثرات اب بھی موجود ہیں۔
الہ آباد بھی نوابی دور میں لکھنو کے نوابوں کا شہر رہا ہے اس کا علم وادب شعروشاعری لوگوں کے ذہنوں میں اب بھی ہے۔ مشاعرے، ادبی محفلیں ہوتی ہیں اور لوگ بڑے شوق سے ان میں شامل ہوتے ہیں۔ اس شہر کا مزاج کچھ کچھ لکھنو سے ملتا ہے اور مزے کی بات یہ ہے کہ ہر قوم کے لوگ ایک ہی رنگ میں رنگے نظر آتے ہیں۔
مسافر خانے آج بھی ہیں حالانکہ اسٹیشن کے قریب ہوٹل بھی بن چکے ہیں۔ مسافر خانوں کا ماحول وہی پرانا ہے میں نے بھی ایک مسافر خانہ کو پسند کیا۔ وہ اسٹیشن سے زیادہ دور نہیں تھا۔ بورڈ پر لکھا تھا۔ ''بندے علی مسافر خانہ۔'' ظاہر ہے بندے مسلمان ہی ہوگا۔
دروازے کے سامنے ہی ایک سائبان کے نیچے ایک چبوترا بنا ہوا تھا اس پر گاؤ تکیہ لگائے ایک صاحب بیٹھے تھے اور حقہ پی رہے تھے۔ ہم دونوں کو دیکھا تو اٹھ کر بیٹھ گئے اور چبوترے سے اتر آئے۔ ''آیئے! آیئے۔'' اور ہاتھ پکڑ کر چبوترے پر بٹھا دیا اور بولے۔ ''فرمایئے کہاں سے آنا ہوا۔''
میں نے کہا۔ ''اس وقت تو بمبئی سے آرہے ہیں مگر ہیں ہم دلی کے۔''
''بہت خوب الہ آباد میں کوئی کام ہوگا اس لئے رک گئے ہیں۔'' وہ بولا۔
''جی ہاں ہمارے لئے کام ہی کام ہیں۔'' میں نے کہا۔
''تعارف کرادیں تو بات آگے چلے۔'' وہ بولے۔
میں نے کہا۔ ''میں حکیم ہوں میرا نام حکیم وقار احمد ہے اور یہ میرے دوست حکیم کامل خان ہیں۔''
میں نے رولو کا کی طرف اشارہ کر کے کہا۔
''بہت خوب بھئی، اللہ! نے میری کتنی جلدی سن لی۔'' وہ زور سے بولے آواز کچھ زور کی نکل گئی یہ بے ساختہ ہوا مگر اندر سے ایک آدمی ہاتھ پونچھتا ہوا باہر نکل آیا اور بولا۔
''اماں خیریت تو ہے، بندے علی بھائی کیا ہوا۔''
''آؤ جلو بھائی، اللہ! جب سنتا ہے تو دیکھو کتنی جلدی سنتا ہے۔'' بندے علی بولے۔
''پر ہوا کیا ہے پتہ بھی چلے۔'' جلو نے کہا۔
''یہ دیکھ رہے ہو ان دونوں کو کس نے بھیجا ہے۔'' اور پھر خود ہی جواب دیا۔ ''اللہ نے مہربانی کی ہے۔''
''پتہ نہیں کہاں کی اڑا رہے ہو، میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔'' جلو الجھ کر بولا۔
مگر بندے علی نے اس کی بات کو جواب نہ دیا اور مجھ سے مخاطب ہوا۔
''معاف کرنا حکیم صاحب میں خوشی میں سب بھول گیا۔'' اور پھر جلو سے بولے۔ ''جلدی کرو، دوڑ کر دو چائے بنالا، باتیں تو ہوتی ہی رہیں گی۔''
''اب فرمایئے حکیم صاحب، مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی ہو تو میں آدمی ذرا جلد باز ہوں۔''
میں نے کہا۔ ''تم سے غلطی تو کوئی نہیں ہوئی مگر تم نے یہ نہیں بتایا کہ ہم یہاں پر ٹھہر سکتے ہیں کہ نہیں اور اس کے بدلے ہم کو ادا کرنا ہوگا۔''
''ہم آپ سے کاروباری بات نہیں کریں گے۔'' بندے علی نے جواب دیا۔
''کیوں یہ تو آپ کا کاروبار ہے۔'' میں نے کہا۔
''بات یہ ہے کہ آپ دونوں صاحبان کی، خود ہم کو ضرورت تھی اور اللہ نے آپ کو ہمارے پاس بھیج دیا اندھا کیا چاہے گا دو آنکھیں، پھر بھلا اللہ کے مہمانوں سے کاروباری بات ہم کیا کریں گے۔'' بندے علی نے جواب دیا۔
''آپ نے یہ منطق خوب نکالی، ارے بھائی، ہم آپ کے مسافر خانے میں ٹھہرنے آئے ہیں۔'' میں نے کہا۔ آپ ضرور یہیں پر رہیں گے، ہمارے مہمان ہیں آپ، ہم آپ سے بخدا کچھ کرایہ نہیں لیں گے، ہمارا دل اندر سے کہہ رہا ہے۔'' بندے علی بولے۔

''تو پھر ہم کسی دوسری جگہ چلے جاتے ہیں، ہم مفت میں قیام نہیں کرتے۔'' میں نے کہا۔

''یہ کیا آپ نے فرما دیا، اچھا ٹھیک ہے قیام کی مد میں دو روپے اور طعام کی مد میں دو روپے ادا کر دیں، آپ نے یہاں پر بھی ہم سے رعایت کی ہے۔'' میں نے کہا۔

اب مجھے اور زیادہ شرمندہ نہ کریں حکیم صاحب، میرا دل بہت کمزور ہے۔ بہت دکھی ہے۔'' بندے علی بولے جلو چائے لے آیا تھا وہ جلو سے بولے۔

''دو کمرے اچھی طرح صاف کر دے، نئے بستر لگا دے۔''

میں نے ان کی بات کاٹ کر کہا۔ ''کمرہ تو ایک ہی ٹھیک ہے البتہ دو پلنگ ہونے چاہئیں۔''

''بہت بہتر، جلو جیسا کہا ہے وہی کرنا۔'' بندے علی نے کہا۔ جب جلو چلا گیا تو بولے۔ اس کا نام جمال ہے مگر سب جلو کہتے ہیں۔ اس مسافر خانے کا یہ واحد ملازم ہے، کھانے پکانے کو ایک عورت رکھی ہوئی ہے، سامان میں خود خریدتا ہوں۔''

تھوڑی دیر میں جلو نے اطلاع دی کہ۔ ''کمرہ صاف ہو گیا ہے اور پلنگ بھی ڈال دیا ہے۔''

''اچھا حکیم صاحب، میں نے آپ کا بہت وقت لیا، سفر سے آئے ہیں آرام کریں، شام کو ملاقات ہو گی۔'' اور ہم جلو کے ساتھ کمرے میں آ گئے کمرہ بہت کشادہ تھا رنگ و روغن بھی نیا تھا اور بستر بھی صاف بچھے ہوئے تھے۔ کمرے کے اندر آتے ہی رولو کا نے کہا۔

''ڈیوٹی شروع ہو گئی۔''

''ہاں میرا خیال بھی ایسا ہی ہے۔ بندے علی بھی ایک کردار ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''اور یہ کتنے مزے کی بات ہے کہ ہم خود کسی کردار کو تلاش نہیں کرتے، بلکہ کردار خود بخود ہمارے پاس آ جاتے ہیں۔ یا ہم خود چل کر ان کے پاس چلے جاتے ہیں۔'' رولو کا نے جواب دیا۔

''اس کا تو صرف ایک ہی مطلب سمجھ میں آتا ہے کہ ابھی ذمہ کچھ کام ہیں اور وہ ہم کو کرنا ہیں۔'' میں نے جواب دیا۔

شام سات بجے جلو ہمارے پاس آ گیا اور آتے ہی بولا۔

''کھانے کی تیاریاں ہو رہی ہیں، آپ کیا کھانا پسند کریں گے اور کس وقت تناول فرمائیں گے۔'' ''ہم لوگ رات نو بجے کھانا کھاتے ہیں اور نہایت سادہ غذا کھاتے ہیں صرف ہمارے لئے کسی تیاری کی ضرورت نہیں ہے جو پکے گا کھا لیں گے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''ٹھیک ہے قبلہ میں بندے علی کو نہلائے دیتا ہوں۔'' اور جلو چلا گیا۔

اور ٹھیک نو بجے کھانا تیار ہونے کی اطلاع لیکر جلو حاضر ہوا۔ اور ہم کھانے کے کمرے میں آ گئے یہاں پر بندے علی اپنے چہرے پر مسکراہٹ کی جھالر سجائے موجود تھے۔ بولے ''آپ کھانے میں تکلیف مت کیجئے، حکیم صاحب، جو کھانا چاہیں حکم کر دیں وہی پک جائے گا۔'' ارے میاں بندے علی ''ہم تو یہ سوچ رہے ہیں کہ ہم لکھنو میں تو نہیں آ گئے۔'' میں نے کہا۔ ''کیوں میاں صاحب ایسا خیال آپ کے دل میں کیسے آیا۔'' بندے علی بولے۔

''آپ کی میزبانی دیکھ کر تو ایسا ہی لگ رہا ہے۔'' میں نے کہا۔

''اس کی دو وجوہات ہیں، ایک تو یہ کہ آپ ہمارے مسافر خانے کے مہمان ہیں، دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ ہمارا آپ سے کچھ کام ہے، ہم صاف گو آدمی ہیں، اس لئے بتا رہے ہیں کہ اگر ہم آپ کی خدمت کریں گے تو ہی آپ ہمارے کام آئیں گے۔ حکیم صاحب کیا بتائیں ہم اوپر سے جتنے پرسکون نظر آتے ہیں اندر سے ایسے نہیں ہیں، ہمارے اندر دکھ ہی دکھ ہیں۔'' وہ مایوسی کے لہجے میں بولے۔ ''اگر تم ہم کو اپنے دکھ دکھاؤ گے تو انشاءاللہ ہم اس کا علاج بھی کریں گے۔'' میں نے کہا۔

''میں آپ کو ضرور بتاؤں گا مگر ابھی نہیں آپ کے کھانا کھانے کا وقت ہو رہا ہے، میں بعد میں آپ کے

پاس آؤں گا، ابھی آپ کھانا کھائیں۔'' اور بندے علی باورچی کھانے میں چلے گئے۔

بندے علی اپنے وعدے کے مطابق آ گئے بولے......''اگر آپ لوگ کو نیند نہیں آ رہی تو میں بیٹھ جاؤں۔''

میں نے کہا۔''تم آرام سے بیٹھو اور بتاؤ تمہاری کیا پریشانی ہے۔''

''بات ذرا لمبی ہے آپ لوگوں کی نیند خراب نہ ہو مجھے یہ ڈر ہے۔'' وہ بولے۔

''جیسی بھی ہے تم بتاؤ ہم سن رہے ہیں۔''

''الہ آباد کے قریب ہی ایک قصبہ ہے اس کا نام منڈارہ ہے۔ ہم وہاں کے رہنے والے ہیں۔ وہاں پر ہمارے دادا پردادا کے زمانے کی بہت زمینیں ہیں۔ میرے باپ کے چار بھائی تھے، ہماری دادا کچھ اچھے خاندان کی عورت نہیں تھی سنا ہے دادا ان کی شکل صورت پر مر مٹے تھے اور اپنے باپ سے بغاوت کر کے شادی کی تھی۔ اکلوتی اولاد ہے اس لئے دادا ہی باپ کی پوری جائیداد کے وارث ہوئے دادی بڑی کینہ پرور عورت تھی اس نے اپنے خسر کو کہہ دیا تھا کہ تم نے مجھے قبول نہیں کیا میں اس کا بدلہ تمہاری آنے والی نسلوں سے لوں گی اور اس نے یہ بدلہ اس طرح لیا کہ ان کے ہاں چار لڑکے پیدا ہوئے اور دولڑکیاں ہوئیں۔ انہوں نے بچوں کی تربیت اس طرح کی کہ یہ آپس میں لڑتے رہیں ایک بھائی دوسرے کا دشمن کبھی ایک کی طرف اس کو دوسرے کے خلاف کر دیا کبھی دوسرے کو خلاف کر دیا، اسی طرح لڑکیاں بھی بھائیوں کو اور باپ کو دشمن خیال کرتی تھیں۔ دادا سے کسی بیٹے کو محبت نہیں تھی چاروں بیٹے باپ کے خلاف تھے ان کو خلاف کرنے میں دادی کا کمال تھا۔ لڑکیوں کی تو دادا نے شادیاں کر دیں اور ان کا جو حق بنتا تھا ان کو پورا پورا ادا کر دیا۔ لڑکے اس بات پر بھی ان کے خلاف تھے۔ دادی کی مرضی یہی تھی اور وہ لڑکوں کو بھڑکا رہی تھی۔ ان کی آپس کی لڑائیاں اس قدر زیادہ ہو گئیں کہ دادا بغیر بتائے گھر چھوڑ کر چلے گئے اور اس کے بعد واپس نہیں آئے۔ ان کے جانے کے بعد بٹوارے پر جھگڑا چلا۔ میرا باپ دوسرے نمبر پر تھا۔ ان سے دو چھوٹے بھائی تھے۔ بڑا بھائی بہت کائیاں تھے اس کے پیٹھ پر ماں کا ہاتھ بھی تھا۔ میرا باپ خاموش طبیعت اور سنجیدہ مزاج آدمی تھا۔ وہ اپنے بھائیوں سے جھگڑا کرنا نہیں چاہتا تھا، اپنی ماں کا ادب بھی کرتا تھا مگر جو وہ کر رہی تھی وہ اس کے مزاج کے خلاف تھا آخر اس نے بھی فیصلہ کیا کہ قصبہ چھوڑ کر الہ آباد میں ایک مکان کرائے پر لیکر رہنے لگا اور یہیں پر ایک نیک اور شریف لڑکی سے خاموشی سے شادی کر لی۔ کسی کو اس نے شریک نہیں کیا۔ کئی سال گزر گئے۔ وہ بھول گیا کہ اس کا زمینوں میں حصہ ہے وہ محنتی آدمی تھا میری پیدائش کے بعد ایک میری بہن بھی پیدا ہوگئی۔ اس کا اپنے کسی عزیز کے ساتھ ملنا جلنا نہیں تھا وہ تو خوش تھے کہ ایک حصہ دار خود ہی چلا گیا اب تین میں بٹوارہ ہو گیا۔

پھر سننے میں آیا، سب سے چھوٹا بھائی سانپ کے کاٹنے سے مارا گیا۔ میرا باپ سن کر خاموش ہو گیا، گیا نہیں ایک سال کے بعد ایک اور اسی طرح مارا گیا۔ اب صرف بڑا بھائی اور ماں رہ گئے تھے بڑے نے شادی نہیں کی تھی، سنا ہے لوگ کہتے تھے کہ وہ شادی کے قابل تھا ہی نہیں، دادا کا انتقام جاری تھا۔ ان دو کے بعد میرے باپ کا نمبر تھا اور اس کے بعد ہمارا نمبر آنے والا تھا کیونکہ بڑا تو بیکار ہی تھا۔ میرے باپ سے ہی نسل چل رہی تھی۔ میرا ایک بھائی اور پیدا ہو گیا تھا۔

دس سال تک میرا باپ قصبہ میں اپنے گھر نہیں گیا دونوں بھائی مر گئے وہ نہیں گیا اور نہ کوئی اس کی خبر گیری کو آیا۔ مگر ایک روز اچانک اس کا بڑا بھائی اور ماں شہر ہمارے گھر آ گئے آتے ہی اس نے مجھے گلے سے لگایا۔ بہن کو بہت پیار کیا۔ میری ماں کو غور سے دکھا اور میری بہو کہہ کر گلے لگا لیا۔ میری ماں کو غور سے دکا اور میری بہو کہہ کر گلے لگا لیا۔ وہ بڑے والہانہ انداز میں سب سے مل رہی تھی میری دادی تھی مگر مجھے نامعلوم کیوں ذرا اچھی نہیں

لگ رہی تھی۔ میری اس وقت عمر بارہ سال ہوگی بہن دس سال کی اور چھوٹا بھائی چھ سال کا تھا۔ میرا باپ خاموش تھا اس نے کسی کی خیر خیریت نہیں پوچھی نہ بھائیوں کا ذکر کیا وہ مر گئے۔ ایسا لگتا تھا کہ میرے باپ کو سب کچھ پتہ ہے مگر وہ خاموش ہے کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ شام کو کھانے کے بعد دادی نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔

بس میاں فرقان علی، بہت شہر میں رہ لئے، اب اپنے گھر چلو اور زمینوں کی دیکھ بھال کرو، اب تم دو ہی تو ہو، سب کچھ تمہارا ہی ہے۔

میرے باپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تو بڑا بھائی بولا۔

''میاں خاموش تماشائی بننے کی تمہاری عادت گئی نہیں، جواب دو اماں کیا کہہ رہی ہیں۔'' ''میں نے گھر چھوڑا تھا کسی نے نہیں پوچھا کیوں چھوڑ کر جا رہے ہو دس سال تک کسی نے پلٹ کر خبر نہیں لی۔ دس سال کے بعد اماں کو میرا خیال کیسے آ گیا'' ابا نے پوچھا۔ ''یہ سب ٹھیک ہے مگر ناخن سے گوشت کبھی جدا ہوا ہے اب تمہاری ضرورت ہے کون ان زمینوں کو آباد کرے گا بڑے کی تو یہ جو روتہ بچے تو ہی وارث ہے تیرے بچے ہی مالک ہوں گے۔'' دادی نے کہا۔ ''اماں مجھے اس منحوس زمین کی ضرورت نہیں ہے جس میں سانپ اگتے ہیں۔'' ابا نے کہا۔

دادی بگڑ کر بولیں۔ ''تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے، ارے ہم تیری بھلائی کو آئے ہیں اور تو ہے کہ نہ جانے کس ہوا میں ہے، دون کی چھوڑ رہا ہے اور بھلا زمین میں سانپ کبھی اگے ہیں۔ کان کھول کر سن لے تجھے گاؤں تو جانا ہی پڑے گا اگر نہ گیا تو سمجھ لے اچھا نہ ہوگا۔'' ''اچھا تو کہیں نہیں ہوگا اس لئے کہ تمہارا قدم میرے گھر آ گیا ہے میں تمہارے ساتھ تو ہرگز نہیں جاؤں گا۔'' ابا نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے فرقان علی، تیرا بھی جلد ہی بندوبست ہوگا۔'' اور دادی چلی گئی۔

کسی نے ایسی ڈائن دیکھی ہے جو اپنی اولاد کو ہی اپنے بھینٹ چڑھا دی ہو۔

وہ اس وقت تو چلے گئے مگر اس کے بعد ان کے پیغامات اور دھمکیاں آتی رہیں۔ ابا نے اس طرف دھیان نہیں دیا۔ چھ سات سال اور گزر گئے اور پھر ہمارے گھرانے پر آفت ٹوٹ پڑی۔ اماں اچانک بیمار پڑ گئیں اور اچانک ہی مر گئیں۔ گھر کا شیرازہ بکھر گیا کیونکہ وہی تھیں جو ابا کو سنبھالے ہوئے تھیں۔ ابا نے اس کے بعد بہت جلدی کی، بہن کی شادی کر دی اور اس کو الہ آباد سے دور کر دیا، چھوٹے بھائی کو، اور مجھے دلی اپنے ایک دوست کے پاس بھیج دیا، ابا کو بہت کچھ معلوم تھا مگر ان کی زبان بند تھی۔ انہوں نے کسی کو اپنے خاندان کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ ہم دونوں بھائیوں کو بھی تاکید کر دی تھی کہ ''کسی کو پتہ نہ چلے کہ تم دلی میں ہو، زیادہ کسی سے میل جول مت رکھنا، صرف اپنی تعلیم کی طرف دھیان دینا۔''

ہمارے جانے کے بعد اچانک ایک دن دادی منڈارے سے اکیلی ابا کے پاس آ گئی، گھر میں صرف ابا ہی تھے سونا دیکھ کر بولیں۔

''اے تو کتنا ظالم باپ ہے کہ بچوں کو خود سے دور کر دیا اور خود اکیلا موج اڑا رہا ہے۔''

''بیوی کے مرتے ہی تیری آنکھیں بدل گئیں۔''

''میں نے تو بیوی کے مرنے کی اطلاع منڈارے نہیں دی تھی، پھر آپ کو کس طرح پتہ چلا کہ میری بیوی مر گئی ہے۔'' ابا نے پوچھا۔

''تو ہی بتلائے گا تو پتہ چلے گا میرے پاس بہت ذرائع ہیں۔'' وہ بولیں۔

''اور تمہارے ذرائع کیا ہیں وہ بھی مجھے پتہ ہیں۔'' ابا نے کہا۔

''زیادہ اونچی آواز میں بات مت کر، میں تیری ماں ہوں، شہر میں رہ کر ادب لحاظ سب بھول گیا۔'' دادی غصے سے بولی۔

''اگر تم میری ماں ہوتیں تو میں ضرور ادب کرتا تم میری ماں نہیں ہو۔'' ابا نے کہا۔

''یہ کیا بکواس کر رہا ہے، شرم نہیں آتی تجھے۔''

دادی کا غصہ بڑھتا جا رہا تھا۔

"میں جو بکواس کر رہا ہوں وہ مجھے ابا نے جاتے وقت بتائی تھی۔ انہوں نے کہا تھا یہ عورت جو میری بیوی بنی ہوئی ہے بیوی نہیں ہے یہ ایک بلا ہے۔" ان کو بھی فوراً ہی اس کا اندازہ نہیں ہوا تھا۔ وہ بھی کافی عرصہ حسین چہرے کے پھیر میں پڑے رہے تھے۔

"ہوں تو وہ کمینہ جاتے جاتے بھی میرا راز کھول گیا۔ میرا راز جب تجھے پتہ چل ہی گیا ہے تو سن، تو اور تیرے سارے بھائی بہن میری اولاد نہیں ہیں۔ میں نے تیرے دادا سے انتقام لینے کی خاطر شادی کر لی تھی کیونکہ اس نے میری چوٹی کاٹ کر غائب کر دی تھی، میں اس کی غلامی میں آ گئی تھی، کہیں جا نہیں سکتی تھی۔ پھر میں نے اس کو اچھانا شروع کر دیا اور ایک حسین عورت کا روپ اختیار کر لیا اور اس کو مجبور کیا کہ وہ شادی کر لے، میں نے اس کو یقین دلایا کہ میں اس کی اولاد پیدا کروں گی حالانکہ یہ نہیں ہو سکتا تھا، وہ میری باتوں میں آ گیا مگر شادی پھر بھی نہیں کی۔ پھر میں نے اس کی شادی ایک بہت حسین عورت سے کروا دی مگر اس عورت پر میرا حکم چلتا تھا۔ وہ میری زبان بولتی تھی میرے کہنے پر ہر کام کرتی تھی، یوں سمجھ لو کہ اس کے اندر میں ہی تھی وہ صرف ایک مشین تھی۔ تیرے دادا کا باپ نہایت کائیاں آدمی تھا اس کو مجھ پر پہلے ہی شک تھا وہ ایک منٹ اپنے گھر میں مجھے رکھنے پر راضی نہیں تھا مگر بیٹے کی وجہ سے مجبور تھا۔ میں تو باپ اور بیٹے دونوں کی دشمن تھی۔ صرف موقع کی تلاش میں تھی۔ تیرے دادا نے میری چوٹی کہاں رکھی تھی یہ مجھے اب تک پتہ نہیں چلا۔ باپ کے مرنے کے بعد تیرا دادا بھی چلا گیا میں نے بہت کوشش کی کہ میری چیز مجھے مل جائے اور میں بھی اپنی راہ جاؤں، مجھے اس نے اس چوکھٹ سے باندھ دیا ہے میں اس گھرانے کے کسی فرد کو نہیں چھوڑوں گی، سب سے پہلے تیری ماں کو میں نے ختم کیا اور اس کا بہروپ بنایا تاکہ اس کے مرنے کا کسی کو پتہ نہ چلے۔ اب آہستہ آہستہ سب مریں گے، تو کچھ بھی کر لے اپنی اولاد کو چاہے جہاں بھیج دے چھوڑوں گی کسی کو نہیں اور اگر تو اپنی اور اپنی اولاد کی زندگی چاہتا ہے تو مجھے بتا دے کہ میری چیز تیرے باپ نے کہاں چھپائی ہے۔

ابا نے پوری کہانی سننے کے بعد کہا۔

"تو نے جو کچھ کہا ہے اس کے بارے میں ابا نے جاتے وقت مجھے بہت کچھ بتا دیا تھا مگر اس کو راز رکھنے کی تاکید بھی کی تھی۔ مجھے یہ بھی پتہ ہے کہ تیری چوٹی کہاں رکھی ہے مگر میں تجھ کو بتاؤں گا نہیں۔"

ابا نے جواب دیا۔

"تجھے اپنے بچے پیارے نہیں ہیں، ان کی زندگی بچا لے تیرے ساتھ ساتھ وہ بھی مارے جائیں گے۔"

دادی نے کہا۔

"تو کچھ بھی کر لے، میں تجھے بتاؤں گا نہیں، مجھے پتہ ہے کہ، تو اب میرے بچوں تک نہیں پہنچ پائے گی، تیرے قریب جو تھے ان کو تو نے ٹھکانے لگا دیا میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تو کسی حالت میں بھی اپنا انتقام پورا کرے گی۔ تیری چوٹی مل گئی تو بھی اور نہ ملی تو بھی۔ میں مر جاؤں گا مگر یہ راز میرے سینے سے زبان پر کبھی نہیں آئے گا۔ تو جو کر سکتی ہے ضرور کر لینا۔ یہ سب باتیں ابا نے مجھے تفصیل سے لکھ کر خط کے ذریعہ بھیج دیں تھیں اور تاکید کی تھی کہ اگر میں مر بھی جاؤں تو بھی الہ آباد نہ آنا اور نہ چھوٹوں کو آنے دینا۔ اس کے بعد زیادہ عرصہ زندگی نہیں رہے۔"

اسکے بعد میری باری تھی کیونکہ ہمارا خاندان صرف ہم دو بھائیوں سے آگے چل سکتا تھا۔

میں نے سوچا ہم دونوں بھائیوں کو شادی کر لینی چاہئے تاکہ ہماری نسل آگے چلے۔ میں نے شادی کر لی۔ بھائی کی بھی کر دی۔ دونوں کی اولاد بھی ہو گئی۔ بات اتنی پرانی ہو گئی تھی اور اس کی اہمیت گھٹ گئی تھی بھائی الہ آباد آ گیا مگر یہاں پر پھر سے نئی کہانی شروع ہو گئی اور میرا جوان بھائی مارا گیا، اس کو کسی نے رات میں سوتے میں قتل کر دیا۔ وہ اکیلا ہی الہ آباد آیا تھا۔ مجھے سب کچھ یاد آ گیا، بات ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔ ہمارے خاندان کی منحوسیت

ختم نہیں ہوئی تھی دشمن تاک میں تھا مگر میں الہ آباد آنا چاہتا تھا اور ڈرتا بھی تھا۔ میں نے دلی میں ایک دوست کو پوری روداد سنائی تو وہ مجھے ایک مزار پر لے گئے اور وہاں پر اس نے مجھے ایک فقیر سے ملوایا۔ اس نے مجھے ایک نقش دیا اور کہا کہ اس کو ہمیشہ اپنے پاس رکھنا تیرا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ میں الہ آباد آ گیا اور یہ مسافر خانہ بنایا۔ اب یہ پریشانی ہو رہی ہے کہ دلی میں میری بیوی سخت بیمار ہے اور حکیم ڈاکٹرز نے اس کو لاعلاج قرار دے دیا ہے۔ دورے پر دورے پڑتے ہیں مگر ایک قدم دلی میں اور ایک الہ آباد میں رہتا ہے۔ سخت پریشان ہوں۔'' بندے علی خاموش ہو گئے۔''دلی میں تمہاری بیوی بیمار ہے اور تم الہ آباد میں کیا کر رہے ہو میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ تم الہ آباد میں کیوں رہتے ہو۔'' میں نے پوچھا۔

''یہ سوال آپ کریں گے، مجھے اندازہ تھا، تو عرض یہ ہے کہ میں بھی موقعہ کی تلاش میں ہوں میرے اندر بھی انتقام کی آگ جل رہی ہے، میرے خاندان کا شیرازہ بکھیرنے والی وہ ناپاک چڑیل میرے اعصاب پر سوار ہے، میں منڈارہ چکر لگاتا رہتا ہوں، زمین ویران پڑی ہے کوئی ان زمینوں پر کاشت نہیں کرتا، میرا تایا نیم پاگل ہے اور حویلی نما مکان ویران پڑا ہے اور وہ چڑیل اس قبرستان میں اکیلی منڈلاتی رہتی ہے، مجھ پر اس کا بس نہیں چل رہا ورنہ وہ مجھے بھی کب کا ٹھکانے لگا چکی ہوتی۔'' بندے علی نے جواب دیا۔

''تو پھر تم ایسا کرو کہ سب سے پہلے اپنی بیوی کا علاج کرو، اس کے بعد اس چڑیل کو دیکھیں گے۔'' میں نے رائے دی۔

''آپ جو مناسب فرمائیں وہ کریں۔ میں نے تو ڈوری آپ کے ہاتھ میں دے دی ہے۔'' بندے علی بولے۔

''تمہارا کیا خیال ہے حکیم صاحب۔'' میں نے رولوکا سے پوچھا۔

''آپ کا خیال درست ہے۔ پہلے مریض کو دیکھنا ضروری ہے۔''

اور ہم تینوں اسی دن دلی روانہ ہو گئے۔ بندے علی کا مکان پرانی دلی میں چتلی قبر کی آبادی میں تھا۔ یہ ایک بہت قدیم حویلی تھی۔ ہم لوگ سیدھے بندے علی کے مکان پر پہنچے۔ رولوکا نے دروازے پر کھڑے ہو کر اطراف کا جائزہ لیا اور کہا۔

''حکیم صاحب آپ اپنے گھر جائیں، میں شام تک آپ کے پاس آ جاؤں گا۔''

میں نے بندے علی کو کہا۔''اچھا مجھے اجازت دو، یہ حکیم صاحب تمہاری بیوی کا علاج کریں گے۔'' اور میں نے تانگا پکڑا اور اپنے گھر روانہ ہو گیا۔ میرے روانہ ہوتے ہی رولوکا تیزی کے ساتھ گھر کے اندر چلا گیا۔ گھر میں سناٹا تھا۔ بندے علی خان نے اپنے چھوٹے بھائی کو آواز دی تو وہ ایک کمرے سے نکل کر اور بھائی جان کہہ کر لپٹ گیا۔ بندے علی نے کہا۔''تمہاری بھابی کس کمرے میں ہے یہ بتاؤ۔'' اس کا بھائی بولا۔''میں ان کے پاس ہی تو تھا۔ اسی کمرے میں ہیں حالت بہت خراب ہے میں آپ کو ہی یاد کر رہا تھا۔''

''آیئے حکیم صاحب۔'' اور بندے علی کے ساتھ رولوکا بھی کمرے میں چلا گیا۔

کمرے میں جاتے ہی رولوکا نے کہا۔''بندے علی کھڑکی اور دروازہ بند کر دو۔''

اور خود مریضہ کے سرہانے کھڑا ہو گیا۔ ایک منٹ کے بعد اس نے کہا۔

''اب باہر آ جا! بہت دن اندر گزار لئے مگر کچھ نہ ہوا۔''

رولوکا نے پھر اپنے الفاظ دہرائے مگر جواب نہیں آیا۔ تو پھر رولوکا نے کہا۔

''یہ آخری بار کہہ رہا ہوں۔'' تو اس کی بیوی کے منہ سے آواز آئی۔

''منڈارے والی کہے گی تو باہر آؤں گی۔ جا اس کے پاس جا۔''

’’اس کے پاس بھی جاؤں گا مگر تو باہر آ۔‘‘ رولو کا نے جواب دیا۔

’’میں اس کی اجازت کے بغیر نہیں آؤں گی۔‘‘ وہ پھر بولی۔

’’تو ہے کون یہ تو بتا۔‘‘ رولو کا نے پوچھا۔

’’میں کالی کی داسی رکنی ہوں، میں جس کے اندر جاتی ہوں اس کے پران لیکر نکلتی ہوں۔‘‘ وہ غرور سے بولی۔

’’اچھا تو پھر دیکھ۔‘‘ اور رولو کا نے فوراً اس کا دائیں ہاتھ کا انگوٹھا پکڑ لیا۔ اور اس کو دبایا اس نے چھڑانے کی کوشش کی مگر رولو کا کی پکڑ بڑی سخت تھی۔ اس انگوٹھے سے ایک لیس دار دھاگا رولو کا نے نکال لیا اور اسکو اپنی انگلی پر لپیٹنا شروع کر دیا جیسے جیسے وہ دھاگا نکلتا گیا بندے علی کی بیوی کی حالت سدھرتی گئی۔

کچھ ہی دیر میں وہ دھاگا ختم ہو گیا۔ اور بندے علی کی بیوی اٹھ کر بیٹھ گئی اور حیران نظروں سے سب کو دیکھنے لگی۔ رولو کا نے بندے علی کو اشارہ کیا اور باہر آ گیا۔

’’تو میاں بندے علی تمہاری بیوی کا تو علاج ہو گیا اب تم ایسا کرو جلدی سے اپلے کی آگ کا بندوبست کرو تا کہ اس بیماری کو بھی ختم کر دیا جائے۔‘‘

بندے علی فوراً اندر گیا اور کچھ ہی دیر میں ایک بڑے برتن میں آگ لے آیا۔

رولو کا نے وہ دھاگا انگلی سے اتار کر آگ میں ڈال دیا۔ آگ میں جاتے ہی آواز آئی۔ ’’مائی بچاؤ: ہتھیارے نے جلا دیا مار دیا۔‘‘ رولو کا نے کہا۔ ’’کالی کو بلا لے خوب زور زور سے بلا، میں کھڑا ہوں مگر پھر کوئی آواز نہیں آئی اور کچھ ہی دیر میں آگ بھی ٹھنڈی ہو گئی تو رولو کا نے کہا۔ ایک کپڑے کی تھیلی لاؤ۔‘‘ اور اس نے خود اس راکھ کو اس میں بھر دیا۔

اور کہا۔ ’’اب تم خود اس کو لے جا کر جمنا کے اندر ڈال آؤ۔ اور مجھے اجازت دو۔‘‘

’’ارے نہیں حکیم صاحب، ایسے کس طرح ہو سکتا ہے میں نے تو آپ کی کوئی خدمت ہی نہیں کی۔‘‘ بندے علی نے کہا۔

’’تم نے حکیم وقار کا دواخانہ دیکھا ہے۔‘‘ رولو کا نے پوچھا۔

’’لال کنوئیں پر ہے، پتہ چل جائیگا۔‘‘ بندے علی بولے۔

’’شام کو وہیں پر آ جانا پھر باتیں کریں گے اور یہ راکھ احتیاط سے جمنا میں ڈال آؤ۔‘‘ اور رولو کا روانہ ہو گیا۔

میں نے پوری روداد سننے کے بعد کہا۔

’’تو یہ بھی جادو کا عمل تھا، یہ کس نے کیا ہے۔ کچھ اندازہ ہے۔‘‘

’’لگتا تو ایسا ہے کہ وہی چڑیل یہ کر رہی ہے اس کو شاید کوئی ایسا گرو مل گیا ہے جو اس کو طاقت دے رہا اور وہ پر پھیلا رہی ہے مگر ابھی تک اتنی طاقت ور نہیں ہوئی کہ اپنی گمشدہ چیز کا پتہ چلا سکے یا پھر وہ چیز ایسی جگہ ہے جہاں پر وہ جا نہیں سکتی۔‘‘ رولو کا نے جواب دیا۔

’’باتیں دونوں سمجھ میں آنے والی ہیں۔‘‘ میں نے جواب دیا۔

شام کو بندے علی خوش خوش مٹھائی کا ٹوکرہ لے کر آ گیا۔

رولو کا نے پوچھا۔ ’’اب کیا حال ہے تمہاری بیوی کا سناؤ۔‘‘

’’ارے حکیم صاحب وہ تو پتہ ہی نہیں چلتا کہ کبھی بیمار تھی اور اس سے اس کی بیماری کا ذکر کرو تو ایسے دیکھتی ہے جیسے کسی اور کی بیماری کا ذکر ہو رہا ہو، وہ خود قطعی لاعلم ہے اپنی بیماری سے۔‘‘ بندے علی نے جواب دیا۔

’’یہ اس لئے ہے کہ وہ بیمار تھی ہی نہیں اس پر تو عمل کیا گیا اور ایک سخت بیر اندر داخل کیا گیا تھا صرورت اس کو نکالنے کی تھی۔ وہ نکل گیا۔ بیماری ختم۔‘‘ رولو کا نے کہا۔ ’’میں نے دلی میں بہت ایسے کام کرنے والوں سے مشورہ کیا تھا ان کو دکھایا تھا۔ ایک دو نے کوشش بھی کی تھی ایک کی تو خود حالت خراب ہو گئی تھی اس کے بعد کسی نے اس کے قریب جانے کی کوشش نہیں کی۔‘‘ بندے علی نے

بتایا۔
''اب ٹھیک ہوگئیں آگے کی سوچو۔'' میں نے کہا۔
''اب مجھے کیا سوچنا ہے۔ میں نے تو آپ کا دامن پکڑ لیا ہے، جو کچھ کریں گے آپ ہی کریں گے اور حکیم کامل خان کا علاج تو حیرت انگیز ہے'' بندے بولا۔
''تم نے راکھ جمنا میں ڈال دی تھی۔'' رولوکا نے پوچھا۔
''بالکل درمیان میں ڈالی تھی، ایک کشتی لیکر دربار میں گیا تھا۔'' بندے علی نے جواب دیا۔
''جو گھر میں ضروری کام کاج ہو اان سے نمٹ جاؤ جلدی سے، پھر چلتے ہیں منڈارے اور تمہاری والدہ محترمہ کی خیریت دریافت کرتے ہیں۔'' میں نے کہا۔
''مجھے کچھ بھی کام یہاں پر نہیں، گھر پر میرا بھائی سب کام کر لیتا ہے اور اب بچے بھی اس قابل ہو گئے ہیں کہ گھر کی دیکھ بھال کر لیتے ہیں۔'' بندے علی نے کہا۔ ''لیکن آپ دونوں مصروف ہیں۔''
''ہم دونوں کی مصروفیت کبھی ختم نہیں ہوتی، ہم لوگ سیلانی طبیعت کے ملاک ہیں اور ہمارے حکیم کامل خان ہم سے بھی دو قدم آگے ہیں اس لئے پیر ایک جگہ رکتا نہیں، تمہارا کاروبار البتہ الہ آباد میں متاثر ہو رہا ہوگا۔'' میں نے کہا۔
''تو پھر کب چلنے کا ارادہ ہے۔'' بندے علی نے پوچھا۔
رولوکا نے جواب دیا۔
''اب زیادہ دیر نہیں کر سکتے، جنگ کا آغاز ہو چکا اس کا ایک مہرہ پٹ چکا اس کو پتہ چل گیا ہوگا وہ بھی از سرنو بساط کا جائزہ لے رہی ہوگی اور اندازے قائم کر رہی ہوگی، نئی نئی چالیں ترتیب دے رہی ہوگی، تم نے کبھی شطرنج کھیلی ہے۔'' رولوکا نے پوچھا۔
''نہیں حکیم صاحب ایسا موقع ہی نہیں ملا۔'' بندے علی نے کہا۔
''یہ کھیل ایسا ہے کہ ایک مہرہ کھلاڑی کا پٹ جائے تو نفسیاتی طور پر وہ سمجھتا ہے کہ میری بازی کمزور ہوگئی ہے مگر اچھا کھلاڑی اپنی نپی تلی چالوں سے بازی کو بیلنس کرتا ہے۔''
رولوکا نے جواب دیا۔
''تو اس کا مطلب ہوا کہ وہ پوری تیاری سے وہاں ہوگی۔'' بندے علی نے کہا۔
اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اپنے کسی مددگار کو بھی بلا رکھا ہو۔ مگر تم اس کی فکر نہ کرو، کل چلنے کی تیاری کرو، رات کی گاڑی سے نکل جائیں۔ سویرے سویرے الہ آباد پہنچ جائیں گے اور اسی پروگرام سے ہم لوگ الہ آباد پہنچ گئے۔ جلو دوڑ کر ہمارے پاس آ گیا۔ سلام دعا کے بندے علی نے پوچھا۔ ''دھندہ کیسا ہے۔''
''ٹھیک ہے چھ سات مسافر آ کر چلے گئے ہیں، چار پانچ موجود ہیں۔''
''حکیم صاحب کا کمرہ صاف ہے۔''
''روزانہ صاف کرتا رہا ہوں جی۔'' جلو نے جواب دیا۔
''اچھا حکیم صاحب آپ آرام کریں۔'' بندے علی نے کہا۔
''میاں میں تو ساری رات سوتا رہا ہوں، حکیم کامل خان اگر آرام کرنا چاہیں تو ضرور کریں۔'' میں نے مسکرا کر رولوکا کی طرف دیکھا۔
''اور میں ٹرین میں سوتا نہیں ہوں یہ بات آپ کو پتہ ہے دن میں مجھے نیند نہیں آتی اس لئے آج کا دن بیکار نہیں جانے دیں اور آج سے کام کا آغاز کر دیں۔'' رولوکا نے کہا۔
''میں نے تو آپ لوگوں کے آرام کے خیال سے کہا تھا۔'' بندے علی نے کہا۔
اب تم فوراً ناشتہ کراؤ اور منڈارے کی طرف روانگی کا پروگرام بناؤ۔ میں نے کہا۔
یہ سنتے ہی بندے علی باورچی خانے کی طرف دوڑ گئے۔

لاری سے ایک گھنٹہ منڈارہ جانے میں لگتا ہے۔
دس بجے والی لاری ہم کو مل گئی۔
منڈارہ لاری اڈے پر اترتے ہی ایک آدمی ہماری طرف آیا اور بندے علی سے بولا۔
''اماں، تمہارا انتظار کر رہی ہیں تانگا لایا ہوں اور تمہارے مہمان بھی آ جائیں۔''
بندے علی نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور بولا۔''میں نے تو آنے کی اطلاع ان کو نہیں دی پھر ان کو کیسے پتہ چلا کہ میں آ رہا ہوں۔''
''ہم کا جانے سرکار، ہم تو نوکر آدمی ہیں جیسا کہا ویسا آپ تک پہنچا دیا۔'' وہ بولا۔
میں نے رولوکا سے کہا۔''نئی چال ترتیب پا گئی ہے۔''
''لگتا تو ایسا ہی ہے میں ذرا اس آدمی کو چیک کرلوں۔'' اور رولوکا نے آتے ہی اس بھولے بھالے دیہاتی کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ ہاتھ رکھتے ہی وہ اچھل پڑا جیسے اس کو بجلی کا کرنٹ لگ گیا ہو اور رولوکا سے دو رکھڑا ہو گیا۔
رولوکا نے اس کے قریب ہو کر کہا۔''ڈرو نہیں تم سے ہمارا کوئی حساب کتاب نہیں ہے۔لیکن اگر کوئی شرارت کرنے کی کوشش کرو گے تو سب سے پہلے ہی مارے جاؤ گے۔'' رولوکا نے کہا۔
میں رولوکا کے قریب گیا اور کہا۔
''پیادہ آگے بڑھایا ہے اس پر کس کا زور ہے یہ دیکھنا ضروری ہے۔''
''میں نے اس زور کو بھی دیکھ لیا تھا وہ زور تانگے کے گرد منڈلا رہا تھا۔''
''اس کا مطلب ہے کہ بندوبست پورا کیا گیا ہے۔'' میں نے کہا۔
''آؤ اس کو بھی دیکھ لیں۔'' رولوکا نے کہا۔
اور میں نے بندے علی کو اشارہ کر دیا۔ ہم سب اس دیہاتی کے ساتھ تانگے کی طرف روانہ ہوئے، تانگہ ایک درخت کے نیچے کھڑا اور اس کے قریب ہی ایک دیہاتی لباس میں کھڑا تھا اس کی بڑی بڑی مونچھیں تھیں اور کافی لمبا چوڑا آدمی تھا اس کا چہرہ لمبوترا تھا۔اس کی شکل و شباہت ایسی تھی کہ وہ بہت چالاک و مکار آدمی نظر آتا تھا۔ چہرہ جتنا لمبا تھا پیشانی اسی قدر تنگ تھی آنکھیں بھی چہرے کی لمبائی کے اعتبار سے بہت چھوٹی چھوٹی اور گول گول تھیں۔اس کو دیکھ کر خوف کا احساس ہوتا تھا۔
ہمارے تانگے کے قریب پہنچتے ہی وہ آگے بڑھ کر ہمارے قریب آ گیا اور بولا۔
''بیٹھو سرکار ہم آپ کا انتظار کر رہے تھے۔''
اس کی آواز کھردری تھی جیسے گلے میں کچھ رکاوٹ ہو گئی ہو۔
میں نے رولوکا کی طرف دیکھا تو رولوکا اس کے اور قریب چلا گیا اور اس سے بولا۔
''تمہارا کیا نام ہے اور تم کیا کرتے ہو۔''
''ہمرا نام پوچھ کے کا کرو گے۔'' وہ نحوست سے بولا۔
''اچھا تو پھر کیا کرتے ہو وہی بتا دو۔'' رولوکا نے پھر پوچھا۔
''کام تو ہمارا تم دیکھ لو گے اور کا یاد کرو گے نام بھی بتلائے دیت ہیں۔''
''ہمرا نام جیوانی ڈنڈوت ہے اور ہم بڑی بہو کے سیوک ہیں۔ آداب زیادہ کر یدنہ کرو بیٹھ جاؤ تانگے میں۔'' وہ لاپرواہی سے بولا۔
''ٹھیک ہے تم کہتے ہو تو بیٹھ جاتے ہیں۔'' رولوکا نے مجھے اور بندے علی کو اشارہ کیا اور ہم تانگے میں بیٹھ گئے جب رولوکا بھی آگے بیٹھ گیا تو جیوانی بولا۔
''آ گئے نا کینڈے پر، نہ آتے تو ہمارا نام جیوانی ہے بڑے بڑے سورما پانی بھرت ہیں ہمارے سامنے یہ بات اچھی طریوں یاد رکھیو۔''
رولوکا اس کے قریب ہی بیٹھا تھا، جب جیوانی نے لگام پکڑی تو۔

اور لگام پکڑتے ہی چھوڑ دی۔ اور تانگے سے کود نے کی تیاری میں کھڑا ہو گیا۔

رولوکا نے اس کا کاندھا پکڑ کر اپنی جگہ بٹھا دیا اور کہا۔ ''جیوانی ڈنڈوت مہاراج چلاؤ نا تانگا۔''

''ارے کا چلائیں گھوڑا اسرا کہاں ہے آگے تو بھینسیا جتی ہے اوکی جگہ وہ گھبرا کر بولا۔'' رولوکا نے مسکرا کر کہا۔

''تم گھوڑے کی جگہ بھینس ہی جوت لائے ہو گے۔''

ارے نہیں! او گو بردھن گھوڑا رہا کہ بھینس سسری کہاں سے آ گئی تانگے میں۔ سا گو بردھن جو ہم کو ساتھ لایا تھا نیچے ہی کھڑا تھا بولا۔

''مہاراج کا بات کرے ہو گھوڑی جتا ہے تانگے میں ہانکو اور چلو۔''

''ارے تیری آنکھ میں کا موتیا اتر آیا ہے گھوڑا اور بھینسیا میں انتر پتہ نہ چل رہا۔'' ہم کا تو گھوڑا ہی دکھے ہے گو بردھن نے جواب دیا۔

ان دونوں کی نوک جھونک ہو رہی تھی اور رولوکا مسکرا رہا تھا۔ ہم سب کو بھی پتہ تھا کہ تانگے میں گھوڑا ہی جتا تھا مگر جیوانی ڈنڈوت کو وہ بھینس نظر آ رہا تھا۔

آخر وہ کود کر نیچے اتر آیا اور غور سے گھوڑے کو دیکھنے لگا اور حیرت سے بولا۔

''ارے یہ تو گھوڑا ہے سسرا، ہم کا اوپر بیٹھ کر بھینسیا دکھت ہے۔''

وہ پھر اوپر آ گیا اور لگام پکڑی اور پھر چونک پڑا ''ای کا بات ہے اوپر آوت ہیں تو بھینس نیچے جاوت ہیں تو گھوڑا۔'' اس نے خود سے سوال کیا۔

رولوکا نے کہا۔ ''میں بتلاؤں۔''

وہ جلدی سے بولا۔ ''ہاں بتلاؤ۔''

''نہ بھینس ہے نہ گھوڑا یہ تو گدھا ہے۔'' رولوکا نے کہا۔

جیوانی غور سے دیکھا اور پھر بولا۔

''لاگت تو گدھا ہی ہے ای بات کا ہے سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔'' اب وہ پریشان نظر آ رہا تھا ہم بتائیں رولوکا پھر بولا۔

''تم ہی بتاؤ کا بات ہے۔''

''یہ سب بڑی بہو کا کام ہیں وہی تم کو چکر میں ڈال رہی ہے اور تم ہو کے پڑ گئے چکر میں۔''

رولوکا کی بات ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ وہ بات کاٹ کر بولا۔

بڑی بہو کی بات مت کرنا ذرا بھی الٹی سیدھی بات کری تو کاٹ ڈالوں گا، سن لیو غور سے اور بیٹھا رہ آرام سے کرت ہیں ہم تیرا بندوبست اور اس نے زور سے لگام کھینچ کر ایک زوردار چابک پھٹکارا اور تانگا چل پڑا۔

منڈارہ اتنی بڑی جگہ نہیں ہے زیادہ سے دس منٹ کے سفر کے بعد حویلی میں پہنچ جانا چاہئے تھا مگر تانگا چل رہا تھا۔ اور گھر دور تھا۔

آدھے گھنٹہ چلنے کے بعد جیوانی نے تانگا روک دیا اور چاروں طرف نظریں دوڑائیں وہ قصبے سے باہر کھیتوں کی ایک کچی سڑک پر کھڑا اور حیرانی سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ اور پھر خود سے بولا۔ ''لاگت ہے آج ہمارا کھوپڑیا الٹ گئی ہے لو بھلا ہم جا کدھر رہے ہیں۔ منڈارہ تو رہ گیا پیچھے۔''

''میں بتاؤں'' رولوکا نے کہا۔

''ہاں تم ہی بتاؤ۔'' وہ بولا۔

''جب تک تمہارے من میں کھوٹ ہے ایسا ہی ہو گا تم کو کوئی چیز سمجھ نہیں آئے گی۔'' رولوکا نے کہا۔

''ہم نوکر ہیں بڑی بہو کے اوکا حکم ماننا ہمارا دھرم ہے وہ جو حکم کرے گی ہم چار گھونٹ مانیں گے یہ بات سن لو غور سے اب کے بڑی بہو کی بات مت کریو۔ بول رہے ہیں۔''

جیوانی غصے سے بولا۔

''تم بہت کچے آم ہو اس طرح نہیں مانو گے۔''

رولوکا نے کہا۔

''ہم کسی طرح نہیں مانیں گے بیٹھے رہو۔''

رولوکا نے اس کی طرف دیکھا اور کہا، اتر جا اور یہیں پر کھڑے رہنا جب تک حکم نہ ہو، جیوانی نے رولوکا کی آنکھوں سے نہ جانے کیا دیکھا کہ وہ بکری کی طرف اتر گیا اور کھڑا ہو گیا۔

رولوکا نے تانگا موڑا اور بندے علی سے کہا۔ ''تم سامنے آ جاؤ اور گھر چلو۔''

بندے علی چلتے تانگے میں سامنے آ گیا اور لگام پکڑ لی اور چند منٹ میں ہی ہم دروازے پر کھڑے تھے۔

دروازہ ایک اونچی چوکی پر بنا ہوا تھا اور بہت اونچا تھا کسی مضبوط لکڑی کے کواڑ تھے اور ان پر جگہ جگہ گول گول لوہے کے کڑے پڑے ہوئے۔

قدم آدم مقام پر ایک بڑا کڑا پڑا تھا۔ دروازے کی دونوں دو چوکیاں بنیں تھیں یہ غالباً چوکیداروں کے کھڑے ہونے کو بنائی گئی ہوں گی مگر اس وقت دروازے پر کوئی نہیں تھا۔

یہ مکان آبادی سے کچھ ہٹ کر تھا اس کے تین طرف کھیت تھے جس طرح آبادی تھی ادھر بھی دور دور تک کوئی نظر نہیں آتا تھا۔ سب سے پہلے رولوکا تانگے سے اترا اس نے اشارہ کیا تو ہم لوگ بھی اتر پڑے۔ ہمارے اترتے ہی گھوڑا خود بخود چل پڑا اور سڑک پر جا کر کھڑا ہوا۔ بندے علی نے بڑے کڑے کو ہلایا تو بڑے زور کی کھٹ کھٹ کی آواز ہونے لگی چند ہی منٹ کے بعد اندر سے آواز آئی۔ آواز مردانہ تھی۔

''کون ہے رے کاہے آواز کرے ہے۔''

بندے علی نے کہا۔ ''ہم ہیں بندے علی الہ آباد سے آئے ہیں۔''

''کا کام ہے کیوں آئے ہو۔'' پھر پوچھا گیا۔

''ارے تم دروازہ تو کھولو پھر بتائیں گے۔''

بندے علی نے کہا۔

اچھا کھولت ہیں اور اسی بڑے دروازہ میں سے ایک چھوٹا دروازہ برآمد ہو گیا۔

بڑے دروازے میں سے چھوٹا دروازہ کچھ اس طرح بنایا گیا تھا کہ اس کا اندازہ نہیں ہوتا تھا دروازہ کھولتے ہی بندے علی نے اندر قدم رکھ دیا تو دروازہ کھولنے والا بولا ارے اتنی پھرتی نہ دکھاؤ تنک ذرا صبر کرو ہم بہو جی کے خبر کر دیں تو اندر جاؤ۔

بندے علی تاؤ ہی کھا گئے ایک دھکا دیکر بولے تو پھر جانا، جلدی مر کر خبر کر دے۔

ہم بندے علی آئے ہیں۔

دروازہ کھولنے والا ڈر گیا۔ بولا غصہ نہ کرو جات ہیں۔

تو پھر کھڑا کیا ہے جا۔ بندے علی پھر بولے۔

''ارے بھیا کا، مرچ کے کھیت ما پیدا ہوئے ہو اور جلدی سے اندر چلا گیا۔''

اور فوراً ہی واپس آ کر بولا۔ جاؤ سامنے ہی بیٹھیں ہیں۔

''ان سے کہو ہمارے دو آدمی اور ہیں پوچھ لو۔'' بندے علی بولے۔

''ارے تو کا ہوا وہ پردہ تو نہ ہی کرت ہیں۔ جاؤ بے فکری سے ہم کہت ہیں۔'' وہ بولا۔

سب سے آگے بندے علی اور اس کے بعد ہم دونوں اندر چلے، ڈیوڑی پار کرتے ہی ہم ایک کھلے میدان میں پہنچ گئے تھے اس کے چاروں طرف مہراب دار دالان بنا ہوا تھا اور درمیان میں ایک بہت بڑا جامن کا درخت کھڑا تھا دالان کے اندر بھی دروازے نظر آتے تھے یہ حویلی نما مکان باہر سے جتنا خستہ نظر آتا تھا اندر سے ایسا نہیں تھا۔

پیڑ کے سائے میں ایک بہت لمبا چوڑا تخت پڑا تھا۔ تخت اتنا اونچا تھا کہ اس پر کوایک سیڑھی لگی ہوئی تھی لکڑی کے موٹے موٹے پایوں پر پالش کی گئی تھی۔

تخت کے اوپر ایک چھپر کھٹ تانا ہوا تھا اس کا رنگ سفید تھا اور اس کے چاروں طرف جھالر لٹک رہی تھی وہ سرخ رنگ کی تھی، تخت کے اوپر ایک موٹا گدا پڑا تھا اس پر مخمل یا اسی قسم کے کپڑے کا غلاف چڑھا ہوا۔ اس پر

بڑے کروفر سے ایک ادھیڑ عمر کی عورت گاؤ تکیہ لگائے بیٹھی تھی اور اس کے کاندھے ایک جوان عورت دبا رہی تھی۔

میں نے اور رولوکا نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ میرے اندازے کے مطابق تو اس کو اور زیادہ بوڑھا ہونا چاہئے تھا۔ رولوکا نے میری طرف دیکھا اور مسکراتا رہا۔

اس عورت نے ہم تینوں کو دیکھا اور بولی۔

''آ گئے بندے علی مجھے خبر تھی تم ضرور آ ؤ گے۔''

''آنا تو تھا تم نے، مجھے بلانے کا انتظام کرلیا تو آ گیا۔'' بندے علی بولے۔

''تمہاری جورو کا کیا حال ہے، دماغ کچھ ٹھکانے پر آیا کہ نہیں۔'' وہ بولی۔

''خوب ٹھکانے پر آ گیا۔ بھلی چنگی ہے تم کو یاد کرتی ہے۔'' بندے علی بولے۔

عورت اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ''پھر کہ کیا کہہ رہے تھے۔'' وہ بولی۔

''دماغ کے ساتھ ساتھ تمہارے کان جواب دے رہے ہیں۔'' بندے علی بولے۔

''تمیز سے بات کر بندے علی، میں نے بہت دن صبر کرلیا اب نہیں کروں گی۔''

''تو نہ کر صبر چلی جا۔'' بندے علی بولے۔

''جاؤں گی اور ضرور جاؤں گی۔ اس قید خانے سے ضرور جاؤں گی۔ مگر اپنا انتقام پورا کر کے جاؤں گی۔ ذرا رکمنی کی طرف سے جواب آنے دے اس کے بعد تیرا نمبر آئے گا۔'' وہ غرور سے بولی۔

''تیری چہیتی رکمنی کی طرف سے اب بھی جواب نہیں آئے گا۔ سن لے غور سے۔'' بندے علی بولے۔

''آئیگا، تو اس کو نہیں جانتا وہ بڑی ظالم چیز ہے۔'' وہ بولی۔

''اور میں اس ظالم کی راکھ جمنا میں ڈال آیا ہوں۔'' بندے علی نے جواب دیا۔

''کیا بکواس کر رہا ہے تو وہ غصے میں تخت پر کھڑی ہوگئی۔''

رولوکا جواب تک خاموش تھا آگے بڑھ کر بولا۔

''بندے علی ٹھیک کہہ رہا ہے، اس کی بات مان لے۔''

وہ رولوکا کی طرف پلٹ پڑی۔ ''تو کون ہے رے، ملا کے قاضی، ہماری خاندانی بات ہے، میں جانوں کے بندے علی جانے۔'' وہ غصے سے بولی۔

''تو بندے علی کی کون ہے ذرا یہ تو بتا۔'' رولوکا نے پوچھا۔

''میں ماں ہوں اس کی اور کون ہوں۔''

''مگر بندے علی تیرا باپ نظر آتا ہے۔ تیری اصلیت پتہ چل چکی ہے۔ اب زیادہ مت بن اور جانے کی بات کر۔'' رولوکا نے کہا۔

''میں تو جانے کو تیار ہوں، میری چیز مجھے مل جائے تو چلی جاؤں گی۔''

''تیری چیز کہاں ہے اس کا کس کو پتہ ہے۔'' رولوکا نے کہا۔

''فرقان علی کو پتہ تھا اس نے بندے علی کو بتایا ہے یہ بہت گھنا ہے بتاتا نہیں ہے۔'' وہ غصے سے بندے علی کو دیکھ کر بولی۔

''اور یہ اسی لئے زندہ ہے کہ اس نے بتایا نہیں ہے اگر بتا دیا ہوتا تو اس کا کام تمام کر کے جا چکی ہوتی۔'' رولوکا نے کہا۔

''یہ میرا اوچن ہے کہ میں پوری اس کی نسل ختم کروں گی کیونکہ مجھے قید کرنے والا اس کا دادا تھا۔''

''مگر تو نہیں کر سکی۔ اب تیرا آخری وقت آنے کو ہے اگر تیرا کوئی بڑا ہے تو اس کو پکار لے اپنی مدد کو بلا لے میں کسی پر دھوکے سے وار نہیں کرتا۔'' رولوکا نے کہا۔

''ارے تو کیا وار کرے گا اور وہ تخت سے اترنے کو سیڑھی کی طرف بڑھی مگر فوراً ہی پلٹ کر پھر تخت پر چلی گئی۔'' اور غصے سے بولی۔

''دیکھ میری راہ مت روک، میں بہت ظالم چیز ہوں۔ تیرا حشر خراب کردونگی تو موت کو ترسے گا اور زندہ،

میں رہنے نہیں دونگی۔'' وہ غرور سے بولی۔

''اور تو صرف تخت سے اتر کر دکھا دے۔'' رولوکا نے کہا۔

''تو نے میرا راستہ بند کر دیا ہے۔'' وہ بولی۔

''اور تو راستہ کھول لے۔'' رولوکا نے کہا۔

''کھولوں گی ضرور کھولوں گی اور تیرا بھی انتظام کروں گی۔'' وہ نفرت سے بولی۔

''میں زیادہ وقت نہیں دیا کرتا، جلدی سے اپنے گرو کو بلا لے تاکہ میں بھی ملاقات کرلوں اس سے۔'' رولوکا نے کہا۔

اس نے ولوکا کی طرف دیکھا اس کی آنکھوں میں نفرت وعداوت بھری ہوئی تھی۔

اور پھر ایک زوردار آواز اس کے منہ سے نکلی وہ آواز انسانی آواز تو لگتی ہی نہیں تھی۔ ''گرو دیو بچاؤ جلدی آؤ، باندھ دیا ہے پاکھنڈی نے۔''

پورے گھر میں سناٹا تھا کوئی آواز کسی طرف سے نہیں آرہی تھی، پھر یوں ہوا کہ ہر طرف سے عجیب و غریب سرسراہٹیں ابھرنے لگیں۔ درودیوار آسیب زدہ سے نظر آنے لگے۔ رولوکا اطمینان سے کھڑا تھا، میں اور بندے علی بھی خاموش کھڑے۔ دن کا وقت تھا مگر ماحول پر دہشت طاری تھی۔ جو عورت کاندھے دبا رہی تھی اس کا بھی چولہ بدل رہا تھا اور اب وہ عمر رسیدہ ڈائن نظر آنے لگی تھی مگر اپنی جگہ خاموشی سے خوف زدہ بیٹھی تھی پھر اچانک میری نظر تخت کے کنارے پر پڑی کوئی پانچ قدم کے فاصلے پر کالے اور ڈھیلے ڈھالے لبادے میں ملبوس ایک وجود سر پھوڑے بیٹھا ہوا تھا اس کا چہرہ لباس میں چھپا ہوا تھا مگر جب وہ کھڑا ہوا تو اس کا چہرہ نظر آنے لگا۔ اس نے دونوں ہاتھ کمر پر رکھ لئے اور رولوکا کو غور سے دیکھا اور بولا۔

''کون ہے تو اور کیوں اتنی زورداری دکھا رہی ہے، جانتا نہیں یہ کون ہے۔'' وہ بولا۔

''سب جانتا ہوں البتہ تجھے نہیں جانتا تو کون ہے۔'' رولوکا نے کہا۔

''ارے ہمارا نہ پوچھ سن کر ہوا کھس جائے گی۔'' وہ بولا۔

''بتا دو تو اچھا ہے ورنہ گمنامی میں ہی پرلوک چلے جاؤ گے۔'' رولوکا نے کہا۔

''پرلوک تو تم جاؤ ایک منٹ میں اور اس نے اپنا پیر زمین پر مارا وہیں سے ایک اژدھا برآمد ہوا مگر یہ کیا وہ اژدھا وہیں پر پتھر کا ہو گیا۔''

''اچھا تو یہ بات ہے ہمارا نام بھی کالی چرن ہے۔'' اس نے دوسرا پیر زمین پر مارا پھر ایک اژدھا برآمد ہوا مگر یہ کیا ہوا وہ اژدھا کالی چرن کے پیروں کو لپٹ گیا۔ کالی چرن نے پھٹی آنکھوں سے اس کو دیکھا مگر اژدھا اپنا پورا زور لگا رہا تھا اور کالی چرن درد و تکلیف سے چیخ رہا تھا۔ ''ارے کیا ہوا کالی چرن جی تمہارا بیر تمہارا ہی دشمن ہو گیا۔ یہ کیا ہوا۔'' رولوکا بولا۔

''دیکھ! روک لے اس کو، میں درد سے مر رہا ہوں۔'' وہ بولا۔

''یہ تو تمہارا حکم مانے گا تمہارا ہی بیر ہے۔'' رولوکا نے کہا۔

''میں بنتی کرتا ہوں روک لے، میں تجھ سے جھگڑا نہیں کروں گا۔'' وہ مری ہوئی آواز میں بولا۔

''جب ہاتھی پاگل ہو جائے تو اس کا علاج صرف موت ہے۔'' رولوکا نے۔

''تو ختم کر دے اس بیر کو۔'' وہ جلدی سے بولا۔

''ٹھیک ہے مار دیتے ہیں مگر اس کے ساتھ تمہارا بھی کلیان ہو جائے گا۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''میرا وعدہ ہے میں تیرا دشمن نہیں متر بن جاؤں گا۔'' وہ بولا۔

''میں متر نہیں دشمن بناتا ہوں اب تمہارا وقت ختم ہوا۔'' رولوکا نے ایک ہاتھ کا اشارہ کیا اور کالی چرن ہوا میں معلق ہو گیا، اس کے منہ سے بڑی بھیانک چیخیں نکل رہی تھیں۔

چند منٹ کے بعد خاموشی چھا گئی اس کا لبادہ زمین

پر گر پڑا اور راکھ ہوا میں اڑ گئی۔

تخت پر دونوں چڑیلیں حیران بیٹھی تھیں۔

رولوکا نے بندے علی سے کہا۔ ''بندے علی اس کو بتا دو کہ اس کی چوٹی کہاں پر ہے۔''

''اس کو بھی حسرت نہ رہے کہ اس کو پتہ نہ چلا۔''

''ابا نے بتایا تھا کہ اس کی چوٹی اس نے بمبئی جا کر وزن باندھ کر سمندر میں ڈال دی تھی وہاں سے لا سکتی ہے تو لے آئے۔'' بندے علی فوراً بولے۔

''سن لیا تو نے اب تیرا وجود بیکار ہے کیونکہ تو دونوں طرف سے گئی۔ نہ تو چڑیلوں میں نہ زندہ انسانوں میں، تیرا یہ بہروپ اب ختم ہونا ضروری ہے تو جس پر پھولتی تھی اس کو بھی تو نے دیکھ لیا۔'' رولوکا نے کہا۔

''مجھے جانے دے، میں پھر کبھی واپس نہیں آؤں گی۔'' وہ روہانسی آواز میں بولی۔

''تیرا وقت پورا ہوا'' اور یکا یک تخت میں آگ لگ گئی۔

اور دونوں چڑیلیں اس تخت کے ساتھ ہی جل گئیں۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ وہ آگ ذرا ادھر ادھر نہیں پھیلی اور تخت کے ختم ہوتے ہی خود بخود بجھ بھی گئی۔

رولوکا نے آواز دی۔ ''آ جا اب تو بھی جا۔''

دیکھا تو سامنے وہی بھیانک صورت آدمی کھڑا تھا جس کو کچے راستے پر رولوکا نے کھڑا کیا تھا۔

''حکم کریں سرکار۔'' وہ آتے ہی بولا۔

رولوکا نے کہا۔ ''اس جلتے تخت پر چڑھ جا۔''

''رحم کریں میں تو حکم کا غلام ہوں آپ کا کام کروں گا خدمت کروں گا۔'' وہ ہاتھ جوڑ کر بولا۔ ''میں غلام نہیں رکھتا چڑھ جا۔'' مگر وہ کھڑا رہا مگر کتنی دیر ایسا لگا جیسے کسی نے اٹھا کر اس جلتے تخت پر اس کو ڈال دیا اور ایک بار پھر وہ تخت بھک بھک جلنے لگا اور پھر آگ ٹھنڈی ہو گئی۔

رولوکا نے چاروں طرف ایک نظر ڈالی تو بہت سی چمگادڑیں کمرے سے نکل کر اڑ گئیں۔ رولوکا نے آواز دی ''سب جاؤ اور واپس کبھی اس طرف نہ آنا۔'' دروازہ پر صرف ایک آدمی کھڑا تھا اس کو پتہ نہیں تھا کہ اندر کیا ڈرامہ ہو چکا ہے۔ رولوکا نے کہا اس چوکیدار کو بھی اندر بلا لو۔ بندے علی نے آواز دے کر اس کو بلا لیا تو رولوکا نے کہا۔

''تیرا نام کیا ہے۔''

''میرا نام پرتاب ہے جی۔'' وہ بولا۔

''کب سے ہے تو یہاں۔'' پھر پوچھا گیا۔

''ایک سال سے ہوں۔'' پرتاب نے جواب دیا۔

''تجھ سے پہلے کون تھا اور وہ کیوں چلا گیا؟''

''مجھ سے پہلے لگن پور گاؤں کا ایک جوان چھورا تھا جی سنا ہے وہ چھورا بہت جلد بڑا اکمزور کمزور سا ہو گیا تھا اور پھر نہ جانے کہاں الوپ ہو گیا کسی کو پتہ نہیں۔''

''تم تو کمزور نہیں لگ رہے۔'' میں نے کہا۔

''میں رات میں اپنے گاؤں چلا جاتا ہوں رکتا نہیں۔'' وہ بولا۔

''اچھا سن اب بڑی بہو چلی گئی اس کے سب میکے والے بھی چلے گئے۔ یہ بندے علی اس حویلی کے مالک ہیں۔ یہی زمینوں کے مالک ہیں سب لوگوں کو بتا دے کہ اصل مالک لوٹ آئے ہیں یہی زمین اور گھر آباد کریں گے۔'' رولوکا نے کہا۔

''بڑی بہو کہاں چلی گئی ہماری سمجھ میں کونوں نہیں آیا۔'' وہ بولا۔

''وہ جہاں سے آئی تھی چلی گئی اور تو زیادہ مت سوچ ورنہ بال سفید ہو جائیں گے۔''

رولوکا نے ہنس کر کہا۔ اور وہ گردن ہلاتا چلا گیا۔

اس واقعہ کے بعد ایک ہفتہ ہم منڈارہ میں رہے اور پھر آگے روانہ ہو گئے۔

☆......☆......☆

رولوکا میں ایک خوبی یہ بھی میں نے محسوس کی تھی کہ حالات جو بھی ہوں اس کے مقابل دشمن کتنا ہی خطرناک ہو، اس کے چہرے کے تاثرات اور اس کے اندرونی احساسات کا اندازہ نہیں ہوتا تھا وہ بڑا پرسکون

رہتا تھا اور کم سے کم گفتگو کرتا، میرے علاوہ بلا وجہ وہ کسی کو مخاطب بھی نہیں کرتا تھا۔ صرف میں تھا جو اس سے مذاق بھی کر لیا کرتا تھا اور اس کے چہرے پر مسکراہٹ آ جاتی، اس کی مسکراہٹ سے مجھے ہمیشہ لگتا جیسے اندھیری رات میں اچانک چاند نکل آیا ہو، کہتے ہیں بہت حسین سے چہروں کو مسکرانا نہیں آتا اور بہت سے چہرے حسین نہ ہوتے ہوئے بھی مسکرا کر چاندنی بکھیر دیتے ہیں۔

بہت ہی چھوٹا سا کمپارٹمنٹ تھا صرف آٹھ برتھیں تھیں اور سب پر مسافر سونے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ رات کے ساڑھے نو بجے ہم الہ آباد سے رات کا کھانا کھا کر گاڑی میں سوار ہوئے تھے۔ رولوکا اوپر کی برتھ پسند نہیں کرتا اور مجھے اوپر نیند آتی ہے۔ میں نے جھانک کر نیچے دیکھا رولوکا اپنی برتھ پر آنکھیں بند کئے بیٹھا تھا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمایاں تھی مجھے ذرا حیرت ہوئی ایک تو اس بات پر کہ رولوکا گاڑی میں سوتا نہیں دوسرے مسکراہٹ پر، میں نے آواز دی۔ ''خلاف ورزی ہو رہی ہے، آپ کو پتہ چل گیا۔'' رولوکا نے آنکھیں کھول کر کہا۔

''پورے ڈبے میں چاندنی پھیلی ہوئی ہے اس سے پتہ چلا۔'' میں نے کہا۔

''آپ کو غلط فہمی ہو رہی ہے۔ حکیم صاحب بلب جل رہا ہے یہ چاندنی نہیں ہے۔'' رولوکا مسکرا کر بولا۔

''بات یہ ہے کہ تم اپنی ہنسی اور مسکراہٹ بڑی کفایت سے خرچ کرتے ہو مجھے ہمیشہ ایسا لگتا ہے کہ جب تم مسکراتے ہو روشنی سی اطراف میں پھیل جاتی ہے۔'' میں نے کہا۔

''قدر دانی ہے یہ مگر اب زیادہ نہ بنائیں اور نیچے آ جائیں۔'' رولوکا نے کہا۔

''کوئی خاص بات ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''آپ آیئے تو پتہ چلے گا۔'' رولوکا نے کہا۔

''اچھا آتا ہوں۔'' اور میں یہ کہہ کر رولوکا کی برتھ پر بیٹھ گیا اور بولا۔ ''کیا بات ہے۔''

''یہ بتائیں ارادہ کہاں جانے کا ہے۔'' رولوکا نے پوچھا۔

''ٹکٹ تو اندور کا لیا ہے مگر یہ پتہ نہیں کہ جانا کہاں ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''آپ نے اندور ہی کا ٹکٹ کیوں لیا۔'' رولوکا نے پوچھا۔

''کوئی ارادے سے نہیں سفر کرتا تھا اور آگے جانا تھا اور کچھ نہیں۔'' میں نے کہا۔

''مجھے نہیں لگتا کہ آپ وہاں تک جا پائیں گے۔'' رولوکا بولا۔

''برتھ نمبر 18 پر ایک نوجوان لڑکا بیٹھا ہے وہ بہت پریشان پریشان لگتا ہے۔ لباس سے بھی اور چہرے سے بھی۔'' رولوکا نے کہا۔

''تمہارا مطلب ہے میں کچھ کرید کروں اس کے بابت۔'' میں نے پوچھا۔

''میرا یہی مطلب ہے۔'' رولوکا نے کہا۔

برتھ 18 میرے برتھ کے ساتھ ہی تھی مگر درمیان میں ایک پارٹیشن لگا ہوا تھا۔ میں اپنی برتھ پر آ گیا اور اس پارٹیشن پر دستک دی۔ دوسری دستک پر کسی نے پوچھا ''کیا بات ہے بھائی۔''

''میں نے کہا ایک ضروری بات کرنی ہے آپ میرے پاس آ جائیں یا میں آپ کے پاس آ جاؤں۔'' میں نے نرم انداز میں کہا۔

''ضروری کام ہے تو میں آ جاتا ہوں۔'' پھر آواز آئی۔

اور وہ اپنی برتھ سے فرش پر اتر گیا اور میری برتھ پر اوپر آ گیا۔

''فرمایئے کیا حکم ہے۔'' وہ بولا۔

''میں نے آپ کو اپنے پاس بلایا آپ کو برا تو نہیں لگا۔'' میں نے پوچھا۔

''نہیں مجھے اب برا بھی نہیں لگتا۔'' وہ آہستہ سے بولا۔

''پہلے تو آپ اپنا تعارف کرا دیں۔'' میں نے

کہا۔

''میرا نام عارف الدین ہے، میں اٹیا کا رہنے والا ہوں۔الہ آباد آیا تھا ایک کام سے واپس جارہا ہوں۔'' عارف الدین نے کہا۔

''آپ کا مکان کاروبار اٹیا میں ہی ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''آپ نے اپنا تعارف نہیں کرایا۔'' اس نے جواب کے بجائے سوال کردیا۔

''بات آپ کی مناسب ہے، میں حکمت کرتا ہوں دلی میں، میرا مطب لال کنوئیں پر ہے۔ میں ذرا سیلانی طبیعت کا آدمی ہوں شہر شہر پھرتا رہتا ہوں اسی برتھ کے نیچے جو برتھ ہے وہ میرے عزیز دوست ہیں اور وہ بھی حکیم ہیں مگر صرف حکیم ہی نہیں ہیں اور بھی بہت کچھ ہیں۔'' میں نے کہا۔

''میں سمجھا نہیں اور کچھ کیا ہیں۔'' عارف الدین نے پوچھا۔

''اس کی وضاحت میں نہیں کرسکتا۔'' میں نے کہا۔

''مجھے آپ نے کیوں یاد کیا۔'' وہ بولا۔

''بات یہ ہے کہ یہ جو میرے دوست حکیم کامل ہیں ان کا کہنا ہے کہ آپ کچھ پریشان ہیں۔''

''ہوسکتا ہے ہم آپ کی پریشانی میں کچھ آپ کے کام آسکیں۔'' میں نے کہا۔

''بات یہ ہے میرے بزرگ کہ پریشان نہیں بہت زیادہ پریشان ہوں۔ میری حالت اب ایسی ہے کہ میرے قریبی دوست یار اور رشتہ دار بھی میرا ساتھ چھوڑ چکے ہیں۔'' وہ بولا۔

''معاملے کی نوعیت کیا ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''میرے باپ دادا کی بہت جائیداد تھی مگر آہستہ آہستہ وہ فروخت ہوتی گئی۔ بنیوں نے جعلی کاغذات بنوا کر ان پر قبضہ کرلیا۔ میرا باپ عیاش آدمی نہیں تھا نہ فضول خرچ تھا اس نے کسی زمین اور مکان کا سودا کبھی کسی سے نہیں کیا۔ مگر سب جگہوں پر اس کے ہی دستخط دکھائے گئے قرض اتنا بتایا گیا کہ میں ادا ہی نہ کرسکوں۔ میں جس مکان میں رہتا ہوں وہ گاؤں میں ہے، اس پر بھی ایک بنیے کا دعویٰ ہے اور وہ عدالت کے ذریعہ جلد ہی خالی کروائے گا۔ میرے پاس جس قدر رقم تھی وہ میں عدالت اور وکیلوں پر خرچ کرچکا ہوں الہ آباد بھی ایک وکیل کے پاس آیا تھا مگر اس وکیل نے ایڈوانس اتنا طلب کرلیا کہ میں مایوس واپس جارہا ہوں۔ میرے پاس سوائے مکان چھوڑنے کے کوئی راستہ نہیں ہے۔ میں مالی پوزیشن میں اور افرادی قوت میں ان کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔'' وہ مایوسی سے بولا۔

''تمہارے علاوہ گھر میں کتنے فرد ہیں۔'' میں نے پوچھا۔

''زیادہ نہیں، میں سب سے بڑا ہوں ایک بھائی اور اس سے چھوٹی ایک بہن ہے والد کا انتقال ہوچکا ہے۔ والدہ حیات ہیں۔'' عارف الدین نے جواب دیا۔

''جس مکان میں تم رہتے ہو وہ کس کا نام ہے۔'' میں نے پوچھا۔

والد صاحب اس مکان کو والدہ کے نام کرگئے تھے مگر اس مکان کے گروی رکھے جانے کے کاغذات موجود ہیں اور ان پر بھی والد صاحب کے دستخط موجود ہیں۔

''گروی وہ کتنی رقم میں رکھا گیا تھا۔'' میں نے پوچھا۔

''صرف پانچ ہزار روپے میں پورا مکان اور پورا باڑا جو جانور وغیرہ کے باندھنے کے کام آتا ہے صرف پانچ ہزار میں گروی تھا مدت اس کی دس سال تھی وہ مدت گزر چکی اب بنیے نے عدالت سے رجوع کرلیا ہے۔ میرے پاس تمام کاغذات موجود ہیں مگر ایسا لگتا ہے کہ مکان پھر بھی مجھے چھوڑنا پڑے گا۔'' عارف الدین مایوسی سے بولا۔

''مایوسی گناہ ہے میرے دوست۔'' میں نے کہا۔

''حالات میرے خلاف ہیں اس کی ایک وجہ تو یہ

تھی کہ میرے دادا کی زمینداری پانچ گاؤں پر تھی مگر ان سب گاؤں کی آبادی ہندوؤں کی تھی صرف زمیندار مسلمان تھا۔ تین گاؤں، دادا نے بنیوں کے ہاتھوں صرف اسی وجہ سے فروخت کر دیئے تھے کہ وہ باغی ہو رہے تھے۔" عارف الدین نے کہا۔

"باغی ہونے کی وجہ تو کچھ ہوگی۔" میں نے کہا۔

☠ ☠ ☠

بہت بھاری وجہ تو یہی ہے کہ وہاں پر سب ہندو ہیں اور راجہ دسرس سنگھ راجپوت بھی ہندو ہے حکومت اور قانون انگریزی چل رہا ہے مگر راجہ اور اس کے آدمیوں کے بڑے گہرے اثرات سرکاری مشینری پر ہیں راجہ تک تو کوئی بات جا ہی نہیں پاتی سب کچھ تو پٹواری اور پٹیل قسم کے لوگ کرتے ہیں، سرکاری کاغذات میں ہیر پھیر کرنا ان کے لئے معمولی بات ہے اور مزے کی بات یہ ہے کہ ہم ان جعلی کاغذات کو جعلی ثابت نہیں کر پاتے کیونکہ جو لوگ اوپر ہیں وہ بھی اس میں شامل ہوتے ہیں۔" ریاست ہندو ہے یہاں پر مسلمان کی کون سنتا ہے۔" عارف الدین نے کہا۔

"مگر مسلمان ریاستوں میں یہ تو اندھیر نہیں ہوتا پھر اندور میں کیوں ہو رہا ہے۔" میں نے پھر پوچھا۔

"راجہ دسرس سنگھ راجپوت کے زمانے میں ایسا نہیں تھا وہ اپنی رعایا کے لئے انگریز سرکار سے بھی لڑ جاتا تھا۔ سنا ہے ملکہ وکٹوریہ نے اس کو اپنا بنایا ہوا تھا۔ مگر اس کے بعد اس کی اولاد باپ کی طرح انصاف پسند نہیں ہے ایسا لگتا ہے کہ ان کا پلڑا ابھی ہندوؤں کی طرف ہی جھکتا ہے۔" عارف الدین نے کہا۔

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ تمہاری پہلے والی بات درست ہو کہ راجہ تک تو بات پہنچ ہی نہیں پاتی ہوگی۔" میں نے کہا۔

"بات یہ ہے کہ سب اندازے ہی ہیں۔ پندرہ تاریخ پیشی کی ہے ابھی دس دن ہیں مگر میں ان دس دنوں میں بھی کچھ نہیں کر سکوں گا۔" عارف نے کہا۔

رولو کا پہلی بار بولا۔" امید کا دامن انسان کو نہیں چھوڑنا چاہئے۔ زندگی کا حسن ہی یہ ہے کہ یہ رواں دواں رہے شاید تم یہ بات نہ مانو کہ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ بڑوں کی غلطیوں کو چھوٹے بھگتاتے ہیں تمہارا والد اچھا آدمی تھا مگر اس کا باپ کیسا تھا تم کو کچھ پتہ نہیں ہے تمہارے والد نے اپنے باپ کا پردہ رکھا اور تم کو ان کے بارے میں کچھ نہیں بتایا مگر اس کے اثرات تم پر آ رہے ہیں جو تین گاؤں فروخت ہوئے اس کی وجہ کیا تھی پتہ نہیں۔ مگر باقی کے دو گاؤں تمہارے ہاتھ سے کس طرح نکل گئے۔ اس کی تفصیل بتاؤ۔"

"میرے والد صاحب شہر میں رہتے تھے۔ وہ گاؤں میں نہیں جاتے تھے۔ جس مکان میں، میں رہتا ہوں وہ اس میں بھی نہیں رہے باقی کے دو گاؤں والے لوگ ان کو بہت کم جانتے تھے۔ ساری آبادی تو ہندو تھی کرتا دھرتا سب وہی تھے۔ بنیے تاک میں تھے اور جب سب اندرونی کارروائی پوری ہوگئی تو وہ عدالت میں چلے گئے اور وہاں پر ان کے حق میں فیصلہ ہوگیا۔ بنیوں نے یہ ثابت کر دیا کہ گاؤں کی زمین دس سال سے رہن پڑی ہے اور اس پر سود در سود اتنا قرض چڑھ گیا ہے کہ میاں صاحب ادا نہیں کر سکتے اور پھر وہ بنیے اس کے مالک بن گئے۔

"اس دوران تمہارے والد کہاں تھے۔" میں نے پوچھا۔

"جب یہ کیس عدالت میں پیش ہوا اس وقت والد اندور میں نہیں تھے۔ وہ سخت بیمار تھے ان کو ہم دلی میں ایک عزیز کے گھر چھوڑ آئے تھے اور ان کا انتقال وہیں پر ہوگیا تھا۔ مگر ہم نے تاس خبر کو چھپایا تھا وجہ یہ تھی کہ ہمارا کیس تو پہلے ہی کمزور تھا۔ ساری گواہیاں ہمارے خلاف تھیں بنیے والد صاحب کے مرنے کا سن کر تو اور شیر ہو جاتے۔"

"ان کا انتقال کب ہوا تاریخ وغیرہ یاد ہے۔" میں نے پوچھا۔

"ان کا انتقال چھ اپریل 1939ء کو ہوا تھا۔ اور

دو ماہ بعد عدالت نے ہندو بنیوں کے حق میں فیصلہ دے دیا۔" عارف نے کہا۔

"اور سارے گاؤں ہندوؤں کے پاس چلے گئے۔" میں نے کہا۔

"اور پھر ان کی نظریں اس مکان پر لگ گئیں جس میں میری رہائش ہے۔" عارف نے کہا۔

"اللہ پر بھروسہ رکھو سب ٹھیک ہو جائے گا۔" میں نے کہا۔

"میری کمزوری اس وقت یہ ہے کہ میں قلاش ہو چکا ہوں بڑا اور اچھا وکیل نہیں کر سکتا۔ اور میرے دشمن متحد ہیں ان کے پاس بہت بڑے وکیل ہیں وہ عدالت کو قائل کر لیتے ہیں۔ عدالت تو گواہوں پر فیصلہ کرتی ہے میری حالت یہ ہے کہ میرا پڑوسی بھی میرے خلاف ہے۔ کیونکہ اگر وہ میری طرف داری کرتا ہے تو خود مارا جاتا ہے۔"

"ہم لوگ بھی اندور اتریں گے۔ وہاں سے تمہارا گاؤں کتنی دور ہے۔" میں نے پوچھا۔

"زیادہ دور نہیں دس بارہ کوس پر ہے۔"

"اچھا یہ بتاؤ مکان پر بنیوں کا کچھ قرض وغیرہ ہے۔" رولو کا نے پوچھا۔

"والد صاحب نے اس مکان پر کوئی قرض نہیں لیا تھا یہ مجھے پتہ ہے اور میں نے بھی کوئی قرض نہیں لیا ہے۔" عارف نے جواب دیا۔

"تم نے کسی کاغذ وغیرہ پر کوئی دستخط وغیرہ کئے ہیں۔" رولو کا نے پھر پوچھا۔

"نہیں میں اس معاملے میں پہلے جو ہوا دیکھ چکا تھا اور کسی کاغذ پر دستخط نہیں کرتا تھا اور اب تک پوری جان کاری کے بعد دستخط کرتا ہوں۔"

"اندور میں ہم لوگ ٹھہر جائیں گے اور پھر حالات کا جائزہ لیں گے۔" میں نے کہا۔

"آپ لوگ میرے ساتھ میرے گھر چلیں تو بہتر رہے گا۔" عارف نے کہا۔

"میرا خیال ہے عارف ٹھیک کہہ رہے ہیں، میں قریب سے ان سب کو دیکھنا چاہتا ہوں ان لوگوں نے کچھ گواہیاں ضرور رکھی ہوں گی اور کاغذات بھی بنائے ہوں گے ان سب کو دس دن کے اندر ہی دیکھنا ہے تم یہ بتاؤ تمہارے پاس مکان کے اصلی کاغذات ہیں۔" رولو کا نے پوچھا۔

"میرے کاغذات مکمل ہیں۔ مگر ان پر گواہوں میں جن لوگوں نے دستخط کئے تھے وہ سب مر چکے ہیں۔" عارف الدین نے جواب دیا۔

"اس سے زیادہ فرق نہیں پڑے گا۔" رولو کا نے جواب دیا۔

اندور شہر اچھا بڑا شہر ہے۔ صاف ستھرا شہر ہے آبادی ہندوؤں کی زیادہ ہے جا بجا مندر بنے ہیں زیادہ تر لوگ زراعت پیشہ ہیں دہرس کا ایک بہت بڑا محل بھی ہے۔ اس نے کئی ہاتھی پالے ہوئے ہیں اور ان پر وہ شکار پر جایا کرتا تھا۔ مسلمان کی آبادی کم ہے راجپوت پوری ریاست پر چھائے ہوئے ہیں۔ انگریزی دور حکومت میں بھی راجہ کی بہت چلتی ہے حالانکہ راجہ کا قانون ختم ہو چکا ہے ساری عدالتیں انگریز کے بنائے قانون کے مطابق فیصلے کرتی ہیں۔

ہم لوگ اندور اسٹیشن سے سیدھے عارف الدین کے گاؤں راجہ گڑھی روانہ ہو گئے۔ راجہ گڑھی ایک بڑا گاؤں تھا۔ یہاں پر بھی زیادہ آبادی راجپوتوں کی تھی مگر مایہ دار بنیے ہی تھے وہ لوگوں کی زمینیں رہن رکھتے تھے اور بہت زیادہ بیاج لیا کرتے تھے۔ ان کے لئے ہندو مسلمان سب برابر تھے وہ کسی پر ایک دھیلا بھی نہیں چھوڑتے تھے۔ اس لئے گاؤں میں ان کا اثر اور رسوخ بھی زیادہ تھا۔ اور سرکار اہلکار بھی ان کا ہی دم بھرتے تھے۔

عارف الدین کا مکان ایک بہت بڑی حویلی تھی۔ پکے کے علاوہ اطراف میں بھی بہت جگہ تھی جہاں پر جانور پالے جاتے تھے۔ ہمارے لئے دوسری منزل پر ایک نہایت صاف ستھرا کمرہ تیار کر دیا۔ شام کو رولو کا نے

عارف الدین سے کہا۔

”مجھے اس بنیے کا گھر دکھاؤ اور اس کی شکل بھی دکھادو۔ اس کے بعد اس کے گواہوں کا بھی دیدار کرادو پھر دیکھتے ہیں۔“

”یہ تو کوئی مشکل کام نہیں ہے آیئے یہ کام تو آج ہی کر لیتے ہیں۔“

مغرب کے بعد رولوکا، عارف الدین کے ساتھ چلا گیا۔ اور دو گھنٹے کے بعد واپس آ کر اس نے بتایا کہ۔

”یہ کام صرف بنیے کا ہی نہیں ہے۔ مول چند بنیا اس ٹولے کے ساتھ ہے جو مکان پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ اس ٹولے میں چھ سات آدمی ہیں سب کو دیکھنا ہے۔ سب لالچی ہیں ،دم خم کسی میں نظر نہیں آتا۔

”اس کا اندازہ تم کو کس طرح ہوا۔“ میں نے پوچھا۔

”جب ہم اس کی دوکان پر پہنچے تو جلدی سے دوکان کے نیچے اتر آیا اور بڑی لگاوٹ سے عارف الدین سے مخاطب ہوا“ ارے میاں صاحب آیئے، کیسے تکلیف کی مجھے بلوالیا ہوتا۔“

”آپ کے درشن کرنے تھے اس لئے آ گئے ہیں۔“ عارف نے جواب دیا۔

”ارے ہم تو آپ کے پرکھوں کے غلام ہیں حکم دیتے آ جاتے۔“ وہ بولا۔

”دس دن کے بعد تم ایسا نہیں کہو گے۔“ عارف نے جواب دیا۔

”میاں صاحب عدالت جو بھی فیصلہ کرے ہم تم تو وہی رہیں گے۔“ وہ بولا۔

”مگر تم حویلی خالی ضرور کرالو گے۔“ عارف نے کہا۔

”قانونی بات ہے میاں صاحب اس میں نہ تم کچھ کر سکتے ہو نہ ہم، قانون بھی راجہ کا نہیں انگریز کا ہے اس پر عمل کرنا ہی ہوگا۔“

”پھر ہمارا تمہارا بھائی چارہ اور پرکھوں کے تعلقات کس کام کے ہیں۔“ عارف نے پوچھا۔

”میری طرف سے تو یہ چھوٹ ہے کہ عدالت کا فیصلہ میرے حق میں ہونے پر بھی تم حویلی میں رہو اور جب تک جی کرے رہو صرف جو کرایہ عدالت مقرر کردے وہ ادا کرتے رہو۔ یہ ہے ہماری بھائی بندی۔“ مول چند نے جواب دیا۔

”بہت خوب لالہ مول چند میں اپنے مکان کا کرایہ تم کو ادا کروں گا۔“ عارف نے کہا۔

”سو تو کرنا پڑے گا مہاشے۔“ مول چند بولا۔

”دس دن کے بعد ملاقات کروں گا۔“ عارف نے کہا اور آگے چل پڑا۔ پھر اس نے منشی رام بھروسے کو ملوایا۔ ”یہ گواہ نمبر ایک ہے۔“ اس نے تین اور چہرے دکھائے اور بتایا کہ یہ لوگ بنیے کے گواہ ہیں۔“

دو دن تک رولوکا گاؤں کا جائزہ لیتا رہا۔ دو دن کے بعد اس نے عارف سے کہا۔ ”مجھے الہ آباد میں اس وکیل کا پتہ بتاؤ میں اس کو لے کر آتا ہوں۔“

”ارے حکیم صاحب وہ نہیں آئے گا بڑا لالچی آدمی ہے پہلے رقم لیتا ہے پھر کیس میں ہاتھ ڈالتا ہے۔“ عارف نے بتایا۔

”تم اس کی فکر نہ کرو کہ وہ کس طرح آئے گا۔“ رولوکا نے جواب دیا۔ اور چلا گیا۔

اور ٹھیک دو روز پہلے وہ اندور آ گیا۔ وکیل کے لئے بھی ایک کمرہ صاف کردیا گیا۔ ”تم کس طرح اس کو پکڑ لائے۔“ میں نے پوچھا۔

”عارف ٹھیک کہتا تھا یہ روپے کا بہت لالچی ہے پہلے رقم لیتا ہے پھر کیس لیتا ہے اور فیس بھی زیادہ ہے میں نے اس کو کہا ہے کہ رقم پہلے نہیں ملے گی مگر مل جائے گی۔ کیس آسان ہے زیادہ محنت نہیں کرنا پڑے گی۔“ رولوکا نے بتایا۔

وکیل گوپال شرما نے بتایا کہ یہ کیس تو عارف الدین ہارا ہوا ہے ڈاکومنٹ اور سب گواہیاں اس کے خلاف ہیں۔

"مگر اس کیس کی نوعیت بدل رہی ہے آپ ازسرنو گواہوں کے بیانات لیں۔" رولوکا نے کہا۔

"اس سے کیا ہوگا بڑے پکے گواہ ہیں وہی کہیں گے جو پہلے کہہ چکے ہیں۔" وکیل نے کہا۔

"میں جو کہہ رہا ہوں آپ کو وہ کرنا ہے اپنا وکالت نامہ جمع کراتے ہی آپ ازسرنو کیس چلانے کا مطالبہ کریں گے اور پھر سے بیانات ریکارڈ پر لائیں گے۔" رولوکا نے کہا۔

"ٹھیک ہے ہمیں تو گڑ کھانے سے مطلب ہے۔" وکیل گوپال شرما نے کہا۔

دس دن گزر گئے اندور کی عدالت میں رولوکا، میں، عارف الدین اور وکیل ساتھ گئے۔ بنیے کے ساتھ پوری برات تھی کیونکہ ان کو امید تھی کہ فیصلہ ان کے حق میں ہونے والا ہے۔ گوپال شرما نے اپنا وکالت نامہ پیش کر دیا۔ کارروائی شروع ہوتے ہی اس نے کہا کہ پہلے جو گواہیاں گزری ہیں مجھے پتہ نہیں کہ انہوں نے کتنا جھوٹ اور کتنا سچ بولا ہے، مجھے اجازت دی جائے کہ میں ان کے بیانات ان کی زبان سے سنوں اور ان پر جرح کرسکوں۔ انگریز جج تھا اس نے یہ مطالبہ مان لیا۔

سب سے پہلے گواہ نمبر 1 منشی رام بھروسے کو طلب کرلیا۔ یہ لالہ مول چند کا خاص آدمی تھا اور اس نے ہی کاغذات کی تیاری اور سرکاری مشنری کو تیار کیا تھا۔ رام بھروسے نے کہنا شروع کیا۔

"میرا نام منشی رام بھروسے ہے میں لالہ مول چند کا ملازم ہوں ان کا حساب کتاب دیکھتا ہوں۔ اس مکان کے کاغذات بھی میں نے ہی بنائے ہیں اور اس پر گواہ کے طور پر دستخط بھی کئے ہیں۔ مگر عارف الدین اور اس کے پتا کو کانوں کان اس کی خبر نہیں تھی۔ میں دستخط کرنے کا ماہر ہوں میں نے ہی عارف الدین کے پتا کے دستخط کاغذات پر کئے ہیں رقم پانچ ہزار ادھار لکھی ہے اور اس پر پانچ فیصد سالانہ بیاج لکھی گئی ہے مدت اس کی پانچ سال رکھی گئی تھی اور عدم ادائیگی کی صورت میں حویلی لالہ مول چند کے نام خودبخود ہوجانی تھی۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں نے یہ جعلی کام لالہ مول چند اور ان کے متر سادھو سنگھ کے کہنے پر کیا اور اپنی جان بچانے پر کیا اگر نہ کرتا تو سادھو سنگھ مجھے اور میرے پریوار کو مار ڈالتا کیونکہ اس نے لالہ کی موجودگی میں یہی کہا تھا۔ مجھے نہیں پتہ کے میرے اس بیان کے بعد میں گھر پہنچ سکوں گا کہ نہیں۔"

منشی کا بیان جوں جوں آگے بڑھ رہا تھا لالہ مول چند اور اس کے حواریوں کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔ انگریز جج بھی حیرت کی تصویر بنا ہوا تھا کیونکہ وہ تو صرف فیصلہ سنانے آیا تھا مگر اب تو کیس کا رخ ہی بدل گیا تھا۔ منشی کے خاموش ہوتے ہی لالہ مول چند کا وکیل کھڑا ہوا اور بولا۔

"گواہ نمبر 1 کی طبیعت خراب ہے اور وہ ٹھیک بیان نہیں دے پا رہا اس لئے دوبارہ سے اس کا بیان ہوگا۔"

جج نے گھور کر اس کی طرف دیکھا اور کہا۔"جو بیان گواہ نے دیا ہے وہ سچ ہے یا اس کا پہلا بیان سچ تھا یہ بتلایا جائے۔"

وکیل نے منشی کی طرف دیکھا تو منشی نے جواب دیا۔"میرا پہلا بیان میں نے دباؤ میں دیا تھا جو حقیقت تھی وہ میں نے آج بتائی ہے۔"

جج نے وکیل کو اشارہ کیا کہ وہ بیٹھ جائے۔ اس کے بیٹھ جانے کے بعد گوپال شرما کھڑا ہوا اور اس کے بعد باقی گواہوں کے بھی بیانات قلم بند ہوئے۔ لالہ مول چند اور اس کے حواریوں کے چہرے فق ہو گئے۔ منشی نے جو کاغذات تیار کئے تھے ان پر تاریخ بھی عارف کے والد کے مرنے کے ایک سال بعد کی تھی عارف نے ان کا مرنے کا سٹوفکیٹ دلی سے بنوالیا تھا وہ عدالت کو پیش کر دیا گیا اس طرح لالہ مول چند اور اس کے دستوں پر منشی پر ایک نیا مقدمہ کھڑا ہوگیا۔ اور عدالتی کارروائی شروع ہوگئی۔

گوپال شرما حیرت کی تصویر تھا بولا۔"عارف صاحب میں نے زندگی میں بڑے کیس لڑے ہیں مگر ایسا کیس نہیں لڑا کہ مخالف پارٹی کے گواہ اتنا بدل جائیں کہ

کیس کی نوعیت ہی تبدیل ہوگئی واقعی مجھے کچھ نہیں کرنا پڑا سب کام خود بخود ہوگیا ہے۔ کس طرح ہوا اس کا اندازہ بھی مجھے ہورہا ہے اس لئے میں اس کیس کی فیس نہیں لوں گا۔''

''ارے وکیل صاحب ایسا بھی نہیں ہے کہ آپ خالی ہاتھ واپس جائیں۔'' عارف نے کہا۔

''دیکھیے یہ حکیم کامل خان ہیں یہ سارا کمال ان کا ہے یہی تو مجھ کو پیسے کے لئے لے آئے جبکہ یہ میرا اصول نہیں ہے انہوں نے کہا جیسا میں کہتا ہوں کرتے رہو میں نے وہی کیا اور سب کام خود بخود سیدھے ہوگئے اب بتاؤ کمال کس کا ہوا۔ کام کس نے کیا۔ میرے تجربے میں کچھ اضافہ ہی ہوا۔''

''اور میں چاہتا ہوں آپ کے تجربے میں کچھ اور اضافہ ہوجائے۔'' رولوکا نے جواب دیا

''میں سمجھا نہیں۔'' وکیل گوپال شرما نے پوچھا۔

''آپ کے علم میں تو یہ بات ہے کہ جعلسازی کے ذریعہ عارف الدین کو لوٹا گیا ہے۔ بات صرف مکان کی ہی نہیں ہے اس سے پہلے اسی انداز میں دو گاؤں اور سب زمین یہ گروپ ہضم کرچکا ہے۔ لالہ مول چند اس کا ماسٹر مائنڈ ہے اور سب کام منشی کرتا ہے۔ ان کے ساتھ کچھ سرکاری اہلکار بھی ملے ہوئے ہیں ان سب کی ملی بھگت سے عارف الدین کو برباد کیا جارہا ہے۔ میں چاہتا ہوں آپ ایک اپیل اس مقدمے کے فیصلے کے خلاف دائر کردیں اور کیس لڑیں آپ کی فیس آپ کو ادا کی جائے گی۔'' رولوکا نے کہا۔

''اس کی بڑی تیاری کرنا پڑے گی۔ شواہد جمع کرنا پڑیں گے۔ وقت درکار ہوگا۔'' وکیل نے کہا۔

''آپ اپیل دائر کریں۔ باقی تمام کام خود بخود ہوجائیں گے۔'' رولوکا نے کہا۔

وکیل نے تعجب سے رولوکا کی طرف دیکھا اور کہا۔

''حکیم صاحب معاف فرمایئے گا میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔''

''تو پوچھیے اس میں اتنی تمہید کی ضرورت کیا ہے۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''کیس کا وہ گواہ جس کی گواہی پر فیصلے پر گہرا اثر پڑنا تھا وہ اتنی کڑوی سچائی روانی سے قبول کررہا تھا مجھے یقین نہیں آرہا تھا اس کے بعد مخالف کے سارے گواہوں نے جان کی پروانہ کرتے ہوئے پوری قلعی اتاردی اور کیس یکسر بدل گیا۔ جج بھی کچھ دیر پریشان ہوگیا مگر فیصلہ کرنے میں اس نے دیر نہیں لگائی اور اس گروپ پر ایک مقدمہ کھڑا کرنے کا مشورہ دیا یہ سب ہماری سب کی نگاہوں کے سامنے ہوا اور یہی حقیقت ہے مگر دماغ اس کو تسلیم نہیں کرتا اتنے وفاداروں کا ایک ساتھ مول چند کا ساتھ چھوڑ جانا۔''

وکیل نے حیرت سے کہا۔

''آپ واقعی ایک کامیاب وکیل ہیں آپ کیوں اور کیسے کی تہہ تک جانے کی کوشش کرتے ہیں مگر آپ صرف اپنے پیشے کے نقطہ نظر سے اور قانون کے پیمانے پر پرکھ کرتے ہیں۔ آپ کے لئے بہتر بھی یہی ہے مگر آپ کے نقطہ نظر کے علاوہ بھی اس جہان میں بہت کچھ ہے۔ جن لوگوں کی رائے ضعیف ہوتی ہے وہ اکثر بہت سی حقیقتوں سے انکار کرتے ہیں میں آپ کی باتیں نہیں کررہا ایک عام آدمی کی بات کرتا ہوں کسی کی عقل و دماغ کی کمزوری کا نشان یہ ہے، فوراً کسی بھی مسئلے پر انکار کی پالیسی اختیار کرے مثال کے طور پر جن کی معلومات کم ہیں وہ کیمیا اور سنگ پارس کو بے ہودہ اور صرف خیالی چیز کہتے ہیں لیکن جن لوگوں کو اس کے بارے میں علم ہے اور جن کو پوری دسترس حاصل ہے وہ لوگ اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ علم کیمیا اور سنگ پارس کی کیا صفات ہیں۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''میں نے اپنے طور پر اندازہ لگایا ہے کہ آپ کا علم معمولی احاطہ انسانی سے بالاتر ہے یا کچھ اور ہے جو کچھ ہوا اور جو ہونے جارہا ہے وہ معمولی نوعیت کا کمال نہیں۔ میری سوچ اگر غلط رخ پر ہے تو فرمایئے سچ کیا ہے۔'' وکیل نے پوچھا۔

''تمہاری سوچ کا رخ ٹھیک بھی ہے اور غلط بھی، ٹھیک اس لئے کہ انہونی کو تم نے ہوتے دیکھا، غلط اس لئے کہ انسان کے اندر بھی ایک چیز ہوتی ہے اس کو تم ضمیر کہہ سکتے ہو یاد رکھو وہ کبھی نہیں مرتا انسان اس کو ختم کرتا ہے، مارتا ہے مگر وہ زندہ رہتا ہے اور کبھی نہ کبھی وہ اتنا طاقتور ہو جاتا ہے کہ پھر جھوٹ اس کے سامنے نہیں ٹکتا اور سچ کا بول بالا ہو جاتا ہے۔ ضمیر کو جگانا اور اس کو طاقتور بنانا اور سچ کو زبان سے اگلوانا یہ بے شک ایک مشکل کام ہے مگر اس جہان میں یہ سب ہوتا ہے اگر ایسا نہ ہو تو یہ دنیا صرف برائیوں کا گڑھ بن جائے۔ کائنات قدرت نے جو اوزان اس دنیا کے اوپر لگایا ہے وہ ان سب کو کنٹرول کرتا ہے جس طرح سورج اپنے وقت پر نمودار ہوتا ہے اور اپنے وقت پر غروب ہو جاتا ہے۔ یہ نظام قدرت ہے یہ لاکھوں سال سے چل رہا ہے اور چلتا رہے گا۔'' رولو کا نے جواب دیا۔

''میرے پاس آپ کے اس مدلل جواب کے آگے کوئی سوال نہیں ہے۔ میں اپیل کی تیاری کرتا ہوں۔'' اور وکیل گوپال شرما چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد میں نے کہا۔ ''آدمی گہرا ہے بہت دور تک نظر رکھتا ہے۔''

''ہر آدمی سوچ رکھتا ہے وہ تو پھر ایک وکیل ہے، اس کے سامنے وہ کچھ ہوا جس کی وہ کبھی امید نہیں رکھتا تھا۔ اس کی سوچ کا رخ تو مڑنا تھا طوالت سے بچنے کے لئے یہ سب کرنا پڑا اور اس کی حیرت کا باعث ہوا۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''تو پھر کچھ دن آرام کرتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''آپ آرام کریں یا دلی کا چکر لگائیں۔ میں یہاں پر ہی رہوں گا۔ کیونکہ مول چند بھی اسی لائن پر سوچ رہا ہے جس پر وکیل سوچ رہا تھا۔ آگے وہ کیا قدم اٹھاتا ہے یہ تو دیکھنا ہوگا اس لئے میں یہاں پر رہوں گا۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''میں دلی کا چکر لگا کر دس پندرہ دن میں آتا ہوں۔'' میں نے کہا۔ اور میں دلی روانہ ہو گیا۔

مول چند پر مقدمہ بن گیا تھا اور جعلسازی ثابت ہو گئی تھی۔ اس کی عزت ملیا میٹ ہو گئی تھی۔ ذات برادری کے علاوہ علاقے میں جو عزت تھی وہ بھی ختم ہو گئی تھی۔ وہ سانپ کی طرح پھنکاریں مار رہا تھا۔ ہر چیز اس کو بری لگ رہی تھی اس کی دھرم پتنی جس سے وہ ہمیشہ ڈرتا تھا اس کو بھی ڈانٹ دیا تھا۔

''ارے تم تو باہر مار کھا کے اندر مجھ پر کا برس رہے ہو۔ مرد ہو تو مقابلہ کرو چوڑیاں پہن کے بیٹھے ہو۔'' بیوی کا یہ جملہ اس کے تن بدن میں آگ لگا رہا تھا کہ اچانک اس کو کچھ یاد آ گیا اور وہ ہردوار کی طرف دوڑ گیا۔

مول چند اتنا زیادہ دین دار آدمی نہیں تھا کہ یاترا کو دوڑ پڑتا۔ اس کی دین داری صرف لکشمی پوجا تک تھی وہ صرف اپنی تجوری کی پوجا کرتا تھا۔ مگر وہ ہردوار چلا گیا۔

ہردوار ہندوؤں کا شہر ہے یہ دریائے گنگا کے ساحل پر واقع صوبہ یوپی کا ایک بہت ہی مشہور شہر ہے۔ یہ شہر ہندوؤں کے لئے بڑا مقدس ہے اس کا اندازہ یوں لگائیں کہ اس شہر کی سرزمین پر ماتھا ٹیکنا بھی ان کے لئے کسی سعادت سے کم نہیں اس شہر کی شہرت یوں بھی بہت ہے کہ یہاں پر ہر بارہ سال کے بعد شیوا جی کی یاد بکھ COMPH کا میلا لگتا ہے۔ پورے ہندوستان کے ہندو یہاں آتے ہیں پہلے سے مہینوں پہلے یہاں پر ایک تربیتی مقام پر ایک شہر آباد ہو جاتا ہے ہندوستان سے باہر کے پنڈت پجاری بھی دور دراز سے چل کر یہاں آتے ہیں۔ دریائے گنگا میں پنڈت پجاری اور پجارنیں سب ایک ساتھ اشنان کرتے ہیں۔

ہر طرف دھوم دھڑکا ہوتا ہے چھوٹے ہٹو لے، رنگ برنگے لباس بھانت بھانت کی بولیاں اور کھیل تماشے دن رات مندر کی گھنٹیاں بجتی رہتی ہیں۔ سنکھ کی آوازیں دلوں کو گرماتی ہیں۔ تربیتی کے مقام پر تینوں دریاؤں کا ملاپ ہوتا ہے یہ منظر بھی خوب ہوتا ہے۔ دور تک گنگا کا پانی الگ بہتا رہتا ہے۔ جمنا کا مٹیالہ پانی الگ نظر آتا ہے۔ اور سرسوتی کا پانی الگ نظر آتا ہے، پنڈت

پجاری اس کو ہری کادوار یعنی دروازہ کہتے ہیں۔ یہ شہر ہندوؤں کے نقطہ نظر سے بڑا مقدس ہے۔

مول چند یوں ہی ہری دوار نہیں دوڑ گیا تھا۔ وہ سیدھا اپنے ایک پرانے متر کے پاس گیا۔ مانک چند ہری دوار کے ہی رہنے والے تھے۔ مول چند کے وہ ماموں تھے۔ ''وہ دیکھتے ہی بولے ارے آؤ مول چند کیسے ماموں کو یاد کرلیا۔''

''مشکل گھڑی میں اپنوں کو ہی یاد کیا جاتا ہے۔'' مول چند نے جواب دیا۔

''مشکل گھڑی اور تم پر، رام رام کیسی انہونی بات کرتے ہو۔'' مانک چند نے کہا۔

''بتاؤں گا تو تم کو اندازہ ہوگا میں بری طرح پھنس چکا ہوں۔'' مول چند نے کہا۔

''ارے تم سا چلتا پرزہ، تم تو خود دوسروں کے لئے آفت ہو یقین نہیں آتا۔'' مانک چند نے کہا۔ ''ارے ماموں میری بات تو سن لو۔ پھر کہنا۔'' مول چند بولا۔

''اچھا سناؤ تم اپنی کتھا۔'' مانک چند نے کہا۔

اور مول چند نے اپنی جعلسازی کی پوری روداد سنادی اور پھر کہا۔ ''حیرت تو مجھے منشی پر ہے کہ اس نے یہ بھی پروا نہیں کی کہ وہ خود گردن تک پھنسا ہوا ہے اور عدالت کے سامنے سب کہانی بیان کردی خود تو پھنس ہی گیا میں بھی مارا گیا۔ سارا کیا دھرا مٹی ہوگیا بنی بنائی عزت دھول ہوگئی۔ اگر بات یہاں پر ہی ٹل جاتی تو صبر کرلیتا مگر اب وہ پرانا کیس گاؤں والا بھی اکھاڑا جارہا ہے اس کا بھی کرتا دھرتا وہی منشی ہے وہ سب کچھ اگل دے گا اور ہمارا کھایا پیا باہر نکل پڑے گا۔''

''ہوں بات تو فکر کی ہے۔ تم نے ایسا کچا کام کیوں کیا۔'' مانک چند بولے۔

''کام تو بڑا اپختہ کیا تھا اوپر سے نیچے تک سب کو ساتھ رکھا تھا ہر ایک کے منہ میں نوالہ ڈال کر بند کردیا تھا مگر سسرا گھر کا بھیدی ہی لنکا ڈھا گیا ایسا تو میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔'' مول چند نے کہا۔

''اب تمہارا منشی کہاں ہے۔'' مانک چند نے پوچھا۔

''ہوگا کہاں جیل میں پڑا ہے، میں نے تو ضمانت کرائی تھی مگر اس نے کہہ دیا میں جیل میں محفوظ ہوں جیل سے باہر جان کا خطرہ ہے۔'' مول چند نے بتایا۔

''کم از کم اس سے پتہ تو کرنا ہی پڑے گا کہ اب دوسرے کیس میں وہ کیا کہنے والا ہے۔'' مانک چند نے کہا۔

''میں تو اس سے رابطہ نہیں کرسکتا یہ کام تو وکیل ہی کرے گا۔'' مول چند بولا۔

''ہاں یہ ٹھیک ہے۔ ایک زوردار وکیل کرتے ہیں اور منشی کو ہاتھ میں لیتے ہیں۔''

''ماما یہ کام اتنا آسان نہیں ہے جتنا تم وچار کررہے ہو۔'' مول چند نے کہا۔

''تو پھر بتاؤ نا کہ چکر کیا ہے۔'' مانک چند نے کہا۔

''منشی اور دوسرے سارے گواہ ایک دم بدل گئے اور ہمارا دھڑن تختہ ہوگیا اس پر ذرا غور کرو ماما۔'' مول چند نے کہا۔

''تم بتاؤ تمہاری بودھی میں کیا آیا ہے اب تک۔'' مانک چند نے پوچھا۔

''عارف کے ساتھ دو آدمی آئے ہیں۔ سنا ہے دونوں ہی حکیم ہیں مگر مجھے تو ایسا لگتا ہے وہ کچھ اور ہی ہیں یہ سب ان کی ہی کارستانی ہے، سارے گواہوں کے دماغ پھیر دیئے ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک پورا گرو ہے یا شاید دونوں ہی ایک تھیلی کے چٹے بٹے ہوں۔'' مول چند نے جواب دیا۔

''پنڈت گوکل ہے تم چنتا مت کرو۔'' مانک چند نے کہا۔

''تو پھر جلدی پنڈت گوکل سے میرا اپائے کراؤ۔'' مول چند بولے۔

''آج رات کو چلیں گے شام کے بھوجن کے بعد وہ شانتی سے ہوتے ہیں۔'' مانک چند نے کہا۔

''دور جانا پڑے گا کیا؟'' مول چند نے پوچھا۔

"زیادہ نہیں، دریا کنارے ہنومان مندر ہے اسی میں رہتے ہیں۔" مانک چند نے کہا۔

"کیا ہنومان بھگت ہیں۔" مول چند نے پھر پوچھا۔

"سب باتیں مجھ سے پوچھ لے گا کیا؟ جب چلیں گے تو ان سے بات کر لینا۔"

دریائے گنگا کے کنارے کنارے بہت سے مندر بنے ہوئے ہیں۔ ان میں ہی ایک ہنومان مندر بھی بنا ہوا ہے بہت اونچی سیڑھی پر یہ مندر بنا ہوا ہے مندر کے اطراف میں جگہ جگہ ہنومان بجرنگ بلی کی مورتیاں بنی ہوئی تھیں ان پر پیلا لال رنگ کیا ہوا تھا۔ مول چند اور مانک چند نے گوکل مہاراج کا پتہ کیا وہ اپنی کٹیا میں تھے دونوں وہیں چلے گئے اندر ان کے علاوہ ایک چیلا بھی تھا۔ مانک چند کو دیکھ کر گوکل مہاراج نے پہچان لیا اور بولے۔ "کیسے ہو مانک چند۔ کیسے آنا ہوا۔"

"کرپا ہے آپ کی مہاراج ایک کام پڑ گیا تھا تو حاضر ہوا ہوں۔"

"مانس کام سے ہی ہر جگہ جاتا ہے بول کیا کام ہے۔"

مانک چند نے مول چند کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "یہ میرا بھانجہ ہے یہی بتائے گا اپنا پورا حال۔" مانک چند نے کہا۔

"ہاں تو بول بچہ کیا کٹھنائی ہے۔" پنڈت گوکل نے پوچھا۔" اور مول چند نے ساری کہانی ایک سانس میں بیان کر دی۔ مقدمے کی کارروائی اور اس کے گواہوں کا اس سے پھر جانے کی بات خاص طور پر بیان کر دی اس کا شک کس طرف ہے وہ بھی بتا دیا۔

پنڈت گوکل نے ایک لمبی سی ہوں کی اور بولے۔

"تیری ساری کتھا میں گھمبیر بات یہ ہے کہ تیرے آدمی تیری جعلسازی میں پوری طرح تیرے ساتھ تھے اور خود بھی گلے گلے پھنسے ہوئے تھے پر وہ وہی بولے جو سچ تھا اور ان کے بھی خلاف تھا اسی جگہ ایک گانٹھ ہے اس گانٹھ کو کھولنا ضروری ہے۔" پنڈت گوکل نے کہا۔

"اس گانٹھ کو آپ جیسا انتریامی ہی کھول سکتا ہے۔" مانک چند نے کہا۔

"ہاں کچھ تو کرنا ہوگا تم آئے ہو اور کسی بھروسے سے آئے ہو۔" پنڈت نے جواب دیا۔

"تو یہ کام کب تک ہو جائے گا۔" مول چند نے پوچھا۔

"میں کچھ تیاری یہاں کروں گا اگر کچھ کھوج ملا تو یہاں سے اپائے کر دوں گا اور اگر معاملہ گہرا ہوا تو مجھے تیرے پاس آنا پڑے گا اپنا پورا پتہ نشان بتا جا۔" پنڈت گوکل نے کہا۔

"اندور کے قریب ہی گاؤں ہے مانک چند ماما کے ساتھ آپ آ جائیں۔ میں انتظار کروں گا۔"

رولوکا ان کے ساتھ ہی تھا مگر کسی کو یہ اندازہ نہیں تھا پنڈت گوکل کی گہرائی اور لمبائی رولوکا جان چکا تھا۔

ایک ہفتہ گزر گیا اور وکیل گوپال شرما آ گیا بولا۔

"میں نے اپیل دائر کر دی ہے اور ایک ہفتہ کے بعد کیس کی تاریخ ہے سمن جاری ہو گئے ہیں۔"

"ٹھیک ہے آپ اپنا کام کرتے رہیں اور امید رکھیں کہ یہ کیس بھی آپ جیت جائیں گے۔" رولوکا نے جواب دیا۔ وکیل واپس چلا گیا۔

اور پنڈت گوکل مول چند کے پاس آ گیا۔ اس کے ساتھ ماما مانک چند بھی آ گئے۔ مول چند سے بولے۔

"بہت ہی بکٹ معاملہ ہے تیرے سارے گواہ تیرے ساتھ ہیں۔ ان کے دل میں تجھ سے ہمدردی بھی ہے منشی حیران ہے کہ اس نے کیسی بکواس کر دی ہے مگر تیر تو کمان سے نکل چکا ہے وہ کرے تو کیا کرے یہی حال باقی سب کا ہے۔ اس سے تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اب تیرے خلاف نہیں جائیں گے اور گاؤں کا کیس تو ہی جیت جائے گا۔"

پنڈت نے بات ختم کی تو مول چند نے کہا۔

"مہاراج کے منہ میں گھی شکر، میں آپ کا منہ موتیوں سے بھر دوں گا، بس یہ کام ہو جائے۔"

''ارے مورکھ کیا ہم کسی لالچ میں آئے ہیں یہ مانک چند ہمارے پرانے متر ہیں بس ان کی شکل دیکھ کر آئے ہیں تو ہماری چنتا مت کر اپنی فکر کر۔'' پنڈت نے تیز آواز میں کہا۔

مول چند سہم کر بولا۔ ''میرا مطلب تھا آپ خوش ہوں گے تو ہم بھی خوش ہولیں گے۔''

''تجھے پتہ ہے کہ ہم بجرنگ بلی کے بھگت ہیں، ناریوں سے دور رہتے ہیں۔ ہم جہاں رہیں دور دور کسی ناری کی آواز بھی نہ آئے۔'' پنڈت نے کہا۔

''یہ تو بہت بڑی مشکل بات ہوگئی پربھو، ناری گھر کی نا ہی بولیں گی مگر ہر طرف ناریاں ہیں کس کس کو روکا جائے۔ بڑی دبدہ میں ڈال دیا ہے۔''

''تو پھر کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں پر دور دور ناری نہ ہو۔''

''ایک بنگلہ بنا ہے اندور شہر میں، اس کو سب بھوت بنگلہ کہتے ہیں اس کے چاروں طرف آبادی نہیں ہے اور بہت مدت سے ویران ہے اس کے قریب سے بھی کوئی نہیں گزرتا۔ کہتے ہیں وہاں پر بھوت اپنا بسیرا کرتے ہیں۔ وہ جگہ آپ کے رہنے کے قابل نہیں ہے۔'' مول چند نے کہا۔

''ارے پاگل وہی جگہ تو ہمارے رہنے کے قابل ہے ارے ہم تو خود بھوت تلاش کرتے ہیں۔ تو ہم کو وہیں چھوڑ آ۔ ہم وہیں پر اپنا کام کریں گے۔ تو اندر چاہے تو مت جانا دروازے پر چھوڑ دینا۔ ہم خود اندر چلے جائیں گے اور سن ہمارے بھوجن کی بھی فکر مت کرنا ہم خود ہی بندوبست کرلیں گے اب جو تپسیا ہم کرنے جارہے ہیں وہ کسی بھی ناری کی آواز سے بھنگ ہوجاتی ہے ہنومان بجرنگ بلی کا منتر ہے کوئی معمولی بات نہیں ہے تیری خاطر اور ہندو جاتی کی عزت کی خاطر ہم وہ جاپ کریں گے۔'' پنڈت گوکل نے کہا۔

اور پنڈت گوکل اندور کے اس تاریخی بھوت بنگلے میں چلے گئے جہاں پر سنا ہے پورے پچاس انگریز عورتوں اور مردوں کو جنگ آزادی کے زمانے میں قتل کردیا گیا تھا۔ ان کی روحیں اس میں منڈلاتی رہتی ہیں اور راہ گیروں سے ڈبل روٹی اور چائے طلب کرتی رہتی ہیں۔ پنڈت دن کے وقت اس بنگلے میں آیا تھا مول چند اس کو بنگلے سے دور چھوڑ گیا تھا۔ پنڈت نے دن کی روشنی میں اپنے بیٹھنے کی جگہ تلاش کرلی تھی۔

پنڈت ڈرنے والا آدمی نہیں تھا وہ اسی پراسرار دنیا کا باسی تھا۔ مگر اس بنگلے کے اندر ایسی پراسرار خاموشی تھی اور ماحول پر دہشت طاری تھی کہ اس نے بھی اپنی حفاظت کا فوراً بندوبست کرلیا تھا۔ رات ہوتے ہی جانے کہاں سے بڑی بڑی چمگادڑیں نکل پڑیں اور پنڈت کے سر پر گردش کرنے لگیں اس نے ایک مجرب منتر پڑھ کر ان کی طرف پھونک ماری تو وہ سب باہر چلی گئیں مگر سناٹا اب بھی نہیں ہوا ابھی رات کا پہلا پہر تھا اور ہنگامہ شروع ہو چکا تھا۔ اس نے دیکھا اس کے سامنے کوئی دائرے کے باہر بیٹھا ہے اس کے بڑے بڑے سنہری بال بکھرے ہوئے تھے۔ آنکھیں لال لال انگارے کی طرح دہک رہی تھیں۔ دو دانت ہونٹوں سے باہر نکلے ہوئے تھے اور اس کا پورا بدن برف کا معلوم ہوتا تھا مگر اس میں سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ پھر اس کی گھسی ہوئی ڈراؤنی آواز سنائی دی پہلے اس نے ایک مکروہ قہقہہ لگایا اور پھر کہا۔

''تم ادھر آیا، ہم تم کو ویل کم بولتی ہے۔''

پنڈت کو پتہ تھا کہ یہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی کیونکہ میں کنڈل کے اندر ہوں۔ اس کے چہرے پر ذرا سا بھی ڈر و خوف نہیں تھا وہ جما بیٹھا رہا۔ بولا کچھ نہیں۔ اس فرنگی عورت کی روح بھی جمی بیٹھی رہی۔ گوکل اپنا جاپ کرتا رہا۔ آدھی رات گزر گئی۔ فرنگی عورت کی روح نے اپنا چولہ بدلا اور وہ ایک حسین و جمیل عورت کا روپ دھار گئی اور اس نے پنڈت کے سامنے اپنے کپڑے اتارنا شروع کردیئے۔ فرنگن کا یہ حملہ بڑا شدید تھا کیونکہ عورت کی آواز سے اس کا جاپ بھنگ ہوجاتا تھا۔ اب تو ایک سفید فام جوان عورت اس کے سامنے بے لباس ہورہی تھی اس نے

فوراً آنکھیں بند کرلیں اور زور زور سے بجرنگ بلی کا جاپ کرنے لگا۔

مگر وہ حیران رہ گیا کہ آنکھیں بند ہونے پر بھی منظر وہی رہا۔ فرنگن برہنہ اس کے سامنے کھڑی انگڑائیاں لے رہی تھی اس کا انگ انگ دعوت نظارہ دے رہا تھا اور پنڈت پریشان تھا۔ ''آنکھیں بند کروں تو نظر آتی ہے کھولو تو نظر آتی ہے۔''

ساری رات گزر گئی دن کی روشنی پھیلتے ہی پنڈت نے اپنا جھولا اٹھایا اور جلدی سے بنگلے سے باہر نکل آیا اور سیدھا مول چند کے گھر چلا گیا۔ مول چند اور مانک دونوں اس کو دیکھ کر حیران ہوئے مول چند نے پوچھا۔ ''کیا ہوا مہاراج بڑی جلدی جاپ پورا ہو گیا۔''

''جاپ تو شروع نہیں کر سکے بچہ بات یہ ہے کہ اس بھوت بنگلے میں سارے بھوت زنانے ہیں اور ہمارا جاپ تو زنانی آواز سے ہی بھنگ ہو جاتا ہے تو بتاؤ ہم کیسے جاپ کرتے وہ جگہ ہمارے کام کی نہیں ہے۔ اگر کام کروانا ہے تو کچھ اور بندوبست کر۔'' پنڈت نے کہا۔

''تو پھر میں اٹاری میں انتظام کرتا ہوں چھت کے اوپر بنی ہے صرف صفائی کرنا ہے۔ ادھر کوئی نہیں جاتا سب نیچے ہی رہتے ہیں۔'' مول چند نے جواب دیا۔

اور پنڈت گوکل مول چند کی چھت پر بنی ایک کٹیا میں چلے گئے۔ یہ جگہ سناٹے کی تھی اور مول چند نے وہ سیڑھی جو اوپر جانے کو لگائی تھی ہٹا دی تھی۔ رات کو پنڈت گوکل نے کنڈل بنایا اور اندر بیٹھ کر جاپ کرنا شروع کر دیا۔

مگر یہ کیا کنڈل کے باہر وہی فرنگی عورت سولہ سنگھار کئے اس کی طرف للچائی نظروں سے دیکھ رہی تھی پنڈت کا دھیان بٹ گیا اور جاپ کی ابتدا ہی خراب ہو گئی۔ وہ غصے میں بولا۔

''تو اپنا مکان چھوڑ کر یہاں آ گئی، میں تجھے ایک منٹ میں قابو کر لوں گا جا بھاگ جا مجھے کام کرنے دے۔''

فرنگن زور سے ہنس پڑی اور بولی۔ ''میں آتی ہی اس لئے ہوں کہ تو مجھے قابو کر لے مگر تو نہ جانے کس چکر میں پڑا ہے مجھے دیکھ پھر فیصلہ کر میں تجھے شانت کر دوں گی سب کو بھول جائے گا۔ ارے پاگل پرش ناری کے بغیر ادھورا ہے جو پرش ناری سے بھاگتا ہے اس کو لوگ پتہ ہے کیا کہتے ہیں۔ میری بات پر غور کر اور سن لے تیرا یہ جاپ کبھی پورا نہیں ہو گا تو اگر ہمالیہ کی چوٹی پر بھی جائے گا تو میں وہاں بھی آ جاؤں گی۔''

''تو ہے کون یہ تو بتا۔'' پنڈت نے پوچھا۔

''میں وہ ہوں جس کے پاس رہوں تو وہ لامحدود طاقت کا مالک ہو جاتا ہے دنیا کا ہر عیش وعشرت دولت اس کو حاصل ہو جاتی ہے میں نصیب والوں کے پاس جاتی ہوں تیرے نصیب چمک رہے ہیں میں تیرے پاس آ رہی ہوں اور تو نہ جانے کس بے کار جاپ کے پھیر میں پڑا ہے تو میرا ہو گا اس کا اقرار کر لے اور جاپ چھوڑ دے پھر اپنی شکتی کو دیکھ۔''

پنڈت شکتی کا سن کر سوچ میں پڑ گیا۔ اس نے سوچا میں ہنومان بھگت کیوں بنا۔ شکتی کی خاطر میں نے دنیا کے عیش چھوڑ دیئے ناری سے دور چلا گیا کیوں اور پھر بھی اب تک وہ شکتی نہیں ملی جس کی بدولت میں راج کرتا۔ یہ تو خود آ رہی ہے پھر بھی اس نے اپنے اطمینان کو پوچھا۔ ''کون ہے تو اور کیوں میرے ہی پاس آنا چاہتی ہے؟''

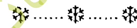
''ہر بات میں کرید کرنا کبھی کبھی نقصان کر دیتا ہے یہ اندھا سودا ہے میں کچھ نہیں بتاؤں گی اور جب تیرا حکم مانوں گی تو خود بخود تجھے پتہ چل جائے گا۔''

''اندھا سودا یہ کیسا سودا ہے۔ میں اس کو نہیں مانتا۔''

''تو پھر تو اپنا جاپ پورا کر کے بتا، میں جب حرکت میں آؤں گی تو تیرا ہنومان بھی تجھے نہیں بچائے گا میں تیرے ساتھ ہر وقت ہوں ہر جگہ ہوں تو خود کو کبھی اکیلا نہیں سمجھنا اور سن لے اچھی طرح سے تو کسی بھی منتر کا جاپ کرنے کے لائق نہیں ہے میں تیری نس نس میں دوڑ جاؤں گی۔''

پنڈت کچھ دیر خاموش رہا اور پھر بولا۔ ''میں نے تجھے سویکار کیا۔''

پنڈت کے الفاظ ختم ہی ہوئے تھے کہ ایک زوردار بجلی کا کڑاکا ہوا اور پوری اٹاری میں ہزاروں بلبوں کی روشنی پھیل گئی پنڈت اکیلا اس میں بیٹھا تھا۔ اس کا کنڈل ٹوٹ چکا تھا اور وہ فرنگی عورت غائب تھی۔ ابھی وہ کچھ سمجھ ہی نہیں پایا تھا کہ ایک زنانی آواز اس کے کانوں میں آئی۔ ''اب کیا ہے تیرے پاس اب تو، تو کورا کاغذ ہے۔ چل اٹھ اور بھاگ جا اور پھر سے شروع ہو جا۔ جو تھا وہ سب تو نے برباد کر دیا۔'' اور آواز بند ہو گئی۔ پنڈت کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ ہائے میں نے کیسا دھوکا کھایا۔ بجرنگ بلی بھی ناراض ہوا۔ سب تپسیا بھی اکارت چلی گئی۔ میں اب کیا ہوں خالی ڈھول، ہاں، میں خالی ڈھول ہوں اور پھر وہ ڈھول خاموشی سے اندور سے چلا گیا۔''



میں نے آتے ہی روداد پوچھی تو رولوکا نے یہ سب بتایا۔ میں نے پھر پوچھا اور وہ فرنگن کون تھی۔ ''وہ اسی بھوت بنگلے کی ایک بدروح تھی اس بنگلے میں بہت بدروحیں اب بھی ہیں۔ میں نے اس کی ڈیوٹی لگائی تھی کہ وہ اپنا جاپ نہ کر سکے۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''اور اس نے جو کچھ چال چلی اور طریقہ اپنایا وہ کس کا تھا۔'' میں نے پوچھا۔

''وہ اس کا اپنا تھا میں نے اس کو کوئی طریقہ نہیں بتایا تھا۔'' رولوکا بولا۔

''وہ پنڈت کہاں گیا۔'' میں نے پوچھا۔

''جائے گا کہاں اسی ہنومان مندر میں گیا ہے مگر اب اس کی پوزیشن بدل گئی ہے اور اس کو پہلے والے مقام پر آنے کے لئے پھر سے محنت کرنا پڑے گی پر اسرار دنیا کے بھی کچھ اصول اور قاعدے ہیں ان پر چلنا ضروری ہوتا ہے۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

پنڈت کے خاموشی سے جاتے ہی مول چند اور مانک چند کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی اور ان دونوں نے سوچ لیا کہ گاؤں سے بھی گئے اور جعلسازی کے جرم کی جو سزا ہوگی وہ الگ۔ کوئی ایسا درمیانی راستہ بنایا جائے کہ عزت رہ جائے۔ دونوں نے بہت سوچ بچار کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ گاؤں عارف الدین کو واپس کر دیئے جائیں اور معافی مانگ کر صلح کر لی جائے۔ آخر بنیا تھا دبی پر مونچھ نیچے کر لینے میں ہی اس کو فائدہ نظر آیا۔ اور اس نے عارف الدین سے ملاقات کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔

عارف نے مجھ سے پوچھا، میں نے رولوکا کی طرف دیکھا تو رولوکا نے کہا۔ ''برف پگھل رہی ہے ملاقات کر لو۔''

''جب گرم ہوائیں چلتی ہیں تو برف پگھلتی ہے۔'' میں نے کہا۔

کچھ ہی دیر میں مول چند اور مانک چند دونوں عارف الدین کی بیٹھک میں آ گئے۔ عارف الدین نے پوچھا۔

''کیسے کشٹ اٹھایا لالہ مجھ سے کچھ کام ہے۔''

''میں خود بہت شرمندہ ہوں کام کیا ہوگا معافی مانگنے آیا ہوں۔'' مول چند بولا۔

''معافی، کاہے کی معافی لالہ۔'' عارف نے پوچھا۔

''ارے اسی مقدمے بازی کی بس کیا بتاؤں میرا دماغ ہی پھر گیا تھا۔'' وہ بولا۔

''لالہ تمہارا دماغ ایک دفعہ پھرا ہو تو معاف کیا جائے، تم نے تو مجھے دنیا میں ذلیل کرنے کا بیڑا اٹھایا ہوا تھا۔ پہلے گاؤں ہتھیا لئے، ساری زمین ہتھیا لی، ایک ٹھکانا رہ گیا تھا تم سے وہ بھی نہ دیکھا گیا اور اس پر بھی دانت گاڑ دیئے۔ مگر تم بھول گئے کہ خدا کے پاس دیر ہے اندھیر نہیں ہے جب اس کی لاٹھی گھومتی ہے تو سر بچانا مشکل ہوتا ہے اب تم اس لاٹھی کی زد میں ہو، تم کو جیل کی کوٹھری نظر آ رہی ہے تو تم معافی مانگنے آئے ہو۔ ان سب کو پھر سے بلاؤ جو تمہارے چشم دید گواہ ہیں، تمہاری خاطر جان لڑاتے ہیں۔'' عارف الدین نے غصے سے کہا۔

مول چند کھڑا ہو گیا اور عارف کے پیروں میں گر پڑا۔ ''مجھے معاف کر دو میاں جی، مجھ سے بھول ہو گئی۔ دونوں گاؤں بھی تمہارے ہیں، زمین بھی تمہاری ہے اور میں نے اب تک جو کچھ کمایا ہے وہ بھی سب دوں گا۔'' مول چند بولا۔

''یہ سب تم کو عدالت میں لکھ کر دینا ہو گا۔'' میں نے کہا۔

''ہاں میاں جی، مجھے منظور ہے معاف کر دو۔''

رولو کا پہلی بار بولا۔ ''تم نے اچھا فیصلہ کیا ہے مول چند۔''

مول چند اور مانک چند کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔ ''تم کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا یا احساس کروا دیا گیا ایک ہی بات ہے تم کل ہی دونوں گاؤں زمین اور منافع کے کاغذات بنواؤ اور حساب کتاب ختم کرو۔ عارف الدین لڑائی جھگڑے والا آدمی نہیں ہے تم بھی خود پر قابو رکھنا۔'' میں نے کہا۔

''ارے میاں جی، خوب سمجھ میں آ گیا ہے کہ میں میاں سے نہیں لڑ سکتا اب تو میں مرتے وقت اپنی اولاد سے بھی کہہ جاؤں گا کہ سب سے لڑنا کسی میاں سے نہ لڑنا۔'' مول چند بولا۔

''اگر ایسا ہی کرو گے تو سکھی رہو گے بے ایمانی آدمی کرتا ہے کچھ دن کی خوشی کی خاطر یہ ہمیشہ کی خوشی نہیں ہے حق حلال کی روزی ہی انسان کو دل کا سکون دیتی ہے اور اس کی آنے والی نسلوں تک کو بڑا مرتبہ دلاتی ہے۔'' میں نے کہا۔

''آپ ٹھیک کہتے ہو میاں صاحب۔'' مانک چند نے جواب دیا۔ اس کے بعد عدالتی کارروائی میں کوئی پریشانی نہیں ہوئی اور عارف الدین کو اس کا حق مل گیا اس کے بعد اندور میں ہمارا کوئی کام نہیں تھا۔

❋......❋......❋

اب ہمارا سفر اجین کی طرف تھا۔ یہ شہر ایک تیرتھ ہے مگر یہاں پر دوسری قومیں بھی قلیل تعداد میں رہتی ہیں جن میں مسلمان اور عیسائی بھی ہیں۔ ہندوؤں کا ایک فرقہ جینی کہلاتا ہے یہاں پر ایک بہت بڑا مندر جینیوں کا ہے۔ اس فرقے کو مہابیر نے بنایا تھا۔ یہ لوگ اپنے پورے جسم پر پیلی مٹی لیپ لیتے ہیں یہ اس لئے کہ یہ کسی کی جیو ہتھیا نہیں کرنا چاہتے۔ یہاں تک کہ کسی جراثیم تک کو ہلاک نہیں کرتے۔ اجین میں مہابیر کا بہت بڑا مندر ہے یہاں پر ہر سال ایک میلا لگتا ہے۔ یہاں کے سادھو اپنے موٹاپے کی وجہ سے مشہور ہیں یہ شرط لگا کر دن بھر مٹھائیاں کھاتے ہیں اور حیرت اس بات پر ہوتی ہے کہ ایک کے بعد دوسرے سے سیروں مٹھائی کھا جاتے ہیں۔

کچھ سادھو مندر سے باہر بیٹھے ہوتے ہیں۔ عورتیں یہاں پر ہی ان پر چڑھاوے چڑھاتی ہیں۔ ہندو مت ایک عقیدہ اور مذہب کے لحاظ سے غیر مرتب اور سینکڑوں پہلو رکھتا ہے۔ یہ تمام کے لئے سب طرح کی چیز ہے اس کی تعریف بیان کرنا یا عام مفہوم کے اعتبار سے یہ کہنا کہ وہ مذہب ہے مشکل ہی سے ممکن ہے۔ اپنی موجودہ شکل میں بھی اور ماضی میں بھی وہ متفرق و متعدد معتقدات و اعمال کا مجموعہ رہا ہے۔ بلند ترین سے پست ترین تک ایک دوسرے سے متصادم و متضاد، اس سے آپ خود اندازہ لگائیں کہ یہاں پر جو نظر آ جائے وہی تہذیب ہے۔ جو زبان سنی جائے اس کو اپنی زبان میں ترجمہ نہ کیا جائے کیونکہ آپ ترجمہ کر کے شرمندہ ہو جائیں گے۔

اجین ریلوے اسٹیشن پر اترتے ہی احساس ہو جاتا ہے کہ یہ ہندو یاترا ہے۔ اسٹیشن کے باہر آتے ہی ننگ دھڑنگ سادھو نظر آنے لگتے ہیں۔ ان کے جسم پر صرف ایک لنگوٹی ہوتی ہے۔ یہ سردی گرمی ہمیشہ اسی طرح رہتے ہیں اور ٹولیوں کی شکل میں کاندھے پر بنگی رکھے پیدل سفر کرتے ہیں اور پورے ہندوستان میں جاتے ہیں لوگ ان کو دان دکھشنا دیتے ہیں اور یہ آگے بڑھ جاتے ہیں۔

ہم نے ایک سرا تلاش کی یہاں پر بھی سرائے ہندو ہی تھے مگر ہم نے ایک کمرہ صاف کروا لیا اور قیام کر لیا اب تلاش کھانے کی تھی۔ ہم دونوں بازار کی طرف نکل کھڑے

ہوئے۔ ایک بہت لمبا بازار تھا ہم چلتے گئے ایک مقام پر ہمیں ایک مسجد نظر آ گئی۔ پہلے تو حیرت ہوئی مگر پھر ہم اس کی طرف مڑ گئے۔ مغرب کی نماز ختم ہوئی تھی اور نمازی جو زیادہ نہیں صرف دس گیارہ ہی تھے باہر آئے۔ میں نے ایک باریش بزرگ کو آگے بڑھ کر سلام کیا اور کہا۔

''محترم ہم لوگ مسافر ہیں اور اسٹیشن کے پاس ایک سرائے میں قیام کیا ہے۔ یہ شہر تو سارا ہندوؤں کا ہے کوئی جگہ ایسی ہے کہ ہم جہاں کھانا کھا سکیں۔''

ان بزرگ نے بڑی توجہ سے میری بات سنی غور کیا اور پھر بولے۔ ''یہاں پر آپ کو ایسا ہوٹل نہیں ملے گا، ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ آپ میرے غریب خانے پر کھانا کھائیں۔''

''ہم آپ کو بلاوجہ تکلیف دینا نہیں چاہتے۔'' میں نے کہا۔

''آپ اپنا تعارف تو کرائیں۔'' بزرگ نے کہا۔

میں نے جواب دیا۔ ''میرا نام حکیم وقار احمد ہے اور یہ میرے دوست حکیم کامل خان ہیں۔ ہم لوگ دلی میں مطب کرتے ہیں۔ طبیعت کے سیلانی ہیں شہر شہر نگری نگری گھومتے رہتے ہیں۔''

''پھر تو حکیم صاحب میں یہ کہوں گا کہ میری دعا اللہ نے بڑی جلدی سن لی۔'' بزرگ نے کہا۔

''میں مطلب نہیں سمجھا۔'' میں نے پوچھا۔

''میرا نام جمیل الدین ہے قریب ہی رہتا ہوں۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ میری بیٹی کی تکلیف دیکھی نہیں جاتی اس کی مشکل آسان کردے اور اللہ نے دو حکیم بھیج دیئے۔'' جمیل الدین نے کہا۔

''ہمارا پیشہ خدمت کرنا ہے آپ دکھائیں جو ہوسکا ضرور کریں گے۔ یہ بتائیں تکلیف کیا ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''مہینے میں دو چار دفعہ اس پر دورہ پڑتا ہے، یہ دورہ رات میں پڑتا ہے، اس کا سارا بدن اکڑ جاتا ہے اور نیلا ہوجاتا ہے تکلیف سے بڑی بھیانک چیخیں اس کے منہ سے نکلتی ہیں اور صبح کے وقت جب دورہ ختم ہوتا ہے تو اس کی حالت بہت خراب ہوتی ہے وہ بستر سے اٹھنے کے قابل نہیں ہوتی اس کی ماں ہی اس کی خدمت کرتی ہے۔'' جمیل نے کہا۔

''اس کی عمر کیا ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''یہ دورے اس کو اٹھارہ سال کی عمر سے پڑ رہے ہیں اور آٹھ سال دورے پڑتے ہوگئے ہیں۔ اس طرح اس کی عمر چھبیس سال ہوگئی ہے شادی بیاہ کا تو سوال ہی نہیں، کون کرے گا۔''

''میں تو اب اس کے مرنے کی دعائیں کرتا ہوں۔'' جمیل الدین آبدیدہ ہوگئے۔

رولوکا جو، اب تک خاموش تھا، آگے بڑھ کر جمیل الدین کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''ناامید نہ ہوں۔ رب کائنات نے جو بیماری دی ہے تو اس کا علاج بھی بتایا ہے۔''

میں نے قبلہ کوئی حکیم نہیں چھوڑا ہر قسم کا علاج کرایا ہے۔ اس کے علاوہ سیانوں کو بھی دکھایا ہے مگر وہ بھی یہ کہہ کر چلے گئے کہ یہ ہمارے بس کا کام نہیں ہے۔ جادو ٹونے والے بھی جواب دے گئے تو پھر میں کیا کرتا، مجھ سے زیادہ خراب حالت اس کی والدہ کی ہے اکلوتی اولاد اور وہ بھی۔'' اس سے آگے جمیل الدین کچھ نہ کہہ سکے۔

''آپ کی حالت کا اندازہ ہم کو ہے اگر ایک کوشش اور کریں اور مریضہ کو دکھلادیں تو شاید ہم کچھ کرسکیں۔'' میں نے جواب دیا۔

''میں تو پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ خدا نے میری دعا سن لی ہے۔ آیئے میرے ساتھ قریب ہی غریب خانہ ہے۔'' اور ہم دونوں جمیل الدین کے ساتھ اس کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔

چند گلیاں پار کرنے کے بعد ایک مکان کے سامنے وہ کھڑے ہوگئے اور بولے۔ ''یہی میرا غریب خانہ ہے۔'' مکان باہر سے بڑا اور دو منزلہ تھا۔ میں نے کہا۔ ''ماشاءاللہ مکان آپ کا اچھا ہے۔''

''ارے بھائی بزرگوں کی نشانی ہے اور اسی کی بدولت دو وقت کی روٹی بھی چل رہی ہے، نیچے کا حصہ کرائے پر ہے، اس میں صندوق بنانے کا کارخانہ قائم ہے اور اوپر ہماری رہائش ہے، تین نفر ہی تو ہیں بہت بڑی جگہ ہے گزارہ ہو جاتا ہے۔

دائیں ہاتھ پر ایک دروازہ تھا وہ زینے کا دروازہ تھا وہ اس طرف بڑھ کر بولے۔ ''آیئے۔'' اور ہم سیڑھیاں چڑھ کر اوپر پہنچ گئے، واقعی بہت کشادہ مکان تھا۔ بہت کھلا ہوا آنگن اور اس کے بعد کمروں کے دروازے نظر آ رہے تھے۔ انہوں نے ایک کمرے کا دروازہ کھول کر کہا۔ ''آیئے بیٹھیے، میں بیگم کو بتاتا ہوں کہ آپ لوگ آئے ہیں۔'' اور وہ باہر چلے گئے اور چند منٹ کے بعد واپس آ کر بتایا، مریضہ کے کمرے میں چلیں اور ہم دونوں ان کے ساتھ دوسرے کمرے میں چلے گئے صاف ستھرا کمرہ تھا ایک پلنگ کھڑکی کے قریب پڑا تھا اس پر کوئی لیٹا تھا مگر نظر نہیں آتا تھا وجہ یہ تھی کہ اس کے جسم پر ذرا سا بھی گوشت نہیں تھا صرف ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ سا پڑا تھا چہرہ ہلدی ہو رہا تھا اور ہاتھ پاؤں کی ہڈیاں ہی باقی تھیں۔ میں سرہانے پڑے ایک اسٹول پر بیٹھ گیا اور مریضہ کی نبض پکڑ لی۔ بہت مدہم چل رہی تھی جسم میں خون کا قطرہ تک نظر نہیں آتا تھا۔

میں نے رولوکا کی طرف دیکھا تو رولوکا قریب آ گیا اور مریضہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ چند منٹ خاموش رہا اور بولا۔

''اس پر دو آسیب ہیں ایک موجود ہے ایک نہیں ہے جو ہے اس کا بندوبست کرتا ہوں۔'' اور ایک منٹ کے بعد ہی اس نے زور سے کہا۔ ''کالے بندو باہر آ جا۔'' مگر کچھ نہ ہوا۔ رولوکا پھر بولا۔ ''میں کہتا ہوں کالے باہر آ جا۔''

لڑکی نے آنکھیں کھول دیں اور مردانہ آواز میں کہا۔ ''کون ہے تو حکم چلاوے ہے۔''

''میں کون ہوں، تجھے ابھی پتہ چل جائے گا۔ باہر تو آ۔'' رولوکا نے کہا۔

''اور نہ آؤں تو کیا کرے گا۔'' پھر لڑکی بولی۔

''تو پھر دیکھ کیا کرتا ہوں۔'' رولوکا نے کہا۔

اور مڑ کر جمیل الدین سے بولا...... ''ایک گز سفید کپڑا جو پاک صاف ہو چاہیئے۔'' یہ سنتے ہی جمیل الدین اندر سے ایک گز لٹھے کا ٹکڑا لے آئے۔ اور رولوکا کو دے دیا۔ رولوکا نے اس کو پھاڑ کر چار ٹکڑے کر دیئے اور دو رومالوں کو اپنے ہاتھ پر لپیٹ لیا اور لڑکی کے چہرے سے شروع ہو کر سارے بدن پر اوپر سے نیچے کی طرف ہاتھ پھیرا پورا سفید کپڑا کالا ہو گیا اور لڑکی کے منہ سے کراہنے کی آوازیں آنے لگیں۔ رولوکا نے وہ دونوں رومال زمین پر ڈال کر اس پر اپنا پیر رکھ دیا اور دوسرے رومال ہاتھ پر لپیٹ لئے۔ لڑکی نے آنکھیں کھول کر کہا۔ ''اب مت کریں میں، باہر آنے کو تیار ہوں۔''

''اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' رولوکا نے کہا۔

''دیکھ مان جا میں بہت بڑی شکتی ہوں۔ تیرے کام آؤں گا۔ یہ میرا وچن ہے۔''

''تیری شکتی تجھے نہیں بچا سکتی۔ میرے کیا کام آئے گا۔'' رولوکا نے کہا۔

''میں جس کی شکتی ہوں، وہ تیرا جینا مشکل کر دے گا۔'' کالے بندو نے دھمکی دی۔

''جینا مشکل ہو یا مرنا آسان تو واپس نہیں جائے گا۔ تو دھوکا کھا گیا۔ اپنی شکتی کے کارن ہی تیری موت آئی، میں نے تو تجھے باہر آنے کو کہا تھا مگر تو گھمنڈ میں تھا تیرا گورو بھی اب تیری مدد نہیں کرے گا۔'' اور رولوکا نے دوسرے رومالوں کو لڑکی کے جسم پر پھیرنا شروع کر دیا۔ رومالوں کا رنگ کالا ہو گیا۔ لڑکی کے منہ سے بڑی بھیانک چیخیں نکلتی رہیں اور جب رولوکا نے وہ رومال بھی پیر کے نیچے دبائے تو لڑکی کی آواز بند ہو گئی۔

رولوکا نے ان رومالوں پر تین دفعہ زور زور سے لاتیں ماریں اور پھر ان کو اٹھا کر ہاتھ میں پکڑ لیا پھر ان کو اس طرح نچوڑا جس طرح کپڑا دھونے کے بعد نچوڑا جاتا ہے۔ ان رومالوں میں سے کالے رنگ کا خون ٹپک پڑا۔

رولوکا نے اس کو زمین پر نہیں گرنے دیا اپنی ہتھیلی پر لے لیا اور بولا۔

''جمیل الدین صاحب ایک عدد ایسی پلیٹ منگوائیں جو کھانے کے کام نہ آتی ہو۔ بیکار ہو۔''

جمیل الدین دوڑ کر لے آئے۔ رولوکا نے رومال سے اپنی ہتھیلی صاف کی اور وہ رومال پلیٹ میں گانٹھ باندھ کر ڈال دیئے۔ ''ان پر مٹی کا تیل ڈال کر آگ لگا دی۔''

آگ لگاتے ہی پورے گھر میں طرح طرح کی آوازیں آنے لگیں۔ رونے کی درد اور تکلیف سے کراہنے کی اور کپڑے کے جلتے ہی ساری آوازیں ختم ہو گئیں۔

راکھ کو رولوکا نے ایک کاغذ میں باندھ کر اپنی جیب میں رکھ لیا اور بولا۔ ''حکیم صاحب، یہ بھوانی کا ایک خطرناک بیر تھا اس کو مقرر کرنے والا جو بھی ہے ابھی پردے میں ہے اور اس نے اپنے گرد ایسا انتظام کیا ہے کہ وہ پردے میں رہے مگر کب تک وہ پردے میں رہے گا۔''

جمیل الدین نے پوچھا۔ ''حکیم صاحب یہ کیا بلا تھی کچھ تو بتائیں۔''

''جمیل صاحب، جن بھوت پریت بھی اسی دنیا میں رہتے ہیں مگر یہ ایک غیر مرئی مادے کی طرح ہیں۔ شاید ان کے پاس بھی وہی جذبات اور احساسات ہوں جو ہمارے پاس ہیں۔ قدرت کا یہ نظام ہے کہ ہمارے اور اس غیر مرئی مخلوق کے درمیان ایک حد فاصل ہے اس لئے ہمارا ان سے تصادم نہیں ہوتا۔ مگر کچھ لوگ اپنے علم کے زور پر اس غیر مرئی مخلوق کے کچھ طاقتور موکلوں کو اپنے تابع کر لیتے ہیں اور ان سے اپنا کام کرواتے ہیں۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''اس کا مطلب ہوا، یہ صرف کہنے کی بات نہیں ہے جن بھوت کا پریت کا وجود ہے۔'' جمیل احمد نے کہا۔

''ان کا وجود ہے مگر ان کو اپنے دائرے میں رہنے کی اجازت ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو انسانی وجود خطرے میں پڑ جاتا۔ مگر قدرت نے ہر بیماری کا علاج دیا ہے اسی طرح سحر کا علاج بھی سحر ہی ہے۔ اور ہم لوگ ہر مریض کے مرض کے اعتبار سے علاج کرتے ہیں۔'' رولوکا نے کہا۔

''یہ مخلوق کیا ہماری انسانی مخلوق سے زیادہ ہے اور یہ کہاں رہتی ہے۔'' جمیل نے پوچھا۔

''یہ مخلوق ہماری آبادیوں سے دور ویرانوں میں رہتی ہے۔ زمین کے چپے چپے پر یہ مخلوق آباد ہے۔ درختوں پر پہاڑوں پر یہاں تک کہ آتش فشاں پہاڑوں پر بھی آبادی ہے۔ یہ پراسرار قوتیں ہواؤں میں سفر کرتی ہیں کسی کو پتہ نہیں چلتا کہ کون سی قوت کہاں پر ہے ان کے لئے دن اور رات ایک ہیں مگر صرف بدروحیں رات میں اپنے مسکن چھوڑتی ہیں سورج ان کا بہت بڑا دشمن ہے۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں اگر ناگوار نہ ہو۔'' جمیل الدین نے کہا۔

''آپ حکم کریں جمیل صاحب تکلف نہ کریں۔'' میں نے کہا۔

''آپ نے مجھ پر بڑا احسان کیا ہے اس کا بدلہ تو میں نہیں دے سکتا مگر میری یہ خواہش ضرور ہے کہ آپ میرے غریب خانے پر قیام کریں۔'' جمیل نے ممنونیت آمیز لہجے میں کہا۔

''آپ وضعدار آدمی ہیں مگر ہم کسی کو تکلیف دینا پسند نہیں کرتے۔'' میں نے کہا۔

''میں بے شک اس وقت ایک غریب آدمی ہوں مگر اتنا بھی دل کا غریب نہیں ہوں کہ دو آدمیوں کا خرچ بھی نہ اٹھا سکوں، میں پرانے روایات کا آدمی ہوں، رسی جل گئی ہے مگر بل تو نہیں گیا۔ میں خود سے شرمندہ ہو جاؤں گا اگر آپ نے میری بات نہ مانی۔'' جمیل گلوگیر آواز میں بولے۔

''آپ جذباتی نہ ہوں، آپ کے خلوص کی کوئی قیمت نہیں ہے، ہم یہیں پر رہیں گے۔'' رولوکا نے کہا۔

جمیل کے چہرے پر رونق آ گئی۔ ''میں بہت خوش ہوں۔'' وہ بولے۔

"ابھی آدھا کام ہوا ہے۔ ابھی کام باقی ہے۔" رولوکا نے کہا۔

"اس پردے نشین کو پتہ چل گیا ہوگا کہ اس کا ایک بیر ختم ہوگیا ہے۔" میں نے کہا۔

"نہیں میں نے اس کو اندھیرے میں رکھا ہے، وہ ہوشیار ہے خود کو پردے میں رکھ کر کام کر رہا ہے تو میں بھی پردے میں ہی کام کروں گا۔" رولوکا نے جواب دیا۔

جمیل احمد نے کہا۔ "میں کھانے کا پتہ کرتا ہوں۔"

"ذرا ٹھہر جائیں۔" میں نے کہا اور میں مریضہ کی طرف متوجہ ہوا۔ اب سانس ٹھیک چل رہی تھی اور چہرے پر جو مردنی چھائی تھی وہ بھی نہیں تھی صرف کمزوری حد سے زیادہ تھی۔ میں نے ایک سفوف اس کے منہ میں ڈالا اور پانی کا گلاس اس کے منہ سے لگا دیا۔ سفوف پانی کے ساتھ حلق سے اتر گیا۔ چند منٹ کے بعد مریضہ نے آنکھیں کھول دیں۔

میں نے کہا۔ "جمیل الدین یہاں پر دوائیں مل جاتی ہیں۔"

"مل جائیں گی ویدوں کی دوکانیں ہیں۔" جمیل الدین نے جواب دیا۔

"میں نے کچھ دوائیں لکھ کر دیں اور کہا ان کو فوراً کسی سے منگوالیں۔" اور جمیل کمرے سے باہر چلے گئے۔

ان کے جانے کے بعد رولوکا نے کہا۔ "میں بھی جاؤں گا اس لئے کہ پردہ نشین میری کھوج کرے گا۔ جمیل کو آپ بتادیں کہ میں کچھ ضروری کام سے چلا گیا ہوں۔ میں آپ کے قریب ہی ہوں۔" اور رولوکا کمرے سے چلا گیا اس کے جانے کے بعد جمیل آگئے۔ میں نے ان کو بتایا کہ۔ "حکیم کامل کسی کام سے چلے گئے ہیں۔ میں ہی علاج کروں گا۔"

"کھانا بھی نہیں کھایا۔" وہ دکھ سے بولے۔

"کھانے سے زیادہ وہ کام کی فکر کرتے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

شام کو میں نے ضروری دوائیں مریضہ کو کھلانا شروع کردیں مرض تو ختم ہو ہی چکا تھا۔ اب صرف کمزوری دور کرنا تھی اور خون کی کمی پورا کرنا تھی۔ یہ کام میں آسانی سے کرسکتا تھا۔ ایک ہفتہ کے بعد مریضہ چلنے پھرنے کے قابل ہوگئی اس کے چہرے کی پیلاہٹ بھی ختم ہوگئی۔ وہ ایک خوش شکل لڑکی تھی مگر خون کی کمی اور تکلیف نے اس کا حلیہ بگاڑ دیا تھا۔ پورے ہفتہ اس کو دورہ بھی نہیں پڑا تھا۔ سارے گھر والے بے حد خوش تھے۔

میں نے رات کو رولوکا کو یاد کیا اور وہ آموجود ہوا۔

"کیسے یاد کرلیا حکیم صاحب، آپ کی مریضہ کی حالت کیسی ہے۔" رولوکا نے پوچھا۔

"علاج تم نے کیا ہے، میں صرف اس کی کمزوری دور کررہا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"ایک ہی بات ہے علاج تم کردیا میں۔" رولوکا نے کہا۔

"تم نے کچھ بتایا نہیں آگے کیا ہوا۔" میں نے پوچھا۔

"ابھی زیادہ کچھ بتانے کے قابل نہیں ہے۔" رولوکا نے کہا۔

"مریضہ پر دورہ بھی نہیں پڑا۔" میں نے کہا۔

"میں نے دو کبوتر دیوار پر بٹھادیئے ہیں وہ اس جن کو روکے ہوئے ہیں۔ کوشش تو اس نے بہت کی ہے مگر کامیاب نہیں ہوا۔ اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آرہی کہ وہ جب بھی گھر میں جانے کی کوشش کرتا ہے اس کے کاندھے پر ایک بھاری بوجھ آجاتا ہے اور وہ جن ہوکر اس بوجھ کو برداشت نہیں کرپاتا۔" رولوکا نے کہا۔

"تم کیا لادتے ہو اس پر۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"یہ افریقہ کا بوجھ ہے بہت بھاری ہوتا ہے۔" رولوکا نے جواب دیا۔

"اس طرح تم کب تک ڈیوٹی کروگے۔" میں نے کہا۔

"میں نے پتہ چلالیا ہے کہ یہ جن ایک لادینی قبیلے کا جن ہے اور بہت زیادہ بگڑا ہوا ہے۔ مگر اب یہ کسی

کے قابو آ گیا ہے اور وہی اس کو استعمال کر رہا ہے۔ وہ کیوں استعمال کر رہا ہے از خود کر رہا ہے تو کیوں اور کسی کے کہنے پر کر رہا ہے تو جمیل سے اس کی کیا دشمنی ہے ابھی تک یہ بھید نہیں کھلا ہے اور بھید نہ کھلنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ خود پردے میں ہے اور وہ وہی ٹیکنک استعمال کر رہا ہے جو میں اکثر کرتا ہوں۔'' رولو کا نے کہا۔

''تو پھر اب کیا کرو گے۔''

''میرے پاس کئی راستے ہیں، جن میں سے ایک تو یہ ہے کہ اس جن کو قابو کر لوں جو کہ نہایت آسان ہے اور وہ بتائے کہ اس کا آقا کون ہے۔ دوسرا یہ کہ اس پر الو چھوڑ دوں وہ خود تلاش کریں گے مگر اس سے یہ ڈر ہے کہ وہ آسانی سے تو شکست نہیں مانے گا۔ الوؤں کی گرفت میں آیا ہوا نہیں بچتا اور راز نہیں کھلے گا۔ اور میں بھی اس کے دیدار سے محروم رہوں گا، اس لئے میں پہلا والا راستہ ہی اختیار کرنا چاہتا ہوں آپ رائے دیں۔'' رولو کا نے پوچھا۔

''میں جانتا ہوں تم جو کرو گے وہی ٹھیک ہوگا، میری رائے اس معاملے میں بیکار ہی ہے۔'' میں نے خوش دلی سے جواب دیا۔

''اچھا اب میں چلتا ہوں اور جال ڈالتا ہوں، پرندہ آنے والا ہے۔'' رولو کا چلا گیا۔ اور میں سوچنے لگا۔ ''خوب ہے یہ بھی، جن کو چڑیا کی طرح پکڑتا ہے۔''

❄......❄......❄

یہ دنیا ایک خواب ہے بہت حسین اور بہت بھیانک، اور زندگی ایک پر فریب لمحہ ہے۔ جو بھی اس دنیا میں آتا ہے خواہشات کا سمندر لاتا ہے۔ ان خواہشات کی تکمیل کی خاطر وہ ہر طرف ہاتھ مارتا ہے، یہ بھی لے لوں، وہ بھی لے لوں، بلکہ سارا کچھ لے لوں۔ اور اسی چکر میں وہ زندگی کے آخری وقت تک رہتا ہے، وہ زندگی کی پہیلی کو نہیں سمجھ پاتا اور کسی کے دکھ پریشانی کو نہیں دیکھتا، کسی کا دل دکھاتا ہے، کسی کا حق مارتا ہے، وہ کہنیاں مارتا بڑھتا جاتا ہے اور پھر ایک ورق الٹ جاتا ہے یعنی وہ مر جاتا ہے، اس کو کیا ملتا ہے۔ اگر اس نے مال و دولت جمع کر لیا ہے تو اس کے کس کام کا اگر اس نے دعائیں اور نیکیاں جمع کی ہیں تو وہ دولت مند مرا ہے۔

''جمیل الدین صاحب کچھ باتیں اب تک راز میں ہیں حکیم اور وکیل سے پردہ نہیں رکھنا چاہئے اگر پردہ ہوگا تو وہ کیس کو سمجھ نہیں پائے گا۔ آپ کے والد یا کوئی بزرگ کوئی کام ایسا ضرور کر گئے ہیں جن کی سزا آپ کو بھگتنا پڑ رہی ہے۔ آپ نے دیکھا کہ ایک موکل ختم ہو گیا مگر ایک ابھی ارد گرد منڈلا رہا ہے میں آپ کو بتا دوں کہ وہ ایک بہت طاقتور جن ہے، وہ کیوں لڑکی کو پریشان کر رہا ہے اور اس کو کون کمان کر رہا ہے ایسا کیا ہوا کہ بات اب تک موجود ہے اور آپ سے بدلہ لیا جا رہا ہے۔ اگر آپ کے بڑوں نے کچھ نہیں کیا تو آپ نے کچھ کیا ضرور ہے۔ اپنی صاف گوئی کی میں معافی چاہتا ہوں مگر مجبوری ہے۔'' اس کے بعد رولو کا خاموش ہو گیا۔

چند منٹ خاموشی رہی، کمرے میں میرے علاوہ صرف جمیل الدین ہی تھے۔

''بہت پرانی بات ہے میری عمر دس گیارہ سال ہوگی اس وقت ہم رتلام کے قریب ایک گاؤں ہولی پور میں رہا کرتے تھے میری ماں اجین کی تھیں۔ ہولی پور تھا تو ہندوؤں کا گاؤں مگر میرے دادا کا یہاں پر اور اطراف کے سارے گاؤں پر طوطی بولتا تھا۔ دادا کی زبان سے نکلی بات مانی جاتی تھی۔ وہ تھے بھی بڑے انصاف پسند، کسی کی طرف داری نہیں کرتے تھے، لوگوں کے کام بھی آتے تھے، مگر آخر انسان تھے۔ ان کی بھی کچھ کمزوریاں تھیں اور ایک بڑی کمزوری رنگین مزاجی تھی، مگر دادا اس معاملے میں بہت آگے تھے۔

بوندی کی ایک طوائف شیلا بائی ان کی منظور نظر تھی۔ جب بھی موقعہ ملتا اس کے پاس چلے جایا کرتے تھے اور اس پر بہت روپیہ لٹایا کرتے تھے۔ میری دادی یہ سب تماشہ دیکھتی تھیں مگر زبان سے وہ کچھ نہیں کہتی تھیں۔ شیلا بائی دادا کی رکھیل تھیں مگر دادا اس کی نگرانی تو نہیں کر سکتے

تھے وہ بڑی چلتی پرزہ تھی اس نے دادا کی طرح اور کچھ لوگوں سے بھی معاملہ گانٹھ رکھا تھا۔ اسی دور میں شیلا بائی کے بطن سے ایک لڑکی پیدا ہوگئی۔ دادا کا یہ دعویٰ تھا کہ وہ لڑکی ان کی ہے اس لئے وہ اس کی پرورش کوٹھے پر نہیں ہونے دیں گے۔ طوائف کی سب سے بڑی دولت اس کی لڑکی ہی ہوتی ہے وہ بھلا دادا کا یہ مطالبہ کس طرح مان سکتی تھی۔ دادا لڑکی کو اٹھا کر ہولی پور گاؤں لے آئے، یہاں پر ان کی زیادہ چلتی تھی۔ شیلا بائی نے بہت کوشش کی کہ لڑکی واپس لے جائے مگر کامیاب نہیں ہوئی۔ شیلا بائی کی عمر بڑھ رہی تھی، لڑکی جوان ہوتی جا رہی تھی اور شیلا بائی کو اس کی سخت ضرورت تھی۔

مگر تلام کے ہولی پور گاؤں میں دادا کا راج تھا۔ وہ یہاں پر کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے اب دوسرا راستہ اپنایا اور جوگی سنیاسیوں اور جادوگروں سے رابطہ کیا۔ اور پھر دادا بیمار پڑ گئے۔ ان کی بیماری کے دوران وہ گاؤں آئی اور اس نے کہا۔ ''میری لڑکی مجھے واپس کر دے مختار خان ورنہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جائے گا۔ میں نے تیرا پورا انتظام کر دیا ہے۔''

''وہ میری لڑکی ہے میرا خون ہے، میں اس کو کوٹھے والی نہیں بناؤں گا۔'' دادا نے جواب دیا۔

''یہی خوش فہمی تجھے لے ڈوبے گی میں طوائف ہوں معاشرے کی ایک گالی ہوں میرے پاس تجھ جیسے نہ جانے کتنے بگڑے نواب آتے ہیں، میں سب کی ہوں اور کسی کی بھی نہیں ہوں۔ تو کیا سمجھتا ہے، تو نے مجھے چند ٹکوں سے باندھ لیا تھا، یہ تیری بھول تھی۔ کس کو نہیں پتہ کہ یہ لڑکی کس کی ہے، یہ طوائف کی اولاد ہے، یہ صرف میری اولاد ہے اس کے باپ کے دعویٰ دار سب جھوٹے ہیں، تو بھی جھوٹا ہے اس لئے لڑکی میرے حوالے کر دے۔'' شیلا بھائی جذبات میں بولی۔

''میری زندگی میں یہ تجھے نہیں ملے گی۔'' دادا نے جواب دیا۔

''تو پھر تو مر جا۔'' اور وہ چلی گئی اور جاتے جاتے کہہ گئی۔ ''تو بھی مرے گا اور تیرا خاندان بھی مرے گا تیرے آنے والی نسل تک کو میں نہیں چھوڑوں گی۔'' اس کے جانے کے دو روز کے بعد دادا مر گئے۔ دادی بھی ان کے مرنے کے بعد تین دن میں مر گئیں۔ میرے والد وہاں سے چلے گئے کیونکہ ہمارے مکان میں ہر روز کوئی نہ کوئی مر رہا تھا۔ سارے جانور مر گئے۔ والد صاحب خاموشی سے اجین آ گئے اور یہ مکان خرید لیا۔ وہ پلٹ کر پھر ہولی پور گاؤں نہیں گئے اور یہیں پر ان کا انتقال ہوا۔ شیلا بائی لڑکی کو لے گئی تھی اس نے اپنی پوری نفرت اس لڑکی کے سینے میں اتار دی اور وہ لڑکی جانکی بائی بن گئی، پھر جانکی بائی نے میری تلاش کروائی اور میرے پیچھے لگ گئی۔

میرے دو لڑکے ہوئے اور وہ سال کے ہو کر مر گئے۔ یہ لڑکی بعد میں ہوئی مگر اس نے اس پر بھی رحم نہیں کیا اور جوان ہوتے ہی اس کا آسیب اس پر آ گیا۔ میری زندگی صرف پریشانیاں اور ذہنی اور جسمانی تکلیفیں برداشت کرتے گزری ہے اور میں کیا عرض کروں۔'' جمیل الدین خاموش ہو گیا۔

''شیلا بائی کا کیا ہوا۔'' میں نے پوچھا۔

''جانکی بائی کے روپ میں زندہ ہے کیونکہ شیلا بائی تو مر چکی ہے۔'' جمیل الدین بولا۔

''اور وہ کہاں رہتی ہے۔'' رولوکا نے سوال کیا۔

''اس نے اپنی ماں کا کوٹھا آباد کیا ہوا ہے۔ اس کی جوانی کا دور بھی گزر چکا ہے اب اس کی لڑکیاں کوٹھا آباد کئے ہوئے ہیں مگر سنا ہے جانکی بائی زندہ ہے۔'' جمیل نے کہا۔

''اس کا مطلب ہوا کہ جانکی بائی ہی ڈوری ہلا رہی ہے۔'' میں نے کہا۔

''ہو سکتا ہے ایسا ہی ہو مگر وہ پیشہ ور طوائف ہے اور جو کام ایک زمانے سے ہو رہا ہے وہ آسان نہیں ہے اس کام میں غلطی کی گنجائش نہیں ہوتی ذرا سی غفلت کرنے والے کو ہی لے ڈوبتی ہے اس لئے میرا خیال ہے کہ جانکی بائی اور شیلا بائی دونوں نے ضرور کسی اور کو یہ کام سونپا

ہوگا۔"

"تمہارا اندازہ درست لگتا ہے۔" میں نے کہا۔

"کل پتہ چل جائے گا میں نے جال ڈال دیا ہے پرندہ خود بتائے گا۔" رولوکا نے کہا۔

رات کا آخری پہر تھا میری آنکھ کھل گئی رولوکا بستر پر نہیں تھا۔ میں بھی اٹھ کر بیٹھ گیا دروازہ بند تھا اور ہر طرف سناٹا تھا کوئی آواز نہیں آرہی تھی۔ میں نے آہستہ سے دروازہ کھولا اور آنگن میں آ گیا۔ رولوکا چھت کے آخری سرے پر کھڑا تھا اندھیرا تو تھا مگر میں نے پہچان لیا۔ دس پندرہ منٹ کے بعد وہ پلٹ کر میری طرف آ گیا اور بولا۔

"یہ وقت بڑا خطرناک ہوتا ہے آپ کمرے سے باہر آ گئے، مجھے پتہ چل گیا تھا پھر مجھے آپ کا بھی خیال رکھنا پڑا بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے دشمن کو جہاں کمزوری نظر آتی ہے وار کر جاتا ہے۔"

"بات تمہاری درست ہے۔" میں نے کہا۔

"آئندہ خیال رکھوں گا۔"

"اب خوش خبری بھی سن لو پرندہ جال میں پھنس چکا ہے آپ کمرے میں انتظار کریں میں لے کر آتا ہوں۔" رولوکا نے کہا اور میں کمرے میں آ گیا۔ میرے کمرے میں آنے کے چند منٹ کے بعد ہی رولوکا کمرے میں آ گیا اس کے ہاتھ میں ایک جار نما بوتل بھی تھی اس نے وہ بوتل میرے سامنے رکھ دی اور بولا۔ "اس کے اندر ہے مگر طرم خانی نہیں گئی۔ اکڑا ہوا ہے۔" رولوکا نے کہا۔

"کیا کہتا ہے۔" میں نے پوچھا۔

"ابھی بات کرتے ہیں۔" رولوکا نے کہا۔

"اب بول تیرا کیا نام ہے۔" رولوکا نے پوچھا۔ مگر کوئی جواب نہیں آیا بوتل میں کچھ نظر نہیں آتا تھا صرف غبار سا بھرا ہوا تھا۔ "تیری خاموشی تجھے بچائے گی نہیں میں زیادہ انتظار نہیں کروں گا جواب دے بات کر۔" رولوکا نے کہا۔

"میرا نام گوگوئی ہے۔" بوتل سے ہلکی مگر صاف آواز آئی۔

"تو جنات کے کس قبیلے سے تعلق رکھتا ہے۔" رولوکا نے پھر پوچھا۔

"میرا تعلق جھنگائی قبیلے سے ہے۔" پھر آواز آئی۔

"جھنگائی قبیلہ تو لادین ہے وہ تو کسی مذہب کو نہیں مانتا اور اورنگ کے قریب ریلورا غار کے اوپر جو پہاڑی سلسلہ ہے وہاں رہتا ہے۔" رولوکا نے کہا۔

"ہاں میں بھی وہیں کا رہنے والا ہوں۔" آواز آئی۔

"تو اس بیگار میں کس طرح پھنس گیا۔" رولوکا نے پوچھا۔

"ریلورا غار کے عین دروازے کے پاس ایک بہت قدیم مندر ہے پتہ نہیں پہلے وہ کیا تھا، مگر دو سو سال پہلے اس پر ہندوؤں نے قبضہ جمالیا تھا اور اس کو مندر قرار دے دیا تھا مورتیاں تو وہاں ہر طرف ہی ہیں دو چار کا اضافہ ہندوؤں نے اور کر دیا اور مندر بن گیا۔ اس مندر میں ایک سادھو رہتا ہے اس کی عمر کا اندازہ کسی کو نہیں ہے لوگ کہتے ہیں جب سے مندر بنا ہے یعنی قرار دیا گیا ہے وہ تب سے ہے۔ اس مندر کے اطراف میں کوئی آبادی نہیں ہے۔ ویران جگہ ہے۔ وہ سادھو وہیں پر رہتا ہے۔" گوگوئی بولا۔

"اس نے تمہارے لئے کوئی جاپ کیا تھا۔" رولوکا نے پوچھا۔

"نہیں میرے لئے اس نے جاپ نہیں کیا تھا۔ بلکہ اس نے اپنا سحر ہماری پوری آبادی پر پھیلا دیا تھا۔ ہمارا پورا قبیلہ اس کی وجہ سے پریشان ہو گیا تھا جب ہم لوگ کچھ نہ کر سکے تو سردار نے اس سے دوستی کرنے کی کوشش شروع کر دی، بڑی مشکلوں سے وہ راضی ہوا شرط یہ رکھی کہ اس کو کچھ جن دیئے جائیں جو اس کی چاکری کریں۔ سردار نے ہمارے ساتھ یہ ظلم کیا کہ بہت طاقتور تین جن تھے وہ اس کے حوالے کر دیئے ان میں ایک میں بھی تھا جب سے اس کے کام کر رہا ہوں۔"

"سردار نے تمہارا ہی نام کیوں دیا۔" رولوکا نے پوچھا۔

"ہم لوگ سردار کے لئے پریشانی کا باعث تھے۔ سردار ہم سے ناخوش تھے۔" گوگوئی جن بولا۔

"وہ تیرے ساتھی دو کہاں ہیں۔" رولوکا نے پوچھا۔

"وہ سادھو کے پاس ہیں، میں وقت پر نہ پہنچا تو وہ میری تلاش میں ضرور آئیں گے۔" جواب ملا۔

"تم کو اس لڑکی کو تنگ کرنے کا حکم کس نے دیا تھا۔"

"ہم صرف سادھو کے حکم کے غلام ہیں اسی کے حکم پر میں یہاں آتا ہوں۔" جن نے کہا۔

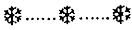
"میں تیرے دونوں ساتھیوں اور تجھ کو اگر غلامی سے آزاد کردوں تو پھر تم کیا کرو گے۔" رولوکا نے پوچھا۔

"سادھو بہت بڑا ساحر ہے اس نے ہمارے پورے قبیلے کو تنگ کر دیا تھا تم کس طرح ہم کو آزاد کراؤ گے ہمارے سردار سے اگر تم رابطہ کر سکو تو زیادہ اچھا ہے کیونکہ سادھو کے خلاف وہ بھی ہے وہ ضرور تمہاری مدد کرے گا....." جن گوگوئی نے جواب دیا۔

"مگر تمہارے دو ساتھی جو آنے والے ہیں پہلے ان کو دیکھنا ہے۔ تم اسی جگہ آرام کرو۔" اور رولوکا نے بوتل صندوق میں بند کردی۔ رات میں اس نے دو بوتلیں پھر صندوق میں لا کر ڈال دیں۔

صبح رولوکا نے کہا۔ "اس صندوق میں تین بوتلیں رکھی ہیں ہر ایک میں ایک ایک جن بند ہے یہ لوگ از خود بھاگنے کی کوشش نہیں کریں گے کیونکہ میں نے ان کو یقین دلایا ہے کہ یہ قید صرف چند یوم کی ہے اس کے بعد تم سادھو کے غلام نہیں رہو گے اور وہ خوش ہیں۔ میں خود روپوش ہوں سادھو میری تلاش نہیں کر سکتا مگر مجھے اس کا ٹھکانہ پتہ چل چکا ہے میں اس کے قریب جا رہا ہوں۔ آپ یہیں پر رہنا اور اس صندوق کی حفاظت کرنا۔" اور رولوکا چلا گیا۔

انڈیا کے نقشے میں ریلورا ایجنڈا کے غار دکن میں ملیں گے اس کے قریب ہی اورنگ زیب نے ایک شہر آباد کیا تھا اس کا نام اورنگ آباد ہے یہ ایک خوب صورت شہر ہے اور یہاں پر دکنی معاشرت کی چھاپ ہے اورنگ زیب نے ایک بی بی کا مقبرہ بھی بنوایا تھا جو کہ آگرہ کے تاج محل کی نقل ہے۔



"اس کی طاقت کا میں غلط اندازہ قائم نہیں کرنا چاہتا تھا۔ جس ساحر نے جنات کے پورے قبیلے کو پریشان کر دیا ہو اور اس کے قبضے میں جنات اور ارواح خبیثہ ہوں اور اس کی عمر کا کچھ اندازہ نہ ہو وہ کوئی معمولی انسان نہیں ہوگا۔ میں نے بھی پوری تیاری کر لی تھی۔ تم کو پتہ ہے میں صرف تمہارے ساتھ ٹرین میں سفر کرتا ہوں ورنہ میرے لئے فاصلے کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔

مجھے کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ ایلورا کی پہاڑی مجھے پتہ تھی۔ میں فوراً ہی اس طرف روانہ ہوا مگر دشمن بھی بڑا ہوشیار تھا اس نے ایسا بندوبست کر رکھا تھا کہ کوئی اس کا دشمن مندر کی طرف نہ آ سکے وہ ایک جن تھا جو روپ بدل بدل کر میرے سامنے آیا۔ تو میں نے اس کو پکڑ لیا۔

"میں تیری بھلائی میں آیا ہوں اور تو بار بار مجھے روک رہا ہے۔"

اس نے گردن چھڑانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "تو کون ہے میری گردن چھوڑ۔"

"میں خاک کا پتلا انسان ہوں اور تو نے دیکھ لیا کہ تیری گردن میرے ہاتھ میں ہے، تیری زندگی تیرا گورو یا تو جس کے لئے کام کر رہا ہے وہ نہیں بچا سکتا۔" میں نے کہا۔

"میں مجبور ہوں۔" جن نے کہا۔

"اس مجبوری کو ختم کرنے میں آیا ہوں۔" میں نے کہا۔

"میں تم کو نہیں روکوں گا تمہاری مدد کروں گا۔" وہ بولا۔

"تو پھر بتا وہ سادھو کس طرف ہے۔" میں نے پوچھا۔

"وہ کئی سال سے مندر کے اندر ہے اور مندر کا دروازہ بند ہے اس کے اندر کوئی نہیں گیا اور نہ ہی سادھو مندر سے باہر آیا ہے وہ ضرور اندر ہی ہے۔" جن نے بتایا۔

میں نے اس کی گردن چھوڑ دی اور آگے چلا۔ ایک بہت بڑا کھلا میدان سا تھا جگہ جگہ پتھریلے ٹیلے کوہان کی طرح ابھرے ہوئے تھے اور ان پر اگی ہوئی گھاس ہوا میں جھوم رہی تھی۔ دور اونچا پہاڑی سلسلہ تھا ان پہاڑوں کا رنگ سرخ تھا مگر کلونج لئے ہوئے تھا وہ فاصلہ کم نہ تھا میرا اندازہ تھا کہ یہ فاصلہ دس بارہ کوس ضرور رہا تھا مجھے جلدی نہیں تھی میں نے پھر اپنی نقاب پہن لی تھی اور میں روپوش تھا۔ اب مجھے وہ جن بھی نہیں دیکھ سکتا تھا جو رکاوٹ ڈال رہا تھا۔ میں چاہتا تو یہ دس بارہ کوس جلدی بھی طے کر سکتا تھا مگر میں بہت آہستہ آہستہ یہاں کے ماحول پر گہری نظر رکھتے ہوئے چل رہا تھا۔ میں خاص طور سے جنات پر نظریں رکھے ہوئے تھا کیونکہ ان کا وجود تو ہے اور وہ عام آدمی سے زیادہ طاقتور بھی ہیں۔ انسان اپنی کمزوریوں کی وجہ سے اور روحانی طاقت کی کمی کی وجہ سے ان سے مار کھا جاتا ہے اگر انسان اپنے حواسوں کو مضبوط کر لے اپنے دلوں کو گناہوں کے ارادے سے پاک کر لے، خواہشات، جذبات و احساسات کو اپنے جسم سے نکال لے اور صرف خدمت کا جذبہ لے کر اور نفس کی غلامی کی زنجیریں توڑ کر ارادے کی قوت کو استعمال کرے تو وہ جنات، بھوت، پریت پر آسانی سے قابو پا سکتا ہے کیونکہ انسان دنیا کی ہر شے سے زیادہ طاقتور ہے۔ مگر وہ اپنی طاقت کو استعمال کرنا نہیں جانتا اور جو لوگ جانتے ہیں ان کو شیطان اپنے ساتھ ملا لیتا ہے۔ وہ ان کو وقتی طاقت دیتا ہے اپنا علم دیتا ہے اور ان کو کام سونپتا ہے اور وہ لوگ وہی کرتے ہیں جو شیطان ان سے کہتا ہے۔

مگر انسان اپنے عمل سے خیر یا شر میں مبتلا ہوتا ہے۔ انسان کا ہر عمل اس کی عقل کے تابع ہوتا ہے اور یہ عقل ہی اس کا نفس بھی ہے جب یہ نفس بے قابو ہو جاتا ہے تو شیطان اس پر بڑی آسانی سے قبضہ جما لیتا ہے اور پھر یوں ہوتا ہے کہ وہ برائی کو برائی سمجھتے ہوئے بھی اس پر عمل کرتا ہے۔ دراصل عقل ہی میزان عدل ہے جب اس کا جھکاؤ برائی کی طرف ہوتا ہے تو انسان گناہوں کے گہرے کنوئیں میں گر جاتا ہے اور جب اچھائیوں کی طرف جھکتا ہے تو انسان عرفان آگہی کی منزلیں طے کر جاتا ہے، عقل انسان کو ترقی کے منازل پر پہنچا کر وحدانیت سے غافل بھی کر دیتی ہے۔ عقل ہی انسان کو سیدھی راہ دکھاتی ہے اور الٹی بھی عقل ہی بتاتی ہے۔ انسان نے جب سے اس حسین کائنات میں قدم رکھا ہے عقل اس کی دوست بھی ہے اور دشمن بھی رہی ہے۔

انسان عقل سے خود کو پہچانتا ہے تو خدا کے وجود سے انکار بھی کرتا ہے۔ آج کا انسان وحدانیت سے دور ہے اور مادہ پرست بن گیا ہے۔ انسان بھول گیا ہے کہ پچھلی قوموں کی تاریخ درس عبرت ہے۔ ساری ترقی حاصل کرنے والی قومیں اور وحدانیت کو جھٹلانے والی قومیں نقش پا کی طرح مٹ گئیں کہ آج ان کا نشان تک نہیں ملتا۔

ابھی سورج غروب نہیں ہوا تھا دور دور تک انسان تو انسان جانور بھی نظر نہیں آتا تھا۔ صرف پہاڑوں کے اوپر کچھ پرندے اڑتے نظر آرہے تھے۔ دفعتاً میں چونک پڑا ایک بہت مدہم سی آواز فضا میں لہرائی تھی اور پھر آہستہ آہستہ بلند ہوتی گئی یہ ایک پر سحر نغمہ تھا ایسا لگتا تھا جیسے آسمان سے آواز آرہی ہو، کوئی غیبی ندا ہو۔ یہ آواز اتنے حسین سر رکھتی تھی کہ انسان اس کے سروں میں مست ہو جائے۔ خوب حربہ استعمال کیا تھا سادھو نے۔ میں نے اب تک خود کو منکشف نہیں کیا تھا۔ میں جانتا تھا سادھو مجھے ظاہر ہونے پر مجبور ضرور کر دے گا اور میں سادھو کا نقاب الٹنا چاہتا تھا۔ دونوں اپنی اپنی جگہ جمے ہوئے تھے۔ مگر میں سمجھ چکا تھا وہ اپنا شریر کہیں پر محفوظ کر کے صرف روحانی طور پر ہے یہاں پر اس کا دیکھا جانا آسان نہیں تھا۔ اب

میں پہاڑی کے قریب پہنچ چکا تھا مگر ابھی ریلورا کا غار دور تھا۔ میری نظر ایک دروازے پر پڑی یہ دروازہ پہاڑ تراش کر بنایا گیا تھا میں اس کی طرف بڑھ گیا۔

دروازے پر کوئی نہیں تھا اگر ہوتا تو بھی وہ مجھے روک نہیں سکتا تھا۔ میں اس دروازے کے اندر چلا گیا۔ باہر سے صرف دروازہ نظر آنے والا یہ صرف دروازہ نہیں تھا اندر ایک بہت موٹے ستون پر چھت دھری لگتی تھی مگر ایسا نہیں تھا یہ پورا پہاڑ تھا اور اس میں یہ ستون تراشا گیا تھا۔ اس کے دونوں طرف کشادہ کمرے تھے میں بائیں طرف چلا گیا، دور تک کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ دیواروں پر جہاں تک روشنی پہنچ رہی تھی طرح طرح کے بت بنے ہوئے تھے۔ ان میں عورت مرد اور جانوروں کے بھی بت تھے۔ موٹے ستون پر بھی مینا کاری کی گئی تھی۔ یہ سارے بت دیوار کے پتھروں کو تراش کر ابھارے گئے۔ بعض جگہوں پر نیلا پیلا رنگ بھی نظر آتا تھا۔ یہ کام جس فن کار نے کیا تھا حیرت انگیز تھا۔

ایک بڑی سی مورتی اندر کے ہال میں کھڑی تھی صرف وہی ایک مورتی ایسی تھی جو پہاڑ کے پتھروں سے نہیں تراشی گئی تھی اور صاف پتہ چل رہا تھا۔ اس مورتی کے دونوں ہاتھ دعا کے انداز میں پھیلے ہوئے تھے۔ ایک ہاتھ پر ایک دیا رکھا تھا جو کہ روشن تھا مگر اس کی روشنی بہت مدھم تھی۔ میں اس بت کے قریب چلا گیا تو مجھے اندازہ ہوا کہ یہاں پر کوئی ہے اور کہہ رہا ہے کون ہے وہ مجھے بتا میری شکتی مجھے نہیں بتا رہی تو بتا۔ یہ آواز ایسی تھی جس کو ہر کوئی نہیں سن سکتا تھا یہ آواز کسی مادی زبان سے ادا نہیں ہوئی تھی۔ مگر رولوکا نے اس کو صاف سن لیا۔ وہ گڑگڑا تا رہا اور رولوکا اس کے قریب ہی رہا۔

جب اس کی آواز بند ہوگئی تو رولوکا نے اس کو مخاطب کیا مگر روپوش ہی۔

''تیری یہ پتھر کی مورتی جس کو تو نے اس جگہ نصب کیا ہے وہ کچھ نہیں بتائے گی۔ میں تیرے بہت قریب ہوں اور تیرا شریر جو تو چھپا آیا ہے اس کا بھی مجھے پتہ ہے تو اب بھی میری گرفت میں ہے اور اس کے بعد بھی رہے گا تو نے جو شکتی اب تک پائی ہے وہ بہت کم ہے اس پر غرور مت کر۔'' میں نے کہا۔

اس نے حیرت بھری آواز میں جواب دیا۔ ''تو بھی تو آتما ہے اگر شریر ہوتا تو نظر آتا سامنے آ کر بات کر۔'' پھر جانوں۔

''یہی تیری بھول ہے میں شریر کے ساتھ موجود ہوں اور تو اندھا ہے۔'' میں نے کہا۔

''شریر کہاں ہے میں تو آتما کی کھوج رکھتا ہوں مجھے سچ بتا تو کون ہے اور کیوں میرے استھان پر آیا ہے۔'' سادھو نے پوچھا۔

''میں تیرے قریب ہوں اور تیری شکتی تجھے کچھ نہیں بتاتی ارے بے وقوف ایسی شکتی کس کام کی جو وقت پر کام نہ آئے۔'' میں نے کہا۔

''ہاں یہ ٹھیک ہے مگر تو کب تک مجھ سے چھپا رہے گا۔'' وہ بولا۔

''اور تو بھی کب تک آتما رہے گا تجھے بھی شریر چاہئے۔'' میں نے کہا۔

''یہ بہت پرانی بات ہے جب ہم شریر اور آتما کے چکر میں پڑے تھے۔ تو کیا جانتا ہے۔ شریر آتما کا گھر ہے جس گھر میں کوئی نہ رہتا ہو وہ ویران ہوتا ہے اور ختم ہو جاتا ہے۔ ہم نے وہ گھر جو ہم کو ملا تھا چھوڑ دیا بہت گھر ہیں اچھے اور صاف ہم ان میں بسیرا کر لیتے ہیں اور اس گھر کے مالک کو بھگا دیتے ہیں۔ اصل چیز تو آتما ہے شریر تو جب چاہو اچھے سے اچھا حاصل کر لو۔ ہم نے دونوں کو الگ الگ کر دیا ہے۔'' سادھو کی آواز آئی۔

''مجھے چلانے کی کوشش مت کر تو کب تک آتما رہ سکتا ہے وہ مجھے پتہ ہے اور کب تجھے شریر کی ضرورت پڑے گی میں یہ بھی جانتا ہوں۔ تیری شکتی ہی تجھ سے کچھ طلب کرے گی اس وقت تو اسی برف پوش وادی میں جائے گا جہاں پر تو نے اپنا شریر محفوظ کیا ہے مگر یاد رکھ وہ جگہ محفوظ نہیں ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

"کس کی مجال ہے کہ ہمالیہ کی چوٹی پر جا سکے۔" وہ جلدی سے بولا۔

"انسان غصے میں وہ باتیں بھی کر جاتا ہے جن کو چھپانا چاہتا ہے۔"

"مجھے پتہ نہیں تھا کہ ہمالیہ کی چوٹی پر تیرا شریر ہے مگر تو نے خود بتا دیا تو میرے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ مگر میں تیرے بارے میں بہت کچھ جانتا ہوں یہ میری پہلی فتح ہے تو اندھیرے میں ہاتھ پیر مار رہا ہے اور میں روشنی میں کھڑا ہوں تو اندھیرے کی پیداوار ہے اور میرے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ تو مان لے کہ تیری شکتی تیرے کام کی نہیں ہے اور بے شریر کے تو اپنی شکتی استعمال بھی نہیں کر سکتا۔" میں نے کہا۔

"تو مورکھ ہے ارے پاگل میں شنگھا ہوں زمین پر پیر ماروں تو پاتال تک ہلا دوں۔ میں نے سینکڑوں کی بلی دی ہے خون بہایا ہے ہمالیہ اورنا گا پربت پر اتنی تپسیا کی جتنی تیری عمر بھی نہیں ہوگی شریر ہماری آتما کا ساتھ نہیں دے سکتا اس کو تو ختم ہونا ہی تھا۔ ہمارے لئے کوئی کمی نہیں ہے شریروں کی ہم جب چاہیں اور جس کا چاہیں شریر چھین لیں ہمالیہ کی چوٹی پر جو شریر رکھا ہے ہمیں اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔" سادھو بولا۔

"بہکانے کی کوشش کر رہا ہے ارے اتنی بڑی شکتی کا دعویٰ دار مکر و فریب سے کام چلا رہا ہے ذرا شرم کر اور بتا واقعی تجھے اس شریر کی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے پوچھا۔ مگر سادھو کی آواز نہیں آئی۔ تو میں نے کہا۔

"میں جانتا ہوں تو خود سے دست بردار نہیں ہوگا اور اگر ایک دفعہ ہو گیا تو ہمیشہ کو ہو جائے گا۔" اچانک بت کے ہاتھوں میں جلتا ہوا دیا بجھ گیا۔

اب مندر میں کوئی نہیں تھا میں جانتا تھا کہ وہ سیدھا ہمالیہ پربت کی اس چوٹی پر جائے گا جہاں اس کا اصلی جسم رکھا تھا۔ مگر وہ اس تک نہیں جا پائے گا۔ میرے نظر نہ آنے والے چند پہرے دار وہاں پر موجود تھے اس کی شکتی ان کا کچھ نہیں کر سکے گی کیونکہ ان کا سحر الگ ہی نوعیت کا ہے وہ رولوکا کے پہرے دار ہیں جادوئی بیر ان کا کچھ نہیں کر سکیں گے اور سادھو پھر پلٹ کر یہاں پر ہی آئے گا۔

اس کے جانے کے بعد میں نے وہ دیا جو بت کے ہاتھوں پر رکھا تھا اتار لیا تھا اور اس کی جگہ جاگتے الو کو بٹھا دیا تھا یہ ایسا ظالم موکل ہے کہ بڑے سے بڑے بیر کو ایک سیکنڈ میں بے بس کر دیتا ہے۔ یہ جاگتا الو میرے دادا نے مجھے دیا تھا۔ میں نے اس سے بہت کم کام لیا تھا۔ وہ نظر نہ آنے والا مگر تیزی سے کام کرنے والا موکل تھا۔ رات بھر سادھو ہمالیہ کے گرد چکر لگا تا رہا مگر اس کو راستہ نہیں ملا۔ وہ صرف روحانی طور پر تھا مادی جسم اس کا برف میں دبا ہوا تھا اور وہ یہ سمجھتا تھا کہ اس حالت میں وہ چھپا ہوا ہے مگر میرے موکل اس کو دیکھ رہے تھے۔

دوپہر ٹھیک بارہ بجے وہ مندر میں آ گیا اور سیدھا مورتی کی طرف ہی گیا۔ مگر وہاں پر دیا نہیں تھا دہی دیا اس کی جادوئی طاقت کا سرچشمہ تھا اس کو کوئی چھو بھی نہیں سکتا تھا مگر اب وہ وہاں نہیں تھا۔ سادھو کی حالت دیکھنے والی تھی وہ بے چینی سے مورتی کے گرد چکر لگا رہا تھا ابھی تک جاگتے الو نے اس پر وار نہیں کیا تھا۔ میں صرف اس کی نقل و حرکت پر نظر جمائے ہوئے تھا اس نے اپنے علم سے میری موجودگی کا پتہ چلانے کی کوشش کی ضرور مگر وہ اس میں کامیاب نہیں ہوا۔ سات چکر مورتی کے لگانے کے بعد وہ مورتی کے سامنے ڈنڈوت کی حالت میں بیٹھ گیا اور بولا۔

"بول بھوانی یہ کیا ہو رہا ہے میرے بیر خاموش ہیں میں کچھ نہیں جانتا اپنے استھان پر ہی میں بے بس ہوں۔ کیا تو بھی بے بس ہے بول بھوانی۔"

میں نے اس کے قریب سے کہا۔ "اب بتا کہاں ہے تیری شکتی اور کہاں ہے شکتی دینے والا۔ تو غرور میں سب کچھ بھول گیا تھا تو نے انسانوں کو دکھ دینے شروع کر دیئے تھے تو کیا سمجھتا تھا تو ہمیشہ رہے گا۔ ہمیشہ صرف وہی رہے گا جس نے یہ خوب صورت کائنات بنائی ہے۔" میں نے کہا۔

''بہت بڑی بڑی باتیں کر رہا ہے ذرا سامنے آ تو بتاؤں کتنے بیسی کے سو ہوتے ہیں۔'' سادھو نے کہا۔

''آؤں گا تیری یہ حسرت بھی پوری کر دوں گا۔'' میں نے کہا۔

''آ ؤ پھر دیکھ تماشہ۔'' وہ جلدی سے بولا۔

''تیرا دیا تو بجھ گیا ہے پہلے اس کو جلانے کا تو کچھ کر۔'' میں نے کہا۔

''تو دے وہ دیا۔'' وہ بولا۔

میں نے کہا۔ ''تیرے سامنے زمین پر پڑا ہے اٹھا لے۔'' میں نے کہا۔

وہ دیے کی طرف بڑھا اور اٹھانا چاہا مگر دیا اس سے دور چلا گیا پھر اس نے کوشش کی مگر وہ پھر دور ہو گیا ہر دفعہ یہی ہوا تو اس پر جنونی کیفیت سوار ہو گئی۔ وہ دوڑ دوڑ کر اس کو پکڑنے لگا اور پھر تھک گیا۔

میں نے کہا۔ ''تیرا دیا بھی تجھے دغا دے گیا اب کیا کرے گا۔''

وہ خاموش رہا اور منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑانے لگا۔

''بے کار ہے یہ سب اب کچھ نہیں ہوگا۔'' میں نے کہا۔ مگر وہ باز نہیں آیا۔ تو میں نے کہا۔

''تو نے کسی ویشیا کے کہنے سے یا کسی لالچ سے جو ظلم و ستم مختار خان کے خاندان پر کیا ہے اس کا حساب تو تجھے دینا ہی ہوگا۔ تو اسی مندر میں قید رہے گا اور تجھے اب شریر کبھی نہیں ملے گا۔ جن قبیلے پر سے اپنا سحر ختم کر اور مختار خان کے خاندان پر سے اپنا سحر ختم کر پھر میں تیرے بارے میں سوچوں گا کہ تیرے لئے آسان موت کون سی ہے۔'' میں نے کہا۔

''ارے پاپی میں شنگھا ہوں، مجھے موت کہاں میں تو ہوا ہوں، جہاں چاہوں اڑ جاؤں۔'' وہ بولا۔

''یہی تیرا غرور ہے جو تجھ کو لے ڈوبے گا تو کوشش کر لے اس مندر سے باہر جانے کی پھر بات کرنا۔''

یہ کہہ کر میں مندر سے باہر آ گیا۔ تین دن تک میں مندر نہیں گیا جنوں کے سردار سے ملا ان کو میں نے بتا دیا کہ سادھو گرفتار ہو گیا ہے اور تمہارے تین جن بھی میرے پاس ہیں مگر وہ قیدی نہیں ہیں وہ یہ سن کر بہت خوش ہوا۔

تین دن کے بعد میں مندر میں چلا گیا۔ اب سادھو کی آواز میں وہ تیزی نہیں تھی۔ میں نے پوچھا۔ ''بول بھوانی کے پجاری تیری بھوانی نے تجھ کو نہیں بچایا۔ اب تو مان لے کہ وہ کمزور کے پیچھے اور طاقتور کے آگے بھاگتی ہے اور تیرے جادو کے سارے چمتکار ایسے ہی ہیں۔''

''میں ہار گیا مجھے میرا شریر واپس کر دے۔'' وہ بولا۔

''اب کیا کرے گا اس شریر کا اس کی تو ایک عمر طبعی تھی جو ختم ہو چکی ہے۔ گوشت گلنے سڑنے سے اس لئے محفوظ ہے کہ وہ برف میں دبا ہوا ہے ذرا سوچ لے سامنے آئے گا تو بدبو دے گا۔ کوئی اور شریر تو حاصل نہیں کر سکتا۔'' میں نے کہا۔

''مجھ سے بڑی بھول ہو گئی بہت بڑے استھان پر مجھے بٹھا دیا تھا اور ایک دم گرا دیا تو کون ہے یہ تو بتا دے میں شنگھا ہو کر مٹی ہو گیا۔'' وہ بولا۔

''ابھی باقی ہے تو اس دیا پر آ جا تیری شاید مکتی ہو جائے۔'' میں نے کہا۔ اور سادھو کی آتما دیا پر آ گئی تو دیا تیزی سے بھڑکا اور جلنے لگا۔ اور سادھو کی مکتی ہو گئی۔

جن قبیلے میں جشن منایا گیا۔ سب آزاد ہو گئے اور میں واپس آ گیا۔''

یہ تھی رولوکا کی روداد جو اس نے مجھے واپس آ کر سنائی۔ ''اور اب جانکی بائی کا کیا کرو گے۔'' میں نے پوچھا۔

''وہ بوندی میں ہے اس کا حساب بھی کرنا ہے۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''تو پھر کب چلنا ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''کل ہی چلتے ہیں یہ تو آسان کام ہے آپ بھی ساتھ چلیں اور جمیل الدین کو بھی ساتھ لے چلیں۔'' رولوکا

نے کہا اور ہم بوندی کی طرف روانہ ہو گئے۔ بوندی چھوٹا موٹا شہر ہی ہے چاروں طرف ہریالی ہے اور زیادہ تر لوگ زراعت سے منسلک ہیں بازاروں میں رونق ہے اور لوگ بھی کھاتے پیتے نظر آتے ہیں۔ آبادی ملی جلی ہے مگر اکثریت ہندوؤں کی ہے ہمیں جس بازار میں جانا تھا اس کا نام رم جھم گلی تھا۔ دن میں یہاں جانا بے کار ہی تھا کیونکہ ہر طرف سناٹا ہی تھا۔ یہاں پر شام ہوتے ہی رونق شروع ہو جاتی تھی۔ پھولوں کی دکانیں گجرے سجانے لگتی تھیں ہوٹلوں میں ریکارڈنگ شروع ہو جاتی تھی ہر کوٹھے پر رونق نظر آنے لگتی تھی۔ یہی وہ بازار ہے جہاں پر گناہ پرورش پاتے ہیں اور شریف نظر آنے والے یہاں پر ہی گناہ کرتے ہیں اور خاموشی سے اندھیرے میں ہی واپس چلے جاتے ہیں۔ یہاں پر راتیں جاگتی ہیں اور دن سوتے ہیں۔ لوگوں کی جیبیں کاٹنے والے اپنی کمائی یہاں اپنی خوشی سے لٹاتے ہیں اور بار بار لٹانے آتے ہیں۔ بڑے بڑے زمیندار نواب قلاش ہو جاتے ہیں مگر لوٹنے والے اپنی جگہ اسی طرح رہتے ہیں اور نسل در نسل سے یہ سلسلہ چلتا آرہا ہے۔ نہ لٹنے والوں میں کمی ہوتی ہے نہ لوٹنے والوں کے پیٹ بھرتے ہیں۔

مگر ہم لوگ ان دونوں میں شامل نہیں تھے۔ ہم جس وقت جانکی بائی کے کوٹھے پر پہنچے اس وقت تک کوٹھے پر کافی لوگ آچکے تھے ایک بہت بڑا ہال نما کمرہ تھا سارے کمرے میں دری کا فرش تھا اور اس پر سفید چاندنی بچھی ہوئی تھی۔ چاندنی پر سرخ گلاب کی پتیاں بکھری ہوئی تھیں۔ کمرے میں ہلکی ہلکی گلاب کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی چھت پر ایک بہت بڑا اور روشن فانوس لٹک رہا تھا۔ اور اس کے سارے بلب روشن تھے اس کے علاوہ بھی دیواروں پر بلب لگے تھے جو تمام جل رہے تھے اور کمرہ روشنی سے اچھی طرح نہایا ہوا تھا۔ دیوار کے کنارے کنارے گاؤ تکئے رکھے تھے اور ان کے سہارے شوقین لوگ بیٹھے تھے ان کے سامنے پیکدان رکھے تھے۔ میں نے ان پر نظر ڈالی۔ ان میں ہندو مسلمان سب ہی شامل تھے اور آپس میں بات چیت کر رہے تھے۔ کسی نے ہماری طرف توجہ نہیں کی ہم بھی ایک کنارے بیٹھ گئے۔ چند منٹ کے بعد ایک نوکرانی نما بھدی عورت ایک بڑا سا پاندان لے کر آئی اور اس نے ایک جگہ اس کو رکھ دیا اس کے جانے کے بعد ایک ادھیڑ عمر عورت زیورات میں لدی برآمد ہوئی اور وہ گاؤ تکیہ کا سہارا لے کر پاندان کے پاس بیٹھ گئی۔ کسی بے تاب منچلے نے پوچھا۔

''کیا دیر ہے بائی جی کب تک ہمارے صبر کا امتحان ہوگا۔''

بائی جی نے ترچھی نظروں سے اس کو دیکھا اور بولیں۔ ''اتنی بے تابی بھی ٹھیک نہیں ہے نواب صاحب ذرا سا اور انتظار کریں۔'' اور نواب صاحب خاموش ہو گئے۔

مگر انتظار زیادہ نہیں کرنا پڑا دو لڑکیاں بجلی کی طرح چمکتی اور ناگن کی طرح لہراتی کمرے میں داخل ہوئیں، طبلہ ماسٹر نے ان کی آمد پر طبلے پر زوردار تھاپ ماری اور سب ان چمکتی دمکتی بجلیوں کی طرف دیکھنے لگے۔ مختار خان کا ثمر یہ تھا کہ اس کی اولاد تماشا بنی ہوئی تھی اور ان کا پوتا تماشائی تھا مگر جمیل الدین گردن جھکائے بیٹھا تھا وہ اپنے دادا کی بھول پر شرمندہ شرمندہ تھا اور لوگ للچائی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

میں نے رولو کا سے آہستہ سے کہا۔ ''شاید عورت جو پاندان سنبھالے بیٹھی ہے یہی جانکی بائی ہے۔''

''ہاں یہی لگتی ہے۔'' رولو کا نے جواب دیا۔

لوگ فرمائشیں کر رہے تھے مگر ابھی تک گانا شروع نہیں ہوا تھا دونوں لڑکیاں پیروں میں گھنگھرو باندھ رہی تھیں لوگ ان کی ایک ایک ادا پر نظریں جمائے ہوئے تھے۔ ہارمونیم ماسٹر نے سر چھیڑا اور لڑکیاں کھڑی ہو گئیں مگر یہ کیا ہوا لڑکیوں کے کھڑے ہوتے ہی سارے گھنگھرو بندش سے نکل کر چاندنی پر بکھر گئے لڑکیوں نے اور جانکی بائی نے حیرت سے چاندنی پر پڑے گھنگھروؤں کو دیکھا اور بولیں۔

''ہائے یہ کیا بدشگونی ہوگئی۔''

لڑکیاں پھر چاندنی پر بیٹھ گئیں۔ جانکی بائی نے آواز دی۔ ''کلن ارے او کلن کہاں مر گیا۔''

ایک شخص جو کہ سفید کرتہ اور سفید پاجامہ پہنے تھا دوڑتا ہوا بائی جی کے پاس آ گیا۔ جانکی بائی نے اس کو غصے سے دیکھا اور کہا۔ ''ارے کم بخت یہ تو نے اتنی کمزور ڈوریاں ڈال دیں کہ عین وقت پر ٹوٹ گئیں کیسی بدشگونی ہو گئی آج۔''

''ڈوری میں نے بدلی کب ہے بائی جی وہی پرانی ہی پڑی ہے۔'' کلن نے جواب دیا۔

''پھر ایک ساتھ کیوں ٹوٹ گئی ہائے یہ کیا ہو گیا۔'' بائی جی بولیں۔

''میں دوسرے گھنگھرو لائے دیتا ہوں۔'' اور اس نے بکھرے گھنگھرو چن کر اپنے کرتے کے دامن میں بھر لئے اور دوڑ کر دوسرے دو سیٹ لے آیا۔ لڑکیوں نے ان کو پیروں میں باندھا اور پھر کھڑی ہوئیں مگر اس دفعہ بھی وہی ہوا تو جانکی بائی گھبرا گئی لڑکیاں جلدی سے بیٹھ گئیں۔

''یہ کیا ہو رہا ہے۔ گرو جی مدد کرو، آج ضرور محفل میں کوئی نیا آیا ہے۔ آج محفل نہیں ہو گی۔'' جانکی بائی نے اعلان کر دیا۔ مگر تماشائی جو اپنی جگہ ساکت بیٹھے تھے نہ اٹھے تو جانکی بائی نے پھر کہا۔ ''آپ لوگوں کو تکلیف ہوئی میں شرمندہ ہوں مگر آج گانا نہیں ہو گا آج گھنگھرو نہیں باندھے جائیں گے۔'' وہ ایک کھائی کھیلی طوائف تھی اس کی نظریں بہت دور تک تھیں وہ خود بھی کسی نہ کسی کی شاگرد تھی اور کالی شکتی کو مانتی تھی اس نے اپنے گرو کی مدد مانگی تھی مگر نہیں جانتی تھی کہ وہ گرو تو کب کا ختم ہو چکا تھا اور اب اس کا نمبر آنے والا تھا۔

جب کوئی تماشائی اپنی جگہ سے نہ اٹھا تو اس نے پھر کہا۔ ''آپ لوگ جائیں آج مجرہ نہیں ہو گا۔'' مگر کوئی بھی اپنی جگہ سے نہیں اٹھا تو وہ حیرت سے سب کی طرف دیکھنے لگی اور بولی۔ ''آپ لوگ جاتے کیوں نہیں میں کہتی ہوں مجرہ نہیں ہو گا۔''

کوئی نہیں بولا۔ سب ساکت تھے ان کے منہ بھی بند تھے صرف حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ اب تو جانکی بائی کو فکر ہو گئی اتنے لوگ سب خاموش سب ساکت کوئی حرکت نہیں اور زبان بھی بند...... ''کیا ہو گیا ہے پوری محفل پر۔ کیا آفت آ گئی ہے تم لوگوں پر نہ جاتے ہو نہ بولتے ہو۔''

باہر سے آنے والا دروازہ بھی بند ہو گیا۔ سازندے ساز سامنے رکھے پتلے بنے ہوئے بیٹھے تھے، لڑکیوں کی حالت بھی سب جیسی تھی صرف جانکی بائی ٹھیک تھی مگر کیا ٹھیک تھی، اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلی ہوئی تھیں چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں وہ لڑکیوں کو چھو کر دیکھ رہی تھی۔

پھر ایک آواز ابھری۔ ''جانکی بائی تیری ماں شیلا بائی نے جو پودا لگایا تھا تو نے اس کا پھل خوب کھا لیا۔ اب تیرا وقت پورا ہوا۔ بول کیا کہتی ہے میں موقعہ دے رہا ہوں بول جلدی بول۔'' یہ آواز رولوکا کی تھی۔

''حضور میں نے کیا کیا ہے۔ مجھے پتہ بھی تو چلے۔'' وہ بولی۔

''تو مختار کی اولاد ہے تیری ماں نے مختار کو اپنی راہ سے ہٹایا اور تجھ کو اپنی لائن پر لگایا اور تو نے بھی اپنی ماں کے نقش قدم پر چل کر مختار کے خاندان پر ظلم و ستم کا سلسلہ جاری رکھا یہ ہے تیرا جرم۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''میں نے کچھ نہیں کیا، میرا گرو کر رہا ہے، تو اس کو نہیں جانتا، میں نے اس کو پکارا ہے، وہ آئے گا، تو اس کو نہیں جانتا، یاد رکھ تیرا بہت برا حشر ہو گا۔'' جانکی بائی نے کہا۔

''وہ اب کبھی نہیں آئے گا تو اس کا انتظار مت کر۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''وہ ضرور آئے گا۔ وہ ہمیشہ آتا ہے وہ بہت بڑا جادوگر ہے وہ مرتا نہیں مارتا ہے۔'' وہ بولی۔

''ہر مارنے والا مرتا ہے وہ بھی مر گیا بے وقوف عورت تو اپنی خیر منا۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

جانکی بائی خاموش رہی وہ سادھو کا انتظار کر رہی

تھی۔ ”اپنے کیے پر نادم ہوجا، شاید کچھ گنجائش ہوجائے۔“ رولوکا نے کہا۔

مگر جانکی بائی خاموش رہی تو رولوکا نے کہا۔

”ٹھیک ہے تیری مرضی۔“ اور کھڑا ہوگیا۔ جانکی بائی نے حیرت سے رولوکا کو دیکھا مگر صرف ایک لمحہ ہی اس کو دیکھنے کا مل سکا اور وہ زور سے چیخی۔ ”یہ بتیاں کیوں بجھا دیں جلاؤ اندھیرا ہو رہا ہے۔“

رولوکا نے کہا۔ ”بتیاں جل رہی ہیں جانکی بائی تیری آنکھوں میں اندھیرا ہے۔“

جانکی بائی نے گھبرا کر آنکھوں کو مسلا پھر آنکھوں کو کھولا پھر مسلا پھر کھولا مگر اندھیرا ہی رہا تو وہ روتی ہوئی آواز میں بولی۔ ”یہ کیا کر دیا ہے تو نے ظالم، میری آنکھیں میں اندھی ہوگئی ہائے میں اندھی ہوگئی۔“

”نہیں تم صرف اندھی نہیں ہوئی ہو تمہارا بدن بھی سڑ رہا ہے بدبو اٹھ رہی ہے۔“ اور چند منٹ میں ہی جو تماشائی کمرے میں بیٹھے تھے ان میں حرکت ہوئی اور وہ سب ناک پر رومال رکھ کر جلدی جلدی کمرے سے چلے گئے۔ جس کمرے میں گلاب کی خوشبو مہک رہی تھی وہاں پر اب سڑے گوشت کی بدبو بھری ہوئی تھی۔ سازندے اور لڑکیاں بھی جلدی جلدی کمرے سے باہر چلی گئیں اور جانکی بائی کمرے میں بدروح کی طرح چکر لگانے لگی۔ رولوکا نے اشارہ کیا اور ہم لوگ اس مکان سے باہر آ گئے۔

”دوسروں کو دکھ دینے والا بھول جاتا ہے کہ ایک نہ ایک دن اس کو ایسے دکھ اٹھانا پڑیں گے۔“

جمیل الدین نے حیرت سے رولوکا کی طرف دیکھا مگر سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا پوچھے سارا تماشہ تو اس کی نظروں کے سامنے ہی ہوا تھا۔ بوندی کی شہرت یافتہ جانکی بائی سڑکوں پر ہائے ہائے کرتی پھرتی رہی وہ جدھر سے گزرتی لوگ اپنی ناک پر رومال رکھ لیتے کون کہہ سکتا ہے کہ چاہے جانے والی جانکی اتنی قابل نفرت ہوجائے گی۔

جمیل الدین کی کہانی ختم ہوگئی اس کے خاندان کے آسیب کا خاتمہ ہوا اور ہم وہاں سے روانہ ہوئے۔

❄......❄......❄

”زندگی سب کو عزیز ہوتی ہے۔ موت کا تصور ہی اذیت ناک ہوتا ہے۔ زندگی کا لالچ دنیا میں سب سے اہم ہے۔ بعض اوقات زندگی اتنی بے رونق اور بے مصرف بن جاتی ہے کہ لوگ مرجانے پر راضی ہوجاتے ہیں لیکن یہ جذبات کچھ دیر کے ہوتے ہیں یہی منفی جذبات پھر جینے کی امنگ بھی پیدا کر دیتے ہیں آدمی ہر طرح کے دکھ جھیلتا ہے ناکامی اور مایوسی سے دوچار بھی ہوتا ہے خوف، ڈر اور دہشت کے مرحلوں سے بھی گزرتا ہے مگر زندہ رہنا چاہتا ہے۔ ہر ناکامی اس میں جینے کی امنگ پیدا کرتی ہے اس کا جینا اوروں کے لئے اور خود اس کے لئے بھی بہتر نہ ہو مگر وہ مرنا نہیں چاہتا۔“ رولوکا خاموش ہوا تو میں نے کہا۔

”میرے خیال میں یہ اس لئے ہوتا کہ انسان جانتا ہے کہ زندگی صرف ایک دفعہ ہی مل سکتی ہے۔“

”یہ درست ہے مگر یہ زندگی کیوں ملتی ہے یہ وہ نہیں سوچتا یہ امانت ہے اس امانت کو امانت سمجھ کر ہی رکھنا چاہئے نا کہ خدا بننے کی کوشش کی جائے۔“ رولوکا نے کہا۔

”طاقت کا نشہ بہت برا ہوتا ہے وہ طاقت کرسی کی ہو دولت کی ہو یا پھر جسمانی طاقت کا نشہ۔ اس نشے کو جو برداشت کر گیا وہ پارس ہوگیا اور جو بہک گیا وہ پتھر ہوگیا۔“ رولوکا نے جواب دیا۔

”اچھا اب میں اپنی برتھ پر سونے جا رہا ہوں۔“ میں نے کہا۔

”ظاہر ہے آپ کو نیند آ رہی ہوگی مگر یہ تو بتا دیں کہ اترنا کہاں ہے۔“ رولوکا نے پوچھا۔

”کان پور صبح سات بجے آئے گا وہیں پر اتریں گے۔“ میں نے کہا۔

”یہ کان پور کیا ہے شہر ہے گاؤں ہے اور یہ نام کیسا ہے۔“ رولوکا نے پھر پوچھا۔

”مجھے نیند آ رہی ہے پھر کبھی بتاؤں گا۔“ میں نے کہا اور پھر برتھ پر آ کر لیٹ گیا۔

❄......❄......❄

کان پور ایک صنعتی شہر ہے یہاں پر کپڑے کی اور چمڑے کی بہت بڑی انڈسٹری ہے۔ پورے ہندوستان سے یہاں پر کھالیں آتی ہیں اور بڑی بڑی مشینریوں میں ان کو صاف کر کے جوتے بنانے اور سوٹ کیس بنانے کے لئے سپلائی کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد کپڑے بنانے کے کارخانے ہیں، ہزاروں لومیز لگی ہوئی ہیں اور ہزاروں مزدور ان میں کام کرتے ہیں۔ کان پور کا ریلوے اسٹیشن بھی بڑی رونق کی جگہ ہے۔ کیونکہ یہاں پر اترنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اسٹیشن کے باہر تانگوں کا ایک میلا لگا ہوتا ہے۔

میں اور رولوکا دونوں ہی پہلی دفعہ یہاں آئے تھے۔ مگر میں یہ ضرور جانتا تھا کہ یہاں پر مسلمانوں کی آبادی بہت ہے اور کہاں ہے۔ میں نے تانگے والے سے چمن گنج کا کہا تو وہ فوراً چلنے پر راضی ہو گیا۔ چمن گنج بہت بڑا علاقہ ہے اور بڑا پر رونق ہے۔ میں نے تانگے والے کو بتا دیا تھا کہ ہم پہلی بار یہاں آئے ہیں اور کسی سرائے وغیرہ میں ٹھہرنا چاہتے ہیں۔ وہ ہم کو ایک سرائے میں لے گیا۔ یہ سرائے بنے خان کی تھی۔ چمن گنج بازار کے درمیان تھی بنے خان ایک بڑی بڑی مونچھوں والے ادھیڑ عمر آدمی تھے مگر کان پور کے پرانے وضعدار اور روایت پرست آدمی تھے۔

وہ ہر مسافر کو اپنا مہمان خیال کرتے تھے ان کی آؤ بھگت سے رولوکا کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ شاید وہ میرے جاننے والے ہیں۔ مگر ایسا نہیں تھا وہ ہر مسافر سے ایسا ہی سلوک کرتے تھے۔ ان کے مسافر خانے میں روز گوشت پکتا تھا اور صرف گوشت خور لوگ ہی قیام کرتے تھے۔ مزاجاً وہ باغ و بہار طبیعت کے مالک تھے۔ بنے میاں کو جب پتہ چلا کہ ہم دونوں حکیم ہیں تو وہ بولے۔ ''طبیعت خوش ہو گئی ایمان سے آپ دونوں سے مل کر۔''

ہم نے کہا۔ ''کیوں کوئی خدمت ہے ہمارے لائق۔''

''وہ تو آپ نے سنا ہوگا بھیڑ کہیں بھی جائے مونڈھی جاتی ہے۔ اسی طرح بھائی میاں ڈاکٹر اور حکیم کی ضرورت سب کو ہی ہوتی ہے آیا سمجھ میں۔''

''کیا کوئی بیمار ہے۔'' ہم نے پوچھا۔

''ارے میاں کیا بیمار ہے کچھ پتہ نہیں چلتا۔''

''آخر پریشانی کیا ہے۔'' ہم نے پوچھا۔

''ہمارا ایک رشتہ دار ہے اناؤ میں رہتا ہے۔ ان کا ایک ہی لڑکا ہے، میاں کیا بتائیں کتنے چاؤ سے کتنے ارمانوں سے انہوں نے اس کی پرورش کی ہے جب اناؤ میں لڑکے کی تعلیم مکمل ہوگئی اور کالج میں داخلہ ہوا تو وہ لڑکا ہمارے ہی پاس رہا۔ بڑا ہونہار اور فرمانبردار لڑکا ہے، یہاں اس نے بڑی اچھی پوزیشن سے بی اے کر لیا اور ہمارے عزیز سمجھے کہ ان کے سارے دلدر دور ہو گئے۔''

بنے میاں سانس لینے کو رکے تو ہم نے کہا۔ ''تو کیا ایسا نہیں ہوا۔''

''ارے بھائی میاں کہاں، کان پور میں ہزاروں لوگ باہر سے کام کرنے آتے ہیں اور خوب کماتے ہیں مگر اس بے چارے کو کوئی نوکری ہی نہیں ملتی اور جو ملتی ہے تو وہ خود نہیں کر پاتا۔ کبھی بیمار پڑ جاتا ہے کبھی کوئی جھگڑا ٹنٹا کھڑا ہو جاتا ہے اور نوکری چھوٹ جاتی ہے۔ اس کے علاوہ آئے دن بیمار رہتا ہے ٹھیک ہوا اور پھر نوکری کی تلاش کی مگر نوکری ملنے کے بعد پھر گڑبڑ شروع ہو جاتی ہے۔ قسم خدا کی اس کی وجہ سے ہم سب پریشان ہیں تو آپ اندازہ کریں اس کے ماں باپ کتنے پریشان ہوں گے۔''

ہم نے کہا۔ ''بات تو پریشانی کی ہے۔''

''ایک نظر آپ اس کو دیکھ لیں تو شاید کچھ آپ کی سمجھ میں اس کی بیماری آ جائے۔'' بنے خان بولے۔

''ضرور دیکھیں گے۔'' ہم نے کہا۔

''تو پھر ٹھیک ہے کل ہی اناؤ چلتے ہیں۔'' وہ بولے۔

''کیا زیادہ دور چلنا ہوگا۔'' ہم نے پوچھا۔

''نہیں کوئی زیادہ نہیں ہے پانچ چھ میل پر ایک قصبہ ہے وہیں چلنا ہے۔''

دوسرے روز ناشتے کے بعد ہم تینوں اناؤ کے لئے روانہ ہوگئے اور ایک گھنٹے کے سفر کے بعد ہم اناؤ میں تھے۔ لاری کا سفر تھا مگر لاری ہر گاؤں کے اڈے پر کھڑی ہوجاتی ہے۔ دیہاتی سواریاں اپنی ٹلیوں اور بستر کے ساتھ لاری میں چڑھتی اور اترتی تھیں۔ اناؤ بڑا قصبہ ہے یہاں پر سب کسان رہتے ہیں۔ کان پور کی یہ ایک منڈی بھی ہے یہاں سے اناج سبزی وغیرہ کان پور آتا ہے۔

بنے میاں کے رشتہ دار عزیز میاں نے بڑے احترام سے ہم سب کا استقبال کیا۔ دوپہر کو ان کا لڑکا کمال الدین بھی آ گیا۔ عزیز میاں نے بتایا کہ یہی لڑکا ہے اور ساری پریشانی اس کی وجہ سے ہے۔ رولو کا نے غور سے اس کو دیکھا اور مجھ سے کان میں کہا۔ ''لڑکا تو ٹھیک ہے۔ جسمانی بیماری تم دیکھو۔'' میں نے اس کی نبض دیکھی کوئی گڑبڑ کے آثار نظر نہ آئے۔

''لڑکا تو ٹھیک ہے۔'' میں نے بنے میاں سے کہا۔

''یوں تو ٹھیک ہی رہتا ہے گڑبڑ تو اس وقت شروع ہوتی ہے جب اس کو ملازمت مل جاتی ہے۔'' بنے میاں نے بتایا۔

''اس کا مطلب ہے ملازمت کے بعد چیک کرنا ہوگا۔'' میں نے کہا۔

''ہم سب حیران تو اسی لئے ہیں کہ بیکاری میں یہ ٹھیک رہتا ہے۔'' عزیز میاں نے بتایا۔

''آپ فکر نہ کریں اب یہ ٹھیک ہی رہے گا۔'' میں نے کہا۔

''قسم خدا کی بھائی میاں حکیم صاحب میں آپ کو خوش کردوں گا۔'' بنے میاں بولے۔

''آپ کا مسئلہ حل ہوجائے، ہم بھی خوش ہوجائیں گے، رہی ہماری خدمت تو ہم صرف خدمت کرتے ہیں صلہ نہیں لیتے اگر خدمت کا صلہ لیا جائے تو بے فائدہ خدمت ہوتی ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''واہ! واہ! حکیم صاحب، کیا خوب صورت بات کی ہے دل خوش کردیا۔'' بنے خان بولے۔

''آپ کو اناؤ میں قیام کرنا ہوگا۔'' عزیز میاں نے کہا۔

''ہم تو سیلانی لوگ ہیں کان پور میں نہ رہے اناؤ میں رہ لئے ایک ہی بات ہے۔'' میں نے کہا۔

عزیز میاں کا مکان اچھا بڑا مکان تھا بیٹھک ہی اتنی بڑی تھی کہ کئی پلنگ ڈالے جاسکیں یہ جگہ مکان سے دور بھی تھی اس لئے ہم نے یہیں پر رہنا پسند کیا اور عزیز میاں نے سارا انتظام کردیا۔ میں نے کمال الدین سے پوچھا۔

''ہاں میاں یہ بتاؤ تم کو آخر کیا تکلیف ہوتی ہے کہ تم نوکری نہیں کر پاتے۔''

وہ بولا۔ ''بس اچانک ایسا لگتا ہے کہ میرے بدن میں جگہ جگہ درد ہو رہا ہے کبھی سینے کے ایک طرف کبھی دوسری طرف، کبھی ٹانگ میں کبھی ہاتھ میں دماغ اڑا اڑا سا رہتا ہے اور بس لیٹنے کو دل کرتا ہے اور جہاں ملازمت ختم ہوئی میری ساری تکلیفیں ختم ہوجاتی ہیں۔ میں خود اپنی حالت پر حیران ہوتا ہوں کیونکہ ہر دفعہ ایسا ہی ہوتا ہے۔''

''اور یہ ملازمت پر جھگڑا وغیرہ کا کیا چکر ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''ہاں یہ بھی ہوتا ہے میرے افسران اچانک مجھ سے خفا ہوجاتے ہیں وجہ کچھ نہیں ہوتی۔'' کمال الدین نے جواب دیا۔

''تم نئے سرے سے ملازمت تلاش کرو پھر دیکھتے ہیں۔'' میں نے کہا اور کمال الدین ملازمت کی تلاش میں لگ گیا پڑھا لکھا لڑکا تھا۔ جس زمانے میں یہ بی اے تھا اس زمانے میں بہت کم اتنے پڑھے لکھے لوگ تھے۔ جلد ہی اس نے بتایا کہ ایک مل میں اس کو پروڈکشن کلرک کی جگہ مل گئی ہے۔

مگر ملازمت کان پور میں ہے اس لئے وہ بنے خان کے پاس ہی رہے گا اس لئے ہم لوگ بھی کان پور آ گئے۔ ایک ہفتہ تک کمال الدین ملازمت پر جاتا رہا۔ وہ ہمارے ساتھ ہی ناشتہ کرتا تھا۔ آٹھ روز کے بعد بولا۔

''آج میری طبیعت کام پر جانے کی نہیں ہے۔'' میں نے غور سے اس کو دیکھا۔ رولوکا سے پوچھا۔
''یہ کیا کہہ رہا ہے۔'' رولوکا نے جواب دیا۔
''یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ مجھے جو ڈر تھا وہی ہے۔''
''صاف بتاؤ۔'' میں نے پھر پوچھا۔
''جو کچھ ہے ابھی سامنے آجائے گا۔'' رولوکا نے کہا۔ اور فوراً کمال الدین کی دائیں ہاتھ کی چھنگلی پکڑ لی اور کہا۔
''تو کون ہے جلدی سے بتا۔''
''کیا فرمارہے ہیں آپ میں کمال الدین ہوں۔'' وہ بولا۔
''مجھے پتہ ہے دھوکا دے رہا ہے۔ تیرے ساتھ کیا کرنے والا ہوں پتہ ہے۔'' رولوکا نے کہا۔
''میری انگلی تو چھوڑیں میں کمال الدین ہوں یقین کریں۔'' وہ بولا۔
''تیری انگلی تو اب نہیں چھوڑوں گا تو کمال الدین کو چھوڑ کر باہر آجا۔'' رولوکا نے کہا۔
''ارے میں کمال الدین ہوں کس کو چھوڑوں آپ کا دماغ تو ٹھیک ہے۔'' وہ بولا۔
''تیرا دماغ ابھی میں ٹھیک کرتا ہوں۔'' اور رولوکا نے کہا۔ ''اپلوں کی آگ ایک برتن میں جلائی جائے۔''
عزیز میاں نے فوراً ہی اس کا انتظام کر دیا۔ آگ دیکھ کر کمال الدین بے چین ہو گیا اور انگلی چھڑانے کے لئے زور لگانے لگا مگر کامیاب نہیں ہوا۔ آگ پر اور اپلے ڈالنے کا رولوکا نے اشارہ کیا پوری بیٹھک میں دھواں بھر گیا۔ کمال الدین کی حالت غیر ہونے لگی وہ زور سے بولا۔
''میں اچھا کلی کا بیر ہوں مجھے جانے دے۔''
رولوکا نے کہا۔ ''تو کیوں آتا ہے کمال الدین کے پاس جلدی بتا۔''
''مجھے اس پر لگایا ہے اس لئے آتا ہوں۔''
''کیوں لگایا ہے۔ یہ بھی بتا۔''
''یہ نوکری نہ کر سکے کوئی کام نہ کر سکے جب بھی یہ کام کرے گا میں اس کو کام سے روکوں گا۔'' وہ بولا۔
''اس کے کام کرنے سے تیرا کیا نقصان ہے۔'' رولوکا نے کہا۔
''مجھے پتہ نہیں میرے گورو نے مجھے یہ کام سونپا ہے وہ میں کرتا ہوں۔'' وہ پھر بولا۔
''اور گورو کیوں اس کو کام سے روکتا ہے۔'' رولوکا نے پھر پوچھا۔
''مجھے پتہ نہیں میں سچ کہہ رہا ہوں مجھے جانے دے میں بے قصور ہوں۔'' وہ پھر بولا۔
''اچھا تو باہر آجا اور سامنے کھڑا ہو جا بھاگنے کی کوشش مت کرنا اگر بھاگے گا تو مارا جائے گا۔''
اور رولوکا نے کمال الدین کی انگلی چھوڑ دی۔ کمرے کا دھواں آہستہ آہستہ ختم ہو گیا اور ایک جگہ پر ایک ہیولا سا نظر آنے لگا رولوکا نے ایک چھوٹی سی ہانڈی منگوائی اور درمیان میں رکھ دی اور دھویں کے ہیولے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔
''اچھا کلی کے بیر اس میں آجا۔'' مگر دھواں میں کچھ نہ ہوا۔ ایک درد میں ڈوبی آواز البتہ آئی۔
''مجھے معاف کر دے میں نے کچھ نہیں کیا ہے۔'' مگر رولوکا نے کچھ نہیں سنا اور کہا۔
''آجا اس کے اندر اس کے بعد نہیں کہوں گا۔''
اور دھواں ہانڈی کے اندر اترنے لگا اور سب ہانڈی میں سما گیا۔ رولوکا نے ہانڈی کا ڈھکن اس کے منہ پر رکھ دیا اور اس پر کپڑا باندھ دیا گیا۔ اور کمال الدین سے پوچھا۔ ''اب تم کیسا محسوس کرتے ہو۔''
''اب میں بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہا ہوں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرے سر سے ایک بوجھ اتر گیا ہے۔'' کمال نے جواب دیا۔
''اب تم ٹھیک ہو تمہاری بیماری اس ہانڈی میں بند ہے۔'' رولوکا نے کہا۔
''اب اناؤ میں قیام کرنا تو بے کار ہی ہے۔'' میں

نے کہا۔

''اب یہ دیکھنا ہے کہ یہ بیر کس نے کمال پر لگایا تھا اور کیوں لگایا تھا۔'' رولوکا نے کہا۔

''مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ عزیز میاں کا کوئی دشمن ضرور ہے۔'' میں نے کہا۔

''میرا دشمن! مجھے تو یاد نہیں پڑتا کہ میرا کوئی دشمن بھی ہوسکتا ہے کیونکہ میں نے آج تک کسی کے لئے برا نہیں سوچا اور نہ ہی کسی کو اپنی ذات سے نقصان پہنچایا ہے۔''

''عزیز میاں بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ تم سے کسی کو نقصان نہیں پہنچا، مگر پھر بھی لوگ دشمن بن جاتے ہیں۔ یہ لوگ دور کے نہیں بہت قریب کے ہوتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''اب میں تو کسی کا نام نہیں لے سکتا۔'' عزیز میاں نے کہا۔

''میاں یاد کرو شاید کچھ یاد آ جائے۔'' بنے خان بولے۔

''نہیں بھائی میں بلاوجہ کسی کا نام نہیں لوں گا۔'' عزیز میاں نے جواب دیا۔

''آپ پریشان نہ ہوں میں پتہ کرلوں گا۔'' رولوکا نے کہا۔

''تم نے کیا طریقہ سوچا ہے۔'' میں نے کہا۔

''طریقہ ہانڈی کے اندر ہے۔ ذرا سی آنچ دکھاؤں گا یہ خود بتائے گا کس کا بیر ہے۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

اس کے بعد رولوکا نے یہ کام کیا کہ ہانڈی کا ڈھکن اٹھادیا اور بولا۔ ''بول تیرا گورو کون ہے۔'' مگر جواب نہیں ملا۔

''ایک دفعہ اور پوچھوں گا نہیں بتایا تو سمندر میں ڈال دوں گا بول۔'' رولوکا نے کہا

''اس کا نام نندکشور ہے۔'' ہانڈی سے مری ہوئی آواز آئی۔

''کان پور میں ہے۔'' رولوکا نے پھر پوچھا۔

''ہاں سہوہ فتح پور میں رہتا ہے زیادہ دور نہیں ہے۔'' آواز آئی۔

''ٹھیک ہے تو ابھی اندر ہی رہ۔ میں اس کو دیکھتا ہوں۔'' اور رولوکا نے ڈھکن بند کردیا۔

فتح پور سہوہ کان پور کے قریب ایک علاقہ ہے یہاں پر زیادہ آبادی ہندوؤں کی ہے۔ اور زیادہ تر وہ آبادی ہے جس کو ہندو نیچ ذات کہتے ہیں۔ ان لوگوں کا پیشہ جوتے بنانا ہے۔ دوسرے دن ہم دونوں سہوہ روانہ ہوگئے۔ سارے مکانات کھپریلوں کی چھت کے تھے گھنی آبادی تھی گلیوں میں عورتیں بیٹھی تھیں اور کام کررہی تھیں بچے ان کے اطراف میں کھیل رہے تھے ان کو گندگی کا کوئی احساس نہیں تھا پورے علاقے پر چمڑے کی بدبو چھائی ہوئی تھی۔ میں نے ایک بوڑھے سے پوچھا اس بوڑھے کی مونچھیں ایسی تھیں کہ اس کا منہ اور ہونٹ نظر نہیں آتے تھے۔

''چاچا تم کو پتہ ہے۔ نندکشور کا گھر کدھر ہے۔''

بوڑھے نے تعجب سے میری طرف دیکھا اور بولا۔

''جگل کشور کا چھورا کا پوچھے ہو۔''

میں نے کہا۔ ''مجھے اس کے باپ کا نام پتہ نہیں ہے۔ شاید وہی ہو۔''

''کا کام پڑ گیا۔'' وہ بولا۔

''کام تو پڑ ہی جاتا ہے چاچا تم اس کا گھر تو بتاؤ۔'' میں نے پھر کہا۔

''ٹھیک ہے بتلائے دیتے ہیں۔ او دیکھ رہے ہو چبوترا سا بنا ہے او کا پھلانگ کے چلے جاؤ اور زور کی بانگ او کے نام کی لگادو خود ہی آ جاوے گا گھر سے باہر۔'' چاچا بولے۔

''چبوترے پر تو عورتیں بیٹھی ہیں وہ۔'' ہم نے کہا۔

''ارے تو پھر کا ہوا جاؤ سب پرے ہوجاویں گی تمہارے جاتے ہی۔'' وہ پھر بولے۔ اور ہم چبوترے کی

طرف چل دیئے واقعی یہ ہوا کہ ہمارے جاتے ہی عورتوں نے ہمارے لئے راستہ چھوڑ دیا اور ہم چبوترے کے پار پہنچ گئے۔ میں نے ایک آواز نند کشور کے نام کی لگائی دوسری آواز پر دروازہ کھلا اور ایک آدمی برآمد ہوا اس کا سر گٹھا ہوا تھا اور چوٹی لہرا رہی تھی جسم پر صرف ایک میلی سی دھوتی تھی اور پیروں سے ننگا تھا۔

آتے ہی کڑک کر بولا۔ ''کا ہے واج مارے ہو، کا بات ہے۔''

ہم آگے بڑھے پھر رولوکا نے کہا۔ ''کام پڑ گیا ہے اس لئے آئے ہیں۔''

''کام پڑت ہی آوت ہیں ایسے کا ہے کوئی آئے ہے بول کا کام ہے۔''

رولوکا نے کہا۔ ''اچھا کلی کا بیر پھنس گیا ہے اس کی اطلاع تم کو کرنا تھی۔''

''کا کہت ہو کوئی مائی کا لال نہ پیدا ہوا جو اچھا کلی کا بیر کا دشمنی لے۔'' وہ غرور سے بولا۔

''زیادہ بڑی بڑی باتیں مت کر نند کشور اور سن تیرا وہ بیر میری قید میں ہے اگر نہ یقین آئے تو ذرا بلا اس کو تیرا غلام ہے ضرور آئے گا۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''ہم سے زیادہ اونچی آواز میں بات کرت ہو تم ہم کا پہچانتے نہ ہو۔''

''خوب جانتے ہیں تو نہیں جانتا، بلا تو ذرا بیر کو۔''

''ٹھیک بلاوت ہیں۔'' اور وہ منہ ہی منہ میں کچھ بدبدانے لگا۔ مگر کچھ نہ ہوا۔

چند منٹ کے بعد رولوکا نے کہا۔ ''بے کار ہے وہ قید میں ہے نہیں آئے گا تو اس کو نہیں بلا سکتا اور تو خود بھی اس کے پاس جانے والا ہے۔''

''کا بکواس کئے جات ہو، تم ہم کا نا ہی جانت ہو، ای ہمارا گھر ہے سب طرف میری چلت ہے۔ ارے مورکھ تو ہم کا دھمکاوے کو آیا ہے۔'' وہ دھاڑ کر بولا۔

''ہاں ہم تجھ کو گرفتار کرنے آئے ہیں تو اپنے بچاؤ میں کچھ کر سکتا ہے تو کر لے۔'' رولوکا نے کہا۔ چبوترے سے ساری عورتیں اور بچے جا چکے تھے پوری گلی میں ہم تینوں کے سوا کوئی نہیں تھا۔

''جا چلا جا ہم کہت ہیں چلا جا نہیں گیا تو سوگند تیرہ سڑی لاشوں کی، تیرا تیا پانچہ کردیں گے بہت ہاتھ ہیں ہمارے، کان کھول کے سن لو۔''

رولوکا پر اس کی گھن گرج کا کوئی اثر نہیں تھا۔ اطمینان سے بولا۔ ''تیرے آدھے ہاتھ تو تیرے سورج دیوتا نے بے کار کردیئے ہیں اور آدھے ہم کاٹ آئے ہیں۔ اور تیرے سر پر ایک آفت کھڑی ہے ذرا گردن موڑ کر اوپر تو دیکھ۔'' وہ ذرا سا گھبرایا ضرور مگر تھا تجربہ کار سنبھل کر بولا۔ ''ہمکا بہکاوت ہے ارے کا ہے اوپر دیکھیں تو، تو ہمارے سامنے کھڑا ہے اب بہت ہوگئی تیرا کلیان کرنا ہی پڑے گا۔'' اور اس نے ایک خطرناک سفلی کا منتر پڑھ کر تالی بجائی۔ تالی بجاتے ہی ایک بڑا ہی مکروہ شکل خونخوار عجیب الخلقت جانور ہوا میں معلق ایک طرف سے آیا اور سیدھا ہماری طرف رخ کرلیا اس کے ناک سے بڑی خوفناک سوں سوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ مگر یہ کیا ہوا اچانک وہ جانور دو ٹانگوں پر کھڑا ہوگیا۔ کسی نادیدہ حملہ آور نے اس کی آنکھوں پر وار کردیا تھا وہ درد سے چنگاڑ رہا تھا اور پھر جدھر سے آیا تھا ادھر ہی دوڑتا چلا گیا۔

رولوکا نے آگے بڑھ کر کہا۔ ''تو نے کرلیا وار اب وار کرنے کی اجازت نہیں ہے تو فوراً یہ بتا تو نے کمال الدین پر اپنا بیر کیوں لگایا تھا۔''

''اور اگر نہ بتاؤں تو پھر کیا ہوگا۔'' وہ بولا۔

''تیرا حشر تیرے بیر جیسا ہوجائے گا تو کسی بھول میں مت رہنا تیرے سارے کبوتر اڑ چکے ہیں۔ اب تو کسی بیر کو بلائے گا تو کوئی نہیں آئے گا آزما لے۔'' رولوکا نے کہا۔

''ہم کہت ہیں تو نے ہمکا ابھی نہیں پہچانا۔ ارے ہمارے پاس بہت سا سامان ہے۔''

''تو پھر کب کام آئے گا وہ سامان۔'' رولوکا نے کہا۔

''تو بڑا چلتر باز ہے دن میں آیا ہے ارے رات ہوتی تو بتاتے۔'' وہ بولا۔

''رات آتے آتے تیرا ہم کلیان کردیں پھر......''

رلوکا نے کہا۔

''ای کام اتنا آسان ناہی، ہاتھی مرے، پر بھی سوا لاکھ کا ہووت ہے۔'' وہ بولا۔

''سوا لاکھ کے ہاتھی یہ بتا کیوں تو نے عزیز کے لڑکے کمال پر بیر لگایا تھا۔''

''ہم کا دشمنی نہیں رہی کوئی کہا تو ہم نے یہ کام کیا۔'' وہ بولا۔

''کس نے کہا تھا وہی تو پوچھ رہے ہیں۔'' رلوکا نے کہا۔

''بتا دیں تو ہماری جان چھوڑ دے گا۔'' وہ بولا۔

''نہیں چھوڑیں گے ہاں تیری جان بچ جائے گی کبوتر سب اڑا دیں گے۔'' رلوکا نے کہا۔

''ای کا بات ہوئی۔ ہم ناہی بتاوت ہیں۔'' وہ بولا۔

''بتلائے گا تو......'' اور رلوکا نے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ اشارہ کرتے ہی کوئی بھاری چیز نند کشور کے سر پر آ گری اور وہ اتنی زور سے زمین پر گرا کہ اس کی دھمک ہم تک آئی اس نے آنکھیں پھاڑ کر چاروں طرف دیکھا مگر کچھ نظر نہیں آیا۔ وہ گھبرا کر بولا۔

''ارے کا چکی کا پاٹ ہمرے سر میں دے مارا ہے۔''

''ایک پاٹ ہی مارا ہے اب کے پوری چکی تیرے اوپر آئے گی۔'' رلوکا نے کہا۔

''اچھا بتاوت ہیں۔ ہم نے ای کام عزیز کی بھاوج کے کہنے سے کرا ہے۔''

''ٹھیک ہے نند کشور ہم تجھ کو زندہ چھوڑ رہے ہیں مگر اب تو کچھ نہیں کر سکے گا تیرا سارا کا بک خالی ہے اور اگر پھر تو نے یہ کام کیا تو چکی کا پاٹ تیرے سر پر گرتا رہے گا اور نہ مانا تو ایک دن چکی پوری کی پوری تیرے سر پر آ جائے گی۔''

اور ہم اس کو حیران پریشان چھوڑ کر گلی سے باہر آ گئے۔ بنے خان ہمارا ہی انتظار کر رہے تھے۔ بولے۔

''کہاں نکل گئے تھے ہم کھانے کے لئے انتظار کر رہے تھے۔''

''آپ کے کام سے گئے تھے۔'' میں نے جواب دیا۔

''کام ہوا کچھ۔'' وہ بولے۔

''چور پکڑا گیا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''کون ہے وہ۔'' وہ جلدی سے بولے۔

''عزیز کی بھاوج ہیں ان کے کہنے پر ایک سفلی والے نے یہ گندہ کام کیا تھا۔'' میں نے جواب دیا۔

''عزیز کے تو ایک ہی بھائی ہے اس کی عورت نے ہی یہ کام کیا ہوگا۔'' بنے خان بولے۔

''عزیز کے بھائی بھاوج سے بھی ملاقات کرنا پڑے گی۔'' رلوکا نے کہا۔

''تو ٹھیک ہے۔ چلتے ہیں اناؤ کون سا دور ہے۔'' بنے خان بولے۔

کھانے کے بعد ہم اناؤ روانہ ہو گئے۔

عزیز اور کمال الدین نے ہمارا استقبال کیا۔ چائے وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد ہم نے کہا۔ ''عزیز میاں تمہارے کوئی بھائی بھی ہیں۔''

عزیز میاں نے جواب دیا۔ ''ان سے کیا کام پڑ گیا۔''

''کام نہیں پڑ گیا پوچھ رہے ہیں۔ ان سے اور ان کی اہلیہ سے ملنا ضروری ہو گیا ہے۔''

''پہلے تو وہ اناؤ میں ہی رہتے تھے مگر اب چند ہفتہ پہلے ہی وہ کان پور کے محلے چمن گنج شفٹ ہو گئے ہیں۔'' عزیز میاں نے جواب دیا۔

''آپ سے ان کے تعلقات کیسے ہیں۔'' ہم نے پوچھا۔

''بھائی صاحب سے تو ٹھیک ہیں مگر بھاوج صاحبہ ہم سے کبھی خوش نہیں رہیں ان کی وجہ سے ہی بٹوارہ ہوا اور ہم دونوں بھائی کی رہائش الگ الگ ہو گئی ہماری تو ایک ہی اولاد تھی اور ہماری گھر والی کو شوق تھا کہ وہ اس کو پڑھائے گی مگر بھاوج کو ایسا کوئی شوق نہیں تھا ان کے تینوں لڑکے ذرا سا نہیں پڑھے اور آوارہ گردی میں پڑ گئے

ان کی حرکتوں کی وجہ سے ہی بھائی صاحب کو اناؤ چھوڑنا پڑا جو زمین اور گھر تھا وہ بھی فروخت کرنا پڑا۔ بس کیا بتائیں ہم تو صرف افسوس ہی کر سکتے ہیں۔'' عزیز میاں نے کہا۔

''ان سے ملاقات کرنا ہے۔'' میں نے کہا۔

''ٹھیک ہے آج تو دیر ہوگئی ہے کل صبح ناشتے کے بعد چلتے ہیں۔'' عزیز میاں بولے۔

''کمال الدین تمہارا کیا حال ہے۔'' اب میں نے پوچھا۔

''میں تو خود کو بدلا بدلا محسوس کرتا ہوں۔''

''اور کام وغیرہ کا کیا ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''بہت اچھا ہو رہا ہے اب مجھ پر کسی قسم کا بوجھ نہیں ہے کام میں دل بھی لگتا ہے میرے افسران بھی خوش ہیں۔'' دوسرے روز ہم کان پور آ گئے اور سیدھے چمن گنج عزیز میاں کے بھائی کے گھر چلے گئے۔ عزیز میاں نے دروازے پر دستک دی تو ایک اٹھارہ بیس سال کے لڑکے نے دروازہ کھولا۔

عزیز میاں کو دیکھا تو بولا۔ ''ابا تو نہیں ہیں کہیں گئے ہیں۔''

''اماں سے پتہ کرو کہاں گئے ہیں۔ اور کب آئیں گے۔'' عزیز میاں بولا۔

''اماں کو کیا پتہ، بتا کر تو جاتے نہیں ہیں آپ پھر کبھی آ جانا۔'' یہ کہا اور پلٹ کر جانے لگا۔

عزیز میاں نے جلدی سے کہا۔ ''بات سنو میاں کہاں بھاگے جاتے ہو اماں کو بتاؤ ہمارے ساتھ کچھ دوسرے لوگ بھی ہیں ملاقات ضروری ہے۔'' عزیز میاں نے کہا۔

اس نے ترچھی نظروں سے ہماری طرف دیکھا اور وہیں سے آواز لگائی۔ ''اماں چچا آئے ہیں۔'' اور اندر چلا گیا۔ اس کے انداز سے گھر کے ماحول کا پتہ چل رہا تھا۔ اس کے جانے کے بعد ایک ادھیڑ عمر کی خاتون دروازے پر آنے لگیں تو عزیز میاں نے زور سے کہا۔

''بھابی میرے ساتھ دو دوست ہیں ان کا بھائی صاحب سے ملنا ضروری ہے۔''

وہ خاتون جہاں تک آئی تھیں رک گئیں دروازے پر نہیں آئیں صرف ان کی آواز آئی۔

''میاں جو کام ہے بتا دو، میں کہہ دوں گی۔''

''آپ سے کہنے کا ہوتا تو کہہ دیتے بھائی صاحب کا انتظار کریں گے ہم لوگ۔''

چند منٹ خاموشی رہی پھر آواز آئی۔ ''ٹھیک ہے میں بیٹھک کھولے دیتی ہوں بٹھالو اپنے دوستوں کو۔'' ایک دروازہ کھولنے کی آواز آئی اور عزیز میاں نے ہم دونوں کو اشارہ کیا اور ہم لوگ اندر چلے گئے۔ ایک گھنٹے کے بعد عزیز میاں کے بھائی آ گئے اس دوران کسی نے ہماری طرف پلٹ کر نہیں دیکھا۔ ہم تینوں ہی آپس میں باتیں کرتے رہے۔ عزیز میاں کے گھر کے ماحول میں اور یہاں کے ماحول میں زمین آسمان کا فرق تھا دونوں بھائی تھے مگر دونوں الگ الگ۔

عزیز میاں بھائی سے گلے ملے، ہم سے ہاتھ ملائے اور ہمارے پاس بیٹھ گئے اور بولے۔ ''آپ کو انتظار کرنا پڑا، میں وکیل کے پاس گیا تھا ذرا دیر ہوگئی۔''

''کیوں ضرورت پڑ گئی وکیل کی خیریت تو ہے؟'' عزیز میاں بولے۔

''خیریت ہو تو آدمی وکیل، ڈاکٹر کے پاس نہیں جاتا۔'' وہ بولے۔

''پھر بھی کچھ فرمائیں تو۔'' عزیز میاں نے پوچھا۔

''تم سے کیا پردہ۔ میاں بڑے صاحب زادے نے گل کھلایا ہے۔'' وہ دکھ بھری آواز میں بولے۔

''کیا ہوا ہے بتائیں تو۔'' عزیز میاں نے پوچھا۔

''میاں اس قصے کو چھوڑو تم بتاؤ کیسے آنا ہوا۔''

''یہ دونوں حضرات ہمارے دوست ہیں دلی میں مطب کرتے ہیں بہت بڑے حکیم ہیں اور ہم کیا بتائیں یہ خود ہی بتائیں گے۔'' عزیز میاں خاموش ہو گئے۔

میں نے اپنا اور رولو کا کا تعارف کرایا اور تعارف کے بعد رولو کا نے کہا۔ ''بات یہ ہے قبلہ کہ انسان صرف اپنا

فائدہ چاہتا ہے، دوسروں کو دکھ دینا ان کو پریشانیوں میں مبتلا کرنا اور انسانیت سے گری ہوئی حرکتیں کرنا صرف اس لئے کہ دوسرا دکھ اٹھائے۔ اچھی بات تو نہیں ہے۔''

''میری سمجھ میں نہیں آیا کہ آپ نے یہ تمہید کیوں باندھی ہے۔'' وہ بولے۔

''یہ عزیز میاں آپ کے بھائی ہیں۔ ان کی ایک اولاد ہے اس کو انہوں نے پڑھایا لکھایا ہے کسی قابل بنایا ہے اس بات سے آپ کو آپ کی اہلیہ کو یا بچوں کو کوئی نقصان ہوا ہے۔'' رولو کا نے کہا۔

''میں تو خوش ہوا تھا کہ کمال نے بی اے کر لیا ہے۔'' وہ بولے۔

''مگر آپ کی اہلیہ خوش نہیں تھیں۔ انہوں نے ایک سفلی کرنے والے سے مل کر ایسا انتظام کیا کہ کمال الدین پڑھا لکھا ہونے کے باوجود کچھ نہ کر سکے یہ کام کر کے وہ خوش تھیں مگر اپنی اولاد کو وہ کسی قابل نہ بنا سکیں۔'' رولو کا نے کہا۔

''آپ کیا فرما رہے ہیں مجھے یقین نہیں آ رہا۔'' وہ حیرت سے بولے۔

''آپ ان کو بلوا لیں اور پوچھ لیں۔'' میں نے کہا۔

''میرے لئے یہ الزام بہت شرمناک ہے میں بلاتا ہوں۔'' اور وہ تیزی سے اندر چلے گئے۔ اور ایک منٹ میں ہی واپس آ گئے ان کی بیگم دروازے پر آ گئیں۔

رولو کا نے کہا۔ ''بیگم صاحبہ مجھے یہ بتاتے ہوئے اچھا نہیں لگ رہا کہ آپ نے نند کشور سفلی والے سے یہ گندا کام کروایا کمال الدین زندگی بھر کچھ نہ کر پاتا مگر اس کی قسمت اچھی ہے کہ وہ ٹھیک ہو گیا اور نند کشور کا جادو ختم ہو گیا آپ صرف یہ بتائیں کہ آپ کو ایسا کر کے کیا حاصل ہوا۔'' رولو کا خاموش ہو گیا۔

کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تو عزیز کے بڑے بھائی بولے۔ ''رقیہ بیگم تم نے بہت گرا ہوا اور گھناؤنا کام کیا ہے اس پہلے تمہاری ضد کی وجہ سے بٹوارہ ہوا میں نے اناؤ چھوڑا تمہارے لاڈ پیار نے لڑکوں کو کسی قابل نہیں چھوڑا تمہارے لاڈ نے لڑکوں کو اخلاقی گراوٹ میں ڈال دیا میں برداشت کرتا رہا مگر یہ آخری حرکت جو مجھ کو اب پتہ چلی ہے اس کے بعد تم اس لائق نہیں کہ میرے گھر میں رہو تم اپنی اولاد کو بھی اپنے ساتھ ہی لے جا سکتی ہو اب میں تم کو اپنے گھر میں نہیں رکھ سکتا۔''

عزیز میاں آگے بڑھے اور بھائی کے سامنے کھڑے ہو گئے اور بولے۔ ''بس بھائی جان اب اس سے آگے آپ کچھ نہیں بولیں۔''

''عزیز میاں تم درمیان میں نہ آؤ۔ اس عورت نے مجھے زندگی بھر دکھ دیئے ہیں۔ میں برداشت کرتا رہا مگر اس کی یہ حرکت ایسی ہے کہ میں معاف نہیں کروں گا......''

عزیز میاں نے کہا۔ ''ہوتا ہے بھائی جان سب خرابیاں ایک ہی طرف نہیں ہوتیں کچھ ہم میں بھی ہیں۔ عورت بھی انسان ہے غلطی ہو گئی ہے مگر آپ خود غلطی کرنے جا رہے ہیں، اس کے نتائج اور زیادہ خرابی پیدا کر دیں گے۔ میرے کہنے سے آپ ان کو معاف کر دیں۔''

''عزیز میاں تم ایک ایسی عورت کو معاف کروا رہے ہو جس نے تمہارے گھر کا چراغ گل کرنے کی کوشش کی ہے۔''

عزیز میاں بات کاٹ کر بولے۔ ''مگر میں ان کو معاف کر چکا ہوں۔ کیونکہ معاف کرنا ہی عین ثواب ہے۔'' عزیز میاں بولے۔

''ٹھیک ہے عزیز میں اس کی اس خطا کو معاف کرتا ہوں اگر یہ سب کے سامنے وعدہ کریں کہ آئندہ میری مرضی سے سب کام کریں گی۔'' وہ بولے۔

عزیز میاں نے دروازے کی طرف منہ کر کے کہا۔ ''بھابی آپ نے اپنی خطا قبول کر لی ہے۔''

سسکیوں کے درمیان آواز آئی۔ ''مجھے معاف کر دو بھائی۔''

''میں تو معاف کر چکا ہوں۔'' عزیز میاں نے جواب دیا۔

''میں پاگل ہو گئی تھی اپنے بھائی سے کہو مجھے

معاف کردیں آئندہ ان کی مرضی ہی چلے گی۔‘‘ وہ بولیں۔

’’میں نے عزیز کے کہنے سے تم کو معاف کردیا ہے۔‘‘

دروازے کے دوسری طرف سے سسکیوں کی آواز صاف آرہی تھی۔ یہ عورت بھی خوب ہے اس کو غصہ کرو تو روتی ہے اور پیار جتاؤ تب بھی روتی ہے۔ خوشی کے موقعہ پر روتی ہے اور غم ہو تو روتی ہے اس کی کسی کل کا پتہ نہیں چلتا۔ دنیا کے ہزاروں لاکھوں سیانوں نے کھوج لگانے کی کوشش کی مگر عورت کی فطرت کا کھوج نہیں لگا سکے۔ یہ ایک ایسی الجھی ڈور ہے جس کا سرا ہاتھ نہیں آتا اگر ایک سرا ملا تو دوسرا نہیں ملتا۔



سیانے لوگ کہتے ہیں عادت کو بدلا جاسکتا ہے مگر فطرت کو نہیں بدلا جاسکتا۔ میری فطرت میں بھی شاید یہ بات تھی کہ میں سیلانیوں کی زندگی بسر کروں۔ پھر میرا دوست جو مجھے ملا تو وہ بھی اسی فطرت کا اسیر ملا تو پھر اب آگے ہی جانا تھا۔

اب کے ہمارا رخ شہر آگرہ کی طرف تھا۔ یہ شہر ہندوستان کا ایک قدیم شہر ہے یہ شہر مغلوں کا پایہ تخت رہا ہے اس شہر کو مغلوں نے بہت بنایا سنوارا ہے۔ تاج محل کے علاوہ بھی یہاں پر بہت عظیم عمارتیں ہیں، لال پتھر کا نہایت مضبوط قلعہ آج تک جوں کا توں موجود ہے ان کے علاوہ شہر میں سینکڑوں ایسی عمارتیں ہیں جن کے بارے میں کسی کو پتہ نہیں ہے کہ کس نے بنایا اور کیوں بنایا۔ بہت سی مسجدیں شاہی زمانے کی ویران پڑی ہیں۔ اور بہت سی آباد ہیں۔

ایک قدیم عید گاہ ہے اس میں بھی ایک بہت بڑی مسجد موجود ہے۔ بہت بڑی چار دیواری ہے۔ تین بڑے دروازے ہیں اور ان میں لکڑی کے بہت مضبوط کواڑ چڑھے ہوئے ہیں۔ سارا سال یہ کواڑ بند رہتے ہیں اور مسجد میں بھی کوئی نہیں آتا۔ صرف عیدین کے موقعہ پر مسجد کی صفائی ہوتی ہے اور نمازیں ادا کی جاتی ہیں۔

ہماری گاڑی آگرہ کینٹ پر دوپہر تین بجے پہنچی۔ اس کے قریب ہی آبادی مسلمانوں کی ہے اس کا نام ہے سلطان پورہ اور اس کے ساتھ ہی خواجہ کی سرائے کی آبادی ہے۔ یہاں پر بھی مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہے اور ٹھہرنے کا بندوبست بھی ہے۔ تو ہم نے یہیں پر رکنے کا فیصلہ کرلیا۔ سرائے کا مالک ایک حسین خان نام کا تھا۔ اس نے ہمارا استقبال کیا اور فوراً چائے پلائی اور بولا۔

’’آپ یہ خیال نہ کرنا بھائی میاں کہ اس کا بل آپ کو ادا کرنا ہے یہ تو ہمارا اخلاقی فرض تھا جو ہم نے ادا کیا۔ آپ یہ فرمائیں آگرہ کی سیر سپاٹے کو آئے ہیں یا کسی سے ملنا ہے۔ ہم تو ہر طرح آپ کی خدمت کو تیار ہیں۔‘‘

میں نے کہا۔ ’’ہم پہلی دفعہ آگرہ آئے ہیں کوئی کام بھی نہیں ہے بس سیر سپاٹے ہی سمجھ لیں۔‘‘

’’بہت اچھا! ہم سرائے چلاتے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کو سیر بھی کرائیں گے آگرہ میں آپ کو بہت کچھ ملے گا۔‘‘ حسین خان نے جواب دیا۔ ’’اچھا آپ لوگ آرام کریں شام کو ملاقات ہوگی!‘‘ اور حسین خان چلے گئے۔

شام کو حسین خان ایک آدمی کے ساتھ آگئے اور بولے۔ ’’یہ ہے بنو یہ آپ کا خادم ہے جو کام ہو، کچھ بازار سے منگوانا ہو یا کوئی اور کام یہ کرے گا۔ حکیم صاحب کیا بتائیں مہنگائی بہت بڑھ گئی ہے زیادہ ملازم نہیں رکھ سکتا۔‘‘

’’آپ ہماری وجہ سے زیر بار نہ ہوں ہم خود ہی سب کام کرلیتے ہیں۔‘‘ میں نے کہا۔

’’آپ کیوں کریں یہ کرے گا۔ یہ آگرہ کا قدیم باشندہ ہے چپے چپے سے واقف ہے آپ اس کو ساتھ لے کر سیر کو بھی جاسکتے ہیں۔‘‘ حسین نے کہا۔

دوسرے روز سے ہم نے آگرہ دیکھنے کا پروگرام بنالیا۔ مگر بنو کو ہم نے ساتھ نہیں لیا۔ رات کے کھانے کے بعد حسین خان ہمارے پاس آگئے۔ ابھی بات چیت شروع کی تھی کہ بنو آگیا اور آتے ہی بولا۔ ’’بھائی میاں

آج اس نے پھر نئی شادی کر لی۔"

"کس نے شادی کر لی۔" حسین خان نے پوچھا۔

"ارے وہی تمیزن کی لونڈیا نے اور کس نے۔" بنو نے جواب دیا۔

"ارے کیا کہہ رہے ہو ابھی ایک سال پہلے ہی تو اس نے کسی سے نکاح کیا تھا۔"

"ارے بھیا وہ تو تین مہینے میں ہی ٹہل گیا تھا۔" بنو نے جواب دیا۔

"ارے اچھا خاصا تگڑا آدمی تھا میں نے دیکھا تھا۔" حسین خان نے جواب دیا۔

"تھا تو! مگر ایک مہینہ میں ہی سکڑ گیا تھا۔" بنو نے جواب دیا۔

"یہ اس لونڈیا کی کون سی شادی ہے۔" حسین خان نے پوچھا۔

"کچھ یاد نہیں ہے چھٹی یا شاید ساتویں ہے۔" بنو خان نے بتایا۔

"رہتی وہیں چھپی ٹولے میں ہے؟" حسین خان نے پوچھا۔

"ہاں وہیں پر ہے۔ حمام کے مکانوں میں اور کہاں جائے گی۔" بنو خان نے بتایا۔

"اب کے کون پھنس گیا اس کے جال میں۔" حسین خان بولے۔

"ایک بات بتائیں میاں آپ برا تو نہیں مانو گے۔" بنو نے پوچھا۔

"کیوں برا کیوں مانیں گے۔ بول کیا ہے؟" حسین خان نے کہا۔

"آپ نے اس قتالہ کو دیکھا نہیں ہے اگر دیکھ لیتے تو شاید.........." بنو نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"تمہارا مطلب ہے دیکھ لیتے تو ہم بھی اس سے نکاح کر لیتے۔" حسین خان نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں! یہی مطلب ہے ہمارا۔"

"ایسی کیا بات ہے اس میں۔" میں نے پوچھا۔

"میاں کیا بتائیں شاید پورے شہر میں ایسی حسین عورت کوئی نہ ہو۔ وہ تو ہر روز ایک شادی کرے تو بھی مردوں کی کمی اس کے لئے نہ ہو۔" بنو نے جواب دیا۔

"اچھا یہ بتاؤ اس کے سب سابقہ شوہروں کو کیا ہوا تھا؟" میں نے جواب دیا۔

"ہوتا کیا ہے شادی ہوئی اور شوہر صابن کی طرح گھلنے لگا اور پھر قبرستان چلا گیا۔" بنو نے بتایا۔

"ارے کچھ تو آزار ہوتا ہوگا۔" میں نے پوچھا۔

"بظاہر تو کوئی آزار نظر نہیں آتا بس خون کی کمی اور کمزوری سے موت ہوتی ہے۔" بنو نے بتایا۔

"تو تم اس کے کسی شوہر کو جانتے ہو۔" حسین خان نے کہا۔

"جانتے تو ہم ایک کو بھی نہیں۔ بات یہ ہے کہ ہم ہیں غریب آدمی ہمارے جاننے والے بھی ہم جیسے ہیں اور اس کے شوہروں میں ذرا بڑھیا لوگ ہوتے ہیں تو ہمارا ان بڑھیا لوگوں میں کہاں اٹھنا بیٹھنا ہوتا ہے۔ اس لئے ہماری ساری معلومات سنی سنائی ہے مگر یہ ہے حقیقت۔" بنو نے بتایا۔

"سنی سنائی باتوں میں سچائی کم ہی ہوتی ہے۔" میں نے کہا۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں مگر یہ تو ہم نے سنا اور دیکھا ہے کہ وہ سال دو سال میں شادی تو کرتی ہے۔" بنو نے کہا۔

"اس کا ذریعہ معاش کیا ہے۔" میں نے پھر پوچھا۔

"حمام کی بہت دکانیں ہیں رہائش تو اندر کی طرف ہے بہت بڑا بازار ہے روڈ پر ہی اس کی دکانیں ہیں سب کی مالک وہی ہے بہت کرایہ آتا ہے۔" بنو نے جواب دیا۔

"یہ حمام کس نے بنایا تھا اور کیوں۔" میں نے پوچھا۔

''یہ تو پتہ نہیں کہ کس نے بنوایا تھا کچھ لوگ کہتے ہیں قلعہ کے باہر جو فوجیں قیام کرتی تھیں ان کے لئے یہ حمام بنایا گیا تھا۔ اکبر نے بنایا تھا یا اس سے بھی پہلے کسی نے بنایا تھا پتہ نہیں۔ قلعہ اور حمام کے درمیان ایک بہت بڑا میدان تھا اور اب تو آبادی ہوگئی ہے۔ بازار بن گئے ہیں۔ مگر شاہی زمانے میں یہ پورا میدان تھا قلعہ سے حمام کی عمارت صاف نظر آتی تھی یہ عمارت ایک منزلہ ہے اندر جگہ جگہ نہانے کے غسل خانے بنے ہوئے ہیں۔ کنوئیں موجود ہیں اور کنوئیں اس طرح کے ہیں کہ پانی اوپر تک آ جاتا ہے یہ بھی راز ہے کہ کنوئیں کا پانی اوپر تک کس طرح آتا ہے۔'' بنو نے بتایا۔

''یہ کنوئیں ختم ہوگئے کہ اب تک موجود ہیں۔'' میں نے پھر پوچھا۔

''اب صرف ایک کنواں موجود ہے اس کا پانی آج بھی قابل استعمال ہے۔'' بنو نے بتایا۔

''اچھا تم ایک کام کرو گے۔'' میں نے کہا۔

''آپ حکم تو کریں سرکار کیوں نہیں کروں گا۔'' وہ بولا۔

''تم اس عورت کے نئے شوہر کا پتہ کرو اور اس کو ہم سے ملوا دو۔'' میں نے کہا۔

''ٹھیک ہے کرتے ہیں کوئی جگاڑ۔'' بنو نے یہ کہا اور چلا گیا۔ بنو کے جانے کے بعد رولو کا نے کہا۔

''میرا خیال ہے شکر خورے کو شکر مل گئی ہے۔''

''کیا مطلب صاف صاف کہو۔'' میں نے مسکرا کر پوچھا۔

''مطلب یہ کہ شاید کام شروع ہوگیا ہے۔'' رولو کا نے کہا۔

''لگتا تو ایسا ہی ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

تین دن کے بعد آ کر بنو نے بتایا۔ ''پتہ چل گیا ہے سرکار اس کا نیا شکار فتح پور سیکری کا ایک زمیندار ہے اور اس کا نام سالار بہادر خان ہے بہت بڑا زمیندار ہے چھ فٹ کا تگڑا جوان ہے۔''

''تم نے اس سے ملاقات کی۔'' میں نے پوچھا۔

''نہیں میں اس سے کہاں ملاقات کر سکتا ہوں۔ ادھر ادھر سے پتہ چلایا ہے یہ بھی پتہ چلا ہے کہ وہ تین دن حمام میں رہتا ہے اور چار دن اپنی زمینوں پر رہتا ہے۔ وہاں پر اس کی بیوی ہے صرف ایک بچہ ہے آگرہ آیا تھا کسی کام سے یہاں پر یہ بیوہ ٹکرا گئی اور دیکھتے ہی دونوں شانے چت ہوگئے سالار بہادر خان، اور کر دی نکاح کی درخواست وہ تو جیسے تیار ہی بیٹھی تھی۔ لو جی ہوگیا نکاح۔'' بنو بولا۔

''فتح پور وہ کس دن جاتا ہے اور کب تک وہاں رہتا ہے یہ پتہ ہے تم کو۔'' میں نے کہا۔

''ہاں وہ پیر کو جاتا ہے اور جمعرات تک وہیں رہتا ہے۔'' بنو نے جواب دیا۔

''اس سے ملاقات کرنا کہاں مناسب ہوگا تمہارے خیال میں۔'' میں نے پھر پوچھا۔

''حمام میں تو ٹھیک نہیں ہوگا۔ وہ کھل کر شاید گفتگو نہ کر سکے فتح پور میں وہ آزاد ہوگا۔ آپ جو پوچھیں گے شاید بتا دے۔'' بنو نے مشورہ دیا۔

''بات تمہاری مناسب لگتی ہے۔'' رولو کا نے جواب دیا۔

''تو ٹھیک ہے! آج پیر ہے کل صبح ہی فتح پور سیکری چلتے ہیں، تم ہمارے ساتھ چلو گے۔'' میں نے کہا۔

''میں تو نوکر آدمی ہوں۔ خان صاحب سے اجازت آپ لے لیں۔'' بنو نے جواب دیا۔

یوں تو بھرت پور اور جودھپور جانے والی ہر ٹرین فتح پور سیکری ہو کر جاتی ہے مگر ہم نے بس سے سفر کرنا پسند کیا۔ فتح پور سیکری آگرہ سے پینتیس میل کے لگ بھگ ہے یہاں کی اہمیت یہ ہے کہ ایک بہت اونچی پہاڑی پر اکبر بادشاہ نے بڑے حسین محلات اور باغات بنوائے تھے۔ ہوا یہ تھا کہ اکبر کو جب پتہ چلا کہ اس کے نصیب میں اولاد نرینہ نہیں ہے تو اس نے اس بزرگ کی طرف رجوع کیا جو فتح پور کی اس پہاڑی پر رہتے تھے۔ یہ ایک

ویران پہاڑی تھی اور راجستھانی علاقہ ہونے کی وجہ سے شدید گرمی یہاں پڑتی تھی پانی بھی دور دور نہیں تھا بتانے والوں نے اس کو بتادیا تھا کہ ان بزرگ کے پاس اس کو پیدل ننگے پیر سفر کرنا ہوگا تو اکبر بادشاہ آگرہ سے جلتی ہوئی ریت پر ننگے پیر پیدل سفر کر کے فتح پور پہنچا اور حضرت سلیم الدین چشتی کی دعا سے اکبر بادشاہ کی چہیتی بیوی جودھابائی سے شہزادہ سلیم پیدا ہوا جس نے اکبر کے بعد جہانگیر کے نام سے حکومت کی۔

بس کا دو گھنٹے کا سفر تھا کیونکہ ہر گاؤں پر رکتی تھی سواریاں اتارتی چڑھاتی بڑے آرام سے چلتی تھی۔ بس نے جہاں ہم کو اتارا وہیں سے بلند دروازے کی سیڑھیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ یہ سیڑھیاں پہاڑی کو کاٹ کر بنائی گئی ہیں سیڑھیاں ختم ہوتے ہی بلند دروازے کے نیچے پہنچ جاتے ہیں یہ دروازہ حضرت سلیم الدین چشتی کے مزار کا مین دروازہ ہے۔ اس کو بلند دروازہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ ہندوستان بھر میں اس سے اونچا دروازہ اور کہیں نہیں ہے۔ مگر ہم کسی اور ہی کام سے آئے تھے۔ اس لئے اس طرف نہیں گئے۔

بنو نے کسی سے سالار بہادر خان کا پتہ کیا تو پتہ چلا کہ اس کی رہائش ابھی اور آگے ہے۔ تانگے کھڑے تھے ایک تانگا پکڑا اور اس طرف روانہ ہوئے۔ بیس پچیس منٹ میں ہم گاؤں کے اندر تھے اور ایک حویلی کے سامنے موجود تھے۔ بنو کو تانگے میں چھوڑا میں اور رولو کا دروازے کی طرف چلے۔ دروازے پر ایک تگڑا سا لٹھ بند کھڑا مونچھوں کو بلاوجہ مروڑے جا رہا تھا۔ ہم اس کے سامنے کھڑے ہو گئے تو اس نے اپنے پسندیدہ کام سے فراغت پائی اور بولا۔

''کا ہے تھاڑا ہے رے کا کام ہے۔''

میں نے کہا۔ ''زمیندار سالار بہادر سے ملنا ہے یہ کام ہے۔''

''اچھا بتلا دیں گے کہاں سے آئے ہو۔'' وہ بولا۔

''دلی سے آئے ہیں کام ضروری ہے۔'' میں نے کہا۔

''ٹھیک ہے تھاڑے رہو ہم آوت ہیں۔'' اور وہ حویلی کے بڑے گیٹ میں داخل ہو گیا۔ اور کچھ ہی دیر میں پلٹ کر آیا اور بولا۔

''جاؤ بھیا اندر جاؤ۔'' اور اس نے گیٹ کھول دیا۔

گیٹ کے اندر کی طرف ایک آدمی اور کھڑا تھا وہ بولا۔ ''آؤ جی مارے ساتھ آؤ۔'' اور وہ آگے آگے چلا۔

حویلی بہت بڑی تھی۔ طرز تعمیر مغلیہ تھی۔ آخری سرے پر اس نے ہم کو ایک دوسرے آدمی کے حوالے کر دیا اور وہ ہم کو ایک دروازے کے سامنے کھڑا کر کے اندر چلا گیا اور فوراً ہی واپس آ کر ہم کو اندر آنے کا اشارہ کیا۔ یہ ایک بہت بڑا کمرہ تھا اس میں قدیم اور جدید دونوں طرز کا فرنیچر بڑے قرینے سے رکھا تھا۔ اس وسیع و عریض کمرے کے فرش پر بڑا دبیز قالین پڑا ہوا تھا۔ کھڑکیوں پر دیوار کے رنگ سے میل کھاتے پردے پڑے تھے۔ دیواروں پر مختلف جانوروں کے سر سجے ہوئے تھے۔ کمرے میں روشنی کا انتظام کچھ اس طرح تھا کہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ روشنی کہاں سے آ رہی ہے۔

سامنے ہی ایک چھپر کھٹ پڑا تھا۔ اس چھپ کھٹ سے سنہری اور سرخ رنگ کی جھالر لٹک رہی تھی اور سرخ رنگ ہی کا بستر پڑا ہوا تھا۔ کنارے پر گاؤ تکیہ رکھے ایک شخص ان کے سہارے بیٹھا تھا۔ چھپر کھٹ کے اطراف میں نہایت آرام دہ خوبصورت صوفے پڑے تھے۔

ہمارے اندر آتے ہی وہ شخص اپنی جگہ سے اٹھا اور ہاتھ ہلا کر بولا۔

''آیئے تشریف رکھیے۔'' میں نے اور رولو کا نے اس کی طرف غور سے دیکھا۔ وہ واقعی مرد حسن کا ایک نادر نمونہ تھا۔ اس کے بال بھورے تھے آنکھیں کرنجی تھیں اور خدوخال ایرانی معلوم ہوتے تھے اس کا سینہ چوڑا یونانی لگتا تھا اور اس کا قد سرحد کے پٹھانوں جیسا تھا صرف کلر اس کا گندمی تھا مگر سرخی اس کے گالوں سے جھلکتی تھی۔ وہ بھی خاموشی سے ہماری ہی طرف دیکھ رہا تھا اور شاید

انداز سے لگا رہا تھا وزن کر رہا تھا۔ میں نے اپنا اور رولو کا تعارف کرایا تو بولا۔

"آپ لوگ اتنی دور سے تشریف لائے یہ میری عزت افزائی ہے مگر کیوں یہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔ نہ میں بیمار ہوں اور نہ ہی کسی معالج کی ضرورت ہے۔" سالار بہادر نے کہا۔

"آپ کی حیرت بجا ہے بات یہ ہے کہ ہم دونوں دوست سیلانی طبیعت کے ہیں جدھر منہ اٹھتا ہے چل پڑتے ہیں آگرہ آنا ہوا اور وہیں سے آپ کے پاس آ گئے۔" میں نے کہا۔

"مجھ تک آنے کی زحمت کیوں اٹھائی یہی تو پتہ نہیں چل رہا۔" وہ بولا۔

"ہم آپ کے پاس پروگرام بنا کر آئے ہیں اچانک نہیں آئے ہیں آپ اور ہم پہلی بار ملاقات کر رہے ہیں۔ یہ بات درست ہے مگر بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے۔ ہم آپ کے لئے اجنبی ضرور ہیں مگر آپ ہمارے لئے اجنبی نہیں ہیں ہم نے آپ کے بارے میں تھوڑی بہت جاسوسی بھی کی ہے مگر اس کی ضرورت تھی آپ برا نہ مانیں ہم دونوں آپ کا معائنہ کرنا چاہتے ہیں اس کے بعد میں آپ کو بتاؤں گا کہ یہ کیوں ضروری تھا۔" میں نے بات ختم کی تو وہ بولا۔

"مگر میں تو تندرست ہوں کسی قسم کی بیماری میں مبتلا نہیں ہوں۔" وہ حیرت سے بولا۔

"مگر چند روز ہی میں آپ مبتلا ہونے والے ہیں۔" میں نے کہا۔

"میں نے اپنی زندگی میں ایسا معالج نہیں دیکھا جو بیماری آنے سے پہلے بتا دے کہ بیماری آ رہی ہے۔"

"درست فرمایا آپ نے اور یہ سن کر آپ اور زیادہ حیران ہوں گے کہ ہم بھی ایک ایسے مریض کے پاس آئے ہیں جو بیمار ہونے والا ہے۔" میں نے کہا۔

"بات ہے تو حیرانی کی۔" سالار بہادر نے کہا۔

"تو پھر آپ اجازت دیں کہ ہم اپنا کام کریں اس کام کا آپ کو کوئی معاوضہ نہیں ادا کرنا ہے۔"

"آپ حیران پر حیران کرتے جا رہے ہیں۔ آپ کو کسی قسم کا لالچ نہیں تو پھر آپ نے کیوں اتنی زحمت کی آگرہ سے چل کر آئے میرا تو دماغ کچھ قبول نہیں کر رہا ہے۔" وہ بولا۔

"آپ ایک صاحب عقل اور فہمید انسان ہیں مگر حیات انسانی کے ساتھ بہت بڑے بڑے دھوکے اور فریب بھی ہیں کچھ پر اسرار قسم کی چیزیں انسان کو فریب دیتی ہیں اور اپنے کام نکالتی ہیں۔ ان پر اسرار باتوں پر کچھ لوگ تو یقین کرتے ہیں اور بچاؤ بھی کرتے ہیں۔" میں نے اپنی بات پوری کی تو وہ بولا۔

"میں ان توہمات پر یقین نہیں کرتا۔ میں سمجھتا ہوں انسان کو سب سے زیادہ طاقتور پیدا کیا گیا ہے۔" سالار بہادر نے کہا۔

"آپ کی بات بے شک درست ہے مگر انسانی کمزوریاں بھی کچھ ہیں۔ وہ کمزوریاں ہی انسان کو اس قابل نہیں چھوڑتیں کہ وہ مقابلہ کر سکے۔"

"میرے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں۔" سالار نے کہا۔

"زیادہ نہیں صرف یہ کہ یہاں پر آپ ایک بھرپور ازدواجی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اس کے باوجود آپ نے ایک دھوکا کھایا اور آپ شہر آگرہ کے حمام کی رہنے والی ایک حسین صورت سے دھوکا کھا گئے۔ آپ اس کے بارے میں کیا جانتے ہیں۔" میں نے پوچھا۔

"وہ ایک بیوہ عورت ہے اور جوان ہے اس لائق ہے کہ کسی کا گھر آباد کر دے۔" سالار نے جواب دیا۔

"اس کے پہلے شوہروں کی موت کس طرح ہوئی کون سی بیماری تھی اور اتنی جلدی شادی کے بعد وہ کیسے مر گئے۔ آپ کو پتہ ہے۔" میں نے پوچھا۔

"میں نے زیادہ کرید نہیں کی۔" سالار نے جواب دیا۔

"کرنا تھی جو کہ آپ نے نہیں کی.... ہم آپ کا

معائنہ اسی لئے کرنا چاہتے ہیں کہ آپ بھی اس کے سابقہ شوہروں والی بیماری میں مبتلا نہ ہو جائیں اور اگر کچھ جراثیم آ گئے ہیں تو ان کو ختم کر دیا جائے آپ ہماری بات کا برا نہ مانیں تو یہ آپ کی زندگی کے لئے ضروری ہے آپ ہم کو بے شک خدائی فوجدار تصور کریں مگر جب بات صاف ہو گی تو آپ خود حیرت کے سمندر میں ڈوب جائیں گے۔ یہ زندگی کے کھیل ہیں آپ بھی اس کھیل کے کھلاڑی ہیں اور کھلاڑیوں کو چوٹیں لگتی رہتی ہیں، ریفری کو چوٹ نہیں لگتی وہ سیٹی بجاتا رہتا ہے آپ یہی سوچیں کہ ہم دونوں ریفری ہیں ہماری سیٹی پر توجہ دیں گے تو اچھا ہے نہ توجہ دیں گے تو کھیل سے باہر کر دیئے جائیں گے جس طرح آپ کی زوجہ کے پہلے خاوند کر دیئے گئے، میری بات زیادہ الجھی ہوئی نہیں ہے ذرا سا غور کریں۔'' میں نے کہا۔

سالار بہادر چند منٹ کے لئے خاموش ہو گیا۔ گردن جھکائے غور کرتا رہا۔ پھر بولا۔ ''بات اب تک پوری طرح میری سمجھ میں نہیں آئی ہے مگر میں معائنہ کرانے پر راضی ہوں۔''

''آپ نے اچھا فیصلہ کیا ہے۔'' میں نے کہا اور میں اس کے قریب چلا گیا۔ رولوکا بھی قریب آ گیا۔ میں نے سالار کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا۔

''جو سوال میں کروں اس کے جوابات آپ ٹھیک ٹھیک دیتے جائیں۔'' اور میں اس کی ازدواجی زندگی کے بارے میں سوالات کرتا گیا۔ میں نے سوالات میں یہ توازن رکھا کہ دونوں بیویوں کے بارے میں ہوں اس سے اس کو خود اپنی حالت کا اندازہ ہوتا جائے اور وہ خود فرق محسوس کرے اس کے بعد میں نے اس کا جسمانی معائنہ کیا۔ رولوکا نے کئی جگہ گردن ہلا کر اشارہ کیا اور رولوکا نے کہا۔

''سالار صاحب بے شک آپ اس وقت کسی بیماری میں مبتلا نہیں ہیں مگر آثار بتا رہے ہیں کہ آپ کا خون بہت تیزی سے گرم ہو رہا ہے اس سے آپ کی طبیعت میں اشتعال بڑھ رہا ہے۔ صرف ایک ماہ کے بعد آپ کمزوری کا شکار ہو جائیں گے۔''

''دیکھئے صاحب میں نے آپ کی بات مان لی معائنہ کرا لیا سوالات کے جوابات بھی دے دیئے مگر میں اب اس سے زیادہ برداشت نہیں کر سکتا۔ کسی علاج کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ لوگ بے شک میرے مہمان ہیں قابل احترام ہیں میں آپ کی خدمت کروں گا مگر اب اس موضوع پر بات نہیں ہو گی۔'' سالار نے دوٹوک جواب دے دیا۔

''ٹھیک ہے سالار صاحب شکریہ آپ کا کہ آپ نے ہمیں وقت دیا اب ہم چلتے ہیں ہم آگرہ میں موجود ہیں اور صرف ایک ماہ تک ہیں اگر ضرورت محسوس کریں تو رابطہ کر لیں ہم ہر خدمت کو تیار ہیں۔''

اور ہم دونوں کھڑے ہو گئے۔ ''نہیں نہیں آپ لوگ کھانا وغیرہ کھا کر جائیں گے۔'' وہ بولا۔

''ہم نے اپنا فرض ادا کیا ہے کسی پر احسان نہیں کیا۔ رہی کھانے کی بات تو پھر کبھی کھا لیں گے۔''

اور ہم حویلی سے باہر آ گئے۔ باہر تانگہ کھڑا تھا ہم تانگے کی طرف بڑھے تو سالار بہادر نے آواز دی ہم دونوں ٹھہر گئے وہ ہمارے قریب آ گیا اور بولا۔ ''آپ حضرات ناراض ہو کر جا رہے ہیں یہ بات میرے لئے ڈوب مرنے کی ہے میں آپ کی کوئی خدمت بھی نہیں کر سکا۔''

''نہیں آپ کا خیال درست نہیں ہے۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''میرا اندازہ ہے مگر میں آپ سے آگرہ میں ملاقات ضرور کروں گا۔'' وہ بولا۔

''ہم آپ کا انتظار کریں گے۔'' میں نے کہا۔

''آگرہ میں آپ کا قیام کہاں ہے؟'' سالار نے پوچھا۔ میں نے بنو کو اشارہ کیا اس نے آ کر پتہ بتایا اور ہم بس اسٹینڈ کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں رولوکا نے بتایا۔ ''تین دن کے بعد یہ آئے گا......''

رولوکا کی بات میں بڑی گہرائی تھی وہی ہوا جو تھے

روز ہی سالار بہادر ہمارے پاس آ گیا۔ میں نے خیریت پوچھی تو بولا۔ ''میں شرمندہ ہوں حکیم صاحب میں نے آپ کی بات پر توجہ نہیں دی۔'' سالار نے کہا۔

''اس بات کو چھوڑیں یہ بتائیں آپ کی طبیعت کیسی ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''گرمی کی شکایت ہے، ٹھنڈے مشروبات استعمال کرتا ہوں مگر ہر وقت گرمی لگتی رہتی ہے۔ گاؤں میں رہنا مشکل ہو رہا ہے ہر وقت حمام جانے کی خواہش ہوتی ہے اور کمزوری بہت معلوم ہونے لگی ہے کوئی ایسی دوا دیں کہ گرمی کی شکایت اور اشتہا کم ہو اور بھی دنیا میں کام ہیں ذمہ داریاں ہیں ہر وقت زوجہ کے پاس تو آدمی نہیں رہ سکتا۔'' سالار نے ڈھکے چھپے الفاظ میں اپنی کیفیت بیان کر دی تو میں نے کہا۔

''ہمارے اندازوں کے عین مطابق آپ ہمارے پاس آئے ہیں اور وہی کیفیت بیان کر رہے ہیں جس کا ہم کو اندازہ تھا آپ فکر نہ کریں ٹھیک ہو جائیں گے علاج مشکل تو ضرور ہے مگر اس میں آپ کا تعاون ضروری ہے کیونکہ پرہیز جو بتایا جائے گا اس پر آپ کو عمل کرنا ہوگا۔ آپ کی بد پرہیزی آپ کے لئے سخت نقصان دہ ہوگی۔ بتائیں آپ اس پر راضی ہیں۔'' میں نے پوچھا۔

''میں ہر بات پر غور کر کے آپ کے پاس آیا ہوں آپ جو کچھ کہیں گے میں وہی کروں گا۔'' سالار نے جواب دیا۔

''میرے دوست حکیم آنے والے ہیں ان کا مشورہ ضروری ہے۔'' اور چند منٹ کے بعد ہی رولوکا آ گیا۔

آتے ہی بولا۔ ''آپ حمام نہیں جائیں گے اور زوجہ کو حمام سے باہر آنے کا کہیں گے۔''

''مگر وہ حمام سے کبھی باہر نہیں جاتیں میرے ساتھ دو چار دفعہ گئی ہیں تو بہت سخت پردے میں گئی ہیں۔ پردے کی سخت پابند ہیں۔'' سالار نے بتایا۔ ''وہ نہ صرف اپنے جسم کو بلکہ ہاتھ پیروں کو بھی لوگوں کی نگاہوں سے چھپا لیتی ہیں اس کی وجہ آپ کو پتہ ہے۔'' رولوکا نے پوچھا۔

''میں تو ان کو پردہ نشین ہی خیال کرتا ہوں۔'' سالار نے کہا۔

''اتنی سخت پردہ نشینی اس لئے ہے کہ کوئی ان کو پہچان نہ سکے۔'' رولوکا نے بتایا۔

''کیوں پہچانے جانے میں اتنی بڑی کیا خرابی ہے۔'' سالار نے پھر پوچھا۔

''کیونکہ وہ جس جون میں زندگی کے مزے لوٹ رہی ہیں وہ ان کی اصل نہیں ہے۔ ان کو کوئی نظر رکھنے والا انسان پہچان جائے گا کہ ان کی اصلیت کیا ہے۔'' رولوکا نے بتایا۔

''قبلہ آپ حیران کن گفتگو فرما رہے ہیں میرے جذبۂ تجسس کو آپ نے دو چند کر دیا ہے۔ صاف صاف فرمائیں معاملہ کیا ہے۔''

''میں ابھی آپ کو نہیں بتاؤں گا خود میرا ذہن صاف نہیں ہے ایک ہفتہ کے بعد آپ کو سب کچھ پتہ چل جائے گا اس وقت صرف یہ بتا سکتا ہوں کہ آپ رات ہرگز حمام میں نہ گزاریں اور گاؤں میں بھی بیگم سے دور رہیں دن میں آپ حمام جا سکتے ہیں اور بیگم کو باہر لے جانے کی کوشش کر سکتے ہیں مجھے امید ہے کہ وہ اس پر راضی نہیں ہوں گی مگر آپ کو کوشش کرنا ہے۔''

سالار کے جانے کے بعد میں نے پوچھا۔ ''تم نے کیا کھوج نکالا ذرا بتاؤ تو سہی۔''

''میرا اندازہ ٹھیک تھا وہ انسان نہیں ہے میں حمام میں جاتا رہا اور میں نے دیکھ لیا کہ وہ ایک ناگن ہے جو انسانی جون میں ہے۔'' رولوکا نے بتایا۔

''ناگن انسانی شکل میں ذرا وضاحت تو کرو۔''

''سانپوں کی ایک خاص نسل ایسی ہے کہ وہ ایک خاص مدت تک غاروں پہاڑوں کی چوٹیوں پر یا کسی بھی ایسے مقام پر رہتی ہے جہاں انسان تو انسان کوئی جانور بھی مداخلت نہ کرے۔ ایک وقت آتا ہے کہ وہ اپنی جون

بدلنے پر قادر ہو جاتی ہے اور پھر وہ انسانی شکل اختیار کر لیتی ہے اصل تو اس کی سانپ ہی ہے انسانی شکل میں آنے کے بعد بھی زہریلے اثرات اس میں موجود رہتے ہیں اور وہی اثرات موت کا باعث ہوتے ہیں اگر نر سانپ جون بدل کر آدمی کی شکل اختیار کر لیتا ہے تو وہ کسی عورت سے نہیں مل سکتا اگر ملے گا تو عورت زیادہ دن زندہ نہیں رہے گی اور اگر مادہ سانپ جون بدلے گی تو عورت کا روپ اختیار کرے گی وہ بھی جس آدمی سے ملے گی وہ بھی چند دن کا مہمان ہوگا۔'' رولو کا نے بتایا۔

''میں نے تو سنا ہے کہ ناگن اور ناگ کا جوڑا ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے ہیں ناگ مر جائے تو ناگن اس کا انتقام لیتی ہے اور ناگن مر جائے یا اس کو کوئی مار دے تو ناگ انتقام ضرور لیتا ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''یہ سب دیو مالائی کہانیاں ہیں۔ سانپوں میں ایک نر کسی مادہ کا زندگی بھر اسیر نہیں رہتا۔ ان کا ملاپ سیزن میں ضرور ہوتا ہے اس کے بعد یہ اپنی اپنی راہ چلے جاتے ہیں مادہ کسی غار میں انڈے دیتی ہے اور بچے پالتی ہے۔ نر سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ مگر جو اِچھادھاری ناگ ناگن ہیں وہ ایک دوسرے کی مدد ضرور کرتے ہیں۔'' رولو کا نے بتایا۔

''اِچھا دھاری ناگ ناگن یہ کوئی نئی قسم ہے سانپوں کی۔'' میں نے پوچھا۔

''یہ وہی سانپ ہیں جو دنیا سے دور گپھاؤں میں تپسیا کرتے ہیں پھر ان کو اتنی شکتی مل جاتی ہے کہ وہ اپنی جون تبدیل کر سکیں۔'' رولو کا نے کہا۔

''یہ ناگن جو جون بدل کر رہتی ہے اس کی عمر کا اندازہ تم نے کیا لگایا ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''یہ بات تو میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ اس کی عمر سو سال سے زیادہ ہے۔'' رولو کا بولا۔

''تم نے حمام میں اس کو دیکھا ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''خوب دیکھا ہے اس نے عورت کا جو روپ اختیار کیا ہے وہ بے حد حسین ہے وہ زیادہ سے زیادہ پچیس سال کی لگتی ہے اس کا جسم کسی بھی انسان کو پاگل کر دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ مگر چوبیس گھنٹے میں ایک وقت ایسا ضرور آتا ہے کہ وہ اپنی اصلی شکل میں آجاتی ہے۔ وہ اس اصلی شکل کے ساتھ قلعہ میں جاتی ہے اور پھر واپس حمام آجاتی ہے۔'' رولو کا نے بتایا۔

''وہاں کیا کرنے جاتی ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''حمام اور قلعہ کے درمیان دو میل کا میدان ہے یہ میدان ہموار نہیں ہے اس پر تیز رفتار گھوڑا بھی تیز نہیں دوڑ سکتا سانپ بھی تیز نہیں دوڑ سکتا کیونکہ جگہ جگہ ٹیلے ہیں کانٹے دار جھاڑیاں ہیں۔ ان جھاڑیوں میں نیولے بھی ہیں مگر یہ ہر روز وہ میدان عبور کر کے قلعہ میں جاتی ہے۔'' رولو کا نے بتایا۔

''کس طرح جاتی ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''تم کو سن کر حیرت ہوگی کہ حمام سے قلعہ تک ایک سرنگ بنی ہوئی ہے۔ یہ سرنگ کیوں بنائی گئی تھی ٹھیک ٹھیک جواب تو شاید کوئی نہ دے سکے مگر اندازہ یہ ہے کہ قلعہ دریا کے عین کنارے پر تھا اور حمام دو میل دور تھا حمام میں اس سرنگ کے ذریعہ پانی پہنچایا جاتا ہوگا۔ اب یہ سرنگ بھی بند ہو چکی ہے مگر اتنی گنجائش تو اس میں ہے کہ ایک سانپ گزر جائے۔'' رولو کا نے بتایا۔

''اور جانے کی وجہ کیا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''اس سرنگ کے آخری سرے پر خندق ہے کسی زمانے میں یہ پانی سے پر ہوتی تھی مگر اب صرف جھاڑیاں اور گھاس سے بھری ہوئی ہے۔ وہاں پر اسی نسل کے سانپوں کا ڈیرہ ہے یہ وہاں جاتی ہے۔ وہاں پر اس کی بڑی عزت ہے کیونکہ یہ اِچھادھاری ناگن ہے اس کا حکم سب مانتے ہیں اور سب سانپ اس کا کہا مانتے ہیں۔'' رولو کا نے بتایا۔

''اس کا مطلب ہوا تم نے پوری تحقیقات کر لی ہے۔'' میں نے کہا۔

''میں نے آتے ہی اپنا کام شروع کر دیا تھا۔''

رولوکا نے بتایا۔

''اب کیا پروگرام ہے۔''میں نے پوچھا۔

''میں نے پتہ کرلیا ہے اور دیکھ بھی لیا ہے کہ وہ رات ایک بجے کے بعد اپنی اصل جون میں آ جاتی ہے اور سرنگ کے راستے خندق میں چلی جاتی ہے وہاں پر حکومت کرتی ہے احکامات دیتی ہے سزائیں سناتی ہے اور وہی کرتی ہے جو کہ ایک سربراہ کرتا ہے مگر اذانوں سے پہلے ہی واپس حمام میں آ جاتی ہے اور اپنا روپ بدل لیتی ہے۔''رولوکا نے بتایا۔

''اور جب رات میں اس کے پاس سالار ہوتا ہے تو اس وقت یہ کس طرح جاتی ہے۔''میں نے پوچھا۔

''یہ اپنے ہر شوہر کو اور اب سالار کو بھی بارہ بجے تک سلا دیتی ہے۔ اچھا دھاری ناگن بہت طاقتور ہوتی ہے اس کے پاس کچھ شکتیاں بھی ہوتی ہیں وہ بوقت ضرورت ان سے کام لیتی ہے وہ سالار کو اس طرح سلاتی ہے کہ جب تک وہ خود نہ آئے اس کی نیند ختم نہیں ہوتی۔ اس طرح وہ اپنے دونوں کردار بڑے اطمینان سے نبھا رہی ہے۔ مگر آج رات کے بعد وہ صرف ایک کردار نبھائے گی۔''رولوکا نے بتایا۔

''وہ کس طرح۔''میں نے پوچھا۔

''میں نے ایسا بندوبست کردیا ہے کہ اس کے جون بدلتے ہی وہ صرف ایک ناگن رہ جائے گی دوبارہ انسانی شکل اختیار نہیں کر سکے گی اس کو اس کا پتہ اب تک نہیں ہے اور پتہ اس کو اس وقت چلے گا جب وہ اپنی اصل شکل میں آ جائے گی۔ ہر جگہ پر مخلوق کے لئے کچھ قاعدے اور قانون رب کائنات نے بتائے ہیں۔ سانپ کی ریاضت یا تپسیا کے صلے میں اس کو یہ طاقت دی جاتی ہے کہ وہ کسی روپ میں خود کو ڈھال سکے مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ بنی نوع انسان کو تنگ کرے ان کو پریشانیوں میں مبتلا کرے اگر وہ ایسا کرتا ہے تو اس کی یہ خصوصی رعایت ختم کردی جاتی ہے اور اس نے جو کچھ کیا ہوتا ہے اس کی سزا اس کو دی جاتی ہے۔ یہ بات شاید یہ ناگن بھول گئی تھی اس نے اپنی عیاشی کا سلسلہ بہت طویل کردیا حمام میں آنے سے پہلے یہ دوسرے شہروں میں بھی یہی کرتی رہی ہے۔ ہر جگہ پر یہ ایک حسین عورت کے روپ میں نمودار ہو کر کڑیل جوانوں کو ختم کرچکی ہے۔ ایک دو دفعہ اس پر شبہ بھی ہوا۔ مگر یہ روپ بدل کر کسی اور مقام پر چلی گئی اور پھر نئے روپ میں نمودار ہوگئی۔'' رولوکا نے بتایا۔

''تم نے یہ سب معلومات کہاں سے حاصل کرلیں۔''میں نے پوچھا۔

''یہ صرف ایک ناگن ہے اس نے اپنی عیاشی کو ہی اپنا دائرہ کار بنایا ہوا ہے یہ تو تم مانتے ہو کہ انسانوں کے ساتھ ساتھ جانوروں میں بھی اقتدار کی جنگ ہوتی ہے۔ ایک شیر اپنے علاقے میں دوسرے شیر کو برداشت نہیں کرتا۔ اسی طرح جنگل کا ہر جانور اپنی راج دھانی قائم کرتا ہے اور اقتدار کو قائم رکھنا چاہتا ہے اس کے لئے وہ جنگ بھی کرتا ہے اور اپنی جان تک کی پرواہ نہیں کرتا۔ یہ ناگن جب حمام میں روپ بدل کر آ گئی تو اپنی جبلت کے مطابق اس کو اپنے ساتھیوں کی تلاش ہوئی اور وہ اس تلاش میں خندق میں پہنچ گئی، وہاں پر پہلے سے ایک سردار موجود تھا مگر وہ اچھا دھاری نہیں تھا۔ ناگن اس سے زیادہ طاقتور تھی، اس لئے سردار نے اس کو اپنا سردار مان لیا اور ناگن ان پر راج کرنے لگی مگر رقابت سردار کے دل میں رہی وہ کچھ نہیں کرسکتا تھا مگر اندر سے ناگن سے نفرت ضرور کرتا تھا۔

میں نے اس سے رابطہ کیا تو وہ تیار ہی بیٹھا تھا میں نے اس کو یقین دلایا کہ تم ہی سردار ہو میں تمہاری مدد کروں گا، تم مجھے بتاؤ تو پھر اس نے اس اچھا دھاری ناگن کے حالات مجھے بتائے۔ آج وہ اپنے پروگرام کے مطابق خندق میں جائے گی اور پھر حمام میں واپس جب آئے گی تو اس کا استقبال سوتا الو کرے گا اور چند منٹ ہی میں وہ اس کے پیٹ میں ہوگی۔''رولوکا نے تفصیل بتائی۔

''اس کو کب پتہ چلے گا کہ وہ اب واپس انسانی

شکل اختیار نہیں کرسکتی۔'' میں نے پوچھا۔

''حمام واپس آ کر وہ اپنا روپ بدلتی ہے اسی وقت اس کو پتہ چلے گا۔'' رولوکا نے بتایا۔

مگر ایسا نہیں ہوا، ناگن حمام سے خندق گئی اور پھر حمام واپس نہیں آئی۔ میں نے پہلی دفعہ رولوکا کے اندازے کو غلط ہوتے دیکھا۔ میں نے پوچھا تو رولوکا نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''میں مانتا ہوں میرے اندازے سے زیادہ وہ چالاک نکلی ہے مگر میں اس سے پریشان نہیں ہوں۔ کیونکہ اس کی ساری طاقت سلب ہوچکی ہے وہ ایک زمین پر رینگنے والی عام سی ناگن بن گئی ہے۔ جس کو کوئی بھی پیر سے کچل سکتا ہے۔'' رولوکا نے بتایا۔

''مگر وہ ایک چالاک عمر رسیدہ اور تجربہ کار ہے اس سے ہوشیار رہنا ہی ہوگا۔'' میں نے کہا۔

''آپ نے ٹھیک کہا۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

☠ ☠ ☠

ناگن بھاگ گئی اور بھاگتی ہی چلی گئی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اس کا دشمن اس سے زیادہ طاقتور ہے۔ اس نے جمنا کو پار کیا اور اس جنگل میں چلی گئی جہاں پر چمپا کے درخت بے حساب تھے یہ ایک ایسا جنگل ہے جہاں پر لوگ جانا نہیں چاہتے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ علاقہ چمپا کی خوشبو سے مہکتا رہتا ہے اس کی خوشبو سانپوں کو بہت پسند ہے ہر درخت پر سانپ لٹکتے نظر آتے ہیں یہ علاقہ جمنا پار کہلاتا ہے دریا چڑھتا ہے تو یہ جنگل ڈوب جاتا ہے مگر اترنے پر پھر نمودار ہوجاتا ہے اس علاقے کے کسان بھی اس طرف نہیں جاتے۔ رات میں صرف جمنا پار کی خوشبو سونگتے ہیں۔ ہندو جو سانپوں کی پوجا کرتے ہیں وہ بھی وہاں نہیں جاتے کیونکہ سانپ اپنے پجاریوں کو بھی نہیں چھوڑتے۔

ناگن نے جو جگہ رہنے کو پسند کی وہ بہت ٹھیک تھی اس سے بہتر پناہ گاہ اس کو اور کہیں نہیں مل سکتی تھی۔

مگر بدنصیبی اس کی یہ تھی کہ اس کا واسطہ رولوکا سے پڑ گیا تھا۔ رولوکا نے کوئی جلدی نہیں کی اور نہ ہی اس کا پیچھا کیا۔ ہم لوگ آگرہ شہر کی سیر کرتے رہے اور فتح پور سیکری چلے گئے۔

سالار بہادر ہم کو دیکھ کر بہت خوش ہوا بولا۔

''میں تو روز آپ کا انتظار کرتا تھا۔''

میں نے پوچھا۔ ''آپ یہ بتائیں آپ کی صحت کیسی ہے۔''

''میں اب ٹھیک ہوں گرمی کی شکایت بھی نہیں ہے اور نارمل زندگی گزار رہا ہوں۔ آپ بتائیں اس ناگن کا کیا ہوا۔''

رولوکا نے جواب دیا۔ ''وہ حمام نہیں آئی تھی خندق سے بھاگ گئی تھی اور بھاگ کر جمنا پار چمپا کے جنگل میں روپوش ہے مگر اس کا راز کھل چکا ہے اور اس کی طاقت جو جون بدلنے کی تھی ختم ہوچکی ہے اس لئے وہ صرف ایک ناگن ہے اس کو کوئی بھی سپیرہ پکڑ سکتا ہے وہ یہ بات جانتی ہے اس لئے چھپی ہوئی ہے مگر آپ فکر نہ کریں یہ بھی چند دن کی بات ہے۔'' رولوکا نے بات ختم کی تو سالار نے کہا۔

''میرا خیال ہے آپ کے بعد میں ہی اس کا دشمن ہوں کیونکہ میں اس کے حملے سے بچ گیا ہوں۔''

''وہ آپ تک آنے کی ضرور کوشش کرے گی وہ مجھ تک اس لئے نہیں آئے گی کہ میں اس کا مقابلہ کرلوں گا اس کو آپ ہی آسان شکار نظر آئیں گے مگر میرا اندازہ ہے وہ اتنی جلدی کچھ نہیں کرے گی۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''یہ بات بھی تو خطرناک ہے کہ مجھ پر حملہ کرسکتی ہے۔'' سالار نے کہا۔

''میں آپ کے پاس اسی لئے آیا ہوں کہ اس کے وار کا انتظار کروں۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''میرے نصیب اچھے ہیں کہ آپ جیسے ہمدرد مجھے میسر آگئے ہیں۔'' سالار نے ممنونیت کے لہجے میں کہا۔

یہ قدرت کا انتظام ہے اس میں ہمارا کیا حصہ ہے

ہم کو وہیں پر پہنچا دیا جاتا ہے جہاں ہماری ضرورت ہوتی ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''میرے لئے تو یہ بھی خوشی کی بات ہے کہ آپ لوگ میرے غریب خانے پر رہیں گے۔'' سالار نے کہا۔

''ہمارا رزاق جہاں پر ہوتا ہے ہم پہنچ جاتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

آٹھ روز تک خیریت رہی نویں روز رولوکا نے بتایا ناگن دریا جمنا پار کر کے ہماری طرف آ گئی ہے۔

''تو تم نے کیا بندوبست کیا ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''میرے پہریدار اس کے سر پر ہیں میں خود یہ چاہتا ہوں کہ وہ یہاں خود چل کر آئے۔'' رولوکا نے بتایا۔

''مگر وہ تمہاری موجودگی میں کیوں آئے گی۔'' میں نے کہا۔

''میں اس کی نظروں سے روپوش ہوں اور اس کی خفیہ طاقت ختم ہو چکی ہے وہ سالار کو اکیلا سمجھ کر ہی جمنا پار کر کے آئی ہے۔ اس میں اب صرف اتنی ہی طاقت ہے جتنی کسی بھی کوبرا ناگ میں ہوتی ہے۔

اب اس کو کوئی بھی ہوشیار سپیرہ گرفتار کر کے پٹاری میں قید کر سکتا ہے اس کا زہر نکال سکتا ہے۔'' رولوکا نے بتایا۔

''مگر اس کے سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت تو عام ناگ سے زیادہ ہی ہوگی۔'' میں نے کہا۔

''یہ بات آپ کی کسی حد تک درست ہے مگر وہ عملی طور پر وہی کر سکے گی جو ایک رینگنے والا سانپ کر سکتا ہے۔'' رولوکا نے کہا۔

''سالار کی حفاظت تو ضروری ہو گئی ہے۔'' میں نے کہا۔

''اس کا انتظام میں نے پورا کر دیا ہے الوا س کے اوپر ہے مگر اس کو پکڑنے کا حکم نہیں ہے ناگن کی ہر حرکت میری نظر میں ہے وہ سالار کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔'' رولوکا نے کہا۔

''مگر یہ ڈھیل اس کو کیوں دے رہے ہو۔'' میں نے پوچھا۔

''اس نے انسانوں کے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ اپنی طاقت کا غلط استعمال کیا ہے میں اس کو بھی ایسی ہی سزا دینا چاہتا ہوں۔'' رولوکا نے بتایا۔

اور اچانک رولوکا نے کسی اجنبی زبان میں کچھ کہا۔

میں نے پوچھا۔ ''تم نے کچھ کہا ہے۔''

''ہاں میں نے الو کو کہہ دیا ہے کہ اس کو اٹھا لو اور حفاظت سے میرے پاس پہنچا دو ابھی چند منٹ میں ناگن تمہارے سامنے ہوگی۔'' رولوکا بولا۔

اور واقعی ایسا ہوا ایک کالے رنگ کی نہایت چمکیلی ناگن دھب سے ہمارے سامنے گری اور اپنا آدھا دھڑ اٹھا کر سامنے آ گئی۔ رولوکا نے کہا۔

''زیادہ تیزی مت دکھا تو نے دیکھ لی اپنی اوقات تو ایک کیڑا ہے انسان سے کمتر ہے مگر تو یہ بات اپنی طاقت کے نشے میں بھول گئی تھی۔'' رولوکا نے یہ کہا اور خاموشی سے کچھ سنتا رہا اور پھر بولا۔

''اب بھی تیرا نشہ نہیں اترا۔'' پھر خاموشی رہی اور پھر رولوکا نے کہا۔ ''میں تجھے تیری جون بدلنے کی شکتی واپس کرتا ہوں تو پھر سے آ جا اسی روپ میں جو تیرہ پسندیدہ روپ ہے۔''

ناگن نے زمین پر لوٹ لگائی اور ایک حسین عورت کے روپ میں ڈھل گئی۔ رولوکا نے کہا۔

''اب بتا تو نے کتنے مردوں کو موت کے گھاٹ صرف اپنی عیاشی کی خاطر اتار دیا ہے۔''

''میں مانتی ہوں میں نے ایسا کیا ہے مگر میں کیا کرتی یہ اس شریر کی طلب تھی اور کچھ میرا شوق بھی تھا میں اپنے کئے پر شرمندہ ہوں۔'' ناگن نے کہا۔

''تجھ میں جھوٹ اور مکاری کے جراثیم اب تک ہیں مگر یہ مکاری سب کے سامنے نہیں چلتی۔ تیرے من میں اب بھی وہی سب کچھ کرنے کی خواہش ہے جس کا مزا تجھ کو آ چکا ہے مگر میں تجھ کو اس کا موقعہ نہیں دوں گا۔ اب

میرا حکم ہے کہ تو ایک مینڈکی کے روپ میں آ جا تیری زندگی بچ جائے گی اور اگر حکم نہیں مانے گی تو زندگی سے ہاتھ دھونا پڑیں گے زندگی بچانے کا ایک موقعہ تیرے پاس ہے۔" بول کیا کہتی ہے۔

کچھ دیر گھمبیر خاموشی رہی میں اور سالار بھی نہایت دلچسپی سے یہ ڈرامہ دیکھ رہے تھے درمیان میں ایک نہایت حسین عورت قالین پر بیٹھی تھی۔

رولوکا نے پھر اپنی بات دہرائی۔تو وہ بولی۔

"مرنا کون چاہتا ہے مجھے زندہ رہنا ہے مگر کچھ اور بنا دے مینڈکی بنا میری توہین ہے۔مجھ پر رحم کر۔"

وہ گڑگڑا کر بولی۔

"میں تجھ کو کچھ نہیں بنا سکتا تیرے کرتوت تجھے بنائیں گے تو از خود مینڈکی کا روپ دھارے گی کیونکہ سزا اگر اپنی مرضی سے ملنے لگے تو وہ سزا نہیں ہے میں حکم دیتا ہوں تو اپنی جون بدل اور مینڈکی کا روپ دھار لے دوسری صورت میں صرف تین منٹ کے بعد تیرا وجود کسی کے پیٹ میں چلا جائے گا۔" رولوکا نے کہا۔

ایک منٹ کے بعد ہی ہم نے اس حسین عورت کو مینڈکی کا روپ اختیار کرتے دیکھا اور جہاں پر ایک حسین عورت بیٹھی تھی وہاں پر ایک چھوٹی سی مینڈکی موجود گی۔

رولوکا نے کہا۔

"اب زندگی بھر تیرا یہی روپ رہے گا اگر کسی کا شکار نہ بن گئی تو اور مینڈک کی نسل کو آگے بڑھائے گی اپنی طاقت کو جو لوگ غلط استعمال کرتے ہیں ان کو کبھی کبھی بڑی ذلیل زندگی گزارنا پڑتی ہے۔ سالار بہادر صاحب اس کو آپ کسی جوہڑ میں یا تالاب میں پھنکوا دیں کیونکہ یہ اسی قابل ہے۔"

اس طرح اس عیاش ناگن کا قصہ تمام ہوا اور ہم آگرہ واپس آ گئے۔

آگرہ بڑا شہر ہے۔ یہاں پر تاج محل کے علاوہ بھی بہت سے مقامات دیکھنے جانے کے قابل ہیں۔ ان شاہی عمارتوں میں ایک بہت بڑی عید گاہ بھی ہے یہ عید گاہ پورے سال بند رہتی ہے بہت بڑی چار دیواری ہے مغرب کی طرف ایک بہت عالی شان مسجد بنی ہوئی ہے مسجد کے بعد چھ فٹ اونچا برآمدہ ہے۔ یہ پوری عمارت سرخ پتھر کی بنی ہوئی ہے برآمدے کے چبوترے کے بعد بہت بڑا میدان ہے یہ کچا ہے اس میں پورے سال گھانس اگی رہتی ہے یہ گھانس رمضان میں کاٹی جاتی ہے بہت دور دور کے گاؤں سے یہاں پر سلطان نماز عید ادا کرنے آتے ہیں اور یہ مسجد اور پورا میدان بھر جاتا ہے آنے اور واپس جانے کے تین دروازے ہیں جن کی چوڑائی پندرہ سولہ فٹ ہے ان میں لکڑی کے کواڑ لگے ہوئے ہیں مسجد کے باہر بائیں طرف قبرستان ہے اور سامنے کے دروازے کے باہر میدان ہے اس میدان میں عید پر میلا لگتا ہے جھولے وغیرہ لگ جاتے ہیں عیدین کے علاوہ یہ مسجد بند رہتی ہے اندر کوئی نہیں آتا صرف رمضان میں گھانس کاٹنے والے آتے ہیں ان کو مسجد کی طرف جانے کی ضرورت نہیں ہوتی اور نہ ہی اندر جانے کی اجازت ہوتی ہے۔ اس مسجد کے قریب سے گزرنے کا کئی دفعہ اتفاق ہوا اور مجھے اس کے اندر جانے کا شوق ہوا میں نے ایک آدمی سے پوچھا تو وہ بولا۔

"اس مسجد کے متولی بابو خان ہیں وہی سب انتظام کرتے ہیں آپ ان سے رابطہ کریں۔"

"ان سے کہاں ملاقات ہو سکتی ہے۔" میں نے پوچھا۔

"ان کا مکان وہ سامنے جو محلہ ہے اس کا نام کٹلو پور ہے وہیں پر ہے کسی سے بھی پتہ کر لیں۔"

میں محلہ کٹلو پور چلا گیا بڑی آسانی سے بابو خان کا مکان مل گیا۔

میں نے ان کو آنے کی وجہ بتائی تو وہ حیرت سے بولے۔

"آپ کو اندر جانے کی کیا ضرورت پڑ گئی حکیم صاحب آگرہ شہر میں بہت شاہی عمارتیں ہیں آپ ان کو دیکھ سکتے ہیں۔ یہ تو ایک ویران مسجد ہے جہاں پر صرف

سال میں دو دفعہ نماز ہوتی ہے۔''

''ہم نے تمام آگرے کی عمارتیں دیکھ لی ہیں اب چاہتے ہیں کہ ان عمارتوں کو بھی دیکھیں جو ویران پڑی ہیں یہ ہے تو حیرانی کی بات مگر اس کو ہمارا شوق سمجھ لیں۔'' میں نے کہا۔

''مگر میں آپ کو اس شوق کو پورا کرنے کی اجازت نہیں دوں گا۔'' بابو خان بولے۔

''اس کی وجہ کیا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''کئی وجوہات ہیں۔ کچھ ایسی ہیں کہ میں بتا نہیں سکتا۔'' وہ بولے۔

''میری سمجھ میں بات نہیں آتی۔'' میں نے کہا۔

''ایک تو سرکاری طور پر حکم نہیں ہے اور دوسری وجہ کیا بتاؤں میں بتا نہیں سکتا۔'' بابو خان بولے۔

''دیکھئے خان صاحب ہم بڑی دور سے آئے ہیں زندگی میں پھر آگرہ آنا ہو یا نا آنا ہو ہماری دلی تمنا ہے کہ ہم اس شاہی عمارت کو اندر سے ایک نظر دیکھ لیں۔'' میں نے کہا۔

''اور میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ نہ صرف اس عمارت کو بلکہ جو بھی ویران پڑی ہے نہ دیکھیں تو بہتر ہے۔'' بابو خان نے کہا۔

''اس کی وجہ بھی بتا دیں تو اچھا ہے۔'' میں نے کہا۔

''اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ جن مقامات کو ویران خیال کرتے ہیں غیر آباد خیال کرتے ہیں ان مقامات پر بھی آبادیاں ہیں اور جو آباد ہیں وہ آپ کو وہاں پر پسند نہیں کریں گے اور آپ کو نقصان ہو جائے گا اس لئے آپ شوق کو رہنے دیں انسان کی ہر خواہش تو پوری نہیں ہوتی۔'' بابو خان بولے۔

''بات اب کچھ صاف ہوئی ہے آپ کا مشورہ بہت اچھا ہے اور میرا دوست آپ کی بات کا خیال رکھیں گے۔ مگر میری درخواست ہے کہ ایک نظر ہی سہی مگر اندر تو جانے دیں۔'' میں نے کہا۔

''آپ اپنی ذمہ داری پر چلتے ہیں تو ٹھیک ہے کل صبح آ جائیں میں دروازہ کھول دوں گا آپ اندر سے دیکھ لیں میں اندر نہیں جاؤں گا۔'' واپسی میں دروازے پر ہی ملوں گا۔

میں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور آ کر رولو کا کو ماجرہ بتایا تو وہ بولا۔

''معاملہ دلچسپ ہے میں کل آپ کے ساتھ ضرور چلوں گا۔''

دوسرے روز ہم بابو خان کے مکان پر صبح ہی پہنچ گئے۔ بابو خان نے ضد کر کے ہمیں چائے پلوائی اور ہمارے ساتھ عید گاہ کے سامنے والے گیٹ پر آ گئے اس گیٹ پر ایک بڑا سا تالہ لگا ہوا تھا بابو خان نے چابی سے اس کو کھولا اور بولے۔ ''لو بھائی میں یہیں پر آپ کی واپسی کا منتظر ہوں۔'' دروازے سے صحن کے چبوترے تک ایک سرخ پتھر کی چھ فٹ چوڑی سڑک بنی ہوئی تھی اس سڑک کے دونوں طرف گھٹنوں تک لمبی گھانس کھڑی تھی ہم دونوں اس سڑک پر چبوترے کی طرف چلے گھانس ہوا سے لہرا رہی تھی اور ایک سنسناہٹ کی سی آواز پیدا ہو رہی تھی۔ چبوترہ سامنے نظر آ رہا ہے سڑک کے دونوں طرف مکبر کے نماز پڑھنے کی اونچی چوکیاں بنی ہوئی تھیں مگر بہت بوسیدہ حالت میں چبوترے کے اوپر بھی مکبر کی اونچی چوکیاں ایک لائن سے بنی نظر آ رہی تھیں۔

صحن ویران پڑا تھا اور پورے چبوترے پر صفائی نظر آ رہی تھی۔ بے شک یہ عمارت ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھی اس کی مرمت شاید سالوں سے نہیں ہوئی تھی مگر گندگی نہیں تھی سوائے اس گھانس کے جو چار دیواری کے اندر کچے میدان میں بے تحاشا اگی ہوئی تھی۔

ہر طرف سناٹا تھا کسی طرف بھی زندگی کے آثار نہیں تھے۔ اب ہم چبوترے کے قریب تھے کہ اچانک نہ جانے کس طرف سے ایک باریش عمر رسیدہ شخص نمودار ہو کر ہمارے سامنے آ گیا اور بولا...... ''بس اس سے آگے جانے کی اجازت نہیں ہے۔''

ہم دونوں کھڑے ہوگئے۔ رولوکا اب تک خاموش تھا۔ میں نے ان بزرگ کو حیرت سے دیکھا جو اچانک ہمارے سامنے آگئے تھے اور آگے بڑھ کر ان سے ہاتھ ملانا چاہا۔

مگر وہ میرے آگے بڑھتے ہی پیچھے کھسک گئے اور بولے۔

''آپ لوگ واپس جائیں واپس اس لئے جانے دیا جارہا ہے کہ آپ اس شہر کے نہیں ہیں اور یہاں کے قاعدے قانون سے واقفیت نہیں رکھتے۔''

رولوکا نے پہلی بار زبان کھولی۔

''ہم آپ سے ملاقات کرنے آئے ہیں۔ ہم لوگ حکیم ہیں جہاں ہماری ضرورت ہوتی ہے ہم ازخود وہاں جاتے ہیں یہ خدمت ہم کسی لالچ سے نہیں کرتے ہم جانتے ہیں کہ آپ پریشان ہیں آپ کو ہماری ضرورت ہے۔ آپ کا ایک عزیز زندگی اور موت کی کش مکش میں مبتلا ہے ہوسکتا ہے ہم آپ کی کچھ خدمت کرسکیں۔'' رولوکا خاموش ہوا تو وہ حیرت سے بولے۔

''آپ یہ بتائیں آپ کس کو کس طرح پتہ چلا۔''

''ہمارے اپنے ذرائع ہیں جن کا بتانا ضروری نہیں ہے بات درست ہے یا نہیں آپ یہ بتائیں۔''

رولوکا نے جواب دیا۔

''آپ کی بات حیرت انگیز حد تک درست ہے۔''

وہ بزرگ بولے۔

''آپ نے اپنا تعارف نہیں کرایا۔'' میں نے کہا۔

''معافی چاہتا ہوں پریشانیوں میں مبتلا ہوں اس لئے بھول گیا تھا بہرکیف میرا نام شمراک ہے میں اس آبادی کا بڑا ہوں اور جو بیمار ہے وہ میرا ہی بیٹا ہے۔'' وہ بزرگ بولے۔

''آپ بیماری کی نوعیت اور کب سے بیمار ہیں یہ بھی بتائیں۔'' رولوکا نے پوچھا۔

مجھے یہ تسلیم کرنے میں ذرا شرم نہیں ہے کہ آپ غیر معمولی انسان ہیں آپ نے مجھے مطمئن کردیا ہے اس لئے میں چاہوں گا کہ پہلے آپ ایک نظر مریض کو دیکھ لیں اس کے بعد میں آپ کو پوری تفصیل بتاؤں گا۔'' شمراک نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے جو آپ مناسب خیال کریں۔''

رولوکا نے جواب دیا۔

''آیئے میرے ساتھ۔'' شمراک نے کہا اور آگے چل پڑا۔

ہم دونوں اس کے پیچھے چل پڑے۔ چبوترہ ختم ہوا اور مسجد کی عمارت شروع ہوگئی۔

مہراب دار دروازے سے اندر جاتے ہی ایک زینہ تھا وہ اس پر چڑھنے لگے اور ہم کو بھی اوپر آنے کا اشارہ کیا زینہ ختم ہونے کے بعد ایک کشادہ دالان آگیا ابھی تک ہم نے ان کے علاوہ کسی کو نہیں دیکھا تھا اور نہ ہی میں نے کسی کی موجودگی کو محسوس کیا تھا رولوکا کا مجھے پتہ نہیں۔ دالان کے بعد دو کمرے حجرے نما بنے ہوئے تھے ہر طرف صفائی تھی کسی جگہ ذرا سی گندگی نہیں تھی حجرے کے مغربی کی طرف پتھر کی جالیاں لگی تھیں اور اس کے ساتھ ہی ایک پتھر کا تخت پڑا تھا اس پر سفید بستر پڑا تھا اور اس پر کوئی لیٹا تھا وہ بزرگ اس کے سرہانے کھڑے ہوگئے اور بولے۔ ''یہ ہے میرا بیٹا شالاک تین چاند سے پڑا ہے اس کی بیماری کی نوعیت میری سمجھ میں آ تو گئی ہے مگر اس کا علاج میرے بس میں نہیں ہے۔'' شمراک نے کہا۔

''آپ کچھ نہ بتائیں میں بتاتا ہوں۔'' رولوکا نے کہا۔

''آپ کس طرح بتائیں گے پہلے بیماری کی کیفیت سن لیں پھر علاج شروع کریں۔'' بزرگ نے کہا۔

''دیکھیے مہربان اس کی بیماری جسمانی نہیں ہے یہ روحانی بیماری ہے بلکہ اس کو بیماری کے بجائے آپ سزا کہہ سکتے ہیں یہ سزا اس کو اس کے گناہوں کے بدلے ملی ہے اس نے کسی کو دکھ دیئے ہیں کسی انسان کو ستایا ہے اس کا علاج ہوسکتا ہے مگر پہلے اس کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس نے یہ گناہ کئے ہیں اور آئندہ کے لئے توبہ کرنی ہوگی اور پھر

اس سے رابطہ کرنا ہوگا جس نے اس کو یہ سزا دی ہے۔ آپ لوگ بے شک انسان سے زیادہ طاقت ور ہیں مگر یہ بھول جاتے ہیں کہ رب کائنات نے انسان کو افضل بنا کر دنیا میں اتارا ہے۔'' رولوکا نے کہا۔

''میں آپ کی بات سے اتفاق کرتا ہوں۔'' شمراک نے جواب دیا۔

''یہ جسمانی کرب سے ٹھیک رہے گا مگر مکمل تندرست نہیں ہوگا اس وقت ہم صرف اتنا ہی کر سکتے ہیں جب یہ بولنے کے قابل ہوگا تو خود بتائے گا اور ہم پھر اس سے رابطہ کریں گے۔ اس سے اس کو معافی دلوانے کی کوشش کریں گے یہی اس کا علاج ہے۔''

''آپ کب تشریف لائیں گے۔'' شمراک نے پوچھا۔

''ہم کل اسی وقت آئیں گے اس وقت یہ ہوش میں ہوگا۔'' رولوکا نے بتایا۔

اور ہم واپسی کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ شمراک ہمارے ساتھ چبوترے تک آیا۔

دروازے پر بابو خان موجود تھے۔ دیکھ کر بولے۔

''بڑی دیر لگا دی مجھے تو فکر ہونے لگی تھی۔''

''فکر کس بات کی تھی۔'' میں نے پوچھا۔

''دیر ہوگئی تھی اس لئے۔'' بابو خان گڑ بڑا کر بولے۔

''کل صبح آپ کو پھر دروازہ کھولنا پڑے گا۔'' میں نے کہا۔

''کیوں بھائی عید گاہ دیکھ لی اب اور کیا دیکھنا ہے۔'' بابو خان بولے۔

''ایک مریض ہے اس کا علاج کرنا ہے۔'' رولوکا نے بتایا۔

''مریض۔'' بابو خان حیرت سے بولے۔

''مریض تو ہر جگہ ہوتے ہیں اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔'' میں نے کہا۔

بابو خان صرف گردن ہلا کر رہ گئے۔

''آپ کو تکلیف تو ہوگی مگر یہ ضروری ہے۔'' میں نے کہا۔

''نہیں بھائی تکلیف کیسی آپ آ جائیں میں تالہ کھول دوں گا۔ مگر بات میری سمجھ میں پوری طرح آئی نہیں ہے۔'' بابو خان بولے۔

''دیکھو میرے عزیز جتنا تم کو پتہ ہے وہیں تک رہنے دو زیادہ کرید کرو گے تو ہم بتا بھی دیں گے مگر بہتر یہ ہے کہ جتنا جانتے ہو وہیں تک رہنے دو بعض دفعہ یہی پریشانی کا باعث بن جاتی ہے۔'' رولوکا نے کہا۔

''میں ضد نہیں کر رہا آپ بہتر جانتے ہیں۔'' بابو خان بولے۔

دوسرے روز ہم پہنچے تو پھاٹک پر بابو خان موجود تھے ہم اندر چلے گئے اور وہ وہیں سے پھاٹک بند کر کے چلے گئے۔ کیونکہ ہم نے ان سے کہہ دیا تھا کہ پتہ نہیں کتنا وقت لگے گا اس لئے آپ دوپہر ایک بجے واپس گیٹ پر آ جائیں۔

چبوترے پر ہی ہماری ملاقات شمراک سے ہوگئی۔ میں نے راستے میں شمراک سے پوچھا۔ آپ کب سے اس جگہ رہتے ہیں۔ تو اس نے بتایا۔

''یہ جگہ کسی زمانے میں آگرہ شہر سے باہر تھی کسی زمانے میں آگرہ کے بھی دروازے اور گیٹ تھے مگر یہ سب ٹوٹ پھوٹ گئے چار دیواری کا نام نشان تک مٹ گیا۔ اس عید گاہ کو بنانے میں بابر کے زمانے کو یاد کرنا پڑتا ہے۔ مگر تعمیل مکمل ہمایوں کے زمانے میں ہوئی۔ آگرہ کے چاروں طرف گاؤں ہیں اس لئے شہر سے دور اس کو رکھا گیا اور اسی وجہ سے یہ مسجد شروع ہی سے ویران ہوگئی۔ اور ہم لوگ اس میں آباد ہوگئے۔ یہاں پر بے دین کوئی نہیں ہے۔ یہاں پر ہم لوگ بڑے سکون سے رہتے ہیں۔''

اب ہم مریض کے حجرے میں پہنچ گئے تھے شالاک جاگ رہا تھا مگر بستر پر خاموش بیٹا تھا شمراک نے بتایا۔ ''تین ماہ کے بعد اس نے آج آنکھیں کھولی ہیں۔''

رولوکا اس کے سرہانے کھڑا ہو گیا اور بولا۔

''شالاک تم بول سکتے ہو مجھ سے بات کرو اور جو سوالات میں کرتا ہوں ان کے جوابات مجھے دو۔''

شالاک نے گردن ہلا کر اقرار کیا تو رولوکا نے کہا۔

''تم نے کسی کا دل بلاوجہ دکھایا ہے یاد کرو غور کرو اور پھر بولو۔''

چند منٹ خاموشی رہی پھر ایک بہت باریک آواز شالاک کی سنائی دی۔

''میں ایسا نہیں چاہتا تھا مگر میں مجبور تھا مجھے اپنے اوپر اختیار نہیں تھا۔''

''اب تم کو خود پر اختیار ہے۔'' رولوکا نے پوچھا۔

''شاید اب بھی نہیں ہے۔ اگر ہوتا تو میں بیمار کیوں ہوتا۔ میری طاقت اس نے چھین لی ہے وہ بہت خود غرض اور ظالم انسان ہے اس نے مجھ سے بہت گھناؤنے کام کروائے ہیں۔ میں مجبور تھا کیا کرتا۔ میں گناہ گار ہوں میں بہت گناہ گار ہوں میں کیا کروں بتاؤں میں کیا کروں۔''

''جب تم اس کی غلامی کرتے تھے تو پھر تمہاری یہ حالت کس نے بنائی ہے۔'' رولوکا نے پوچھا۔

''میں اس کے گھناؤنے کام کرتے کرتے تنگ آ گیا تھا میں نے اس کا کہا ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ میں مر جانا پسند کرتا ہوں مگر اس ظالم کے کام اس قدر گندے ہیں کہ میں نہیں کر سکتا۔''

شالاک نے کمزور آواز میں جواب دیا۔

''وہ کس قسم کے کام کرواتا تھا۔'' رولوکا نے پوچھا۔

''وہ ایک ساحر ہے اس نے اپنا ہمزاد بھی کنٹرول کیا ہوا ہے وہ ہمزاد اس کو بتا دیا کرتا تھا کہ کس محلے میں کس لڑکی کی شادی ہو رہی ہے دلہن کو پہلی رات اٹھا کر لانا میری ڈیوٹی تھی میں نے لڑکیوں کی بے بسی اور لاچاری کے بڑے دردناک مناظر دیکھے ہیں کئی لڑکیوں نے خودکشی بھی کر لی ہے بہت لوگ اس ظالم کو جانتے ہیں اس کے کرتوت بھی جانتے ہیں مگر اس کا کیا کر سکتے ہیں۔ میرے علاوہ اس کے پاس اور بہت موکل ہیں جو اس کے حکم پر ہر کام کرتے ہیں۔'' شالاک نے جواب دیا۔

''اس کا کیا نام ہے اور کہاں رہتا ہے۔'' رولوکا نے سوال کیا۔

''اس کا نام مندو ہے اور وہ آگرہ شہر کے آخری سرے پر جمنا کے کنارے ایک آبادی ہے اس میں رہتا ہے وہاں پر ایک بہت بڑی باؤلی اس نے بنوائی ہے اور بہت بڑی حویلی میں اس کی رہائش ہے حویلی کے چاروں طرف اس کے آدمی پہرہ دیتے ہیں ان کے علاوہ اس کے موکل اس کو پل پل کی خبریں اندر اور باہر کی پہنچاتے رہتے ہیں۔ پورے آگرہ شہر میں وہ مشہور ہے لوگ اس سے بہت ڈرتے ہیں اس کی باؤلی میں چڑھاوے چڑھاتے ہیں اس سے دعائیں مانگتے ہیں اس کے کرتوت کتنے بتاؤں وہ مجسم شیطان ہے میں جانتا ہوں جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ سب اس کو پتہ چل جائے گا اور وہ مجھے اذیت ناک موت سے ہمکنار کر دے گا۔'' شالاک نے بتایا۔

''تم اس کی لائی موت سے نہیں مرو گے میں اس کا تم کو یقین دلاتا ہوں۔ رب کائنات کا حکم ہو تو میں کچھ نہیں کر سکوں گا تم بے فکر ہو جاؤ تمہارے نزدیک اس کا کوئی موکل نہیں آئے گا۔'' رولوکا نے کہا۔

''آپ کو اس کا یقین ہے'' شالاک نے بے یقینی کے انداز میں پوچھا۔

''ہاں مجھے پورا یقین ہے ہر بدی کو نیکی ختم کرتی ہے۔ بدی کی قوت کتنی ہی بڑھ جائے مگر نیکی اس پر غالب ہوتی ہے تم احساس ندامت سے کمزور ہو اس کا مطلب ہے کہ تم میں نیکی کی روشنی ہے اور وہی روشنی تمہاری مدد کرے گی اور تم اچھے ہو جاؤ گے۔''

''کیا یہ ممکن ہے حکیم صاحب۔'' شمراک نے ممنونت آمیز لہجے میں کہا۔

''یہ ہی ہوگا۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''شاید میری کسی نیکی کا صلہ ہے کہ آپ خود بخود میرے پاس آ گئے۔'' شمراک نے کہا۔

بے شک یہ قانون قدرت ہے ہر بدی کے مقابلے پر کوئی نہ کوئی ضرور آتا ہے اور اس بدی کو ختم کرتا ہے۔ تم یہ بتاؤ یہ مندو کس مذہب سے تعلق رکھتا ہے۔" رولوکا نے پوچھا۔

نام تو اس کا مسلمانوں جیسا ہے مگر وہ ایک لا مذہب شخص ہے۔ شالاک نے بتایا۔

"میں نے بھی نام کی وجہ سے ہی یہ سوال کیا تھا۔" رولوکا نے جواب دیا۔

مندو بڑا ہی بدنام زمانہ آدمی تھا اس کے نام سے لوگ ڈرتے تھے اس کے بارے میں گفتگو کرتے لوگ گھبراتے تھے میں نے جس سے اس کے بارے میں پوچھا اس نے اس کے خلاف ایک لفظ زبان سے نہیں نکالا اس کی ہیبت اس قدر زیادہ تھی کہ ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی کوئی بھی زبان نہیں کھولتا تھا اس کے نظر نہ آنے والے کارندے اس کو سب کچھ بتادیا کرتے تھے اور وہ ایک پل میں سزا سنا دیا کرتا تھا۔ اس کی چیرا دستیاں اس قدر زیادہ تھیں کہ لوگ اپنی بیٹیوں کو جوان ہونے سے پہلے ہی شہر سے نکال دیا کرتے تھے دوشیزگی کا وہ دشمن تھا۔

رولوکا نے کہا۔ "یہ ایک نرالا دشمن ملا ہے اس کے ہاتھ پیر بھی کچھ لمبے ہیں اگر آگرہ شہر میں رہیں گے تو مجھے تین طرف دھیان دینا ہوگا دلی یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے میں چندروز میں کام ختم کر کے آپ کے پاس آ جاؤں گا آپ کچھ عرصہ آرام کریں۔" اور میں آگرہ سے دلی آ گیا یہ میں نے کسی ڈر یا خوف کی وجہ سے نہیں بلکہ رولوکا نے کہا تھا تو بہت غور وفکر کے بعد ہی کہا ہوگا۔ رولوکا بہت دور تک دیکھتا تھا۔ پرکھتا تھا پھر فیصلہ کرتا تھا اکثر ہی اس کے فیصلے درست ہوتے تھے۔

❄……❄……❄

آپ کے دلی جانے کے بعد میں روپوش ہوگیا۔ میں نے شمراک سے کہہ دیا کہ میں تم سے کچھ عرصہ دور رہوں گا مگر تم بے فکر رہو زیادہ دور نہیں رہوں گا اور میں نے مندو کی تلاش شروع کردی۔ وہ شہر سے دور جنوب کی طرف ایک گاؤں نما آبادی میں رہتا تھا اس کی حویلی کے اطراف میں جو لوگ آباد تھے وہ سب اس کے ہی چیلے چپاٹے تھے۔ وہ اس کو بہت بڑا رتبہ دیتے تھے اس سے ڈرتے تھے اور اس کا ہی دیا کھاتے تھے۔ وہ صرف اس کی تعریفیں کرتے تھے۔ وہ سب نہ ہندو تھے نہ مسلمان وہ سب شیخ سدوئی تھے۔ اس بدبخت نے ایک نیا مذہب ایجاد کردیا تھا جس کو وہ لوگ سدوئی کہتے تھے وہ لوگ صرف مندو کے گن گاتے تھے اس کا نام لیتے تھے اور سجدہ بھی اس کو کرتے تھے۔ میں نے روپوش رہ کر حالات کا جائزہ لیا اس کی طاقت کا اندازہ کیا تو مجھے پتہ چلا کہ اس کے قبضے میں صرف ایک ہمزاد ہی نہیں ہے بلکہ ایک پوری فوج اس کے پاس ہے وہ جس کا بھی چاہتا ہے ہمزاد غلام بنالیتا ہے اور جس کا وہ ہمزاد ہوتا ہے وہ خود بخود اس کا غلام بن جاتا ہے اور مزے کی بات یہ کہ اگر اس کا کوئی غلام مرجاتا ہے تو بھی ہمزاد اس کے پاس ہی رہتا ہے یہ ایک طرح سے اس کی سیلانی روح کو غلام بنانے کے ہنر سے واقف ہوگیا تھا۔ یہ ایک حیرت انگیز اور نیا کرتب میرے سامنے آیا تھا وہ بلا کا عیار اور دھوکے باز آدمی تھا اس کی یہ خصلت تھی کہ وہ کسی کی غلطی معاف نہیں کرتا تھا خواہ اس کے کتنا ہی قریبی اور چاہنے والا ساتھی کیوں نہ ہو وہ کہتا تھا رحم وہ کرتے ہیں جو کمزور ہوتے ہیں میں کمزور نہیں بننا چاہتا میں رحم کروں گا تو خود ایک دن قابل رحم بن جاؤں گا اس لئے اس سے سب ہی خوف کھاتے تھے اور اس کا ہی دم بھرتے تھے۔ ہر روز اس کے بستر پر ایک عورت نئی ہوتی تھی وہ اس کے ساتھ چوہے بلی کا کھیل کھیلتا تھا اگر زندہ بچ گئی تو بھی زندگی بھر اذیت ناک تکلیفوں میں مبتلا ہوجاتی تھی۔ میں نے زندگی میں ایسا بے رحم اور سفاک آدمی نہیں دیکھا تھا یہ آدمیت کا ایک بھیانک روپ تھا۔

زمین پر خدائی کا دعویٰ کرنے والے سینکڑوں آدمی گزرے ہیں کسی نے سابقہ خدائی کا دعویٰ کرنے والوں سے سبق حاصل نہیں کیا تھا مندو بھی ان ہی لوگوں میں شامل تھا۔

میں اس کے بہت قریب تھا مگر اس کو اس کا احساس نہیں تھا اس کے دن رات اسی طرح گزرے تھے میں نے ابھی کوئی مداخلت نہیں کی تھی اس کی طاقت صرف ہمزاد تھے اس کا سارا کام وہی کرتے تھے۔

میں نے اس کی اسی طاقت کو کم کرنے کا فیصلہ کیا اور ایک رات ایک ہمزاد کو روک لیا وہ حیران ہوا میں نے اس کو کہا۔ ''تو کس کی غلامی کر رہا ہے اور تو کون ہے مجھے بتا۔ تو وہ بولا۔

''میرا نام گوپی ہے میں اپنے وصل سے بچھڑ گیا ہوں میں اپنے وصل کے پاس نہیں جا سکتا مجھے وہی کرنا ہے جو مالک مجھے دے گا۔''

میں نے کہا۔ ''میں تجھے میرے وصل کے پاس پہنچا دوں گا بول جائے گا۔''

''ضرور جاؤں گا۔'' وہ بولا۔

اور میں نے گوپی کو اس کے وصل کے پاس پہنچا دیا'' اب تم کچھ عرصہ جمنا کے دوسری طرف چلے جاؤ۔ اگر یہاں پر ہو گے تو وہ تم کو پھر قیدی بنا لے گا۔'' اور گوپی بڑی خوشی سے جمنا پار چلا گیا۔

میں ہر روز ایک ہمزاد کم کرتا گیا۔ اس کے گاؤں کی آبادی کم ہوتی گئی۔ مگر اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ کس طرح ہو رہا ہے اس کے خلاف کوئی کچھ کرے گا اس کا تو اس کو گمان تک نہیں تھا۔

اس کے غرور نے اس کو اکیلا کر دیا اس گاؤں کی ساری آبادی ایک ایک کر کے چلی گئی ان کی نقل مکانی کرنے میں، میں نے ان کا ساتھ دیا ان کو آسانیاں دیں اور وہ ہمزاد آزاد ہوتے ہی چلے گئے۔ مگر مندو کی راتیں اب بھی رنگین تھیں ہمزادوں کے علاوہ اس کے کچھ جن بھی یہ کام کرتے تھے وہ دور دور سے اس کی غذا فراہم کر رہے تھے۔ اس کا وہی دستور تھا۔ اس کے بعد میں نے ان جنوں پر توجہ دی جو یہ کام کرتے تھے ان کو سختی سے بھی روکا اور ان کو آزادی دلانے کا وعدہ کیا اور یہ بھی میری بات ماننے لگے اور بہت آہستہ روی سے میں اس مقام پر آ گیا کہ مندو کی رات سونی ہو گئی اس نے ہر جتن کیا کہ اس کو پتہ چل جائے کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ کون اس کے خلاف کام کر رہا ہے اس کا توڑ کر رہا ہے کون سی طاقت ہے کیا چکر ہے مگر اس کو پتہ نہیں چلا کیونکہ اس نے کوئی عمل نہیں کیا تھا صرف خود کو پوشیدہ رکھ کر اس کے کارندوں کو اس کے خلاف کیا تھا وہ چونکہ پہلے سے اس سے بیزار تھے اس لئے میرا کام آسان ہو گیا تھا۔ میں سمجھ چکا تھا کہ اس کے پاس جو جنتر منتر ہیں وہ ایسے نہیں ہیں کہ میرا کچھ بگاڑ سکیں۔

اب صرف وہ اور اس کا ہمزاد ہی میرے سامنے تھا میں دونوں سے پوشیدہ تھا۔ کنویں کے اندر جو ایک دو بدروحیں تھیں وہ بھی فرار ہو چکی تھیں یہ کنویں نما باولی بہت بڑی تھی اس میں ایک لوہے کا بہت بڑا توا پڑا ہوا تھا وہ اس لئے کہ اس کے میلے پر جو لوگ آتے تھے وہ چڑھاوے چڑھاتے تھے اور اس کنویں میں روپے اور سونے چاندی کے زیور ڈالا کرتے تھے میلے کے بعد وہ نکالے جاتے تھے۔ میں نے اس کنویں کا یہ استعمال کیا کہ اس کے کنارے پر راتوں رات دو بڑی بلیاں زمین میں گاڑ دیں اور ان دونوں پر ایک بلی رکھ دی کنویں کے عین اوپر جو بلی تھی اس میں ایک مضبوط رسی باندھ دی۔ اس طرح ایک پھانسی گھر میں نے تیار کر دیا۔ میں اس کے گھناؤنے کردار کی وجہ سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتا وہ ایک نہایت ہی کمینہ بدکردار شخص تھا وہ اپنے محل میں یہ سمجھتا تھا کہ وہ بہت طاقتور شخص ہے اس کے مقابلے پر کوئی نہیں آ سکتا۔ اس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ وہ مجھے تلاش کرتا ہی رہ گیا اور میں نے ایک رات اس کی ٹانگیں باندھ کر اس کی باؤلی کے عین اوپر اس کو الٹا لٹکا دیا اس کی جو طاقت تھی اس کا مجھے پتہ تھا وہ صرف ہمزاد اور بھولے جنات کو قابو کرنے کا عمل جانتا تھا اور سارے کام وہ ان سے کرواتا تھا۔ وہ بہت چیخا بہت شور کیا معافیاں مانگتا رہا مگر میری آواز تک نہ سن سکا اور اس کی لاش اسی جگہ گل سڑ کر کنویں میں گرتی رہی کوئی اس طرف نہیں آیا، کسی نے اس کی مدد نہیں کی وہ گاؤں بدنام جگہ تھی پھر اس کو لوگوں نے آسیبی بھی کہنا شروع کر دیا اس

طرف کوئی نہیں جاتا۔ مندو کا نام بدنام زمانہ نام ہے۔

رولو کا نے تمام کہانی سنائی اور خاموش ہو گیا تو میں نے کہا۔

''اور شالاک کا کیا ہوا۔''

''وہ ٹھیک ہے تم کو یاد کرتا تھا۔'' رولو کا نے بتایا۔

''تم نے اتنے کمزور دشمن کے لئے مجھے بھی آگرہ سے روانہ کر دیا۔'' میں نے کہا۔

''ہاں یہ بات درست ہے بات یہ ہے کہ ایک ہمزاد کو قابو کرنے کے لئے بڑی محنت کرنا پڑتی ہے بڑا مشکل کام ہے اور اس کے ارد گرد تو ہمزادوں کی بھیڑ لگی تھی۔ وہ صرف اسی کا ماہر تھا میں اسی میں دھوکا کھا گیا مگر کچھ دن کے بعد میں اس کے اس ڈھول کے پول کو سمجھ گیا مگر آپ تو دلی جا چکے تھے۔ آپ دلی کے حالات بتائیں آپ کی دوائیاں برابر آ رہی ہیں۔'' رولو کا نے پوچھا۔

''ہاں سب ٹھیک ہے دوائیں برابر آ رہی ہیں اور دواخانہ اچھال چل رہا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''تو پھر دلی میں ہم کیا کر رہے ہیں۔'' رولو کا نے ہنس کر کہا۔

''میں تمہارا انتظار کر رہا تھا۔'' میں نے کہا۔

''اب تو انتظار ختم ہوا۔'' رولو کا نے کہا۔

''میں تم کو ایک مریض سے ملوانا چاہتا تھا۔'' میں نے کہا۔

''کوئی خاص مریض ہے۔'' رولو کا نے پوچھا۔

''ہاں خاص اس طرح ہے کہ میں نے اس کے مرض کی جو تشخیص کی وہ ٹھیک نہیں تھی دوائیں اس پر اثر کرتی ہیں مگر چند روز کے بعد پھر پرانی کیفیت ہو جاتی ہے۔'' میں نے کہا۔

''کون ہے عورت ہے مرد کون ہے۔'' رولو کا نے پوچھا۔

''یہ ایک جوان عورت ہے اس کا نام وجنتی ہے شادی شدہ ہے۔'' میں نے بتایا۔

''کچھ اور بتائیں۔'' رولو کا نے پوچھا۔

''اس کا مرض یہ ہے کہ وہ خود کو مردہ خیال کرتی ہے اور خود کو سورگ یعنی جنت میں خیال کرتی ہے اس کا شوہر اس کے نزدیک نہیں آ سکتا بہت صاف ستھری رہتی ہے اور بھگوان شیو سے ہر وقت ہم کلام رہتی ہے ہر کام بھگوان شیو کے حکم پر کرتی ہے اس کے دماغ میں یہ بات بیٹھ چکی ہے بظاہر وہ ٹھیک رہتی ہے میں نے اس کی یادداشت کو واپس لانے کے لئے جو کچھ ہو سکتا تھا کیا مگر چند روز وہ خاموش ہو جاتی ہے مگر اس کے بعد پھر بھگوان شیو سے باتیں شروع کر دیتی ہے۔'' میں نے بتایا۔

''کام تو دلچسپ ہے۔'' رولو کا نے جواب دیا۔

''وہ اپنے شوہر کے ساتھ آتی ہے یا یوں سمجھ لو کہ شوہر اس کو لے کر آتا ہے۔ وہ ایک کھاتا پیتا کاروباری آدمی ہے اپنی بیوی سے محبت کرتا ہے بلکہ ان کی شادی ہی محبت کی شادی ہے مگر شادی کے تین مہینے بعد ہی اس نے شوہر کو دھتکار دیا اور اس سے الگ کمرے میں سونا شروع کر دیا ایک مکان میں دونوں رہتے ہیں مگر الگ الگ شوہر چونکہ اس کو چاہتا ہے وہ اس کو خود سے الگ کرنا نہیں چاہتا اس لئے برداشت کر رہا ہے اس سلسلے میں اس نے اس کا بہت علاج کر رہا ہے مگر فائدہ نہیں ہوا میں بھی اب تک اس کے مرض کی نوعیت پوری طرح نہیں سمجھ سکا ہوں اس کا مجھے اعتراف ہے۔'' میں نے کہا۔

''اب وہ کب آئے گی۔'' رولو کا نے پوچھا۔

''کل اس کو آنا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''دوسرے دن وجنتی اور اس کا شوہر گنیش شرما آ گئے میں اور رولو کا دونوں موجود تھے۔

گنیش شرما ایک پڑھا لکھا جوان آدمی تھا وجنتی بھی اس کے جوڑ کی تھی دونوں کی جوڑی اچھی تھی میں نے وجنتی کا حال پوچھا تو گنیش نے بتایا۔

''ٹھیک ہیں مگر رات ہوتے ہی یہ اپنی جنت یعنی الگ کمرے میں چلی جاتی ہیں اور وہاں پر کسی کا بھی داخلہ بند ہے یہ صرف شیو بھگوان سے باتیں کرتی ہیں دن میں تو میں ان سے باتیں کر سکتا ہوں مگر رات میں یہ صرف شیو

بھگوان سے باتیں کرتی ہیں۔''

''ان کے کمرے میں شیو بھگوان کی کوئی مورتی وغیرہ بھی ہے۔'' رولوکا نے پہلا سوال کیا۔

''نہیں ان کے کمرے میں تو کوئی فوٹو تک نہیں ہے۔'' گنیش نے جواب دیا۔

''آپ نے کبھی ان کو جب وہ بھگوان سے ہم کلام ہوتی ہیں دیکھا ہے۔'' رولوکا نے پوچھا۔

''بارہا دیکھا ہے۔'' گنیش نے جواب دیا۔

''ان کی حرکات سکنات کیسی ہوتی ہیں۔'' رولوکا نے پوچھا۔

''ایسا لگتا ہے جیسے کوئی کمرے میں موجود ہو اور یہ اس سے بات چیت کر رہی ہیں کئی دفعہ مجھے شک بھی ہوا مگر کمرہ خالی تھا۔'' گنیش نے بتایا۔

''یہ صرف رات کو ہی ہوتا ہے۔'' رولوکا نے پوچھا۔

''ہاں صرف رات کو مگر دن میں بھی یہ لوگوں سے دور رہتی ہیں۔'' گنیش نے بتایا۔

''ٹھیک ہے ان کا علاج ہو جائے گا۔'' رولوکا نے بتایا۔

''مگر یہ کیا مرض ہے یہ تو پتہ چلے۔'' گنیش نے پوچھا۔

''دیکھیے آپ ایک تعلیم یافتہ آدمی ہیں میری کہی ہوئی بات شاید آپ کا دماغ قبول نہ کرے مگر آپ نے سوال کر دیا ہے ہر معالج کا یہ مرض ہے کہ وہ ایسا جواب دے کہ تشفی ہو جائے۔ دنیا کے جتنے بھی اصول اور قاعدے ہیں وہ انسانی جسم کی ساخت کے اعتبار سے بنائے گئے کیونکہ ان قاعدوں اور اصولوں سے جسم کا ہی علاج کرنا ہوتا ہے۔

مگر کچھ مقامات معالج کے لئے ایسے آتے ہیں کہ وہ حیران رہ جاتا ہے۔ اس کے وہ کیمیائی اصول و تراکیب جن کو مانتا آیا ہے آزماتا آیا ہوتا ہے وہ سرے سے ناکارہ ثابت ہوتے ہیں اور وہ ہار جاتا ہے کیونکہ کبھی اصولوں اور قاعدے اس کو کوئی راہ نہیں دکھاتے اس کا تجربہ اور دوائیں بے فائدہ ہو جاتی ہیں وہیں سے ایک علم کی ابتدا ہوتی ہے حکیم صاحب نے جو علاج اب تک کیا ہے وہ غلط نہیں تھا ان کا تجربہ اور ان کی دوائیں بے کار نہیں گئیں مگر چونکہ ایک نئی بیماری کہہ لیں وہ ان کو ہے اس لئے فائدہ پورا نہیں ہوا۔'' رولوکا خاموش ہوا تو گنیش نے پوچھا۔

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس مرض کا کوئی علاج نہیں ہے۔''

''نہیں اس کا مطلب یہ نہیں ہوا ہر مرض کا علاج ہوتا ہے بات ہے صرف تشخیص کی بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ سالوں علاج ہوتا ہے اور کوئی مرض کی جڑ تک نہیں جا پاتا اور بعض اوقات ایک معمولی طبیب ایک لمحے میں مرض کی جڑ پکڑ لیتا ہے اور بہت معمولی دواؤں سے اس کا علاج بھی کر دیتا ہے۔'' رولوکا نے کہا۔

''آپ کے خیال میں اس مرض کا علاج ہے۔'' گنیش نے پوچھا۔

''میں نے بتایا نا کہ ہر مرض کا علاج ہوتا ہے۔ جس طرح جسم مرض کا شکار ہوتا ہے اور اس کا علاج کیا جاتا ہے اسی طرح روح بھی بیمار ہو جاتی ہے علاج اس کا بھی ہوتا ہے۔'' رولوکا نے بتایا۔

''اس کا مطلب ہے کہ یہ جسمانی نہیں روحانی بیمار ہیں۔'' گنیش نے پوچھا۔

ہاں یہ کیس ایسا ہی ہے انسانی جسم مادی ہے اس پر میل مٹی چڑھ جاتی ہے اس کو صاف کرنا پڑتا ہے یہی حال روح کا بھی ہے اس کو بھی دھونا پڑتا ہے معاف کرنا پڑتا ہے اب یہ سوال اٹھتا ہے کہ جسم پر تو مٹی میل اس لئے چڑھ جاتا ہے کہ یہ دنیا میں ہر جگہ ہوتا ہے پھر روح پر یہ وزن کیونکر چڑھتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ انسان یہ اپنے اوپر خود چڑھاتا ہے جب تک اس کی رضا اس میں شامل نہ ہو اس کی روح پر وزن نہیں آ سکتا۔'' رولوکا نے بتایا۔

''تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ بیماری روحانی ہے اور وجنتی نے خود اپنے اوپر لادا ہے۔'' گنیش نے کہا۔

''کسی حد تک یہ درست ہو سکتا ہے کچھ نہ کچھ کہیں نہ کہیں ان کی رضا اس میں شامل ضرور ہے۔''

''آپ یہ بتائیں آپ کی شادی ان سے کس طرح ہوئی کن حالات میں ہوئی مگر ٹھہریئے اس سے پہلے میں آپ کو چائے پلواتا ہوں میرے ساتھ آیئے۔'' اور وہ گنیش کو لے کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ اس کمرے کا دروازہ اس نے بند کر دیا اور کچھ نہ سمجھ میں آنے والے اشارے کئے اور بیٹھ گیا۔

''اب بتایئے کن حالات میں آپ نے شادی کی تھی۔''

''یہ تو میں وہاں پر بھی آپ کو بتا دیتا۔'' گنیش نے کہا۔

''اس کمرے میں راز داری نہیں تھی۔'' رولوکا نے کہا۔

میری اور وجنتی کی ذات میں فرق ہے میں اصل میں برہمن ہوں ہماری سات پشتوں سے کوئی ملاوٹ نہیں ہوئی مگر وجنتی کی ذات ہم سے کمتر ہے وہ ویش ہے یہ تیسرے درجے کے ہندو ہیں۔

آپ شاید جانتے ہوں کہ برہمن ذات برادری کے معاملے میں بہت حساس ہوتا ہے وہ کسی حالت میں کمتر سے شادی بیاہ نہیں کرتا اسی لئے ہزاروں سال سے برہمن برہمن ہی ہے پھر میری شادی وجنتی سے ہو یہ بالکل ناممکن تھا میں بڑے باپ کا اکلوتا بیٹا تھا بڑی منتوں اور مرادوں کے بعد میرا جنم ہوا تھا سارا گھرانا میرے آگے پیچھے رہتا تھا میری سات بہنیں تھیں آپ خود اندازہ کریں کہ میرے کتنے لاڈ ہوں گے میں نے جو چیز طلب کی وہ حاضر کر دی جاتی تھی۔ اسی لاڈ پیار کے سائے میں میں بڑا ہوا کالج میں میری ملاقات وجنتی سے ہوئی آپ دیکھ رہے ہیں کہ وہ کتنی حسین اور معصوم صورت ہے مجھے یہ اتنی بھائی کہ میں نے شادی کا فیصلہ کر لیا۔ مگر میرے باپ نے صاف انکار کر دیا سارا خاندان ان کے ساتھ تھا مگر میں تو ان کا ہی لاڈلا تھا میری طبیعت میں ضد بھی ان کے لاڈ پیار کی وجہ سے تھا میں کب ماننے والا تھا۔

میں نے وجنتی کے باپ سے رابطہ کیا اور وہ وجنتی کی شادی مجھ سے کرنے پر راضی ہو گئے ویش کی لڑکی برہمن کے گھر جا رہی تھی اس کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا اور برہمن بھی وہ جو باپ کی ساری جائیداد کا اکیلا وارث، میری شادی میں کوئی شریک نہیں ہوا ہم نے کورٹ میں بھی شادی کی اور پھیرے بھی کروائے اور ہم دونوں الگ مکان لے کر رہنے لگے میں نے گزر بسر کے لئے ایک ملازمت کر لی کیونکہ میں اور میری بیوی کسی کی مدد لینا نہیں چاہتے تھے۔ مگر ایک مہینہ ہی گزرا تھا کہ میری ماں میرے لئے بے چینی ہو گئی اور میرے گھر آ گئی اس کی محبت اور بہنوں کے پیار نے مجھے مجبور کر دیا کہ میں گھر آ جاؤں اور میں گھر آ گیا۔ میری بیوی کے ساتھ ان کا برتاؤ اچھا تھا۔

میں بھی گھر آ کر خوش تھا زندگی پھر رواں دواں ہو گئی۔ اس طرح ایک مہینہ گزر گیا اس کے بعد اچانک ایک دن وجنتی بیمار ہو گئی میں ڈاکٹر کے پاس لے کر گیا ڈاکٹر نے بتایا۔ ''کچھ نہیں ہے ذہن پر بوجھ ہے اس کی وجہ سے نڈھال ہیں۔'' میں واپس لے آیا رات کو وجنتی نے اعلان کر دیا کہ تم دوسرے کمرے میں جاؤ میں اکیلی اس کمرے میں رہوں گی۔ بھگوان شیو کے ساتھ پہلے تو میں اس کی بات کو مذاق سمجھتا رہا مگر وہ نہایت سنجیدہ تھی اور میں نے دوسرے کمرے میں رات گزار دی۔ اس کے بعد سے آج تک اس نے مجھے رات میں اپنے کمرے میں نہیں رہنے دیا۔ اب تو یہ بات میرے گھر والوں کو بھی پتہ چل چکی ہے کہ میں بیوی سے الگ سوتا ہوں۔

''آپ مجھے اپنے پتا سے ملوا سکتے ہیں۔'' گنیش کے خاموش ہوتے ہی رولوکا نے پوچھا۔

''ہاں کیوں نہیں۔'' گنیش نے جواب دیا۔

''تو پھر بتائیں کب ملوائیں گے۔'' رولوکا نے کہا۔

''ملوانے کو مجھے اعتراض نہیں ہے مگر ان کا اس

معاملے میں کیا کام ہے۔''

''آپ میری ملاقات کرادیں پھر آپ کو یہ سوال کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔'' رولو کا نے کہا۔

''ٹھیک ہے میں کل آپ کو ان کے پاس لے چلوں گا۔''

دوسرے دن ہم نئی دلی کے ایک بہت بڑے اور خوبصورت بنگلے میں بیٹھے تھے۔

ہمارے سامنے گنیش اور اس کے پتا راجیش شرما بیٹھے تھے۔

میں نے اپنا تعارف کرایا تو وہ بولے۔

''آپ کو میں جانتا ہوں دلی کے مشہور آدمی ہیں آپ تو، مگر حکیم کامل سے واقف نہیں ہوں۔''

یہ میرے دوست ہیں دلی سے اکثر باہر ہی ہوتے ہیں اس لئے انہیں کم لوگ جانتے ہیں۔''

میں نے جواب دیا تو وہ بولے۔

''فرمایئے میں آپ کی کیا خدمت کروں۔'' راجیش شرما نے کہا۔

''ہم خدمت خود لینے نہیں کرنے آئے ہیں۔'' میں نے جواب دیا۔

''میری سمجھ میں بات نہیں آئی۔'' وہ بولے۔

''سیٹھ صاحب بات یہ ہے کہ انسان بہت کچھ اپنی مرضی سے کرتا ہے وہ عبادت اپنی مرضی سے کرتا ہے کھاتا اپنی مرضی سے اور ہر ضرورت اپنی مرضی سے پوری کرتا ہے اس لئے اس کو اپنی مرضی چلانے کی ایک عادت سی پڑ جاتی ہے اس کی مرضی کے خلاف ذرا سی بات ہو جائے تو اس کو اچھا نہیں لگتا۔ اس تمہید کا مقصد میری سمجھ میں نہیں آیا۔'' گنیش شرما نے کہا۔

بتاتا ہوں رولو کا نے کہا۔ انسان جو کچھ اچھا یا برا کرتا ہے اس کا ایک پس منظر ہوتا ہے انسان تو خطاؤں کا پتلا ہے اگر صاحب ضمیر ہے تو وہ اصلاح کا ضرورت مند ہوتا ہے اگر وہ اصلاح کا ضرورت مند ہے تو سزا کا مستحق نہیں ہے اور اگر سزا اتنی ہو کہ اصلاح قبول کرادے تو ٹھیک ہے اس سے آگے اگر سزا مسلسل ہو تو پھر وہ درندگی ہے آپ تو تجربہ کار آدمی ہیں دنیا میں ہر علم تجربات کی بھٹی میں پک کر ہی مکمل ہوتا اور وہ جو لوگ نصیب والے ہوتے ہیں جن کا علم تجربات کی بھٹی میں کندن بنتا ہے۔ وہ لوگ ہی انسانی نسل کی خدمت کرتے ہیں۔ لیکن اس کا رخ ذرا سا بدل جائے تو وہی تجربہ اور علم نسل انسانی کے لئے زہر ہو جاتا ہے۔ رولو کا خاموش ہوا تو راجیش شرما نے کہا۔

''آپ کی باتیں بڑی گہری اور معنی خیز ہیں مگر اس کا پس منظر سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔''

''آپ نے اب تک جو کچھ کیا ہے میں مانتا ہوں وہ اپنی خاندانی روایت پرستی اور اونچی ذات کی ناک کی خاطر کیا ہے اس میں نمایاں کردار آپ کی انا کا ہے۔ مگر بہت سے مقامات پر انا کو مارنا پڑتا ہے۔ آپ کے سامنے بھی یہی مقام ہے یہ آپ کے خاندان کا آخری چشم و چراغ ہے آپ کبھی اس کو بجھانا نہیں چاہیں گے کیونکہ اس سے آپ کی نسل آگے چلے گی لیکن آپ اس نسل میں کم ذات کا خون شامل کرنا نہیں چاہتے آپ چاہتے ہیں کہ بہو خالص برہمن ہو لیکن اب وہ وقت گزر چکا ہے آپ کی بہو ویش کی اولاد ہے اب آپ کو برہمن خون میں ویش کا خون شامل کرنا ہی پڑے گا۔ فیصلہ کسی کا نہیں ہے یہ فیصلہ اوپر ہوا ہے اور جو فیصلے اوپر ہوتے ہیں وہ اٹل ہوتے ہیں ان کو قبول کرنا پڑتا ہے۔'' رولو کا نے کہا۔

''میری کس حرکت سے کس بات سے یہ ظاہر ہوا کہ مجھے اس فیصلے سے اختلاف ہے۔'' راجیش نے پوچھا۔

''یہ بہت اندرونی بات ہے آپ صرف یہ بتائیں کہ یہ درست ہے کہ نہیں۔'' رولو کا نے کہا۔

''میں مانتا ہوں کہ مجھے بہو پسند نہیں ہے۔'' راجیش نے کہا۔

آپ گنیش سے محبت کرتے ہیں یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے ازل سے پیدا کرنے والے نے ماں باپ کے دل میں اولاد کی محبت اتاری ہے اس محبت کا کوئی بدل نہیں

ہے۔

یہ محبت سب کچھ دے سکتی ہے اور اس محبت کے بدلے میں ماں باپ کو کچھ نہیں دیا جا سکتا کوئی بھی چیز اس محبت کا بدل نہیں ہے کوئی چیز اس کا صلہ نہیں ہو سکتی۔

جس طرح آپ کو اپنی اولاد عزیز ہے اسی طرح ہر ماں باپ کو اپنی اولاد عزیز ہے وہ لڑکی ہو یا لڑکا اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ آپ نے ذہنی طور پر ایک دلہن کو اس کے دولہا سے جدا کر دیا صرف اپنی ایک انا کی خاطر صرف خاندانی روایت پرستی اور اونچی ذات کی ناک کی خاطر میں صرف یہ پوچھتا ہوں کہ یہ اگر پھر بھی میاں بیوی رہے تو آپ کا کیا مقام ہوگا جو حکیم مرض پکڑ لیتا ہے وہ علاج بھی کر لیتا ہے۔ آپ کی بہو لا علاج نہیں ہے مگر اس کے بعد آپ کا ان دونوں کی نظر میں کیا مقام ہو گا اس کے بارے میں ذرا خیال کریں۔ رولو کا خاموش ہو گیا۔

کمرے میں بڑی گھمبیر خاموشی چھائی رہی پھر ایک واز ابھری یہ آواز راجیش کی تھی۔

''میں کچھ نہیں کر سکتا میرے ہاتھ سے ڈور چھوٹ چکی ہے۔''

''میں اس ڈور کا سرا آپ کو دوبارہ پکڑا سکتا ہوں۔'' رولو کا نے کہا۔

''ایسا ہونا ناممکن ہے وہ شخص دلی سے جا چکا ہے اس کا پتہ بھی مجھے نہیں معلوم میں کیا کر سکتا ہوں۔'' راجیش نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

''دلی سے چلا گیا ہے مگر آپ کے گھر سے نہیں گیا۔'' رولو کا نے جواب دیا۔

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔'' گنیش شرما نے حیرت سے کہا۔

''وہ ہر روز آپ کی بہو کے دماغ میں بولتا ہے۔'' رولو کا نے کہا۔

''میں اس باریکی کو نہیں سمجھ سکتا۔'' گنیش نے جواب دیا۔

''ہاں آپ تو کیا کوئی بھی اتنی آسانی سے نہیں سمجھ سکتا میں بتاتا ہوں آپ نے اس سے اپنا مدعا بیان کیا اس نے صرف یہ کیا کہ وجنتی یعنی آپ کی بہو کے دماغ پر کنٹرول حاصل کر لیا اور ایک ڈرامہ یہ کیا کہ شیو بھگوان کی پجارن اس کو بنا دیا۔ اس کو وہ شوہر جو سب سے زیادہ عزیز تھا خراب لگنے لگا اس کا ذہن چونکہ خود اس کے کنٹرول میں نہیں تھا جس کے کنٹرول میں تھا وہ اس سے جو چاہتا کروا رہا ہے اب آپ صرف یہ بتائیں کہ آپ اپنی بہو کو ٹھیک کرنا چاہتے ہیں۔ بھول جائیں اس بات کو کہ وہ ایک ویش کی اولاد ہے اور ہاں یہ بات یاد رکھیں کہ آپ اگر منع بھی کریں گے تو بھی وہ اپنی اصلی حالت میں ہو جائے گی کیونکہ وہ اور آپ کا لڑکا بے خطا ہیں۔ ان کا حق آپ ان سے چھین رہے ہیں دو محبت کرنے والے دلوں کو جدا کر رہے ہیں۔ ان کا حق ان کو ملنا چاہئے۔'' رولو کا نے کہا۔

گنیش خاموش بیٹھا رہا اور پھر بولا۔

''میں اپنی غلطی مانتا ہوں میں واقعی غلطی پر تھا مجھے یہ سب نہیں کرنا تھا۔ میں خود سے اور اپنے بیٹے سے شرمندہ ہوں۔''

''وہ کون تھا اس کا نام کیا تھا۔'' رولو کا نے پوچھا۔

''اس کا نام شیو شنکر ہے وہ پرانی دلی کے ایک مندر میں رہتا تھا مگر اب نہیں رہتا۔ پتہ نہیں کہاں چلا گیا ہے۔'' گنیش نے جواب دیا۔

''آپ کو رات کو پتہ چل جائے گا۔'' رولو کا نے جواب دیا۔

اور ہم لوگ واپس چلے آئے یہ کہہ کر شام کو آئیں گے۔

میں نے راستے میں رولو کا سے پوچھا۔ ''یہ کیا چکر ہے ذرا بتاؤ۔''

''شیو شنکر نے ٹیلی پیتھی کے ذریعہ وجنتی کے دماغ کو اپنے کنٹرول میں کیا ہوا ہے۔ وہ جو کہلواتا ہے وہ وجنتی کہتی ہے ایک ٹیلی پیتھی کا ماہر ہزار و میل دور بیٹھ کر بھی کسی کا دماغ کنٹرول کر سکتا ہے نہ صرف کنٹرول کر سکتا ہے بلکہ

جہاں پر اس کا معمول ہو وہاں دیکھ اور سن سکتا ہے کیونکہ اس کا معمول وہاں ہوتا ہے اس کی آنکھ ناک سب ماہر کے لئے کام کرتے ہیں اور وہ اس طرح ہزاروں میل دور رہ کر بھی موجود رہتا ہے۔ بے شک یہ علم بہت مشکل ہے اس کی ابتدا شمع بینی سے کی جاتی ہے اس کے بعد اس کے مختلف مدارج ہوتے ہیں اس علم کی انتہا یہ ہے جو ہمارے سامنے ہے ایک ماہر کسی سے بھی کچھ بھی کروا سکتا ہے کیونکہ انسان ہر کام دماغ کے حکم پر کرتا ہے اور اگر اس کا دماغ کسی اور کے قبضے میں ہو تو وہ وہی کرے گا جو کروایا جائے گا۔ اس علم کو اگر تعمیری مقاصد کے لئے استعمال کیا جائے تو اس سے بہت فائدے مل سکتے ہیں اور تخریبی مقاصد کے لئے استعمال کیا جائے تو بہت بڑے نقصان ہو سکتے ہیں۔ آپ میری بات کو اس طرح سمجھ لیں کہ جیسے اعصاب کا عمل ہمارا ہر عضو اپنے تحفظ کے لئے سرگرم عمل رہتا ہے ہمیں پیاس لگتی ہے دماغ کو پتہ چل جاتا ہے وہ ہاتھ کو حکم دیتا ہے دماغ کے حکم پر ضرورت کا تدارک ہوتا ہے اگر پانی نہ ملے تو جسم نڈھال ہوتے ہوتے ختم ہو جاتا ہے۔ فطرت ہماری تکمیل کی طرف اشارہ کرتی ہے جسم کی ہر طلب کو دماغ قبول کرتا ہے اور اس طلب کو پورا کرتا ہے اگر وہی دماغ کسی اور کے کنٹرول میں چلا جائے تو پھر اس کا حکم چلنے لگتا ہے ایک ڈرائیور گاڑی چلاتا ہے اس کے اعصاب کو دماغ کنٹرول کرتا ہے آگے راستہ بند ہے دماغ کہتا ہے کھڑے ہو جاؤ اس کے پیر حرکت کرتے ہیں اور بریک لگ جاتا ہے اگر دماغ اس کو نہ کہے تو وہ چلتا جائے گا اور حادثے کا شکار ہو جائے گا۔ مطلب یہ ہوا کہ جسم کا ہر کام دماغ کے حکم پر ہوتا ہے اور اس دماغ کو اگر کوئی اور کنٹرول کر لے تو باقی کچھ نہیں رہتا۔'' رولوکا نے بتایا۔

''واقعی حیرت انگیز بات ہے۔'' میں نے کہا۔

یہ دنیا حیرت کدہ ہے یہاں ہر قدم پر ایک نئی بات نئی حیرت سامنے آتی ہے کچھ لوگ ان ہی حیرتوں کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں ان کے لئے زندگی ایک کھیل کے مانند ہوتی ہے دلچسپ کھیل کی مانند۔'' رولوکا نے کہا۔

''اور ان ہی کچھ لوگوں میں تم بھی شامل ہو مجھے ہر قدم پر تم ایک نئے استان نظر آتے ہو کوئی نئی بات تمہارے لئے نئی نہیں ہوتی کسی مقام پر تمہارے قدم لڑکھڑاتے نہیں اس کی کیا وجہ ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''اس کی وجہ یہ ہے کہ میری نیت نیک ہوتی ہے۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

شام ہوتے ہی ہم گنیش کے مکان پر پہنچ گئے۔ بہت اصرار کے بعد ہم نے چائے پی کیونکہ ہم دونوں ہی کھانے پینے سے پرہیز کرتے ہیں۔ کچھ ہی دیر میں سیٹھ راجیش شرما بھی آ گئے۔

وجنتی اپنے کمرے میں تھی رولوکا نے گنیش سے کہا۔ ''تم اپنے کمرے میں جاؤ۔ دیکھو وجنتی کیا کہتی ہے۔''

''اس وقت وہ مجھے کمرے میں داخل بھی نہیں ہونے دیگی۔'' گنیش نے کہا۔

''اچھا تم آگے چلو ہم تمہارے بعد آتے ہیں۔'' رولوکا نے کہا۔

''ہاں یہ ٹھیک ہے۔'' اور گنیش وجنتی کے یعنی اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

اس کے بعد ہم بھی اٹھ کھڑے ہوئے مگر آڑ میں کھڑے ہو گئے۔

گنیش نے دروازے پر دستک دی تو وجنتی کی غصہ میں بھری آواز آئی۔

''تم جانتے ہو اس وقت میں شیو بھگوان کے ساتھ ہوتی ہوں دروازہ نہیں کھلے گا تم واپس جاؤ۔''

گنیش نے کہا۔ ''ایک منٹ کو میری بات سن لو پھر میں چلا جاؤں گا دروازہ کھولو۔''

''ہرگز دروازہ نہیں کھلے گا بھگوان ناراض ہو جائیں گے۔''

''میں تمہارا پتی ہوں ذرا تو خیال کرو۔'' گنیش نے کہا۔

''میرا پتی تم۔ بے وقوف ہو شیو بھگوان سے تم بڑے

نہیں ہو میں بھگوان کی سیوا میں ہوں تم جاؤ۔"

رولوکا آگے بڑھا اور دروازے پر ہاتھ رکھ دیئے دروازے کی چٹخنی نیچے گر پڑی اور دروازہ کھل گیا رولوکا گنیش کو ساتھ لے کر کمرے میں چلا گیا اس کے بعد میں اور راجیش بھی اندر چلے گئے۔ کمرہ خالی تھا وجنتی اکیلی بستر پر بیٹھی تھی مگر انداز ایسا تھا جیسے وہ کسی کے سرہائے بیٹھی اس کا سر دبا رہی ہو۔

رولوکا نے اندر آتے ہی کہا۔"شیو شنکر بہت ہوگیا۔اب تم ختم کردو یہ ڈرامہ۔"

وجنتی نے غصے بھری نظروں سے رولوکا کو دیکھا اور گرجتی ہوئی آواز میں بولی۔

"تو کون ہے اور یہ شیو شنکر کون ہے۔" یہاں پر۔

"شیو شنکر مجھے بہکانے کی کوشش مت کر تو مجھے نہیں جانتا مگر میں تجھے جان گیا ہوں تیری ساری طاقت تیری آنکھوں میں ہے ڈر اس وقت سے جب تیری آنکھیں ہی تیرا ساتھ چھوڑ جائیں۔"

"تو پتہ نہیں کیا بکواس کر رہا۔" وجنتی نے کہا۔

"شیو شنکر اس غریب کی زبان استعمال مت کر خود بات کر اور بتا تو کیا چاہتا ہے۔"

کچھ دیر خاموش رہی اور پھر وجنتی کی بدلی ہوئی آواز آئی۔

"میں خود سے نہیں کر رہا مجھے راجیش نے ایسا کرنے کو کہا تھا۔"

"اور اگر راجیش ہی تم کو منع کردے تو۔" رولوکا نے پوچھا۔

"تو پھر مجھے کیا ضرورت کہ اپنا سمے خراب کروں۔"

رولوکا نے راجیش کو اشارہ کیا راجیش نے کہا۔

"ہاں میں نے تم کو کہا تھا دونوں میں جدائی کرنے کا مگر میں اب تم سے کہتا ہوں کہ تم اس کو چھوڑ دو میں اپنی غلطی مان چکا ہوں۔"

"ٹھیک ہے ہم واپس آجتے ہیں۔" وجنتی کی آواز آئی۔

رولوکا نے کہا۔"شیو شنکر میری ایک بات یاد رکھنا اگر دوبارہ تم نے وجنتی کے ساتھ یہ حرکت کی تو تم نہ صرف اپنی آنکھیں کھو بیٹھو گے بلکہ اس سے بھی زیادہ کچھ ہو سکتا ہے۔"

"تم مجھے دھمکاؤ نہیں میں بلاوجہ کسی کو پریشان نہیں کرتا۔" جواب ملا۔

"اور میں بھی بلاوجہ کسی کو تنگ نہیں کرتا تم وعدہ کرو آئندہ وجنتی کو معمول نہیں بناؤ گے۔" رولوکا نے کہا تو جواب آیا۔

"تم کون ہو میرے درمیان آج تک کوئی نہیں ایا تم کس طرح آگئے۔"

"ٹھیک ہے میں وعدہ کرتا ہوں اور واپس جاتا ہوں۔"

اس کے بعد وجنتی حیرت سے ہم سب کو دیکھنے لگی۔

❄......❄......❄

اب دلی میں بہت دن ہو گئے تھے شہروں شہروں پھرنے کی ایک عادت سی ہوگئی تھی لہٰذا ہم دونوں نکل کھڑے ہوئے۔ میں نے رولوکا سے کہا۔"اب بتاؤ کس طرف چلیں۔"

"جدھر منہ اٹھے چل پڑو ہمارا تو کام ہی سفر کرنا ہے" رولوکا نے جواب دیا۔

میں نے اسٹیشن پر دو ٹکٹ علی گڑھ کے خریدے گاڑی دس بجے آئی اور ہم علی گڑھ کی طرف روانہ ہو گئے۔

علی گڑھ علمی شہر ہے اس میں اور اس کے چاروں طرف دیہات میں وہی زبان بولی جاتی ہے جو آگرہ اور اس کے اطراف میں بولی جاتی ہے شہروں میں تو اردو اور ہندی کا رواج ہے مگر دیہات میں ان کی اپنی ایک زبان ہے جو کہ بڑی کھڑی اور کھردری زبان ہے شہری لوگ اس زبان کے بولنے والوں کو اجڈ تصور کرتے ہیں علی گڑھ میں بہت اسکول اور بڑے کالج ہیں مسلمانوں کی بہت بڑی درس گاہ

ہے اس شہر میں مسلمانوں کی آبادی کا تناسب زیادہ ہے۔
تین بجے ہم علی گڑھ میں تھے۔ ہم نے ایک سرائے نما ہوٹل میں کمرہ لے لیا۔ ہمارا ارادہ تھا کہ دن میں ہم قریب کے گاؤں میں جائیں گے کیونکہ شہروں کے مقابلے میں گاؤں میں مسائل زیادہ بے چیدہ ہوتے ہیں اور وہاں کے سادہ لوح لوگ ان کا حل نہیں جانتے اس لئے یہ لوگ ہی اس بات کے مستحق ہوتے ہیں کہ ان کے مسائل کو دیکھا جائے اور مدد کی جائے۔ سونگی گاؤں علی گڑھ سے پندرہ بیس میل پر ہے دوسرے دن ہم لاری سے وہاں چلے گئے۔ ہم کو نہ کسی سے ملنا تھا نہ ہم وہاں پر کسی کو جانتے تھے۔ اسٹاپ پر اتر کر ہم کھڑے تھے۔ چھوٹا سا بازار تھا سڑک سے کچھ دور آبادی نظر آتی تھی وہ سونگی گاؤں گا۔

ابھی سوچ ہی رہے تھے کہ کیا کرتا ہے کہ ایک شخص دھوتی اور کرتے میں ملبوس ہمارے قریب آ کر بولا۔

''کس سے ملنا ہے بھیا کا گاؤں جاؤ گے۔''

میں نے کہا۔ ''ہاں مکھیا جی سے ملنا ہے پر پتہ نہیں کہ ان کا گھر کس طرف ہے۔''

''جانی کا مشکل ہے میں لئے چلتا ہوں ان کے دھورے'' وہ جلدی سے بولا۔

''بڑی مہربانی چلو۔'' میں نے کہا۔

اور وہ ہمارے ساتھ چل پڑا، کچھ ہی دیر بعد آبادی آ گئی وہ ایک گلی میں داخل ہو گیا اس کے ساتھ ہم بھی داخل ہو گئے اور کچھ ہی دیر میں وہ ایک مکان کے سامنے کھڑا ہو گیا اور بولا۔

''تو بھیا یہی گھر ہے مکھیا جی کا کا بلاؤں ان کا۔''

''ہاں بلاؤ تو بڑی مہربانی۔'' میں نے جواب دیا۔

''اس نے آواز لگائی۔ ''رادھے بھیا ارے او رادھے بھیا۔''

مگر اندر سے جواب نہیں آیا تو اس نے پھر کہا۔

''ارے رادھے بھیا دیکھو تو کون آیا تم کو ملن کو۔''

اس دفعہ اس نے آواز بھی اونچی رکھی تھی۔ کچھ ہی دیر میں ایک اور دھوتی پوش دروازے سے نکلا اور بولا۔

''کون ہے رے کون آیا ہے۔''

ہمارے ساتھ آیا آدمی بولا...... ای کا تھاڑے ہیں سامنے تیار۔

دروازے سے نمودار ہونے والے دھوتی پوش نے اجنبی نگاہوں سے ہماری طرف دیکھا اور ایک قدم بڑھا کر اور قریب آ کر بولا۔

''ارے کون ہے تو ہم تو جانت نا ہی۔''

''ہم کو مکھیا جی سے ملنا ہے۔'' میں نے کہا۔

''تو ہم اور کون ہیں ارے ای گاؤں کے ہم ہی تو مکھیا ہیں۔'' وہ ذرا سا تن کر بولا۔

میں نے ان کی طرف ہاتھ بڑھا دیا اور کہا۔

''آپ ہم کو نہیں جانتے اور نہ ہم تم کو جانتے ہیں پہلی بار جو ملے ہیں ملتے ہیں تو جان پہچان ہوتی ہے۔''

''یہ بات تو ٹھیک ہے کہو کا بات ہے کا ای گونو کو جانت ہو۔'' اس نے ہمارے ساتھ آئے آدمی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ تو میں نے جواب دیا۔

''نہیں یہ تو بیچارہ ہم کو تم تک لایا ہے۔'' اڈے پر کھڑا تھا ہم نے تمہارا پوچھا تو یہ ساتھ چلا آیا۔

''اچھا کونو فکر نا ہی اچھا گونو تیری بڑی کرپا تو اب جا۔'' وہ آدمی چلا گیا تو وہ پھر بولا۔

''ہاں اب بتاؤ کا کام ہے۔''

''کام تو کچھ نہیں میں حکیم ہوں دلی میں دواخانہ ہے اور یہ میرے ساتھ دوسرے حکیم ہیں ہم لوگ گاؤں گاؤں جاتے ہیں دوا دارو کرتے ہیں یہی ہمارا کام ہے دو چار دن تمہارے گاؤں میں رکنا تھا ٹھکانا ملے گا تو رک جائیں گے نہ ملا تو آگے چلے جائیں گے۔'' میں نے اپنی بات ختم کی۔

''ارے لوٹھکانے کی خوب کہی اتا بڑ گاؤں پڑا ہے کا دو مانس کا ٹھکانا نا ہی ملے گا تم کونو فکر نا ہی کروا بھی کئے دیتے ہیں ٹھکانا۔'' وہ بولا۔

''آپ کا نام رادھے ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''ہاں ہمارا نام رادھے شام ہے اور یہ ہمارا گھر ہے گھر ما ہماری جورو ہے تین چھورے اور ایک چھوری ہے اپنی زمین ہے پرکھوں کے زمانے کی وہی عزت بنائی پڑی ہے تو ہم مکھیا ہوئے ہیں۔ تم فکر نہ کرو ہمارا گھر بہت بڑا ہے بڑے آرام سے رہو گے جا میں۔''

اور وہ اندر چلا گیا چند منٹ کے بعد باہر آ کر بولا۔

''آ جاؤ اندر آ جاؤ۔'' اندر ایک بہت بڑا کمرہ تھا اس کے بعد کھلا میدان تھا اس میدان میں کچھ جانور چارہ کھا رہے تھے۔ میدان کے بعد پھر کمروں کے دروازے نظر آ رہے تھے واقعی مکھیا کا مکان ایسا ہی ہونا چاہئے۔ پہلے والے بڑے کمرے میں دو جہازی سائز کی چار پائیاں پڑی تھیں ان پر صاف بستر بھی تھے دونوں چار پائیوں کے درمیان ایک بہت بڑا حقہ رکھا تھا یہ کچا کمرہ تھا فرش کو لیپا گیا تھا اور جو مٹی اس میں استعمال ہوئی تھی وہ پیلے رنگ کی تھی اس لئے فرش پیلا تھا مٹی کی مونڈی خوشبو کمرے میں موجود تھی اس کا مطلب تھا کہ فرش کی لپائی تازہ ہی ہے۔

رادھے شام بولا...... ''بولو تو اندر کوٹھا میں بندوبست کر دیں کہو تو یہاں ہی رہو۔''

میں نے کہا۔ ''یہ جگہ ٹھیک ہے رادھے شام۔''

رادھے شام اندر گیا اور دو گلاس دودھ کے لے آیا اور بولا۔

''لو بھیا پہلے یہ پیو پھر جل پانی کریں گے۔''

میں نے گلاس ہاتھ میں پکڑ کر کہا۔ ''ہم ایک بات کریں رادھے شام برا تو نہیں مانو گے۔''

''لو برا کیوں مانیں گے۔'' وہ بولا۔

''ہم صرف تمہارے ہاں رہیں گے روٹی نہیں کھائیں گے۔'' میں نے کہا۔

''کا ہم سے ناراج ہو۔'' وہ حیرت سے بولا۔

''بات یہ ہے کہ ہم ہیں مسلمان ہماری روٹی دوسری ہوتی ہے ہم لوگ کلیا کھاتے ہیں۔'' (کلیا یعنی گوشت) میں نے صاف صاف بتا دیا۔

''تو کوئی بات نا ہے دودھ تو پی سکت ہو۔'' وہ جلدی سے بولا۔

''ہاں یہ پی لیں گے۔'' میں نے جواب دیا۔

''بھیا تم بات دھرم کی کر دی اس کر کے ہم کا بولیں پر یہ تو بتاؤ روٹی کیسے کھاؤ گے۔'' وہ فکر سے بولا۔

''کوئی مسلمان کا گھر تو ہوگا گاؤں میں۔'' میں نے پوچھا۔

''بہت گھر ہیں۔'' وہ جلدی سے بولا۔

''ان کے گھر سے روٹی کا بندوبست ہو سکتا ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''ارے کا بات کرت ہو مکھیا رادھے شام بولے اور بندوبست نہ ہوئے۔''

لو جی ہمارا یہ بھی انتظام ہو گیا اور رات کھا کھانا یک مسلمان جمعہ خان کے گھر سے آ گیا۔ بیسن کی روٹی اسپر اصلی مکھن اور چنے کا ساگ آلو کا بھرتا اور ایک مٹکی تازہ لسی جس کو وہ لوگ مٹھا کہتے ہیں اس دیہاتی کھانے کی لذت کیا تھی کیا بتایا جائے۔ ایسا کھانا شہروں میں کہاں نصیب ہے۔

دوسرے دن ہم نے چوپال میں اپنا دواخانہ جاری کر دیا اور چھوٹے موٹے علاج کرنے لگے گاؤں والوں کو جب پتہ چلا کہ مفت کے حکیم آئے ہیں اور علاج کر رہے ہیں تو وہ جوق در جوق ہمارے پاس آنے لگے۔ خدمت کرنے والوں کی خدمت میں مزا ملتا ہے اس چوپال میں ہم نے جن کا علاج کیا ان لوگوں نے جو دعائیں دیں وہ ہماری زندگی کا سرمایہ ہیں ہماری اصل کمائی وہی ہے رولو کا نے جو خدمت کی اور دوائیں وہ لے کر جنگل سے لایا اور وہ میرے لئے تو تعجب کی بات نہیں تھی مگر مکھیا اور دوسرے لوگ ضرور حیران تھے۔ سات دن کے بعد ایک آدمی میرے پاس آیا وہ اسی گاؤں کا رہنے والا تھا اس کا نام بشیرا تھا بہت کمزور اور بیمار تھا میں نے اس کو دیکھا تو پتہ چلا کہ وہ دق کا مریض ہے اور ذہنی طور پر بہت پریشان ہے اس کی وجہ پوچھی تو وہ بولا۔

''کا بتا دیں حکیم جی بس مرن کا انتظار کرت

ہیں۔"

"انسان کو نا امید نہیں ہونا چاہئے تمہارا علاج ہو جائے گا تم ٹھیک ہو جاؤ گے۔" میں نے کہا۔

"ہم کا ٹھیک ہوں گے ہمارا اصل فرض تو کچھ اور ہے۔ کا بتائیں۔" وہ بولا۔

"وہ تم بتاؤ۔ شاید ہم کچھ کر سکیں۔" میں نے کہا۔

"بات یہ ہے کہ ہمری ایک چھوری ہے (چھوری یعنی لڑکی) ہم نے بڑی چاؤ سے اوکی شادی کر دی پر کیا بتلائیں جب سے گئی ہے سکھ میں نہ رہی ہم سے جو بنا ہے کرت رہے ہیں پن اب کیا کریں کھیت برباد ہو گیا ہاتھ میں دمڑی نہیں رہی اللہ نے بیٹا کوئی دیا نہیں اکیلی جان کیا کرے۔"

وہ خاموش ہوا تو میں نے کہا۔ "لڑکی کو کیا تکلیف ہے۔"

"ہمارے گھر سے تو اچھی جوان پٹھا گئی داماد بھی ٹھیک ہی لاگت تھا پر ساس نے اوکا جینا دوبھر کر دیا لین دین کا معاملہ اٹھا لیا ہم کسان آدمی کتنا دیں اور کہاں سے دیں اور دیں بھی تو اوکا کوئی انت تو ہی ایک کے بعد دوسری بات کھڑی ہے کیا کریں مریں گے گے ہی فکر ختم ہوگی اب بتاؤ ایک کھیت ہے داماد کہت ہیں ای ہمارے نام کر دو نہیں تو چھوکری واپس آ جاوے گی۔ اب بولو ہم ٹھیک ہو ویں تو کیسے دھکے پہ دھکہ لگ رہا ہے۔"

"داماد کا گاؤں کتنی دور ہے۔" میں نے پوچھا۔

"دھورے ہی چھ کوس پر ہے۔" وہ بولا۔

"کیا نام ہے گاؤں کا اور تمہارے داماد کا۔" میں نے پوچھا۔

"داماد کا نام علیا ہے اور گاؤں کا ام سونگی ہے تم پوچھ کے کا کرو گے حکیم جی۔" وہ بولا۔

"کچھ تو کریں گے تمہار علاج تو کرتا ہے۔" میں نے کہا"

میں نے سارے حالات رولوکا کو بتائے تو وہ بولا۔ میں اکیلا جا کر پتہ کرتا ہوں اور دوسرے روز صبح ہی رولوکا چلا گیا۔

دوپہر ہی کو رولوکا واپس آ گیا اس نے بتایا کہ معاملہ کوئی اور ہی معلوم ہوتا ہے سسرال میں بشیرا کی لڑکی نہیں ہے اور داماد کہتا ہے بتا کر نہیں گئی۔ تین دن سے وہ غائب ہے مگر اس کی اطلاع بشیرا کو نہیں دی گئی۔ سننے میں آیا ہے کہ لڑکی بہت حسین تھی داماد اس کو چاہتا تھا، یہی چاہت اس کی ساس کو پسند نہیں تھی وہ چاہتی تھی کہ اپنے لڑکے کی دوسری شادی کرے اور خوب جہیز لائے مگر علیا ایسا نہیں چاہتا تھا۔

اب ساس نے مشہور کر دیا کہ وہ کسی کے ساتھ بھاگ گئی ہے علیا پریشان تو ہے مگر ماں سے ڈرتا بھی ہے اسی وجہ سے اس نے یہاں پر خبر نہیں کی ہے۔ رولوکا نے بتایا۔

"اب کیا پروگرام ہے تمہارا۔" میں نے پوچھا۔

"میں اکیلا جاتا ہوں واپسی میں حالات بتاؤں گا۔" اور رولوکا سونگی گاؤں چلا گیا۔

❄......❄......❄

اب کے میں ایک دیہاتی کے روپ میں علیا کے گھر گیا اور اس کو بتایا کہ میں سونگی گاؤں سے آیا ہوں۔ بشیرا نے اپنی چھوری کی خیر خیریت پوچھی ہے۔

علیا بولا...... "وہ ٹھیک نا ہی کہہ دینا بیمار ہے۔"

میں نے کہا۔ "کیا بیمار ہے مجھ سے ملواؤ۔ تو بشیرا نے کہا۔ "تھال کے آ تا۔ میں نے کہا۔

"ارے یہاں ہو تو ملوائیں گے۔" وہ بولا۔

"وہ علاج کو موسی کے گھر گئی ہے۔" علیا نے کہا۔

"تو وہیں پر مل لوں گا لے چلوں کہاں ہے موسی کا گھر۔" میں نے کہا۔

"بہت دور ہے ہم کا بہت کام ہیں تم اب جاؤ۔" علیا نے ٹالنا چاہا تو میں نے کہا۔

"علیا یہ سب بہانا بازی مت کرو۔" اصل بات بتاؤ کیا ہے۔

"کچھ نہیں اصل کیا ہوگی ہم جو کہہ رہے ہیں وہ ٹھیک ہے۔" تم جاؤ۔

"جاؤں گا تو علیا مگر تم کو لے کر جاؤں گا تم نے چھوری کو مار ڈالا ہے اور بات بنا رہے ہو تم کو پتہ ہے میں کون ہوں تم سب جیل چلے جاؤ گے میری بات اچھی طرح سن لو۔" میں نے کہا۔

وہ عادی مجرم نہیں تھا اور پھر سیدھا سادھا دیہاتی پولیس کا اور جیل کا سن کر اس کی سٹی گم ہوگئی گھبرا کر بولا۔

"ہم بے قصور ہیں بھیا سارا کئے دھرا ہماری مہتاری ہے اونے ہی ہماری گھر والی کو بھگایا ہے ہم کا کچھ پتہ نہیں ہے۔"

"تو پھر تم اپنی مہتاری سے ہمیں ملواؤ اس سے پوچھیں گے۔" میں نے کہا۔

اور وہ گھر کے اندر چلا گیا ایک دو منٹ کے بعد مجھے بھی اندر بلا لیا۔

اندر پیڑ کے نیچے ایک چارپائی پر ایک ادھیڑ عمر عورت بیٹھی تھی۔ مجھے دیکھ کر کھڑی ہوگئی تو میں نے کہا۔

"بیٹھی رہو ماں جی میں کھڑے کھڑے دو چار بات کروں گا۔" میں نے کہا۔

"کا بات کرنا ہے کرو۔" وہ بولی تو میں نے کہا۔

میں علیا کی گھر والی، بشیرا کی چھوری کا پتہ کرنے آیا ہوں کیسی ہے۔ بشیرا نے پوچھا ہے۔" میں نے کہا۔

"پتہ نہیں کیسی ہے تین دناں پہلے اچھی بھلی پانی لینے کنویں پر گئی پھر لوٹ کے نہیں آئی کا خبر کہاں چلی گئی گاؤں میں تو نہیں ملی۔" وہ بولی۔

"تم نے بشیرا کو یا کسی اور کو بتایا کہ تمہاری بہو غائب ہے۔" میں نے پوچھا۔

"بشیرا ننگے بھوکے کو بتاتی وہ کا کرتا اور کا بتانے کا فائدہ کا تھا الٹی بدنامی ہوتی۔" وہ تنک کر بولی۔

"تمہاری بہو غائب ہوگئی ایک جوان عورت کا پتہ نہیں کہاں ہے تم اور تمہارا سپوت خاموش بیٹھے ہو تم نے اس کو تلاش کرنے کی کوشش نہیں کی" میں نے کہا۔

"وہ کوئی بچہ تو نا ہی تھی اپنے آپ گئی ہے بھاگ گئی ہوگی جنم جلی کسی یار کے ساتھ ہم کیا کرتے وہ غصے سے بولی۔" میں جانتا تھا کہ وہ جھوٹ بول رہی ہے۔

"میں نے علیا سے کہا تمہاری ماں اصل بات نہیں بتا رہی تم بھی خاموش ہو ٹھیک ہے۔ میں خود پتہ کرلوں گا مگر اس وقت تم بہت بری طرح پھنس جاؤ گے۔"

علیا کے چہرے پر پریشانی کے سائے لہرائے اور وہ بولا۔

"تم باہر آؤ بات کرتے ہیں۔"

اور ہم دونوں دروازے سے باہر آ گئے اور کنویں کی مڈیر پر بیٹھ گئے تو وہ بولا۔

"کا بتائیں بھیا یہ سب کیا دھرا ہمری مہتاری کا روز کا لڑائی ٹنٹا وہ تنگ آ گئی تھی۔"

"لڑائی کس بات پر ہوتی تھی۔" میں نے پوچھا۔

"ارے بس مہتاری دہیز نہ ملنے کا تعنہ دیا کرتی تھی او کے ہر کام میں خرابی اور کا ہوگا۔"

"تم اپنی ماں کو سمجھاتے نہیں تھے۔" میں نے کہا۔

"ایک دفعہ ارے روز سمجھاتے تھے پر وہ کب ماننے والی تھی وہ پیسے کی بہت بولی ہے۔" وہ بولا۔

"اس کا مطلب ہوا سارا قصور تمہاری ماں کے ہے۔" میں نے کہا۔

"وہ تمیزن کا ٹنٹا ختم کر کے ہماری سادی دہیز کی خاطر کسی اور جگہ کرنے والی تھی۔" علیا نے بتایا۔

"تمیزن کہاں چلی گئی تم کو اس کا پتہ ہے۔" میں نے پوچھا۔

"شک ہے پکا پتہ نہیں ہے۔" وہ بولا۔

"کیا شک ہے؟" میں نے پوچھا تو وہ بولا۔

"ایک آدمی آوے تھا مہتاری کے دھورے باکا نام بنارس ہے وہ آدمی اچھا نہ جان پڑے کچھ کارستانی وہ کرسکت ہے ای میرا خیال ہے۔" علیا اٹک اٹک کر بولا۔

"آؤ میرے ساتھ۔" اور میں پھر اس عورت کے سامنے کھڑا تھا جو علیا کی ماں تھی اس دفعہ وہ کھڑی نہیں ہوئی

میں نے جاتے ہی کہا۔ ''مجھے پتہ چلا ہے بنارس تمیزن کو لے گیا ہے تم بتاؤ۔ یہ ٹھیک ہے کہ نہیں۔''

''ای کون بتلایا تم کا یہ حرام خور نے بتلایا ہے۔''

وہ علیا کی طرف اشارہ کر کے تیزی سے بولی۔

ارے تیرا بیڑا غرق کردے گا وہ سنے گا تو بے عقل کم بخت۔''

میں نے کہا۔ ''تم صرف یہ بتاؤ بات ٹھیک ہے کہ نہیں۔''

''ارے او کا کا غرض پڑی ہے اور کے پھڈے میں گردن ڈالنے کی علیا تو گدھا ہے پورا کا پورا۔

''ٹھیک ہے میں بنارس سے پوچھ لیتا ہوں بتاؤ وہ کہاں ملے گا۔'' میں نے کہا۔

''موئے کا خبر کہاں ملے گا۔ میں بیڑ ذات موئے کا خبر۔'' (بیڑ یعنی عورت)

''نہ بتاؤ اس کا بھی میں خود پتہ کرلوں گا۔'' میں نے علیا کو اشارہ کیا اور باہر آ گیا۔

علیا نے بتایا۔ ''وہ بنارس کا پھوپھا گاؤں میں رہتا ہے اس کو ضرور پتہ ہوگا۔''

بنارس کے پھوپھا نے جو پتہ بتایا وہ پندرہ کوس دور ایک گاؤں مہابلی کا تھا۔ میں نے علیا کو وہیں چھوڑا اور مہابلی گاؤں روانہ ہو گیا۔ یہاں پر بھی میں دیہاتی کے روپ میں تھا۔

بنارس کا پتہ کیا تو پتہ چلا کہ وہ گاؤں کے مندر میں رہتا ہے وہ وہاں کا پجاری ہے وہیں پر رہتا بھی ہے یہ مندر گاؤں کے سرے پر تھا اور شیروں والی دیوی کا تھا۔

بنارس جوان آدمی تھا ہاتھ پیر کا بھی مضبوط تھا آنکھیں گول گول اور عیاری سے بھری ہوئی تھیں۔ داڑھی مونچھ سے چہرہ بے نیاز تھا سر گنجا تھا مگر چوٹی بڑی موٹی اور کھڑی تھی۔ جسم سے ننگا تھا۔ صرف ایک دھوتی اس کا لباس تھا۔

وہ میرے سامنے آتے ہی رعب سے بولا۔

''کاہے کا کام ہے موسے۔''

میں نے بھی ڈائریکٹ حملہ کیا۔ ''تمیزن کہاں ہے بنارس۔''

اس کے چہرے پر ایک لمحے کو سایا سا لہرایا مگر وہ گھبرایا نہیں بولا۔

''تمیزن کون ہے رے۔''

''تمیزن تیری اماں تیری مہتاری اب بتا کہاں چھپایا ہے تو نے۔'' میں نے جواب دیا۔

''ارے کا تیرا دماغ خراب ہے میں کا جانو کون ہے کہاں ہے لو بھلا میرے سر مڑھ رہا ہے۔''

وہ بولا...... تو میں نے کہا۔ ''دیکھ بنارس تیرا برا وقت آ گیا ہے ہوش میں آ جا اور تمیزن کو میرے حوالے کردے زیادہ زور دکھائے گا تو یہ درخت سے لٹا لٹکا دوں گا۔'' میں نے کہا۔

مگر وہ تھا ایک ڈھیٹ کیونکہ وہ دیکھ رہا تھا کہ میں ایک معمولی دیہاتی ہوں اور اس نے دیہاتیوں پر اپنا خوب رعب جمایا ہوا تھا نفرت آمیز لہجے میں بولا۔

'' بلا جا سیدھا تو جانت نا ہی بنارس کے میرا کاٹا پانی نہ ملے ہے۔''

''اچھا تو، کاٹ لے۔'' میں نے کہا۔

اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا اور وہ مندر کی طرف مڑا مگر آدھا ہی مڑ پایا وہیں پر کھڑا رہ گیا تو میں نے کہا۔ ''تیری دیوی اندر بیٹھی ہے اس کو آواز دے لے مگر سن لے وہ تیری مدد کو نہیں آئے گی کیونکہ تو نے کام غلط کیا ہے۔''

اس نے بے بسی سے میری طرف دیکھا اور بولا۔

''کون ہے تو میری ٹانگ تو چھوڑ۔''

''میں تو دور کھڑا ہوں میں نے تیری ٹانگ کہاں پکڑی ہے کہ چھوڑوں۔'' میں نے جواب دیا۔

''پہلے یہ بتا کہ تمیزن کہاں ہے۔'' میں نے کہا۔

''میں لایا ضرور تھا مگر وہ بھگوت مہاراج کے پاس ہے۔'' وہ بولا۔

''اور یہ بھگوت مہاراج کہاں ہے۔'' میں نے پھر

پوچھا۔
''گاؤں رام بھروسے میں رہتا ہے یہاں سے چارکوس پورب کی ڈور۔وہ ملے گا۔''
میں نے کہا۔''تیری ٹانگیں کھلی ہیں مگر رہنا یہیں پر جانانہیں چھوڑوں گانہیں جائے گا تو۔''
اور میں رام بھروسے گاؤں چلا گیا۔ بھگوت مہاراج مندر میں نہیں تھا مگر ایک کوٹھری میں ایک عورت بیٹھی تھی پورے مندر میں وہی ایک عورت تھی پورا مندر سنسان پڑا تھا۔ میں سیدھا اس کے پاس چلا گیا اس نے اجنبی نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور پھر دوسری طرف دیکھنے لگی۔
میں نے غور سے دیکھا تو یہ راز کھلا کہ وہ کیوں اتنی بے گانا بےفکری بیٹھی ہے۔اس کے سر پر ایک انگلی کے برابر کوئی چیز بیٹھی تھی وہ چیز ایک مکمل عورت تھی صرف اس کا قد اور جسم چھوٹا تھا باقی وہ ایک قبول صورت سے آگے کی چیز تھی اس کو بڑا کر دیا جائے تو وہ کسی بھی مرد کو پاگل کر دینے کے قابل تھی۔ میں نے اس کو دیکھا اور پوچھا۔
''تو کون ہے اور اس کے سر پر کیا کر رہی ہے۔''
اس نے میرے مخاطب کرنے پر حیرت سے میری طرف دیکھا اور باریک باریک آنکھیں مٹکا کر بولی۔
''تو نے دیکھا ہے تو چلا جا اب دوبارہ مت دیکھنا مجھے جو دیکھتا ہے وہ میرے کہنے پر چلتا ہے۔ میں پابند ہوں نہیں تو تو میرا غلام ہوتا۔''
''تو اپنا پریچے نہیں کرائے گی۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔
''میرا پریچے سے تجھے کچھ ملنے والا نہیں ہے۔'' وہ چھوٹے چھوٹے ہاتھ نچا کر بولی۔
''تو میری فکر مت کر اور بتا کہ تو ن کون ہے اور اس کے سر پر کیوں ہے۔''
''میرا نام چمپا کلی ہے میں جس کے سر پر ہوں وہ صرف میری سنتا ہے میری بات مانتا ہے میں مرضی کی مالک ہوں مگر اب نہیں ہوں بھگوت مہاراج نے جاپ کر کے مجھے قابو کر لیا ہے میں اس کے کہنے سے اس عورت کے سر پر ہوں تو لاکھ جتن کر لے اتروں گی نہیں صرف بھگوت کا کہا مانوں گی۔'' کی آواز ایک جوان عورت کی تھی جس کو صرف میں ہی سن سکا کیونکہ وہ عورت اسی حالت میں بے گانی بنی رہی۔
میں نے کہا۔''مجھے تیری ضرورت نہیں ہے اور میں نہ ہی تیری تلاش میں آیا ہوں مجھے اس عورت کی تلاش تھی میں اس کو لے کر جاؤں گا۔''
''میں اس کے سر پر ہوں تو نادان ہے ارے میرے ہوتے تو اس کو ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا۔''
''تو پھر میں تجھ سے کہتا ہوں تو اتر جا اس کے سر سے۔'' میں نے کہا۔
''میں صرف بھگوت مہاراج کا کہا مانوں گی کیونکہ اس نے میرے جاپ کیا اور حاصل کیا ہے۔'' وہ مٹک کر بولی۔
''اور اگر میں جاپ کے بغیر تجھے سر سے اتار دوں تو پھر۔'' میں نے پوچھا۔
''زیادہ بات مت کرو تو نے دیکھ لیا۔ اتنا ہی تیرے لئے بہت ہے زیادہ پیر لمبے کرنے کی کوشش کرے گا تو پھنس جائے گا کیونکہ تو مجھے جانتا نہیں۔'' وہ کمر پر ہاتھ رکھ کر بولی۔
تیری یہ بات درست ہے کہ میں تجھے نہیں جانتا مگر تو بھی مان لے کہ تو بھی مجھے نہیں جانتی تو نے ٹو کے......شعبدے دکھانے والا آدمی نہیں ہوں تو جس شکل میں اب میرے پاس آئے گی میں پہچان لوں گا اچھا یہ بتا تیرا نام چمپا کلی کیوں ہے گلاب کلی موتیا کلی کیوں نہیں ہے۔'' میں نے پوچھا۔
''تو نے دیکھی ہے چمپا کی کلی۔'' وہ بولی۔
''ہندوستان کی چمپا نہیں دیکھی۔'' میں نے جواب دیا۔
''بہت چھوٹی سی چمپا کلی ہوتی ہے مگر جب کھل جاتی ہے تو سارے باغ کے پھولوں کی خوشبو اس کی خوشبو

میں چھپ جاتی ہے اور باغ میں صرف چمپا کی خوشبو ہی رہتی ہے۔ اس لئے میرا نام چمپا کلی ہے جہاں میں ہوتی ہوں وہاں صرف میری چلتی ہے جو میرا جاپ کرتا ہے وہ اپنی جان داؤ پر لگاتا ہے اور جب حاصل کرتا ہے تو وقت کا بادشاہ کہلاتا ہے۔" چمپا نے بتایا۔

"اور وہ وقت کا بادشاہ مجھے اکیلا چھوڑ کر چلا گیا ہے اگر تجھے کوئی اٹھا لے جائے تو وہ کیا کرے گا۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"تو کچھ نہ کچھ ضرور ہے مجھے اندازہ نہیں ہے کہ تو کیا ہے اس کے باوجود تو میرا کچھ نہیں کر سکتا۔" وہ اٹھلا کر بولی۔

"میں کسی کمزور اور عورت پر ہاتھ نہیں اٹھاتا اگر تیرا وہ بادشاہ بھگوت ہوتا تو بات کرتا مگر وہ آئے گا تو میں بھی یہیں پر موجود ہوں۔" میں نے کہا۔

"میری تیری کوئی لڑائی نہیں ہے مگر یاد رکھ میری طرف ہاتھ مت بڑھانا تو نے ہاتھ بڑھایا اور ہماری لڑائی شروع میں نے خود سے نہیں لڑونگی۔" وہ بولی۔

"تو خود سے نہیں لڑے گی تو تیرے لئے اچھا ہوگا۔ مگر یاد رکھ ایک دن تو خود میرے پاس آ جائے گی۔" میں نے جواب دیا۔

"یہ تیرا خیال ہے اب تجھے میرا جاپ کرنا پڑے گا بھگوت کو مارنا ہوگا میں خود سے تیرے قریب نہیں آؤں گی میرا نام چمپا کلی ہے پراسرار دنیا کے باسی جانتے ہیں کہ چمپا کلی کتنی ضدی اور شکتی والی ہے۔ میری شکتی تو نے ابھی دیکھی نہیں اور تو جو اتنی بات میرے سامنے کھڑا کر رہا ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ میں اس عورت کے سر پر ہوں اور مجھے جو کام سونپا جاتا ہے میں صرف وہی کرتی ہوں آزاد ہوتی تو تو سامنے کھڑا نہ ہوا کب کا نرکھ میں چلا گیا ہوتا۔"

وہ کہتی رہی میں مسکراتا رہا میری مسکراہٹ اس کو اور غصہ دلاتی رہی میں اس کو غصے میں ہی لانا چاہتا تھا۔ وہ جوں جوں غصے میں آ رہی تھی اس کا جن بڑھتا جا رہا تھا اور میرا کام گھٹتا جا رہا تھا لیکن وہ بہت ہوشیار تھی میرے آخری وار سے پہلے ہی سر سے اتر کر غائب ہو گئی۔ اس نے اپنے گرد بھگوت کا حکم ٹال دیا اس نے اپنی جان بچالی اس کے سر سے غائب ہوتے ہی تمیزن ہوش میں آ گئی اور حیرانی سے چاروں طرف دیکھنے لگی اور گھبرا کر بولی۔

"میں کہاں ہوں تو کون ہے اے موئے کا ہے تو یہاں لایا ہے۔"

میں نے کہا۔ "تمیزن تم کو میں نہیں لایا تھا میں تم کو واپس لینے آیا ہوں آؤ میرے ساتھ میں تم کو تمہارے گھر والے علیا کے پاس پہنچائے دیتا ہوں۔"

"تو ہے کون یہ تو پتہ چلے میں کیوں تیرے ساتھ جاؤں۔" وہ بولی۔

"میں علیا کا دوست ہوں اور یہ جگہ ایک مندر ہے اور یہ مندر تیرے گاؤں سے کئی کوس پر ہے۔ تجھے دھوکے سے یہاں پر لایا گیا تھا۔ دیر مت کرو جلدی یہاں سے باہر چلو۔" میں نے کہا۔

تمیزن نے ایک منٹ سوچا اور اٹھ کھڑی ہوئی اور ہم دونوں مندر سے باہر آ گئے مندر اب بھی ویران تھا۔ میں اس کو لے کر علیا کے گاؤں پہنچا اور اس کی بیوی اس کے حوالے کر دی۔

میں نے اس کو بتا دیا کہ "اب اس کو کچھ نہ کہنا یہ بہت بڑی مصیبت سے بچ کے آئی ہے اگر تم لوگوں نے اس کو کچھ کہا یا کوئی تکلیف دی تو تمہارے ساتھ بہت برا ہوگا!!"

اس کی ساس سے میں نے کہا۔

"یہ تیری بہو ہے۔ اس کو دل سے قبول کر لے اور کوئی بات دل دکھانے والی نہ کر اگر کرے گی تو تیری دونوں بیٹیاں تیرے پاس آ جائیں گی اس کے علاوہ میں نے ایک ایسا بندوبست بھی کر دیا کہ چمپا کلی اس کے قریب نہ آئے۔ رولو کا نے تفصیل بتائی۔

"مگر وہ گرو بھگوت اور چمپا کلی تو موجود ہیں وہ کسی وقت بھی کچھ کر سکتے ہیں۔" میں نے کہا۔

"ہاں یہ خطرہ موجود ہے مگر میں ان دونوں کی

تلاش میں ہوں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ دونوں میری تلاش میں ہوں۔'' رولوکا نے بتایا۔

تم درمیان کے ایک شخص بنارس کو بھول رہے ہو وہ بھی کچھ کرسکتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''میں نے بنارس کو پرکھ لیا تھا وہ تو خالی ڈھول ہے اس کے پلے کچھ نہیں وہ بھگوت پر ہی پھولتا ہے۔ اسی کا آلہ کار ہے وہ خود کچھ نہیں ہے۔'' رولوکا نے بتایا۔

'جب تک یہ کام ختم نہ ہو ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔'' میں نے کہا۔

ہاں ضرورت تو ہے تم فکر نہ کرو اور اپنا کام کرو یہ غریب گاؤں کے لوگ ہیں ان کی خدمت میں بڑی راحت ہے دوائیں آپ کو پہنچ جایا کریں گی میں کچھ عرصہ روپوش رہوں گا۔

❄......❄......❄

یہ کلکتہ کا بدنام زمانہ بازار سونا گاچھی ہے۔ میں ان دونوں کی تلاش میں پھرتا ہوا یہاں تک پہنچا ہوں میں نے آج تک کسی کو اتنا تلاش نہیں کیا کیونکہ میرے کارندے یہ کام کرلیا کرتے تھے۔ ان دونوں نے اپنے اردگرد حفاظتی حلقہ قائم کرلیا تھا اس لئے ان کو تلاش کرنا آسان نہ تھا۔ دوسرے میرے لئے یہ ایک نئی شکتی تھی میں اس سے خود نمٹنا چاہتا تھا وہ انگلی کے برابر عورت مجھے جل دیکر فرار ہوگئی تھی ایک لمحے اور تمیزن کے سر پر وہ رہتی تو وہ میری جیب میں ہوتی مگر وہ عیار تھی چالاک تھی حالات کو اس نے ٹھیک ٹھیک پڑھا تھا اور اس نے اپنے گرو کا حکم بھی ٹال دیا تھا اب اس کو گرفتار کرنا میرے لئے ضروری تھا۔

رات کا وقت تھا سارا بازار جگ مگ جگ مگ کررہا تھا کوٹھوں سے طبلے ہارمونیم کی آوازیں آنا شروع ہوگئی تھیں گجرے پھولوں کی دکانوں پر رونق نظر آنے لگی تھی۔ کھڑکیوں پر حسن کے جلوے اپنی بہاریں دکھا رہے تھے سارے دکاندار اپنی اپنی چیزوں کو چمکا کر سجا کر قاعدے سے ٹھکانے پر رکھ چکے تھے اور گاہکوں کا انتظار کررہے تھے میں اس بازار کے چوراہے پر کھڑا تھا کہ ایک شخص میرے قریب آ گیا صاف ستھرے لباس میں وہ شریف آدمی نظر آتا تھا۔ قریب آکر نہایت نپے تلے لہجے میں آہستہ سے بولا۔

کوئی خدمت ہے میرے لائق۔''

میں نے اس کو غور سے دیکھا تو وہ پھر بولا۔

''آپ ہی جیسے لوگوں کی قدر دانی کے لئے کچھ انمول ہیرے ہیں اس بازار میں بھگوان کی سوگند پورا سونا گاچھی چھان مارو گے تو بھی رام کلی جیسی گائیکہ نہیں ملے گی۔''

''تو اسی کا نام رام کلی ہے ہم تو شہرت سن کر بنارس سے آتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''ارے سرکار کیا بمبئی کے فلم والے تو اس کے پاس ماتھے رگڑتے ہیں مگر وہ ہے خاندانی اپنی دہلیز نہیں چھوڑتی۔'' اس نے بات آگے بڑھائی۔

''اچھا یہ بات ہے۔'' میں نے اس کا حوصلہ بڑھایا۔

''اس سے بھی بہت زیادہ آپ ایک بار دیدار کریں قسم بھگوان کی۔'' وہ چہک کر بولا۔

''ضرور دیدار کریں گے تم نے تو ہماری پیاس اور بڑھادی ہے۔'' میں نے اداکاری کی۔

''بس حضور ایک بنتی ہے ہماری۔'' وہ ہاتھ جوڑ کر بولا۔

''کہو کیا بات ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''اس محفل میں دماغ اور جذبات کو قابو کرکے بیٹھنا ہوگا بڑی نازک مزاج ہے ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتی آپ میرے مہمان ہوں گے بدنامی اور نیک نامی دونوں مجھے ہی ملے گی آپ شریف نظر آئے تو دعوت دی ہے میری لاج رکھنا ہوگی نہیں تو پورا بازار پڑا ہے جہاں چاہو سیڑھیاں چڑھ جاؤ۔'' وہ سپاٹ آواز میں بولا۔

میں نے ذرا غور کیا تو پتہ چلا آدمی صاف گو ہے اور اندر باہر بھی کچھ نہیں ہے تو میں نے کہا۔

''اچھا یہ بتاؤ تمہارا نام کیا ہے۔''

''میرا نام بابوراؤ ہے اس بازار کا پرانا خادم ہوں مگر کام صاف ستھرا کرتا ہوں اور صرف قدردانوں کا کام کرتا ہوں یہی روزی ہے۔'' وہ بولا۔

''ٹھیک ہے بابوراؤ تم بے فکر رہو تم کو شکایت نہیں ہوگی۔''

''تو پھر آیئے میرے ساتھ۔'' اور ہم دونوں چل پڑے کئی گلیاں طے کرنے کے بعد وہ ایک بالا خانے کی سیڑھیوں پر چڑھ گیا میں بھی اس کے ساتھ چلتا گیا۔ سیڑھیاں ختم ہوئیں اور ایک بہت بڑا دالان آ گیا وہ اس دالان میں آگے چلا اور ایک دروازے کے سامنے آ کر بولا۔

''یہ میری دیوی کا بالا خانہ ہے بہت مشہور عورت اس بازار کی گزری ہے اب جو قیامت آپ دیکھیں گے وہ پری دیوی کی نواسی ہے کہتے ہیں کسی زمانے میں پری دیوی بالکل ایسی ہی تھی اور تو اور پری دیوی کے پرانے قدر دان بوڑھے کچھ کھوسٹ ہوگئے ہیں مگر یہاں آتے ہیں، ہے نا حیرت کی بات۔'' وہ مسکرایا۔

''حیرت اس پر ہوتی کہ وہ نہ آتے۔'' میں نے کہا۔

بابوراؤ نے چونک کر میری طرف دیکھا اور ہنس کر بولا۔

''آپ نے بڑی گہری بات کی ہے اب میری سمجھ میں آئی۔''

اس نے دروازے کو دھکا دیا تو وہ کھل گیا۔

بہت بڑا کمرہ تھا پورے کمرے میں قالین پڑا تھا اس پر سفید براق چاندنی بچھی تھی اس پر دور دور بڑے بڑے اگالدان رکھے تھے۔ دیوار سے ذرا فاصلے پر بڑے موٹے موٹے گاؤ تکیے رکھے تھے کچھ قدردان خاموش اور کچھ آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ ایک بھاری بھرکم عورت درمیان میں بڑا سا پاندان لئے بیٹھی تھی اس نے بابو راؤ کو دیکھا تو چہک کر بولی۔

''آؤ بابوراؤ بہت انتظار کراتے ہو۔'' پھر میری طرف دیکھ کر بولی۔

''آیئے سرکار تشریف رکھئے آپ کے مزاج تو ٹھیک ہیں۔'' اور پھر بابوراؤ کو دیکھنے لگی۔

بابوراؤ نے کہا۔ ''اپنے ہی آدمی ہیں سب ریت رواج جانتے ہیں۔''

وہ مسکرا کر مجھ سے بولی۔ ''بات میاں یہ ہے کہ ہم لوگ پرانی ریت رواج کے لوگ ہیں اسی لئے قدردانوں کو دیکھ بھال کے بلاتے ہیں آپ برا نہ ماننا۔''

میں خاموش رہا۔ کچھ ہی دیر میں دو چار اور لوگ آ گئے اور ایک لڑکی ناچنے کے لباس میں آ گئی وہ واقعی ایک حسین عورت تھی وہ سر سے پیر تک ایک قیامت تھی اس پر اس کا لباس اور سنگھار میں نے اس کو پہلی نظر میں ہی پہچان لیا اور کیوں نہ پہچانتا اس کی تلاش میں ہی تو میں شہروں شہروں پھر رہا تھا فرق صرف اتنا تھا کہ میں نے اس کو ایک انگلی کے برابر دیکھا تھا اور اب وہ میرے سامنے ایک پوری عورت کے روپ میں موجود تھی۔ مگر میں خاموش تھا کیونکہ میں نے بابوراؤ سے وعدہ کیا تھا میرے جذبات وہ نہیں تھے جو یہاں پر لوگوں کے ہوتے ہیں مگر میں خاموش بیٹھا رہا کب گانا شروع ہوا مجھے پتہ نہیں اس نے کیا گایا میں نے نہیں سنا میں صرف اس کے انداز سنگل اور اداؤں کو دیکھتا رہا۔ محفل ختم ہوگئی میں نے اس کو کچھ نظر نہیں کیا۔ میں سب سے آخری رہ گیا۔ سب چلے تو بوڑھی نائیکہ نے جل کر کہا۔

''میاں قدردانی نہیں آتی تو آئے کیوں تھے۔''

میں نے لڑکی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''میں نے اس کو پہچان لیا ہے۔ یہ چمپا کلی ہے۔ اب تک خاموش اس لئے تھا کہ بابوراؤ سے وعدہ کیا تھا تم یہ بتاؤ یہ لڑکی تم کو کہاں سے ملی۔'' اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں وہ تیز آواز میں بولی۔

''میری بیٹی ہے یہ مجھے اس میں سے ملی ہے۔'' اس نے بے حیائی سے پیٹ پر سے ساڑھی اٹھا کر کہا۔

''یہ تم نے کیسی بات کر دی میں اس کی ماں ہوں میں

نے اس کا نام رام کلی رکھا تھا تم چمپا کیوں کہہ رہے ہو۔"

میں نے پورے دھیان سے اس کی بات سنی اور جواب دیا۔

"تم بھگوت مہاراج کو جانتی ہو خوب غور کر کے اور یاد کر کے بتاؤ۔"

"خوب جانتی ہوں جب یہ پیدا ہوئی تھی تو وہ آئے تھے۔" وہ بولی۔

"اس کے بعد بھی آئے ہوں گے۔" میں نے کہا۔

"جب اس نے پہلا بھرا کیا تھا اس وقت آئے تھے۔" وہ بولی۔

میں سمجھ گیا کہ معاملہ کیا ہے۔

چمپا کلی کی موجودہ شکل بھگوت مہاراج کی دی ہوئی ہے۔ چمپا کلی ایک بہت طاقت ور بیر ہے اس کے لئے بھگوت نے جاپ کیا اور اس کو حاصل کر لیا۔

بھگوت کے دماغ میں رام کلی کا تصور تھا وہ اس کے روپ میں ڈھل گئی اور بھگوت نے اس کا نام چمپا کلی رکھ دیا حالانکہ اس کا یہ اصل نام نہیں ہے۔ میرے لئے یہ لڑکی بے کار تھی میں کچھ شرمندہ اس کی ماں سے تھا کہ میں نے اس کی قدر دانی نہیں کی تھی۔ میں نے کہا۔

"میں تم سے شرمندہ ہوں میں رام کلی کی شکل سے دھوکا کھا گیا۔ میں ایک لڑکی کی تلاش میں ہوں اس کی شکل بالکل ایسی ہی ہے مجھے پھر سے تلاش کرنا پڑے گا۔" اور جو میرے ہاتھ آیا میں نے اس نائیکہ کی جھولی میں ڈال دیا اور سیڑھیاں اتر کر بازار میں آ گیا بازار اب بھی جاگ رہا تھا۔

میری سمجھ میں پوری طرح آ گیا تھا میرا دشمن میرا ہی حربہ استعمال کر رہا تھا۔ میں اس کو تلاش کر رہا تھا اور وہ میری فکر میں تھا دونوں ایک دوسرے کی تلاش میں تھے۔

اب اس شہر میں میرا رہنا بیکار تھا کیونکہ راز کے رہنے کی امید نہیں تھی وہ کسی وقت بھی میرے بارے میں معلومات کر سکتا تھا میں اندھیرے میں رہتا دشمن مٹی کا بھی ہو تو بھی ہوشیار رہنا چاہئے میرے بڑوں نے مجھے یہی سبق دیا تھا۔

مجھے پہلے اس کا حلقہ توڑنا تھا میں اس حلقے کا جوڑ تلاش کرتے کرتے بمبئی پہنچ گیا۔ یہ شہر بھی بہت بڑا شہر ہے۔ ہندوستان کے ہر علاقے کے لوگ اس شہر میں نظر آتے ہیں ہر مذہب کے لوگ اس شہر کی رونق بڑھا رہے ہیں۔

یہاں پر کٹر ہندو بستے ہیں تو مسلمان بھی کمزور نہیں ہیں یہاں کی سب سے بڑی انڈسٹری فلم کی ہے۔ اس انڈسٹری میں سب مذہب کے لوگ پائے جاتے ہیں ایک طرف سہراب سودی کو لوگ مانتے ہیں تو محبوب کو بھی محبوب اعظم کہتے ہیں اشوق کمار کو دادا کہہ کر عزت بڑھاتے ہیں تو دلیپ کمار کو بھی ٹریجیڈی کنگ کہہ کر عزت اور فلم آرٹ کی آخری سیڑھی پر پہنچا دیتے ہیں۔

یہی حال ہر شعبے کا ہے مگر سب چڑھتے سورج کے پجاری بھی ہیں گرتے کو دھکا بھی دے دیتے ہیں یہاں پر زندگی بڑی تیز رفتار ہے سڑکوں پر ٹرینوں میں ہر جگہ آدمی بھاگتا نظر آتا ہے اور یہی اس شہر کی ترقی کا راز بھی ہے یہاں پتھر آتا ہے اور پارس بن جاتا ہے اور اگر قسمت کی دیوی مہربان نہ ہو تو پارس بھی پتھر بن کر ٹھوکروں میں پڑا ہوتا ہے۔

یہاں آنے والا اگر آرٹ و ہنر کے ساتھ ساتھ انسان شناسی اور چالاکی کا ہنر بھی جانتا ہے تو وہ ضرور کامیاب ہو جاتا ہے بہت لوگ ہیں جو اپنے کام میں زیادہ ماہر نہیں ہیں مگر کامیاب ہیں میں یہاں پر ایک پارسی سیٹھ کے بھیس میں تھا میں آتے ہی یہاں کے سب سے بڑے ہوٹل تاج میں آ گیا تھا میں ایک کروڑ پتی سیٹھ جہانگیر مودی پونا والا کے روپ میں تھا۔ میں نے آتے ہی کارروائی شروع کر دی تھ اور ایک پریس کانفرنس کا اعلان کر دیا تھا۔ ایک سیکریٹری لڑکی بھی رکھ لی تھی یہ سب انتظامات منیجر نے کئے تھے۔ مین نے پریس کانفرنس میں اعلان کر دیا تھا کہ میں ایک بہت بڑی فلم کمپنی قائم کر رہا ہوں اور عنقریب کئی فلمیں ایک ساتھ شروع کر دوں گا۔

اس اعلان کے بعد میرے گرد خوشامدی اور مطلب پرستوں کا آنا جانا شروع ہو گیا۔ میں نے ایک دفتر بمبئی ٹاکیز اسٹوڈیو میں قائم کر دیا اور اسٹاپ بھی رکھ لیا۔

حکیم صاحب آپ سوچیں گے میں کس چکر میں پڑ گیا تھا۔ آپ کا سوچنا بھی ٹھیک ہے مگر بات یہ تھی کہ چمپا کلی یہاں تھی بھگوت مہاراج شاطر تھا اس کا کچھ پتہ نہیں تھا مگر چمپا کلی کا کچھ نشان مجھے نظر آتا تھا اگر ایسا نہ ہوتا تو میرا ارادہ آگے جانے کا تھا۔

فلم کا اعلان ہوتے ہی میرے دفتر میں کام حاصل کرنے والوں کی لائن لگ گئی میں نے منیجر کو کہہ دیا کہ ہیروئن کے سوا وہ سب کا انتخاب کر سکتا ہے۔ مجھے جس کا انتظار تھا وہ اب تک نظر نہیں آئی تھی مجھے پتہ تھا کہ وہ میرے قریب ہی ہے۔ اگر اس کو میری موجودگی کا اندازہ ہو جاتا تو وہ قریب نہ ہوتی تاج محل ہوٹل میں فلمی تقریبات ہوتی رہتی تھیں کوئی تقریب سیٹھ جہانگیر پونا والا یعنی میرے بغیر نہیں ہوتی تھی حالانکہ میری کوئی فلم مارکیٹ میں نہیں آئی تھی۔ اس کے باوجود میں ایک بڑا فنانسر تھا کئی فلمیں سیٹ پر جانے والی تھیں فلمی انڈسٹری کی بڑی بڑی ہیروئنیں بھی سر جھکا کر ملتی تھیں آج رات بھی ایک تقریب تھی کشور ساہو نے یہ تقریب کی تھی اس کی فلم بہت کامیاب ہوئی تھی اس نے سب فلمی لوگوں کو دعوت دی تھی ہال پورا بھرا ہوا تھا میں ان تقریبات میں ضرور جاتا تھا میرا لباس بھی پارسیوں والا تھا سر پر ٹوپی بھی تھی اور چہرے پر احمق پن کی چھاپ لگی ہوئی تھی۔ میں نرا گاؤدی سیٹھ نظر آتا تھا۔ میں سب سے جھک جھک کر مل رہا تھا۔ ایک میز پر بمبئی کی فلمی دنیا کے بڑے بڑے لوگ بیٹھے تھے میں ان کے قریب گیا تو سب نے کھڑے ہو کر میرا استقبال کیا اور کرسی پیش کی میں اس پر بیٹھ گیا تو کیدار شرما نے کہا۔

''سیٹھ آپ نے کئی فلموں کا اعلان کیا ہے ہماری طرف تو آپ نے دیکھا تک نہیں۔''

کیدار شرما ایک بہت اعلیٰ درجہ کا ہنر مند فلم ڈائریکٹر ہے میں یہ بات جانتا تھا میں نے اس کی کوئی فلم نہیں دیکھی تھی۔ مگر اس کا نام ضرور سنا تھا۔ میں نے جواب دیا۔

''آپ بڑا آرٹسٹ ہے صاحب جی ہم لوگ آپ کو لینے کا قابل ہوگا تو ضرور آپ کو کام دے گا۔''

''یہ آپ کا بڑا پن ہے سیٹھ ہے ورنہ ہم تو بیکار ہی پھرتا رہتا ہے۔'' وہ بولا۔

بات یہ ہے آپ کا ایک اسٹائل ہے تم اس سے نہیں ہٹتا اس میں تھوڑا رسک ہوتا ہے فلم لاکھوں کا کاروبار ہے تم بولو رسک کون لیتا ہے مگر ہم رسک لے گا تم کو ایک فلم دیگا مگر تھوڑی ٹائم کے بعد میں ہر ایک سے اسی قسم کی باتیں کرتا تھا۔''

''ٹھیک ہے سیٹھ جب ضرورت ہو یاد کرنا ہم سر کے بل چل کر آئے گا یہ بتاؤ سیٹھ تم اپنا پہلا فلم کا شوٹنگ اب تک شروع نہیں کیا۔'' فنانسر شیر بھائی نے پوچھا۔

''ہیروئن کا لفڑا ہے اس اس واسطے کام رکا ہوا ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

''ایک لڑکی ادھر ہے دیکھ لو سنا ہے تم سب پرانی کو ریجکٹ کر دیا ہے۔''

''ہاں میں نئی ہیروئن لوں گا۔'' میں نے جواب دیا۔

''بولو تو ڈھونڈ کے لائے ادھر پارٹی میں آیا ہوا ہے۔'' شیر بھائی بولے۔

''واندہ نہیں لاؤ۔'' میں نے جواب دیا۔

شیر بھائی اٹھ کر ایک طرف چلے گئے۔

کچھ ہی دیر میں ان کے ساتھ جو لڑکی آئی وہ چمپا کلی کا بڑا ماڈل تھا۔ کسی نے اس کو کرسی دی وہ میرے سامنے بیٹھ گئی مگر نظریں ملتے ہی بے چین ہو گئی۔ میں نے کہا۔

''پریشان مت ہو تم نے پہچان لیا ہے تم موم کی نہیں ہو کہ پگل جاؤ گی... تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ میرے ساتھ آؤ۔'' میں نے یہ سب اس سے ہونٹ ہلا کر نہیں کہا تھا۔

میرا کہا اس کے دماغ نے قبول کر لیا اور وہ کھڑی ہو گئی۔

میرے کھڑے ہوتے ہی شیر بھائی بولے۔

''ارے یہ کیا سیٹھ چھوکری بہت پسند آ گئی شاید۔''

میں نے صرف مسکرا کر ان کی طرف دیکھا اور

سیڑھیاں چڑھ کر اپنے کمرے میں اس کو لے آیا۔
کمرے میں پورے انتظامات تھے یہاں سے وہ واپس چلی جائے یہ ناممکن تھا۔
''تم نے دیکھا کہ میں نے تم کو تلاش کر لیا اور تمہارا گورو مجھے تلاش نہیں کر سکا۔'' میں نے کہا۔
''گورو کی بات مت کر تو اب بھی اس کو نہیں ڈھونڈ سکتا۔'' وہ بولی۔
''مجھے اس کی نہیں تیری ضرورت تھی۔'' میں نے کہا۔
میں تیرے کسی کام کی نہیں ہوں۔ میں صرف اس کا حکم مانتی ہوں جو میرا جاپ کرتا ہے۔'' وہ طنطنا کر بولی۔
''مجھے کوئی کام نہیں لینا ہے میں خود کام کرتا ہوں۔ اب تو اس کمرے میں آرام کر میں تیرے گورو کے پاس جاتا ہوں۔'' میں نے کہا۔
تو کیا سمجھتا ہے میں اس کمرے میں پڑی رہوں گی ارے احمق میں بیر ہوں کوئی گوشت پوست کی عورت نہیں ہوں میں ہوا میں پرواز کرتی ہوں پہاڑوں پر بسیرا کرتی ہوں میں جب چاہوں چلی جاؤں تیرے ساتھ آ گئی تو سمجھتا ہے میں ڈر کر آ گئی تھی۔'' وہ نفرت سے بولی۔
''زیادہ بات نہ کر احمق تو خود ہے اس کمرے میں تو کیا تو اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکتی اور سن تو اپنا یہ حسین بدن کم بھی نہیں کر سکتی اب جو کروں گا میں کروں گا۔ تیرے گورو نے بہت بڑی غلطی یہ کر دی کہ تیرا بدن بڑا کر دیا۔ اب تو اسی بدن میں رہے گی اور اس بدن میں تیری ساری شکتی ختم ہو گئی ہے جو کچھ تیرے پاس تھا وہ اس چھوٹی سی گڑیا کے پاس تھا یہ بات تجھے تیرے گورو نے نہیں بتائی ہو گی کیونکہ اس کی نیت میں فتور تھا کیونکہ وہ خود تیری شکتی سے ڈرتا تھا مگر میں تجھے تیرا اصل بدن دوں گا یہ میرا تجھ سے وعدہ ہے۔''
چمپا کلی نے حیرت سے باتیں سنیں اور بولی۔
''مجھے بہکانے کی کوشش کر رہا ہے رے۔''

''نہیں تو خود آزما لے میں جا رہا ہوں اور میں کمرے سے باہر نکل گیا۔''
میں جانتا تھا کہ ایک مخصوص وقت کے لئے چمپا کلی کو اس نے چھوڑا ہو گا اور جب اس کے دائرے میں وہ چمپا کلی کو نہیں پائے گا تو تلاش ضرور کرے گا اور وہی تلاش اس کو میرے قریب لائے گی میں نے اپنی بندشوں کو از سر نو مضبوط کیا اور واپس ہال میں آ گیا۔
ہال میں اب بھی بڑی رونق تھی ایک طرف اسٹیج بنا ہوا تھا اور گانے بجانے کا پروگرام چل رہا تھا۔ ہر قسم کی شراب وافر مقدار میں موجود تھی اور لوگ مفت کی خوب پی رہے تھے۔ رنگ برنگی ساڑھیاں اور پیٹ سے اوپر تک بلاؤز شراب کے نشے نے اور اوپر کر دیئے تھے۔ مدہوش فلمی دنیا کی دیویاں جو فلموں میں ستی ساوتری کا رول کرتی تھیں نیم برہنہ حالت میں گودوں میں بیٹھ کر شراب پی رہی تھیں۔
میں سب سے بچ کر ایک الگ میز پر بیٹھا تھا اور غور سے دروازہ کو دیکھ رہا تھا۔ دروازے کے اندر آنے والے کم تھے اور باہر جانے والے زیادہ تھے۔ مگر جو جا رہا تھا وہ مدہوش تھا۔ میرے سامنے بھی گلاس اور بوتل رکھی تھی میں یہ تاثر دے رہا تھا جیسے ضرورت سے زیادہ پی گیا ہوں اس لئے الگ بیٹھا ہوں میرے نزدیک جو آتا تھا میں اس کو گالیاں دے کر بھگا دیتا تھا وہ سمجھتا شراب چڑھ گئی ہے مسکراتا واپس چلا جاتا آہستہ آہستہ ہال میں لوگ کم ہوتے گئے۔
پھر میں نے دیکھا ایک داڑھی والا ادھیڑ عمر آدمی ہال کے دروازے سے اندر آیا آنے والا سفید پتلون اور کالی شرٹ پہنے تھا آنکھوں پر نظر کا چشمہ تھا داڑھی نہ سفید تھی نہ کالی چہرہ رعب دار تھا اور قد لمبا تھا۔ آنے والے نے ایک نظر میں ہال کا جائزہ لیا۔ پھر اندر آیا پھر میز کے قریب سے گزرا اور پر میز پر گہری نظریں ڈالیں پھر میری طرف آ گیا۔ میرے سامنے ایک لمحے کو وہ رکا مگر پھر آگے جانے کو قدم بڑھانا چاہتا تھا کہ میں نے کہا۔
''وہ نہیں ملے گی اپنے کسی پرانے یار کے ساتھ

بھاگ گئی ہوگی۔"

اس کے چہرے پر بے چینی کے سائے لہرائے مگر آدمی تجربہ کار تھا اور خطروں میں کھیلنے کا عادی لگتا تھا چہرے تاثرات بدل کر بولا۔

"تم نے کس طرح جان لیا کہ میں کسی عورت کے چکر میں آیا ہوں۔"

"اپنی اپنی ودیا ہے صاحب جی ہم فلمی لوگ ہیں ہماری یہی ودیا ہے اس لئے جان گیا۔ عورت کا کیا ہے صاحب جی جس کے پہلو میں ہے اس کا ہے۔" میں نے کہا۔

اس نے غور سے میری طرف دیکھا اور بولا۔ "مجھ سے بچ کر کہاں جائے گی۔"

"ارے صاحب جی وہ تو چلی گئی دیکھو ہال خالی ہو رہا ہے۔" میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے تلاش میں کرلوں گا۔" وہ جانے کو مڑا۔

میں نے کاندھے پر زور بڑھا کر کہا۔ "دو چار گھونٹ ہمارے ساتھ لگاؤ پھر جانا۔"

"میرے پاس وقت کم ہے اس حرام کی جنی کو بھی تلاش کرنا ہے چلتا ہوں۔"

میں اتنی باتیں صرف اس کو پرکھنے کے لئے کر رہا تھا اب میں پرکھ چکا تھا کہ وہ بھگوت ہی ہے۔

"اب اتنی بے مروتی بھی ٹھیک نہیں ہے مہاراج۔"

وہ مہاراج سن کر چونک پڑا۔ تو میں نے کہا۔

"اب بیٹھ جاؤ۔"

اس نے ایک گہری نظر مجھ پر ڈالی اور میرے سامنے پڑی کرسی پر بیٹھ گیا تو میں نے کہا۔

"بھگوت مہاراج تمہاری تلاش ختم ہوئی میں تمہارے سامنے ہوں مگر یہ نہ پوچھنا کہ میں کون ہوں۔ تمہارے سامنے اس لئے موجود ہوں کہ تم سے میری کوئی دشمنی نہیں ہے میں تم کو یہ کہنا چاہتا تھا کہ اپنی طاقت کو کسی کمزور کے خلاف استعمال کرنے والا بڑا آدمی نہیں ہوتا اور تم جس ہرجائی پر بھروسہ کر رہے ہو اس نے تمہارا حکم صرف اس لئے ٹھکرا دیا تھا کہ اس کو اپنی فکر پڑ گئی تھی۔ مجھے تمہاری نہیں اس کی تلاش تھی تم تو درمیان میں اس کی وجہ سے آ گئے تھے۔" میں نے بات ختم کی۔

"وہ ہرجائی ہے اس کا اندازہ مجھے ہو گیا ہے مگر اس کو میں چھوڑ بھی نہیں سکتا کیونکہ اس پر میں نے بہت محنت کی ہے وہ میری ضرورت بھی ہے اور محنت کا پھل بھی ہے۔" وہ بولا۔

مگر تم اس کو بھول جاؤ وہ اب میرے پاس ہے تم اس سے بار بار دھوکا کھاؤ گے۔" میں نے کہا۔

"تم زبردستی اس کو اپنے پاس نہیں رکھ سکو گے میں نے پراسرار دنیا کے قاعدے اور قانون سے اس کو پایا ہے یہ تو تم جانتے ہو گے دنیا میں ہر مقام کے قاعدے قانون ہوتے ہیں ان سے بغاوت کرنے والا کوئی شکتی نہیں پاتا میں نے اس راستے پر چل کر چمپا کلی کو پایا ہے تم اس کو اپنے پاس نہیں رکھ سکو گے میرے اوپر بھی کوئی ہے اس لئے چمپا کلی جیسی بھی ہے اس کو میرے حوالے کر دو۔" بھگوت مہاراج نے کہا۔

"اور اگر میں انکار کردوں تو۔" میں۔ نے پوچھا۔

"تو پھر تمہاری اور میری جنگ ہوگی جو جیتے گا چمپا کلی اس کی ہوگی۔



"تم اس کی خاطر جنگ کرو گے جو تمہاری نہیں ہے....." میں نے کہا۔

"ہاں اس کی خاطر کروں گا کیونکہ اس کو میں نے حاصل کیا ہے۔ تم کو پتہ ہے وہ کتنی ضدی اور خطرناک بیر ہے۔ وہ دنیا کے وہ کام کر سکتی ہے جو کوئی نہیں کر سکتا۔" بھگوت نے کہا۔

"نہیں وہ کچھ نہیں کر سکتی۔ وہ خود کو آزاد تک نہیں کرا سکتی۔ جو اپنی حفاظت نہ کر سکے وہ کیا کر سکتا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"وہ حالات کی نزاکت اور طاقت کا وزن خوب کرتی ہے، اس کی ناپ تول پوری ہوتی ہے اور پھر عیاری

مکاری وحسن اس کے بڑے ہتھیار ہیں۔ وہ تم سے ڈر کر روپوش ہوگئی تھی۔ اس نے تمہارا وزن کرلیا تھا اور اسی میں بہتری تھی کہ فرار ہو جائے۔ مگر اس سے تو اس کی ہوشیاری ظاہر ہوتی ہے۔ مناسب وقت پر وار کرنا ہی عقل مندی ہے۔'' بھگوت نے کہا۔

''تمہارے کہنے کا مطلب ہے دھوکے سے وار کرنا یا کمزور پر وار کرنا اور فتح یاب ہونا۔ یہ تو بزدلی ہے۔ تم اس کو عقل مندی کہہ رہے ہو۔'' میں نے کہا۔

''ہماری دنیا کا یہی چلن ہے۔ تم کس دنیا کے ہو کہ اس کو نہیں مانتے۔'' وہ بولا۔

''میں تمہاری اس دھوکے باز دنیا کا باشندہ نہیں ہوں یہ بات تمہاری ٹھیک ہے۔'' میں نے کہا۔

''تو پھر چمپا کلی تمہارے لئے بیکار شے ہے۔ اس کو میرے حوالے کردو۔'' بھگوت بولا۔

''مگر وہ اب تمہارے کام کی نہیں رہی۔ اس لئے کہ وہ اب جس شکل اور قد کاٹھ میں ہے اس کو بدل نہیں سکتی اور تم بھی اس کی مدد نہیں کر سکتے۔'' میں نے کہا۔

''وہ میرا بیر ہے۔ میں نے اس کو بڑا کیا تھا کم بھی کرلوں گا۔'' وہ بولا۔

''مگر اب اس پر تمہارا کوئی منتر اثر نہیں کرے گا کیونکہ وہ میرے زیر اثر ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ تم کچھ نہیں کرسکو گے میرا مشورہ ہے اس کو بھول جاؤ اور کوئی اور بیر تلاش کرلو۔'' میں نے جواب دیا۔

''میں یہ نہیں مانتا۔ تم ایسا نہیں کر سکتے میرا نام بھگوت مہاراج ہے میں سب توڑ جانتا ہوں۔ پورے بھارت میں میرا جوڑ نہیں ہے۔ تم نے غلط جگہ ہاتھ ڈالا ہے میری کمائی کوئی اور کھائے ایسا آج تک نہیں ہوا اور غور سے سن لے۔ تو جو کوئی ہے اس کو میرے سامنے کر وہ میرے کاندھے پر آجائے گی پھر تو مانے گا کہ بھگوت مہاراج بھی کوئی چیز ہے۔'' وہ غصے سے بولا۔

''تو ابھی تک یہ پتہ نہیں کرسکا کہ وہ کہاں ہے .....؟ اپنے علم سے اپنی ودیا سے پتہ کرلے اور چلا جا اس کے پاس اور بٹھالا اپنے کاندھے پر۔ میں نے منع تو نہیں کیا ہے تیری شکتی کا بھی پتہ چل جائے گا۔'' میں نے جواب دیا۔

''تو بہت چالاک ہے۔ میرے چاروں طرف اندھیرا کر کے کہہ رہا ہے۔'' وہ بولا۔

''تو اس اندھیرے کو روشنی میں بدل لے سب نظر آئے گا۔'' میں نے کہا۔

''اصول اور قاعدے بھی ہیں ہماری بھی کچھ حد بندی ہے تو نہیں جانتا کیا۔'' بھگوت بولا۔

''تمہارا علم اور تم جھوٹ اور فریب کے کارندے ہو تم کسی پابندی کے محتاج نہیں ہو۔ تم صرف ایک زبان جانتے ہو اور وہ ہے طاقت کی زبان۔ کمزوروں پر تم ظلم کرکے خود کو بہادر سمجھتے ہو اور طاقتور کے ساتھ مکر وفریب سے کام لیتے ہو تم مجھے سبق مت پڑھاؤ اور جاؤ اپنی پیاری کو تلاش کرو۔'' میں نے کہا۔

بھگوت غصے سے اٹھ کھڑا ہوا اور بولا۔ ''ٹھیک ہے اب تیری میری چلے گی۔'' اور تیزی سے دروازے سے چلا گیا۔ میں جانتا تھا کہ وہ جائے گا نہیں کسی اور شکل میں منڈلاتا رہے گا اس لئے میں کمرے میں نہیں گیا۔ جب ہر طرف سناٹا ہوگیا تو میں روپوش ہوگیا اور کمرے میں آ گیا۔ مجھے چمپا کلی بھی نہیں دیکھ سکتی تھی۔ وہ پلنگ پر بیٹھی تھی مگر اس طرح کہ جیسے جانے کو تیار ہو۔ میں غسل خانے میں چلا گیا اور وہیں سے پارسی سیٹھ کے بھیس میں نمودار ہوا تو اس نے چونک کر پوچھا۔

''تو کب آ گیا۔ میں نے نہیں دیکھا۔''

''تیری آنکھیں اس قابل نہیں کہ تو مجھ کو دیکھ سکے اور سن تو اپنی زبان درست کرلے اگر نہیں کرے گی تو یہ بند ہو جائے گی اور زبان بند ہوگئی تو فلم میں کام کس طرح کرے گی کیونکہ تجھے میں ہیروئن بنا رہا ہوں تو اس میں گائے گی ناچے گی لوگوں کو خوش کرے گی۔'' میں نے کہا۔

''میں کسی فلم میں کام نہیں کروں گی۔ تو کان کھول کر سن لے۔'' وہ نفرت سے بولی۔

''پھر آئی کیوں تھی؟'' میں نے پوچھا۔

''وہ تو میں بھگوت مہاراج کے حکم پر آئی تھی۔'' وہ بولی۔

''اور اب میرے حکم پر کام کرے گی کیونکہ گورو تجھے تلاش کر کے چلا گیا ہے۔'' میں نے کہا۔

''وہ کبھی نہیں جائے گا۔ وہ پھر آئے گا۔ میں اس کا بیر ہوں۔ تو نے میرے پر کاٹ دیئے ہیں مگر ایک نہ ایک دن میں پھر اصل شکل میں واپس آ جاؤں گی۔ پھر تیرا کیا ہوگا۔ ابھی سے سوچ لے۔'' وہ غصہ بھری آواز میں بولی۔

''میں انتظار کروں گا اس وقت کا۔ مگر آج کے بعد تجھے وہی کرنا ہے جو میں کہوں گا اگر ذرا بھی تو نے خلاف ورزی کی تو سزا دوں گا اور سن لے غور سے۔ میری سزا ایسی ہوگی کہ تو مرنے کی دعائیں کرے گی اور نہیں مرے گی۔ آج کے بعد دوبارہ میں تجھ کو زبان سے کچھ نہیں کہوں گا۔ تو صرف ایک عورت ہے آبرو باختہ عورت جس کی اس دنیا میں کوئی عزت نہیں ہے جو دولت کے لئے ہر کام کرتی ہے اور تو فلم میں بھی کام کرے گی۔''

دوسرے دن میں نے چمپا کلی کو فلم کے سیٹ پر پہنچا دیا۔ اس نے زبان سے کچھ نہیں کہا۔ میک اپ روم میں وہ تیاری کرتی رہی سیٹ پر ڈائریکٹر تیاری کرتا رہا۔ کیونکہ یہ مہورت کا شاٹ تھا فلمی دنیا کی روایت کے مطابق مہمان بھی بلائے گئے تھے رات ڈیڑھ بجے وہ تیار ہو کر سیٹ پر آ گئی۔ مگر میں نے اعلان کر دیا کہ چمپا کلی کو فلم سے ہٹا کر ایک اور نئی لڑکی کو ہیروئن بنایا جائے گا۔ پورا یونٹ حیران رہ گیا۔ چمپا کلی جس خاموشی سے آئی تھی اسی خاموشی سے واپس میک اپ روم میں چلی گئی اور شوٹنگ پیک اپ ہو گئی مہورت نہیں ہوا۔

''سر یہ اچانک آپ نے کیا فیصلہ کر دیا بہت نقصان ہو گیا۔'' ڈائریکٹر نے مجھ سے پوچھا۔

''جو بات تمہارا سمجھنے کا نہیں ہے اس کا سوال مت کرو۔ کسی کو بھی تم ہیروئن بنا ڈالو میری طرف سے تم کو اجازت ہے۔'' میں نے کہا۔

ڈائریکٹر خاموش ہو گیا۔ میں اس کو کیا بتاتا۔ چمپا کلی کون ہے۔ وہ فلم میں کام کرتی مگر فلم کا فیتہ پلین ہی رہتا۔ فوٹو مادی چیزوں کی بنتی ہے۔ چمپا کلی کی فوٹو کون اتار سکتا ہے۔ میں نے تو صرف ایک جھٹکا اس کو دینا تھا۔ اس کی ہٹ دھرمی کا اندازہ کرنا تھا وہ کر لیا۔ وہ بہت موقع شناس تھی جان گئی تھی کہ بھگوت اس کو آسانی سے چھوڑ کر نہیں گیا ہوگا اور اگر بھگوت کچھ کرنے کی پوزیشن میں ہوتا تو کبھی کا کر چکا ہوتا۔ اس کی خاموشی معنی خیز تھی میں بھی سمجھ رہا تھا۔

بھگوت دوبارہ اپنے خول میں بند نہیں ہو سکتا تھا۔ میں اس کی موجودگی محسوس کر رہا تھا مگر وہ روپ پر روپ بدل رہا تھا۔ وہ میرے قریب رہنا چاہتا تھا۔ میری نقل و حمل پر نظریں رکھنا چاہتا تھا وہ وقت کے انتظار میں تھا۔ میں نے چمپا کلی کو ایک فلیٹ میں پہنچا دیا تھا۔ یہ فلیٹ میری فلم کے ڈائریکٹر نے مجھے دیا تھا وہ وہاں پر ایک ملازمہ کے ساتھ اکیلی تھی۔ بظاہر اس کے ساتھ صرف ملازمہ تھی مگر ایسا نہیں تھا میں نے بھگوت مہاراج کے سارے راستے بند کر دیئے تھے۔

وہ میرے سامنے دوبارہ نہیں آیا ایک ماہ گزر گیا۔ پھر مجھے پتہ چلا کہ وہ چلا گیا ہے۔ میں جانتا تھا کہ وہ مجھے فریب دے رہا ہے۔ ایک ہفتہ کے بعد وہ پھر آ گیا۔ مگر اب وہ اکیلا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ ایک اور آدمی بھی تھا۔ اب میں زیادہ وقت دینا نہیں چاہتا تھا۔ میں نے رات میں یہ کارروائی کی کہ اس کو اپنے پاس بلوا لیا۔ میرا کارندہ خاموشی سے گیا اور اس کو لے کر میرے ٹھکانے پر آ گیا یہ کام اتنی خاموشی سے ہوا کہ اس کے ساتھ آئے آدمی کو خبر تک نہ ہوئی۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو وہ میرے سامنے تھا۔ ذرا دیر کو وہ پریشان ہوا مگر پھر نارمل ہو گیا اور بولا۔

''تو نے اپنا وار کر ہی دیا۔ مگر تو میرا کچھ کر نہیں سکے گا۔''

''میں نے تیرا کیا کرنا ہے۔ کچھ بات چیت کریں گے اور بس۔'' میں نے جواب دیا۔

''بول کیا کہنا ہے۔'' وہ بولا۔

''میں زیادہ دن اس شہر میں نہیں رہنا چاہتا مگر

تیری وجہ سے رہنا پڑ رہا ہے۔ فیصلہ کر لے تا کہ میں آگے بڑھوں۔'' میں نے کہا۔

''گھبرا گیا ہے۔ تو اس شہر سے باہر جا کر تو دکھا۔'' وہ بولا۔

میں نے نرمی سے کہا۔ ''دیکھ تیرا میرا جھگڑا نہیں ہے آرام سے بات کر۔'' میں نے جواب دیا۔

''تیری سمجھ میں یہ بات اس لئے آ گئی کہ تو اکیلا رہ گیا۔ میری شکتی دوگنی ہو گئی۔ میں نے اب تک صبر کیا اب بتا چمپا کلی کہاں ہے اسے کب واپس کرے گا اور وہاں یاد رکھ۔ نہیں واپس کرے گا تو بھی وہ میرے پاس آ جائے گی اور اس کے بعد تیرا کیا ہوگا خود سوچ لے۔'' وہ غرور سے بولا۔

میں آہستہ آہستہ بلی کو باہر لا رہا تھا۔ میں نے اطمینان سے کہا۔ ''اگر میں چمپا کلی تجھے واپس کر دوں تو تو اس کا کیا کرے گا۔''

''کچھ بھی کروں۔ میں نے محنت سے اس کو پایا ہے۔ میرے پاس بہت کام ہیں اس کے لئے۔'' وہ بولا۔

''پھر تیرا میرا جھگڑا ختم ہو جائے گا۔'' میں نے کہا۔

''اب جھگڑا ختم کرنے کی بات مت کر۔ اب تو میں تیرا اکلیان ہی کروں گا۔ ارے تو نے بھگوت کو چھیڑا ہے تو ذرا مزا بھی تو لے۔'' وہ تکبر سے بولا۔

''تیرے ساتھ کون ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''ہری مرچ ہے بہت تیز ہے ناچتا پھرے گا۔'' وہ بولا۔

'تو بڑا ہی بے وقوف ہے۔ ارے ہری مرچ لینے متھرا تک چلا گیا۔ ارے وہ تو بمبئی میں بھی مل جاتی۔ اور متھرا کی مرچ تو ویسے بھی کوئی پسند نہیں کرتا۔ اس لئے میں نے اس کو واپس متھرا بھیج دیا ہے۔ اب تجھے دوبارہ کشٹ اٹھانا ہوگا۔ کوئی تیز ہری مرچ لانا پڑے گی۔'' میں نے جواب دیا۔

''ارے کا بکواس کر رہا ہے گوکل ناتھ کیا کبوتر کا بچہ ہے کہ تو اٹھا لے گا۔'' وہ بولا۔

''ارے وہ تو اس سے بھی بدتر۔ ہے تو کس بھروسے پر ساتھ لایا تھا۔'' میں نے کہا۔

''میں تیری بات کیسے مان لوں۔'' وہ بولا۔

''تو پھر اپنی ودیا سے پوچھ وہ کہاں ہے۔'' میں نے کہا۔

وہ خاموش ہو گیا چند منٹ کے بعد بولا۔ ''وہ ٹھکانے پر نہیں ہے بتا کہاں ہے؟''

''میں نے بتا دیا کہ وہ متھرا چلا گیا اگر نہ جاتا تو اس کا کان کاٹ کر بھیجتا۔'' میں نے کہا۔

''تیری بات سمجھ میں نہیں آ رہی۔'' وہ نرمی سے بولا۔

''تیری گرمی بھی ایک منٹ کی ہے۔ مگر میری دشمنی تجھ سے نہیں ہے تیری پیاری کو اس لئے پکڑ لیا ہے کہ تو اس سے ایک بہت خطرناک کام لینے والا ہے۔'' میں نے کہا۔

''میرا وعدہ رہا میں کوئی خطرناک کام نہیں لوں گا۔'' وہ بولا۔

''تیرے پاس جھوٹ کے سوا کچھ نہیں ہے۔ کیا تو اس شہر کے سب سے بڑے کے کاندھے پر اس کو نہیں چڑھانا چاہتا۔ کیا تیری نظریں اس کی دولت پر نہیں ہیں۔ کیا تو اس کے بچوں کو ختم نہیں کرنا چاہتا۔ کیا تو نے صرف دولت اور اقتدار کی خاطر چمپا کلی کو نہیں حاصل کیا ہے۔ تو خود کیا ہے تجھے گوکل کے ایک سادھو نے یہ جاپ نہیں سکھایا۔ تیرے پاس جو کچھ ہے اسی سادھو کا دیا ہے تو میری نظروں سے کچھ دن چھپا رہا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ تجھ پر اس سادھو کا ہاتھ تھا مگر اب وہ سادھو تیرا ساتھ نہیں دے گا کیونکہ اس کو تیرے ارادے کا پتہ چل چکا ہے اس لئے میرا مشورہ ہے کہ واپس دریا گنج کے گاؤں لوہارو میں لوٹ جا تو جس طرح دولت حاصل کرنا چاہتا ہے اس طرح حاصل کی ہوئی دولت انسان کے کسی کام نہیں آتی۔ محنت کی روکھی روٹی میں بہت مزا ہے۔'' میں نے اپنی بات ختم کی۔

''بڑی لن ترانیاں ہانک رہا ہے تو، سادھو سنگی ناتھ مہان منش ہیں تو ان کو کیا جانے وہ میرے گورو ہیں۔ میری سہائتا کریں گے تو مجھے ان کے خلاف بھکا رہا ہے

میں سب جانتا ہوں۔" وہ غصے سے بولا۔

"تو پھر جا سادھو کے پاس گوکل اور پتہ کر لے۔" میں نے کہا۔

"میں جائے بنا بھی پتہ کرلوں گا۔" وہ بولا۔

وہ خاموش ہوا اور میں نے پردہ کھینچ دیا۔ اس کی سوچ اس پردے پر آ کر ختم ہوگئی اور اس نے گھبرا کر کہا۔ "یہ راستہ کیوں بند ہے۔"

"تو بڑا علم رکھتا ہے۔ تیرے لئے کوئی نادیدہ قوت کیا اہمیت رکھتی ہے بنا لے اپنا راستہ اور چلا جا گوکل......"

"جاؤں گا ضرور جاؤں گا۔" وہ بولا۔

"تو ذرا سی ودیا کو ہضم نہیں کرسکا تو بڑا نادان ہے اور بے وقوف...... اس سنسار میں درگزر، تیاگ اور تپسیا کے سوا کچھ نہیں ہے۔ تو اپنی طاقت کو استعمال کر انسانی بھلائی کے لئے اور تو صرف اپنی بھلائی چاہتا ہے۔ اس کائنات میں تیری کیا حیثیت ہے تو ایک ذرے کے برابر نہیں ہے۔ دس بیس سال کی زندگی تیری باقی ہے تیری وہ دولت تیرے کسی کام نہیں آنے والی۔" میں خاموش ہوگیا۔

کچھ دیر خاموشی رہی۔ پھر وہ بولا۔ "مجھے جانے دے میں تیرے پاس ایک دفعہ پھر آؤں گا پھر تجھ سے پوچھوں گا اس وقت میں تیرا کچھ نہیں کرسکتا۔"

"تو ہر بار اسی نیت سے آیا تو ہر دفعہ ذلیل ہوگا۔" میں نے کہا۔

"میں ضدی آدمی ہوں تیری کوئی بات میرے اندر نہیں گئی میں وہی کروں گا جو مجھے کرنا ہے۔" وہ بولا۔

"دیکھ مجھے میں چاہوں تو تجھے یہیں پر باندھ دوں تیرے سارے پر نوچ ڈالوں مگر مجھے بھی تیری صاف بات اچھی لگی ہے۔ تو آزاد ہے جب تیرا دل کرے آ جانا۔" میں نے کہا۔

"ایک بات بتا دے چمپا کلی کا تو کیا کرے گا۔" وہ بولا۔

"وہ ایک عورت کے روپ میں ہے میرے پاس بول تو اس کی شادی کسی شریف آدمی سے کرادوں۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"اس سے کیا ہوگا۔ وہ رہے گی تو میرا بیر ہی اور جب بھی موقعہ ملا آ جائے گی میرے پاس۔" وہ بولا۔

"پر ہوں گے تو پرواز ہوگی۔ مردوں کی طرح تجھ کو چھوڑ رہا ہوں مردوں کی طرح ہی دوبارہ آنا۔ چھچھوندر کی طرح آئے گا تو چھچھوندر کی طرح ہی مارا جائے گا۔" میں نے کہا۔ اور بھگوت مہاراج گردن جھکا کر چلا گیا اور میں چمپا کلی کو لے کر آپ کے پاس آ گیا۔" رولو کا نے اپنی روداد ختم کی تو میں نے پوچھا۔

"اور وہ چمپا کلی کہاں ہے؟"

اس نے جیب میں دو انگلیاں ڈالیں اور کہا۔ "آ جا باہر۔" اور میں نے حیرت سے دیکھا کہ ایک چھوٹی سی عورت اس کی ہتھیلی پر کھڑی تھی۔ وہ ایک مکمل عورت تھی صرف تھی چند انچ کی...... کچھ دیر میں اس کو حیرت سے دیکھتا رہا۔ پھر میں نے اس سے پوچھا۔

"تیرا نام کیا ہے۔"

وہ ایک ادا سے مسکرائی اور بولی۔ "حکیم صاحب مذاق کرتے ہو سب تو آپ کو بتا دیا میں چمپا کلی ہوں۔"

"چمپا کلی تم کس کام کی ہو۔" میں نے پوچھا۔

"میں ہر کام کی ہوں۔ جو کام کوئی نہ کر سکے وہ کرتی ہوں مگر تمہارا نہیں کروں گی اور اس کا بھی نہیں کروں گی جس کے بس میں اس وقت ہوں میں صرف اس کا کہا مانتی ہوں جس کے پاس اپنی مرضی سے جاتی ہوں یا جو میرا پورا جاپ کرتا ہے۔ میں اس کے پاس اپنی مرضی سے نہیں آئی ہوں اور نہ ہی اس نے میری خاطر اپ کرنے کا کشٹ اٹھایا ہے صرف دھونس جما کر قبضہ کیا ہے۔" وہ بولی۔

اس کی آواز اور بولنے کا انداز بھرپور اور سمجھ دار عورت کا تھا۔ میں نے کہا۔ "دھونس کمزور پر چلتی ہے تو ہر کام کرسکتی ہے تو پھر ہو جا آزاد۔"

"تم حکیم ہو اپنی دوا دارو کو دیکھو یہ پراسرار اور ان دیکھی دنیا کی باتیں ہیں تمہاری سمجھ میں نہیں آئیں گی۔"

بے شک یہ بات درست تھی میری جگہ اگر کوئی اور

ہوتا تو شاید وہ مارے حیرت کے بے ہوش ہو جاتا میں تو رولوکا کے ساتھ رہ کر ان انہونی باتوں کا عادی ہو گیا تھا۔

رولوکا نے اس کو دوبارہ جیب میں رکھ لیا اور بولا...... "یہ ایک نہایت خطرناک بیر ہے۔ اس کو ساتھ رکھنا بہت مشکل ہے آپ مشورہ دیں کیا کروں۔"

"اس کو صندوق وغیرہ میں بند کر دو۔" میں نے کہا۔

"ایسا ہو سکتا ہے مگر میرے سامنے ایک اور مسئلہ ہے۔" وہ بولا۔

"کون سا مسئلہ......؟" میں نے پوچھا۔

"بھگوت مہاراج نے جاپ پورا کرتے ہی اس کی بھینٹ اس کو دی ہوگی۔ اس کا پیٹ بھرا ہوا ہے۔ مگر ایسا ہمیشہ تو نہیں ہوگا وہ کسی وقت بھی اپنی غذا طلب کرے گی اور آپ کو شاید پتہ ہو کہ ان کی غذا بڑی انوکھی ہوتی ہے کچھ بیر تو تازہ خون طلب کرتے ہیں اور کچھ انسانی اعضاء کھاتے ہیں۔" رولوکا نے بتایا۔

"اس کا مطلب ہوا وہ تم سے بھی یہی طلب کرے گی۔" میں نے کہا۔

"نہیں مجھ سے نہیں طلب کرے گی۔ وہ بھگوت کی بیر ہے اسی سے طلب کرے گی۔" رولوکا نے کہا۔

"جب بھگوت کے پاس وہ ہے ہی نہیں تو طلب کس طرح کرے گی۔" میں نے کہا۔

"وہ ہر حالت میں اس کے پاس جائے گی۔" رولوکا بولا۔

"مگر تم نے اس کو باندھ رکھا ہے۔" میں نے کہا۔

"میرا خیال ہے اس کو وعدے پر آزاد کر دوں وہ وعدہ پر جائے گی تو میرے خلاف کچھ نہیں کرے گی آپ کا کیا خیال ہے۔"

"یہ گندی چیزیں کیا اپنے وعدوں کا پاس کرتی ہیں۔" میں نے کہا۔

"نہیں کرتیں مگر یہ خطرہ مول لینا ہوگا۔" رولوکا نے کہا۔

"ٹھیک ہے جس طرح تم ٹھیک سمجھتے ہو وہی کرو۔" میں نے جواب دیا۔

رولوکا نے چمپا کلی کو ہتھیلی پر کھڑا کر دیا اور کہا۔ "تم بھگوت کے پاس جانے کو بے قرار تھیں میں تم کو چھوڑ دوں تو وہیں جاؤ گی۔"

"اور کہاں جاؤں گی اس کے جاپ نے باندھ رکھا ہے میں صرف اس کی ہوں۔" وہ بولی۔

"ایک شرط پر جا سکتی ہو۔" رولوکا نے کہا۔

"ہاں بول کیا شرط ہے۔" وہ بے چینی سے بولی۔

"میرے پاس کبھی کسی برے ارادے سے نہیں آئے گی اور تین مہینے تک کسی کے کاندھے پر سوار نہیں ہوگی۔ بھگوت کے کہنے سے بھی۔" رولوکا نے کہا۔

"صرف تین مہینے۔ ٹھیک ہے میں بھگوت سے بات کر لوں گی اور تیرے پاس تیرا نقصان کرنے نہیں آؤں گی یہ میرا وعدہ ہے۔" وہ ہنس کر بولی۔

"تو آزاد ہے بھاگ جا۔" اور وہ رولوکا کی ہتھیلی سے کود گئی۔ میں نے حیرت سے اس کو دیکھا اور پھر کہا۔

"یہ کیا چیز تھی بھائی میرا تو دماغ ہی گھوم رہا ہے۔"

"حکیم صاحب پراسرار دنیا میں ہزاروں قسم کی چیزیں ہیں۔ ہزاروں ایسی ہیں جن سے ہمارا واسطہ اب تک نہیں پڑا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے اور ہمارے درمیان کسی قسم کا ٹکراؤ نہیں ہے وہ اپنی جگہ ہیں اور ہم اپنی جگہ ہیں۔ مگر ہمارے کچھ نادان بھائی بند ایسے ہیں جو خود ان کو بلاتے ہیں۔ آواز دیتے ہیں اور ان سے ناجائز کام لیتے ہیں اور وہ بھی ہماری دنیا کے مزے میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ واپس نہیں جانا چاہتے۔ ایسا کم ہوتا ہے کہ کوئی ایسا بیر واپس گیا ہو۔ اس کو ختم کرنا پڑتا ہے۔ اس کے ختم کرنے میں یہ خطرہ رہتا ہے کہ ہماری اور اس کی دنیا کی دشمنی نہ ہو جائے اور نہ ختم ہونے والی جنگ نہ شروع ہو جائے چمپا کلی بھگوت کے سحر میں ہے اس کا ہی کہا مانتی ہے میں کچھ بھی کہوں مجھے وہ اپنا دشمن ہی خیال کرے گی۔ اس کو وہی اچھا لگے گا۔ جو بھگوت اس سے کہے گا میں نے

تین ماہ کے لئے اس کو پابند تو کر دیا ہے اور اپنی طرف بھی آنے کا منع کر دیا ہے مگر اس کے بعد کا انتظام کرنا ہوگا اور اس کا انتظام سادھو کرے گا وہی اس کو واپس روانہ کر سکتا ہے۔ میں اس کو مار سکتا ہوں اور وہ میں کروں گا نہیں۔''

''اس کا مطلب ہوا کہ تم سادھو کو تلاش کرو گے۔'' میں نے پوچھا۔

''مگر وہ گوکل سے جا چکا ہے میرا اندازہ ہے وہ دیا جل کی کسی پہاڑی گپھا میں چلا گیا ہے کیونکہ اس کو پتہ چل گیا ہے کہ اس کی تلاش دو طرف سے ہونے والی ہے۔'' رولو کا نے کہا۔

''دو طرف سے کیوں؟'' میں نے پوچھا۔

''بھگوت مہاراج اپنی سہاتا کے لئے اس کو تلاش کرے گا اور میں چمپا کلی کا معاملہ ختم کرنے کو تلاش کروں گا۔ وہ بہت بڑا گیانی ہے۔ سارے حالات اس کی نظر میں ضرور ہوں گے۔ وہ بھگوت سے بے خبر نہیں ہوگا اور چمپا کلی سے بھی خبردار ہوگا۔'' رولو کا نے جواب دیا۔

''چمپا کلی نام تو بھگوت نے اس بیر کو دیا ہے اصل میں یہ کیا ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''یہ ٹھیک ہے کہ وہ طوائف چمپا کلی کی ہم شکل ہے کیونکہ جس وقت بھگوت کے پاس آئی تھی اس وقت بھگوت طوائف چمپا کلی کے حسن میں مدہوش تھا اس کے ذہن پر اس کا ناک نقشہ رنگ روپ سوار تھا۔ بیر کو یہ سب پتہ تھا اس لئے وہ اپنے ماسٹر کو خوش کرنے کو اسی رنگ میں ڈھل گئی اور بھگوت نے اس کا نام بھی چمپا کلی رکھ دیا۔'' رولو کا نے بتایا۔

''یہ کہاں سے آئی اس کا اصل ٹھکانا کہاں ہے اس کے بارے میں کچھ پتہ ہے؟'' میں نے کہا۔

''اس دنیا کے گولے میں پہاڑ بھی ہیں ان پہاڑوں کے نیچے کیا ہے کسی کو پتہ نہیں ہے ساری دنیا میں سمندر ہے اس کے پانی میں ہزاروں قسم کی مخلوق ہے مگر سمندر کے اندر بھی تو زمین ہے اس زمین کے نیچے کیا کیا اسرار پوشیدہ ہیں کوئی بتا سکتا ہے۔ آتش فشاں پہاڑوں کے غاروں میں کون سی مخلوق رہتی ہے کسی نے پتہ کیا ہے۔ آپ نے کہاوت سنی ہوگی کہ اگر کوئی صرف چھوٹی انگلی کی مدد سے زمین کو اتنا کھودے کہ کنواں بن جائے تو وہاں سے ایک مخلوق برآمد ہو جائے گی وہ صرف بالشت بھر کی ہوگی اور سب کام کرے گی۔ یہ کہاوت کب سے چلی آ رہی ہے کسی کو پتہ نہیں سب ہی اس کو ایک من گھڑت اور بے معنی چیز کہتے ہیں مگر میں اس میں کچھ حقیقت محسوس کر رہا ہوں۔ زمین کے پرتوں میں پانی اور ہوا دونوں موجود ہیں پھر زندگی بھی ہو سکتی ہے مگر وہ کس شکل کی اور کس ہیئت کی ہوگی اس کا اندازہ نہیں ہے۔'' رولو کا نے جواب دیا۔

''تمہارے سوچنے کا انداز اور حالات کا تجزیہ ہم سب سے بہت الگ ضرور ہے مگر میرے لئے لمحہ فکریہ بھی ہے۔'' میں نے حیرت سے کہا۔

''آپ اس پر زیادہ دماغ نہ خرچ کریں آپ کو اور بہت کام ہیں اور مجھے اجازت دیں میں سادھو کی فکر کرتا ہوں۔'' اور رولو کا چلا گیا۔

❄......❄......❄

انسان بھی ایک عجیب شے ہے اس کو جتنا حاصل ہو جائے اس کی طلب کم نہیں ہوتی۔ اگر اس کے پاس بیس کروڑ روپے ہوں تو بھی وہ مطمئن نہیں ہوتا اور کی طلب کرتا ہے۔ اس کو کسی مقام پر اپنی طلب سے نفرت نہیں ہوتی۔ یہی حال علم و آگہی کا ہے جو جان گیا ہے اس سے آگے جانا چاہتا ہے۔ کہتے ہیں دانائی کی کوئی حد نہیں ہوتی ہم جو چاہتے ہیں اس سے آگے کی بات کرتے ہیں۔ ہم اگر ہزاروں برس کی زندگی بھی پا لیں تو بھی ہماری طلب میں کمی نہیں ہوگی۔ اسی آگہی کا شکار سادھو بھی تھا۔ اگر اس کو آگہی نہ ہوتی تو وہ اپنی گوکل کی کٹیا میں بیٹھا رام رام جپتا رہتا۔ مگر وہ سب جانتا تھا اور اسی سب جاننے نے اس کو پہاڑوں میں پھینک دیا۔

میں گوکل نہیں گیا۔ ہمالیہ کے اس پہاڑی سلسلے کی طرف چلا گیا جو سطح زمین سے ہزاروں فٹ اوپر تھا۔ جہاں

پر صرف برف کے میدان تھے۔ انسان تو انسان کسی پرندے یا جانور تک کا وجود نہیں تھا۔ ہر چیز برف کی تھی درجہ حرارت اس قدر کم تھا کہ کسی زندگی کا ہونا ناممکن تھا۔ میرا مادی جسم میرے ساتھ ہوتا تو وہ ضرور برف کا گولہ بن جاتا۔ میں نے ہر گپھا میں ایک کے بعد ایک جانا شروع کر دیا۔

مجھے پتہ تھا کہ وہ یہیں پر ہے آخر میں نے اس کو ایک گپھا میں پالیا۔ اس نے بھی محسوس کر لیا۔ وہ واقعی صاحب علم گیانی تھا۔ اس کا گیان پورا تھا۔ ”آخر تو آ ہی گیا۔“ وہ بولا۔

”آنا تو تھا، نہ آتا تو معاملہ الجھا ہی رہتا۔“ میں نے جواب دیا۔

”تو خود بھی تو اس معاملے کو ٹھیک کر سکتا تھا۔ بھگوت کی حیثیت کیا ہے۔“ سادھو نے کہا۔

”ایسا ہو سکتا تھا۔ مگر تم ہی اس معاملے کے اصل محرک ہو۔ اس لئے آیا ہوں۔“ میں بولا۔

”کیا کرنا چاہتا ہے۔ میری طرف سے اجازت ہے کر ڈال......“ وہ رسان سے بولا۔

”جو کچھ کرنا ہے وہ تم کو ہی کرنا ہے۔ میں نہیں کروں گا کیونکہ اگر معاملہ بگڑا تو ذمہ دار بھی تم ہی ہو گے۔“

”کیا طاغوتی قوتوں سے دست گریباں ہونے سے ڈرتا ہے۔“ وہ بولا۔

”اس کے بعد کے نتائج سے ڈرتا ہوں...... یہ لڑائی ہزاروں سال تک بھی جا سکتی ہے۔“ میں نے کہا۔

”میں تیری بات سمجھ گیا۔ تجھ سے مل کر خوشی ہوئی۔ آج اچھا دن ہے تجھ سے ملاقات ہو گئی۔ ایک زمانے کے بعد تجھ سا کوئی ملا ہے۔ اتنی دور تک دیکھنے والی نظر صرف تیری ہو سکتی ہے تیری سوچ کا انداز مثبت ہے تو ایک لائق احترام انسان ہے۔ میں اس سے زیادہ اور کیا کہوں۔“ سادھو بولا۔

”میں شکریہ ادا کرتا ہوں کہ تم نے مجھے عزت دی۔“ میں نے کہا۔

”اب بتاؤ چمپا کلی کا کیا کرنا چاہتا ہے؟“ سادھو نے پوچھا۔

”اس کو واپس عزت کے ساتھ اس وعدے پر روانہ کر دو کہ وہ واپس ہماری دنیا میں نہ آئے۔“ میں نے سادھو سے کہا۔

”ٹھیک ہے یہ کام میں کر دوں گا......“ سادھو نے جواب دیا۔

میں نے کہا۔ ”میں اس کا پیشگی شکریہ ادا کرتا ہوں۔“

”اس کی ضرورت نہیں ہے رولوکا۔ میں جانتا ہوں تو خود بھی یہ کر سکتا تھا...... مگر تو نے وہی طریقہ اختیار کیا جو ہونا چاہئے تھا۔ تو حیران مت ہو میں یہاں صرف اس لئے آیا تھا کہ سوائے رولوکا کے کوئی یہاں نہیں آ سکتا۔ پورے بھارت میں صرف میں تم کو جانتا ہوں اور میرا تم سے کوئی ٹکراؤ اس لئے نہیں ہے کہ تمہاری جو لائن ہے وہی میری بھی ہے انداز دونوں کے الگ الگ ہیں......“ سادھو نے کہا۔ میں نے ایک بار پھر شکریہ ادا کیا اور واپس چلا آیا۔“ میں نے پوری روداد سننے کے بعد کہا۔

”میرا خیال تھا تم جنگ کر کے آؤ گے۔“

”دنیا کے ہر مذہب میں اچھائیاں ہیں نیک لوگ بھی ہیں مگر وہ شیطان بھی تو ہے، بھگوت ہمیشہ میرا دشمن رہے گا کیونکہ اس کا خیال ہو گا کہ میں نے چمپا کلی اس سے چھین لی ہے۔“ رولوکا نے جواب دیا۔

”تو پھر اس کا کیا کرو گے۔“ میں نے پوچھا۔

”کچھ تو کرنا پڑے گا۔ جیسا وقت کا تقاضا ہو گا کریں گے۔“ رولوکا نے جواب دیا۔

اور چمپا کلی چلی گئی۔ بھگوت بہت غصے میں ہمارے پاس دلی چلا آیا۔ کیونکہ ہم لوگ دلی میں تھے وہ بڑی تیزی سے مطب میں آیا۔ میں سمجھا شاید کوئی مریض ہے کیونکہ میں نے اس کو نہیں دیکھا تھا وہ آتے ہی بولا۔

”کہاں ہے وہ بہروپیا......؟“

میں نے پوچھا۔ ”تم کو کس سے ملنا ہے آرام سے

بات کرو۔"

"وہی جو بمبئی میں سیٹھ پونا والا بنا ہوا تھا۔ میں اس کی ساری قلعی اتار دوں گا۔" وہ اب بھی غصے میں تھا۔ میں نے نام لئے بغیر کہا۔ "آرام سے بیٹھو بلاتا ہوں۔" مگر مجھے بلانے کی ضرورت نہیں پڑی رولوکا سیٹھ پونا والا کے گیٹ اپ میں آ گیا اور بولا۔ "تم ادھر بھی آ گیا بولو کیا بات ہے۔"

"مجھے سب پتہ ہے چال بازی مت کر تو سیٹھ نہیں ایک بہروپیا ہے چمپا کلی کہاں ہے یہ بتا۔" وہ بولا۔

"چمپا کلی چمپا کے پودے میں لگی ہوگی کیسی بات کرتا ہے۔" رولوکا نے جواب دیا۔

"تم بھگوت کو نہیں جانتے میں سب تیاری کر کے آیا ہوں۔ پہلے تم نے مجھے پھانس لیا تھا مگر اب میں تم کو بتا دوں گا کہ بھگوت کیا ہے بتا چمپا کلی کہاں ہے؟" وہ نفرت سے بولا۔

رولوکا نے پھر بڑی معصومیت سے کہا۔ "تم کو بولا نا کہ اس کو کسی پودے میں ڈھونڈو تم ہم سے پوچھتا ہے۔"

"تو اس طرح نہیں مانے گا۔ بھگوت مہاراج سے مخول کرنے والا کبھی زندہ نہیں رہا ہے۔" اور وہ منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑانے لگا مگر رولوکا کھڑا مسکراتا رہا۔

بھگوت نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کر کے کہا۔ "اٹھا لے اس کو۔" مگر کچھ نہ ہوا۔ اس نے پھر کہا۔ "سانبھر کے گھوڑے لا دے اس کو پیٹھ پر۔" مگر پھر بھی کچھ نہ ہوا تو اس نے آسمان کی طرف گردن اٹھا کر دیکھا اور بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔ "ہیں یہ کیا ہوا؟ میرا گھوڑا کہاں گیا۔"

"میں بتاؤں۔" رولوکا نے کہا۔

"ارے تو کیا بتائے گا تجھے تو میں ابھی بتاتا ہوں۔" پھر اس نے ایک منتر پڑھ کر زمین پر پھونکا اور زور سے پیر مارا۔ زمین ایک گڑگڑاہٹ کے ساتھ پھٹ گئی مگر اس میں سے کچھ نہیں نکلا تو وہ زور سے چیخا اس کی چیخ اتنی زوردار تھی کہ آواز پھٹ گئی۔ "ارے بھوانی تو بھی دغا دے گئی۔"

رولوکا آگے بڑھا اور بولا۔ "جا اب چلا جا اب کے پوری تیاری کر کے آنا تو بالکل گدھا کے نافک ہے۔ آ جاتا ہے منہ اٹھا کے۔ ادھر یہ زمین کھود دیا تم بنائے گا۔ ابھی جاؤ ادھر سے ادھر پھر نہیں آنے کا ہم تم کو ادھر بمبئی میں اپنا دفتر میں ملیں گے۔"

وہ جس تیزی سے آیا تھا اس سے زیادہ تیزی کے ساتھ واپس چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے کہا۔

"یہ چوہے بلی کا کھیل کر رہے ہو کچھ فیصلہ کر لو۔"

"یہ آپ کا مطب ہے۔ یہ جگہ مناسب نہیں تھی۔" رولوکا نے کہا۔

"یہ بات ہے تو ٹھیک......" میں نے جواب دیا۔

"اب میں زیادہ عرصہ دلی میں نہیں رہ سکتا۔" رولوکا نے کہا۔

"ظاہر ہے تم ایک فلم ساز ہو فنانسر ہو مگر تم نے یہ گھنٹی کیوں اپنے گلے میں باندھ لی ہے۔" میں نے پوچھا۔

"زیادہ دن یہ گھنٹی نہیں رہے گی۔" رولوکا نے جواب دیا۔

"تم نے اپنی پہلی فلم کا مہورت کر دیا نام کیا رکھا ہے فلم کا۔" میں نے پھر پوچھا۔

"چمپا کلی پروڈکشن کی پہلی اور آخری فلم کا نام بھی چمپا کلی ہے۔" رولوکا نے بتایا۔

"چمپا کلی نام تم کو بھی شاید پسند آ گیا ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"کچھ تو نام رکھنا تھا۔ ذہن میں اس وقت یہی نام تھا۔ اس لئے یہی رکھ دیا۔"

"پوری فلم بناؤ گے۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"بھگوت بنانے کب دے گا۔" رولوکا نے ہنس کر کہا۔

"کیوں وہ کیوں روکے گا۔ اس میں کیا حرج ہے۔" میں نے سوال کیا۔

''فلم کی کہانی ایسی ہے کہ ایک جادوگر ہیروئن کو چھوٹا کر دیتا ہے جیسی کہ چمپا کلی تھی اور اس کو لے کر فرار ہو جاتا ہے۔ ہیرو بڑی مار دھاڑ کے بعد دوبارہ اس کو حاصل کر لیتا ہے۔ میں نے ہیروئن کو بالکل چمپا کلی بنا کر پیش کیا ہے۔ بھگوت ضرور یہ خیال کرے گا کہ میں چمپا کلی سے کام لے رہا ہوں۔ اگر ذرا عقل مند ہوا تو شاید وہ سمجھ جائے گا مگر میرا خیال ہے وہ ایک جذباتی سا آدمی ہے علم و ہنر اس کے پاس کم ہے مگر غصہ اور جذباتیت زیادہ ہے۔'' رولو کا نے بتایا۔

''تو پھر کب بمبئی جاؤ گے؟'' میں نے پوچھا۔

''آج شام تاج محل میں ایک بہت بڑی تقریب ہے میری شرکت ضروری ہے۔'' رولو کا نے کہا۔

''آج۔'' میں نے تعجب سے کہا۔

''آپ بھول گئے شاید۔'' رولو کا نے مسکرا کر کہا۔

''ہاں ذرا دیر کو بھول گیا تھا۔ مجھے حالات سے باخبر رکھنا۔'' میں نے کہا۔

''میں آپ کے پاس بہت جلد دو چار روز میں ہی واپس آ جاؤں گا۔'' رولو کا نے کہا۔

❄......❄......❄

''تاج محل کے دروازے پر گاڑیوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ ساری فلم انڈسٹری کے بڑے بڑے نام وہاں پر موجود تھے۔ بمبئی کی فلم انڈسٹری کے بہت بڑے فلم پروڈیوسر ڈائریکٹر سہراب مودی کی کسی فلم کی کامیابی کی خوشی میں یہ پارٹی دی گئی تھی۔ سہراب مودی کا نام تاریخی فلم بنانے میں سب سے آگے تھا وہ خود بھی بہت بڑا ایکٹر تھا۔ تھیٹر کے زمانے سے کام کر رہا تھا اس کی آواز ہی اس کی اداکاری کا کمال تھی۔ وہ پارسی تھا اور میں بھی چونکہ پارسی ہی بنا ہوا تھا اس لئے وہ میری بڑی عزت کرتا تھا۔ ہال میں میری اس کی ملاقات ہوئی۔ اس کی بیوی مہتاب سے بھی ملا۔ مہتاب ایک طرح دار اور حسین عورت تھی۔ اپنے وقت کی بہترین ہیروئن مانی جاتی تھی۔ مگر ان دونوں کے ساتھ میں بھگوت کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ بھگوت یہ سمجھ رہا تھا کہ میں نے اس کو نہیں پہچانا کیونکہ وہ کالی شیروانی اور سفید پاجامے میں ملبوس تھا چہرے پر بھی یہ تبدیلی تھی کہ بڑی خوش نما داڑھی نظر آ رہی تھی وہ ایک مسلمان کے گیٹ اپ میں مجھے دھوکا دینا چاہتا تھا۔

میں نے پہلی نظر میں ہی اس کو پہچان لیا۔ مگر اس کا اظہار نہیں کیا۔ ''آپ کو پہلی بار دیکھا ہے۔ مودی صاحب تعارف نہیں کرائیں گے۔'' میں نے سہراب مودی سے کہا۔

''ارے آپ ان کو نہیں جانتے۔ آپ بنارس میں ہوتے ہیں مسلمانوں کے بہت بڑے لیڈر ہیں۔ ان کا نام شوکت مرزا ہے۔ سب لوگ جانتے ہیں۔ حیرت نے آپ ان سے واقف نہیں ہیں۔'' مودی نے کہا۔

''اچھا اچھا شوکت مرزا۔ اسی لئے میں سوچ رہا تھا کہ آپ کو کہیں دیکھا ضرور ہے۔'' میں نے کہا۔

''آپ نے اخبار میں فوٹو وغیرہ دیکھا ہوگا......؟'' بھگوت نے مسکرا کر کہا۔

''نہیں میری یادداشت اتنی کمزور نہیں ہے میں نے کسی اور جگہ ان کو دیکھا ہے۔'' میں نے کہا۔

وہ دوسری طرف چلا گیا میں نے اس پر نظر رکھی۔ بار میں جا کر اس نے شراب پی اور چلا گیا۔ اس کو پتہ نہیں تھا کہ میں اس کے ساتھ بلکہ بہت قریب ہوں۔ اس کے بعد وہ ایک ایسے مقام پر گیا جہاں میں جانا پسند نہیں کرتا۔ میں اگر اس کے ساتھ رہتا تو شاید بھگوت کا کام جلد ہو جاتا۔ میری نظر میں وہ پہلے ہی اچھا نہیں تھا مگر اب تو زیادہ گر گیا۔ میں واپس تاج محل آ گیا۔

شوکت مرزا بنارس کا مشہور آدمی تھا۔ سیاسی میدان کا کھلاڑی تھا اور مسلمانوں کی نمائندگی کرتا تھا۔ کسی کو پتہ نہیں تھا کہ شوکت مرزا بنارس میں اپنے گھر موجود تھا اور ایک شوکت مرزا بمبئی کے بدنام علاقے میں نہایت گھٹیا درجے کی عورتوں کے ساتھ داد عیش دے رہا تھا۔ وہ سب کو بتا رہا تھا کہ میں شوکت مرزا ہوں۔ میں بنارس سے آیا ہوں اس طرح وہ دو شکار ایک تیر سے کر رہا تھا۔ وہ کٹر ہندو ذہنیت کا مالک تھا۔ شوکت مرزا کی شہرت بہت اچھی تھی۔

وہ سیاست میں رہ کر بھی اپنا منفرد کردار رکھتا تھا۔ بھگوت اس کے نام کو استعمال کر کے اس کے کردار کو داغ دار کر رہا تھا۔

صبح تک وہ وہیں رہا۔ میرے کارندے اس کے اردگرد رہے۔ میں نے اس کو لانے کا کہا تھا وہ جیسے ہی اس بازار سے باہر آیا ایک گاڑی اس کے قریب آ گئی۔ ڈرائیور نے دروازہ کھول کر ادب سے کہا۔

"آیئے مرزا صاحب میرے ساتھ چلئے۔"

بھگوت نے غور سے ڈرائیور کی طرف دیکھا مگر یہ سمجھ نہ سکا کہ یہ کون ہے حیرت سے بولا۔ "تم کون ہو اور کہاں مجھے لے جانا چاہتے ہو؟"

"آپ کو بتانا ضروری تو نہیں۔ اس لئے کہ آپ خود صاحب علم ہیں۔ دور قریب ہر طرف آپ کی نظریں رہتی ہیں۔" ڈرائیور نے ادب سے جواب دیا۔

"دھوکا دینے کی کوشش مت کرنا...... بہت برا ہو گا تیرے ساتھ۔" بھگوت اعتماد سے بولا۔

"میری کیا مجال کہ میں بھگوت مہاراج سے دھوکا کروں۔" ڈرائیور نے جواب دیا۔

بھگوت نے حیرت سے ڈرائیور کو دیکھا اور جلدی سے پوچھا۔ "کون ہے تو......؟"

"میں وہ نہیں جو آپ سمجھ رہے ہیں۔ مجھے حکم آپ کو لانے کا ہے۔" ڈرائیور نے کہا۔

"اور اگر میں نہ جاؤں۔" وہ غصے سے بولا۔

"جانا تو پڑے گا۔" ڈرائیور نے کہا۔

"تجھے پتہ ہے کہ بھگوت مہاراج کیا کر سکتا ہے۔" اس نے پوچھا۔

"ہاں یہ تو پتہ ہے کہ بہروپ بدل سکتا ہے مگر چھپ پھر بھی نہیں سکتا۔" ڈرائیور بولا۔

"تو نے کس طرح پہچان لیا۔" بھگوت ڈھٹائی سے بولا۔

"شوکت مرزا ایک باکردار آدمی ہے۔ تم جو کچھ کر کے آ رہے ہو شوکت مرزا وہ نہیں کرے گا۔ دوسری بات یہ کہ شوکت مرزا بنارس میں موجود ہے اس سے ثابت ہوا کہ تم کوئی اور ہو۔ اس شہر میں صرف تم ہی ایسے ہو جو خود کو بدل سکتے ہو۔" ڈرائیور نے جواب دیا۔

"تم غلط کہہ رہے ہو۔ میرے علاوہ بھی ایک اور ہے۔" وہ بولا۔

"تم جو کرتے ہو اس پر غور کرو اور وہ جو کرتا ہے اس پر غور کرو۔ اب خاموشی سے میرے ساتھ چلو۔"

اور میرا کارندہ اس کو لے کر تاج محل کے کمرے میں آ گیا۔ میں نے دروازہ بند کر دیا اور دروازے پر میرا کارندہ بیٹھ گیا۔ میں اب بھی پونا والا سیٹھ کے روپ میں تھا۔ میں نے کہا۔ "دو تین دن کے بعد شوکت مرزا بمبئی آ رہا ہے۔"

"وہ نہیں آ سکتا میں اس کو نہیں آنے دوں گا......" وہ بولا۔

"انسان کو وہ بات زبان سے نکالنی چاہئے جس پر وہ قادر ہو۔" میں نے کہا۔

"اپنی شکتی پر مجھے بھروسہ ہے۔ میں شوکت مرزا کو بنارس سے نہیں نکلنے دوں گا۔" وہ بولا۔

"اور میں کہتا ہوں تو اس کمرے سے بھی نہیں نکل سکے گا۔" میں نے کہا۔

"تو نے میرے ساتھ دھوکا کیا ہے۔" وہ جھنجھلا کر بولا۔

"تجھے عزت کے ساتھ بلایا ہے۔ کسی دوسرے طریقہ پر بھی میں تجھے یہاں لا سکتا تھا۔ تجھے شاید عزت راس نہیں آ رہی ہے۔ اپنے دماغ کو قابو میں رکھ کر بات کر۔" میں نے کہا۔

"تو کیا چاہتا ہے......؟" وہ بولا۔

"تو اپنے عمل سے اور علم سے انسان بن جا۔ تیری جو حیثیت ہے اس پر رہ۔ سونے چاندی کے محل کھڑا کرنے کے خواب چھوڑ دے۔ تو ایک جوتے بنانے والے کی اولاد ہے تیری سات پشتوں سے یہی کام ہوتا آیا ہے تو وہی کر۔ دنیا میں ہر قسم کا آدمی رہتا ہے۔ نہ سب دولت مند ہیں اور نہ غریب ہیں جس کے نصیب میں جو لکھا ہے

اس کو ملتا ہے۔ تو بھی صبر کر اور محنت سے روزی کما کر کھا۔"

"مجھے اپدیش مت دے میں نے کڑی محنت کی ہے بیابانوں اور پہاڑوں پر مارا مارا پھرا ہوں اس لئے کہ اپنی حیثیت کو اوپر لاؤں اور تو کہتا ہے کہ پھر اسی گندے چمڑے کو سونگھوں۔ پھر سے ٹھاکروں کی جوتیاں بناؤں۔ پھر اس گندے علاقے میں چلا جاؤں۔ میں کچھ حاصل کرنے نکلا ہوں۔ میں وہ سب ضرور حاصل کروں گا میں اپنا برا اچھا جانتا ہوں۔" وہ غصے سے بولا۔

"میں تجھے ایک ہمدرد کی حیثیت سے سمجھا رہا ہوں۔ یہ زندگی کیا ہے۔ ذرا دھیان کر۔ یہ زندگی موت کی قرض دار ہوتی ہے۔ اس قرض کو ادا کرنا پڑتا ہے تجھ پر اور مجھ پر یہ قرض ہے ہم کو ادا کرنا پڑے گا نہ میں ہمیشہ اس دنیا میں رہوں گا نہ تو رہے گا۔ جب ہم دونوں کو پتہ ہے کہ ہم کو دنیا سے جانا ہے تو بول پھر اس چیز کی محبت کیوں پیدا کریں جو ہمارے ساتھ نہیں جائے گی۔ یہ مایا جال ہے اس میں خود کو کیوں پھنسائیں اس جال میں ایک دفعہ پھنس جانے کے بعد کوئی نہیں نکلتا۔ سونے کی چمک اس کو اندھا کر دیتی ہے۔ اس کو صرف ہرے نیلے نوٹوں کی گڈیاں نظر آتی ہیں اور وہ ان نوٹوں کی گڈیوں پر بیٹھ کر انسانیت سے منہ موڑ لیتا ہے۔" میں نے کہا۔

"تیری باتیں میرے سر کے اوپر سے گزر رہی ہیں۔" وہ گردن ہلا کر بولا۔

"تو پھر سن۔ دو تین روز میں شوکت مرزا آ جائے گا۔ تو اپنی سب شکتیوں کے ساتھ اس کمرے میں رہے گا۔ زیادہ زور دکھانے کی کوشش مت کرنا تیری آواز اس کمرے سے باہر نہیں جائے گی دروازے پر میرا پہرے دار موجود ہے۔ اس سے دور رہنا وہ بہت خطرناک ہے۔" اور میں یہ کہہ کر کمرے سے باہر آ گیا۔

میں نے ایسا بندوبست کر دیا تھا کہ اس کی کوئی شکتی اس کو قید سے نجات نہیں دے سکتی تھی۔

شوکت مرزا تین روز کے بعد آ گیا۔ اس کے چہرے سے ہی اندازہ ہوتا تھا کہ وہ ایک ذہین اور بردبار آدمی ہے۔ اس کی خاموشی اس کو متین اور سنجیدہ مزاج ظاہر کرتی تھی۔ وہ خاموشی سے میرے سامنے بیٹھ گیا تو میں نے کہا۔ "آپ کو یقین ہے کہ میں وہی ہوں جس نے آپ کو بلایا ہے۔" وہ میرا حلیہ اور میری زبان سن کر ذرا حیران تو ہوا مگر اس نے یہ ظاہر نہیں ہونے دیا۔

"یہ دفتر پونا والا سیٹھ کا ہے اور آپ اس کرسی پر ہیں جو سیٹھ کی ہونی چاہئے۔ مگر آپ سیٹھ پونا والا نہیں۔ آپ کی زبان سیٹھ پونا والا کی نہیں ہے۔ بمبئی کے لوگوں کی یہ زبان نہیں ہے۔" شوکت مرزا نے کہا۔

"آپ کا اندازہ درست ہے۔ میں واقعی وہ نہیں ہوں جو نظر آتا ہوں یہ ایک پردہ ہے اس کو قائم رکھنا ہے۔ اور مجھے سیٹھ پونا والا ہی کہنا ہے۔" میں نے کہا۔

"مجھے کیوں یاد فرمایا آپ نے۔" شوکت مرزا نے پوچھا۔

"تم آج آئے ہو مگر ایک شوکت مرزا بمبئی میں پہلے سے موجود ہے تم خود بھی اگر دیکھو گے تو حیران ہو گے۔ میں نے اس نقلی شوکت مرزا کو قید کر کے رکھا ہوا ہے اس کو دیکھنا چاہو گے۔" میں نے کہا۔

"آپ مذاق کر رہے ہیں شاید میں اتنا بڑا آدمی نہیں ہوں کہ میری نقل بنائی جائے۔ آپ کو غلط فہمی ہو گئی ہو گی۔ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ میرا ہمشکل ہو یا کچھ مشابہت ہو۔" شوکت مرزا نے بے یقینی کے انداز میں کہا۔

"اس کا فیصلہ تم اس کو دیکھ کر کرنا۔ میں کچھ نہیں کہتا۔" میں نے کہا۔

"وہ میرے خلاف کچھ کرتا ہے کیا۔" شوکت مرزا نے پوچھا۔

"تم پہلے اس سے ملاقات کرو۔" میں اٹھ کر کھڑا ہوا۔ "آؤ میرے ساتھ۔" اور میں اس کو لے کر ہوٹل آ گیا۔

میں نے دروازے پر ہاتھ رکھا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ سامنے پلنگ پر بھگوت بیٹھا تھا۔ دروازہ کھلتا دیکھ کر وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اب میرے سامنے دو شوکت مرزا موجود تھے۔

شوکت مرزا نے اپنے ڈپلی کیٹ کو حیرت سے دیکھا اور بھگوت بھی چور نظروں سے اس کو دیکھتا رہا اور میں دونوں کے تاثرات پڑھتا رہا۔ کچھ دیر کمرے میں خاموشی رہی پھر میں نے کہا۔

''دیکھ لیا شوکت مرزا۔ اب تم خود اس سے پوچھو یہ تمہارے بھیس میں کیوں ہے؟''

شوکت مرزا سنبھل چکا تھا۔ وہ بھگوت کے قریب چلا گیا اور بولا۔ ''تم کون ہو...... ہو تو میرے ہم شکل مگر میرا نام کیوں چرا رہے ہو۔'' بھگوت خاموش رہا اس کا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ وہ اصلی شوکت مرزا کا نام و نشان مٹا دیتا۔

''یہ نہیں بتائے گا۔ میں بتاتا ہوں'' میں نے کہا۔ ''یہ ایک دولت کا لالچی شخص ہے۔ کچھ جنتر منتر بھی جانتا ہے اس جنتر منتر کے زور پر اس نے تمہاری شکل بنائی ہے مگر اس کے کرتوت ایسے ہیں کہ بتایا نہیں جا سکتا تمہاری شہرت اور نیک نامی سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔ تم کو راہ سے ہٹا کر دولت کے ساتھ نیک نامی اور لیڈر شپ بھی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ یہ بہت خطرناک بھی ہے اور بہت بے وقوف بھی ہے۔ تم نے سنا ہوگا کہ بندر کے ہاتھ میں استرا آ جائے تو وہ اپنا ہی گلا کاٹ لیتا ہے۔ یہی اس کا حال ہے۔'' میں نے کہا۔

''اس کی اپنی اصلی شکل بھی تو ہوگی۔'' شوکت مرزا نے کہا۔

''ابھی دکھا دیتا ہوں اصلی شکل۔'' میں نے کہا اور دروازے کی طرف اشارہ کیا وہاں سے میرا کارندہ اندر آ گیا مگر صرف اس کو میں نے اور بھگوت نے دیکھا۔ اس کو دیکھ کر بھگوت زور سے چیخا۔ ''اس کو روکو...... روکو...... روکو۔''

میں نے کہا۔ ''تو پھر آ جا اپنی شکل میں تیرا ڈرامہ ختم ہوا۔'' اور اب ہمارے سامنے بھگوت مہاراج اپنی شکل اور حلئے میں موجود تھا۔

''وہ ایک دھوتی اور شلوکا میں ملبوس پلنگ پر بیٹھا تھا۔ اس کی لمبی چوٹی سر پر لہرا رہی تھی۔ شوکت مرزا اس کو دیکھ کر چونک گیا۔ میں نے پوچھا۔ ''کیا ہوا......؟'' تو وہ بولا۔

''اس کو میں نے دیکھا ہے۔ یہ گوکل پور گاؤں کا رہنے والا ہے یہ اور اس کا باپ کئی دفعہ میرے پاس آ چکے ہیں جو کام ان کا مجھ سے تھا وہ میں نہیں کر سکتا تھا کیونکہ قانونی طور پر ان کا کیس کمزور تھا۔ یہ بڑے غصے میں میرے پاس سے گیا تھا۔ مگر بنارس میں یہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکا یہ پھر بنارس میں نظر نہیں آیا اور آج پورے پانچ سال کے بعد یہ مجھے اس طرح ملا ہے۔''

''ہاں بھئی اب بتا۔ تیری شوکت مرزا سے کیا دشمنی تھی کہ تو نے ان کا روپ بھر کر بدنام کرنے کی کوشش کی۔'' میں نے بھگوت سے پوچھا۔ مگر اس نے جواب نہیں دیا تو پھر میں نے دوبارہ کہا۔ ''میری بات اچھی طرح کان کھول کر سن لے۔ تیری خاموشی زیادہ دیر نہیں رہے گی تو سب کچھ بتائے گا مگر میں چاہتا ہوں تو خود ہی بتائے۔''

''شوکت مرزا نے ہماری زمین کے معاملے میں ہماری مدد نہیں کی تھی۔ میرے خاندان کو تباہ کر دیا تھا میں اس کا کچھ نہیں کر سکا تھا۔ پھر میں نے فیصلہ کیا کہ میں دوسرے طریقہ سے اس کا بدلوں گا اور میں نے کالا علم سیکھنا شروع کر دیا۔ کئی سال میں نے مختلف جگہوں پر یہ علم حاصل کیا اور روپ بدلنے کا ہنر مجھے آ گیا۔ چمپا کلی کا جاپ مجھے گرو سادھو نے دیا اور میں نے چمپا کلی کو حاصل کر لیا اور آزمائش کے طور پر میں نے اس کو اس عورت کے کاندھے پر چڑھا دیا اور میں شوکت مرزا کے روپ میں آ گیا۔ سب سے پہلے میں اس کی نیک نامی اور کردار کو داغ دار کرنا چاہتا تھا۔ مگر میرے ساتھ حادثہ ہوا اور چمپا کلی تمہارے پاس قید ہو گئی۔ میں اتنا کمزور نہیں تو بھی یہ بات سمجھ لے میرا گورو سادھو بہت مہان ہے۔ وہ میری سہائتا کو ضرور آئے گا۔ پھر تیرا کیا ہوگا۔'' وہ اکڑ کر بولا۔

''اس مہان استان کا نام اپنی گندی زبان سے مت لے۔'' میں نے کہا۔

''کیوں نہ لوں۔ وہی تو میرا گرو ہے۔ اسی نے مجھے چمپا کلی کا جاپ دیا تھا۔''

''ہاں میں نے تجھے جاپ دیا تھا۔ مگر تو نے جو وعدہ کیا تھا تو اس پر پورا نہیں اترا'' ایک گونجتی ہوئی آواز کمرے میں گونجی۔ میرے سوا سب حیران رہ گئے میں پہچان چکا تھا کہ یہ آواز سادھو کی تھی۔

''تو نے وعدہ کیا تھا تو مایا کے لئے اس کو استعمال نہیں کرے گا تو کسی پاوتر ناری کے لئے استعمال نہیں کرے گا۔ تو نے تو دونوں وچن کا خیال نہیں کیا۔ میں تیری سہائتا کرتا مگر اب اسی کارن نہیں کروں گا۔''

آواز بلند ہوئی تو بھگوت بے ساختہ چیخ کر بولا..... ''گرو دیو میری مدد کرو۔ مجھے اس پاپی کے کشٹ سے بچاؤ۔''

''چپ رہ تو خود پاپی ہے۔ تیری کوئی سہائتا نہیں ہوگی اپنے کرموں کا پھل تجھے بھوگنا ہوگا یہی انصاف ہے۔''

بھگوت شور کرتا رہا مگر دوبارہ سادھو کی آواز نہیں آئی۔ شوکت مرزا حیرت سے یہ تماشہ دیکھتا رہا۔ میں نے کہا۔ ''تیری کم سے کم سزا یہ ہے کہ تجھے خالی ڈھول کر دیا جائے۔ تیری ساری تپسیا اور شکتی کو ختم کر دیا جائے۔'' میں نے کہا۔ تو وہ بولا۔

''یہ نہ کرنا اس سے تو اچھا ہے کہ تو میری جان لے لے میں شکتی کے بغیر کس طرح جیوں گا۔''

''کچھ کو اصلی گھی ہضم نہیں ہوتا اسی طرح تجھے شکتی ہضم نہیں ہوگی تو پھر وہی کرے گا۔ تو نے اپنے سادھو گرو سے کیا ہوا وچن توڑ دیا مجھ سے جو وچن کرے گا اس کا تجھ کو کیا پاس ہوگا۔ رہی یہ بات کہ تیری جان لے لوں تو یہ بہت آسان ہے مگر میں جانتا ہوں تو مرنا نہیں چاہے گا ہر حالت میں زندگی چاہے گا کیونکہ یہ بہت پیاری چیز ہے اب بول کیا چاہتا ہے۔''

بھگوت خاموش رہا۔ تو میں نے پھر کہا۔ ''یہ خاموشی کی چادر تو اوڑھ لیتا ہے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر کے سمجھتا ہے بلی چلی جائے گی تو تیرا خیال درست نہیں ہے۔ تجھے میری بات کا جواب دینا ہے صرف ایک منٹ میں اس کے بعد میں وہی کروں گا جو مجھے کرنا ہے۔''

وہ جلدی سے بولا۔ ''مجھے زندہ رہنا ہے۔''

''ٹھیک ہے تو زندہ رہے گا۔ تیری ساری تپسیا ختم سب شکتی ختم اور غور سے سن لے اگر تو نے کبھی بھی کسی شکتی کو حاصل کرنے کی طرف قدم بڑھایا تو تیرا جسم ناکارہ ہو جائے گا۔ پھر تو خود موت کی تلاش کرے گا اور نہیں پائے گا۔ اب اٹھ کر اس شہر سے فوراً چلا جا۔'' بھگوت اٹھ کھڑا ہوا اور فوراً ہی کمرے سے باہر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد شوکت مرزا نے کہا۔

''یہ حیرت انگیز واقعہ میری زندگی کا بہت بڑا واقعہ ہے۔ میں نے ایسا تماشہ کبھی نہیں دیکھا۔''

''پراسرار اور طاغوتی دنیا بھی ایک ہے آپ چونکہ اس کے بارے میں نہیں جانتے اس لئے آپ کو حیرت تو ہوگی۔'' میں نے مسکرا کر جواب دیا۔

''میرے خدا میں نے جو کچھ دیکھا اور سنا وہ ناقابل یقین ہے۔'' شوکت مرزا نے کہا۔

''یہ ایک بہت ہی چھوٹی حقیقت تھی جو آپ نے دیکھی۔'' میں نے کہا۔

''میری عقل نے اب تک اس کو قبول نہیں کیا ہے۔ میں ایک سوال کروں۔'' شوکت مرزا نے کہا۔

''ضرور کرو......'' میں نے جواب دیا۔

''کیا آپ کا علم معمولی احاطہ انسانی سے بالاتر ہے آپ جادوگر ہیں یا انسانی پیکر میں کچھ اور......''

''میں ایک انسان ہی ہوں خود کو مافوق البشر بھی نہیں کہتا اور جادوگروں کے گروہ سے بھی میرا تعلق نہیں بنتا۔'' میں نے جواب دیا۔

''تو پھر میں کیا سمجھوں۔'' شوکت مرزا نے پوچھا۔

''مجھے ایک خدمت گار سمجھ لیں اور ہاں جو روپ آپ کے سامنے میرا اس وقت ہے یہ اصلی نہیں ہے۔ آپ آج کے بعد مجھے اس روپ میں تلاش نہیں کریں گے اور اگر کریں گے تو ناکامی ہوگی۔'' میں نے کہا۔

''میں آپ سے ضرور ملنا، کچھ استفادہ، کچھ تجربہ حاصل کرنا چاہوں گا۔'' شوکت مرزا نے کہا۔

''ایسا نہیں ہوگا۔ آج کے بعد پونا والا سیٹھ بمبئی شہر میں تو کیا پورے بھارت میں نہیں ہوگا۔ یہ ایک کردار تھا۔ اس کا کام ختم ہوگیا۔ اب کہانی میں اس کا ذکر نہیں آئے گا مگر یہ زندگی کی کہانی ہے یہ کبھی ختم نہیں ہوگی نئے نئے کردار آئیں گے وہ بھی اپنا پارٹ پلے کریں گے اور ایک نہ ایک دن ختم ہوجائیں گے۔ ہماری ملاقات اب نہیں ہوگی سیٹھ پونا والا کا پارٹ یہیں پر ختم ہوگیا ہے۔''

''اور سیٹھ پونا والا کا کاروبار ادھوری فلم اس کا کیا ہوگا۔'' میں نے رولوکا کی روداد سننے کے بعد رولوکا سے پوچھا۔

''اس کو میں نے پہلے ہی ٹھکانے لگادیا تھا۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''وہ کس طرح؟'' میں نے پھر پوچھا۔

''اس کی تفصیل زیادہ نہیں ہے صرف اتنی سی ہے کہ لاکھوں کا کاروبار اگر کسی کو مفت مل رہا ہو تو وہ کیوں نہیں لے گا میں نے اپنا سب کاروبار اپنے مینیجر کو صرف اس وعدے پر دے دیا کہ وہ میری امانت سمجھ کر اس کو چلائے گا۔ مجھے جب ضرورت ہوگی اپنا حصہ آکر وصول کرلوں گا۔''

''چلو کسی کا تو بھلا ہوا۔'' میں نے جواب دیا۔

''اب آپ بتائیں کیا پروگرام ہے؟'' رولوکا نے پوچھا۔

''ذرا آرم بھی کرلیا کرو۔'' میں نے جواب دیا۔

''آرام تو کرتے رہتے ہیں کام ہے تو زندگی ہے۔ کام نہیں تو زندگی میں کچھ مزا ہی نہیں۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''کم از کم کوئی تو ہے جو تم کو ہندوستان میں جانتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''میں بھی یہ سمجھتا تھا کہ صرف تم ہی رولوکا کو جانتے ہو مگر ایسا نہیں تھا۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''تم نے یہ نہیں بتایا کہ یہ چمپا کلی اصل میں تھی کون؟'' میں نے پوچھا۔

''یہ ہماری دنیا کی مخلوق نہیں تھی۔ یہ مخلوق زمین کے اندر کی ہے ان کی زندگی ہماری زندگی سے زیادہ مشکل ہے۔ اسی لئے قدرت نے ان کو زیادہ صلاحیتیں اور طاقت دی ہے یہ زمین کے اندر ہزاروں فٹ گہرائی میں رہتی ہے۔ زمین کے اوپر اس لئے نہیں آتی کہ ان کو اس کی اجازت نہیں ہے۔ مگر ہماری دنیا کے لوگ ان کو اوپر لے آتے ہیں اور ان سے ناجائز کام کرواتے ہیں۔ یہ تین بہنیں ہیں سب سے بڑی انکا ہے۔ درمیان والی کا نام جھمکا ہے اور یہ سب سے چھوٹی تھی اس کا ناچکا تھا۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''اس کا مطلب ہوا کہ یہ جنات سے زیادہ طاقتور مخلوق ہے۔'' میں نے کہا۔

''نہیں۔ جنات ہماری طرح ہر مذہب کے ملیں گے اسی لئے وہ اس مخلوق سے کمزور نہیں ہیں۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''اس مخلوق میں کیا صرف مادہ ہی ہیں نر نہیں ہیں۔'' میں نے پوچھا۔

''میرا واسطہ دو دفعہ ان سے پڑا ہے۔ دونوں دفعہ مادہ ہی ملی۔ نر بھی ہوتے ہوں گے جب ان سے ملاقات ہوگی تو میں بتاؤں گا۔'' رولوکا نے ہنس کر کہا۔

☆☆☆